بنارس
ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیۃ بنارس الہند

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

جلد: ۲ • ربیع الاول ۱۴۰۳ • جنوری ۱۹۸۳ • شمارہ: ۱

ایڈیٹر

صفی الرحمن مبارکپوری

بدل اشتراک

• سالانہ ۲۵ روپے • ششماہی ۱۳ روپے

• فی پرچہ ۲/۵۰ روپے • بیرون ملک ۱۵ ڈالر

پتہ

خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA SALAFIA REORI TALAB VARANASI - 221001

ٹیلی گرام: دارالعلوم وارانسی ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

تزئین و کتابت

مولانا قاری محمد زبیر • انور جمال

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

طابع: عبدالوحید

مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

مناجات

شوق اعظمی

اے خدا بخش دے مجرم ہوں سر افگندہ ہوں پیکرِ جرم سہی پھر بھی ترا بندہ ہوں

کیجیے غور تو ہوں سارے ہنر سے خالی دیکھیے عیب تو ہر عیب سے آگندہ ہوں

قابلِ رحم ہے عالم مری بدبختی کا صحن گلزار میں اک مرغِ پر افگندہ ہوں

ایک لمحہ بھی نہیں مجھ کو سکونِ خاطر خوار ہوں خستہ ہوں رسوا ہوں پراگندہ ہوں

شاد رکھتی ہے مگر شانِ کریمی تیری غم کی دیوار پہ تصویرِ شکر خندہ ہوں

مجھ کو دوزخ میں نہ بھیج اے مرے رحمان و رحیم دیکھ بندہ ہوں ترا، دیکھ ترا بندہ ہوں

دل میں پوشیدہ ہے گنجینۂ ایماں اے شوق
میں سمجھتا ہوں کہ ہر حال میں فرخندہ ہوں

عزائم کو سینوں میں بیدار کرے

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات. له الحمد فی الأولی والآخرة وله التحيات المباركات والصلوات الطيبات، نحمده علی ما اولانا به من نعم الدنيا والدين، ونشكره علی ما اسداه الينا من متاع الايمان واليقين، والصلوٰة والسلام علی خيرة الخلق وصفوة البرية أجمعين، محمد سيد ولد آدم وافضل الرسل وخاتم النبيين، اللهم اغدق عليه شآبيب الرحمة والرضوان، واجعلنا فی زمرة المؤمنين اتبعوه واتبعوا هديه باحسان۔ امابعد۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل وکرم ہے کہ محدث کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کرکے دار الحدیث رحمانیہ مرحوم کی یادگار صحافت کو زندہ کرنے اور اس کی تبلیغی روایت کو دہرانے کے لیے اللہ کے بھروسے پر جو قدم اٹھایا گیا تھا اب محض اسی کی توفیق سے اس کا ایک سال پورا ہو گیا۔

ہمارا ایمان ہے اور اب تجربے نے اسے اور پختہ کر دیا ہے کہ جو کام ذاتی اغراض سے ہٹ کر محنت اور لگن کے ساتھ کیا جائے، اس کے مفید نتائج اور مثبت اثرات پڑ کر رہتے ہیں۔ محدث خالصۃً اسلام اور اہلِ اسلام کی خدمت کے لیے جاری کیا گیا، اور اس عزم کے ساتھ کہ مسلمانوں میں دینی انتشار اور انارکی کی موجودہ فضا کو ایندھن فراہم کرنے کے بجائے انہیں ملت اسلامیہ کی واحد شاہراہ — صراط مستقیم — پر گامزن ہونے کی دعوت دی جائے اور بڑے سے بڑے اختلافی مسئلے میں بھی واقعیت پسندی اور اعتدال کا دامن چھوڑ کر جذباتیت اور گروہ بندی و طرفداری کا شکار نہ ہوا جائے۔

ادارہ محدث نے گیارہ ماہ کے عرصے میں اپنے تین خصوصی شمارے شائع کیے ۔ (۱) مئی ۸۲ء کا شمارہ حادثۂ بالاکوٹ کے موضوع پر (۲) جولائی ۸۲ء کا شمارہ رمضان اور تراویح کے موضوع پر (۳) نومبر ۸۲ء کا شمارہ حادثۂ کربلا کے موضوع پر ——— یہ تینوں موضوع جذباتیت کی آماجگاہ ہیں ۔ اور آخرالذکر دو موضوع تو صد درجہ اختلافی بھی ۔ لیکن آپ دیکھ سکتے ہیں کہ محدث نے ان موضوعات پر جو کچھ پیش کیا ہے وہ کس درجہ معقول اور معتدل ہے ۔

ہماری یہ بھی خواہش اور کوشش ہے کہ ہمارے موجودہ ماحول میں خامیوں اور خرابیوں کے جو پہلو ہیں اور جن کی وجہ سے ہم زوال و انحطاط کا شکار ہیں اور سربلندی اور عزو وقار کے لیے ہماری کی جانے والی کوششیں اپنے خاطر خواہ نتائج نہیں دے رہی ہیں، ان کی نشاندہی کریں ۔ اسلام فرد اور جماعت کے کردار کی تشکیل کن خطوط پر کرنا چاہتا ہے، اس کی وضاحت کریں ، فساد کے داخلی دروازے اور بیرونی دروازے کہاں کہاں ہیں ؟ اسے بتلائیں ۔

اعدائے اسلام ہمارے شکست و ریخت کی کیسی کیسی تدبیریں کر رہے ہیں ، اس کے لیے کس کس قسم کے افراد کو استعمال کر رہے ہیں اور کن وسائل و ذرائع سے کام لے رہے ہیں ۔ اس کا پردہ فاش کریں ۔ اور اسلام و ایمان کی مختصر سی چنگاری بھی وقت آنے پر کس طرح شعلۂ جوالہ بن کر بھڑکتی ہے ، اور کیسے کیسے محیر العقول اور عجوبۂ روزگار کارنامے اس کے سبب ظہور میں آتے ہیں اس کا بھی نظارہ کرائیں ۔ غرض ہمارے سامنے ایک پوری دنیائے مقاصد ہے ، جسے ہم محدث کے محدود صفحات کے ذریعہ انجام دینے کی خواہش رکھتے ہیں ۔

اس طرح کے جامع مقاصد خیر کے علاوہ ہماری یہ بھی خواہش و کوشش ہے کہ ہماری اسلامی درسگاہوں کے طلبہ مذہبی گروہ بندی کی موجودہ فضا سے ہٹ کر سوچیں ۔ اور لکھنے کی مشق کریں ۔ تاکہ مستقبل قریب میں وہ کسی مخصوص گروہ کے بجائے ـــ اسلام اور اہلِ اسلام کی خدمت کر سکیں ۔

ہم نے اپنے محدود دائرے اور محدود استطاعت کی حد تک اللہ کی توفیق سے جو کچھ ہو سکتا تھا کیا ۔ اور انشاءاللہ آئندہ مزید وسعت و پختگی کے ساتھ کرتے رہیں گے ۔ ہمارا عزم یہی ہے ۔ تمام معاملات کی زمام اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہمیں اس کی توفیق و نصرت و اعانت کی پوری امید ہے ۔

ہمارے قارئین ہمیں وقتاً فوقتاً جو خطوط لکھتے رہتے ہیں اس سے ہمیں مزید اطمینان ہے کہ ہم خدا لگتی کا کام انجام دے رہے ہیں ۔ لیکن ہماری مزید گزارش ہے کہ صحیح اسلامی خطوط پر عملی دنیا میں تبدیلی لانے کی کوشش کی جائے ۔ صالح خیالات اور صالح عمل کے اتصال ہی سے خیر کا وجود ہوتا ہے ، اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول و رفع درجات کا اعزاز ملتا ہے ۔

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ـــ و باللہ التوفیق ۔ •••

منہاج نبوت

عید میلاد النبیؐ کی شرعی حیثیت

سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز حفظہ اللہ
صدر دار الافتاء ریاض سعودی عرب

الحمد للہ ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ۔ وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن اھتدی بھداہ ۔ اما بعد :۔

مسلمانوں کے دور زوال میں اس دین کی صفائی اور اس کے احکام کی شفافی پر بہت سی بدعتوں اور خرافات کا زنگ چڑھ گیا۔ جس کے نتیجہ میں ان کا زوال اور بڑھ گیا اور وہ صاف ستھرے عقیدے کی طرف پلٹنے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑنے اور حق کی طرف رجوع کرنے کے بجائے ان لغو نمائشوں اور اندھے مراسم میں پھنس کر رہ گئے جنہیں گمراہ اور گمراہ کن لوگوں نے ایجاد کر لیا تھا۔ یہ رسمیں انہیں حق کی شاہراہ سے ہٹا کر گمراہی کی پگڈنڈیوں پر لے گئیں۔ مسلمانوں پر ان کے عقیدے کو گڈ مڈ کر دیا۔ ایمان کی چنگاری اور یقین کے جمال کو بجھا کر رکھ دیا۔ اور مسلمانوں کی مختلف النوع صلاحیتوں اور قوت وشجاعت کو ان کھوکھلی نمائشوں اور بے مغز اعمال نے چوس ڈالا۔ مسلمانوں میں بدعات پر مبنی عیدوں کا سلسلہ پھیل گیا۔ مسلمانوں کی امیدیں اور ان کا تعلق اللہ کے بجائے قبروں اور مزاروں سے وابستہ ہو کر رہ گیا۔ اہل قبور سے شفاعت کی گذارش کی جانے لگی۔ اور ان سے مرادیں مانگی جانے لگیں۔ ان گمراہیوں کے سبب اکثر مسلمان بت پرستی کے مراسم اور شخصیت پرستی کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں نے انہیں حقیر سمجھ لیا۔ ان کی گراوٹ اور زیادہ ہو گئی اور ان کی قوت کمزوری سے بدل گئی۔

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش کا وقت جب آتا ہے تو یہ ایک ایسے موقع کی آمد

ہوتی ہے جس میں بہت سے لوگوں نے عید میلاد منانے کی بدعت ایجاد کر رکھی ہے ان کا خیال ہے کہ اس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ سے تعلق خاطر کا حق ادا ہوتا ہے لیکن یہ لوگ اس فرض سے غافل ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت۔ آپ کی پیروی اور اطاعت ہی سے ہو سکتی ہے۔ باقی رہا یہ مروجہ عید میلاد تو سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔ یہ درحقیقت ایک ایسی بدعت ہے جسے دین میں ایجاد کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے نہیں کیا ہے۔ آپ کے خلفائے راشدین نے بھی نہیں کیا ہے۔ دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی نہیں کیا ہے۔ اور ان کے بعد قرون فاضلہ کے تابعین نے بھی نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ سنت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑھ کر محبت کرتے تھے اور شریعت کی پیروی میں اپنے بعد آنے والوں سے زیادہ پختہ تھے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے سب سے پہلے عید میلاد کو چوتھی صدی ہجری میں فاطمیوں نے ایجاد کیا۔ اور معلوم ہے کہ یہ لوگ فاسد عقیدہ رکھتے تھے شیعہ تھے۔ اور اس میں بھی بڑا غلو رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ۔ یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ (ایجاد کردہ چیز) مردود ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: علیکم بسنّتی وسنّۃ الخلفآء الراشدین المھدیین من بعدی تمسّکوا بھا۔ وعضّوا علیھا بالنواجذ، وایّاکم ومحدثات الامور فان کلّ محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ یعنی تم لوگ میری سنت کو اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت کو اپناؤ۔ اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور دانتوں سے جکڑ لو۔ اور دین میں نئی نئی ایجادات سے دور رہنا گو۔ کیونکہ ہر ایجاد کی ہوئی چیز بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے ـــــــ ان دونوں احادیث میں بدعتیں ایجاد کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ — پیغمبرؐ تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو۔ اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

اللہ عزوجل نے نیز فرمایا: فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ — جو لوگ پیغمبر کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیئے کہ وہ کسی فتنے سے دوچار ہو جائیں یا انہیں

أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

کوئی دردناک عذاب جا پہنچے۔

اللہ سبحانہ کا مزید ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ پیروی ہے۔ اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔

اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت لیجانیوالے اولین، اور وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عظیم کامیابی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔

آج میں نے تم لوگوں کے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔

اس معنی کی آیتیں بکثرت ہیں۔ لیکن اس طرح کی عید میلاد کے ایجاد کرنے سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس امت کے لئے اپنا دین مکمل نہیں کیا تھا۔ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان باتوں کی تبلیغ نہیں کی تھی جن پر امت کو عمل پیرا ہونا تھا۔ یہاں تک کہ بعد کے یہ حضرات آئے۔ اور یہ سمجھ کر اللہ کی شریعت میں اس کی اجازت کے بغیر، ایجاد و اضافہ کر دیا کہ یہ بھی اللہ کے قریب پہنچانے والا کام ہے۔ حالانکہ اس میں بلاشبہ عظیم خطرہ ہے۔ اور اللہ سبحانہ پر اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہے۔ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کے لئے دین مکمل کر چکا ہے۔ اور ان پر نعمت پوری کر چکا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بات کھول

کھول کر لوگوں تک پہنچا دی ہے۔ چنانچہ جنت تک پہنچانے والا اور جہنم سے دور کرنے والا کوئی بھی راستہ ایسا نہیں ہے جسے آپ نے امت سے بیان نہ کر دیا ہو جیسا کہ حدیث صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مابعث اللہ من نبی الا کان حقا علیہ ان یدل امتہ علی خیر ما یعلمہ لھم (صحیح مسلم)	اللہ تعالیٰ نے جس کسی نبی کو بھی مبعوث فرمایا اس پر یہ حق تھا کہ اپنی امت کے لئے جو کوئی بھلائی جانتا ہو وہ انہیں بتلا دے۔

اور معلوم ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سارے انبیاء سے افضل، سب کے خاتم اور تبلیغ و نصیحت میں سب سے کامل تر تھے بس اگر عید میلاد منایا اللہ کی رضا اور دین کا کام ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے یہ بات ضرور بیان کر دیتے۔ آپ اپنی زندگی میں اسے خود کرتے۔ ورنہ کم از کم آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کرتے لیکن جب یہ کام سرے سے ہوا ہی نہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ دین میں ایک ایسی ایجاد ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دور رہنے کی تاکید کی ہے جیسا کہ پچھلی دو حدیثوں میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔ اور اس معنی کی مزید احادیث بھی وارد ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے خطبے میں فرمایا کرتے تھے۔

امابعد: فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وشر الامور محدثاتھا، وکل بدعۃ ضلالۃ۔ (صحیح مسلم)	امابعد۔ بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقۂ عمل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ عمل ہے اور سب سے برے کام وہ ہیں جو ایجاد کرلئے گئے ہوں۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

آیتیں اور حدیثیں اس باب میں بکثرت ہیں۔ اور علماء کی ایک جماعت نے مذکورہ دلائل پر عمل کرتے ہوئے عید میلاد پر انکار اور اس سے کنارہ کشی کی تاکید کی صراحت کی ہے۔ لیکن بعض متاخرین نے مخالفت کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ یہ کسی خلاف شریعت کام پر مشتمل نہ ہو۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلو۔ مردوں۔ عورتوں کا اختلاط۔ اور ایسے سامان تفریح وغیرہ جو شریعت مطہرہ کی نگاہ میں برے ہیں۔ ان

علماء کا خیال ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔ حالانکہ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس بات میں لوگوں کے درمیان نزاع واقع ہو اسے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف پلٹا دیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۔

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی۔ اور اطاعت کرو رسول کی۔ اور اپنے اولو الامر (یعنی حکمرانوں) کی بھی اگر تم لوگ کسی چیز میں اختلاف کر بیٹھو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پلٹا دو۔ اگر تم لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے۔ اور انجام کے لحاظ سے بہت خوب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۔

دین کی کسی چیز کے بارے میں تم لوگ جو اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔

اس حکم کی بنا پر ہم نے اس مسئلہ عید میلاد کو اللہ کی کتاب کی طرف پلٹایا تو ہم نے وہاں یہ پایا کہ یہ کتاب ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی بات کی پیروی کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اور آپ کی منع کی ہوئی چیزوں سے دور رہنے کی تاکید کرتی ہے۔ اور ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس امت کے لئے اس کا دین مکمل کر دیا ہے لیکن یہ عید میلاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اس دین سے نہیں ہے۔ جسے اللہ نے ہمارے لئے مکمل کیا ہے اور جس کے سلسلے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر ہم نے اس معاملے کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹایا تو ہمیں وہاں بھی یہ بات نہیں ملی کہ آپ نے یہ کام خود کیا ہو یا کرنے کا حکم دیا ہو۔ یہ بھی نہیں مل سکا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کام کیا ہو۔ اس سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ کام دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ ایجاد کردہ بدعتوں میں سے ہے۔ اور اس میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان کی عیدوں کے معاملے میں مشابہت اپنائی گئی ہے۔

اس سے ہر اس شخص کے لئے جو ادنیٰ سی بصیرت اور حق کی رغبت رکھتا ہو۔ اور تلاش حق میں انصاف کا پابند

ہو۔ یہ بات واضح ہوگئی کہ عید میلاد دین اسلام سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان ایجاد کردہ بدعتوں میں سے ہے جن کو چھوڑنے اور جن سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا حکم اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ کسی سوجھ بوجھ والے آدمی کو مختلف ممالک کے اندر اس عید کے منانے والوں کی کثرت دیکھ کر دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کیونکہ حق کو پیروکاروں کی کثرت سے نہیں بلکہ شرعی دلیلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے سلسلے میں فرمایا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى، تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

انہوں نے کہا جنت میں ہرگز نہ داخل ہوگا مگر وہی شخص جو یہودی یا نصرانی ہو۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں آپ کہہ دیں کہ تم لوگ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

نیز ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۝

روئے زمین پر جو لوگ ہیں اگر آپ نے ان میں سے اکثر کی پیروی کی تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔

پھر عید میلاد کی اکثر مجلسیں بذات خود بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے خلاف شرع امور سے بھی خالی نہیں رہتیں۔ جیسے عورتوں مردوں کا اختلاط۔ گانے۔ قوالیوں اور ڈھول تاشے کا استعمال۔ نشہ آور چیزوں کا خورد نوش اور دوسری برائیاں۔ اور کبھی کبھی تو اس سے بھی بڑی برائیاں سرزد ہوتی ہیں یعنی شرک اکبر وجود میں آجاتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے سلسلے میں غلو اختیار کرتے ہوئے انہیں پکارا جاتا ہے۔ ان سے مدد مانگی جاتی ہے۔ اور مراد پوری کرنے کی درخواست کی جاتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی کافرانہ حرکتیں ہیں جنہیں بہت سے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کا جشن پیدائش مناتے ہوئے کرتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

ایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک من کان قبلکم الغلو فی الدین۔

دین میں غلو سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کے لوگوں کو دین میں غلو نے تباہ کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزید ارشاد ہے۔

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ

میری تعریف اس طرح بڑھا چڑھا کر نہ کرو جیسے نصاریٰ

ابن مریم۔ انما انا عبد، فقولوا عبد اللہ ورسولہ (صحیح بخاری عن عمر رضی اللہ عنہ) نے ابن مریم کو بڑھا چڑھا دیا۔ میں تو بس بندہ ہوں اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور پیغمبر کہو۔

یہ عجیب و غریب بات ہے کہ بہت سے لوگ بڑی مستعدی کے ساتھ ان بدعتی محفلوں میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کی طرف سے دفاع کرتے ہیں لیکن جمعہ اور جماعت کے اندر اللہ نے حاضری کو جو ضروری ٹھہرایا ہے اس سے پچھڑے رہتے ہیں۔ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں تاکتے۔ اور انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ ایک بہت بڑا اخلاف شریعت کام کر رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایمان کی کمزوری، بصیرت کی کمی اور مختلف قسم کی معصیتوں اور گناہوں کے سبب دل پر بیٹھے ہوئے زنگ کی کثرت کا نتیجہ ہے۔ ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

انہیں منکرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض حضرات سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان محفلوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہ حضرات آپ کو سلام و مرحبا کہتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ عظیم ترین باطل اور نہایت بری جہالت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیامت سے پہلے اپنی قبر سے باہر تشریف نہیں لائیں گے۔ آپ کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ لوگوں کے اجتماعات میں تشریف نہیں لاتے۔ بلکہ آپ قیامت تک کے لئے اپنی قبر میں مقیم ہیں۔ اور آپ کی روح اپنے رب کے پاس اعلیٰ علیین میں باعزت گھر کے اندر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مومنون میں فرمایا ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ. ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ. پھر تم لوگ اس کے بعد مرنے والے ہو۔ پھر تم لوگ قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (آپ پر آپ کے رب کی طرف سے افضل ترین درود و سلام نازل ہو)

انا اول من ینشق عنہ القبر یوم القیامۃ وانا اول مشفع۔ میں پہلا شخص ہوں جس سے قیامت کے دن قبر پھٹے گی اور میں پہلا شخص ہوں جس کی شفاعت قبول کی جائیگی۔

پس یہ آیت کریمہ اور حدیث شریف، اور اس معنی کی دوسری آیات و احادیث بتلاتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مردے قیامت کے دن قبروں سے نکلیں گے۔ مسلمان علماء کے درمیان اس پر اجماع ہے۔ اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ان باتوں سے آگاہ ہونا چاہئے اور جاہلوں اور

جاہل نما لوگوں نے جو بدعات وخرافات ایجاد کرلی ہیں جن کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی ہے ان سے دور رہنا چاہیئے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان ولاحول ولاقوۃ الا بہ۔

باقی رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کا مسئلہ تو واضح رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا افضل ترین ذریعہ اور اعمال صالحہ میں سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے اہل ایمان تم بھی ان پر خوب درود وسلام بھیجو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَن صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً واحدةً صلّى الله عليه بها عشرًا۔

جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔

درود وسلام تمام اوقات میں مشروع ہے۔ اور نماز کے آخر میں اس کی تاکید ہے۔ بلکہ آخری تشہد میں تمام اہل علم کے نزدیک واجب ہے۔ اور بہت سے موقعوں پر سنت موکدہ ہے۔ مثلاً اذان کے بعد، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو۔ اور جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں۔ جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو دین کی سمجھ دے۔ اور اس پر ثابت قدم رکھے۔ اور سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنے اور بدعت سے دور دور رہنے کی توفیق دے کر احسان فرمائے۔ وہ بڑا دانا اور کریم ہے۔ وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه۔

جمعیتی حرکت وعمل جمعیت اہلحدیث مشرقی یوپی کے نائب ناظم جناب مولانا عبدالقادر انور صاحب کی رپورٹ ہے کہ انھوں نے ماہ رمضان کے دورے کی تکمیل کے بعد دفتری امور کی دیکھ ریکھ نیز شعبہ تصنیف وتالیف کی تمام تر ذمہ داریوں کی انجام دہی کے علاوہ اضلاع بنارس، مرزاپور، غازی پور، اعظم گڈھ اور دیوریا کے ۹۴ مقامات کا دورہ کیا۔ یہ دورہ ماہ ستمبر ۱۹۸۲ء کے دوران ہوا۔ جمعیت کے مستقل مبلغ مولوی عبدالودود صاحب سلفی بھی مسلسل دورے کر رہے ہیں۔

مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعہ مرکزی دار العلوم بنارس

ایات و نوار

معیارِ برتری

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد (حضرت آدمؑ) اور ایک عورت (حضرت حواؑ) سے پیدا کیا۔ اور تمہیں مختلف نوموں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ زت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

یہ آیت کریمہ سورۂ حجرات کی ہے۔ اس آیت سے قبل تمسخر، سخریہ، استہزاء، غیبت اور کسی انسان کو بنظر قارت دیکھنے سے منع کیا گیا ہے اور تمام مسلمانوں کو محاسن اخلاق کے زیور سے آراستہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور تعلیم دی گئی ہے کہ تمام انسان بحیثیت انسان اور آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے کسی کو کسی پر ا فضل و برتری نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت و بزرگی حاصل ہو سکتی ہے تو وہ تقویٰ کی وجہ سے، سلام اور تعلیم نبوی نے دنیا میں ایک ایسی برادری کی بنیاد ڈالی ہے جس میں کسی قسم کا فرق و امتیاز روا یں رکھا ہے جس میں ابیض و اسود، کالے و گورے، زنگی و رومی، ہندی و چینی سب برابر ہیں جس میں ب و نسل اور آب و ہوا کو کوئی دخل نہیں ہے جو ان تمام امور سے بالاتر صرف رشتۂ اسلام پر نظر نا ہے جس میں شاہ و گدا ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

نیز قرآن مجید نے یہ حقیقت واضح اور آشکارا کر دی کہ قبائل و خاندان۔ انساب اور اعلام قابلِ فخر و مباہات نہیں ہیں۔ اصل چیز تقوٰی ہے اور خشیت الٰہی۔ اسی سے انسان کے درجات میں ترقی ہوتی ہے اور یہی چیز اللہ تعالٰی کو عزیز و محبوب ہے۔

نسل و نسب پر غرور و پندار جس قدر عرب میں پایا جاتا تھا دنیا کے کسی ملک میں نہیں پایا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ اہلِ عرب ہر طرح کے علوم و فنون سے بے بہرہ اور بدوی زندگی سے انسیت رکھنے کے باوجود ان میں علم الانساب اتنا مقبول تھا اور اس سے اس قدر شغف و لگاؤ تھا کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ اپنے سوا دنیا کے تمام انسانوں کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتے تھے۔ اور رنگ و نسل اور خاندان و قوم کی بنیاد پر ان میں کمتری برتری اور اونچ نیچ کی خلیج حائل تھی۔ اسلام آیا تو اس نے اپنی حکیمانہ تعلیم سے حسب و نسب کے غرور کا افسون توڑا چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر حضور ؐ نے جو جامع اور مفید خطبہ دیا تھا اس میں آپ نے خاندانی اور نسلی فخر و غرور کے بت کو بالکل پاش پاش کر دیا تھا۔ آپ نے مسلمانوں کو ان الفاظ کے ساتھ مخاطب فرمایا: یا ایھا الناس ان اللہ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بآبائھا فالناس رجلان، رجل برّ تقی کریم علی اللہ تعالٰی ورجل فاجر شقی ھیّن علی اللہ تعالٰی۔ لوگو! اللہ تعالٰی نے تم سے جاہلیت کی نخوت کو دور کر دیا، آباء و اجداد پر فخر و غرور کرنے کو مٹا دیا۔ آدمی تو صرف دو ہی قسم کے ہیں۔ نیک متقی اللہ کے نزدیک معزز، دوسرا بدبخت و بدکار جس کی اللہ کے نزدیک کوئی عزت نہیں۔ اس کے بعد آپ نے وہی آیت تلاوت فرمائی جو سرِ عنوان نقل کی گئی ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: "انسان سب کے سب آدمؑ کے بیٹے ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے۔"

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے بہتر آدمی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا "خیر الناس اقرأھم واتقاھم للہ عزّوجلّ وآمرھم بالمعروف وأنھاھم عن المنکر وأوصلھم للرحم" بہتر آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ عالم متقی صاحب تقوٰی و ورع ہو، مبلغ و داعی نیکی کا حکم کرنے والا اور برائی سے روکنے والا، اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ما أعجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیٔ من الدنیا ولا اعجبہ احد قط إلا ذو تقی: دنیا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ شخص پسند آتا تھا جو تقوٰی کے زیور سے مزین ہو (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

جس حسب و نسب پر انسان فخر و مباہات کر رہا ہے کل قیامت میں اس کی کیفیت کیا ہوگی قرآن کریم نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے: "یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ، وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ" اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے، ہر شخص اس روز ایک فکر میں ہوگا۔ جو اس کی مصروفیت کے لئے کافی ہوگی، دوسری جگہ فرمایا: "لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" قیامت کے روز تمہارا حسب و نسب اور تمہاری رشتہ داریاں کچھ بھی تمہارے کام نہ آئیں گی۔ وہاں اگر قدر و منزلت ہے تو اس کی جو قلب سلیم اور تقویٰ کا توشہ لے کر آئے۔ نسب صرف دنیاوی چیز ہے، انسان کی نضیلت و برتری کا نسب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے قیامت کے روز سلسلۂ نسب کو محو و باطل کر دیا جائے گا۔ اس کا نہ کوئی اعتبار ہوگا اور نہ اس کے متعلق کوئی سوال ہوگا کہ وہ کس خاندان و قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہاں تو صرف اعمالِ صالحہ ہی نجات کا باعث ہوں گے سورۂ مومنون میں فرمایا: "فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ" پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

آج کی یہ متمدن اور روشن خیال دنیا بھی نسل و رنگ اور قومیت کے غرور کی لعنت سے محفوظ نہ رہ سکی، امریکہ میں کوئی سیاہ فام کسی سفید فام کے گرجا و عبادت خانہ میں عبادت نہیں کر سکتا، کوئی کالا کسی گورے کے ساتھ نہ تعلیم حاصل کر سکتا ہے اور نہ ان کے ہوٹل میں کھانا کھا سکتا ہے اور نہ بس پر ان کے ساتھ سفر کر سکتا ہے یہی حال ہندوستان کا بھی ہے کوئی شودر، ہریجن یا پست قوم کا فرد نہ کسی برہمن کے ساتھ اٹھ بیٹھ سکتا ہے اور نہ کھا سکتا ہے، نہ ان کے مندر میں عبادت کے لئے داخل ہو سکتا ہے اس اونچ نیچ کی لعنت کے خلاف سب سے پہلے مسٹر گاندھی نے ہندوستان میں آواز بلند کی اور آج بھی ہماری حکومت اونچ نیچ کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے کوشاں ہے، لیکن دنیائے انسانیت پر اسلام کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ آج سے تقریباً ۱۴ سو سال قبل رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب و نسب کے غرور اور رنگ و نسل کی لعنت کا خاتمہ ان الفاظ میں فرما دیا تھا: "الا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأسود على احمر ولا لاحمر على اسود الا بالتقوى"، سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت و برتری نہیں ہے مگر تقویٰ سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے ابوذر غفاری سے فرمایا: "انظر انك لست بخير من احمر ولا اسود الا ان

تفضلہ بتقوی اللہ ، تم کسی سرخ اور کالے رنگ والے سے تقویٰ کے سوا بلند مرتبہ نہیں ہو۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ ، لوگو! اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ معلوم ہوا کہ فضیلت و برتری کا دارومدار تقویٰ و صلاح پر ہے۔ کوئی انسان اگر اپنے اقران سے ممتاز ہو سکتا ہے تو وہ صرف تقویٰ اللہ حسن اخلاق سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی اور خباب بن ارت نے تقویٰ و طہارت کی زندگی اپنائی۔ اور جب یہ حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو اپنے دوسرے بھائیوں سے ممتاز ہو گئے اور تقویٰ و صلاح۔ طہارت و پاکیزگی کے آسمان پر مہر درخشاں بن کر چمکے۔ اسی کو کسی عربی شاعر نے کہا ہے۔

لعمرك ما الانسان الا بدينه	فلا تترك التقوى اتكالا على النسب
لقد رفع الاسلام سلمان فارس	وقد وضع الشرك الشقي ابالهب

انسان اپنے دین ہی کی وجہ سے انسان ہے اس لئے حسب و نسب پر اعتماد کرتے ہوئے کسی کو تقویٰ کی زندگی سے دست بردار نہ ہونا چاہیئے ، اسلام نے سلمانِ فارسی کے مرتبہ کو بلند و بالا کیا اور شرک و کفر نے بدبخت ابولہب کے مرتبہ کو گھٹا دیا اور اسے ذلیل و خوار کیا۔

نسلی غرور کی قباحت و خباثت پر کم از کم علمی و نظری نقطۂ نظر سے آج دنیا کا تمام باشعور طبقہ متفق ہے۔ امریکہ، افریقہ یا کسی اور ملک میں عملاً چاہے نسل و رنگ کی لعنتیں کچھ بھی تباہی لا رہی ہوں لیکن نظری طور پر کسی میں یہ جرأت نہیں کہ نسل و رنگ کے غرور کو جائز و مستحسن قرار دے، یہ چیز بالاتفاق مذموم و قبیح تسلیم کی گئی ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ دنیا میں سب سے پہلے جس ذاتِ گرامی نے عام انسانی برادری کا اعلان کیا وہ ذاتِ اقدس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے تو ایسا دعویٰ کرنے والا حق بجانب ہے۔

اکرم الناس کے بارے میں ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اکرمھم عند اللہ اتقاھم ، اللہ کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو متقی و پرہیزگار ہو۔

حسب و نسب اسلام کی نظر میں نہ کسی کے لئے فضیلت و برتری کا معیار ہے اور نہ ہی کسی کے لئے باعثِ ننگ و عار۔ یہاں تو بزرگی و بڑائی کا معیار تقویٰ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسابکم ھذہ لیست بمسبۃ علی احد کلکم بنو آدم طف الصاع بالصاع

ھٰتملؤہ لیس لأحد علی أحد فضل الا بدین وتقوی کفی بالرجل ان یکون بذیا فاحشا بخیلا ۔ (باب المفاخرۃ والعصبیۃ ۔ مشکاۃ) یہ تمہارے نسب اس لئے نہیں ہیں کہ تم کسی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناؤ۔ تم سب آدم کے بیٹے ہو۔ اسی طرح برابر جیسے دو بغیر بھرے صاع ہوتے ہیں کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں (لیکن برتری) دین و تقوی کی بنیاد پر ہو گی۔ کسی کے خراب ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ بدزبان اور فحش گو و بخیل ہو۔ اس حدیث سے بہ صراحتاً ثابت ہو گیا کہ جس طرح دو ایک طرح کے خالی صاع کو کسی پر فضیلت و برتری نہیں ہے بحیثیت صاع دونوں برابر ہیں ہاں اگر ایک صاع پانی سے پر ہو اور دوسرا دودھ سے تو دودھ والے صاع کو پانی والے صاع پر فضیلت حاصل ہو گی۔ یہی مثال انسانوں کی ہے کہ اپنی پیدائشی حالت میں وہ دو یکساں صاعوں (پیمانوں) کی طرح ہیں۔ ان کی قدر و قیمت اور مرتبہ یکساں ہے۔ محض یہ چیز ان کی قدر و قیمت کو نہیں بدل دیتی کہ بعض ان میں سے ایسے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں عرف عام میں برتر سمجھا جاتا ہے اور کچھ ان گھرانوں میں پیدا ہوئے جنہیں کمتر خیال کیا جاتا ہے۔ وہ بہرحال دو یکساں پیمانوں کی طرح برابر ہیں ہاں ایک پیمانہ کی قدر و قیمت دوسرے پیمانہ کی قدر و قیمت سے اس وقت بڑھ سکتی ہے جبکہ اس میں کوئی چیز بھر دی جائے۔ یہ مثال انسانی افعال و کردار سے عبارت ہے جو نیک اعمال سے پیمانہ بھرے گا وہ افضل ہو گا اور جو ایسا نہ کرے گا وہ کمتر و ذلیل ہو گا۔ اور جو شخص بدزبان فحش گو اور کنجوس ہو گا خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے کتنا ہی معزز اور اعلیٰ خاندان ہی سے کیوں نہ ہو وہ اللہ کے نزدیک معزز و مقرب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عزت و وقار اس کیلئے ہے جس نے تقوی اختیار کیا۔ ٭٭

بقیہ محدث "الاعتصام" کی نظر میں

. . . . کے علمی حلقوں میں بالعموم اور جماعت اہلحدیث میں بالخصوص محتاج تعارف نہیں مولانا موصوف کی سیرت کے موضوع پر کتاب "الرحیق المختوم" نے قرآن کے نام اور کام کو عربوں تک سے متعارف کرا دیا ہے جو رابطہ عالم اسلامی (مکہ) کے سیرت کے انعامی مقابلے میں اول نمبر پر رہی۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد اہم کتابیں ان کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ —— اس پس منظر کے ساتھ ہم ماہنامہ محدث "بنارس" کے اجراء کا خیر مقدم اور اس کی کامیابی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ (ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور ۹ مارچ ۸۲ء ص ۱۰)

شنہ خانہ

۱۹ کے عدد کو معجزۂ قرآن بتلانے والے

مسٹر رشاد خلیفہ کے نظریات کی حقیقت

(دوسری اور آخری قسط)

محمد سمیع اللہ

پچھلے شمارے میں ۱۹ کی گنتی کو قرآنی معجزہ بتلانے والے مسٹر رشاد خلیفہ، ان کے اس معجزہ اور دوسرے خرافاتی نظریات کی حقیقت واشگاف کرتے ہوئے بتلایا گیا تھا کہ یہ صاحب کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتے، آپ کی تنقیص کرتے اور آپ کے حقیقی پیروکاروں کو آپ کا بت پوجنے والا بتاتے ہیں۔ اس ضمن میں حدیث کے حجت شرعی ہونے کے جامع دلائل بھی بیان کئے گئے تھے۔ مزید بحث آگے ملاحظہ فرمائیے۔ (ادارہ)

جدید دور کے مغربی محقق علامہ محمد اسد سنت کی اہمیت و افادیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن مجید کے بعد، اسلام کے اجتماعی اور شخصی قانون کا دوسرا ماخذ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ ہے۔ درحقیقت ہمیں سنت کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ قرآنی تعلیمات واحکام کی واحد صحیح تفسیر ہے۔ اور صرف یہی ایک چیز ہے جس کے ذریعہ ہم معانی ومفاہیم قرآنی کی تشریح وتوضیح سے متعلق ممکنہ اختلافات سے بچ سکتے ہیں اور قرآن کے مطابق اپنی عملی زندگی کو استوار کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات تمثیلی اور علامتی معانی کی حامل ہیں، اگر ایسی آیات کی تعبیر وتفسیر کا کوئی متعین طریقہ موجود

نہ ہو تو ان سے مختلف صورتوں میں مختلف مطالب و معانی اخذ کئے جاسکتے ہیں اس کے
علاوہ عملی اہمیت کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں قرآن مجید میں وضاحت سے بیان نہیں
کیا گیا۔ بلاشبہ قرآن کی جو روح ہے وہ پورے قرآن میں یکساں ہے لیکن اس سے عملی
زندگی کا کوئی طریقہ اخذ کرلینا جس کے مطابق ہم اپنا طرز عمل استوار کرسکیں ہمیشہ اور ہر صورت
میں آسان کام نہیں۔ اگر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جو اپنی ساخت اور مقصد
کے اعتبار سے مکمل ہے تو اس سے منطقی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں یہ کبھی
نہیں چاہا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رہنمائی کے بغیر جو سنت کے پورے
نظام کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے، اس سے استفادہ کیا جائے گا۔"

(اسلام دوراہے پر، صفحات ۱۱۷—۱۱۸)

اسی طرح کوالالمپور ملائیشیا یونیورسٹی کے فاضل پروفیسر اسلامیات جناب عبدالمجید مکین کے محققانہ مضمون
"پیروی سنت کے بارے میں چند خیالات"

SOME THOUGHTS ON THE MEANING OF FOLLOWING THE SUNNAH"

کا ایک اقتباس یہاں درج کرنا مناسب ہو گا جو انہوں نے سیرت اور سنت کے موضوع پر تیسری عالمی کانفرنس
منعقدہ دوحہ قطر (۲۰ تا ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء) میں پیش کیا۔ وہ بڑے دلنشین انداز میں لکھتے ہیں۔

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اسلام کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے پورے طریقہ حیات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ کے اقوال و افعال، طرز ہائے عمل اور
رویوں سے متعلق تمام تفصیلات واضح طور پر یا مضمر صورت میں شامل ہیں مشہور کتب حدیث
جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع الترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی اور سنن
الدارمی وغیرہ میں حضور کی حیات طیبہ کا ایک ایک پہلو، آپ کا ایک ایک قول اور فعل اور
بحیثیت مجموعی پوری زندگی میں آپ کے طرز عمل کی تمام تفصیلات نہایت جامعیت اور
صحت کے ساتھ محفوظ کی گئیں ہیں۔"

• یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمان قرآن مجید کے علاوہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کو بھی ہدایت و رہنمائی اور علم و دانش کے ایک اعلیٰ نمونے کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے یہ حقیقت قطعی طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اللہ کی وحی اور رہنمائی کے تابع ہے۔ سورہ النجم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (النجم: ۴۳)

"اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں (ان کا کلام تو) تمام تر وحی ہی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔" (تفسیر ماجدی)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

"وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا" (النساء: ۱۱۳)

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔" (تفسیر ماجدی)

سورۂ آل عمران میں مؤمنین پر احسان جتاتے ہوئے ارشاد ربانی ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ" (آل عمران: ۱۶۴)

حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان مسلمانوں پر کیا جب کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان میں بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بیشک یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

قرآن مجید کے مفسرین اور بڑے بڑے ائمہ فقہ جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۵ھ) وغیرہ نے بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ مندرجہ بالا آیات میں حکمت کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی دیگر آیات میں بھی مسلمانوں کا یہ فریضہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور آپ کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دیں۔ بلاحظہ فرمائیے آیات ذیل:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ (النساء: ۵۹)	اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اہل اختیار کی۔ (تفسیر ماجدی)
یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ۔ (الانفال: ۲۰)	اے ایمان والو! اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اور اس سے روگردانی نہ کرو درآں حالیکہ تم سن رہے ہو۔ (تفسیر ماجدی)
یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ (الانفال: ۲۴)	"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کو لبیک کہو جب کہ وہ (یعنی رسولؐ) تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں (تفسیر ماجدی)
"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔" (النساء: ۸۰)	"جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔" (تفسیر ماجدی)

لہٰذا سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) الٰہی ہدایت و رہنمائی سے مستنیر حکمت و دانش کا ایک بیش بہا خزانہ ہے اور اس میں انسانی زندگی کے لئے ایک کامل نمونہ پایا جاتا ہے۔ اس وقت جبکہ اسلام دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل چکا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور اسوۂ کاملہ نے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے عالمی پیمانے پر اسلام کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان روز بروز رسول اللہؐ کی سنت مطہرہ کی جانب متوجہ ہو رہے ہیں۔ اور پوری دنیا کے مسلمان خصوصًا نوجوان سنت نبویؐ کی پیروی اور اطاعت کو اپنی زندگی کا شعار بنا رہے ہیں۔ حضورؐ کی حیات مبارکہ کے ایک ایک نقطے اور آپؐ کے ایک ایک نقش پا کی انتہائی احتیاط، لگن اور جوش و جذبہ کے ساتھ اتباع کی جا رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

عالمگیر پیمانے پر اسلام کی یہ دعوت اور وسیع تبلیغی سرگرمیاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ کرامؓ اور ان کے پیروؤں کی قائم کردہ حوصلہ افزا اور دور اندیشانہ مثالوں پر مبنی ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ اور طریقۂ زندگی کی پیروی اور اس کی اہمیت نیز قدرو منزلت کے بارے میں یہ زندہ احساس اور ولولہ تازہ موجودہ دور کی بہت سی دعوتی تحریکوں کا سنگ بنیاد اور تبلیغی سرگرمیوں کا محور بن چکا ہے جو لوگ حضورؐ کا طریقۂ زندگی اپناتے ہیں۔ اور آپ کی اتباع کے راستے سے ایک قدم باہر نہیں نکالتے ان کا یہ طرز عمل اس لئے ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا۔ (الاحزاب: ۲۱)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔ تمہارے لئے یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہوئے (تفسیر ماجدی)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کرنا اور آپؐ کے پورے طریق زندگی کی مکمل اتباع اب الحمدللہ عام دلچسپی کا موضوع بن گیا ہے۔ اس چیز نے اسلام کی آئندہ بقا اور ترقی کے نقطۂ نظر سے بھی بڑی اہمیت حاصل کرلی ہے۔ ایسے سچے مسلمانوں کی تعداد میں ــــ خصوصاً اسلام کی اشاعت اور پھیلاؤ کے اس دور میں ــــ دن بدن زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو رہا ہے جو حضورؐ کے اخلاق و کردار سے متعلق ان اعلیٰ مثالوں کا علم حاصل کرتے ہیں جو آپؐ نے اپنی ذاتی زندگی میں قائم کیں اور پھر دل وجان سے اس لگن میں رہتے ہیں کہ ان مثالوں کی پوری پوری پیروی کریں۔ حضورؐ کے طرز زندگی کی اس عقیدت مندانہ اتباع واطاعت کا مظاہرہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام دائروں میں ہو رہا ہے۔ کھانے پینے میں بھی۔ اٹھنے بیٹھنے اور سونے لیٹنے میں بھی۔ بول چال اور چلنے پھرنے میں بھی۔ کاروباری لین دین معاشرتی روابط اور سیاسی کشمکش میں بھی۔ مسلمانوں کی عملی سرگرمیوں کے یہ اہم مظہر صرف علامتی قدر و قیمت کے حامل افعال کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ انہیں قوت وتاثیر اس حقیقت سے حاصل ہوتی ہے کہ حضورؐ کی سنت وحی الٰہی اور ہدایت ربانی سے مستنیر ہے۔

علامہ الغزالی کہتے ہیں کہ :۔

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ اور طریقۂ زندگی کی مکمل اطاعت و پیروی۔ اس کے ہر ہر پہلو اور جملہ تفصیلات کے ساتھ جن میں آنحضورؐ کی ایسی عادات بھی شامل ہیں جو آپ کی شخصی حیثیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ جیسے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے۔ لیٹنے سونے اور بول چال وغیرہ سے متعلق عادتیں وغیرہ — ہی میں انسان کی ہمہ جہتی فلاح و سعادت اور دنیاوی و اخروی کامیابی کا راز مضمر ہے۔" وہ اسے سنتِ مطہرہ کی "مکمل اور غیر مشروط اطاعت" یا پابندی قرار دیتے ہیں اور اتباعِ سنت سے متعلق اپنے اس نظریئے کی تائید میں قرآن مجید کی درج ذیل دو آیات سے استدلال کرتے ہیں :

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (آل عمران : ۳۱)

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔"

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (الحشر : ۷)

"اور رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں رک جایا کرو۔"

الغزالی پورے یقین اور اعتمادِ کامل کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ سنت نبویؐ ایک ایسا طریقۂ حیات ہے جو انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی عملی

لہ امام غزالی کی متعلقہ عبارت کا ترجمہ یہ ہے : "جان لو کہ مکمل سعادت کا انحصار سنت رسول اللہؐ کی پیروی کرنے آپؐ کے طریق زندگی کی نقل اتارنے اور ہر اس چیز کی تقلید کرنے میں ہے جو آپؐ کی جانب سے وقوع میں آئی یا جو کچھ آپؐ نے اپنی زندگی میں کیا۔ خواہ اس کا تعلق آپ کے کھانے پینے کے طریق سے ہو یا اٹھنے بیٹھنے لیٹنے سونے اور بولنے چالنے کے طرز سے۔" (کتاب الاربعین فی اصول الدین قاہرہ ۱۳۴۴ھ صفحہ ۸۹)

زندگی میں اس نمونے کی جیتی جاگتی مثالیں قائم کرے۔ سنت کی پیروی کا صرف یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنی عبادات کی ادائیگی میں حضورؐ کے طریقۂ عبادت کو اپنا لیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی روزمرّہ کی زندگی اور عادات واطوار سے متعلق تمام امور میں حضورؐ کے طریقوں کی نقل کریں۔ اور ہر کام ٹھیک اسی طرح انجام دیں جس طرح وہ کام حضور نے کیا یا ہمیں کرنے کا حکم دیا۔ لہٰذا آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنا پائجامہ بیٹھ کر پہنے، پگڑی کھڑے ہوکر باندھے، جوتا پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور کھانا داہنے ہاتھ سے کھائے۔ ہاتھ اور پاؤں کے جب ناخن تراشے تو اس ترتیب سے تراشے جس ترتیب سے حضورؐ تراشتے تھے۔ مختصر یہ کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر دور اور ہر قسم کے حالات میں سنت کی پوری پوری اطاعت کرے۔

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر دنیا بھر کی مسلمان حکومتوں، اداروں اور تبلیغی خدمات انجام دینے والے کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ مسٹر خلیفہ کے ترجمہ کا سختی سے نوٹس لیں جو نہ صرف " حدیث وسنت " بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کفریہ کلمات اور معاندانہ آراء وخیالات سے بھرا پڑا ہے۔ اس ترجمے میں ایسے لغو اور مہمل دعاوی بھی کئے گئے ہیں جنہیں عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرسکتی مثلاً کہا گیا ہے کہ:

" قرآن کے معجزانہ خفیہ عددی اشارے اور حدیث وسنت کی بحیثیت شیطانی اختراعات تردید کے درمیان تعلق اس وقت واضح ہوجاتا ہے۔ جب ہم اس حقیقت کا احساس کرتے ہیں کہ قرآن کا بیان (ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ " عربی کے ۱۹ الفاظ پر مشتمل ہے بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید ہر پہلو اور ہر حیثیت سے مکمل ہے " (صفحہ ۴۸)

لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ قرآن مجید کے متعلق یہ ارادہ کبھی نہ تھا کہ اس سے استفادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رہنمائی سے مستغنی ہوکر کیا جائے گا جن پر یہ نازل ہوا اور جن کے ذریعے یہ مسلمانوں تک پہنچا خلیفہ صاحب کی سی ذہنیت رکھنے والے لوگ اس امر کا احساس کرنے سے قاصر ہیں کہ " سنت " کے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم قرآن مجید کے اس دعوے کا انکار کردیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وقتی اور علاقائی نہیں بلکہ آفاقی ہے۔ آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال زمان ومکان کی قید سے ماوراء اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشا کا اظہار ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ؏ (الاعراف: ۱۵۸)

"تو کہہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے سب کلموں پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔"

اگر ہم اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم پورے اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ حضور نبی کریم خاتم المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و پیروی کریں کیونکہ اس کے علاوہ کسی اور ذریعے سے ہم اپنا یہ مقصدِ عزیز حاصل نہیں کرسکتے۔ خود قرآن مجید کا حکم ہے۔

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ؏ (آل عمران: ۳۱)

"تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ تعالیٰ۔"

اخبارات و رسائل میں مسٹر خلیفہ کے گمراہ کن اور فساد انگیز ترجمے پر تنقیدی تبصروں اور رائے زنی کے ذریعے پوری دنیا کی ملّیت اسلامیہ اور اس کی تنظیموں کو باطل پرستوں کی اس ناپاک سازش سے آگاہ کیا جانا چاہئے تاکہ جلد از جلد ایسے عملی اقدامات کیے جاسکیں جن کے ذریعے اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی حقیقت کھل کر لوگوں کے سامنے آئے اور وہ انہیں پہچان لیں۔ ملّت اسلامیہ کی روز افزوں تبلیغی سرگرمیوں اور اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ سے گھبرا کر یہ لوگ اس کوشش میں ہیں کہ احادیث پر بے بنیاد الزامات لگا کر ان کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں تاکہ اسلام کی بنیادیں کمزور ہوں اور مسلمانوں کو راہِ مستقیم سے ہٹایا جاسکے۔ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا۔

"تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا أَمْرَيْنِ

میں اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت:

كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهِ ، اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے
چنانچہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی پوری قوت اور ایمانی جوش اور جذبے کے ساتھ کتاب و سنت کا دامن تھام لیں اور ان لوگوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیں جو اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو اپنے بے بنیاد افکار و نظریات کے ذریعے ہمیں دھوکہ دے کر اور گمراہ کر کے راہ حق سے منحرف کر دیں۔

اللہ تعالیٰ، رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں دین کا صحیح فہم، خلوص اور حق کے لئے قربانی دینے کا جذبہ عطا فرمائیں تاکہ ہم اس کے دین کی حقیقی معنوں میں خدمت کر سکیں۔

(ختم شد)

محدث: مسٹر رشاد خلیفہ کے خوش آہنگ دعوے کے پردے میں چھپے ہوئے ان کے پُر فریب مقاصد باطل نظریات اور طول طویل گمراہیوں کا حقیقی چہرہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ آئیے اب اس شخص کے بارے میں عالم اسلام کی سب سے زیادہ معروف اور باوقار دینی و علمی شخصیت علامہ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کا ایک انتباہی بیان بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ موصوف کا یہ بیان عالم اسلام کے تمام علمی حلقوں تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ بیان یہ ہے۔

از عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

یہ شخص حدیث نبوی کے بارے میں دریدہ دہن ہے۔ اس سے ہوشیار رہئے۔

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وبعد:

ریاست اریزونا کے شہر ٹوسان میں ایک مسجد ہے جس کا نگراں رشاد خلیفہ نامی ایک شخص ہے جو اصلاً مصری نژاد ہے۔ لیکن اب امریکی شہریت رکھتا ہے۔ یہ شخص اسلام سے الگ تھلگ بنیاد پر اسلام کی تبلیغ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ شخص حدیث کا منکر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام

کی تنقیص کرتا ہے۔ ہمارے پاس مختلف اطراف سے اس کے متعلق رپورٹیں پہنچی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ یہ شخص امریکی ریاست اریزونا کے شہر ٹوسان میں قیام رکھتا ہے۔ زرعی انجینرنگ میں۔ پی ایچ۔ ڈی ہے۔ اس لئے صحیح طور پر دعوت الی اللہ کا کام کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ شخص تبلیغ اسلام کے پردے میں اسلام کے نام پر نئے مسلمانوں اور سادہ مزاج عوام کو دھوکہ اور فریب دیتا ہے کیونکہ یہ سنت کا انکار کرکے اور قولاً اور عملاً محمد علی لاہوری وغیرہ جیسے منکرین حدیث کا تعاون کرکے اسلام سے جنگ کر رہا ہے۔ اس نے اپنے خیال خام کے مطابق قرآن کے معجزے کا راز سربستہ منکشف کیا ہے جس کی وجہ سے اس کے بارے میں ایک علمی شور برپا ہے۔

۲۔ یہ شخص ۱۳۹۹ھ میں لیبیا کے دورہ پر آیا تھا اس موقع پر حدیث پاک کے متعلق لیبیا ریڈیو نے اس کی رائے نشر کی تھی جسے بعض حلقوں میں پذیرائی بھی حاصل ہوئی تھی۔ اور ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے جب یونیورسٹی کے بعض اساتذہ کی طرف سے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر پوچھا گیا تو اس نے وقت کی تنگی کے پیش نظر یہ مختصر سا جواب دیا تھا کہ "حدیث، ابلیس کا کارنامہ ہے۔"

اس شخص کے جس رویہ سے حدیث کا انکار اور قرآن کی من مانی تاویل کا معاملہ بالکل واضح ہے اس کی تفصیلات یہ ہیں۔

الف: یہ شخص کہتا ہے کہ زانی اور زانیہ کو رجم کرنا جائز نہیں۔ خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

ب: یہ شخص حدیث لا تکتبوا عنی سوی القرآن (یعنی مجھ سے قرآن کے سوا کچھ اور نہ لکھو) پر مسلسل اکڑ اور فخر کرتا ہے کہ احادیث کو لکھنا جائز نہیں ہے۔

ج: اس شخص کا جو یہ نقطۂ نظر ہے کہ احادیث کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر قرآن کی ضرورت نہیں اس پر اس آیت سے دلیل لاتا ہے کہ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ــ اور ــ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا

د : اس شخص کا دعویٰ ہے کہ سنت پر عمل کرنے۔ اور دوسری تیسری صدی ہجری میں احادیث کی کتابت و تدوین کرنے کی وجہ سے اسلامی حکومت کا زوال ہوا۔

ھ : یہ شخص معراج کو صحیح نہیں مانتا۔ اور کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بارے میں کوئی نئی چیز لے کر نہیں آئے تھے۔ کیونکہ عرب نے نماز کو اسی موجودہ کیفیت کے ساتھ اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ورثے میں پایا تھا۔

و : اسی طرح سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں ان کی لکھاوٹ کے بارے میں یہ شخص الٹی پلٹی باتیں بولتا ہے۔ کہتا ہے کہ الم کو اس طرح لکھنا ضروری ہے الف لام میم اسی طرح ن کو یوں لکھنا ضروری ہے۔ نون۔ اسی طرح کی مزید اصطلاحیں بھی بنا رکھی ہیں جن کے ذریعہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ آرائی کئے ہوئے ہے۔ اور مسلمانوں میں تفرقہ برپا کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

ان اسباب کی بنا پر ہم نے ضروری سمجھا کہ اس شخص کا معاملہ واضح کر دیں اور اس کی حقیقت بے نقاب کر دیں، تاکہ اس کے ساتھ عملی تعاون بند کر دیا جائے اور اس کے مغالطوں سے آگاہی حاصل کر لی جائے۔ اور تاکہ ہم بری الذمہ ہو جائیں۔ اور اللہ اس کی کتاب۔ اس کے رسول، مسلمان حکمرانوں اور عوام کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیں۔

توقع ہے کہ ہماری یہ وضاحت آپ لوگ اپنے متعلقین اور اطراف کے لوگوں میں عام کریں گے۔ اللہ ہر چیز پر آپ کی اعانت کرے۔ اور ہمیں اور آپ کو کتاب و سنت کا صحیح اور بصیرت کے ساتھ حق کی تبلیغ کرنے والا بنائے یقیناً وہ سخی اور کریم ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

صدر ادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد

(ریاض، سعودی عرب)

تحریکات

مولانا ابوعلی اثری

ندوہ کا تصور

اہل ہند کے مزاج میں حلقہ بندی اور شخصیت پرستی کی جڑیں بڑی پختگی کے ساتھ پیوست ہیں اسکا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں جب کوئی قابل ذکر اجتماعی کارنامہ وجود میں آتا ہے تو اسکا شہرہ ہر حلقہ اپنی کسی اہم شخصیت کے سر باندھنے کی کوشش کرتا ہے۔ انداز فکر کی یہ آوارگی اس مقام تک پہنچ چکی ہے کہ اچھے خاصے "ثقہ" حضرات بھی صرف حقائق پوشی ہی نہیں بلکہ تاریخ کو مسخ کرنے اور حقائق کا مثلہ کرنے تک سے نہیں چوکتے بنے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مفتی صدرالدین آزردہ نے جو فتوائے جہاد تحریر فرمایا تھا اس پر تائیدی دستخط کرنے والے علماء میں سب سے پہلا نام حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا ہے۔ جس کا فوٹو متعدد جدید و قدیم کتابوں میں دیکھا جا سکتا۔ لیکن ہمارے اسلامی مورخین ابتک "گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختے جا رہے ہیں کہ اس شخص نے فتوائے جہاد پر دستخط نہیں کیا تھا حتی کہ اپنے اور بیگانے سبھی اس سراپا جھوٹ کو حقیقت سمجھ رہے ہیں۔ جو طبقہ انگریزی ہندوستان کو دارالاسلام کہتا تھا آج وہ آزادی کا مجاہد بن رہا ہے جن لوگوں نے انگریزوں کی وفاداری میں جنگ لڑی تھی آج انہیں بھی مجاہدین آزادی باور کرایا جا رہا ہے لیکن سکھوں پھر انگریزوں سے جنگ کرتے ہوئے شہیدین اور ان کے جن رفقا اور خلفاء کے خون سے سرحد اور ہزارہ کی زمین لالہ زار ہوئی اور جنہیں انگریزی بیڑیوں میں جکڑ کر دریائے شور عبور کرایا گیا آج انہیں انگریزوں کا وفادار بتایا جاتا ہے۔ حد ہے کہ اسلام کے جن خود ساختہ داعیوں اور اجارہ داروں نے باطل کے مقابلہ کیلئے جھاڑو کا ایک تنکا بھی نہیں اٹھایا آج وہ ان مردان کار و کارزار کو ہدف طعن و ملامت بنا رہے ہیں ؎

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

ندوہ کا تخیل کن حضرات کی دین ہے؟ یہ معاملہ بھی کچھ اسی قسم کی ذہنیت کا نشانہ بنتا جارہا ہے۔ مولانا ابو علی اثری نے اس مسئلے پر قلم اٹھایا ہے۔ اور بڑی خوبی کے ساتھ حقائق کا تجزیہ کیا ہے۔ ہم مولانا موصوف کے شکریے کے ساتھ ان کا مضمون ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں ———

"ادارہ"

ندوہ کے ساتھ مولانا شبلی کی وابستگی کی بے پناہ شہرت سے جہاں ندوہ کے اور بہت سے مخلص سرگرم فعال اور پرجوش خدام کے نام دب کر رہ گئے۔ اور دنیا ان کو نہ جان سکی اور ان کی خدمات اور کارناموں پتاریکی کا پردہ پڑا رہ گیا۔ انہیں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی موجودہ ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء کے والد اور اردو و عربی کی متعدد گراں القدر اور باوزن کتابوں کے مصنف، فن طبابت کے ماہر مولانا سید عبدالحیٔ سابق ناظم ندوۃ العلماء بھی ہیں جن کا ایک عرصۂ دراز تک اس تعلیمی ادارہ سے تعلق رہا ہے۔ اور جن کو مولانا محمد علی مونگیری کا بھی اعتماد حاصل تھا۔ اور مولانا شبلی جیسے روشن خیال عالم اور ندوہ کے سب سے زیادہ سرگرم اور فعال بزرگ کا بھی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے زیر نگرانی انہیں گمنام اور غیر مشہور خدام ندوہ کی مستقل سوانح عمریوں کی تالیف و تدوین کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اور اس سلسلہ کا آغاز ندوۃ العلماء کے اولین ناظم مولانا سید محمد علی مونگیری کی سوانح عمری سے کیا گیا ہے جس کو ان کے بھتیجے مولانا سید محمد الحسنی نے انہیں ماخذ سے مرتب کیا ہے۔ جن ماخذ سے مولانا سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی مرتب کی ہے۔ اس کا ایک ایک حرف مولانا ابوالحسن علی ندوی کی نظر سے گذر چکا ہے انہوں نے اس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب جامع بھی ہے۔ موثر بھی ہے۔ دلآویز بھی ہے۔ ایک عظیم برگزیدہ شخصیت کی کی سوانح کے ساتھ ہندوستان کی ایک عظیم تعلیمی تحریک کی تاریخ بھی ہے یہ ماضی کی سرگذشت بھی ہے اور مستقبل کے اس خواب کی تعبیر بھی جس کو خدا کے ایک برگزیدہ عالی ہمت بندہ نے دیکھا تھا۔ یہ کتاب ان کے تصور اور توقع سے کہیں زیادہ کامیاب اور بلند ثابت ہوئی۔ بلکہ اگر وہ خود بھی لکھتے۔ تو اتنے اچھے طریقہ پر اس کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے تھے۔ اس میں مصنف نے کہیں انصاف کا دامن اور اعتدال کے نقطے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے مولانا علی میاں کی اس رائے سے کون اختلاف کرسکتا ہے۔ ندوہ کی تاریخ میں جس طرح مولانا شبلی کا ایک

مقام ہے اسی طرح مولانا محمد علی مونگیری کا بھی ایک مقام ہے جس کو کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ندوہ کے تاسیسی جلسہ میں جو مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر منعقد ہوا تھا بنفس نفیس شریک تھے اور انہی کو باتفاق رائے ان کی گوناگوں صلاحیتوں کی بنا پر اس کا پہلا ناظم مقرر کیا گیا تھا۔ یہ کتاب لکھ کر ندوہ کی تاریخ کے اس خلار کو پر کیا گیا ہے جس کے لئے نوجوان مصنف ندوہ کی تعلیمی تحریک سے تمام دلچسپی رکھنے والوں کی طرف سے تعریف وتحسین کے مستحق ہیں۔ اس سے اردو کے سوانحی ادب میں بہت ہی گرانقدر اضافہ ہوا ہے اس کتاب میں ندوہ کے تصور کا خالق انہی مولانا محمد علی مونگیری کو قرار دیا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ ان کی شخصیت اور سیرت کی تعمیر میں تین عوامل کارفرما تھے۔ ایک یہ کہ وہ سر دجنگ سے جو اختلافی مسائل کے سلسلہ میں مختلف فرقوں سے جاری تھی۔ کنارہ کش تھے اور اپنی پوری زندگی میں انہوں نے کسی کی تکفیر وتفسیق نہیں کی۔ اور شروع ہی سے فلسفہ ومنطق سے ان کی طبیعت بیزار اور متنفر تھی اور لاطائل مسائل ومباحث پر انسانی ذہانت وصلاحیت کا ضائع کرنا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ وقت کے جدید تقاضوں اور جدید رجحانات سے عیسائیت کے رد کے سلسلہ میں اچھی طرح واقف ہو گئے تھے انہوں نے اپنے قلم اور زبان سے عیسائی مشنریوں کا خوب مقابلہ کیا۔ اور نئے تجربات سے واقف ہوئے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی تصوف وسلوک اور ارشاد وہدایت کے ساتھ ان میں بڑا توسع تھا۔ ہر مسلک، ہر عقیدہ اور ہر مکتب فکر کے علمار سے ان کے تعلقات تھے اور ان کی عزت کرتے تھے اور ان کو اپنے دل میں جگہ دیتے تھے۔

یہ عوامل تھے کہ ان کے دل میں ندوہ کا تصور پیدا ہوا اور انہوں نے مدرسہ فیض عام کانپور کے اندر فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کے موقع پر مختلف مکاتب فکر کے ان علمار کے سامنے جو اتفاق سے جمع ہو گئے تھے اور جن پر اس دور کو پورا فخر ونازتھا۔ پیش کیا اور ان سب نے پورے انشراح قلب کے ساتھ قبول کیا۔

اس مقدس مجمع میں جو علمار شریک تھے ان سے کسی سے ملنا تو درکنار کسی کی زیارت کی سعادت بھی جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ نوجوان مصنف کو مشکل ہی سے نصیب ہوئی ہوگی۔ انہوں نے اس کے لئے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا ہے جو انہوں نے کسی کے استفسار پر یہ لکھا تھا۔ لیکن مولانا شروانی

ے جلسہ میں موجود تھے اور نہ کبھی ندوہ کے کسی جلسہ میں جس میں ان کو شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ اظہار خیال اور نہ اس موضوع پر کبھی کچھ لکھا نہ ندوہ کی کسی روداد میں جس کو بڑے بڑے وقت کے اہل قلم مرتب کرتے تھے ں اس کا ذکر آیا نہ حیات شبلی ایسی مستند ترین کتاب میں اس طرف کہیں اشارہ ملتا ہے۔ سید صاحب[ل] نے نظرف تمام بزرگوں کی صورتیں دیکھی تھیں، بلکہ ان میں سے اکثر سے ان کے ارادت مندانہ تعلقات بھی تھے ان میں سے ری بزرگ مولانا سید شاہ حافظ تجمل حسین صاحب دسنوی تھے۔ جو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے یفہ تھے جو سید صاحب کے رشتہ کے چچا تھے۔ پھلواری شریف کی ابتدائی تعلیم کے بعد ان کا ندوہ میں آنا انہی تحریک کا نتیجہ تھا۔

سید صاحب نے حیات شبلی میں استاذ الاساتذہ مولانا لطف اللہ صاحب علیگڈھی کو اور مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کو ندوۃ العلماء کے تصور کا مبنیٰ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ مشرق و مغرب کے یہی دونوں مطلع تھے جن سے ندوۃ العلماء کا آفتاب طلوع ہوا۔ مفتی لطف اللہ صاحب کی دو خصوصیتوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے یک یہ کہ تار وار پڑھ لیتے تھے، اس کے یہ معنی ہیں کہ دارالعلوم ندوہ جن اصلاحی خیالات و افکار کی روشنی میں آئندہ قائم ہونے والا تھا۔ اس کی مثالی صورت ان ہی کی ذات گرامی تھی۔ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ذات گرامی سارے ہندوستان کی روحانی عقیدت کا مرکز تھی۔ سنت سنیہ، فقر و غنا، نور معرفت کی تمام خوبیاں اس ایک ہستی میں جمع ہو گئی تھیں۔ مفتی صاحب کے اکثر تلامذہ کا روحانی تعلق اسی آستانہ سے تھا۔

مولانا شبلی کے متعلق لکھا ہے کہ جب ندوۃ العلماء کے مقاصد اور اس کے آئندہ اجلاس کے اسی کانپور میں منعقد ہونے کا اعلان ہوا۔ تو تمام مسلمانوں میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس صدا پر سب سے پہلے لبیک کہنے والو ں میں۔ ایک مولانا شبلی بھی تھے جو ہندوستان کے علاوہ روم و مصر و شام کے مدرسوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ آئے تھے اور ان کے دل میں رہ رہ کر مدرسوں کی زبوں حالی۔ ابتری اور ضروریات زمانہ سے بے خبری کا درد اٹھتا تھا اور

ل یہاں اور آگے جہاں جہاں نام کی صراحت کے بغیر سید صاحب کہا گیا ہے اس سے سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ مراد ہیں۔ بھوش

وہ بے چین ہو جاتے تھے۔ اس درد میں پورے ہندوستان میں ان کا کوئی شریک نہ تھا۔ وہ اپنے اس درد کا اظہار اپنے مضمونوں، تقریروں اور تصنیفوں میں برابر کرتے رہتے تھے اور یہ احساس ہر وقفہ نئے رنگ و آہنگ میں ظاہر ہوتا تھا۔ سب سے پہلے اس کا اظہار اپنے مضمون "گذشتہ تعلیم" میں کیا۔ پھر اور مضامین میں کیا۔ اور سفر نامۂ مصر و روم و شام میں تو خاص طور سے کیا۔ یہ ضرور ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا لیکن ان مدرسوں اور نصابِ تعلیم کی اصلاح کا جذبہ برابر ان کے دل میں قائم رہا۔ اس لحاظ سے خود ان کی ذات گرامی بھی ان بزرگوں کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا مثالی پیکر بن گئی تھی وہ علماء کے لئے انگریزی جاننا بہت ضروری سمجھتے تھے کہ اس کے بغیر زمانہ میں وہ اپنا علمی وقار قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ نہ یورپ کے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دے سکتے تھے۔ وہ اپنے ہی ایسا احساس اور عصری تقاضوں سے باخبر عالم پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ندوہ قائم ہونے کے بعد جب ان کو معتمد تعلیم کی حیثیت سے ندوہ کی خدمت کا موقع ملا تو ایسے ہی طلبہ انہوں نے تیار کئے اور ندوہ کے سالانہ جلسوں میں بطور نمونہ کے ان کو پیش کیا۔ اور مجمع نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ اس زمانہ میں ہمیں ایسے ہی علماء کی ضرورت ہے اس سے ہندوستان کیا۔ سارے عالم اسلام میں اس کی شہرت ہو گئی اور اسی نمونہ پر صاحب المنار سید رشید رضا نے الدعوۃ والارشاد کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا[1]۔ ہمارے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے مصر جاکر عربی کی تکمیل اسی مدرسہ میں کی تھی۔ یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مصر جاکر علامہ ابن تیمیہ کو اردو داں طبقہ سے روشناس کرایا اور ان کی رد بدعت، و کلام و عقائد سے متعلق متعدد کتابوں کا

---

[1] سید رشید رضا کا مدرسہ ان کی اپنی اصلاحی تحریک کا ایک حصہ تھا۔ یہ تحریک ندوہ کی تحریک کے وجود میں آنے سے بہت پہلے شیخ محمد عبدہؒ کے ذریعہ وجود میں آچکی تھی جو اپنی مستقل حیثیت اور بنیاد رکھتی تھی۔ مدرسۃ الدعوۃ والارشاد بھی اسی استقلال کا مظہر تھا کسی ادارے کو اس کے لئے نمونہ ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔ ندوہ تو اس کے وجود کے وقت اپنے دور طفلی سے گذر رہا تھا۔ اور خانہ جنگی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سید رشید رضا اپنا ادارہ قائم کرنے کے کئی برس بعد ندوہ آئے تھے۔ "محدث"

ترجمہ کیا[1]۔ اور اپنے سلفی ہونے کا اعلان کیا۔

سید صاحب نے تراجم علماء حدیث کے مقدمہ میں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کی درسگاہ حدیث کے ایک ممتاز فاضل مولانا ابراہیم آروی کے متعلق لکھا ہے کہ سب سے پہلے انہی کے دل میں عربی تعلیم اور عربی مدارس میں اصلاح کا خیال پیدا ہوا اور آرہ میں مدرسہ احمدیہ کی بنیاد ڈالی جس کے صدر مدرس شروع شروع میں اسی درسگاہ کے ایک دوسرے نامور عالم حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری تھے۔ یہ عربی مدارس میں دارالاقامہ کی بدعت کے بھی بانی ہیں۔ مولانا آروی نے اس دارالاقامہ کو مولانا شبلی کو بھی ان کے علی گڈھ کے زمانہ تعلق میں دکھایا تھا۔ لیکن اس میں مولانا کو وہ صفائی اور ستھرائی نظر نہیں آئی جو مسلم یونیورسٹی کے ہوسٹلوں میں تھی اس لئے ان کو مشورہ دیا کہ وہ علی گڈھ آکر یونیورسٹی کے ہوسٹلوں کو بھی دیکھ لیں۔ یہ مدرسہ احمدیہ آرہ۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بہت پہلے قائم ہوا تھا اس سے پہلے عربی مدارس میں بیرونی طلبہ کی رہائش کے لئے دارالاقاموں کا رواج نہیں تھا۔ اس طرح کے طلبہ اپنے طور پر کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام کرتے تھے اور اب تو اسی کی تقلید میں تمام عربی کی اقامتی درسگاہوں میں بڑے بڑے عالیشان اور پرشکوہ ہوسٹل اور دارالاقامہ تعمیر ہو گئے ہیں جن میں ہزارہا ہزار طلبہ رہ کر دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہم دارالعلوم ندوۃ العلماء کو مولانا ابراہیم آروی کے اسی مدرسہ احمدیہ کی ایک ترقی یافتہ شکل سمجھتے ہیں۔ مولانا ابراہیم میاں سید

---

[1] ابن تیمیہ سے اردو داں طبقہ اسی وقت روشناس ہو چکا تھا جبکہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ابن تیمیہ کی مشہور اور معرکۃ الآراء کتاب العقیدۃ الحمویۃ الکبریٰ کا ترجمہ مولانا ملیح آبادی کی پیدائش سے پہلے ۱۲۹۲ھ میں چھپ چکا تھا۔ یہ ترجمہ مولانا غلام العلی قصوری نے کیا تھا ابن تیمیہ کی دوسری مشہور کتاب التوسل والوسیلۃ کا ترجمہ مولانا ملیح آبادی کے ترجمے سے پہلے ۱۳۴۴ھ میں ہو چکا تھا۔ تذکرہ میں مولانا آزاد نے بھی ابن تیمیہ پر بڑی جامعیت سے لکھا ہے۔ یہ بھی مولانا ملیح آبادی کی واپسی مصر سے پہلے کی تالیف ہے۔ امرتسر کے غزنوی علماء پر ابن تیمیہ کے علوم کی گہری چھاپ تھی۔

نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں میں ایک خاص حیثیت کے مالک تھے مشکوۃ شریف کا سب سے پہلے اردو میں ترجمہ انہیں نے کیا تھا۔ نہایت خوشگوار واعظ تھے۔ ان کا وعظ بہت پر درد اور رقت انگیز ہوتا تھا۔ وعظ کہتے تو خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔ نئی اچھی باتوں کے قبول کرنے میں بڑے فراخ دل تھے۔ ان کے مدرسہ میں عربی کے ساتھ انگریزی کی بھی تعلیم ہوتی تھی سید صاحب کے والد سید صاحب کو پہلے اسی مدرسہ میں تعلیم کے لئے بھیجنا چاہتے تھے لیکن مقدر تو ندوہ کی تعلیم اور مولانا شبلی کی شاگردی کی سعادت تھی اس لئے نہ جاسکے۔ اس کا پہلا جلسہ آرہ کے بجائے دربھنگہ میں ہوا تو وہاں یہ بحث پیش آئی کہ جب مختلف مکاتب فکر کے علماء کے اتفاق رائے سے دارالعلوم ندوہ قائم ہوگیا ہے تو اب اس کی کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے۔

جب تک حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری اس میں پڑھاتے تھے۔ خوب چلتا رہا۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی بھی جو حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری کے شاگرد تھے۔ اس کے تعلیمی اسٹاف میں شامل تھے۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری۔ مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اسی دور کے اس مدرسہ کے طالب علم اور حافظ صاحب موصوف کے شاگرد تھے ان کے ایک شاگرد سید صاحب کے بڑے بھائی مولانا سید ابو حبیب رضوی مجددی بھی تھے ان ہی کے اثر سے سید صاحب کا پورا خاندان توحید وسنت کا دلدادہ ہوگیا تھا۔ وہ خود بھی توحید وسنت کے بڑے شیفتہ اور دلدادہ تھے پوری عمر اتباع سنت میں گذاردی سید صاحب نے ان ہی کے دامن شفقت میں پرورش پائی تھی جس کا اثر سید صاحب کی زندگی کے آخر تک رہا اور بدعات و محدثات سے ہمیشہ مجتنب رہے۔ سید صاحب خود بھی حافظ صاحب کے علم وفضل فن حدیث میں ان کے تبحر وکمال اور حلقہ درس حدیث کی وسعت سے بہت متاثر۔ اور ان کو میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کا صحیح جانشین سمجھتے تھے۔ حافظ صاحب کے بعد اس مدرسہ پر زوال آگیا اور اسی انحطاط کی حالت میں بہت دن تک چلتا رہا۔ حیات شبلی کی تالیف سے کچھ ہی دنوں پہلے یہ مدرسہ دربھنگہ منتقل ہوگیا جو مدرسہ احمدیہ سلفیہ کے نام سے مشہور رہے اور ملک کی اچھی اور کامیاب عربی درسگاہوں میں اس کا شمار ہے اور دربھنگہ کا ایک متمول خاندان تنہا چلا رہا ہے جس کے سربراہ اس وقت ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب ہیں جو جماعت اہلحدیث کے رہنما۔ اور اہلحدیث کانفرنس کے کچھ دنوں صدر بھی رہے ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر ندوہ کے تصور اور اس کے عملی جامہ پہنانے کا کریڈٹ ہمارے نزدیک مولانا ابراہیم آروی کو ملنا چاہیئے۔

● ● ●

امام حرم شیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ خَیْرِ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ نَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ وَنَشْکُرُہٗ اَکْمَلَ لَنَا الدِّیْنَ وَاَتَمَّ عَلَیْنَا النِّعْمَۃَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ ۔ اَمَّا بَعْدُ :

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور عبادت گذار بن کر اُسے ایسا نگران سمجھو گویا وہ اپنی پرستش کرنے والے کو دیکھ رہا ہے۔ اور یہ دھیان رکھو کہ وہ راز دروں سے آگاہ ہے۔ یاد رکھو! انقلاب زمانہ اور گردش ایام، مدت حیات ختم ہو جانے اور بستیوں میں بسنے والوں کے فنا ہونے کا اعلان کر رہے ہیں خوش نصیب ہے وہ شخص جو کتاب الٰہی پر کاربند رہا۔ اور سنت رسول پر عمل پیرا ہوا اور آخرت کے لئے زاد سفر تیار کیا۔

اللہ کے بندو! آپ جانتے ہیں کہ امن والے شہر مکہ میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی یہیں آپ پر وحی کا نزول ہوا۔ آپ توحید کی دعوت لے کر اٹھے۔ دین کی دعوت دی۔ تاریکی سے نور

کی طرف شرک وکفر کی ظلمت سے ایمان اور توحید کی روشنی کی طرف، جہل اور شکوک کی تاریکی سے علم وعرفان کے نور کی طرف اور ظلم وفساد کی اندھیاری سے عدل وانصاف کی تابانی کی طرف لوگوں کو بلایا۔

آپ نے ایک نئے ہجری سال کو خوش آمدید کہی۔ یہ نیا سال ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی یاد دلاتا ہے انہیں مقدس علاقوں میں جو مرز بوم رسول ہیں۔ حضرت جبریل امین کے واسطے سے آپ نے وحی الٰہی کا استقبال کیا آپ امت کو تبلیغ کرتے ہیں اپنی تعالیم کو برتتے ہیں اپنی امت کو اپنے اقوال وافعال سے وحی کی تعلیم دیتے ہیں اس کے باوجود آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ایسی ابتلاء وآزمائش برداشت کرنی پڑتی ہے جن سے اولوالعزم رسول اور ان کے اتباع دوچار ہوئے یا جن سے ہر مومن ومجاہد کو دوچار ہونا پڑے گا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صبر وبرداشت سے ہمارے لئے بہترین مثالیں اور برتر کارنامے پیش کئے جن میں ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ۔ تمہارے لئے رسول کی ذات میں بہترین اسوہ ہے جنہیں اللہ اور یوم آخرت درکار ہے — پھر اللہ نے آپ کی مدد کی آپ کا نام روشن کیا۔ سارے دشمنوں پر آپ کو غلبہ دیا اور اس سرزمین میں آپ کو صاحب قوت بنا دیا۔ یہ ساری باتیں یقین واذعان اور اعتماد باللہ کے جذبہ سے دلوں کو بھر دیتی اور اس دین حق پر فداکاری کی دلوں میں امنگ پیدا کر دیتی ہیں۔ جس کی برتری کا اللہ نے وعدہ کیا ہے اور جو بفضل خدا حاصل بھی ہو گیا۔

اس تغیر کا نقطۂ آغاز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ ہے آپ نے اللہ کی راہ میں اللہ کی طرف ہجرت کی۔ اپنا وطن چھوڑا۔ خاندان سے منہ موڑا۔ کیونکہ قریش کے لوگ آمادۂ پیکار ہوئے۔ قبول حق سے باز رہے۔ اور نور اسلام بجھا دینا چاہا۔ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔ اللہ اپنے نور کا اتمام کر کے ہی رہے گا چاہے کفار پسند نہ کریں۔

جب کفار کی ایذا رسانی شدید ہو گئی اور انہوں نے آپ کو سخت تکلیف پہنچانی چاہی۔ انہوں نے چاہا کہ آپ کو آپ کے شہر سے نکال دیں یا قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں۔ اور سب سے سخت اور بدترین شر پسند کا خیال تھا کہ قتل ہی ان کی دشمنی کی پیاس بجھا سکتی ہے اور ان کے دل کو ٹھنڈا کر سکتی ہے اس پر شیطان اور اس کے اعوان وانصار بھی اس کے مؤید تھے۔ اس وقت اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم دیا تاکہ اپنی

مدد پوری کرے اور آپ کی یہ ہجرت لوگوں کے لئے ایک اسوہ و عبرت ہو۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۔

اور جب کفار تمہارے ساتھ چال چل رہے تھے تاکہ تمہیں قید کردیں۔ یا قتل کردیں۔ یا نکال دیں۔ وہ چال چل رہے تھے اور اللہ بھی چال چل رہا تھا۔ اور اللہ بہترین چال چلنے والا ہے

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی آپ کے ساتھ آپ کے یار غار امت محمدیہ کے سب سے افضل، ایمان میں سب سے قوی۔ اور ثابت قدم انسان یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خوف زدہ تھے لیکن اپنے سلسلے میں نہیں۔ بلکہ انہیں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ڈر تھا مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پرسکون اور مطمئن تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو ڈھارس بندھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت و عنایتِ خاص یاد دلاتے تھے۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔

ڈرو نہیں بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے آپ پر اپنی سکینت اتاری۔ اور آپ کی مدد ایسے لشکر سے کی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کے کلمہ کو نیچا کردیا۔ اور کلمۂ الٰہی ہی بلند ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

آپ کی آمد پر مدینہ میں خوشی و مسرت سرور و شادمانی کی باد بہاری لوگوں کے مشام جان کو معطر کررہی تھی اور ان کے دلوں کو پر کیف بنا رہی تھی۔ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی نصرت اور اپنا کلمہ بلند کرنے کے لئے تیار کیا اور ان کی بستی کو دین کا اقرار کرنے والے ہر مومن کے لئے ملجا و ماویٰ بنادیا وہ ان سے ہمدردی کرتے اور ان کی آمد پر مسرت کا اظہار کرتے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ

اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین سے پہلے ہی (اسلام کا) گھر بنایا اور ایمان قبول کیا۔ جو اپنے پاس ہجرت کرکے

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔

آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا گیا اپنے سینوں میں اس کی حاجت نہیں پاتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ سخت محتاجی ہی سے کیوں نہ دوچار ہوں۔

جب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مطمئن ہوگئے اور آپ کو جہاد کی اجازت مل گئی اور اللہ نے آپ کو حکم دے دیا تو آپ نے حکم خداوندی کی بجا آوری کی اور دشمنان دین سے جہاد کیا۔ پھر کیا تھا؟ فتح و کامرانی نے آپ کے قدم چومے۔ سب سے کامیاب معرکہ بدر کا تھا۔ اس دن جمعیت کفر و جمعیت اسلام جمع ہوئیں۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔

اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی اور تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ اس کا شکریہ ادا کرسکو۔

پھر کامرانیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں کامیاب و کامران داخل ہوئے۔ آپ نے لوگوں کو امان دی۔ لوگوں سے درگذر فرمایا اور باعظمت کعبے کے دروازے پر کھڑے ہوکر یہ خطبہ دیا۔

معبود صرف اللہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندہ کی مدد کی اور تنہا جماعتوں کو شکست دے دی۔ پھر فرمایا۔ اے جماعت قریش! تمہارا کیا خیال ہے۔ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ انہوں نے کہا خیر ہی کی توقع ہے۔ آپ شریف ہیں شریف زادے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "جاؤ تم سب آزاد ہو" پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی بلند آواز میں اذان دیتے ہیں ۔۔۔۔ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔"

سرداران قریش کی موجودگی میں یہ آواز بلند ہوتی ہے اور عبودیت الٰہی اور توحید خداوندی کی دعوت دیتی ہے۔ ہجرت سے قبل یہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایمان باللہ پر ستائے جاتے تھے اور سخت دھوپ اور سورج کی

شدید حالت میں آپ کے سینہ پر بڑی سی چٹان رکھ دی جاتی تھی۔ تاکہ اپنے دین سے باز آجائیں مگر یہ سزا آپ کے ایمان اور وحدانیت رب میں اضافہ ہی کرتی تھی

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۔

ہم دنیا کی زندگی میں بھی اپنے رسولوں اور مومنوں کی مدد کریں گے اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے ۔

لوگو! اللہ تم پر رحم فرمائے اطاعت رب میں جہاد اور اللہ کی راہ میں ہجرت کے نتیجے پر غور کرو اور دیکھو مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کا انجام کیا رہا۔ اور دنیا کی زندگی کی خوشنمائی پر نہ ریجھو۔ آخرت کے مقابل دنیا کی دل چسپیاں بے وقعت ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۔

جنہوں نے ہماری خاطر جہاد کیا انہیں ہم اپنے راستے ضرور دکھائیں گے اور بلاشبہ اللہ اچھائی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ ہمیں اور تمہیں قرآن عظیم اور سنت سید المرسلین سے فائدہ پہنچائے۔ آمین

أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۔

قطعہ تاریخ وفات مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی رح

صبر اس کا تاج و تخت　　فقر میں بھی شاہ بخت

کوئی آ کے کہہ گیا　　مردِ خوش نصیب رفت

۱۹۸۲ء

از مولانا محمد خلیل الرحمن رحمانی

عبدالسلام عبدالسمیع بستوی عالمیت چہارم جامعہ سلفیہ

بزم طلبہ

اسلامی احکام کی بنیاد اولین

رفع حرج

کسی بھی مذہب اور تحریک کی کامیابی اور اس کی روز افزوں ترقی کے لئے ضروری ہے کہ وہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر اس طرح اثر انداز ہو کہ اس کا پورا پورا ساتھ دیتا ہو اور کلی طور پر ہم آہنگ و ہم نوا ہو اور زندگی کے تمام مسائل کا اس طرح حل پیش کرتا ہو کہ اس کی تمدنی رفتار، تہذیبی ارتقار میں کوئی فرق پیدا نہ ہو۔ حیات انسانی کو افراط و تفریط سے محفوظ رکھتا ہو اور فطرت بشری کے تمام تقاضے پورے کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔

اس اصول کو سامنے رکھ کر جب ہم مذہب اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات آئینہ بن کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام میں مذکورہ خصوصیتیں پوری طرح موجود ہیں وہ انسانیت کے فطری تقاضوں کا پورا پورا ساتھ دیتا ہے اور تنگی سے کلی طور پر محفوظ رکھتا ہے۔ خواہ احکام کا معاملہ ہو یا عقائد و عبادات کا، اجتماعی زندگی کا مرحلہ ہو یا انفرادی اعمال و آداب کا جس میں ازدواجی و معاشرتی تعلقات۔ تجارتی لین دین اور بیع و شراء جیسے معاملات سے لے کر اخلاق و عادات اور آداب و تہذیب جیسے سبھی مسائل شامل ہیں۔ اسی بنا پر صرف اسلام کو عالمگیریت اور ابدیت کا تمغہ حاصل ہوا کیونکہ تمام مذاہب اور تحریکوں میں یہی ایک ایسا مذہب ہے جو معاشرہ انسانی کو تنگی سے بچاتے ہوئے تمدنی ترقی کی رفتار کا ساتھ دیتا ہے۔

ہم ذیل میں اس بات کا مختصر خاکہ پیش کریں گے کہ اسلام نے جو احکامات بندوں پر عائد کئے ہیں ان میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ بندے ان احکامات کی وجہ سے تنگی اور حرج میں نہ پڑ جائیں اسی لئے

بندوں کو اسلام نے انہیں امور و احکام کا مکلف بنایا ہے جن کا دائرہ عمل میں لانا آسان ہے کیونکہ جس کام پر بندہ قدرت ہی نہیں رکھتا اس کا مکلف بنانا بالکل فضول ہے۔ چنانچہ ہمیں کتاب وسنت کی آیات ونصوص میں ایک معتدبہ حصہ ایسا ملتا ہے جس میں اس بات کی صراحت و وضاحت موجود ہے کہ انسان اپنی وسعت سے زیادہ عمل کا مکلف نہیں ہے اور اس کے ذمے ایسے کام عائد نہیں کئے گئے ہیں جن سے حرج اور تنگی پیدا ہوتی ہے اور جو انسانی فطرت کے بوجھ ہیں۔ ارشاد باری ہے

" وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین میں حرج نہیں رکھا ہے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صفت سے متصف کرتا ہے۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف احادیث اس معنی میں مروی ہیں کہ آپؐ نے کوئی حکم دیتے ہوئے امت کے مشقت میں پڑنے کا ہمیشہ اندیشہ محسوس کیا تو وہ حکم مشروع نہیں کیا کہ اس کے بار گراں سے امت کی کمر جھک نہ جائے۔ مثلاً آپ نے چاہا کہ ہر وضو سے پہلے مسواک کرنا ضروری ٹھہرا دیں عشار کی نماز کم از کم ایک تہائی رات تک مؤخر کر دیں مگر امت کے مشقت میں پڑنے کے اندیشے سے آپ نے ایسا نہیں کیا۔ تین رات تراویح پڑھانے کے بعد آپ پھر یہ نماز پڑھانے نہیں نکلے۔ اور لوگوں کو گھروں میں پڑھنے کی تلقین کی کیونکہ آپ نے خطرہ محسوس کیا کہ یہ امت پر فرض نہ کر دی جائے اور امت اس بار گراں کو نہ اٹھا سکے۔ اب ہم اپنے مذکورہ اصول کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

عبادات اسلامی

عبادات میں ضیق و تنگی سے امت کو بچانے کے لئے اسلام نے خصوصی توجہ دی ہے پُر تکلف عبادات۔ اپنے اور باری تعالیٰ کے رابطے کو مستحکم کرنے کے لئے تحنث و تجرّد۔ رہبانیت و گوشہ نشینی اور دنیاوی حقوق ترک کر کے عبادات میں منہمک ہو جانے سے منع فرمایا اور جتنی بات کا مکلف کیا ہے اس میں ایسی حلاوت و شیرینی اور لطافت پیدا کر دی ہے جس سے روح کو راحت، قلب کو فرحت اور طبیعت کو انبساط و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مومن سے سرزد ہونے والے تمام تعمیری و اصلاحی اعمال کو عبادت ہی کا درجہ دیا ہے۔ خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی، تجارتی ہوں یا خانگی، انفرادی

...سا یا عام اخلاق ان سب کو عبادت کے درجے میں شمار فرمایا ہے۔ سچ ہے ؎

دوستاں را کجا کنی محروم   چونکہ با دشمناں نظر داری

کچھ شرعی احکام بعض حالات میں تکلیف اور تنگی کے باعث محسوس ہوتے ہیں لیکن ایسی حالت میں اسلام ...ندر فراخدلی کے ساتھ رخصت کی مشروعیت موجود ہے جیسے سفر میں (جو عموماً صبر آزما ہوتا ہے) نماز قصر کرنے ...روزہ رکھنے کی رخصت موجود ہے ارشاد ہے: "فَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ ...صُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ" روزہ ترک کرنے کے سلسلے میں ارشاد ربانی ہے: "وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ ...سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ" ان آیات شریفہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سفر میں قصر کرنا اور ...ہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یُسر محبوب ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "السنة للمسافر ان يصلي الرباعية ركعتين و ...صر افضل من التربيع"۔ اور صحیحین میں مروی ہے: "ليس البر الصوم في السفر" ...صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "فرضت الصلوٰة ركعتين ركعتين ...زيد في صلوٰة الحضر واقرت في صلوٰة السفر" انہیں مرویات کو سامنے رکھ کر بعض علماء ...ر میں قصر کو واجب قرار دیا ہے۔

نیز حضر میں بھی گاہے گاہے ایسے حالات رونما ہوتے ہیں جن میں تنگی محسوس کی جاتی ہے ان حالات کا شریعت اسلامیہ نے خصوصی خیال رکھا ہے اور جمع بین الصلاتین کی اجازت مرحمت فرما کر امت مسلمہ پر ...ن کیا ہے۔ بارش کی مشکلات کے وقت جماعت کے بجائے اپنے ڈیروں میں ادائیگی نماز کی اجازت ہے۔ نیز اضطراری حالات میں بعض محرمات کی بقدر ضرورت استعمال کی گنجائش رکھی ہے۔

اسلام کے ارکان خمسہ میں سے حج بیت اللہ ایک ایسا رکن ہے جس پر وقت کا ایک عرصہ صرف ہوتا ہے ...سے میں حاجی گھر بار اہل و عیال سے علٰحدہ رہتا ہے۔ اسلام کے بدخواہ دشمنوں نے اس رکن کو بھی مرکز اعتراض ...ہے کہ صاحب خانہ کے سفر حج پر چلے جانے سے خانگی اور تجارتی معاملات میں زوال آجاتا ہے جس سے تمدن کا ...ناپذیر ہونا لازمی ہے لیکن جس دین نے اپنے جاں نثاروں کی زندگی کے ایک ایک گوشے کو حرج سے بچا لیا ہے

... موقع پر بھی بڑی وسعت سے کام لیا ہے۔ صرف عمر میں ایک مرتبہ مستطیع پر حج فرض کیا ہے اور تجارت کے ... اولہ کی کھلم کھلا اجازت مرحمت فرمائی ہے تاکہ تمدن کی گاڑی سست رفتار ہونے کے بجائے کچھ مزید تیز ... رفتار ہو جائے، اور معاشی زوال کے بجائے عروج ہو۔

چونکہ اسلام کا تشریعی نقطۂ نظر سہل پسندی کا تھا اس لئے اسلامی احکام سہل اور آسان ہیں اور زندگی ... کے مختلف مطالبوں اور تقاضوں کا جواب ہیں۔ لہٰذا ان کے نفاذ اور اجراء میں کوئی دقت نہیں۔ اور جہاں ... ہیں دشوار گذار مراحل ہیں وہاں احکام کی بجا آوری میں تنوع پیدا کرکے اس دشواری کا حل بھی بڑا عمدہ ... اور اطمینان بخش پیش کر دیا گیا ہے جیسا کہ قسم اور دوسری غلطیوں کے لئے مقرر کئے جانے والے کفارات ... میں کیا گیا ہے کہ آدمی ایک کفارہ نہ ادا کر سکے تو اس کے لئے دوسرے قسم کے کفارے کی گنجائش موجود ہے۔

عائلی نظام

معاشرتی زندگی کا اہم ترین مرحلہ ازدواجی تعلقات کا ہے جس کے سلسلے میں مختلف مذاہب سے مختلف نظریات ہیں اور ہر نظریئے میں پیچیدگی اور فساد کا عنصر نمایاں ہے لیکن اسلام کے عائلی نظام میں خاندان کو مامون رکھنے کے لئے زوجین کو جو حقوق دیئے گئے ہیں وہ نہایت عادلانہ اور دونوں کی فطرت کے عین مطابق ہیں دونوں کو خانگی نظام کا ممبر بنایا گیا اور ہر ایک پر اس کی صلاحیت کے مطابق فرائض عائد کئے گئے ہیں۔ نفقہ وسکنیٰ، طلاق وخلع، عدت، حیض وحمل کے مسائل میں اسلام نے ایسا معتدل اور معقول طریقہ تجویز کیا ہے کہ ان کو برتتے ہوئے معاشرہ جھگڑے۔ لڑائی، فساد اور بگاڑ کا کبھی شکار نہ ہوگا۔

اجتماعی معاملات

اجتماعی زندگی میں تعامل بین الناس اور رابطے کا بڑا ہی عمدہ معیار قائم کیا تجارتی معاملات میں۔ بیع وشراء کے مسائل اور ناپ تول میں ایفاء کو بڑی اہمیت دی۔ اس لئے کہ تجارتی تبادلے اجتماعی وانفرادی زندگی کے نشاط وارتقاء کے محور ہوتے ہیں تمدنی ترقی وتنزلی کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے لیکن اس معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کے وسعت کے مطابق مکلف کیا۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

حدود وتعزیرات

اسلامی حدود وقصاص، تعزیرات وعقوبات کا جہاں تک معاملہ ہے تو کچھ لوگ

اس میں سخت گیری و مشقت کا شکوہ کرتے ہیں۔ لیکن معاشرتی امن و امان، اجتماعی بقار و تحفظ، انسانی جان و مال کی عظمت و رفعت کا تقاضہ تھا کہ اس قسم کا قانون وضع کر کے معاشرہ کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دیا جائے چنانچہ اس نظریئے کے پیش نظر ایسے حدود مشروع کئے گئے کہ مجرم دوبارہ پہلی سی حرکت پہ آمادہ نہ ہو۔ اور دوسرے لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ مجرموں کے دلوں میں جرائم کے کروٹیں لینے والے جذبات سرد پڑ جائیں۔ دوسری طرف جن کے خلاف جرائم کئے گئے ہیں ان کے مطالبہ انصاف اور جذبۂ انتقام کی تشفی ہو جائے۔ اور اندر ہی اندر پک کر لاوا بننے اور پھوٹنے نہ پائے۔ پھر اسلام میں مجرموں کے خلاف جو کچھ کیا جاتا ہے وہ مجموعی طور پر آج کے متمدن دنیا میں مجرموں کے ساتھ کئے جانے والے وحشیانہ سلوک سے بدرجہا بہتر اور شریفانہ ہے۔

جہاد و قتال

جہاد و قتال اور حرب و ضرب کا معاملہ بڑا تلخ اور فطرت بشری کے لئے ناگوار ہے لیکن دنیا میں جس مزاج کی قومیں بستی ہیں ان کے مد نظر یہ ایک ناگزیر ضرورت بھی ہے اس کے بغیر جان و مال و آبرو اور خود مختاری کی حفاظت کی ضمانت ہی نہیں مل سکتی۔ اس لئے دنیا کی ساری قومیں اس کو ایک جائز اور بعض حالات لازمی انسانی ضرورت سمجھتی ہیں اسلام نے اسے جائز رکھا ہے۔ مگر اس حد تک اصلاح کر ڈالی ہے کہ اسلامی جہاد سارے انسانی معاشروں میں پیام رحمت بن گیا ہے۔ اور ہو سکتی ہو گی انسانیت کو طاغوت کے پنجوں سے چھڑانے کی یہ مہم ایک انسانیت پرور انسان (مسلمان) کے لئے ایک خوشگوار دلکش اور ذوق فطرت سے ہم آہنگ فریضہ بن گئی ہے جس کی رعنائی و دلآویزی کو صرف وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس کے دل میں مجبوروں اور بیکسوں کے لئے درد و محبت کی دھڑکنیں ہوں کیا خوب کہا ہے ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے ؎

سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہئے

اسی جانب قرآن محکم بھی اشارہ کرتا ہے ؛ عَسٰٓی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ

خلاصہ گفتگو

اسلام ایک دین فطرت۔ اور کشادگی پسند دین ہے۔ چونکہ نفس کا میلان فطرتاً سہولت و آسانی کی جانب ہوتا ہے اس لئے اسے اسلامی احکام کی اساس قرار دیا گیا۔ کیونکہ مختلف النوع دشواریاں اگر بندے سے متعلق ہو جائیں تو وہ تنگ آکر بیٹھ جائیگا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ؛ بعثت بالحنيفية السمحة ، میں سہل اور آسان ملت حنیفیہ دے کر بھیجا گیا۔ • • •

فتاوی

منبر پر خطیب جمعہ کا سلام

مولانا شمس الحق صاحب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس

سوال:۔ مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں قرآن وحدیث کا کیا حکم ہے؟ کہ جب خطیب منبر پر خطبہ دینے کے لیے چڑھتا ہے تو مقتدیوں کو سلام کرکے منبر پر بیٹھتا ہے۔ آیا خطیب کا بالالتزام سلام کرکے منبر پر بیٹھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے، یا یوں ہی ایک رسم چلی آرہی ہے۔ بینوا وتوجروا۔

جواب:۔ اس مسئلہ میں مسند اور مرسل روایتیں ہیں، مسند روایتیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بغوی نے شرح السنہ ج ۴ ص ۲۴۲ میں اور ابن ماجہ نے سنن کی ج ۱ ص ۳۵۲ میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ کی ج ۳ ص ۲۰۴ میں نقل کیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔

عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صعد المنبر سلّم	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر قدم رکھتے تھے تو سلام کرتے تھے۔

نقادان حدیث کی رائیں حدیث مذکور کے بارے میں حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے حدیث جابر کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا، یہ حدیث موضوع ہے۔ العلل ج ۱ ص ۲۰۵، علامہ زیلعی نے نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۵ میں اور مناوی نے فیض القدیر ج ۵ ص ۱۴۷ میں ابن ابی حاتم کے قول کو نقل کرکے اس کی تائید کی ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۶۳ میں اور درایہ ص ۱۳۳ میں لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ قاضی شوکانی نے نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۶۰ میں لکھا ہے کہ ابن لہیعہ ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے۔ بوصیری نے مصباح الزجاجہ ج ۱ ص ۳۵۲ کے قول کو درراسۃ نقدیہ ص ۴۹۷ میں تحریر کیا ہے کہ ابن لہیعہ ضعیف ہے۔ نووی نے شرح مہذب ج ۴ ص ۵۵۳ میں کہا ہے کہ جابر والی روایت کی سند قوی نہیں ہے۔

(۳) زیلعی نے نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۵ میں لکھا ہے، جابر والی روایت کمزور ہے، مناوی نے فیض القدیر ج ۵ ص ۱۴۶ میں علامہ سیوطی کے حسن کہنے کی تردید کی ہے، کہ جب زیلعی نے واہٍ کہا ہے اور ابو حاتم نے موضوع کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے "بسندہ ضعیف جداً"۔ تو اس حدیث کو کتاب میں درج کرنا ہی مناسب نہیں تھا، چہ جائے کہ اس کی تحسین کی جائے۔

(۴) علامہ سیوطی نے جامع صغیر ج ۲ ص ۱۰۷ میں جابر کی روایت کو حسن کہا ہے۔

راجح یہی ہے کہ جابر والی روایت ضعیف ہے موضوع یا ناقابلِ قبول نہیں ہے، کیوں کہ ابن لہیعہ کے علاوہ تمام راوی ثقہ ہیں اور صحیح کے رواۃ ہیں۔ اور ابن لہیعہ سوءِ حفظ کی وجہ سے ضعیف ہے متہم بالکذب وغیرہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے ابن لہیعہ صدوق ہے، آخر عمر میں متغیر ہوگیا تھا اور مرفوع و مرسل روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے، اسلیے یہ حدیث حسن ہے۔ ائمہ حدیث کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۵۱۶ تاریخ کبیر ج ۳ ص ۱۸۲ تاریخ صغیر ص ۱۹۵ الضعفاء للبخاری ص ۲۶۶، الضعفاء للنسائی ص ۲۹۵، الجرح والتعدیل ۱۸۲/۲/۲ الضعفاء للعقیلی ص ۵۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۷ میزان ج ۲ ص ۴۷۵ اور تہذیب ج ۵ ص ۳۷۳۔

حدیث ابن عمر کو بیہقی نے سنن کبری ج ۳ ص ۲۰۵ میں طبرانی نے اوسط میں اور ابن عدی نے کامل میں روایت کیا ہے الفاظ حدیث یہ ہیں۔

عن ابن عمر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس فاذا صعد المنبر توجه الى الناس فسلم عليهم

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو ممبر کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرتے تھے، اس کے بعد ممبر پر چڑھ کر جب لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو ان کو سلام کرتے تھے۔

نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۵، التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۶۲
احادیث الجمعہ دراسۃ نقدیہ ص ۳۴۵ نقلاً من مجمع البحرین ص ۸۵۔

حدیث ابن عمر پر نقاد حدیث کی رائیں۔

التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۶۲ میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن عدی نے عیسی بن عبد اللہ الانصاری کو ضعیف کہا ہے۔ اسی طرح ابن حبان نے بھی ضعیف کہا ہے۔ اور حافظ نے درایہ ص ۲۱۳ میں کہا ہے کہ حدیث ابن عمر کو طبرانی اور ابن عدی نے نقل

کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ قاضی شوکانی نے نیل ج ۴ ص ۲۰۱ میں لکھا ہے، حدیث ابن عمر کو طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے
اور اس کی سند میں عیسیٰ بن عبداللہ الانصاری ہے جس کو ابن عدی اور ابن حبان نے ضعیف کہا ہے۔ امیر یمانی نے سبل السلام
ج ۲ ص ۴۸ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ ضعیف ہے۔ بیہقی نے سنن کبری ج ۳ ص ۲۰۵ میں لکھا ہے عیسیٰ بن عبداللہ اس روایت
میں متفرد ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ عیسیٰ بن عبداللہ کی عام روایتوں کی متابعت نہیں ہوتی ہے۔ اور نووی نے شرح مہذب
ج ۴ ص ۵۵۴ میں لکھا ہے، بیہقی نے روایت کی ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۸۴
میں کہا ہے کہ طبرانی نے اوسط میں حدیث ابن عمر کو نقل کیا ہے، اس کا راوی عیسیٰ بن عبداللہ ضعیف ہے اور ابن حبان نے
عیسیٰ بن عبداللہ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ زیلعی نے نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۵ میں کہا ہے کہ ابن عدی نے ابن عمر کی حدیث کو
کامل میں نقل کیا ہے اور عیسیٰ بن عبداللہ کی وجہ سے حدیث معلول ہے اور اس کی عام روایت کی متابعت نہیں ہوتی ہے۔ اور
ابن قطان نے کہا ہے کہ عیسیٰ منکر الحدیث ہے، اور ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں کہا ہے کہ عیسیٰ بن عبداللہ نافع سے جو
روایت کرتا ہے اس کی متابعت نہیں کی جاتی ہے، جب منفرد روایت کرے تو حجت نہیں ہے۔

عیسیٰ کے علاوہ تمام راوی ثقہ ہیں۔ اس لیے حدیث ضعیف ہے لیکن دوسری روایتوں کی تائید سے حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے۔

مرسل روایتیں امام شعبی اور عطاء بن رباح سے مروی ہیں۔

عبدالرزاق نے مصنف ج ۳ ص ۱۹۲ میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف کے ج ۲ ص ۱۱۴ میں شعبی کی روایت کو نقل کیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعد المنبر یوم الجمعة استقبل الناس بوجهه فقال السلام علیکم "	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن منبر پر چڑھتے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تو کہتے تھے "السلام علیکم"

— (الفاظ حدیث ابن شیبہ کے ہیں۔)

زیلعی نے نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۶ میں اور حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۶۳ میں اور درایہ ص ۱۳۲ میں
اور قاضی شوکانی نے نیل ج ۳ ص ۲۰۱ میں امیر صنعانی نے السبل ج ۲ ص ۴۸ میں نقل کیا ہے کسی نے بھی اس حدیث پر
کلام نہیں کیا ہے، بس اتنا کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، لیکن اس کا ایک راوی مجالد بن سعید بن عمیر الہمدانی الکوفی ہے جو ضعیف ہے
آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ یحییٰ بن سعید، ابوحاتم، نسائی، اور ابن سعید وغیرہ نے مجالد کو ضعیف کہا ہے، ابن مہدی مجالد
سے روایت نہیں کرتے تھے اور کہا کہ مجالد کی حدیث ابواسامہ وغیرہ نوجوانوں کے نزدیک لیس بشئ تھی، لیکن شعبہ، حماد بن زید
اور ہشیم وغیرہ قدماء کے نزدیک معتبر تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ اور ابن معین نے کہا ہے،

ضعیف اور کمزور ہے۔ امام بخاری نے حسن کہا ہے، اسی طرح یعقوب بن سفیان اور عجلی نے مجالد کی تحسین کی ہے۔ طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۴۹ الجرح والتعدیل (۳ / ۱ / ۳۶۱) میزان ج ۳ ص ۴۳۸ تہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۔
اس لیے یہ حدیث مرسل حسن لغیرہ ہے۔

حدیث عطاء کو عبدالرزاق نے اپنے مصنف کی ج ۳ ص ۱۹۲ میں نقل کیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صعد المنبر اقبل بوجھہ علی الناس فقال «السلام علیکم»

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر چڑھتے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تو کہتے تھے «السلام علیکم»

زیلعی نے نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۶ میں اور حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۶۲ میں اور درایہ ص ۱۳۳ میں اور قاضی شوکانی نے نیل ج ۳ ص ۲۰۱ میں نقل کیا ہے اور سبھوں نے اس کی سند پر سکوت اختیار کیا ہے۔ ان کا سکوت دلیل ہے کہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ کتاب الام ج ۱ ص ۲۰۰ میں لکھتے ہیں، ہمیں سلمہ بن الاکوع سے معلوم ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے اور دو جلسے کیا کرتے تھے۔ اور جس سیڑھی پر آپ استراحت فرمایا کرتے تھے، اس سے نیچی سیڑھی پر جب قیام فرماتے تھے تو سلام کیا کرتے تھے، التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۶۳ نیل ج ۳ ص ۲۰۱۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم بھی منبر پر خطبہ سے پہلے سلام کیا کرتے تھے۔ نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۶، التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۶۳ مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۹۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۴ المغنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۲۹۷۔ بیہقی نے کہا ہے حضرت ابن عباس عبداللہ بن زبیر اور عمر بن عبدالعزیز سے بھی روایت ہے سنن کبری ج ۳ ص ۲۰۵۔

احادیث، آثار اور اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ خطیب کا منبر پر سلام کرنا سنت ہے، حضرت ابن عباس، عبداللہ بن زبیر عمر بن عبدالعزیز اوزاعی، احمد اور اکثر لوگوں کا یہی مسلک ہے۔ شرح مہذب ج ۴ ص ۳۵۴ - ۳۵۷ المغنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۲۹۶ - ۲۹۷۔

جو شخص اپنی زندگی میں جہاد کا خیال تک نہ لائے اور مر جائے تو اس کی موت ایک لحاظ سے منافق کی موت ہو گی
(مسلم شریف)

ترکی جو صدیوں تک اسلامی جاہ و جلال کا نشان ، مسلمانوں کی وحدت ملی کا پاسبان اور ان کی قوت و شوکت کی علامت رہ چکا ہے ۔ اسے موجودہ صدی کے آغاز میں "یورپ کا مرد بیمار" کہا جانے لگا ، اور بالآخر قوموں کے ملک الموت برطانیہ اور اس کے صہیونی ہرکاروں نے اپنی ہمہ گیر سازشوں کی بدولت پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء) کے دوران اس مرد بیمار کی روح کھینچ لی اور خلفائے آل عثمان کا اسلامی ترکی مرحوم ہوگیا ۔

ترکی کے ہنگام موت کے بطن سے مصطفیٰ کمال پاشا نامی ایک مسخرے نے جنم لیا جسے اتاترک (یعنی بابائے قوم) غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے بھاری بھرکم لقب سے ملقب کیا گیا ۔ ان "غازی اسلام" صاحب نے ترکی پر اپنا پنجۂ اقتدار گاڑ لینے کے بعد صرف یہی نہیں کہ خلافت مرحومہ کے لاشۂ بے جان کو اپنے ہاتھوں دفن کیا ، بلکہ ترکی کی سرزمین سے اسلام کا ایک ایک نقش مٹانے کے لیے اپنی ساری قوتیں اور صلاحیتیں صرف کر دیں ۔ ترکی زبان کا عربی رسم الخط ختم کر کے لاطینی رسم الخط نافذ کر دیا جس سے ترکوں کی نئی نسل کا تعلق اپنے ماضی کے اسلامی ورثے سے بالکل ہی کٹ کر رہ گیا ۔ مساجد میں اذان کہنا جرم قرار پایا ، قرآن کی تلاوت بھی جرم ٹھہری ، عربی زبان اور اسلامی علوم پڑھنا پڑھانا بھی سنگین جرم ٹھہرا ۔ عورتوں کے برقعہ استعمال کرنے پر پابندی لگا دی گئی ۔ اور کسی عورت نے برقعہ یا پردے کی چادر استعمال کرنے کی جرأت کی تو سر عام اس کا برقعہ چھین کر جلا دیا گیا ، اور اسے اس "جرم" پر بیت رسید کیے گئے ۔ کالج اور محفلوں میں بالغ عورتوں پر نیم برہنہ ہو کر ناچنا فرض قرار دیا گیا ۔ لباس اور وضع قطع میں مغرب کی نقالی فرض قرار پائی اور ہر وہ لباس جرم قرار پایا جس سے اسلامی تہذیب و ثقافت کی کوئی جھلک آسکتی تھی ۔ غرض کینہ توز اور اسلام دشمن یہودیوں اور صلیبیوں کے ان پالتو "غازی اسلام" صاحب نے ترکی کی در و دیوار سے اسلام کی ایک ایک علامت کھرچنے کے لیے جبر و تشدد کا وہ بازار گرم کیا کہ الاماں والحفیظ ۔

ان غازی صاحب کے بعد ان کے ثانی اثنین عصمت انونو صاحب کا دور بھی تقریباً انھیں حالات میں گزرا۔ انونو صاحب کے بعد الحاد کا جبر ذرا جب کچھ ڈھیلا پڑا تو معلوم ہوا کہ ترک مسلمانوں کے سینہ سوزاں میں ایمان کی حرارت اور اسلام کی چنگاری اب بھی سلگ رہی ہے، جو نمود و ظہور کی تڑپ سے بے قرار ہے۔ اس کا ظہور حکمرانوں کے [illegible] کا نتیجہ تھا۔ مغرب جو ترکی کے لاشۂ بے جان سے بھی لرزاں و ترساں تھا، اس سے سخت مرعوب ہوا۔ چنانچہ فوجی انقلاب آیا اور عدنان مندریس اور گرسل جمال تختۂ دار پر چڑھا دیے گئے۔ مگر ترک قوم کی سخت جانی نے فوج کے جبر کو جلد ہی درماندہ کر دیا۔ اور جمہوریت پھر بحال ہوئی۔

مختلف جمہوری حکومتوں کی آمد و رفت کے دوران ترک اسلام پسندوں کی قوت کے فروغ کے ذرائع ملتے رہے اور اس بات کا اندیشہ کیا جانے لگا کہ شاید ایک بار پھر ترکی پر اسلام پسند قوت حکمراں ہو جائے۔ یہ مغرب کے لیے — اس کے اپنے نقطۂ نظر سے — پیام موت ہے۔ اس لیے ان اسلام دشمن سازشیوں نے ایک طرف تو ترکی کو بدامنی کا گہوارہ بنا ڈالا۔ دوسری طرف ترکی کے حصے بخرے کرنے کے لیے غیر مسلم اقلیتوں کو مسلح کر کے ہنگامے اور شورش کو ہوا دی۔ اور تیسری طرف الحاد پسندوں کے ساتھ سازباز کی۔ بالآخر ۱۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو جنرل کنعان ایورین کی قیادت میں ایک فوجی انقلاب برپا کر کے سارے شہری حقوق معطل کر دیے گئے۔ دس سال کے لیے سارے سیاستدانوں پر سیاست کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ پھر ایک استبدادی دستور نافذ کیا گیا جس کے متعلق ۷ نومبر ۱۹۸۲ء کو اس حالت میں قوم سے استصواب رائے کرایا گیا کہ اس کے خلاف کسی کو ایک لفظ بولنے کی اجازت نہ تھی۔ نوے فی صد ووٹ کی عظیم اکثریت سے دستور پاس ہو گیا۔ اور بقول سیاسی مبصرین ایک پہلوان نے دوسرے پہلوان کو جس کا ہاتھ پاؤں باندھ دیا گیا تھا، پچھاڑ دیا۔ اور اب جنرل ایورین صاحب "عوامی تائید سے" مزید سات سال کیلئے دستوری صدر ہو گئے۔ یہ دستور کیا ہے؟ جبر و استبداد کے جواز کی ایک دستاویز ہے۔ جس کی رو سے ترکی کا صدر آمر مطلق اور ڈکٹیٹر بے لگام ہوگا۔

جنرل کنعان ایورین اور ان کے رفقاء کتنے بڑے اسلام دشمن ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اقتدار پر قبضہ کرتے ہی مسلمان عورتوں کو برقعہ اوڑھنے کی نہایت سخت ممانعت کر دی ہے۔ اور اب تازہ ترین خبر آئی ہے کہ مسلمان مردوں کے لیے داڑھی رکھنا بھی جرم قرار دیدیا گیا ہے۔

ان حکمرانوں میں جبر و استبداد کس قدر ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس مختصر سے دو سالہ دور اقتدار میں کوئی (۵۶۴۸۶) چھپن ہزار چار سو چھیاسی افراد کو گرفتار کر چکے ہیں۔ یہ ترکی کی کل آبادی کا

ساتواں حصہ ہے۔ ان گرفتار شدگان میں سے کوئی ۳۰ افراد فوجی ایذارسانیوں کی تاب نہ لاکر جیل ہی میں دم توڑ گئے ۱۴۳ افراد کو پھانسی کی سزا کا فیصلہ ہوا، جسے فوراً ہی نافذ کردیا گیا۔ جنرل ایورین کا کہنا ہے کہ وہ دہشت پسندوں کو سزا دے رہے ہیں۔ حالانکہ ان مقہوران بلا میں دہشت پسندوں کی تعداد نہایت ہی مختصر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ترکی پر ایک نئے آتاترک صاحب مسلط ہوگئے ہیں۔ جنھوں نے اپنے اسلام دشمن آقاؤں کے اشارے پر ترکی کی اسلامی قوت کو توڑنے کا عہد کر رکھا ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان کی کوششوں کا انجام بھی ان کے پیشروؤں جیسا ہی ہوگا، اور ان کے آقاؤں کی بے پناہ دولت اسلام کی سربلندی کی راہ میں روڑا نہیں بن سکتی۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۔ یعنی کفار اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے اپنے اموال خرچ کریں گے لیکن خرچ کرنے کے بعد یہ اموال ان کے لیے حسرت ہوں گے، پھر یہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔

لبنان : یہودیوں کی "بہادری"

الدعوۃ۔ ریاض شمارہ ۸۰۷ میں لکھتا ہے کہ صور میں اسرائیلی فوجی ہیڈکوارٹر کو بم سے اڑائے جانے کا جو حادثہ پچھلے دنوں پیش آیا تھا، اس سے یہودی فوج میں اس قدر خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے کہ بہت سے افراد پاگل ہوگئے ہیں۔ بعض قابل وثوق ذرائع سے خبر ملی ہے کہ لبنان پر حملے کے بعد سے دماغی اور اعصابی امراض کے شفاخانوں میں چھ سو اسرائیلی فوجیوں کا علاج کیا جا چکا تھا۔ اور اب ان کی شرح، زخمی فوجیوں کی ۲۰ فی صد تک پہنچ چکی ہے۔ اور جہاں تک اعصابی تناؤ اور اعصابی ردِ عمل کا تعلق ہے تو اس میں ۹۰ فی صد اسرائیلی فوجی مبتلا ہیں۔ واضح رہے کہ اعصابی تناؤ اور رد عمل کے نتیجے میں ایک فوجی اپنی فوری فیصلے کی صلاحیت اور اپنے ردعمل پر قابو پالینے کی استعداد کھو بیٹھتا ہے۔

یاد رہے کہ اسرائیلی فوج میں یہ صورت حال صور کے واقعے کے بعد جان کے خوف سے پیدا ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پس پردہ سازشوں کی بدولت عرب ممالک کو شکست دینے والا اسرائیل "حقیقۃً" کتنا بہادر ہے۔ اور گلا پھاڑ پھاڑ کر عرب قومیت کا نعرہ لگانے والے حکمران "حقیقۃً" اپنے قوم کے حق میں کتنے مخلص ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

چین : جدید دستور

ماوزے تنگ کی روح کو تعزیت

(از قلم شیخ عبدالمعید فاضل مدینہ یونیورسٹی)

فطرت کے خلاف عقیدہ دین اور اخلاق کو پامال کرتا ہی ہے، حرث و نسل کی تباہی کا سبب بھی بنتا ہے، کمیونزم کی ساٹھ سالہ کارفرمائی نے انسانیت کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ اس ناقابل برداشت نظریہ نے اپنی کارفرمائی کی خاطر مختلف ملکوں میں مختلف چولے بدلے لیکن پھر بھی یہ نظریہ راہزنی اور لوٹ کھسوٹ ہی کا نظریہ رہا۔

چین میں اس نظریہ کی عمر تین دہے سے متجاوز نہ ہو سکی، ماوزے تنگ نے اپنی ڈکٹیٹری آہن و آتش سے مضبوط کی اور چینی باشندوں کی زندگی کا حق چھین لیا۔ اس ڈکٹیٹر نے ثقافتی انقلاب کا نعرہ دے کر ایک ٹولہ جمع کیا جس نے خاص طور پر مسلمانوں کی خونریزی، آبرو ریزی اور اہانت میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں۔ مسجدوں کو تباہ و برباد کیا گیا۔ مدارس کو اجاڑا گیا، مصحف اور دینی کتابوں کو جلایا گیا۔ معزز علماء اور محترم شخصیتوں کو پابجولاں صنعت گاہوں اور فارموں میں جبری کام کے لیے لایا گیا۔ ساری دینی عمل پیرائی روک دی گئی۔ ساری املاک چھین لی گئیں۔ ماؤزے تنگ کے عہد تک یہی کاروبار ظلم و ستم جاری رہا۔ اور وہی شر پسند و شر انگیز ٹولہ حکمراں رہا۔ چینی ڈکٹیٹر کی موت کے بعد چین کے حالات میں سدھار آنا شروع ہوا۔ کمیونزم نے وہاں اپنی شکل بدتدریج بدلنا شروع کی۔ اس تبدیلی کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ تبدیلی کا اہم سبب اس نظریہ کا غیر فطری ہونا ہے۔ روس اور چین کی باہمی کشمکش بھی اس کا سبب ہو سکتی ہے۔ مغربی کیمپ کی طرف چین کا جھکاؤ بھی ایک سبب ہو سکتا ہے۔

کچھ بھی ہو یہ تبدیلیاں خوش آئند ہیں۔ اور سب سے اہم تبدیلی چین کا موجودہ چوتھا آئین ہے جو حال ہی میں شائع ہوا ہے اس آئین کو جمہوریت کی طرف ایک اقدام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ سیاسی اور اختیاری حلقوں میں اسے کھلا دروازہ کا نام دیا جاتا ہے۔

اس آئین میں جہاں سیاسی و اقتصادی امور میں جمہوریت کی طرف جھکاؤ معلوم ہوتا ہے۔ وہیں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ، محدود معنوں میں "مذہبی آزادی" بھی دیدی گئی ہے، البتہ کسی خارجی مذہبی تاثیر و تبلیغ کی اجازت نہیں ہے۔

یمن نے یمن کے بعض سربرآوردہ مذہبی رہنماسے شخصی ملاقات میں بھی ان سہولیات کا تذکرہ سنا ہے، یمن میں اب تک تقریباً دس ہزار مسجدیں واگذار ہو چکی ہیں، مدارس کی تنظیم نو شروع ہو گئی ہے۔ وہاں کے کچھ طلبا ازہر، مصر اور جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض میں دینی تعلیم کے حصول کے لیے پہونچ گئے ہیں۔

اللہ کرے روز بروز مسلمان وہاں حریت کامل کی طرف پیش قدمی کرتے رہیں۔

اس موقع پر ہم ، اورنگ کی روح کو ،تعزیت، پیش کرتے ہیں کہ اس ،بیچارے، کے سالے ،اصلاحی و ثقافتی، نقوش مٹائے جا رہے ہیں حتیٰ کہ اس کی بیوہ کو بھی اپنی ،ثقافتی، فتنہ سامانی کے سبب نذر زنداں ہونا پڑا۔ اور اس کے ساتھی افراد کو فتنہ و فساد پھیلانے والا ٹولہ قرار دیا گیا۔ حالانکہ یہ بیچارے تو ،ثقافتی، انقلاب کے پیشوا تھے۔ ،بیچارہ، ماؤزے تنگ جو کبھی الٰہ کے درجے پر پہنچا دیا گیا تھا، اب سرزمین چین میں مسترد ہوتا جا رہا ہے۔ کاش اس فرعونِ عصر کی روح تک یہ تعزیت پہنچ سکتی، مگر اسے تو عذاب قبر سے قرار نہ مل سکے گا۔ اس لیے اب اس کے ماننے والے ہی یہ تلخ نوالہ نگل لیں۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں۔

●●●

ماہنامہ محدّث "الاعتصام" کی نظر میں

الحمدللہ کہ محدث کا استقبال علمی اور عوامی دونوں حلقوں میں بڑے اچھے انداز میں کیا گیا۔ فروری ۸۲ء میں جب محدث کا پہلا شمارہ شائع ہو کر ادارہ الاعتصام لاہور پہونچا تو اس ادارے نے محدث کے اداریہ کو اپنے صفحات پر نقل کرتے ہوئے ذیل کا تبصرہ بھی رقم فرمایا، جو مختلف حلقوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ہدیۂ قارئین ہے۔

ادارہ

"مرحوم مدرسہ رحمانیہ دہلی جو اپنے وقت کا ایک مثالی، علمی اور دینی مدرسہ تھا، جس نے علماء و فضلاء کی ایک بڑی کھیپ تیار کی، بہترین مدرس، کامیاب مقرر و خطیب اور بلند پایہ مصنف، اس درس گاہ سے بڑے بڑے باکمال اور لاجواب لوگ پیدا ہوئے۔ اسی مدرسہ رحمانیہ کے اہتمام و انصرام میں ایک ماہنامہ "محدث" بھی نکلتا تھا، جس میں اکثر مضامین مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ ہی کے ہوتے تھے، اس پرچے کی ادارت اپنے دور کی ایک فاضل شخصیت اور کامیاب مدرس مولانا نذیر احمد رحمانی مرحوم کے ذمہ تھی۔ مولانا مرحوم خود بھی اسی مدرسے کے فاضل اور وہیں فرائض تدریس پر مامور تھے۔ یہ پرچہ اپنے انداز کا منفرد رسالہ تھا جو خریداروں کو بلا قیمت پیش کیا جاتا تھا۔ —— تقسیم ملک کے ساتھ ہی یہ دینی ادارہ اجڑا تو رسالہ "محدث" بھی بند ہو گیا۔ جن لوگوں نے مدرسہ رحمانیہ اور اس کے انداز اہتمام اور اس کے طریقۂ تدریس و تربیت کو دیکھا ہے اور "محدث" مذکور کی فائلیں ان کی نظر سے گزری ہیں، وہ ان دونوں کو یاد کر کے بلاشبہ خون کے آنسو روتے ہیں۔

مدرسہ رحمانیہ کی بربادی کا افسوس و احساس حساس علماء اور دردمندانِ جماعت کو ہمیشہ تڑپاتا رہا۔ بالآخر چند سال قبل علماء و زعماء جماعت اہلحدیث ہند نے اس کی تلافی کی ایک صورت نکالی اور بنارس میں جامعہ سلفیہ کے نام سے ایک مرکزی دارالعلوم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جسے یقیناً مدرسہ رحمانیہ ہی کا قائم مقام کہنا چاہیے۔ الحمدللہ۔ یہ مدرسہ روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ اس مدرسہ کی جانب سے ایک ماہوار عربی مجلہ بھی کئی سالوں سے بڑی کامیابی سے نکل رہا ہے۔

اب اس دارالعلوم نے "محدث" کا بھی اجراء کر دیا ہے اور اس اردو ماہوار رسالے کا پہلا شمارہ (فروری ۱۹۸۲ء) شائع ہو گیا ہے، اور اس کے ایڈیٹر مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری بھی (دعا گو) مولانا نذیر احمد رحمانی مرحوم کے ہی فیض یافتہ اور تلمیذ رشید ہیں جو "محدث" کے دور اول کے ایڈیٹر تھے۔ مولانا صفی الرحمٰن کی فاضلانہ شخصیت اب پاک و ہند (بقیہ ص ۱۵ پر)

وفیات

حافظ عبدالرحمٰن صاحب قصوری الاعتصام لاہور (۱۲ نومبر ۱۹۸۲ء) کی اطلاع ہے کہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب قصوری ۶۸ سال کی عمر میں تین چار روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ذہین فطین معاملہ فہم اور زیرک تھے۔ جماعتی کاموں میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کی مجلسِ شوریٰ کے ابتداء ہی سے رکن چلے آرہے تھے۔ نیز انجمن اہلحدیث قصور کے رکن رکین تھے۔ ان کی وفات سے جہاں ان کے ورثاء کو شدید صدمہ لاحق ہوا ہے وہیں وہاں کی جمعیت ایک [illegible] رکن سے محروم ہوگئی۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

حاجی اللہ بخش خانیوال موصوف تمام حلقوں میں قابلِ احترام اور جمعیت اہلحدیث خانیوال کے سابق امیر تھے۔ تقریباً ۱۰۵ سال کی عمر پاکر ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو وفات پاگئے، مرحوم نہایت ہی مخیر، دیندار اور سرگرم اہلحدیث تھے۔ مرکزی جامع مسجد اہلِ حدیث اور جامع القدس کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ پسماندگان میں ۷ بیٹے ۲ بیٹیاں اور ۱۶۵ پوتے پوتیاں، نواسے، نواسیاں اور پڑپوتے چھوڑے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔

الحاج سید عبدالرحمٰن موصوف ۱۲ نومبر ۱۹۸۲ء کو مختصر سی علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ آپ جنوبی ہند کی ایک معروف شخصیت اور دوراندیش بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ رحمت ومغفرت کا معاملہ کرے۔

مولانا محمد عمر صاحب گونڈوی موصوف ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء بروز سنیچر بوقت دس بجے شب مہسلہ کی ایک محفلِ وعظ و تذکیر میں اچانک حرکت قلب بند ہوجانے سے رحلت فرماگئے۔ آپ نے مہسلہ میں تقریباً ۲۰ سال امامت وخطابت اور درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ خدایا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرما۔

—— محدث کے ایک کاتب جناب مولانا قاری محمد زبیر صاحب کی والدہ محترمہ ۲۵ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۲ء کو رحلت فرماگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آمین۔

اللمحات

إلى ما فی أنوار الباری من الظلمات

مصنفہ: مولانا محمد رئیس صاحب ندوی حفظہ اللہ

بجنور کے ایک "مولانا احمد رضا" "انوار الباری" کے نام سے صحیح بخاری کی اردو شرح لکھ رہے ہیں۔ موصوف نے اس شرح کے مقدمے میں امام بخاری اور دوسرے اکابر محدثین پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں۔ اور احادیث کے سلسلے میں ان کی درخشاں تابناک اور بے نظیر خدمات کو نہایت بھونڈی اور مکروہ شکل میں پیش کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں مختلف کتابوں کی عبارتوں میں تاویل، تحریف، ہیرا پھیری اور توڑ مڑوڑ کی بھیانک اور تاریک حرکتوں کے ارتکاب سے بھی نہیں چوکے ہیں۔

پیش نظر کتاب "اللمحات" میں بجنوری صاحب کے اس کردار کی بھرپور نقاب کشائی کی گئی ہے۔ اور محدثین کے کارناموں پر ان کے چڑھائے ہوئے تاریک پردوں کو چاک کر کے اصل حقائق کو روشن کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں امت کے اندر فقہی اور فروعی اختلافات کے ابھرنے اور شدت اختیار کرنے کے اسباب کا نہایت بصیرت افروز تاریخی جائزہ لیتے ہوئے اس کے عبرتناک نتائج کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اولین فرصت میں طلب کیجئے۔ (قیمت -/۲۸ .Rs)

JAN. MOHADDIS 1983

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

محدث

مرکزی دار العلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

★

ادارة البحوث الاسلامية والدعوة والافتاء بالجامعة السلفية

بنارس ۔ الهند

★

عدد مسلسل ۱۳ ۔ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ ۔ فروری ۱۹۸۳ء

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

جلد: ۲ • ربیع الآخر ۱۴۰۳ • فروری ۱۹۸۳ • شمارہ: ۲

ایڈیٹر

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

• سالانہ ۲۵ روپئے • ششماہی ۱۳ روپئے

• فی پرچہ ۲/۵۰ روپئے • بیرون ملک ۱۵ ڈالر

پتہ

خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA „ SALAFIA „ REORITALAB VARANASI - 221001

ٹیلی گرام: دارالعلوم، وارانسی ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

تزئین و کتابت

مولانا قاری محمد زبیر • انور جمال

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

طابع: عبدالوحید

مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

"فیصلہ"

سلیمان آصف

دیکھ تو سوئے زمیں بھی اے مرے گردوں شکار
آسماں پر کیوں مزاجِ دستِ سایہ گیر ہے

حشر در آغوش ہے کیوں تیرا پیغامِ سکوں
کیوں ترا آئینۂ احساس بے توقیر ہے

کیوں ابھی تیرا لہو ہے بے نیازِ رنگ و بو
کیوں تجھے سودائے نازِ آہِ بے تاثیر ہے

گم ہے اپنے آپ میں تیرا مذاقِ جستجو
تو ابھی لطفِ غمِ فتراک کا نخچیر ہے

مُہر بر لب ہے ابھی تیرا شعورِ احتساب
تیری خاموشی کو پھر بھی دعوئ تقریر ہے

کر نہیں سکتا ہے سر، اس کو ترا عزمِ جواں
تو ابھی زنجیریٔ زلفِ جہانِ پیر ہے

نعرۂ بیدار کُن، تیری طبیعت پر ہے بار
خواب گیں دنیا تری، کس درجہ بے تعبیر ہے

فیصلہ کرتا ہے یوں نقاشِ تقدیرِ جہاں
دیکھ اب اُلٹی تری ہر کاوشِ تدبیر ہے

ڈھالی جاتی تھی کبھی جس سے تری تیغِ دو سر
پاؤں میں تیرے اُسی فولاد کی زنجیر ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ راہ

اتحادِ اسلامی کی بنیادیں

خانۂ کعبہ کو صرف اسلام ہی میں نہیں جاہلیت میں بھی تقدس و احترام کا سب سے بلند مقام حاصل تھا۔ اہلِ جاہلیت کو یقین
کہ اس پر کوئی باطل اور ظالم طاقت مسلط نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے جب ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فتح
یا تو عام اہلِ عرب کو یقین آگیا کہ آپ حق پر ہیں۔ چنانچہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے، چوں کہ ہر قبیلے
ہر فرد کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین سیکھنا مشکل تھا۔ اس لیے قبائل نے اپنے سربرآوردہ اور ہوش مند
راد کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور اس طرح فتحِ مکہ کے بعد مدینہ میں وفود کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ اسی لیے تاریخ
یر کی کتابوں میں ۹ھ کا نام ہی عام الوفود پڑ گیا۔ ان وفود میں بعض بعض ایسے بھی تھے جو اسلام قبول کرنے اور سیکھنے
ہیں آئے تھے۔ بلکہ وہ غلبۂ اسلام کی طوفانی لہر سے سراسیمہ ہو کر مدینہ کی ابھرتی ہوئی طاقت سے کوئی ایسا معاملہ طے کر لینا
ہتے تھے۔ جس کے نتیجے میں ان کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔

یمن کے شمالی سرے پر نجران نام کا ایک شہر تھا جس کے ماتحت ۷۳ بستیاں تھیں، یہاں کے باشندے عیسائی تھے
میں ایک لاکھ مردانِ جنگ تھے، علاقے کا انتظام انھیں کے ہاتھ میں تھا۔ یمن کے دور دراز گوشوں تک اسلام کو پھیلتا
کر انھیں بھی فکر دامن گیر ہوئی اور ۹ھ میں ان کا ایک وفد خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔ گفت و شنید ہوئی۔
ال و جواب ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت قرآن
جو نقطۂ نظر پیش کیا تھا اسے یہ وفد قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس لیے خوبصورت انداز میں قبولِ اسلام سے معذرت
ی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مباہلہ کی دعوت دے دی۔ انھوں نے تنہائی میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ
اپنا معاملہ آپ ہی کے سپرد کر دیں کیوں کہ اگر آپ نبی ہیں اور ہم نے مباہلہ کیا تو ہم اس طرح تباہ ہوں گے
ہارا ایک بال اور ایک ناخن بھی نہ بچے گا۔ چنانچہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم اسلام تو نہیں لائیں گے

لکہ اس کے علاوہ آپ کے جو مطالبے ہوں انھیں ہم تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ آپ نے جزیہ لینا قبول کر لیا، دو ہزار
ڑے اور دو ہزار اوقیہ چاندی بطور خراج مقرر ہوئی، جسے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وصول کرنے کے
ے نجران تشریف لے گئے۔ بعد میں یہ علاقہ اپنی مرضی سے مسلمان ہو گیا۔

قرآن میں سورہ آل عمران کے اندر اس وفد کے تعلق سے خاصی تعداد میں آیات موجود ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک آیت
ہے:

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى
لِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ
لَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا
تَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ. فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا
اَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (۳ : ۶۴)[1]

یعنی آپ کہہ دیں کہ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف
آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم خدا کے سوا
کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں
اور ہم سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ اگر
وہ لوگ گریز کریں تو کہہ دیجیے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ ہم
مسلمان ہیں۔

اس آیت میں تین نکات پر اہلِ کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کی دعوت دی گئی ہے، اور یہ تینوں نکات ایک ہی
محور یعنی توحید سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۱) پہلا نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں یعنی عبادت کے سارے مراسم اور سارے کام اللہ کے ساتھ مخصوص
کر دیے جائیں۔ یہ اہلِ حق کے درمیان اتحاد کا بنیادی پتھر ہے، حق کا اتحاد کسی ایسی طاقت اور جماعت کے ساتھ ہو ہی نہیں
سکتا جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو عبادت کا حقدار سمجھتی ہو، اور اپنی عبادت کا ایک حصہ اس غیر اللہ کے لیے بھی انجام دیتی ہو۔
(۲) دوسرا نکتۂ اتحاد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، یہ پہلے ہی نکتے کی ذرا زیادہ وسیع تعبیر ہے۔ کیونکہ

---

[1] مشہور ہے کہ یہ آیت وفد نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی، مگر اس سے ڈھائی تین برس قبل شاہانِ عالم کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط لکھے تھے ان میں سے عیسائی حکمرانوں کے پاس بھیجے جانے والے خطوط میں بھی یہ آیت درج تھی، اس لیے اغلب یہ ہے کہ اس کا نزول پہلے ہی ہو چکا تھا۔ البتہ وفد نجران کے سامنے بھی یہ آیت پڑھی گئی، اور موضوع کی مناسبت سے انھیں آیتوں کے ضمن میں اسے بھی رکھ دیا گیا۔

شرکت یہ بھی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت اور پوجا کی جائے ۔ اور شرک یہ بھی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور ہستی کو اللہ کی ذات یا صفات میں شریک سمجھا جائے ۔ ذات میں شرک یہ بھی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور ہستی کو اللہ مان لیں ۔ اور یہ بھی ہے کہ اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں مان لیں ۔ صفات میں شرک یہ ہے کہ خدائی قدرت و قوت اور خدائی کمال کے دائرہ میں جو چیزیں آتی ہیں ان سے کسی اور کو بھی متصف مان لیں ، مثلاً یہ مان لیں کہ اس کائنات میں اللہ کے علاوہ اور بھی کوئی ہستی خدائی تصرف کرتی ہے ۔ مارتی اور جلاتی ہے ۔ روزی اور اولاد دیتی ہے ۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتی ہے ، غیب و شہادت سب کچھ کف دست کی طرح یا کھلی جگہ پر پڑی ہوئی انگوٹھی کی طرح اس پر عیاں ہے اور وہ بھی ہمارے خیالات اور ارادوں تک کو جاننے والی (علیم بذات الصدور) ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

(۳) تیسرا نکتۂ اتحاد یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائے ، یہ نکتہ بظاہر تعبیر کے فرق کے ساتھ پچھلے دو نکات کی تکرار معلوم ہوتا ہے ۔ مگر جس ماحول اور پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اس کے مد نظر اس آیت میں درحقیقت مذہبی غلطی کے ایک بہت بڑے اور مخصوص محور کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ اس کی توضیح ایک واقعے سے ہوتی ہے ۔

حاتم طائی کے صاحبزادے حضرت عدی بن حاتم مدینہ تشریف لائے ۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے سنا ۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ــــ یعنی یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا ۔

عدی بن حاتم پہلے خود بھی عیسائی تھے ۔ انھوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ! یہود و نصاریٰ تو اپنے علماء اور راہبوں کی پوجا نہیں کرتے تھے ۔ آپ نے فرمایا بجا کہتے ہو کہ وہ پوجا نہیں کرتے تھے ۔ لیکن کیا ایسا نہیں تھا کہ یہ علماء اور راہب جس چیز کو حلال ٹھہرا دیتے ، اسے لوگ حلال مان لیتے اور جس چیز کو حرام ٹھہرا دیتے اسے حرام مان لیتے ۔ حضرت عدی بن حاتم نے تسلیم کیا کہ ایسا تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ علماء اور راہبوں کو رب بنا لینے کا مطلب یہی ہے ۔

یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آل عمران کی محولہ بالا آیت کے اس تیسرے نکتے کا منشا یہ ہے کہ احکام شریعت کے سلسلے میں کسی شخص کو یہ مرتبہ و مقام نہ دیا جائے کہ وہ جس چیز کو حلال کہے ، آنکھ بند کرکے اسے حلال مان لیا جائے اور جس چیز کو حرام کہے آنکھ بند کرکے اسے حرام مان لیا جائے ۔ بلکہ ضروری ہے کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی لائی ہوئی شریعت پر پیش کیا جائے ، اور خلاف شریعت ہونے کی صورت میں اسے ہرگز تسلیم

نہ کیا جائے بلفظ دیگر احکام شریعت اور امور دین کے سلسلے میں آنکھ بند کر کے کسی کی پیروی اور تقلید نہیں کی جا سکتی اور نہ نص شریعت کے خلاف کسی کے فتویٰ پر عمل در آمد کیا جا سکتا ہے، خواہ اس کا علمی مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اور اس کے زہد و خدا پرستی اور عبادت و ریاضت کا مقام کتنا ہی بالاتر کیوں نہ ہو اور اس کی سوجھ بوجھ، فہم و فراست، گہرائی و گیرائی، ملکۂ اجتہاد و استنباط اور عقلی وسعت و فسحت اوج ثریا تک ہی کیوں نہ پہنچ چکی ہو۔ کیوں کہ وہ خدا یا پیغمبر خدا نہیں ہے، شارع اور معصوم نہیں ہے اور اس کے اقوال بذاتِ خود حجت شرعی نہیں ہیں۔ بلکہ حجت شرعی کی تائید کے محتاج ہیں۔

یہ تین نکتے ایسے اہم اور بنیادی نکتے ہیں اور اپنے اندر اتنی وسعت اور کشادگی رکھتے ہیں کہ انھیں نکات پر ایک غیر مسلم جماعت کو اتحاد کی دعوت دی گئی۔ اور واضح کیا گیا کہ ان نکات پر متفق ہو جانے کے بعد ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف باقی نہیں رہ جائے گا۔ اسی لیے اسے کلمۂ سواء — برابری کا کلمہ — کہا گیا۔

ان نکات پر دیگر اقوام، جماعتوں یا اہل مذاہب کو دعوت اتحاد دینے کا مطلب لازمی طور پر یہ ہے کہ اسلام بذاتِ خود شیرازہ بندی، جمعیت اور تنظیم کی ایسی بنیاد ہے، اور تمام دائروں اور شعبوں کی اجتماعیت اپنے دامن میں اس طرح سمیٹے ہوئے ہے کہ اب وہ مزید کسی داخلی تنظیم اور جمعیت سازی کا محتاج نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اسلامی کاز کو آگے بڑھانے اور دین کو فروغ دینے کے لیے اگر کوئی مخصوص طریقۂ کار سوچا گیا۔ اور اس کے لیے کارندوں کی ایک ٹیم منظم کی گئی تو اسلام اس طرح کی کسی تنظیم پر قدغن نہیں لگاتا۔ لیکن جب ایسی کوئی بھی تنظیم فروغِ اسلام کے دائرے سے آگے بڑھ کر تحزب اور امتیاز من و تو کا شکار ہو جائے تو پھر وہ ایک اسلامی تنظیم کے بجائے اسلام شکن تنظیم بن جاتی ہے اور امت کی صلاح و فلاح کے بجائے اس کے مصائب و آلام کی علامت بن کر نمودار ہوتی ہے۔ تجربہ بتلاتا ہے کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات بلفظ دیگر کتاب و سنت کے بجائے کسی اور چیز کو تنظیم و جمعیت سازی کی بنیاد بنانے کا نتیجہ امت کے لیے ہمیشہ انتشار و تفرقے کی شکل میں نمودار ہوا ہے اور ایسی تنظیموں سے امت کو مزید چرکے ہی لگے ہیں۔

امت میں تفرقے کی ایک بنیاد تو بہت پرانی ہے اور یہ بنیاد وہ مدارس یا مکاتب فکر ہیں جنھیں اسلام کی واضح اور روشن تعلیمات چھوڑ کر بدعات و خرافات کی تاریک بنیادوں پر وجود میں لایا گیا ہے اور جو اپنے داعیوں کے بطن و فرج کے تقاضوں یا سیاسی مقاصد کی تکمیل کے ضامن ہیں۔ ظاہر ہے ایسے فرقوں کے قائدین اور علماء جان بوجھ کر حق کو چھوڑے اور باطل کو اختیار کیے ہوئے ہیں، اس لیے ایسے لوگوں سے اتحادِ اسلامی کی توقع ہی فضول ہے جب تک کہ انھیں باطل سے توبہ کر کے حق کو اختیار کرنے کی توفیق نہ مل جائے۔

تفرقے کی ایک اور بنیاد وہ مکاتب فکر ہیں جن میں شخصیت پرستی کی جھلک بہت ہی نمایاں ہے ۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ ان کا وجود ہی شخصیت پرستی کا رہین منت ہے ۔ ان مکاتب فکر کا وطیرہ یہ ہے کہ یہ کسی واضح سے واضح ترین آیت قرآنی اور کسی مستند سے مستند ترین حدیث نبوی کو بھی اس وقت تک قبول نہیں کر سکتے جب تک اس بات کا ثبوت نہ مل جائے کہ ان کی منتخب کردہ شخصیت یعنی ان کے پیشوا نے اس آیت یا حدیث کے موافق فتویٰ دیا ہے ۔ یعنی ان حضرات نے پیمانہ بالکل الٹ دیا ہے ۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ امت کے علماء اور پیشواؤں کے اقوال اور فتاوے کتاب و سنت کے معیار پر پرکھ کر قبول یا رد کیے جائیں ۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ کتاب و سنت کو علماء اور پیشواؤں کے اقوال اور فتاوؤں پر پرکھا جاتا ہے ۔ اور موافق نہ ہونے کی صورت میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو کسی نہ کسی بہانے رد کر دیا جاتا ہے ۔ لیکن اپنے پیشوا کی بات کسی صورت رد نہیں ہونے دی جاتی ۔ اس کوچۂ رقیب میں یہاں تک سر کے بل چلنے کی کوشش کی گئی کہ جہاں کوئی بات نہ بن سکی وہاں یہ فرض کر لیا گیا کہ ہمارے پیشوا کا جو قول حدیث نبوی یا آیت قرآنی کے خلاف ہے اس کے بارے میں ہمارے پیشوا کو کوئی مخصوص حدیث معلوم رہی ہوگی ۔ گویا چودہ سو برس کے عرصہ میں صرف انھیں بزرگ پر وہ حدیث ـــ شاید خلا سے ـــ ٹپک پڑی تھی ، اور حفاظت دین کے سارے خدائی وعدوں اور پیغمبرانہ بشارتوں کے باوجود ساری امت محروم تماشا اور تشنہ دیدار ہی رہی ۔

خلاصہ یہ کہ یہ طبقہ علماء اور ائمہ کے اقوال اور فتاؤں کو کتاب و سنت کے گرد طواف کرانے کے بجائے خود کتاب و سنت کو اقوال الرجال کے گرد طواف کراتا ہے ۔ اس نے امتی کو پیغمبر کا منصب دیدیا ہے ۔ اور پیغمبر کو امتی کے درجے تک اتار دیا ہے ۔ خواہ جانتے بوجھتے ہوئے ایسا کیا ہو خواہ شخصیت کے ساتھ حسن ظن کے غلو کے سبب ۔ لیکن بہر حال امر واقعہ یہی ہے ۔

امت میں تفرقے کی ان مذکورہ بالا دونوں بنیادوں کے علاوہ آجکل طریقۂ کار کی بنیادوں پر تشکیل کی جانے والی تنظیمات بھی تفرقے اور گروہ بندی کی ایک اہم بنیاد بنی ہوئی ہیں ۔ ان تنظیمات کا غلو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے طے کردہ طریقۂ کار کو مقاصد کا درجہ دے رکھا ہے ۔ بلکہ طریقۂ کار کی اہمیت مقاصد سے بھی بڑھا دی گئی ہے اور عملی طور پر مقاصد کو وسائل و ذرائع کا درجہ بھی حاصل نہیں رہ گیا ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان تنظیمات کے نزدیک باہمی اخوت و ہمدردی ، تعاون و تناصر اور اجتماعیت و شیرازہ بندی کے لیے اسلام و ایمان کا رشتہ الفاظ کی حد تک ممکن ہے کہ باقی ہو لیکن عملی دنیا میں لغو ہو کر رہ گیا ہے ۔ ان تنظیمات کا اصول اب عملاً یہ بن گیا ہے کہ اسلامی عقائد و

احکام اور تعلیمات کے متعلق ان کے اپنے سمجھے ہوئے معانی و مطالب سے تنظیم کے نام پر ان کے اپنے طے کردہ طریقۂ کار سے اور ان دونوں بنیادوں پر قائم ان کی گروہ بندی اور تفرقے سے جو شخص پورے طور پر متفق ہو، وہ تو ان کا بھائی ہے اور ہر طرح کی ہمدردی و تعاون کا مستحق بھی۔ لیکن اگر کوئی مسلمان خواہ وہ کتنا ہی نیک اور صالح کیوں نہ ہو ان کی اختراعات سے متفق ہونے اور ان کی گروپ بندی کا ممبر بننے پر آمادہ نہ ہو، خواہ وہ کتنے ہی معقول اسباب و وجوہ اور دلائل و براہین رکھتا ہو تو وہ مسلمان اپنی اسلامی بنیاد پر بہرحال کسی ہمدردی کا مستحق نہیں اور اس کا اسلام اس بات کے لیے کافی نہیں کہ اسے اپنا بھائی اور مستحق تعاون و تناصر سمجھا جائے۔ بلکہ ہماری بعض اسلامی تنظیمات کی اسلامی اجارہ داری کا طنطنہ تو اس مقام کو پہونچ چکا ہے کہ وہ اپنے علاوہ بقیہ ساری امت کو یہود کی طرح مغضوب و ملعون سمجھ رہی ہیں جن پر بقول ان کے عذاب الٰہی کے ڈونگرے برس رہے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

ملتِ اسلامیہ کے اس تفرقہ و انتشار کے عالم میں جب کبھی امت مسلمہ پر کوئی بڑی اور کڑی افتاد پڑتی ہے تو امت کے بیشتر فرقے اور تنظیمیں سر جوڑنے کے لیے اکٹھا ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ "سر" اس حد تک کھوکھلے ہو چکے ہیں کہ انھیں جوڑنے کے لیے کوئی اونچے سے اونچے معیار کا لوشن بھی کارآمد ثابت نہیں ہوتا۔ ان اجتماعات میں ہر فرقہ اور ہر تنظیم گلا پھاڑ پھاڑ کر معدے کی تہ سے مسلمانوں کی ہمدردی کے نعرے لگاتی ہے۔ مگر ان نعروں کے پیچھے اصلاً جو جذبہ کارفرما ہوتا ہے وہ ہے مسلمانوں کی توجہ اور دولت کا استحصال، دینی خدمات کا کریڈٹ حاصل کرنے کا چکر اور اپنی تنظیم کی پختگی، جسے بلفظ دیگر امت میں تفرقے کی بنیاد کی پختگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کریڈٹ کے چکر نے تو قائدین امت اور مصلحینِ ملت کا دماغ اس حد تک خراب کر دیا ہے کہ سیلاب اور فساد کے مارے ہوئے مجبوروں میں امدادی رقومات تقسیم کرنے والی دو تنظیمیں ایک ہی وقت اور ایک ہی مقام پر جمع ہو جاتی ہیں تو انھیں یہ بات گوارا نہیں ہوتی کہ باہمی تال میل اور متفقہ منصوبے کے ساتھ رقم تقسیم ہو۔ بلکہ دونوں الگ الگ تقسیم کرتی ہیں۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ ایک تنظیم تو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر بھاری امدادی رقم تقسیم کرنے کے باوجود خاموش رہتی ہے۔ لیکن دوسری تنظیم ایک حقیر سی رقم تقسیم کر کے اپنے "کارنامے" کے پروپیگنڈے کا وہ طومار باندھتی ہے کہ گویا ؎

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔

بلکہ ہوس شہرت کی حد یہ ہے کہ ان تنظیموں کے کرگے گھوم گھوم کر پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ فلاں جماعت کچھ نہیں کر رہی ہے جو کچھ کر رہے ہیں ہم کر رہے ہیں۔ ان غریبوں کو دوسری جماعتوں کے نہ مدارس نظر آتے ہیں نہ مساجد، نہ جلسے نہ خطبے، نہ رسالے

نہ کتابیں، نہ مبلغین نہ واعظین، نہ مصلحین نہ صالحین، نہ جدوجہد نہ جوش و عمل، نہ علم و فضل نہ تحقیق و تنقیح، بس جو کچھ ہیں یا بدولت ہی ہیں۔ دوسرے کچھ بھی نہیں۔

یہ ہے مختلف جماعتوں اور تنظیموں کی وہ تصویر جو امت مسلمہ کی ہمدردی اور ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے بلند آہنگ دعووں کے پیچھے چھپی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہماری امت کے مصلحین و قائدین کے اندر جب تک یہ نفسیات کارفرما ہیں گی، کوئی خوبصورت سے خوبصورت ترین نعرہ بھی امت کے مصائب کا خاتمہ نہیں کر سکتا۔ اور امت قطعی طور پر حالات کے رحم و کرم پر ہوگی۔ افتراق و انتشار کے اس تیسرے سبب کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اکابرین امت دلوں کی تہ میں بیٹھے ہوئے زنگ کو کھرچ کر پھینک دیں، ایمان و یقین کی قندیلیں روشن کریں۔ بلا امتیاز سارے مسلمانوں کو اپنی ہمدردی و توجہ کا مستحق سمجھیں اور اپنے مقاصد کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کی دنیا اور آخرت سنوارنے کے لیے اپنی صلاحیتیں استعمال کریں اور اس بات کا اچھی طرح یقین کرلیں کہ ان کی خود ساختہ تنظیمات خدائی دین کا درجہ ہرگز حاصل نہیں کر سکتیں۔ نہ اس کی بنیاد پر من و تو کا امتیاز قائم کرکے وہ کسی بھی طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ بلکہ یہ امتیاز دنیا اور آخرت کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔

پچھلے صفحات میں ہم وہ بات پیش کر چکے ہیں جسے اسلام نے کلمہ سواء ـــ برابری کی بات ـــ کہا ہے۔ اور جس کی بنیاد پر غیروں کو بھی دعوت اتحاد دی ہے۔ اور اس یقین دہانی کے ساتھ دی ہے کہ اسے قبول کرنے سے کسی کے عز و وقار کو ٹھیس نہیں لگے گی۔ کسی کی خودی زخمی نہیں ہوگی۔ اور کسی کی آبرو پر آنچ نہیں آئے گی۔ کیوں کہ اس میں مختلف ہستیوں کی پوجا کے بکھیڑے نہ ہوں گے کہ عقیدتوں کی لامرکزیت کا طوفان کھڑا ہو۔ کسی کو کسی پر بالادستی نہ ہوگی کہ وہ صاحب بت ہو جائیں۔ اور ان کے آگے دوسروں کو جھکنا پڑے۔ یا ان کی اختراعات اور فہم کی پیروی کرنی پڑے۔ بلکہ یہ خدائی پیغام اور خدائی تعلیمات ہوں گی جو ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر ایک کیلئے یکساں ہونگی، اور یکساں حقوق کی ضامن ہوں گی۔ انھیں اختیار کرکے بندہ بندوں کی بندگی سے آزاد ہو جائے گا، اور صرف خدا کا بندہ رہ جائے گا۔

کیا ہمارے برادران اسلام، قرآن کی اس آواز پر کان دھرنے کے لیے تیار ہیں؟ اور کیا ہمارے اجارہ داران دین، دین کی اس ہدایت کی سمت کسی طرح کی پیش رفت کے امکانات پر غور کریں گے؟ اور کیا ہمارے تقدس مآب صالحین، صلاح و تقویٰ کے اس بنیادی عنصر کو درخور اعتنا سمجھیں گے؟ أم لهم شركاء شرعوا لهم من الدين مالم يأذن به الله۔

●●●

آیات و انوار

انابت الی اللہ

خالق و مخلوق کے درمیان معبود و عبد کا رشتہ ہے۔ عبدیت انسانی فضل و برتری کی معراج کمال ہے۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں انبیاء کی فضیلت و برتری کے اعلیٰ معیار کا بیان ہے۔ اس کی تعبیر عبد سے ہوئی، اس تعبیر میں انبیاء پر اللہ کی کمال شفقت اور مہربانی بھی نمایاں ہوتی ہے۔ عبدیت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی بے بسی کا احساس ہو اور ہر دم اللہ کے کرم کا شعور ہو، اس کے اندر خشیت و تضرع کا جذبہ ابلتا ہو اور ہمہ وقت اس پر اللہ کی کارسازی اور ہمہ گیر قدرت کی تاثیر چھائی ہو۔ کسی بھی لمحہ اس کے اندر کبر و غرور نہ پیدا ہو اور اپنی مخلوقیت و عبدیت کے دائرے سے نہ نکلے۔

لیکن اس کارگاہ حیات میں انسان اللہ سے غافل ہو سکتا ہے، بشریت کا تقاضا یہی ہے، زخارف دنیا سے سیدھی راہ سے ہٹ بھی سکتے ہیں، دنیا کے فتنوں میں الجھ بھی سکتا ہے، شہوات نفس کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن نے انسان کی اصل پوزیشن واضح کی ہے کہ اسے کیا ہونا چاہیے پھر اس اعتراف کے ساتھ کہ بشری کمزوری کی بنا پر وہ بھٹک سکتا ہے۔ ہدایت دریابی کا طریقہ بھی بتلا دیا ہے، یعنی بشری کمزوری کی تاثیر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا طریقہ انابت ہے۔

انابت کا مطلب یہ ہے کہ ایک خطاکار انسان اپنی غلطی کے احساس سے بلک پڑے، اس کے اندر شعور و ندامت کی ایسی چنگاری چمک اٹھے کہ گناہوں اور لغزشوں کے ارتکاب کی لذتیت خاکستر ہو جائے اور اس کا دل اللہ کی طرف پھر جائے، وہ جو بھی قدم اٹھائے اسے ہمیشہ یہ خطرہ لگا رہے کہ سیدھی راہ سے بھٹک نہ جاؤں پھر اس کے سبب بارگاہ ایزدی سے توفیق ہدایت مانگتا ہے، یوں وہ ہمیشہ اپنے تعلق باللہ کا رشتہ دم بدم استوار کرتا ہے اور جب کہیں اسے اس راہ میں لغزش ہو فوراً امنڈتی آنکھوں، دھڑکتے دل اور جلتے ہوئے احساس کے ساتھ اللہ کی طرف واپس آ جائے۔

انابت کی کیفیت انسان پر یا تو احساس عبدیت کے طور پر طاری ہوتی ہے، یا اس پر یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ۔
جب انسان پر مصیبت آ پڑتی ہے تو وہ اپنے رب کو رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ
اور جب لوگوں پر مصیبت آ پڑتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتے ہیں۔

مصیبت کی درآمد کردہ کیفیت غرض مندی اور حاجت مندی کی کیفیت ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اسٹالن اور نکسن پر بھی طاری ہوتی ہے اور انھیں اس وقت اللہ یاد آتا ہے، چاہے وہ زندگی بھر الحاد کے نظریہ کے منادی رہے ہوں۔ اگر یہ کیفیت غرض مند کو راہ راست پر کھینچ لائے تو اللہ اسے رد نہیں کرتا۔ قوم یونس علیہ السلام اسی طرح راہ یاب ہوگئی تھی۔ لیکن عام طور پر ناشکرا انسان مصیبت کے ٹلتے ہی اس کیفیت کا بھی گلا گھونٹ دیتا ہے۔

انابت کی دوسری کیفیت جو احساس عبدیت اور شعور ذات سے پیدا ہوتی ہے، یہی مرغوب کیفیت ہے، انابت کی ایسی صفت انبیاء اور مومنوں کی صفت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اواہ منیب تھے۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ مُنِيبٌ۔ (۷۵) هود — ابراہیم بہت زیادہ آہ و بکا کرنے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

انبیاء کی ذات معصوم ہے، ان سے لغزش نہیں ہوتی، لیکن خشیت رب کا ان پر ایسا غلبہ رہتا ہے کہ ہر دم وہ ذات رب سے لو لگائے رہتے ہیں اور ہر تصرف و عمل میں اس کی خوشنودی اور ہدایت کے طلبگار رہتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے ایک آزمائش میں ڈالا وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگئے اور اپنے سارے وجود کو عجز و انکسار اور خشیت کی کیفیت سے تڑپا ڈالا۔ استغفار سے ان کی زبان زمزمہ سنج ہوگئی۔ انابت کی یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کو ایسی بھائی کہ انھیں آزمائش کی تاثیر سے بچالیا اور انھیں اس شان عبدیت کے عوض معاف کردیا۔

وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ۔ فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ ص : ۲۴ — داؤد نے سمجھا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے، پھر کیا تھا لگے اپنے رب سے معافی مانگنے اور رکوع میں ہو لیے اور انابت کی۔ ہم نے اسے اس سے معاف کردیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا، انھوں نے تضرع و خشیت کے ساتھ اپنے دل کو اللہ کی طرف پھیر دیا اور مغفرت کے طلبگار بنے۔ اس شان عبدیت کے بدلے میں انھیں اس کارگاہ حیات کی بے مثال فرمانروائی ملی اور کائنات کی قوت بشری سے برتر مخلوقات کو ان کی خدمت میں لگا دیا گیا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي — ہم نے سلیمان کو آزمایا اور اس کی کرسی پر جسم کا ایک ڈھانچہ ڈال دیا، پھر انھوں نے لو لگائی، کہا اے رب ہمیں بخش دیجیو

مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ - هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ
ص ۳۴ - ۳۹

اور مجھے ایسی سلطنت عطا کیجیو کہ پھر وہ میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہو، تو بہت بڑا عطا کنندہ ہے۔ ہم نے ہوا کو اس کے زیر اختیار کر دیا۔ وہ جہاں پہونچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم خرام ہو جاتی اور شیطانوں کو بھی ہر طرح کے معمار اور موتیوں کے نکالنے والے غواص اور دوسرے شیاطین کو بھی جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ ہماری دین ہے، احسان کر دو یا روک لو۔ کوئی حساب نہیں۔

یہی شانِ عبدیت ذوقِ انابت اور دوسرے انبیاء اور مومنوں کی رہی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اہلِ مدین کو دین کی دعوت دی انھیں معاشرہ میں مروجہ سبھی برائیوں سے روکا۔ اہلِ مدین نے اس ربانی آواز کے خلاف احتجاج کیا، انھوں نے اس احتجاج کا جواب دیا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ - (۸۸) ھود

مجھے توفیق صرف اللہ کی جانب سے ملی ہے میرا اسی پر توکل ہے اور میں اسی سے لو لگاتا ہوں۔

توکل اور انابت سے پُر دلِ مصفا کی آواز عبدیت کی ایسی شان لیے ہوئے ہے کہ اس میں خدائیت اور تعلق باللہ کے ہزار جلوے پوشیدہ ہیں۔ زندگی کی ساری تگ و دو توکل اور انابت کے محور پر ہو رہی ہے۔ یہ تین جملے ایک مومن کی زندگی کا محور متعین کر رہے ہیں۔ ان سے اطاعت شعاری اور فرماں برداری کے چشمے ابلے پڑ رہے ہیں۔ یہی مومن کی شان ہوتی ہے، اس کے کام میں خود نگری و خود بینی نہیں ہوتی۔

جب انبیاء دعوتِ دین آشکارا کرتے ہیں اور ان کی باطل پرست قومیں ان کے پیچھے پڑتی ہیں تو ان کو داعیانہ جواب دے کر کہتے ہیں۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۴ ممتحنہ

اے رب! تجھ پر ہمارا بھروسہ ہے اور ہم تجھی سے لو لگاتے ہیں اور ہمارا ٹھکانہ تیرے پاس ہے۔

انابت اپنے اندر اخلاص و تقویٰ اور تعلق باللہ کے وہ عظیم معانی رکھتی ہے کہ جس کے اندر انابت کی صفت پیدا ہو جائے وہ بشارتِ ربانی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ‎ ۱۷ زمر

جنھوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ سے لولگایا، ان کے لیے بشارت ہے۔ میرے بندوں کو بشارت دے دو۔

طاغوت یعنی دنیا کی تمام چیزیں جو تعلق باللہ کی راہ میں حائل ہوں ان سے اجتناب اور انابت دو چیزیں ہیں جو ایک مسلمان کو اللہ کی دو نعمتوں کا مستحق ٹھہراتی ہیں۔ ۱۔ بشارت۔ ۲۔ ثبوت عبدیت۔ بشارت دینے والا اور عبدیت کی سند عطا کرنے والا خالق کائنات ہے۔ اگر مسلمان طاغوت سے اجتناب کے ساتھ انابت کی صفت پیدا کرلے اور بشارت و سند عبدیت کا مستحق بن جائے۔ تو دنیا کی کوئی نعمت اس سے بہتر نہیں ہوسکتی۔ مسلمان صفت انابت سے اپنا مقصد حیات پالیتا ہے۔

انابت انبیاء کی صفت ہے، انابت بشارت و سند عبدیت عطا کرتی ہے۔ انابت باعث ہدایت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ‎ ۲۷ رعد

کہہ دو اللہ جسے چاہتا ہے گم گشتہ راہ کر دیتا ہے اور جو اس سے لولگائے اسے راہ یاب کر دیتا ہے۔

اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ‎ ۱۳ الشوریٰ۔

اللہ جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے اور جو اس سے لولگائے اس کو ہدایت دیتا ہے۔

انسان کو جب عرفان ذات حاصل ہوجاتا ہے تو اس کو اپنی محدودیت عجز و محتاجی کا علم ہوجاتا ہے اور اللہ کی قدرت غیر محدودیت کا ادراک ہوجاتا ہے اس وقت وہ بصفور قلب کے ساتھ اللہ کی طرف آتا ہے اسے اس کا صلہ ہدایت کی صورت میں ملتا ہے۔

اگر انسان کے اندر انابت کی کیفیت پیدا ہوجائے اور اسے ذوق انابت کی چاشنی مل جائے تو کائنات میں اللہ کی بکھری ہوئی نشانیاں عبرت و موعظت و تذکیر و بصیرت عطا کرتی ہیں۔ ہر ہر لمحہ اسے یہ یاد دلاتی رہتی ہیں کہ ان کا کوئی بنانے والا ہے، وہ بے پناہ قدرت، لامحدود علم کا حامل ہے۔ یوں کائنات کا یہ وسیع کارخانہ مومن کی روحانی غذا کا ایک دسترخوان بن جاتا ہے

وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ‎ ۱۳ غافر

اللہ تمہارے لیے آسمان سے روزی نازل کرتا ہے، لیکن خدا کی یاد لولگانے والوں ہی کو آتی ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ - ۹ سبا — اس میں ہر لو لگانے والے بندے کے لیے عبرت ہے۔

تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۸ ق — ہر لو لگانے والے بندے کے لیے نصیحت و موعظت ہے۔

انابت کا فقدان اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان کا تعلق اللہ سے کٹ چکا ہے۔ دنیا کی رنگینیاں اور دلفریبیاں اسے اپنا اسیر بنا چکی ہیں۔ انسان جب اس منزل پر پہونچ جاتا ہے تو اسے اللہ کی دھمکی آتی ہے وہ دردناک عذاب کے آدھمکنے کا انتظام کر لیتا ہے۔

أَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ۔ ۵۴ الزمر — اپنے اوپر عذاب الٰہی نازل ہونے سے پہلے اپنے رب سے لو لگاؤ اور اسی کے پابند فرمان ہو۔

انابت کی یہی اہمیت تھی کہ اسلاف ہر آن اللہ سے لو لگاتے تھے وہ اخلاص کے ساتھ حتی الوسع کوشش کرنے کے بعد اس احساس کے ساتھ کہ مبادا کہیں ہم سے غلطی تو نہیں ہو گئی اپنے رب کے حضور گڑگڑاتے اور روتے تھے۔ اشک سحرگاہی سے وضو کرتے تھے، آہوں اور کراہوں سے اپنے دل کی لگی بجھاتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ ان کے کاموں میں برکت ہوتی تھی نور ہدایت انھیں گمراہی کی تاریکیوں سے بچاتا تھا۔

اب ذوق انابت کی جگہ ذوق سیاست نے لے لی ہے، خدائے کارساز کے بجائے اپنی کاوشوں پر اعتماد کر لیا گیا ہے۔ ہر کام میں جوڑ توڑ دسیسہ کاری مؤامرت کارفرما ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کی ساری برکتیں چھن گئی ہیں اور تمام رزم آرائیوں اور بزم آرائیوں کا حاصل شہرت و ناموری یا زر و مال رہ گیا ہے۔

●●●

ص ۵۲ سے آگے۔ علماء اسلام کا بقیہ

تھے لیکن وہ اسلام کو سمجھتے تھے اور خرافات قبول نہیں کر سکتے تھے۔ خود عام اہل بیت بھی ان خرافات کے قائل نہ تھے چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت زید کو عام شیعوں نے ایک نازک ترین مرحلے پر صرف اس لیے بے یار و مددگار چھوڑ دیا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی حکومت کو جائز مانتے تھے اور انھیں کافر نہیں کہتے تھے۔ حضرت زید کے ماننے والوں کو زیدی شیعہ کہا جاتا ہے جو اہل سنت کے سب سے قریب ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ حضرت علی کو سب سے افضل مانتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم کو۔ گویا زیدی حضرات شیعہ مذہب کے اصل مقصد کے لحاظ سے شیعہ نہیں ہیں۔ صرف اہل بیت کی حمایت و ترجیح کے لغوی معنی کی حد تک شیعہ ہیں۔ باقی ان تمام فرقوں میں سب سے کم غلو اور عقائد و خیالات کا سب سے کم فساد اثنا عشری شیعوں کے اندر مانا جاتا ہے، جس سے ایران کے موجودہ انقلابی رہنما خمینی اور ان کی قوم کا تعلق ہے۔ اس لیے بیجا نہ ہوگا کہ خمینی صاحب کو سمجھنے کے لیے اس فرقے کے چند عقائد کا اجمالی خاکہ بھی پیش کر دیا جائے۔ (جسے آپ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)۔

نقشہ خانہ

اصول تبلیغ

شیخ الحدیث علامہ حافظ ڈاکٹر مصلح الدین صاحب اعظمی

پیغمبرانہ تبلیغ

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جب انسان کو اتارا تو اسی وقت وعدہ فرمایا کہ میں تمہاری ہدایت کے لئے اپنے رسول بھیجتا رہوں گا۔ جو ان کی سنیں گے۔ غم اور خوف سے محفوظ رہیں گے اور سرکشوں کے لئے جہنم ہوگی اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ ہر زمانے میں مختلف ملکوں اور قوموں میں وہ انبیاء بھیجتا رہا حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ پر نبوت اور رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم کردیا گیا۔ انبیاء کے فرائض امت محمدیہ کو سونپ دیئے گئے۔ حضورؐ کی زندگی امت کے لئے نمونہ بنادی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری مکمل اور جامع رہنمائی فرمائی۔

امت مسلمہ کی دینی اور دنیاوی فلاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی میں مضمر اور منحصر ہے تاریخ گواہ ہے جب تک ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلتے رہے بلندی اور رفعت ہمارا قدم چومتی رہی جب ہم نے رُخ پھیرا تو اقبال اور ظفر مندی نے بھی ہم سے منھ موڑ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت زمان اور مکان کے حدود و قیود سے بالاتر تھی۔ آپؐ کی بعثت سب کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ آپؐ اگرچہ تشریف فرما نہیں ہیں لیکن آپ کی سنہری تعلیمات ہمارے ہاتھوں میں من وعن محفوظ

ہیں، آپ نے امت کو حجۃ الوداع (آخری حج) میں یہ آخری نصیحت فرمائی۔ لوگو! میرا پیغام ان لوگوں تک پہونچا دینا جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے اس فرمان کو دل سے قبول کیا۔ اور اس زمانے میں تبلیغ کے جو ممکن ذرائع تھے۔ ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ہمارا بھی فرض ہے کہ قدرت نے اس ترقی یافتہ دور میں نشر و اشاعت اور تبلیغ کے جو ذرائع اور وسائل پیدا کر دیئے ہیں ان سے پورا پورا کام لیں تاکہ صدیوں کا کام ہفتوں اور مہینوں میں انجام پا سکے۔ اگر جہاد میں ترقی یافتہ ہتھیار استعمال کئے جا سکتے ہیں تو تبلیغ دین جو جہاد کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اس میں ترقی یافتہ وسائل کو استعمال کرنے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔

آج سیاسی مصالح کے ماتحت وہ مذاہب جو تبلیغی نہیں تھے۔ پرجوش طریقہ پر اپنے خیالات کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہیں۔ آج عیسائی کامیابی کے ساتھ ساری دنیا میں اپنے مشن چلا رہے ہیں۔ صوفیائے کرام نے تبلیغ کی بنیاد خدمت خلق اور حسن خلق پر رکھی تھی آج عیسائی دنیا ان کے زریں اصولوں کو اپنا کر بیش بہا فوائد اور کامیابیاں حاصل کر رہی ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی دین کی تبلیغ میں صوفیائے کرام کی تبلیغی حکمتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جدید وسائل اور ذرائع سے بھی کام لیتے رہیں اگر روحانیت کے ساتھ ساتھ ان مادی وسائل کو بھی جمع کر دیا جائے جو قدرت کا موجودہ دور میں خاص عطیہ ہیں۔ تو پھر ہم بڑی آسانی کے ساتھ اس فرض کو شاندار طریقے پر انجام دے سکتے ہیں جو اللہ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارے کاندھوں پر رکھا گیا ہے۔ اس دور میں مولانا الیاسؒ نے قابل قدر تبلیغی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کی خدمات تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں آپ کے تبلیغی مشن کام کر رہے ہیں۔ مولانا کیا چاہتے تھے۔ اور کس طرح چاہتے تھے اس کا صحیح علم آپ کے ارشادات اور ملفوظات سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے ایک خاص معتقد مولانا محمد منظور نعمانی نے آپ کے ملفوظات کو مرتب فرمایا ہے۔ نعمانی صاحب کے مرتب کردہ ملفوظات سے میں کچھ اقتباسات پیش کروں گا جس سے یہ حقیقت نمایاں اور کھل کر سامنے آجائے گی کہ بانی تبلیغ کیا اور کس طرح چاہتے تھے آپ کے اس انیلار کی انتہا اور جد و جہد کی آخری منزل کیا تھی۔

اب میں نمبروار مولانا کے ملفوظات کی روشنی میں کچھ باتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

۱۔ تبلیغی جماعتیں تقریباً چالیس سال سے جس ڈھنگ پر کام کر رہی ہیں وہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں ابتدائی اور معمولی قدم ہے منزل اور مقصد نہیں ہے ایک صحبت میں فرمایا۔

"ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو جمیع ما جاء بہ النبیؐ سکھانا (یعنی اسلام کے پورے اعتقادی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا) یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین تو ہمارے نصاب کی الف۔ ب۔ ت ہے" ملاحظہ ہو ص۳۱

اس کے بعد ص۳۲ میں فرماتے ہیں۔

"میں سچ کہتا ہوں کہ ابھی تک اصل کام شروع نہیں ہوا جس دن شروع ہو جائے گا تو مسلمان سات سو برس پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے اور اگر کام شروع نہ ہوا بلکہ اسی حالت پر رہا جس پر اب تک ہے اور لوگوں نے اس کو بھی منجملہ تحریکات کے ایک تحریک سمجھ لیا اور کام کرنے والے اس راہ میں ڈھیل گئے تو جو فتنے صدیوں میں آئے ہیں وہ مہینوں میں آجائیں گے۔ اس لئے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔"

نوٹ:۔ یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ مولانا مکمل دین جس میں عبادت۔ سیاست۔ تجارت۔ معاشرت ثقافت اور کلچر وغیرہ شامل ہیں اس کی حکمت کے ساتھ تبلیغ چاہتے تھے۔

۲۔ مولانا اس حقیقت سے باخبر تھے کہ یہ اہم کام ان لوگوں سے انجام نہیں پا سکتا جو ملوں، کھیتوں اور دکانوں سے چند چلّے دینے کے لئے گھروں سے نکل آتے ہیں، مولانا بخوبی واقف تھے کہ جب تک علماء ربانی، دینی مدارس۔ فقہاء اور صوفیاء جو اس راہ کے نشیب و فراز سے پوری طرح باخبر ہیں تن من دھن سے اس کام میں نہیں لگ جائیں گے یہ کام ہرگز پایۂ تکمیل تک نہیں پہونچ سکے گا۔ یہ گشت اور چلّے جس میں ہر طبقے کے لوگ شامل ہوتے ہیں ان سے صرف حرکت پیدا کی جا سکتی ہے اور اس حرکت سے ان لوگوں کو جو در اصل اس کام کو صحیح طریقے پر انجام دے سکتے ہیں، متوجہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ الخ آیت کا ماحصل یہ ہے کہ ہر علاقے سے کچھ لوگ نکلیں اور تفقہ فی الدین حاصل کریں پھر اپنے

علاقوں میں آکر دین کی تبلیغ میں لگ جائیں چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

"اہل دین علماء وصلحاء کو تبلیغی و اصلاحی جدوجہد میں شریک کرنے کی فکر زیادہ سے زیادہ کرنی چاہئے۔" ص۴۲

دوسری جگہ مولانا فرماتے ہیں۔

"ہمارے کارکن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء وصلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوششیں کریں۔ پھر اگر اس کے بعد وہ خود تمہاری طرف اور تمہارے کام کی طرف متوجہ ہوں تو ان سے سرپرستی اور خبر گیری کی درخواست کی جائے اور ان کے دینی ادب واحترام کو بھرپور ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات ان سے کہی جائے۔" ص۳۴–۳۵)

مولانا ص۱۴۳ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت وکوشش سے عوام میں دین کی صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ آگے دین کی تعلیم وتربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہو سکتا ہے اس لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے؟

۳۔ مولانا کی دوررس نگاہ دیکھ رہی تھی کہ عنقریب الحاد و دہریت کا زور اور حملات پر ہونے والا ہے اور شدھی جیسی تحریکیں دوبارہ شروع ہونے والی ہیں اس لئے وہ ایسی زوردار جوابی تحریک شروع کرنی چاہتے تھے جس سے حملہ آور خود بخود سیدھی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"دوستو! ابھی کام کا وقت باقی ہے عنقریب دین کے لئے دو زبردست خطرے پیش آئیں گے ایک تحریک شدھی کی طرح کفر کی تبلیغی کوشش جو جاہل عوام میں ہوگی اور دوسرا خطرہ ہے الحاد و دہریت کا جو مغربی حکومت وسیاست کے ساتھ ساتھ آرہا ہے۔ یہ دونوں گمراہیاں سیلاب کی طرح آئیں گی جو کچھ کرنا ہے ان کے آنے سے پہلے پہلے کرلو۔" ص۴۲

۴ ـــ مولانا تبلیغ میں عموم کے قائل تھے مولانا کا خیال تھا کہ دین کی دعوت عام ہو اور اس میں کسی قسم کی تفریق نہ برتی جائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"ہمارے بعض خاص حضرات میرے اس رویہ سے ناراض ہیں کہ میں اس دینی کام کے سلسلہ میں ہر طرح اور ہر وضع کے لوگوں اور مسلمانوں کے ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا ہوں اور ملنا چاہتا ہوں اور اپنے لوگوں سے بھی ان کے ساتھ ملنے جلنے کو کہتا ہوں لیکن میں اپنے حضرات کی اس ناراضی کو سہنا اور ان کو معذور قرار دیتے ہوئے ان کو بھی اس طرف لانے کی پوری سعی کرتے رہنا شکر واجب کا ایک جزء سمجھتا ہوں ـــ چوں حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش ـــ ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ طرز عمل ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے طریقہ اور مذاق کے خلاف ہے۔ لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ جس چیز کا دین کے لئے نافع اور نہایت مفید ہونا دلائل اور تجربے سے معلوم ہوگیا۔ اس کو صرف اس لئے اختیار نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے یہ نہیں کیا۔ بڑی غلطی ہے شیخ شیخ ہی تو ہے خدا تو نہیں ہے۔" (ص۱۵۱ و ص۱۴۴)

نوٹ:۔ مولانا کے ارشاد سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مولانا کتاب و سنت کے مقابلے میں کسی دوسری شخصیت کو معیار حق نہیں سمجھتے تھے۔ مولانا کے نزدیک کسی کا قول و ارشاد اسی وقت تک قابل قبول ہے جب تک وہ شریعت کے دائرے میں ہو اور اس کے اصولوں سے منحرف نہ ہو۔

۵ ـــ مولانا دین کے کام تقسیم کار کے اصول پر کرنا چاہتے تھے مولانا صرف دعاؤں کے الفاظ درست کرا دینے کو کافی نہیں سمجھتے تھے مولانا چاہتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے جو کچھ کیا ہے وہ سب کچھ اسی طرح پر ہونے لگے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"مسجدیں مسجد نبوی کی بیٹیاں ہیں اس لئے ان میں وہ سب کام ہونے چاہئیں جو حضورؐ کی مسجد میں ہوتے تھے۔ حضورؐ کی مسجد میں نماز کے علاوہ تعلیم و تربیت کا کام بھی ہوتا تھا۔ اور دین کی دعوت کے سلسلے کے سب کام مسجد ہی سے ہوتے تھے۔ دین کی

تبلیغ یا تعلیم کے لئے وفود کی روانگی بھی مسجد ہی سے ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ عساکر کا نظم بھی مسجد ہی سے ہوتا تھا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مسجدوں میں بھی اسی طریقے پر سب کام ہونے لگیں۔" ص۱۷

نوٹ :۔ یہ عبارت صاف کہہ رہی ہے کہ ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جائے اور تبلیغی جدوجہد صرف کلمہ اور نماز کی دعاؤں تک محدود نہ رہے۔

۶۔ مولانا چلّے میں نکلنے کے لئے ان تمام لوگوں کے حقوق ادا کرنے کو ضروری سمجھتے تھے جو چلے میں نکلنے والوں پر شرعاً، عقلاً اور اخلاقاً واجب ہیں۔ اس خیال پر گھر چھوڑ دینا کہ ہمارے بعد بیوی بچوں کے جو حقوق ہم پر ہیں وہ فرشتے ادا کریں گے درست نہیں سمجھتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"جن لوگوں کے حقوق خدمت تم پر ہیں۔ اور جن کی اطاعت کرنا تمہارے لئے ضروری ہے۔ ان کی خدمت اور راحت کا انتظام کر کے اور انکو مطمئن کر کے اس کام میں نکلو" ص۶۵

نوٹ :۔ آج کل تبلیغی جماعتیں حضرت مولانا کی اس ہدایت پر نگاہ نہیں رکھتیں اور عوام کو ہر حالت میں ساتھ دینے پر مجبور کرتی ہیں۔

۷۔ مولانا یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ تبلیغ کے اہل ہیں وہ اپنے حلقے میں ہمہ وقت تبلیغ میں مشغول رہیں یہ چند دن کے لئے چلّے حرکت پیدا کرنے کے لئے ابتدائی قدم کے طور پر تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"اب یہ کہنا چھوڑ دو کہ تین دن دو۔ یا پانچ دن دو۔ یا سات دن دو۔ بس یہ کہو کہ راستہ یہ ہے جو جتنا کرے گا اتنا پاوے گا اس کی کوئی حد اور سرا نہیں ہے۔" ص۱۱۱

۸۔ مولانا نے گشت کے ساتھ زبانی تبلیغ کا سلسلہ وسائل کی کمی اور بعض دوسری مجبوریوں کی وجہ سے عارضی طور پر اپنایا تھا۔ ورنہ وہ اللہ کی بخشی ہوئی تمام موجودہ قوتوں سے اسلام پھیلانے کے خواہش مند تھے مولانا فرماتے ہیں۔

"میں اب تک اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس تبلیغی کام کے سلسلے میں کچھ زیادہ لکھا پڑھا جائے اور تحریر کے ذریعہ اس کی دعوت دی جائے بلکہ میں اس کو منع کرتا رہا لیکن اب

میں کہتا ہوں کہ لکھا جائے اور تم بھی خوب لکھو۔" صـ۱۲۱

۹۔ مولانا کا خیال تھا کہ ہم اپنی ساری قوتیں بھرپور لگا دیں گے تو اس کے بعد جو کمی رہ جائے گی اس کو اللہ اپنے وعدے کے مطابق ضرور پورا فرما دے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"سنت اللہ یہی ہے کہ اللہ کی مدد کے بھروسہ پر اپنی سی کوشش ہم کریں تو اللہ تعالیٰ ہماری کوشش اور حرکت میں اپنی مدد کو شامل کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت ویزدکم قوۃ الیٰ قوتکم میں اسی طرف اشارہ ہے" صـ۱۰۳

۱۰۔ مولانا چاہتے تھے کہ جس طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کلمے سے ابتدا کی اور آہستہ آہستہ صحابہ کرامؓ کو مکمل دین کا پابند بنا دیا۔ اسی انداز پر تبلیغی جماعتیں کام کریں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ اب میوات میں فرائض (یعنی تقسیم میراث کے شرعی طریق) کو زندہ کرنے اور رواج دینے کی طرف خاص توجہ کی جائے۔ اور اب جو تبلیغی وفود وہاں جائیں وہ فرائض کے باب کے وعدوں اور وعیدوں کو خوب یاد کر کے جائیں۔

۱۱۔ مولانا چاہتے تھے کہ دین کے کام باہمی مشورے سے انجام پائیں تاکہ امت شخصیت پرستی اور پیر پرستی کے فتنے سے محفوظ رہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"ہمارے اس کام میں اخلاص اور صدق دلی کے ساتھ اجتماعیت اور شوریٰ بینہم کی (یعنی مل جل کر اور باہمی مشورے سے کام کرنے کی) بڑی ضرورت ہے اور اس کے بغیر بڑا خطرہ ہے۔"

بعض خدام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"حضرت فاروق اعظمؓ حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت معاذؓ سے فرماتے تھے کہ میں تمہاری نگرانی سے مستغنی نہیں ہوں۔ میں بھی آپ لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ میرے احوال پر نظر رکھئے جو بات ٹوکنے کی ہو اس پر ٹوک دیجئے" صـ۱۴۲

۱۲۔ مولانا کا خیال تھا کہ دین کے تمام خادم اپنی صلاحیتوں کے مطابق دین کی خدمت کریں ہر خادم دین دوسر

خادم کی خوبیوں پر نگاہ رکھے اس کی ذاتی اور پرائیویٹ کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہے مولانا غالباً مولانا مودودیؒ کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔

"میں تو ان کا قدرداں ہوں اگر ان میں کوئی کمزوری ہو تو میں اس کا علم بھی حاصل کرنا نہیں چاہتا۔ یہ معاملہ اللہ کا ہے۔ شاید ان کے پاس اس کا کوئی عذر ہو۔ ہم کو تو عام حکم یہ ہے کہ دعائیں کرو۔ ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا" ملفوظات

نوٹ:۔ اگرچہ مولانا منظور نعمانی صاحب نے نام ظاہر نہیں فرمایا لیکن انداز تحریر سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کلمات مولانا مودودی کے حق میں ارشاد فرمائے۔

نوٹ:۔ اہل اللہ کا طور و طریقہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ کتنے پاکیزہ ہیں مولانا کے خیالات اور کتنا ستھرا ہے مولانا کا طرز عمل۔ کاش مولانا منظور نعمانی و مولانا ابوالحسن علی ندوی مولانا کے جو خاص معتقدین میں سے ہیں اس کو اپنائے۔

۱۳۔ مولانا کے ملفوظات سے یہ حقیقت صاف عیاں ہے کہ مولانا کے پیش نظر تبلیغ کا ایک ایسا وسیع، جامع ہمہ گیر اور بلند تر لقب العین تھا جس کی گہرائیوں تک رسائی ہر کس و ناکس کی قوت سے باہر ہے۔ مولانا منظور نعمانی صاحب اگرچہ ذی علم اور تجربہ کار ہیں مگر مولانا کی نگاہ میں وہ بھی ان بلندیوں تک پہونچنے سے قاصر تھے جہاں تک مولانا کی نگاہ دور رس پہونچ رہی تھی۔ مولانا منظور نعمانی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دنوں میرے پاس رہو تو میری منشا کو سمجھو گے۔ دور رہ کر نہیں سمجھ سکتے یہ میں جانتا ہوں کہ تم تبلیغ میں حصہ لیتے ہو۔ جلسوں میں تقریر کرتے ہو۔ تمہاری تقریر سے نفع بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ تبلیغ وہ نہیں جو میں چاہتا ہوں" ص ۱۲۳

نوٹ:۔ جب صورت حال یہ ہے تو عوام کو آزاد چھوڑ دینا کہ وہ اپنی صواب دید سے جس طرح چاہیں اس کام کو آگے بڑھائیں مولانا کے مشن کو نقصان پہونچانے کے ہم معنی ہے۔ اس لئے امیر جماعت کو برابر اہل علم و فکر سے صلاح و مشورہ کر کے اس کام کی دیکھ بھال کرتی چاہیئے۔

۱۴۔ مولانا کے تبلیغی مشن کی ایک بڑی غرض امت میں اتحاد، میل ملاپ، الفت و محبت اور مرکزیت پیدا کرنی تھی۔ مولانا خوب سمجھتے تھے کہ تبلیغ ہی وہ نقطہ ہے جس پر پوری ملت اکٹھا ہو سکتی ہے۔ اس لئے وہ اس دائرہ

کو اتنا وسیع کرنا چاہتے تھے کہ ساری امت اس کے آغوش میں آجائے اور امت کا ہر فرد اپنی صلاحیت کے مطابق اس کام میں لگ جائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

> "اپنی اس تحریک سے ہم ہر جگہ علماء واہل دین اور دنیاداروں میں میل ملاپ اور صلح و آشتی بھی کرانا چاہتے ہیں نیز خود علماء اور اہل دین کے مختلف حلقوں میں الفت محبت اور تعاون و یگانگت پیدا کرنا اس سلسلہ میں ہمارے پیش نظر بلکہ ہمارا اہم مقصد ہے اور یہ دینی دعوت ہی انشاء اللہ اس کا ذریعہ و وسیلہ بنے گی۔ افراد اور جماعتوں میں اختلافات اغراض ہی کے اختلاف سے تو پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں ہم مسلمانوں کے تمام گروہوں کو دین کے کام میں لگانے اور خدمت دین کو ان کا سب سے اعلیٰ مقصود بنانے کی اس طرح کوشش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے جذبات اور طریق عمل میں موافقت ہو جائے۔" ص۵۲ و ص۳

نوٹ:۔ افسوس صد افسوس آج تبلیغی جماعتوں کا طرز عمل مولانا کی تمنا اور آرزو کے بالکل برعکس ہے تبلیغی جماعت دیگر فرقوں کی طرح ایک فرقہ بن چکی ہے اور اس میں بھی وہی بیماریاں گھس رہی ہیں جو فرقہ بندی کا طرۂ امتیاز اور لوازم سمجھی جاتی ہیں۔ تبلیغ کے ذمہ داروں کو اس طرف پوری توجہ کرنی چاہئے۔

مخلصانہ اپیل

میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد تبلیغی جماعتوں کی محنت اور خدمات کی تنقیص نہیں ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ تبلیغی جماعتیں اپنے بانی اور رہنما کی ہدایات اور ارشادات کی روشنی میں اس منزل تک پہونچنے کی کوشش کریں جس کی نشاندہی وہ اپنی زندگی میں واضح طور پر فرما چکے ہیں۔ تبلیغی جماعت کا چالیس سال سے ایک ایسی سطح پر منجمد رہنا جو مولانا کی نگاہ میں صرف الف۔ ب۔ کا درجہ رکھتی ہے قابل افسوس اور عبرتناک ہے۔ میرے خیال میں جماعت کی یہ سست روی مولانا کی بلند آرزوؤں اور تمناؤں کا حقیقت میں خون ہے۔

آج بعض دوسری مسلم جماعتوں کا تبلیغی جماعتوں سے جو قدرے اختلاف ہے اس کی بنیاد یہی جمود اور سست روی ہے۔ تبلیغی جماعتیں اسی کو اپنی بڑی کامیابی سمجھ رہی ہیں کہ کچھ عرب، انگریز، افریقن وغیرہ چلے

دے رہے ہیں اور دور دراز ملکوں میں آ جا رہے ہیں حالانکہ مولانا کی نگاہ میں حقیقی کامیابی اس وقت حاصل ہو گی جب ملت کے ذہین اور با صلاحیت افراد اس کام میں منسلک ہو کر روحانی اور مادی قوتوں سے اسلام کی اشاعت میں منہمک ہو جائیں گے اس وقت تبلیغ کی برکات سے ساری دنیا کے انسان مستفید ہونے لگیں گے۔ قرآن کا پیغام بلا تفریق گھر گھر حکمت اور سلیقے سے مختلف زبانوں میں پہونچنے لگے گا ....

مسلم ممالک سے رقص و سرود کے پروگرام کے بجائے کتاب وسنت کی حکیمانہ تعلیم ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہونے لگیں گی۔ اور مسلم ملکوں کی بے پناہ دولت ناپاک کلچر اور ثقافت کے بجائے مؤلفۃ القلوب کی تالیف قلب پر صرف ہونے لگے گی۔ کاش کہ امت مسلمہ مولانا مرحوم کے ملفوظات کی قدر کرے اور ان کی حکیمانہ ہدایات اور ارشادات پر جو کتاب وسنت کی روشنی پر مبنی ہیں عمل پیرا ہو۔

خلاصۂ کلام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور تبلیغ جس طرح عام تھی تبلیغی جماعتوں کو بھی وہی رنگ اختیار کرنا چاہیئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے چند افراد کو لے کر جب عمومی انداز پر کام کیا تو پھر تبلیغی جماعتیں لاکھوں مخلص تجربے کار اور ذی علم افراد کو لے کر اس انداز پر کام کیوں نہیں کر سکتیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تبلیغی نصاب قرآن مجید تھا اور اسی نصاب سے صحابہ جیسی جماعت پیدا ہوئی۔

فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ اے محمد قرآن کو تذکیر کا ذریعہ بناؤ۔ تبلیغی جماعتوں کو بھی مسلمانوں کی اصلاح اور غیر مسلموں کی تبلیغ میں قرآن کی معجزانہ قوت سے کام لینا چاہیئے۔ قرآن کی تشریح ہر دور میں اپنا لوہا منوا چکی ہے اس لئے ایسی قوت کو نظر انداز کر کے صرف زبانی جمع خرچ سے کام لینا دانشمندی نہیں ہے۔ مشرکانہ عقائد و اعمال پر ضرب پہلے لگانی چاہیئے جس طرح انبیاء نے لگائی اور اسی وجہ سے ان کو مصائب برداشت کرنے پڑے۔ مصائب سے بچنے کے لئے فضائل کے دامن میں پناہ لینی انبیاء کی روش سے سراسر انحراف اور شیوہ مردانگی نہیں ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جب تک عقائد درست نہ ہوں فضائل تک رسائی ممکن نہیں انبیاء نے عقائد پہلے درست کئے فضائل

بعد میں بیان کئے۔ عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ تبلیغی جماعتوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے رنگ ڈھنگ پر کام کرنے کے لئے متوجہ کریں تاکہ ملی دولت، محنت، قوت اور وقت کا صحیح طور پر استعمال ہو سکے۔

مرکزی مدارس سے درخواست

موجودہ دور میں ڈھنگ سے تبلیغی کام کرنے کے لئے ٹرینڈ اور تربیت یافتہ ایک ٹیم کی ضرورت ہے ۱۹۷۷ء میں میں "تقدیم مقترحات هامة حول الدعوة الاسلامية" کے عنوان سے ایک عربی رسالہ شائع کر کے اہل علم کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں جس میں میں نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ملت کی بڑی درسگاہوں کو خواہ وہ عرب میں ہوں یا عجم میں اپنے فارغین کو صحیح لائنوں پر تبلیغی خدمات انجام دینے کے لئے ایک خاص شعبہ کھولنا چاہیئے۔ جس میں عیسائیت، بودھ مت اور ہندو مذاہب کے مذہبی لٹریچر کا تحقیقی مطالعہ کرایا جائے اور سنسکرت اور انگریزی زبان کی ضرورت کے بقدر تعلیم دی جائے۔ تاکہ اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ طلبہ ان مذاہب سے بھی پوری طرح باخبر ہوں اور ان مذاہب کے ماننے والوں پر خود ان کے مذہبی لٹریچر سے حکمت کے ساتھ اتمام حجت کر سکیں۔ خوشی کی بات ہے کہ ندوۃ العلماء نے سب سے پہلے اس سلسلہ میں قدم اٹھایا ہے۔ اور عیسائیت پر طلبہ کو تیار کرنے کے لئے ایک شعبہ قائم کر دیا ہے اور آئندہ ہندو مذہب کے سلسلے میں قدم اٹھانے کا بھی خیال رکھتا ہے۔

خدا کرے ہمارے وہ تمام مدارس جو اس کام کے لئے وسائل رکھتے ہیں اس طرف متوجہ ہو جائیں تاکہ دین کی ایک اہم ضرورت پوری ہو جائے۔ وَاللهُ وَلِيُّ التوفيق

جامعہ سلفیہ

۱۳ر تا ۲۰ر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق ۳۰ر دسمبر ۱۹۸۲ء تا ۶ر جنوری ۱۹۸۳ء کو جامعہ سلفیہ بنارس کا ششماہی امتحان ہوا۔ اور پندرہ دن کی تعطیل کے بعد ۲۲ر جنوری ۱۹۸۳ء سے جامعہ دوبارہ کھل گیا۔

ادارۃ التوعیۃ الاسلامیۃ فی الجمع

کی دعوتی واصلاحی سرگرمیاں

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

دین کی نشر و اشاعت کا کام مسلم علماء وعوام نے ہر دور میں انجام دیا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مبلغین کی کوششوں اور اخلاص سے دعوتِ حق ہر جگہ پہنچی اور طالبانِ رشد وہدایت کو صحیح راہ پر چلنے کی توفیق ملی۔ یہ رب کریم کا وعدہ تھا، اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔

دعوت کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر امور کی طرح اس فرض کی ادائیگی میں بھی انفرادی کوششوں کے مقابلہ میں اجتماعی جدوجہد اور منصوبہ بندی کو زیادہ اہمیت وتاثیر حاصل ہے۔ دعوت کا کام جب اجتماعی طور پر ہوتا ہے تو اس میں برکت وقوت کا احساس ہوتا ہے، قرآن کریم نے اسی لیے اجتماعی کوشش پر زیادہ تر زور دیا ہے۔ اگرچہ انفرادی کوشش کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ کیوں کہ اسلام میں ہر فرد کو مستقل طور پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مکلف قرار دیا گیا ہے۔

تبلیغ کے کام میں اجتماعی کوششوں کی تاثیر اس وقت دوچند ہو جاتی ہے جب اسے کسی حکومت کی حمایت و سرپرستی حاصل ہوتی ہے، اسلامی تاریخ کے طویل دور میں دعوتِ دین کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں حکومتوں کا کردار بہت زیادہ روشن نہیں۔ لیکن پھر بھی بعض ایسی حکومتیں ضرور نظر آتی ہیں جنھیں دعوتی ذمہ داریوں کا پورا احساس تھا اور انھوں نے حکومت وفرماں روائی کے ساتھ ساتھ اس پہلو پر بھی پوری توجہ دی، اور اسی توجہ کے باعث دعوت کا کام بڑی شان وشوکت کے ساتھ آگے بڑھا۔

جدید دور میں دعوت و تبلیغ کی سرپرستی کے لیے سعودی حکومت نے بہترین مثال قائم کی ہے، اور اس کی کوشش کو خاص اہمیت اس لیے بھی حاصل ہے کہ دین کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس کے پیش نظر مسلمانوں کی وہ حالت بھی ہے جس میں وہ کتاب وسنت سے دوری اور فکری افلاس نیز تقلید و جمود کے باعث گرفتار رہیں۔ سعودی حکومت حتی الامکان یہ کوشش کرتی ہے کہ مسلمانوں کو صحیح عقیدہ کا پابند بنایا جائے اور ان میں پھیلی ہوئی بدعات و خرافات سے ان کو نجات دی جائے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کا ایک گروہ اس حکومت سے ہمیشہ نالاں رہتا ہے اور موقع بہ موقع اس کے خلاف آواز اٹھاتا رہتا ہے۔

ہندوستان میں بھی اس فرقہ کے لوگ کبھی کبھی جھنڈے لیے ہوئے دو چار افراد کی ٹولی میں سفارت خانہ یا قونصل خانہ کے اردگرد خاک اڑاتے نظر آتے ہیں، ان کا یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ سعودی حکومت ان عقائد و نظریات کی حمایت کرے جن کے وہ پابند ہیں اور کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات کو لوگوں تک پہونچانے کا کام چھوڑ دے۔

حلوے مانڈے پر نظر رکھنے والوں کی یہ ٹولی اسی دن سے سعودی حکومت کے خلاف آواز اٹھا رہی ہے، جبکہ اس حکومت نے حرمین شریفین کی سرزمین اور اپنی پوری قلمرو کو شرک و بدعت سے پاک کرنے کا عزم کیا تھا۔ اس ٹولی کو اس لیے بھی زیادہ حوصلہ ملا کہ ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کے علاوہ کسی اور جماعت نے عقیدہ کی اہمیت اور فکر و عمل کی استواری پر زور نہیں دیا اور مسلمانوں کی صفوں سے شرک و بدعت کو دور کرنے کے لیے ایسی کوشش نہیں کی جیسا ماحول کا تقاضا تھا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی اس ہندوستان میں جہاں شروع سے دین اور دینی علوم کا چرچا ہے، مزاروں اور خانقاہوں کی بڑی تعداد موجود ہے، اور سالانہ عرسوں میں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ان مزاروں پر جاتے ہیں اور قبروں پر ماتھے ٹیک کر مدد مانگتے ہیں۔ اولیاء و صلحاء کے نام کی دہائی دیتے ہیں اور ان سے حاجت روائی کی درخواست کرتے ہیں۔ شرک و کفر کی اس گرم بازاری اور عقیدۂ توحید کی مسلمانوں کے ہاتھوں کھلی بے حرمتی کی اس فضا میں حکومت الٰہیہ کی باتیں کرنے اور اصلاح و تزکیہ کے لیے جلوں میں وقت لگانے سے اگر کوئی توقع رکھی جائے تو کیا یہ صریح ظلم اور سنت الٰہیہ سے ناواقفیت کی دلیل نہیں؟ مداہنت اور مصلحت سے دعوت کا کام نہ پہلے انجام پایا ہے نہ آج انجام پا سکتا ہے۔

بعض کوتاہ بیں یہ کہتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں عقیدہ و عمل کی بعض جزئیات اور شریعت کے کسی ایک حکم پر عمل اور اس موقف کی تائید و حمایت کے لیے ائمۂ دین میں سے حضرت امام مالک امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام ابن تیمیہ وغیرہ

رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو مجاہدانہ اور فیصلہ کن رویہ اختیار کیا، اس میں ان کی طبعی افتاد کا دخل تھا اور دین کی حمایت کے لیے ایسے سخت موقف کی ضرورت نہ تھی! (کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم)

دین سے محبت اور اس کے مقاصد واحکام کی اصل روح کی معرفت وواقفیت کے جس مقام پر یہ بزرگان دین پہونچے ہوئے تھے وہاں پہونچ کر کوئی دیکھے کہ ایسی حالت میں دین کی حمیت رکھنے والے دل پر کیا گزرتی ہے؟ منافع ومصالح سے بھری ہوئی دنیا اور مریدین وقدردانوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر اس ماحول واحساس کا تصور ہرگز نہیں ہو سکتا جس سے ان نازشان علم ودین کو سابقہ تھا اور جس میں انھوں نے دینی غیرت وحمیت اور استقلال وثبات قدمی کے وہ زندۂ جاوید نمونے پیش کیے تھے۔

سعودی حکومت کی دعوتی سرگرمیوں کے ضمن میں جملہ معترضہ کے طور پر آنے والی یہ سطریں کچھ طویل ہوگئیں اور بے ساختہ نوک قلم پر یہ باتیں آگئیں جس کا اصل سبب تلبیس وافترا کا وہ سلسلہ ہے جسے بعض حلقے دانستہ طور پر اس وقت پھر شروع کر رہے ہیں، کیونکہ اسلام کے صحیح عقائد وتعلیمات کی اشاعت سے انھیں اپنے مفاد کی دیواریں ہلتی نظر آرہی ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو آئمۂ دین نے اسلام کے عقائد واحکام کی ترجمانی کے سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا تھا اس کی توضیح وتائید کے لیے جس قدر لکھا جائے کم ہے، اس وقت ملت اسلامیہ کو فکر وعمل کی جن الجھنوں میں مبتلا کر دیا گیا ہے اس سے نجات کی صرف یہی صورت ہے کہ اس حقیقی اسلام کو دنیا کے سامنے لایا جائے جسے رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رض کو بتایا اور سکھایا تھا اور جسے نص قطعی کے ذریعہ آپ ﷺ نے امت مسلمہ کے لیے اسوہ قرار دیا ہے، اس طرح کی گفتگو کے موقع پر سعودی حکومت کا نام اسی لیے زبان پر آتا ہے کہ اس حکومت کی توجہ اس پہلو پر زیادہ ہے۔ یوں تو اس حکومت کی علمی و تبلیغی کوششوں کا دائرہ بہت وسیع ہے اور سعودی عرب کے متعدد اداروں اور یونیورسٹیوں کے تحقیقی شعبوں کے علاوہ ملک سے باہر ایک بڑی تعداد میں موجود علمی وتبلیغی ادارے اور مبلغین ودعاۃ دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ لیکن اس وقت ہم صرف حج سے متعلق سعودی حکومت کے ایک ادارہ:

التوعیۃ الاسلامیۃ فی الحج

کا مختصر تعارف اور اس کی سرگرمیوں سے متعلق اپنے تاثرات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، اس تذکرہ میں واقعات وخدمات کا استقصار مقصود نہیں، نہ ہی مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے، چشم دید واقعات سے بعض نتائج اخذ

کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کی مناسبت یہ ہے کہ سنہ ۱۴۰۲ھ کے حج میں راقم کو مذکورہ ادارہ میں بعض خدمات انجام دینے کا موقع ملا، اور اس کی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل ہوئی۔

ادارۃ التوعیۃ الاسلامیۃ ادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد کی پریزیڈنسی کے ماتحت کام کرنے والا ایک ادارہ ہے۔ پریزیڈنسی کے صدر اعلیٰ علامہ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ ہیں اور اس کا صدر دفتر ریاض میں واقع ہے، گرمی میں چند ماہ اعلیٰ عہدیداران طائف منتقل ہو جاتے ہیں اور حج کے ایام میں مکہ مکرمہ میں قیام کرتے ہیں۔ ادارات البحوث کی سرگرمیاں متنوع اور اس کا دائرۂ کار انتہائی وسیع ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے مسائل سے ان کو دلچسپی اور ان کی اعتقادی وعملی اصلاح پر توجہ ہے، اس ادارہ کی طرف سے بڑی تعداد میں علماء ومبلغین مختلف براعظموں میں تبلیغ دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہاں سے مختلف ممالک کو وفود بھیجے جاتے ہیں جو مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں اور ان کی فکری وعملی حالت سے متعلق رپورٹیں تیار کرکے ذمہ داروں کو پیش کرتے ہیں۔ جس جگہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے یا ان کے دین پر کسی طرح کا حملہ کرنے کی کوئی سازش ہوتی ہے، اس کی مدافعت اور تدارک کے لیے یہ مبلغین ذمہ داروں کو متوجہ کرتے ہیں۔ مختلف ممالک میں عیسائی مشنریاں قادیانی فرقہ کے لوگ، کمیونسٹ اور اہل بدعت والحاد سیدھے سادے مسلمانوں کو اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس طرح کی کوششوں پر بھی ادارات البحوث کی نظر ہوتی ہے اور ایسے خطرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے وہ بروقت اقدام کرتا ہے۔ اس ادارہ میں ممتاز وبالبصیرت علماء کی ایک مجلس ہے جو مسلمانوں کو پیش آنے والے نت نئے مسائل پر غور کرکے کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا صحیح حل پیش کرتی ہے اور اس طرح کے فتاوے اور مقالات کتابی صورت میں یا میگزین کی صورت میں شائع ہوتے ہیں۔

چونکہ حج میں دنیا بھر کے مسلمان سرزمین حرمین شریفین پر جمع ہوکر اسلام کے ایک اہم رکن کو ادا کرتے ہیں۔ اور ان میں بہت بڑی تعداد ایسے مسلمانوں کی ہوتی ہے جو اس اہم عبادت کے ضروری مسائل اور عقیدہ وعمل کی بہت سی باتیں نہیں جانتے اس لیے ادارات البحوث العلمیۃ والدعوۃ والافتاء نے حجاج کرام کی رہنمائی، ان کی فکری وعملی بیداری اور حج جیسی اہم عبادت کو صحیح طور پر ادا کرنے کی صورت سے حجاج کو واقف کرانے کے لیے ادارۃ التوعیۃ الاسلامیۃ فی الحج قائم کیا ہے۔ اس ادارہ نے اپنے قیام کے بعد حجاج کے لیے انتہائی اہم خدمات انجام دی ہیں اور دینی حیثیت سے ان پر زبردست احسان کیا ہے۔ اپنے قیام کے بعد سے اب تک اس ادارہ نے جو کارنامے انجام دیے ہیں، ان تمام کا

احاطہ کسی ایک مضمون میں مشکل ہے۔ ان سطور میں صرف ۱۴۰۲ھ کے حج میں ادارہ کی خدمات کا سرسری تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

التوعیۃ الاسلامیۃ فی الحج کا صدر دفتر مکہ مکرمہ کے ایک محلہ ششہ میں واقع ہے۔ یہاں سے حج کے مسائل پر مشتمل ایک میگزین "مجلۃ التوعیۃ الاسلامیہ" کے نام سے نکلتا ہے جس کے بارہ شمارے حج کے مہینوں ہی میں شائع ہو جاتے ہیں۔ مذکورہ سال حج میں اس میگزین کے دو لاکھ چالیس ہزار شمارے تین زبانوں میں شائع ہوئے تھے۔

مختلف موضوعات پر اصلاحی و تبلیغی نشریوں کی تعداد چار لاکھ بیس ہزار تک پہونچی ہے۔

عقیدہ و اخلاق کے موضوع پر مختلف زبانوں میں شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد ستر لاکھ ہے۔ شیخ عبد العزیز بن باز حفظہ اللہ کی کتاب التحقیق والایضاح کے نسخے تین زبانوں میں بڑی تعداد میں شائع ہوئے۔ واضح رہے کہ مذکورہ تمام کتابیں اور میگزین و نشریات حجاج کو بلا قیمت مہیا کیے جاتے ہیں۔ اور مختلف مقامات پر ان کی تقسیم کا انتظام ہوتا ہے۔

ادارہ نے ایک منفعت بخش خدمت یہ انجام دی کہ وزارت نشر و اشاعت کے تعاون سے ایام حج میں ٹیلیویژن پر چار زبانوں میں روزانہ دینی و ثقافتی پروگرام پیش کیے اور مختلف تقریریں ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر کیں مختلف زبانوں میں رہنما کتبے اور تختیاں نصب کرائیں۔

کچھ مقامی اخبارات میں حج اور اسلامی موضوعات سے متعلق مضامین، مقالے اور انٹرویو شائع کیے، ہر اخبار میں روزانہ ان مضامین و مقالات کے لیے ایک صفحہ مخصوص ہوتا تھا۔ اس شعبہ میں کام کرنے والے سعودی علماء و انشا پردازوں کی ایک کمیٹی تھی جو تمام ضروری مقالات و مضامین تیار کر کے اخبارات کے حوالہ کرتی تھی۔ راقم کو اسی کمیٹی میں خدمت انجام دینے کا موقع ملا تھا۔

مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے حرم، حجاج کے اجتماع کے دوسرے مقامات اور احرام کی میقاتوں پر ادارہ کی طرف سے کل ۴۵ مستقل مرکز قائم تھے۔ کچھ ٹولیاں ایسی بھی تھیں جو شہر کی مسجدوں میں تبلیغ و تقریر کا فریضہ انجام دیتی تھیں منیٰ میں ادارہ نے کل ستر مرکز قائم کیے تھے، جہاں پر مختلف اوقات میں تقریروں اور استفسار کے جوابات کا انتظام تھا۔ عرفات میں بھی پانچ مرکز قائم تھے، اور مختلف ٹولیاں حجاج کے خیموں میں جا کر انھیں مسائل و احکام کی تعلیم دیتی تھیں۔ منیٰ اور عرفات کے مقام پر دنیا کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے مختلف رنگ و نسل کے اور زبان در بحان کے

لوگوں سے مل کر جو لوگ تعلیم و تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں ان کے تاثرات عجیب و غریب ہوتے ہیں ۔ ایک بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ حج میں شریک ہونے والوں کی ایک بڑی تعداد حج اور دین کے دوسرے اہم بنیادی مسائل سے ناواقف ہوتی ہے ، اور اسے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ حج کن اعمال و عبادات سے عبارت ہے ، دوسرا تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ مسلمان عام طور پر قرآن و حدیث سے ثابت شدہ صحیح حکم کو جاننا چاہتا ہے اور اسے ائمہ و بزرگان کی آراء و اقوال سے کوئی سروکار نہیں نظر آتا اور یہیں سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ فروع کے نام پر مسلمانوں میں افتراق و انتشاد موجود ہونے کا اصل سبب کیا ہے ؟ اس مقدس سرزمین پر کچھ لوگ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنھیں حرمین شریفین میں بھی بدعات و خرافات کے کام انجام دینے پر اصرار ہوتا ہے اور ہر طرح کی دلیل و افہام و تفہیم کے باوجود وہ اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں ۔ کتنے بدنصیب ایسے ہوتے ہیں جو اپنی کج فہمی اور تعصب و حق دشمنی سے امام حرم کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز نہیں ادا کرتے ، کچھ معزور اور فریب خوردہ ایسے ہوتے ہیں جو بدعت کے کاموں کو نگراں اشخاص سے چھپ چھپ کر انجام دیتے ہیں ۔ بیحد افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کی نظر میں دنیا کے سب سے مقدس اور مبارک مقام پر بھی پہونچ کر انسان کس طرح ہوا و ہوس کا شکار بنا رہتا ہے اور کس طرح شیطان اس کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے ۔ جاہلوں پر رونا نہیں ، رونا تو ان کم سوادوں پر ہے جو علم کے زعم میں مبتلا ہو کر اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں اور کتاب و سنت کی صحیح اور واضح تعلیمات کی تاویل و تحریف کے مرتکب بنتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر و عمل کی گمراہیوں سے محفوظ رکھے ۔

ادارۃ التوعیہ نے ۱۴۰۲ھ کے حج میں تبلیغ و اصلاح کی خدمات انجام دینے کے لیے کل دوسو تینتالیس (۲۴۳) علماء و مبلغین اور ایک دن طلبہ کو مدعو کیا تھا ۔ مبلغین میں ۱۷۴ سعودی حکومت کے مختلف اداروں سے آئے تھے اور ۶۹ علماء دیگر ۲۳ ممالک سے مدعو کیے گئے تھے ۔ ان سبنے اپنی خدمات کا سلسلہ مورخہ ۱۰ ذی قعدہ سے شروع کیا تھا اور وہ ذی الحجہ کے اختتام تک جاری رہا ۔ یہ خدمات مساجد اور عام اجتماع گاہوں کے درس ، تقاریر ، فتاوی اور ریڈیو و ٹیلی ویژن کے پروگرام سے عبارت تھیں ۔ ان میں تقاریر کا وہ سلسلہ اہم تھا جو منی میں توعیہ اسلامیہ کے صدر مقام پر منعقد ہوا تھا ۔ اس پروگرام میں عالم اسلام کے چوٹی کے علماء نے تقریریں کیں اور مجالس مذاکرہ میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا قارئین کے استفادہ کے لیے ذیل میں ہم بعض عناوین ذکر کرتے ہیں ۔

تقاریر کے عنوانات

(۱) : اسلام رسولوں کا دین ۔ (۲) مسلمانوں پر کافروں کے تسلط کے اسباب (۳) اسلام کا تعلق دیگر مذاہب سے

(۴) اسلام میں تہذیب و تمدن کے عناصر (۵) اسلامی عقیدہ اور معاشرہ پر اس کا اثر (۶) قرآن کریم کی روشنی میں یہود کی حقیقت۔ (۷) اسلامی قانون اور انسانی مفاد۔ (۸) وحی دوم یعنی سنت نبویہ۔ (۹) قرآن کریم میں دعوت کی بنیادیں۔

مجالسِ مذاکرہ کے عنوانات۔

(۱) اسلام نے شرک کی راہوں کو کیوں مسدود کیا؟ (۲) مسلم معاشرہ میں عورت کا کردار (۳) موجودہ جاہلیت کے خدوخال (۴) عزت و سربلندی: مفہوم و اسباب۔ (۵) نوجوانوں پر اسلام کی توجہ

ان میں سے بیشتر تقریروں اور مجالس مذاکرہ میں راقم کو شرکت کی توفیق ملی۔ جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ علماء کا مدلل انداز بیان اور دلکش و بلیغ اسلوب تھا۔ تقریریں طویل نہیں ہوتی تھیں، لیکن جو بات بھی کہی جاتی تھی کتاب و سنت کی سند سے کہی جاتی تھی اور ایسے لہجہ میں کہ سننے والے اس پر غور کر سکیں، دلآزاری، سب و شتم اور طعن و تنقیص کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا تھا۔ سامعین کی دلچسپی کے بہانہ سے کوئی غیر سنجیدہ یا بے سند بات نہیں آتی تھی۔ الفاظ سے دلوں کا خلوص جھلکتا تھا اور بار بار یہ خیال آتا تھا کہ ایسی مؤثر و مدلل باتیں سن کر بھی لوگ کس طرح گمراہیوں میں پھنسے رہ جاتے ہیں۔

تقریروں اور مجلس مذاکرہ کے بیانات میں کہیں بھی تعصب و گروہ بندی کی دعوت نہ تھی، بلکہ سارا زور اتفاق و اتحاد اور کتاب و سنت کی پیروی پر تھا، اور یہ حقیقت ہے کہ اگر مسلمان انھیں دو چیزوں کو رہنما مان لیں (اور یہی شریعت کا مطالبہ بھی ہے۔) تو پھر ان کی تمام مشکلات و مصائب کا یکسر علاج ہو جائے گا۔ سعودی حکومت کا ادارۃ التوعیۃ الاسلامیہ اس اعتبار سے قابلِ تعریف ہے کہ وہ علماء و مشائخ کو امت سے تخاطب کا سنہرا موقع فراہم کرتا ہے۔ ●●●

ص ۱۷ سے آگے - بقیہ جرح

کیسے ہو جائے گا اور وہ بھی اس طرح کہ کنواروں کے متعلق قانونی اور شادی شدہ لوگوں کے لیے تعزیری۔ اس کے ساتھ ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ متفق علیہ روایت بھی ملحوظ رہے کہ لا یجلد فوق عشرۃ اسواط الا فی حد من حدود اللہ۔ (اللہ کی حد کے سوا کسی اور جرم میں دس کوڑے سے زیادہ نہ مارا جائے، پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ تعزیر کی حد زیادہ سے زیادہ دس کوڑے مقرر کریں اور خود بطور تعزیر کسی کو سنگسار بھی کر دیں۔ یہ تضاد محض ان فقہاء کی پریشان خیالی کا نتیجہ ہے جو شریعت کے ایک اساسی ماخذ (حدیث) سے دستکش یا بے نیاز ہو کر اسلامی قوانین کی عمارت کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔

③ سورہ نساء آیت ۱۶ کے لفظ فاذوھما کا ترجمہ آپ نے یہ کیا ہے۔ (تکلیف دہ کلمات کہو اور ایذا دو) بریکٹ کے اہتمام کے باوجود یہ ذیل اور شرح ترجمہ بوجھل ہو گیا ہے۔ اور تشریح میں ایذا کے ایک ہی پہلو کی تحدید بھی محل نظر ہے اعراض کی تشریح بھی اسی طرح محدود ہو گئی ہے۔

پیامِ کعبہ خطبہ حرم

رحمت بدبختوں ہی سے چھینی جاتی ہے۔

امام حرم فضیلۃ الشیخ عبداللہ خیاط حفظہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یَرْحَمُ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَآءَ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ وَاَشْکُرُہٗ عَلَی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ خَاتَمُ الرُّسُلِ وَسَیِّدُ الْاَنْبِیَآءِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ۔ اَمَّا بَعْدُ:

اللہ کے بندو! اسلام کی ایک خوبی اور فضیلت یہ ہے کہ وہ استحصال کا ہر راستے سے مقابلہ کرتا ہے اس نے سود اور رشوت سے جنگ کی۔ اور لوگوں کا مال باطل طریقے پر کھانے سے خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہو۔ نکیر کی۔ کیونکہ اس حرام خوری کے نتیجے میں مسلمانوں کے درمیان کینے اور دشمنیاں پرورش پاتی ہیں۔ اسلام نے سامان رزق کی ذخیرہ اندوزی پر بھی وعید سنائی ہے اور اس کام کی طرف مائل ہونے والوں کو برے انجام سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

مَنِ احْتَکَرَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ طَعَامَھُمْ ضَرَبَہُ اللّٰہُ بِالْجُذَامِ وَالْاِفْلَاسِ (مسند احمد)

یعنی جو شخص مسلمانوں کے خوراک کی ذخیرہ اندوزی کریگا اللہ اسے کوڑھ اور مفلسی کی مار مارے گا۔

مسند احمد ہی کی ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے۔

مَنْ دَخَلَ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ اَسْعَارِ الْمُسْلِمِیْنَ یُغْلِیْہِ عَلَیْھِمْ کَانَ حَقًّا عَلٰی

یعنی جو شخص مسلمانوں پر سامان مہنگا کرنے کے لئے ان کے دام اور قیمت میں کچھ دخل اندازی کرے گا اللہ

اللّٰهِ اَنْ يُّعَذِّبَهٗ فِي النَّارِ۔ پر حق ہوگا کہ جہنم کی آگ میں اس کو سزا دے۔

یاد رہے کہ لوگوں کی (وہ تمام) ضروریات زندگی جن سے ان کی زندگی کی گاڑی چلتی ہے جن کے ذریعے ان کے رہنے سہنے کا انتظام ہوتا ہے۔ اور جن پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے ایسی ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کرنا غلے کی ذخیرہ اندوزی کرنے اور بھاؤ چڑھانے سے کم خطرناک نہیں ہے کیونکہ آدمی ایک مسلمان معاشرے میں اتنا نادار نہیں ہوسکتا کہ سانس آنے جانے بھر کھانے کو نہ مل سکے۔ لیکن یہ سخت مشکل ہے کہ آدمی کھلے میدان میں زندگی گذارے۔ یا اپنا سامان تجارت رکھنے اور لوگوں میں پھیلانے کے لئے کوئی دوکان یا ٹھکانا پائے بغیر اپنی روزی کما سکے۔ اب اگر ان اشیائے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی کرلی جائے اور ان کا کرایہ کئی کئی گنا بڑھا چڑھا کر مانگا جائے۔ تو یہ بھی ایسا استحصال ہوگا جس کو بھاؤ چڑھانے اور غلے کی ذخیرہ اندوزی کرنے کی وعید شامل ہوگی۔

اسلام نے ضرورت سے فاضل مال خرچ کرنے کی بڑی ترغیب دی ہے کہ مسلمان یہ مال اپنے بھائیوں کے لیے نیکی کے طور پر بلا عوض خرچ کرے۔ تو کیا یہ انصاف کی بات نہ ہوگی کہ مسلمان اپنی ضرورت سے فاضل دوکان اور مکان مناسب کرائے پر دے نہ کم نہ زیادہ۔ اس مناسب کرائے کی تعیین ماہرین حضرات سے کرائی جاسکتی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ لَهٗ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَّا ظَهْرَ لَهٗ. وَمَنْ كَانَ لَهٗ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَّا زَادَ لَهٗ۔ (مسلم شریف)

جس کے پاس فاضل سواری ہو۔ وہ بلا سواری والے کو دیدے۔ اور جس کے پاس فاضل توشہ ہو وہ بلا توشے والے کو دیدے۔

حدیث روایت کرنے والے صحابی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز اس طرح نام لے لے کر کہنی شروع کی کہ ہم نے سمجھا کہ ہمیں اپنے کسی بھی قسم کے فاضل مال کو اپنے بھائی سے روکنے کا حق نہیں ہے۔

بھائیو! کیا جو شخص دولت وثروت جمع کرنے کی خواہش کے پیچھے دوڑتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت سے منہ موڑلے۔ اور اس کی کوئی پرواہ نہ کرے کہ اس کے نتیجے میں دوسروں کو نقصان اٹھانا

پڑے گا جن میں محتاج وفقیر، معمولی آمدنی کے ملازمین۔ کساد بازاری کے مارے ہوئے مزدور، اور بیوہ وغیرہ اتنے اقسام کے لوگ شامل ہیں جن کا مثالوں سے استقصاء نہیں کیا جا سکتا۔ اور جن کی کفالت کرنا اور جن کے ساتھ رحم ومروت سے پیش آنا معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ ترغیب وترہیب کی احادیث میں وارد ہے۔ تو کیا ایسا آدمی جو ان سب کے نقصان سے لاپرواہ ہو کر دولت کی ہوس کے پیچھے دوڑ لگائے وہ خطاکار وغلط کار نہ ہوگا۔

ترغیب کے طور پر ترمذی کی روایت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ — رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ۔ — تم زمین والوں پر رحم کرو۔ تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

اللہ کے بندو! کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تم پر رحم کرے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اشعری لوگ جب محتاج ہوتے ہیں۔ ان کے کھانے پینے کا سامان کم ہو جاتا ہے تو جس کے پاس جو کچھ ہے اپنا سامان سب لا لاکر ایک کپڑے پر جمع کر دیتے ہیں۔ پھر آپس میں برابر برابر بانٹ لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

ترہیب کے طور پر ترمذی کی روایت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ — رحمت۔ بدبخت ہی آدمی سے چھینی جاتی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللّٰهُ — جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ اس پر رحم نہیں کریگا۔

طبرانی میں آپ سے یہ حدیث بھی مروی ہے۔

اِنَّ لِلّٰهِ اَقْوَامًا خَصَّهُمْ بِالنِّعَمِ لِمَنَافِعِ الْعِبَادِ يُقِرُّهُمْ فِيْهَا مَا بَذَلُوْهَا — اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں اللہ نے نعمتوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ کیونکہ اس میں لوگوں کے فائدے

فَاِذَا امْنَعُوْهَا نَزَعَهَا مِنْهُمْ فَحَوَّلَهَا اِلٰى غَيْرِهِمْ۔ (رواه الطبرانی)

ہیں۔ جب تک یہ لوگ نعمتیں خرچ کرتے رہیں گے اللہ برقرار رکھے گا اور جب خرچ کرنا بند کردیں گے تو ان سے چھین کر دوسروں کو دیدے گا۔

اللہ کے بندو! انجام بڑا پرخطر، تکلیف دہ اور عبرتناک ہے۔ جس پر ہمیں آنسو بہانا چاہیئے کتنے ہی لوگ ہیں جنہوں نے طرح طرح کا مال۔ جائداد۔ سونا۔ چاندی جمع کیا۔ اسے بڑا کارآمد سمجھا۔ محتاج فقیر اور بھیک مانگنے والے کو نہیں دیا۔ (لیکن جو حشر ہوا وہ آپ جانتے ہیں)

اللہ کے بندو! حالات کی سازگاری اور زمانے کی خوشگواری کے بعد نعمت کے زوال اور فقر سے پناہ مانگو۔ اور اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ اور اس نے تمہیں جو کچھ ذمے رکھا ہے اس میں اللہ کی رضامندی ڈھونڈھو۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ اور ناگوار ہر طرح کی ہدایات پر عمل کرو۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد رکھو۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ٥

جو نیک عمل کرے گا اپنے فائدے کے لئے کرے گا اور جو برائی کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا پھر تم لوگ اپنے پروردگار کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

اللہ ہمیں نیک عمل کرنے کی توفیق بخشے اور ہماری برائیوں کو درگذر فرمائے۔ آمین

اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوْهُ، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

بقیہ ص ۵۶ کا

قاری اسماعیل یوسف ۔ قاری ڈاکٹر غوث ندوی ۔ قاری عبداللہ سلیم۔

(۷) قرأت ٹیپ کی گئی: } قاری یوسف بھولا۔

(۸) مغربی امریکہ کی مساجد اور اسلامی مراکز کے متعلق رپورٹ: ڈاکٹر داؤد اسعد نائب ڈائرکٹر دفتر رابطہ عالم اسلامی نیویارک

(۹) قرار دادیں اور سفارشات: ڈاکٹر مزمل صدیقی ڈائرکٹر اسلامک سوسائٹی آرینج کاونٹی

پہلے اور چوتھے جلسے کے بعد سوالات کے وقفے بھی رکھے گئے تھے، جس میں سامعین کی طرف سے پیش کیے گئے اہم سوالات کے جواب دیے گئے

(باقی آئندہ)

بزم طلبہ

کلام حالی میں قوم وملّت کی اصلاح

جلال الدین بستوی (فضیلت سال اول)

امتداد زمانہ کے سبب ملت اسلامیہ پر کئی بار ایسا دور آیا کہ اس کے اکثر افراد جمود وتعطل کا شکار ہو گئے اور اپنی تہذیب وتمدن کو فراموش کر کے پستی کے گہرے غار میں چلے گئے لیکن بالآخر غیرت حق جوش میں آئی اور اس خطرناک کیفیت کو مٹانے کے اسباب فراہم ہونے لگے اور مختلف پیمانے کے مصلحین نے اٹھ کر حالات کا رخ پلٹنے کی کوششیں شروع کر دیں ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی حالت بڑی نازک اور ناگفتہ ہوتی جارہی تھی ۔ اس موقع پر سرسید نے آگے بڑھ کر امت مسلمہ کو پستی سے نکالنے اور ترقی کی راہ پر لگانے کے لئے ایک جامع حکمت عملی مرتب کی اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ کام شروع کر دیا ۔ ملت اسلامیہ کی اس پستی کے علاج میں جو لوگ سرسید کے شریک کار تھے ان میں خواجہ الطاف حسین حالی کی شخصیت مختلف پہلوؤں سے بڑی منفرد اور نمایاں ہے علامہ حالی ۱۸۳۷ء مطابق ۱۲۵۳ھ میں بمقام پانی پت پیدا ہوئے بچپن ہی میں یتیم ہو گئے اپنے بھائی بہنوں کے زیر سایہ تعلیم وتربیت حاصل کی سترہ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے تو بھائی بہنوں نے اصرار کر کے شادی کر دی ۔

حالی عالم بھی تھے اور شاعر بھی ان کی شاعری اس بات کی آئینہ دار ہے کہ انہوں نے انسانی فطرت اور اس کے مفاسد کا بڑی ژرف نگاہی سے مطالعہ کیا وہ مسلمانوں کی پستی اور بدعملی کا عبرت انگیز منظر دیکھ کر طبیعت پر قابو نہ پا سکے اگرچہ ان کو اپنی شاعری کی قوت کا احساس نہ تھا لیکن اصلاح قوم وملت کا بے پناہ جذبہ شعر کے سانچے میں ڈھل کر منظر عام پر آنے کے لئے تڑپ رہا تھا چنانچہ جب ان کی ملاقات سرسید سے ہوئی تو سرسید کے اصلاحی پروگرام کی مضراب نے حالی کے ساز دل کے اس تار کو چھیڑ ہی دیا اور ان کے جذبات واحساسات اشعار کے جامے میں صفحۂ قرطاس پر آ گئے ان کے دل میں خلوص ودرد کا ایسا بحر زخار تھا کہ ان کے نوک قلم سے جو بات نکلی دلوں میں اترتی اور لوگوں کو مسحور کرتی چلی گئی ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔ ع

ہیں فصاحت میں مثل واعظ وحالی دونوں
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

خواجہ الطاف حسین حالی نے ہر صنف شاعری سے قوم وملت کی اصلاح کا کام لیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی اصلاحی نظموں کا ایک مختصر سا انتخاب اور اصلاحی کوششوں کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کر رہے ہیں۔

وہ سب سے پہلے بگاڑ اور فساد کے مرکزی نقطے پر انگلی رکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ہماری تباہی کا اصل سبب کیا ہے وہ بتلاتے ہیں کہ ہمارا تعلق اللہ سے ٹوٹ گیا ہے اور ہم اسلام کی بنیادی دعوت یعنی توحید سے غافل ہو کر خدا کے بجائے دوسرے سہارے ڈھونڈھنے لگے ہیں اب ہم غیر اللہ کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں اور ان کے غضب سے ڈرتے ہیں یہ چیز ہمیں کبھی کامیاب نہیں ہونے دے سکتی اسی لئے وہ زور دے کر کہتے ہیں۔ ؎

اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم — اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم — اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم
مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

وہ غلطی کے اس بنیادی پہلو کی مزید وضاحت کرتے ہیں اور کھول کھول کر بتلاتے ہیں کہ ہم نے کیسا کیسا فساد قبول کر لیا ہے وہ فرماتے ہیں ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے

نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

توحید سے اس دوری کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر جو عملی اور اخلاقی زوال آیا اور اپنے دیرینہ مقاصد سے جو دوری اور بے تعلقی ہوئی اس کا نقشہ ایک جگہ یوں کھینچا ہے۔

بہائم کی اور ان کی حالت ہے یکساں — کہ جس حال میں ہیں اسی میں ہیں شاداں

نہ ذلت سے نفرت نہ غیرت کا ارماں — نہ دوزخ سے ترساں نہ جنت کے خواہاں

لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انھوں نے

کیا دین برحق کو بدنام انھوں نے

مقاصد اور فرائض سے اس غفلت پر ایک جگہ بڑے موثر اور دردانگیز لہجے میں مسلمانوں کو ٹوکا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

گڈریئے کا وہ حکم بردار کتا — کہ بھیڑوں کی ہر دم ہے رکھوالی کرتا

جو ریوڑ میں ہوتا ہے پتے کا کھڑکا — تو وہ شیر کی طرح پھرتا ہے بپھرا

گر انصاف کیجیے تو ہے ہم سے بہتر

کہ غافل نہیں فرض سے اپنے دم بھر

اس غفلت اور بے حسی نے علماء اسلام کو جس راستے پر لگا رکھا تھا ایک جگہ اس پر بھی اپنے درد و کرب کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بڑھے جس سے نفرت وہ تحریر کرنی — جگر جس سے شق ہو وہ تقریر کرنی

گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی — مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی

یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ

یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

اور ان طریقوں اور سلیقوں کے جو نتائج مسلمانوں کو بھگتنے پڑے وہ بھی معلوم و معروف ہیں۔

برے ان پہ وقت آکے پڑنے لگے اب   وہ دنیا میں بس کر اجڑنے لگے اب
بھرے ان کے میلے بکھرنے لگے اب   بنے تھے وہ جیسے بگڑنے لگے اب
ہری کھیتیاں جل گئیں لہلہا کر
گھٹا کھل گئی سارے عالم پہ چھا کر

آہ کتنا دردناک منظر ہے دین کی بنیاد اور اس کے مقاصد سے دوری ومہجوری کے نتائج کا فرماتے ہیں۔ ؎

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا   ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا   وہ امت لقب جس کا خیر الامم تھا
نشان اس کا باقی ہے صرف اس قدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں

مولانا حالی نے بتایا کہ مسلمانوں کا دستور العمل قرآن وسنت ہونا چاہئے تقلید نہیں کہ تقلید نے ملت اسلامیہ کو مختلف گروہوں میں منقسم کردیا ہے جن کے باہم دست وگریباں ہونے کی وجہ سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہوگئی ہیں اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا ہے مولانا انتہائی دل سوزی و دردمندی کے ساتھ لکھتے ہیں ؎

نہ سنّی میں اور جعفری میں ہو الفت   نہ نعمانی وشافعی میں ہو ملّت
وہابی کی صوفی سے کم ہو نہ نفرت   مقلد کرے نامقلد پہ لعنت
رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پہ ہنسے سارا عالم

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے   حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے
فتاوٰں پہ بالکل مدارِ عمل ہے   ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے
کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

وہ مسلمانوں کے اس فساد عام کے ایک اور مظہر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اخلاقی زوال نے شعر وشاعری کے کار آمد اور مفید ذریعے کو کیسی گندگی سے دوچار کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر　　عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر

زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر　　ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر

ہوا علم ودیں جس سے تاراج سارا

وہ علموں میں علمِ ادب ہے ہمارا

غرض علامہ مرحوم مسلمان قوم کے فساد کی بنیاد اور مختلف مظاہر کا بڑی وضاحت سے تذکرہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ علاج بھی بتاتے چلتے ہیں علامہ نے سب سے زیادہ زور اتفاق واتحاد پر دیا ہے اور اس مضمون کو مختلف پیرایوں سے دل نشیں کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں ؎

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے　　مصیبت میں یاروں کے غم خوار ہوتے

سب اک اک کے باہم مددگار ہوتے　　عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے

جب الفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم

تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

ایک جگہ اس مضمون کو اس طرح واضح کرتے ہیں ؎

وہ گھر جس میں ہوں دل ملے سب کے باہم　　خوشی بے خوشی میں ہوں سب یار ہمدم

اگر ایک خوش دل تو گھر سارا خرم　　اگر ایک غمگیں تو دل سب کے پُر غم

مبارک ہے اس قصرِ شاہنشہی سے

جہاں ایک دل ہو مکدر کسی سے

وہ دعوت اتحاد کو صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہیں رکھتے بلکہ ملک کے سارے طبقوں کے درمیان اتحاد کی لہر دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ لکھتے ہیں ؎

تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر　　نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر

ہو مسلمان اس میں یا ہندو بدھ مذہب ہو یا کہ برہمو
سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو
ملک ہیں اتفاق سے آزاد
شہر ہیں اتفاق سے آباد

علامہ حالی یہ بھی بتلاتے ہیں کہ جب یہ اتفاق و اتحاد کسی قوم سے مفقود ہو جاتا ہے تو اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ تاریخی حوالوں کے ساتھ فرماتے ہیں ؎

کبھی تو برائیوں نے گھر لوٹا کبھی دُرّانیوں نے زر لوٹا
کبھی نادر نے قتل عام کیا کبھی محمود نے غلام کیا
سب سے آخر میں لے گئی بازی
ایک شائستہ قوم مغرب کی

علامہ یہ بھی یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمیں اسلامی مساوات کا درس نہیں بھولنا چاہئے ؎

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبر کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

اور اس مساوات کے ساتھ زیر دستوں پر رحم بھی ضروری ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من لا یرحم لا یرحم۔ اور ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ جو شخص رحم نہیں کرتا ہے اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو خدا تم پر رحم کرے گا اس مفہوم کو علامہ حالی نے اس طرح شعر کے سانچے میں ڈھالا ہے ؎

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گزر جائے سر پر پڑے غم کا سایہ نہ اس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

علامہ حالی انگریزوں کو شائستہ قوم بتلاتے ہیں لیکن رشک و حسرت اور مرعوبیت کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ علم اور جفاکشی کے ذریعہ ہم بھی ان کے ہمسر بن جائیں۔ فرماتے ہیں ؎

علم کو کردو کو بہ کو ارزاں ہند کو کر دکھاؤ انگلستان
کہیئے دنیا کا جس کو باغ جناں ہے فرانس آج یا ہے انگلستان

سرسید نے قومی تعلیم کی اساس مغربی علوم پر رکھی تھی انہوں نے مغربی تعلیم ہی کو ملت کے مذہبی اور اخلاقی امراض کے دور کرنے کا نسخہ قرار دیا تھا اور اسی بناء پر علیگڈھ میں اس اسکول کی بنیاد رکھی جو آج ایک عظیم یونیورسٹی بن چکا ہے۔ خواجہ حالی بھی سرسید کے ہمنوا تھے چنانچہ اس علم کی فضیلت سے روشناس کراتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

یہ پتھر کا ایندھن ہے جلوانے والا جہازوں کو خشکی میں چلوانے والا
صداؤں کو سانچے میں ڈھلوانے والا زمین کے خزانے اگلوانے والا

یہی برق کو نامہ بر ہے بناتا
یہی آدمی کو ہے بے پر اُڑاتا

اور علم جدید کی اسی اہمیت کی بناء پر سرسید کے اسکول کی تعریف یوں کی ہے ؎

یہ دارالعلم سدراہ آسیب زماں ہوگا اسی دارالشفاء میں لخت پیر اپنا جواں ہوگا
یہ بیت العلم روز افزوں ترقی کا ہے سرچشمہ اسی چشمہ سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا

ان نظموں کے علاوہ اور بہت سی نظمیں ہیں جو اصلاحی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں اور اسی اصلاح کے پیش نظر موصوف نے مسدس مد و جزر اسلام لکھی جو مسلم قوم کے مرض کی تشخیص اور نسخۂ شفا ہے۔ سرسید ہمیشہ کہتے تھے کہ اگر خدا قیامت کے دن ہم سے پوچھے گا کہ تم باغ دنیا سے کیا لائے ہو تو میں بلا خوف و خطر یہی کہوں گا کہ اے خدا میں مسدس مد و جزر اسلام لایا ہوں۔ حالی نے اپنی پوری زندگی اصلاح قوم و ملت میں گذار دی۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرا جو لایعنی اور بے کار رہا ہو۔ بالآخر وقت کا یہ مایۂ ناز مجاہد اور اصلاحی میدان کا درخشندہ ستارہ ملت کو بیدار کرتا گرداب ہلاکت سے کشتی ملت کو بچاتا اور موجوں اور طوفانوں سے نبرد آزما ہوتا ہوا ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہمیشہ کیلئے موت کی آغوش میں آسودہ خواب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آن گا حالی کنارے پر جہانہ الوداع اے زندگانی الوداع

●●●

تحقیق مسائل

حدِ رجم شکوک کی زد میں

سوال: از انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج۔

رجم سے متعلق اپنے اشکالات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، اور جواب کا امیدوار ہوں۔

(الف) قرآن مجید میں سورہ فرقان آیت ۶۸ میں مومنین عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں مراد ہیں۔ اسی طرح عورتیں بھی اس میں داخل ہیں چاہے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ اور سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۲ میں یہی "ولا تقربوا الزنیٰ" کی شکل میں فرمایا، اس میں تمام اہل ایمان مخاطب ہیں، چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں اور خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔

(ب) سورہ نساء آیت ۱۵، ۱۶ میں زنا کی ابتدائی سزا بیان ہوئی ہے، ان دونوں آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

"تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں زنا کا ارتکاب کریں تو اپنے میں سے چار گواہ ان کے بارے میں طلب کرو۔ اگر چاروں گواہ گواہی دیدیں تو ان عورتوں پر گھر میں رہنے کی پابندی لگاؤ یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ (قانون) تجویز کرے۔"

اس آیت میں "من نسائکم" کے الفاظ آئے ہیں، اس کا ایک مفہوم تو یہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری بیویوں میں سے جو زنا کا ارتکاب کریں، چنانچہ اس معنی کی نظیر آیت ۴ سورۂ نساء ہے نیز آیت ۲۳ میں بھی یہی لفظ اس معنی میں آیا ہے اور "من نسائکم" کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تمہاری عورتوں میں سے یعنی مسلمان عورتوں میں سے جو بھی زنا کا ارتکاب کرے اس کی نقل و حرکت پر پابندی لگاؤ۔ — اور آیت ۱۶ کا ترجمہ یہ ہے:

"اور اے مسلمانو! تم میں سے جو دو شخص زنا کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو تکلیف دو (کلمات کہو اور ایذا دو۔ (تاکہ ان کے اندر توبہ ابھرے) تو اگر وہ توبہ کرلیں تو تم ان دونوں سے درگزر کرو (یعنی ان کو نگاہوں سے نہ گراؤ) بلاشبہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا رحیم ہے۔ (اور اگر اللہ رحیم و تواب ہے تو تم محض ایک دفعہ جرم کرنے کے نتیجے میں اپنی نگاہوں سے کیوں گراؤ گے۔)"

آیت ۱۵ میں زانی عورت کا ذکر اس لیے الگ کیا گیا کہ جو سزا اسے دی جارہی ہے وہ مرد کو نہیں دی جاسکتی اور

آیت ۱۶ میں زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں سزا میں شریک ہیں یعنی اس کو شرم دلائی جائے گی، تکلیف دہ کلمات کہے جائیں گے، ملامت کی جائے گی، تاکہ ان کے اندر غلطی کا احساس پیدا ہو اور وہ توبہ کریں۔ ان آیتوں میں "من نسائکم" عام ہے جو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کو محیط ہے۔

(ج) سورہ نساء کے دعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں ان کو کوڑوں کی سزا تجویز کی ہے، اس میں "الزانیۃ والزانی" کے الفاظ آئے ہیں۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی قید نہیں ہے، اسی آیت میں "عذابھما" کا لفظ آیا ہے جس سے مراد بالاتفاق ائمہ تفسیر سو کوڑے ہی لیتے ہیں۔ اس کے بعد آیت میں اس عورت کا حال بیان کرتے ہوئے جس پر اس کے شوہر نے الزام لگایا ہے، فرمایا۔ جس کا ترجمہ یہ ہوا:

"اس تہمت زدہ بیوی سے "العذاب" کو ہٹا سکتی ہے۔ یہ بات کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ میرا شوہر جھوٹ بولتا ہے۔" ۔۔۔ سوال یہ ہے کہ "العذاب" سے کون سی سزا مراد ہے۔ اگر یہ عورت قسم نہ کھائے، انکار کر دے تو اسے کیا سزا دی جائے گی۔ اگر یہاں پر "عذاباً" کا لفظ ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ کوئی سزا دی جائے گی لیکن مشکل یہ ہے کہ معرفہ ہے، اس پر 'ال' داخل ہے، اگر آیت میں "عذابھما" جو معرفہ ہے اس سے سو کوڑے مراد ہیں تو یہاں آیت ۹ میں "العذاب" سے وہی سو کوڑے مراد ہوں گے، اگر اس سے مراد قید میں ڈالنا ہے، جیسا کہ اہل تفسیر کہتے ہیں تو اس کی دلیل کیا ہے؟ اور اگر عربی قواعد کے لحاظ سے اس سے سو کوڑے ہی مراد ہوں تو یا د رہے کہ عورت شادی شدہ ہے تو پھر یوں کہیے کہ سورہ نور آیت ۲ میں زانی اور زانیہ عام ہیں، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ تو پھر شادی شدہ عورت کے لیے رجم کا ماخذ کیا ہے؟ حضرت علی رضؓ نے ایک شادی شدہ عورت کو اپنے زمانہ خلافت میں پنجشنبہ کو سو کوڑے لگائے اور جمعہ کو رجم کیا، اور غالباً کسی سوال کے جواب میں فرمایا کہ "جلدتھا بکتاب اللہ ورجمتھا بسنۃ رسول اللہ"۔ سوال یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ رجم کتاب اللہ میں نہیں ہے، رجم ایک تعزیری سزا ہے جو امام وقت کسی کو دے سکتا ہے۔ کس کو سنگسار کرے یہ الگ سوال ہے، اور دونوں سزاؤں کو جمع کرنا، اگرچہ اس کو فقہا نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ یہ بھی ہم نہیں پوچھتے۔ ہمارا اصل اشکال یہ ہے کہ رجم کا ماخذ کتاب اللہ میں کیا ہے؟ یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ سورہ نور آیت ۲ میں شادی شدہ زانی یا زانیہ نہیں اور کیسے نبی نے جانا کہ یہ غیر شادی شدہ سے متعلق آیت ہے۔

امید ہے کہ ان طالب علمانہ اشکالات کا جواب ایک شفیق معلم کی حیثیت سے دینے کی کوشش کریں گے۔

۹۹۹

جواب: از ایڈیٹر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ عربی زبان کا کوئی مطرد قاعدہ نہیں ہے کہ کسی نکرہ یا معرفہ لفظ کو دوبارہ معرّف باَل لایا جائے تو اس سے لازماً وہی چیز مراد ہوگی جو پچھلے لفظ سے مراد ہے، اس کا انحصار محض قرینے پر ہے۔

لعان کی آیات جس پس منظر میں نازل ہوئی ہیں، ان کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہے کہ اسلامی معاشرے میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زانیوں کی الگ الگ سزاؤں کا باقاعدہ تقرر ہو چکا تھا، اور تہمت لگانے والے کی سزا بھی مقرر ہو چکی تھی۔ اس کے بعد لعان کی صورت پیدا ہوئی اور اس سے متعلقہ آیات نازل ہوئیں۔ العذاب اسی مقررہ سزا کی طرف اشارہ ہے۔ اس اشارے کے لیے اس کا ذہن میں موجود ہونا کافی ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر پہلے سے ہونا کچھ ضروری نہیں۔ یہ عربی زبان کا متفقہ اور کثیر الاستعمال قاعدہ ہے اور قرآن اس سے بھرا پڑا ہے۔ مثلاً۔ عبس وتولی ان جاءه الاعمٰی، یسئلونك عن الانفال، واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انها لکم۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس آخری آیت میں الطائفتین سے مراد اہل ایمان کے وہ دونوں گروہ نہیں ہیں، جن کا ذکر اس آیت سے پہلے متصلاً ہی موجود ہے۔ بلکہ کفار کے وہ دو گروہ (قافلہ اور لشکر) مراد ہیں جو ذہن میں تو معہود تھے۔ لیکن قرآن میں اس سے پہلے اس کا کہیں نام و نشان تک موجود نہیں۔ اس لیے عذاباً کے بجائے العذاب سے جو نکتہ آفرینی کی گئی ہے۔ اس کی بنیاد پر کسی شرعی حکم کی عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی۔

اس کے بعد ہم آپ کے اصل سوال یا اشکال پر آتے ہیں۔ آپ کے اشکال کی بنیاد یہ ہے کہ آپ نے کتاب اللہ اور اس کے بیان ثم علینا بیانه ۔ یا اس کی تبیین رسول ۔ وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم کے درمیان تعلق کی نوعیت کو نظر انداز کر دیا ہے، آپ ذیل کی مثالوں پر غائر نظر ڈالیے۔

(۱) قرآن میں اقیموا الصلوٰۃ کا عام اور مطلق حکم ہے۔ نبی نے یہ کیسے جانا کہ طلوع و غروب اور نصف النہار میں یہ نمازیں فرض نہیں بلکہ حرام ہیں۔ کتاب اللہ میں اس کا ماخذ کیا ہے۔

(۲) قرآن میں حکم ہے واٰتوا الزکوٰۃ ۔ واٰتوا حقه یوم حصاده ۔ نبی نے یہ کیسے جانا کہ پانچ وسق سے کم غلے، سبزی ترکاری، دو سو درہم سے کم چاندی اور بیس مثقال سے کم سونے اور فلاں فلاں مقدار سے کم جانور اور گھوڑے اس حکم میں نہیں۔ کتاب اللہ میں اس کا ماخذ کیا ہے۔؟

(۳) قرآن میں روزے کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا فمن تطوع خیراً فهو خیر له ۔ نبی نے یہ کیسے جانا کہ یوم فطر

یوم اضحیٰ اور ایام تشریق میں یہ تطوع خیر نہیں شر ہے۔ کتاب اللہ میں اس کا ماخذ کیا ہے؟

(۴) قرآن میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ نبی نے یہ کیسے جانا کہ ربع دینار سے کم کا چور اس میں شامل نہیں، سبزی کا چور اور فلاں فلاں اقسام کے چور اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آخر کتاب اللہ میں اس کا ماخذ کیا ہے؟

(۵) کتاب اللہ میں ارشاد ہے وامھاتکم التی ارضعنکم نبی نے یہ کیسے جانا (علیٰ اختلاف الاقوال) کہ پانچ رضعات یا تین رضعات یا رضاعت کبیر اس میں شامل نہیں۔ کتاب اللہ میں اس کا ماخذ کیا ہے؟

غرض اس طرح کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں کہ ایک جزئی کتاب اللہ کے عموم و اطلاق کی روشنی میں جائز، درست، حلال یا واجب نظر آتی ہے، لیکن توضیح و تبیین رسول کے دائرے میں آ کر اس کا حکم صرف بدل ہی نہیں جاتا بلکہ کبھی کبھی بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس قسم کے صدہا مسائل کے لیے کتاب اللہ کے اندر اتباع رسول کے جو احکامات موجود ہیں وہی کافی سمجھے جاتے ہیں اور کتاب اللہ میں ان کے لیے کوئی جزئی اور خصوصی ماخذ کے تلاش کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ تو رجم کے مسئلے میں اس اصول کو بنیاد بنانا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ شادی شدہ زانی کے لیے رجم کی جو سزا احادیث میں مذکور رہے وہ اصول شریعت کی روشنی میں دلیل کے لیے کافی و وافی ہے اور کتاب اللہ سے اس جزئی کے لیے کوئی خصوصی یا جزئی حکم یا ماخذ کی فراہمی کا سوال اصولی طور پر صحیح نہیں۔

نوٹ

(۱) بعض حضرات نے قرآن کے اسلوب بیان سے اس مسئلہ میں بعض نکتے پیدا کیے ہیں، لیکن ان کی حیثیت بھی دو العذاب والے علمی لطیفے سے زیادہ نہیں ہے۔

(۲) رجم کی حیثیت تعزیری سزا کی نہیں بلکہ قانونی سزا کی ہے، قرآن کے لفظ او یجعل اللہ لھن سبیلا کا مطلب خود آپ کے حسب بیان یہ ہے کہ کوئی اور راستہ (قانون) تجویز کرے۔ اب آپ احادیث دیکھ جائیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں قسم کے زانیوں کی سزاؤں کا اعلان قرآن کے مذکورہ وعدے کو یاد دلا اور مذکورہ الفاظ کو بطور تمہید دہراتے ہوئے بیک وقت کیا تھا۔ خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللہ لھن سبیلا اب اگر اس لفظ سے قرآن میں قانونی سزا مراد ہے اور اسی قانونی سزا کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے آگے چل کر اسی لفظ سے اور اسی وعدے کے الفاظ کے طور پر بیان کیا جانے والا حکم قانونی کے بجائے محض تعزیر

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

عالم اسلام

ایران کا "اسلامی" انقلاب
نفسیاتی ماحول اور حقائق

ایران کی موجودہ انقلابی حکومت کو "اسلامی" حکومت کہا جاتا ہے اور خود ہمارے ملک کے بھی بعض "اسلامی" حلقے اس کی "اسلامیت" کا ڈھنڈورا بہت زور و شور سے پیٹ رہے ہیں۔ لیکن ایران میں انقلاب کے بعد سے ابتک کشت و خون کی جو گرم بازاری ہے اور گرد و پیش کے ملکوں کے ساتھ اس کا جو رویہ ہے وہ مسلمانوں کے لیے ناقابل فہم اور حیرت افزا ہے اور غیر مسلموں کے لیے اسلام سے نفرت و برگشتگی کا سبب، ہماری کوشش ہوگی کہ ہم بالاختصار ایرانی انقلاب کی اسلامیت کے حقیقی خد و خال ہدیہ قارئین کر دیں۔ اس کے لیے ہمیں ذرا زیادہ پیچھے پلٹنا ہوگا

(۱)

ایران کے انقلابی رہنما کو آیت اللہ روح اللہ موسوی خمینی کہا جاتا ہے۔ موسوی کی نسبت شیعوں کے ساتویں امام موسیٰ کاظم کی طرف ہے۔ یہ نسبت نسبی تعلق کی بنا پر بھی کی جاتی تھی اور مذہبی گروہ بندی کی بنا پر بھی اب دونوں نسبتیں باہم اس طرح گڈمڈ ہو چکی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو موسوی کہنے کے سلسلے میں نسبی تعلق کا دعویٰ بھی کرے تو اسے تسلیم کرنا مشکل ہے۔

موسیٰ کاظم امامیہ شیعوں میں ایک بہت بڑے تفرقے کی علامت ہیں۔ اگرچہ وہ خود اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہوا یہ کہ جب ان کے والد امام جعفر صادق کا انتقال ہو گیا تو نئے امام کے معاملے پر شیعوں میں دو گروہ ہو گئے ایک نے جعفر صادق کے بڑے صاحبزادے اسمٰعیل کو امام مانا اور دوسرے نے موسیٰ کاظم کو۔ پہلا گروہ اسماعیلیہ کہلایا اور دوسرا موسویہ۔

اسماعیلی شیعوں نے اپنے امام اسمٰعیل کے انتقال کے بعد یہ موقف اختیار کیا کہ اب روپوشی ائمہ کا دور ہے، یعنی در پردہ ہمارے امام برابر متعین ہوتے رہیں گے۔ مگر ان کے نام اور مقام کا پتہ چند خاص افراد کے سوا کسی کو نہ ہوگا۔

جب حالات سازگار ہوں گے تب اس وقت کا امام ظاہر ہوگا۔ یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ہر ظاہر کا باطن ہے۔ ہر آیت اور حکم کا اس کے ظاہری معنی کے علاوہ ایک باطنی معنی بھی ہے، اور باطنی معنی جان لینے کے بعد ظاہر پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ مغز پا جانے کے بعد چھلکا کھانا لغو ہے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ پانچ وقت کی نماز سے پنج تن پاک کی طرف اشارہ ہے، ان کو مان لینا کافی ہے، اور نماز پڑھنا فضول ہے۔ اسی طرح ان کے بقول روزے کا مطلب رازداری ہے۔ تیس روزے سے ان کی تیس بڑی شخصیتیں مراد ہیں۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ سے ابوبکر و عمر مراد ہیں۔ نعوذ باللہ ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ۔ آسمان و زمین کے خالق حضرت علی ہیں۔ جبرئیل سے مراد عقلِ خالص ہے۔ اور قرآن سے مراد اس عقل کے فیض سے ملنے والے معارف ہیں۔ قیامت اس دنیا کے ٹوٹنے پھوٹنے کا نام نہیں ہے، بلکہ سات سات اماموں کا ایک دور ہوتا ہے، ہر دور کے پہلے اور نئے امام کے اُٹھنے کا نام قیامت ہے۔ جُوا، شراب، رنڈی بازی حرام کاری اور حرام خوری وغیرہ یہ سب ظاہر پرستوں کے لیے حرام ہیں، ان کے باطنی معنی جاننے والوں کے لیے یہ سب بالکل درست اور حلال ہیں۔ غرض اس طرح کی سیکڑوں خرافات ظاہر اور باطن کے نام پر ایجاد کی گئیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلام کا نام لے کر اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے لیے زیر زمین تحریکیں چلائی گئیں، جن کے نتیجے میں آگے چل کر نہایت لرزہ خیز مظالم اور بے دردانہ قتل کے بے شمار واقعات پیش آئے۔

شیعوں کا یہ فرقہ اپنے ظاہر و باطن کے اس طویل پلندے کی بنا پر باطنیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ آگے چل کر اپنے اپنے لیڈروں کے نام کی مناسبت سے اس فرقہ کا مشرقی بازو قرامطہ کہلایا اور مغربی بازو فاطمی۔ لبنان اور شام کے دروز، پاکستان کے آغاخانی اور ہندوستان کے بوہرے بھی انہی باطنی اسماعیلی شیعوں کی مختلف شاخیں ہیں۔ راقم الحروف نے ۱۳۸۱ھ میں براہ سمندر جدہ سے بمبئی آتے ہوئے گجرات کے ایک نوجوان بوہرہ عالم سے اس کے معتقدات اور مذہب کی کچھ تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی، تو اس نے کچھ بتانے کے بجائے فاطمیوں کے متعلق مصری محقق محمود عباس عقاد کی ایک کتاب تھمادی کہ اس میں ہمارے مذہب کی تفصیلات ہیں۔ مگر ایک بہت بڑا محقق ہونے کے باوجود عقاد نے اس کتاب میں جھک ماری ہے، زور بیان کے سوا وہ تاریخ اسلام کی عام معلومات کو بھی نہیں سمیٹ سکا ہے۔ بلکہ مسخ حقائق میں وہ باطنیوں کا ہمنوا ہو گیا ہے۔

باقی رہا شیعوں کا موسوی گروہ جس نے موسیٰ کاظم کو امام مانا تھا۔ تو اس نے موسیٰ کاظم کے بعد علی رضا، پھر محمد جواد پھر علی ہادی پھر حسن عسکری کو امام مانا۔ حسن عسکری نے ۲۶۰ھ میں وفات پائی اور ان پر اماموں کی تعداد گیارہ ہو گئی۔

حسن عسکری کے بعد ان کی نسل میں کوئی مرد باقی نہ بچا۔ اور ان شیعوں کا عقیدہ یہ تھا کہ اس نسل سے بارہ امام ہوں گے جن میں آخری امام مہدی ہوں گے۔ اس خیالی عقیدے سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس وقت محمد بن نصیر نامی ایک شیعہ نے حاضر دماغی سے کام لیا، اس نے مشہور کیا کہ حسن عسکری کے گھر دو تین برس پہلے ایک بچہ پیدا ہوا تھا جس کا نام محمد ہے۔ اس بچے کو دشمنوں کے خوف سے چھپائے رکھا گیا تھا۔ اب وہی بچہ بارہواں امام ہے اور دشمنوں کی سطوت کے خوف سے مصلحتاً سامرا کے تہ خانے میں روپوش ہے۔ جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی تو یہی بچہ مہدی بن کر ظاہر ہوگا۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ محمد بن نصیر نے یہ بھی بتایا کہ جب تک یہ امام غائب مہدی بن کر ظاہر نہیں ہوتے، ان کا ایک دروازہ (باب) ہوا کرے گا۔ لوگ اسی باب (دروازے) کے ذریعے اپنی مرادیں اور تحفے امام غائب کو پیش کیا کریں گے۔ اور امام غائب اسی باب کے ذریعے لوگوں کی مرادیں پوری کیا کریں گے۔ محمد بن نصیر اس پروپیگنڈے کے ساتھ ہی باب بن کر سامرا کے اس تہ خانے کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ جس کے اندر اس خیالی امام کو روپوش بتایا تھا۔

موسوی شیعوں نے محمد بن نصیر کے یہ سارے دعوے تسلیم کر لیے، ان کا اب بھی یہ ایمان ہے کہ ۲۶۰ھ سے اب تک ساڑھے گیارہ سو برس کا عرصہ گزر جانے کے باوجود امام غائب زندہ ہیں۔ بلکہ اس کی کئی گنا مدت تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ شیعہ ان کے نام کے آگے عج لکھتے ہیں جو عجل اللہ خروجہ کا مختصر ہے۔ یعنی اللہ انہیں جلدی ظاہر کرے۔ چونکہ شیعوں کا یہ فرقہ بارہ اماموں کے ظہور کا قائل تھا۔ اور اس نے اپنے حساب سے بارہ کی تعداد بھی پوری کر لی تھی۔ اس لیے یہ فرقہ اثنا عشریہ کے نام سے اس قدر مشہور ہوا کہ اب موسوی کے بجائے اس کا یہی نام معروف ہے۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ اصل حقیقت حال سے واقف بعض شیعوں نے جب دیکھا کہ محمد بن نصیر نے یہ سارا ڈھونگ رچ کر اپنی دوکان خوب چمکا لی ہے تو فرط حسد سے یہ اعلان کر دیا کہ محمد بن نصیر امام غائب کا باب نہیں ہے۔ اس گروہ نے بہت جلد اتنی طاقت پکڑ لی کہ ابن نصیر اور اس کے حامیوں کو کھدیڑ بھگایا اور تہ خانے پر قبضہ کر لیا۔ واقعہ کا لطیف ترین پہلو یہ ہے کہ ایک تیلی جو حسن عسکری کے زمانے میں ان کے دروازے کے پاس تیل بیچا کرتا تھا۔ اب وہی امام غائب کا باب (یعنی دروازہ بنا)۔ ابن نصیر نے وہاں سے بھاگ کر اپنی ایک الگ جماعت تیار کی جو نصیری فرقے کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اثنا عشری اور نصیری فرقوں میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ ملک شام کے عام شیعہ اسی نصیری فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور آجکل حکومت کے سیاہ و سپید پر پوری طرح قابض ہیں۔ شام کا صدر حافظ الاسد بھی نصیری شیعہ ہے۔ ادھر ایران کے عام شیعہ اثنا عشری ہیں۔

(۲)

شیعہ مذہب یہود و مجوس کی سازشی ذہنیت اور جذبۂ انتقام کے ازدواج سے وجود میں آیا ہے، اسی لیے شیعہ مذہب کے عقائد و اعمال پران دونوں گروہوں کی پوری پوری چھاپ موجود ہے۔ شیعوں نے پانچ وقت کی نماز کو جمع بین الصلوٰتین کے نام پر سمیٹ کر تین وقت میں کر دیا ہے، کیوں کہ یہود تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں۔ قرآن کے حکم کے بالکل خلاف شیعہ حضرات عورتوں کو غیر منقولہ جائداد کا وارث نہیں مانتے، کیوں کہ یہود کا یہی مذہب ہے۔ شیعہ حضرات اونٹ کا دودھ اور گوشت، بے چھلکے کی مچھلی اور اس طرح کی کئی چیزیں حرام مانتے ہیں، کیوں کہ یہ سب یہودی شریعت میں حرام ہیں۔ آپ گہرائی سے جائزہ لیں تو واضح ہوگا کہ شیعہ حضرات اسلام کے لبادے میں یہودی شریعت پر عمل کرتے ہیں۔

دوسری طرف شیعوں پر مجوسی تہذیب کا اثر بھی ہمہ گیر ہے۔ شیعہ حضرات مجوسیوں کا تہوار نوروز بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں، اور اس میں وہ سب کچھ کرتے ہیں جسے مجوسی دور کے عیاش حکمراں اور عوام اس تہوار پر کرتے تھے۔ مجوسیوں میں اسلامی فتوحات تک مزدک کی اباحیت پسندی موجود تھی۔ جب شیعہ مذہب ایجاد کیا گیا تو متعہ کے نام سے مذہبی تقدس کا لبادہ پہنا کر اس فحاشی کو دائمی بنا دیا گیا۔ شیعہ مذہب کی ایجاد سے یہودیوں کا اصل مقصود یہ تھا کہ اسلام کے نام پر اسلام کو مٹا دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے اس مقصد کے لیے بڑے منظم طریقے سے کام کیا۔ ایک طرف تو انھوں نے قبولِ اسلام کا اعلان کر کے اسلامی حکومت کے سزا یافتہ مجرموں، حکومت حاصل کرنے کے آرزومند طالع آزماؤں اور شکست خوردہ اقوام کے جذبۂ انتقام رکھنے والے دنیا پرستوں سے ربط قائم کیا اور انھیں ایک لڑی میں پرو دیا۔ اور دوسری طرف اہلِ بیت کی محبت کا لبادہ اوڑھ کر اور ان کے حقوق کی بربادی پر مگرمچھ کے آنسو بہا بہا کر بہت سے سادہ لوح اور ناآشنائے حقیقت مسلمانوں کو اپنے گرد سمیٹ لیا، اور اس طرح اہلِ بیت کے حمایتیوں کی ایک سیاسی اور فوجی قوت جمع کرلی۔ تاکہ ان کو بقیہ امت سے لڑا کر اس قدر خونریزی کرائی جائے کہ امت کی فوجی اور سیاسی قوت ٹوٹ کر ختم ہو جائے اور وہ پنپنے اور پھلنے پھولنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔ اور رفتہ رفتہ سوکھ کر ختم ہو جائے۔ اس چالبازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی تاریخ کے بیانات کے مطابق تنہا حضرت علی کے دور میں ان کی اور ان کے مخالفین کی باہمی جنگ کے اندر کوئی ایک لاکھ مسلمان خود مسلمانوں کی تلوار سے مارے گئے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ شیعہ مذہب کے ان موجد یہودیوں نے اسلامی عقائد و تعلیمات کو مسخ کرنے کا ایک جامع پلان بنایا، اسلام کا کلمہ لا إلٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ ہے۔ اس عقیدے کو ختم کرنے کے لیے ان یہودیوں نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اہل بیت کے متعلق ایسے ایسے خیالات اور عقیدے پھیلائے کہ پوری کائنات پر ائمہ اہل بیت کی خدائی تسلیم کرلی گئی، اور خدا کچھ نہ رہا۔ خود حضرت علی رض کے زمانہ ہی میں عقائد کا یہ فساد اس درجہ ترقی کرچکا تھا کہ کوفہ میں ایک بار شیعوں کی ایک جماعت نے یہ کہتے ہوئے حضرت علی کو سجدہ کردیا کہ یہ ہمارے خدا ہیں۔ حضرت علی نے ان گمراہوں کو آگ میں جلوادیا اور جب انھیں آگ میں ڈالا جانے لگا تو انھوں نے کہا کہ اب تو ہمیں اور یقین آگیا کہ آپ واقعی خدا ہیں۔ کیونکہ آگ کا عذاب خدا کے سوا کوئی اور نہیں دے گا۔ (اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آگ میں جلانا شرعاً منع ہے۔ بعد میں حضرت ابن عباس نے انھیں اس سے آگاہ کیا۔)

ان یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بالکل بے اثر، لغو اور عملی زندگی سے نکال باہر کرنے کے لیے ائمہ اہل بیت کو امت کا دلی بنا کر نبوت اور ولایت کے ایسے معنی بیان کیے کہ نبی کچھ نہ رہ گئے، ان کی حقیقت محض ایک وقتی رہ نما کی رہ گئی۔ اور اب جو کچھ امام کہے گا، وہی اسلام ہوگا اور وہی حجت شرعی ہوگا۔ اس عقیدے کو شیعوں کے دل میں جاگزیں کردینے کے بعد ائمہ کے نام پر کئی لاکھ حدیثیں گھڑی گئیں۔ اور طرح طرح کے مسائل ایجاد کیے گئے۔ تاکہ دین اسلام کی ساری تعلیمات کو تلپٹ کردیا جائے۔

دین کے حاملین اولین صحابہ کرام تھے۔ خلفائے راشدین کے زیر حکومت انھیں صحابہ نے اسلام کو پھیلانے اور نافذ کرنے کا معجزہ نما کارنامہ بھی انجام دیا تھا، اس لیے بعد کے لوگوں کے لیے دین کے جاننے اور حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی صحابہ کرام ہیں۔ ان کو درمیان سے ہٹا دیں تو امت اپنے دین سے کٹ جائے گی اور حصول دین کا ذریعہ ہی ناپید ہوجائے گا۔ پھر نہ قرآن قابل اعتماد رہے گا، نہ سنت رسول کے جاننے کی کوئی صورت ہوگی۔ چالاک یہودیوں نے بڑے لطیف راستے سے یہ کام انجام دیا۔ مشہور کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد حکومت کے حقدار وہی تھے، لہذا ان سے پہلے جن لوگوں نے حکومت پر قبضہ کیا۔ اور جنھوں نے اس قبضے کی موافقت کی وہ سب غاصب اور نص کی خلاف ورزی کی بنا پر کافر ہوئے۔ اسی طرح جن لوگوں نے حضرت علی کے دور حکومت میں ان سے جنگ کی، یا ان سے کنارہ کش رہے اور ان کا ساتھ نہ دیا، وہ سب بھی نص کے مخالف اور کافر ہیں۔ اس طرح چھ سات صحابہ کو چھوڑ کر باقی کوئی بھی صحابی رسول ایسا نہ بچا جو ان شیعوں کی نگاہ میں کافر نہ ہو۔ اور ایک بار جب صحابہ کے کافر ہونے کا عقیدہ دلوں میں بٹھا دیا گیا تو اب جو جتنے بلند پایہ صحابی تھے، ان کے متعلق اتنی ہی زیادہ برائیاں پھیلائی گئیں۔

حضرت علی اور اہل بیت کی حمایت میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد تھی جن میں سے بعض بہت ہی پرجوش

رپورتاژ

امریکہ میں چند دن

صفی الرحمٰن مبارکپوری

۴ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے سکریٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان کا ٹیلی گرام موصول ہوا کہ امریکی ریاست کیلی فورنیا کے شہر آرنج کاؤنٹی میں ۹ رتا ۱۱ ر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ کو ایک سیرت کانفرنس ہو رہی ہے تمھیں اس میں شریک ہو کر رابطہ کی نمائندگی کرنی ہے۔ اس ضمن میں تمھیں سیرت کے موضوع پر ایک تقریر بھی کرنی ہوگی۔ اگر اس سفر کے لیے تم تیار ہو تو اپنی منظوری سے مطلع کرو۔ میں نے مشورہ کے بعد منظوری کی اطلاع بھیجدی اور پھر وقت مقررہ پر کانفرنس میں شریک ہوا۔ اس سفر کے کئی پہلو قابل ذکر ہیں۔

بیرونی سفر کی لازمی کارروائیوں کے لیے سفر کی تاریخ سے چند دن پہلے دہلی پہونچنا ضروری تھا۔ میں دہلی تو ٹھیک وقت پر پہنچا، مگر سارا وقت بے نتیجہ تگ و دو کی نذر ہو گیا۔ صرف ایک دن باقی بچا اور ابھی ویزا اور ٹکٹ لینا تھا۔ اس موقع پر امریکی نظام کی چستی میرے کام آگئی۔ شام پانچ بجے ویزا لیا، ۷ بجے ٹکٹ لیا۔ ایک بجے رات تک دوسری کارروائیاں مکمل کیں اور دو بجے رات ہوائی اڈے پہونچا۔ ۴ بجے جہاز کی روانگی کا وقت تھا مگر وہ چار گھنٹے لیٹ تھا۔ مجھے لندن اتر کر لاس انجلیس کے لیے جہاز بدلنا تھا۔ تاخیر کے سبب اب اس کا چھوٹ جانا یقینی تھا۔ مجھے انگریزی نہ آتی تھی، لندن میں کسی سے واقف بھی نہ تھا۔ نام ویٹنگ لسٹ میں تھا، اس لیے ہوائی کمپنی بھی ذمہ دار نہ تھی۔ ان ساری مشکلات کا اندازہ دہلی ہی میں ہو گیا تھا۔ مگر اللہ کا نام لے کر روانہ ہو گیا۔ تاہم دہلی سے اندیشوں کی کشمکش جاری تھی۔

ساڑھے نو گھنٹہ بعد جرمنی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے "فرانکفرٹ" پر جہاز اترا۔ وہاں دوپہر بعد کا وقت تھا۔ ہلکا ہلکا بادل چھایا ہوا تھا جو ابھی برس کر تھما تھا، فضا بڑی پرکشش تھی، اس پر ہوائی اڈے اور شہر کا شاداب منظر مستزاد۔ مگر اندیشوں کے سبب مجھ میں کسی قدر بے دلی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہم لندن پہونچ گئے۔ اڈے — یعنی آزمائش کا مرحلہ آن پہنچا۔ جہاز رن وے پر آہستہ آہستہ چل ہی رہا تھا کہ دائیں جانب پان امریکن کمپنی کا ایک دوسرا دیوہیکل جہاز کھڑا دکھائی دیا۔ میرے قریب بیٹھے ہوئے لوگ گفتگو کر رہے تھے کہ یہ سان فرانسسکو جائے گا۔ جہاز سے باہر نکلا

تو ایک خاتون بھی ہمارے یہاں کی پرائیویٹ بس والوں کے انداز میں سان فرانسسکو کے نعرے لگا رہی تھیں ۔
اس موقع پر جغرافیہ سے میری دلچسپی کام آگئی ۔ اچانک خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی سان فرانسسکو چل دوں ۔ یہ کیلی فورنیا ہی کا ایک دوسرا شہر ہے ۔ اس طرح سات آٹھ ہزار میل کا سفر طے ہو جائے گا اور لندن میں ٹھوکریں کھانے سے بھی بچ جاؤں گا
میں نے ایک سکھ کے ذریعہ دریافت کرایا ، ان سے چند معاملات کے بارے میں میں نے مزید سوالات کر رکھے تھے ۔ آخر میں انھوں نے بتایا کہ میں گیٹ نمبر ۲۹ پر ٹرائی کر لوں ۔ اس دوران وہ خاتون صاحبہ اور سارے مسافر جا چکے تھے ۔ میں چند قدم ادھر ادھر بھٹک کر گیٹ نمبر ۲۹ پر پہنچ گیا ، اور مختلف جگہوں پر خصوصاً جہاز میں انگریزی کے جو الفاظ سن رکھے تھے ان کی مدد سے انگریزی کے چند جملے تیار کیے اور کاؤنٹر پر جا کر عرض کیا کہ میرا ٹکٹ دہلی سے لاس اینجلس تک ہے ، دہلی سے لندن آنے والا جہاز لیٹ تھا ۔ لندن سے لاس اینجلس جانے والا جہاز چھوٹ گیا ، کیا اب میں سان فرانسسکو جا سکتا ہوں ۔ ؟ مجھے اثبات میں جواب ملا ۔ اور منٹوں کے بجائے سکنڈوں میں کارروائی مکمل کر کے جہاز میں تیزی سے جانے کا اشارہ کیا گیا ۔ مجھے اندر پہنچے ہوئے بمشکل چند منٹ گزرے تھے کہ جہاز چل پڑا ۔
واشنگٹن میں کسٹم سے جہاز میں واپس ہوتے ہوئے چند مسلمان مل گئے ۔ ایک صاحب سان فرانسسکو جا رہے تھے اور خوش قسمتی سے تھوڑی تھوڑی عربی بھی جانتے تھے ۔ میں نے اپنا معاملہ عرض کیا ۔ اور طے ہوا کہ سان فرانسسکو میں ساتھ اتر کر اگلا انتظام کرا دیں گے ۔ وہاں سے دونوں آدمی ساتھ باہر آئے ۔ معاً مجھے خیال آیا کیوں نہ پان امریکن کمپنی سے کہیں کہ وہ مجھے لاس اینجلس بھیجنے کی ذمہ داری قبول کرے ۔ اور میں اپنے نئے رفیق کی رہنمائی میں اس کمپنی کے کاؤنٹر پر پہنچا ، انھوں نے معاملہ عرض کیا ۔ کاؤنٹر مین نے کمپیوٹر دیکھا اور کسی تکلف کے بغیر مجھے ٹکٹ دوچر دے کر ایک دوسری کمپنی ۔ پی ایس اے ۔ کے ذریعہ لاس اینجلس بھیج دیا ۔ اس دوران اپنے رفیق کی مدد سے میں نے کانفرنس کے ذمہ داران سے ٹیلی فون پر گفتگو بھی کر لی ۔ لاس اینجلس میں اردن کے ایک صاحب عدنان خطیب استقبال کے لیے موجود تھے ، ان کے ہمراہ آرینج کاونٹی روانہ ہوا ، اور کوئی ایک گھنٹہ بعد میریٹ ہوٹل کے کمرہ نمبر ۱۶۰ میں مغرب و عشاء کی تیاری کر رہا تھا تو ۳۶ گھنٹے کے اس سفر میں صرف ایک دن اور آدھی رات گزری تھی ۔

۲۴ دسمبر کو نماز جمعہ سے پروگرام کا آغاز تھا ۔ خطبہ اور نماز احمد حسین صقر صاحب نے پڑھائی ، یہ بیروت کے باشندے ہیں ، شکاگو کے قریب رہتے ہیں ۔ بڑے پر جوش اور ولولہ انگیز خطیب ہیں ۔ توحید اور اسلامی دعوت کے فروغ پر انگریزی میں خطبہ دیا ۔ ان کی تقریر سن کر بعض جوانوں کے چہرے آنسوؤں سے تر تھے ۔ نماز میں آمین اس زور سے بولی جاتی تھی کہ

مسجد گونج اٹھتی تھی۔ حالانکہ نمازیں ہر مکتب خیال کے لوگ تھے۔ نماز کے بعد مسجد کے بازو میں کھلی لان پر کھانے کا پروگرام تھا، جو مسجد کا ایک حصہ ہے۔ مسجد اصلاً ایک گرجا تھی جسے مسلمانوں نے خرید لیا۔ اس میں تقریر کا ایک بڑا سا ہال لائبریری اور اسلامک سوسائٹی آرنج کاؤنٹی کے دفاتر ہیں۔ رامپور کے مزمل صدیقی صاحب اس سوسائٹی کے ڈائرکٹر ہیں اور کانفرنس کے منتظمین میں انھیں کی شخصیت سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ موصوف خاصے سنجیدہ، عربی، اردو اور انگریزی سے اچھی طرح واقف اور بہترین منتظم ہیں۔ انھوں نے تقریر اور لکچرز سے لے کر کھانے پینے تک کا سارا پروگرام پہلے سے طے کر رکھا تھا۔ اور سارا کام اپنے مقررہ وقت اور مقررہ نظم کے مطابق انجام پاتا رہا۔ کسی کانفرنس میں ایسا نظم وضبط خال خال ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

نماز مغرب کے بعد اناہیم میں کرایہ کے ایک وسیع ہال کے اندر کانفرنس کا تقریروں اور لکچرز والا پروگرام شروع ہوا۔ مغرب اور عشا کے بعد ابتدائی کارروائیوں کے علاوہ ایک ایک تقریر ہوئی۔ اخیر میں سامعین کے سوالات کے جوابات دیے گئے۔

۱۰ ربیع الاول ۲۵ دسمبر کو ۹ بجے صبح سے ۱۰ بجے رات تک تقریروں اور لکچرز کا سلسلہ جاری رہا۔ ہر دو تقریر کے بعد چائے یا نماز اور کھانے وغیرہ کے وقفے ہوا کرتے تھے۔ جس سے سامعین کی چستی اور لگن برقرار رہتی۔ اس دن دوپہر سے کچھ پہلے مکہ بازی کے عالمی چمپین محمد علی تشریف لائے۔ تکبیروں کی گونج میں ان کی آمد کا اعلان ہوا۔ چند منٹ کے لیے مجمع کو خطاب کیا۔ اسی دن ظہر بعد کی پہلی مجلس میں ایک کالے نوجوان نے قبول اسلام کا اعلان کیا، جس پر زبردست نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔

مغرب بعد میریٹ ہوٹل میں کھانے کا پروگرام تھا اور اس سے فارغ ہوتے ہی وہیں تقریروں کا پروگرام شروع ہوگیا۔ سامعین کھانے کی میز پر بیٹھے تقریریں سنتے رہے۔ آخر میں چندے کی اپیل ہوئی اور دیکھتے دیکھتے ۳۵ ہزار ڈالر چندہ ہوگیا۔ جو دوسرے دن صبح ۵۵ ہزار تک پہنچ گیا۔

تیسرے دن ۱۱ ربیع الاول ۲۶ دسمبر کو ۹ بجے پھر پروگرام شروع ہوا۔ چار قاریوں کی قراءتیں ٹیپ کی گئیں۔ پھر مسٹر داؤد اسعد نے مغربی امریکہ کی مساجد اور اسلامی مراکز پر ایک رپورٹ پیش کی۔ موصوف اصلاً فلسطینی ہیں۔ اور نیویارک میں رابطہ کے دفتر کے نائب ڈائرکٹر اور "المجلس الاعلیٰ العالمی للمساجد (مکہ مکرمہ) کی شاخ یعنی امریکہ وکناڈا کی مساجد کی برّاعظمی مجلس کے جنرل سکریٹری ہیں۔ میرا اور ان کا مسلسل ساتھ رہا۔ موصوف بڑے خوش خلق ہیں اور عام عرب باشندوں کے برعکس مسلسل تگ ودو

میں مصروف رہتے ہیں ۔

کانفرنس کے اس پروگرام میں داؤد اسعد صاحب کے علاوہ اس علاقے کے اسلامی مراکز کے بعض دوسرے ذمہ داران نے بھی اظہار خیال کیا ۔ ظہر تک یہ مجلس جاری رہی ۔ اخیر میں مزمل صدیقی صاحب نے پاس شدہ قراردادیں پڑھ کر سنائیں اور مقررین و سامعین کے تشکریے کے ساتھ کانفرنس کے خاتمے کا اعلان کیا ۔

تقریروں کے عنوانات بڑی کاوش اور غور و خوض کے بعد منتخب کیے گئے تھے ۔ اور ان میں مسلمانوں کی موجودہ ضروریات و مسائل کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا ۔ کانفرنس کا ایک خصوصی مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں امریکن تہذیب کی بھٹی میں پگھل کر معدوم نہ ہو جائیں ۔ اس لیے اس پہلو کو نظر انداز نہیں ہونے دیا گیا تھا ۔ مقررین بھی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے اور ہم منرطے کے مقررہ وقت میں اپنے موضوع پر بڑی جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالتے تھے ۔

نشستوں کے نمبرات اور مقررین کے اسمائے گرامی کے ساتھ عنوانات ہدیۂ قارئین ہیں ۔

(۱) کلماتِ خیر مقدم : ڈاکٹر مزمل صدیقی صاحب، ڈائرکٹر اسلامک سوسائٹی ۔ آرینج کاؤنٹی ۔

سیرت پر چند کلمات : سید امیر حسین نقوی ۔ مقیم کناڈا ۔

(۲) محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بشر اور رسول : مولانا محمد یوسف اصلاحی ۔ ایڈیٹر ماہنامہ ذکریٰ رام پور

(۳) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم : ڈاکٹر عابد اللہ غازی انصاری شکاگو

سیرت اور حدیث کے چند اہم پہلو : ڈاکٹر عبید اللہ طیب سابق وائس چانسلر خرطوم یونیورسٹی ، سوڈان

(۴) خوراک و صحت سیرت نبوی کی روشنی میں : ڈاکٹر احمد حسین صقر ۔ پروفیسر غذائیات ، شکاگو ۔

اسلامی قوانین اور سیرت نبوی : ڈاکٹر مدثر صدیقی ریاض ، سعودی عرب

(۵) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بائبل میں : ڈاکٹر جمال بدوی ہیلی فاکس یونیورسٹی کناڈا ۔

سیرت نبوی اور ہماری زندگی میں اس کے تقاضے : صفی الرحمن مبارکپوری (نمائندہ رابطہ) از جامعہ سلفیہ بنارس ۔

(۶) سیرت اور حدیث کے چند اہم پہلو : ڈاکٹر عبید اللہ طیب سابق وائس چانسلر خرطوم یونیورسٹی ۔ سوڈان

مسلمانوں کے موجودہ مسائل اور سیرت کانفرنس : ڈاکٹر اسماعیل فاروقی پروفیسر ٹمپل یونیورسٹی فلاڈلفیا ۔

تاثرات بابت سیرت کانفرنس : ڈاکٹر مزمل صدیقی ڈائرکٹر اسلامک سوسائٹی آرینج کاؤنٹی و دیگر شرکائے کانفرنس

باقی صفحہ ۳۶ پر

نہایت ضروری

محدث ماہ جنوری ۱۹۸۳ء کے شمارے پر بہت سے خریداروں کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ انہیں پچھلے شمارے میں ص۲ پر دائرے میں سرخ نشان کے ذریعہ اسکی اطلاع کردی گئی ہے۔ لہذا ایسے تمام حضرات سے گذارش ہے کہ آئندہ کیلئے خریداری کی ششماہی یا سالانہ رقم ارسال کردیں۔ تاکہ محدث انکے نام جاری رکھا جا سکے۔

اگر کسی صاحب کے پرچے پر غلطی سے نشان لگ گیا ہو تو اطلاع ملتے ہی نظر ثانی کردی جائیگی۔ رقم اس پتے پر بھجیں۔

مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب، وارانسی (۲۲۱۰۱۰)

«منیجر محدث»

FEB. MUHADDIS 1983
THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث

بنارس

جلد ۲ • جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ • مارچ ۱۹۸۳ء • شمارہ ۳

ایڈیٹر

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

• سالانہ ۲۵ روپئے • ششماہی ۱۳ روپئے

• فی پرچہ ۲/۵۰ روپئے • بیرونِ ملک سے ۱۵ ڈالر

پتہ

خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA „ SALAFIA „ REORITALAB VARANASI - 221001

ٹیلی گرام: دارالعلوم ، وارانسی ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

تزئین و کتابت

مولانا قاری محمد زبیر • انور جمال

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

طابع: عبدالوحید

مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

خطاب بہ مسلم

شوق اعظمی

ہو عزم اگر عزمِ کامل، دشوار سبھی آساں ہو جائے
روشن ہو تمہارا مستقبل، ہر درد کا درماں ہو جائے

ہر کام ہو عزمِ محکم سے، مایوس نہ ہو فرطِ غم سے
دنیا تری سعیِ پیہم سے، انگشت بدنداں ہو جائے

اللہ کی رحمت پر ہو نظر، اخلاص میں وہ پیدا ہو اثر
ہاتھوں میں اٹھاؤ جو کنکر وہ لعل بدخشاں ہو جائے

ہوں لاکھ حوادث کے طوفاں، مشکل ہو تمہاری کل آساں
اغیار کا ہے جو وہم و گماں، اک خواب پریشاں ہو جائے

ہو دل میں خیالِ حسنِ عمل، ہاتھوں میں صداقت کی مشعل
تخریب کے چھٹ جائیں بادل، تعمیر نمایاں ہو جائے

آپس میں اگر تم مل جل کر، اک بار بہادو خونِ جگر
اسلام کا یہ پژمردہ شجر، صد رشکِ بہاراں ہو جائے

رشتہ ہو اخوت کا محکم، احباب کا غم ہو اپنا غم
ٹوٹے جو کسی پر کوہِ الم، ہر فرد پریشاں ہو جائے

دل صاف ہو مثلِ آئینہ، خالی ہو کدورت سے سینہ
اے شوق رہو تم بے کینہ، دشمن بھی ثناخواں ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش راہ

بحرِ ظلمات کے اس پار

پچھلے اور موجودہ شمارے میں راقم الحروف نے اپنے سفر امریکہ کی رپورتاژ پیش کردی ہے۔ کسی سفر کی رپورتاژ مرتب کرلینا کوئی مشکل کام نہیں۔ لیکن یہ کام سخت مشکل ہے کہ کسی قوم کے درمیان چند دن رہ کر اس کے عملی مظاہر سے اس کے صدیوں کے تہذیبی مزاج اور رجحان کی تہ تک رسائی حاصل کرلی جائے۔ مجھے اپنے ملک کے بعض بزرگوں کے سفرنامے پڑھ کر بعض دفعہ حیرت ہوتی ہے کہ ان بزرگوں نے اندرونِ ملک جن لوگوں کے درمیان اپنی زندگی گزار دی، ان کے رجحان و میلان، اور مزاج و کردار کی تہ تک تو نہ پہنچ سکے، اور ان کے مستقبل سے متعلق ایسی حقیقتوں کا مذاق اڑاتے رہے جو بالآخر امر واقعہ بن کر ظاہر ہوئیں۔ لیکن یہی بزرگ جب اپنے ملک سے باہر نکلے تو خدا جانے کہاں سے ایسی ذہانت و فراست پائی کہ چند گلیوں اور سڑکوں سے گزر جانے کے بعد اور ایک مخصوص طبقے کے چند افراد کا مہمان رہ لینے کے بعد پوری قوم کے خفی و جلی تک رسائی حاصل کرلی۔ اور اس قوم کے مستقبل کے بارے میں بڑی بے باکی سے پیش گوئی ثبت فرمادی۔ مجھے پورے عجز و نیاز کے ساتھ اعتراف ہے کہ میں ایسے اوصافِ کمال سے تہی دامن ہوں۔ اور مجھ سے اگر کسی نے اس طرح کی امید وابستہ کر رکھی ہے تو اسے مایوس ہونا پڑے گا۔ میں تو صرف یہ کرسکتا ہوں کہ امریکی کردار کے جو مظاہر میں نے خود دیکھے یا جنھیں اپنے ملنے جلنے والوں اور میزبانوں سے سنا انھیں قلم بند کردوں اور وہ بھی اس تحفظ کے ساتھ کہ "دروغ برگردنِ راوی۔ سنی سنائی سناتا ہوں۔"

یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ مغربی دنیا نے اپنی زندگی کے سارے مسائل و معاملات کو خدائی ہدایت و رہنمائی سے بے نیاز اور آزاد کرلیا ہے۔ اور اس تصور اور عقیدے کو اپنے ذہن سے کھرچ کر پھینک دیا ہے کہ کوئی بالاتر ہستی یا غیبی طاقت ان کے اعمال و کردار کی نگرانی و نگہداشت کر رہی ہے۔ اور اس ہستی کے سامنے ایک دن اپنے اعمال و کردار کی جوابدہی کرنی ہے، اور اس کی جزا و سزا بھگتنی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان جب اس عقیدے اور شعور سے خالی ہوجائے

تو اس کے اندر اخلاقی حس اور اخلاقی شعور کی کوئی ٹھوس بنیاد باقی نہیں رہ جاتی ۔ وہ اپنے آپ کو ایک ترقی یافتہ حیوان سمجھنے لگتا ہے ۔ اور اس کا منتہائے مقصود لے دے کر مادی ترقی و سربلندی، دنیاوی زندگی کی آسائش، لذت و سرور، کیف و مستی، خواہشات نفس کی تسکین اور حیوانی جبلت کی تکمیل رہ جاتی ہے ۔ ایسا انسان بڑے سے بڑا کام بھی جو کرتا ہے وہ اسی پست مقصد کے محور پر گردش کر رہا ہوتا ہے ۔ مغربی دنیا کا اصل المیہ یہی ہے اور انسان کے اندر سلامت روی اور حقیقت پسندی کی جو فطری صلاحیت یا خصوصیت ودیعت کی گئی ہے، اس کے باوجود مغربی دنیا اور مغربی تہذیب پر مذکورہ بالا انداز فکر کے برے نتائج و اثرات بہت ہی واضح اور نمایاں ہیں ۔

یہاں ایک طرف دنیاوی آسائشوں کی تلاش میں مادی ترقی اس مقام کو پہنچ گئی ہے کہ گویا ان حضرات نے دنیا ہی کو جنت بنا ڈالنے کی کوشش کی ہے ۔ دوسری طرف لذت و سرور حاصل کرنے کی بے لگام خواہشات کا نتیجہ یہ ہے کہ تقریباً پوری قوم شراب و شباب کی آوارگیوں کی رسیا بن گئی ہے ۔ عیاشی و ہوس رانی، جنسی انارکی بلکہ ہم جنسی کی لت بھی وبائی شکل اختیار کیے ہوئے ہے ۔ مزید ستم یہ ہے کہ مادہ پرستی کے خود غرضانہ اصولوں نے اس جنسی آوارگی کو ایک معاشرتی ضرورت اور مجبوری میں تبدیل کر دیا ہے ۔ یہاں اولاد کے بالغ ہوتے ہی ماں باپ ان کی معاشی ذمہ داریوں سے دستکش ہو جانا چاہتے ہیں ۔ اور ان کی روزی روٹی کا بندوبست خود ان کے سر جا رہتا ہے ۔ لڑکے اور لڑکیاں اپنی شادی کے بھی ذمہ دار خود ہیں ۔ اس کے لیے دونوں فریق کو قابل اعتماد " فرد کی تلاش میں بہت سی " دوستیوں " کے تجربات سے گزرنا ناگزیر ہوتا ہے ۔ تاکہ کوئی ایک دوست زندگی بھر رفاقت کے لیے تیار ہو جائے ۔ اس طرح جنسی پیاس کے اندھے تقاضے کے علاوہ معاشی مجبوریوں اور معاشرتی اصولوں نے بھی جنسی آوارگی کو ایک ناگزیر ضرورت بنا دیا ہے ۔ اس کا بھیانک اور حیاسوز نتیجہ ہمارے بعض دوستوں نے یہ بتلایا کہ وہاں مائیں خود اپنی بیٹیوں کو جنسی ترغیب کے فنون سکھاتی ہیں ۔ اور لڑکیاں اپنے جنسی تعلقات کے تذکرے اپنے والدین سے کرتی ہیں ۔ اور والدین اسے سن کر خوش ہوتے اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں ۔ حد یہ ہے کہ اگر کوئی نوعمر لڑکی شادی سے قبل جنسیاتی تعلق پیدا کرنے سے کتراتی ہے تو والدین کو فکر دامن گیر ہو جاتی ہے اور وہ اسے سائیکالوجی کے ماہرین کے پاس لے کر پہنچ جاتے ہیں ۔ اس صورتحال کے نتیجے میں اخلاقی پامالی و بے حسی کے علاوہ کنواری ماؤں کی کثرت اور خطرناک جنسی بیماریوں کی وبا عام ہے ۔ اور امریکی معاشرہ جسمانی، مالی، اور خاندانی تباہی، عدم تحفظ اور دوسری مختلف صورتوں میں اس کی سزا بھگت رہا ہے ۔ یہاں اغوا، قتل و غارت گری اور دوسرے انسانی مصائب بڑے پیمانے پر برپا ہو چکے ہیں ۔ نیویارک جیسے شہروں میں ۱۸ ۔ ۲۰ برس کے نوجوانوں کی خاصی تعداد ایسی ہے جو معاشرے کے لیے مستقل دردِ سر ہے ۔ شراب پینا ۔ رات کی تاریکی میں

یا سنسان گلیوں میں آنے جانے والے اکادکا لوگوں کو گولی مار دینا یا لوٹ لینا، عورتوں کو اغوا کر کے اپنی ہوس کا شکار بنانا، پھر قتل کر دینا یا زخمی حالت میں چھوڑ دینا، ان نوجوانوں کا عام معمول ہے۔ اسی لیے لوگ اپنی آمد و رفت میں وقت اور جگہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ پانی سر سے اونچا ہو جانے کے بعد اب کچھ حضرات کو ہوش آیا ہے اور وہ نئی نسل کو ان بیماریوں کی ہولناکی سے ڈرا کر لگام لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ اصل مرض کا علاج نہیں ہے۔ ادھر یہود اپنے دیرینہ مقاصد کے لیے انھیں مزید گندگی میں ملوث رکھنا ہی تریں مصلحت سمجھتے ہیں۔ پھر ٹیلی ویژن اور فلموں کی عریانیت کی دھما چوکڑی میں اس طرح کے عقلی، علاج کا کامیابی سے ہمکنار ہونا آسان بھی نہیں ہے۔ اس کے لیے تو ایسے انقلابی اور طاقتور ایمان کی ضرورت ہے جو قوت کے تند و تیز طوفانوں اور دھاروں کا رخ موڑ کر رکھ دیتا ہے اور باطل تہذیبوں کو زیر و زبر کر ڈالتا ہے۔ یعنی جس میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ ؎

عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام

اس موقع پر یہ بات بڑی حسرت سے لکھنی پڑتی ہے کہ ابھی تک امریکہ کی سرزمین پر اس کام کا آغاز نہیں کیا گیا ہے۔ کچھ مسلمان اپنی داخلی اصلاح کی بحیثیت بھرت، میں ضرور مصروف ہیں۔ مگر وہ اپنے دائرے سے قدم باہر نکالنا خدا جانے کیوں خلاف مصلحت سمجھتے ہیں۔ کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جو اسلام کے نام پر ذہنی آوارگی کا شکار ہیں اور دین ایمان و شریعت کو اس کی بلندیوں سے اتار کر نظریے اور نظام کی پست ترین فلسفیانہ سطح پر لانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ اور دانستہ یا نادانستہ طور پر مسلمانوں کے درمیان دیواریں کھڑی کرنے کا کام انجام دے رہے ہیں۔ وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔ اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ہی ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے کفر و ضلالت، بدعملی و گمراہی، خدا ناشناسی اور اخلاقی بے حسی و بے غیرتی کی تہ در تہ تاریکیوں — ظلمات بعضها فوق بعض — میں بھٹکتی ہوئی اس قوم کی دستگیری کے لیے کوئی آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔ شکاگو میں ایک محترم نے بتایا کہ یہاں عرب و عجم کے چوٹی کے علماء آئے۔ مسلمانوں میں بڑی گرمجوشی کے ساتھ تقریریں کیں۔ مگر یہاں کے مفکرین، دانشوروں، یونیورسٹی کے اساتذہ اور دوسرے مختلف شعبوں کے ماہرین سے مل کر تبادلۂ خیال کرنے، اسلامی اصول و مبادی کی وضاحت کرنے، اس قوم کی دکھتی رگوں پر انگلی رکھنے اور انھیں اس کا ربانی علاج سمجھانے کی نہ کوئی کوشش کی۔ اور نہ شاید اس کی ضرورت ہی محسوس کی۔ انھوں نے کہا کہ یہ چوٹی کے حضرات اگر ان سے گفتگو اور تبادلۂ خیال نہ کریں گے۔ تو بھلا ہمارے جیسے لوگ کیا کر سکتے ہیں، جن کی معلومات اسلامیات کے سلسلے میں صرف واجبی قسم کی ہیں۔

یہ بات ہم نے اخباروں میں پڑھی بھی تھی اور یہاں آکر سنی بھی کہ کالی نسل کے لوگ تو اکا دکا مسلمان ہوتے رہتے ہیں۔ مگر

گوری نسل میں یہ سلسلہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں نے اس کی وجہ مختلف حضرات سے دریافت کی اور یہ سوال بار بار اور جگہ جگہ دہرایا کہ کیا گوری نسل مسلمانوں سے بہت زیادہ تعصب رکھتی ہے؟۔ جواب میں مجھے بتایا گیا کہ مسلمانوں کے خلاف اندھا بہرا تعصب تو صرف یہودی رکھتے ہیں۔ عیسائیوں میں بھی ایک تاریخی حساسیت رکھنے والا طبقہ ایسا ضرور ہے، جس کے سینے میں صلیبی عداوت کے شعلے دہکتے رہتے ہیں۔ غالباً یہ طبقہ مسلمانوں کے ہاتھوں مغرب کی قرنہا قرن کی پسپائی کو بھولا نہیں ہے۔ اور بدقسمتی سے یہی طبقہ ملک کی زمام کار پر قابض ہے۔ یہ طبقہ شخصی اور انفرادی معاملات میں تو تعصب یا چھوٹے پن کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ لیکن وہ اجتماعی اور بین الاقوامی معاملات میں مسلمانوں کو اپنا دریوزہ گر اور اچھوت بنانے کا گویا عہد کیے بیٹھا ہے۔ اور وہ اپنی بساط بھر مسلمانوں کے کسی ایسے اقدام کو کامیاب نہیں ہونے دے سکتا جس کے ذریعہ وہ دنیا میں ایک موثر طاقت بن کر ابھر سکتے ہوں۔

مجھے بتایا گیا کہ ان دو طبقوں کو مستثنیٰ کر لیجیے تو باقی عیسائی عوام میں آپ کو تعصب کا پتہ نہیں چلے گا۔ ایک صاحب نے تو بڑی صفائی سے کہا کہ قرآن مجید کی اس آیت کا مطلب مجھے یہاں آکر خوب سمجھ میں آیا کہ۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۔ (المائدہ: ۸۲) یعنی تم اہل ایمان کا سب سے بڑا دشمن یہودیوں اور شرک کرنے والوں کو پاؤ گے، اور تم اہل ایمان کے ساتھ سب سے زیادہ قریبی محبت رکھنے والا ان لوگوں کو پاؤ گے۔ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان تفصیلات کے سامنے آنے کے بعد اس معاملے میں میرا تجسس اور کرید اور بڑھ گئی کہ آخر اسلام کا تھوڑا سا جو پھیلاؤ ہے وہ کالی نسل ہی تک محدود کیوں ہے؟۔ اس کا جو کچھ سبب لوگوں کی زبانی معلوم ہو سکا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ گوری نسل میں تبلیغ اسلام کی کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ کچھ تھوڑی سی کوشش ہوتی بھی ہے تو وہ صرف کالوں میں ہوتی ہے۔ یوں بھی کالی نسل کے کچھ لوگ گوری نسل سے اپنی راہ الگ بنانے کی مجبورانہ کیفیت میں جب اسلام سے متعارف ہوئے تو انھوں نے اپنے ابنائے جنس میں تبلیغ اسلام کے لیے بڑی گرمجوشی سے کام کیا۔ اس طرح کچھ قدیم مسلمانوں اور زیادہ تر جدید مسلمانوں کی کوششوں کی بدولت کالوں میں اسلام پھیل رہا ہے۔ لیکن گوروں کو نہ تو باہر سے آئے ہوئے مسلمان دعوت اسلام دے رہے ہیں، نہ کالوں کی طرف سے ان میں تبلیغ اسلام کے واضح امکانات ہیں۔ کیوں کہ صدیوں سے انھیں اچھوتوں جیسی حیثیت دے رکھی گئی ہے۔

اس کے بعد مجھے یہ بھی جاننے کی خواہش تھی کہ اگر پوری مستعدی کے ساتھ گوری نسل میں تبلیغ اسلام کی کوشش کی جائے تو کامیابی کے کیا امکانات ہیں؟ ظاہر ہے اس کا جواب دینا ہر شخص کے لیے ممکن نہیں۔ بعض بعض حضرات جو ان لوگوں کے حالات کا طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ہر طرح کی آسائشِ دنیا کی فراہمی کے باوجود یہ لوگ اپنے اندر ایک نامعلوم خلا، ایک اندرونی کشمکش اور ایک انجانی الجھن اور بے چینی محسوس کرتے ہیں۔ بعض بعض لوگوں میں یہ اضطراب و بے قراری اس درجہ ترقی کر جاتی ہے کہ وہ سکون کی تلاش میں ادھر ادھر کی خاک چھاننی شروع کر دیتے ہیں اور جو چیز دل کو بھا جاتی ہے اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہ پیاس درحقیقت روح کی مسلسل محرومی کی پیاس ہے۔ اور یہ اندرونی کرب واذیت اور بے چینی و بے قراری درحقیقت مسلسل روندی اور کچلی جانے والی مجروح روح کی تڑپ ہے۔ خود میں نے بھی ایک نومسلم کے قبولِ اسلام کی داستان میں خوشحال لوگوں کی اس داخلی بے چینی کی تفصیلات پڑھی ہیں۔ انسان اس طرح کی بے قراری اور پیاس کا شکار ہونے کے بعد قبولِ حق کے لیے منطق اور فلسفے کے دلائل سے سمجھائے جانے کا محتاج نہیں رہتا۔ بلکہ حق کی طرف اس کا دل اسی طرح کھنچتا چلا جاتا ہے، جیسے پیاسا آبِ زلال کی طرف۔ امریکن قوم میں اس کیفیت کی موجودگی کے معنی یہ ہیں کہ یہاں اشاعتِ اسلام کے امکانات روشن ہیں۔ یہاں ایمان و یقین کی قندیلیں جلانے اور شمعیں روشن کرنے کی ضرورت ہے اور یہ بھی کہ حق کو منطقی اور فلسفیانہ دلائل کی بوجھل بیڑیاں پہنائے بغیر اس کی سادہ اور شفاف شکل میں پیش کیا جائے۔

بات طول اختیار کر گئی۔ میرا ارادہ اپنے بعض مشاہدات لکھنے کا تھا مگر میں مسموعات ہی لکھتا چلا گیا۔ اس لیے اب چند پہلو مشاہدات کے بھی پیش کر دوں۔ شاید کچھ فائدے اور عبرت کی باتیں مل جائیں۔

میری عادت ہے کہ جب میں کسی علاقے میں جاتا ہوں تو وہاں کے عام معاشرتی حالات اور قومی خوبیاں جاننے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرا یہ ذوقِ تجسس سفرِ امریکہ کے دوران کچھ فزوں تر ہی تھا۔ اس کا حاصل ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں۔

سہل اور چست نظام

امریکہ کے سلسلے میں جو چیز سب سے پہلے ہمارے جیسے لوگوں کو متاثر کرتی ہے وہ اس ملک کا چست نظام ہے۔ اس نظام کے متعلق میں نے ایک کہاوت سن رکھی تھی کہ "یہاں صحیح کام رکتا نہیں اور غلط بات چلتی نہیں ـــ یا غلط سفارش چلتی نہیں ـــ" اس کا تجربہ دہلی سے لاس اینجلس تک کئی بار ہوا۔ دہلی میں امریکہ کا ویزا لینے کے لیے امریکی سفارتخانے میں نہ لائن لگانی پڑتی ہے، نہ کسی سے کچھ گزارش کرنی پڑتی ہے نہ طول طویل انتظار، نہ دوڑ دھوپ کی مشقت۔ سفارتخانے کی عمارت کے "ویزا سیکشن" میں عوامی نشست گاہ کے سامنے کنارے راہداری کے سرے پر لکڑی کا ایک سفید بکس نصب ہے۔ جس پر ویزا فارم رکھا ہوتا ہے۔ آپ یہ فارم پُر کر کے

صبح ۸ ½ بجے سے ۱۲ ½ بجے کے دوران کسی بھی وقت پاسپورٹ سمیت اس بکس میں ڈال دیں۔ چند منٹ بعد سامنے کی کسی کھڑکی پر آپ کو پکار کر ضروری استفسارات کر لیے جائیں گے۔ اور فوراً ہی آپ کو بتا دیا جائے گا کہ ویزا مل سکتا ہے یا نہیں۔ (نہ ملنے کا سوال صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی بنیادی خامی ہو۔) ویزا ملنے والا ہے تو آپ کو اسی وقت ایک سلپ دے دی جائے گی۔ جسے لے کر آپ اسی دن ۴ ½ بجے شام کو حاضر ہوں گے تو آپ کا ویزا جو بنا بنایا تیار رہے گا فوراً مل جائے گا۔

اس انتظام کی سہولت اور تیز رفتاری کی قدر وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں ویزا لینے کے لیے دہلی میں ہمارے اسلامی ممالک کے سفارت خانوں کا ہفتوں اور کبھی کبھی مہینوں چکر لگانا پڑتا ہے۔ اور دن دن بھر بھوکے پیاسے لائن میں کھڑے رہنے کے باوجود بارہا ناکام و نامراد واپس لوٹنا پڑتا ہے۔

امریکی نظام میں سفارت خانہ ہی نہیں بلکہ جن جن اداروں سے سابقہ پڑا ہر جگہ یہی چستی اور جھٹ پٹ کام نمٹا دینے کا اصول کارفرما نظر آیا۔ بینک میں چیک یا ڈرافٹ بھنانے کے لیے بمشکل ایک دو منٹ درکار ہوتے ہیں۔ اندرون ملک یا دنیا میں کہیں بھی ٹیلی فون کرنا ہو تو ایک منٹ کے اندر اندر لائن ملا دی جاتی ہے۔ اسی طرح کی تیز رفتاری مجھے پان امریکن ایرلائن کے کاؤنٹروں پر لندن میں روٹ بدلوانے اور سان فرانسسکو میں باقیماندہ سفر کے لیے ٹکٹ وغیرہ کی مراعات حاصل کرنے کے مطالبے کے مواقع پر دیکھنے میں آئی۔ لندن میں تو فیصلے اور ساری کارروائی میں شاید ۳۰ - ۳۵ سکنڈ لگے ہوں گے۔ جبکہ ہمارے یہاں اس طرح کے فیصلے حاصل کرنے میں کئی کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ اور فیصلہ عموماً مسافر کی مرضی کے خلاف ہی ہوتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ امریکہ میں سارے محکموں اور اداروں کے اندر رفتار کی تیزی کا یہی عالم ہے۔ بہت سے ہوٹلوں نے بھی اس طرح کا بندوبست کر رکھا ہے کہ آدمی اپنی کار کے اندر بیٹھا بیٹھا آرڈر دینے کے بعد صرف ایک منٹ کے اندر اپنی مطلوبہ چیز پا جاتا ہے۔

شائستگی

اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس ملک کے کلرکوں سے لے کر آفیسروں تک ہر طبقے کا سلوک اور برتاؤ ہمارے ملک کے کرسی نشینوں سے بالکل مختلف ہے۔ وہاں نہ کوئی شخص تحکمانہ لب ولہجے میں بات کرتا دکھائی پڑا، نہ کسی کے طرزِ عمل سے حاکمانہ شان و شوکت اور غرور و تکبر کا مظاہرہ ہوا۔ بلکہ گفتگو اور طرزِ عمل دونوں سے خدمت اور فرض کی بجاآوری کا انداز واضح تھا۔ اور معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت ہر محکمے کے کارندوں میں عام ہے۔ پولیس تک کا یہ حال ہے کہ مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے ٹریفک کے اصول کی خلاف ورزی کی تو پولیس والا نہ ڈنڈے دکھائے گا۔ نہ گالی

کوچ کیے گا۔ نہ کار ضبط کرے گا، نہ رشوت کا مطالبہ کرے گا۔ بلکہ صرف ایک کارڈ تھما کر رخصت ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص غلط جگہ کار کھڑی کر کے کہیں چلا گیا تو پولیس والا اس کی واپسی کا بھی انتظار نہ کرے گا بلکہ اس کی کار پر کارڈ چپکا کر چلا جائے گا۔ اب کار والے کو اختیار ہے کہ اس چالان کارڈ پر لکھا ہوا جرمانہ مقررہ محکمہ کے حوالے کردے۔ یا متعلقہ عدالت میں مقررہ تاریخ پر حاضر ہو کر چالان کو چیلنج کرے۔ اس صورت میں پولیس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ کار والے کی غلطی کا ثبوت مہیا کرے۔ اگر کار والا خاموش بیٹھا رہے تو اس کا اندراج کمپیوٹر میں ہو جاتا ہے اور اس سے ہر ایک بچنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ مزید دو بار کی خلاف ورزی کے بعد لائسنس ضبط ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ محکمہ کوئی سا بھی ہو۔ انسان کے ساتھ برتاؤ شریفانہ ہوتا ہے۔ لوگوں کو تنگ کرنے، ان کی ضرورتوں سے بے اعتنائی برتتے ہوئے کرسی پر کروفر کے ساتھ بیٹھے رہنے، لوگوں پر رعب جمانے، ان سے جھڑک اور ڈپٹ کر باتیں کرنے اور ان کے ساتھ ذلت آمیز رویہ برتنے کی جو ذلیل حرکتیں ہمارے ملک کے بابو صاحبان اور کرسی نشین کلرکوں کا شعار بلکہ طرۂ امتیاز ہیں، اس کی وبا امریکی محکموں میں نہیں ہے۔

مفید سسٹم غالباً نظام کو زیادہ سے زیادہ چست، تیز رفتار اور سہولت بخش بنانے کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ ملک کے باشندوں سے لے کر سڑکوں گلیوں اور مکانات تک سب کچھ منظم ہے۔ نمبر سسٹم کے حساب سے ملک، ریاست، شہر، ایریا، محلہ، اور مکانات، سڑک، گلی وغیرہ کی تقسیم کی گئی ہے۔ یہ تقسیم یا تنظیم بڑے سہل اصولوں پر ہے، اور ان کی مدد سے امریکہ کے ایک کنارے رہنے والا آدمی اگر دوسرے کنارے پر یعنی تین ہزار میل دور رہنے والے کسی آدمی کے مکان پر جانا چاہے اور پہلی بار وہاں جا رہا ہو تو بھی پورا راستہ اپنی کار سے طے کر کے کسی سے کچھ پوچھے بغیر ٹھیک اس کے مکان کے سامنے پہنچ سکتا ہے۔ اس کو صرف ایریا روڈ اور مکان کے نمبرات کا صحیح پتہ ہونا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے سڑک پر جگہ جگہ بورڈ لگے ہوئے ملیں گے۔ شہروں میں سڑکوں پر چوراہے بڑی کثرت سے ہیں۔ جنھیں کراس کرنے کے لیے ساری دنیا میں ہری بتی کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یہاں اس قانون کے ساتھ عملاً یہ سہولت فراہم کی گئی ہے کہ آپ ایک چوراہا پار کر کے ۲۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آگے بڑھیں تو جب تک اگلے چوراہے پر پہنچیں گے آپ کی ہری بتی کا نمبر آچکا ہوگا۔ اور آپ انتظار کیے بغیر آگے بڑھ سکیں گے۔ اس رفتار سے چلتے ہوئے آپ کو کسی بھی چوراہے پر رکنا نہیں پڑے گا۔ ہر جگہ آپ کو ہری بتی والا سگنل ملتا جائے گا۔

ڈسپلن کی پابندی یہاں کے عام باشندے بھی ڈسپلن، نظم و ضبط اور دوسروں کے حقوق کی رعایت کے

عادی نظر آتے ہیں۔ دو چار آدمی بھی کسی ایک کام کے امیدوار ہیں تو فوراً لائن لگ جاتی ہے۔ ہمارے یہاں شہروں میں لاؤڈ اسپیکر اور ریڈیو وغیرہ پر گانوں اور اعلانات وغیرہ کا شور برپا رہتا ہے جس سے علمی شغلہ رکھنے والوں کو بہت زیادہ زچ ہونا پڑتا ہے یہ چیز امریکہ کے شہروں میں مطلقاً دیکھنے میں نہیں آئی۔ لوگ اپنا شوق اپنے گھروں یا بند محفلوں میں پورا کر لیتے ہیں۔ ہم لوگ میرٹ ہوٹل سے ۲۶ دسمبر کو آخری بار نکل رہے تھے۔ اتنے طلبہ اور طالبات کا آنا زبردست ریلا آگیا کہ میری زبان سے بے ساختہ نکلا و اذا الوحوش حشرت (جب وحشیوں کو جمع کیا جائے گا۔) ایسے مواقع پر ہمارے ملک کے طلبہ جیسی بدتمیزیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ مگر انھوں نے نہ دوسروں سے کوئی تعرض کیا۔ نہ باہم کسی چھچھورے پن کا مظاہرہ کیا۔ کئی سو کے ایک اور مجمع میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ غور کیا تو ہر شخص اپنے ساتھی سے گفتگو میں مصروف تھا مگر شور بالکل نہ تھا۔ اس طرح کے بیسیوں ایسے مظاہر دیکھنے میں آئے جن میں دوسروں کی رعایت اور ان کے ساتھ ہمدردی و تعاون اور انسانیت کا سلوک بالکل واضح تھا۔ دنیا امریکی قوم میں انسانی مصائب اور ان کی غیر انسانی حرکات کا بڑا تفصیلی تذکرہ کرتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان مصائب کا گڑھ یعنی نیویارک خود اس قوم میں خاصا بدنام ہے۔ (غالباً ان مصائب کی بنیاد یہودی ہیں، جو اس شہر میں کثرت سے آباد ہیں۔) اس سے یہاں کے عام مزاج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سادگی و جفاکشی

امریکی قوم کی ایک اور خصوصیت سادگی اور جفاکشی ہے۔ یہاں لباس اور زیب و زینت کا اتنا اہتمام دیکھنے میں نہیں آیا جتنا ہمارے یہاں کے کچھ خاص طبقات میں دکھائی پڑتا ہے جفاکشی عام ہے اور اس کے بغیر آدمی زندگی کے مسائل سے نمٹ نہیں سکتا۔ اور شاید اسی بنیاد پر یہ قوم صبح سویرے اٹھنے کی عادی ہے۔ میں آرنج کاؤنٹی میں صبح سویرے اپنے میزبان کے مکان سے باہر کے مناظر دیکھتا۔ قریب ہی نیشنل ہائی وے روڈ تھی۔ ان دنوں کرسمس کی چھٹی تھی۔ اور لوگوں کو ڈیوٹی پر نہیں جانا تھا۔ اس کے باوجود سڑک پر کاروں کا زبردست ہجوم دوڑتا نظر آتا۔ شکاگو سے جس دن نیویارک آنا تھا۔ فجر بعد جھٹ پٹ ناشتہ کرکے ہوائی اڈے چل پڑے۔ سڑک دن بھر کی طرح اور اتنی کشادہ کہ ایک طرف سے چار گاڑیاں جاتی تھیں اور دوسری طرف سے چار گاڑیاں آتی تھیں۔ اس کے باوجود جگہ جگہ کار روکنی پڑتی تھی۔ اس پر بھی ہمارے محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے بتایا کہ ابھی بھیڑ کم ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ کتنی سویرے اٹھتے ہیں کہ تمام ضروریات اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر دن نکلتے نکلتے ڈیوٹی پر چل دیتے ہیں۔

ایمانداری

امریکی قوم میں ایمانداری اور دیانت بھی شاید ہمارے یہاں سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ میں ہوٹل میں تین

دن رہا ۔ اور ہر روز میری غیر موجودگی میں کمرے کی صفائی ہوئی ۔ پہلے دن میں تاج الدین صدیقی صاحب کے ہمراہ کمرے سے باہر نکلا ۔ ان سے پوچھا سامان محفوظ تو رہے گا ۔ کہنے لگے کچھ رقم ہو تو جیب میں ڈال لیجیے ۔ بقیہ سامان کے بارے میں کوئی خدشہ نہیں ۔ مجھے یاد ہے کہ مدینہ میں حرم ہوٹل کے اندر ہمارا قیام تھا ۔ کمرہ چھوڑنے کے بعد صفائی ہوئی ۔ ہمارے ڈرائیور کے بہنوئی کا ایک کرتا اندر رہ گیا تھا ۔ ہمارے نکلتے ہی غائب کر دیا گیا ۔ کافی تلاش اور پوچھ گچھ کے باوجود نہ مل سکا ۔

آرنج کاؤنٹی میں رات کو بحیثیت مہمان ہارون پاریکھ صاحب کے ہمراہ ان کے گھر پہنچا ، دیکھا تو جوتے مکان کے باہر نکالے جاتے ہیں ۔ حالانکہ مکان لب سڑک ہے ۔ اور جوتے بڑے قیمتی قسم کے ۔ پوچھا یہاں چوری نہیں ہوتی کہنے لگے کبھی اتفاقیہ ہو جاتی ہے ۔ وہ بھی جوتے کی نہیں ، ٹی وی وغیرہ جیسی کسی اہم چیز کی ۔ مجھے بے ساختہ اپنے ملک کی مساجد یاد آگئیں ، جہاں سے جوتے غائب ہونے کی وبا عام ہے ۔ بلکہ ہماری اس غلط کاری کی وجہ سے حرم شریف بھی محفوظ نہیں ۔

عیسائی چوں کہ سور خور قوم ہے اور سور کی چربی کھانے پینے کی مختلف چیزوں میں بے دھڑک استعمال کرتی ہے اس لیے مجھے کھانے کی مصنوعات استعمال کرنے میں خاصا تردد ہوا کرتا تھا ۔ اور میں نے میزبانوں سے کئی بار اس بارے میں کرید کی ۔ ہر دفعہ مجھے ایک ہی جواب ملا کہ یہاں پیکنگ پر مصنوعات کے سارے اجزا لکھے ہوتے ہیں اور اس میں کوئی فریب نہیں ہوتا ۔ یہ قوم ملاوٹ کا فن جانتی ہی نہیں ۔

ایماندار مشینیں

یہاں خودکار مشینوں کی کثرت ہے ۔ لوکل ٹرینوں کے زمین دوز پلیٹ فارم پر جانے کے لیے سیڑھی کے پاس کمر جتنے اونچے دروازے ہوتے ہیں ، جن سے بیک وقت ایک ہی آدمی داخل ہو سکتا ہے ۔ ایک آٹومیٹک پائپ دروازے کو روکے رہتا ہے ۔ دروازے کے سرے پر پیسہ ڈالنے کی ایک جگہ بنی رہتی ہے ۔ اگر اس میں پیسے ڈال کر آگے بڑھیں تو پائپ ہٹ جائے گا ورنہ نہیں ۔ اس لیے پائپ کے اس پار پہنچ جانا ہی اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے کرایہ " ادا کر دیا ہے ۔ اب نہ کوئی ٹکٹ لینا ہے ، نہ کوئی ٹی ٹی ہے ، نہ چیکنگ ہے ۔ داخلے کے دروازے اور پائپ دونوں کی اونچائی صرف اتنی ہے کہ ہر آدمی پیسے ڈالے بغیر آسانی پھلانگ کر اس پار جا سکتا ہے ۔ بیٹھ کر نیچے سے بھی پار ہو سکتا ہے ۔ ہمارے یہاں ایسی صورت ہو تو شاید ہی چند افراد کرایہ ادا کریں ۔ مگر یہاں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نظر نہیں آیا جس نے پیسہ ڈالے بغیر یہ رکاوٹ پار کی ہو ۔ حالانکہ یہ تماشہ میں نے نیویارک میں دیکھا جہاں کے لوگ بدمعاشی میں ضرب المثل ہیں ۔

ڈاک خانے میں ٹکٹ اور لفافے وغیرہ مشینیں بیچتی ہیں ۔ آپ مقررہ جگہ پر سکہ ڈال دیں اور جس قیمت کا ٹکٹ لینا

مطلوب ہو اس کے سامنے کی بٹن دبا دیں، ٹکٹ نکل آئے گا۔ آپکے کچھ پیسے اگر فاضل تھے تو مشین اتنے پیسے واپس دے دیگی اور اگر آپنے کم پیسے دیے ہیں تو مشین آپکے آرڈر کی تعمیل نہیں کرے گی، اور مزید پیسوں کا انتظار کرے گی۔ آپکے پاس سکے نہ ہوں تو آپ مشین سے نوٹ بھنا سکتے ہیں۔ لیٹر بکس کے سوراخ جیسے ایک سوراخ پر ایک رولا لگا ہوا ہے۔ وہاں نوٹ رکھتے ہی رولا حرکت میں آجاتا ہے۔ رفتہ رفتہ نوٹ اندر چلا جاتا ہے اور دوسری جگہ سے اس کی ریزگاری باہر آجاتی ہے۔ مشین کے پاس ریزگاری نہ ہو تو رولا آپ کا نوٹ نہ کھینچے گا۔

پیسے ڈال کر وزن کرنے یا ٹیلیفون کرنے کا سلسلہ تو ہمارے یہاں بھی رائج ہے۔ مگر وہاں کی مشینیں ہمارے یہاں کی مشینوں سے زیادہ ایماندار ہیں۔ یعنی اگر کسی وجہ سے مشین آپ کا کام نہ کرے تو آپ کے پیسے واپس کر دیتی ہے۔

صلاحیت کی بنیاد پر انتخاب

متعدد واقعات کی تفصیلات سن کر یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہاں مختلف کاموں ملازمتوں اور عہدوں کے لیے افراد کا انتخاب صلاحیتوں کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اچھی صلاحیت کے افراد کو ادارے اور کمپنیاں اپنی اپنی طرف کھینچنے کے چکر میں رہتی ہیں۔ اور اس مقصد کے لیے بڑی مراعات بھی دیتی ہیں۔ ایسے افراد کے انتخاب میں علاقائی، نسلی، مذہبی یا لسانی کسی بھی قسم کا تعصب حائل نہیں ہوتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس ملک نے دنیا کا دماغ اپنے یہاں کھینچ رکھا ہے۔ چاند پر انسان کو بھیجنے والے چوٹی کے سائنسدانوں میں ایک غیر امریکی مسلمان مسٹر فاروق مصری بھی تھے۔ حال ہی میں سب سے جدید ماڈل اور جدید ٹکنک کا امریکی بینک I.M. ایک مسلمان عرب انجینئر مسٹر جلال البکری نے بنایا ہے۔ شکاگو میں ۱۱۰ یا ۱۱۲ منزلے کی نہایت بلند عمارت ایک بنگلادیشی انجینئر مسٹر فضل الرحمان نے بنائی ہے جس کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ یہ دنیا کی سب سے بلند عمارت ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ سب سے بلند عمارت نیویارک میں ہے، جو ۱۲۰ منزلہ ہے۔ شکاگو کی عمارت دوسرے نمبر پر ہے۔ امریکی یونیورسٹیوں نے مختلف ممالک کے عالی دماغ ماہرین کو اپنے یہاں کھینچ رکھا ہے۔ اور یہاں کے اسپتالوں میں بہت سارے ممالک کے ڈاکٹر اپنی مہارت کے سبب امریکنوں سے بلند مناصب پر فائز ہیں۔

یہ سب خصوصیات اس قوم کی ایسی خصوصیات ہیں جنھیں عام طور پر قید تحریر میں نہیں لایا جاتا۔ میں نے انھیں زیب داستان کے لیے نہیں بلکہ یہ عبرتناک صورتحال بتلانے کے لیے قلمبند کیا ہے کہ اخلاق و کردار کے متعدد ایسے پہلو جو ہم مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھے انھیں ہم نے آج اپنے اصول زندگی سے عملاً بڑی حد تک بے دخل کر دیا ہے جس کے نتیجے میں ہم بہت سی مشکلات محرومیوں اور رسوائیوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور ہمارے برخلاف ایک ایسی قوم جس نے تین تین خداؤں کو تسلیم کرنے کے باوجود

باقی صـ ۳۶ پر

دین انسانی کی حقیقت اور اس کی مختلف شکلیں

صوفی نذیر احمد کاشمیری

کل ہی راقم نے شری بلراج مدھوک صدر آل انڈیا جن سنگھ کو ایک خط اردو میں بھیجا تھا۔ وہ اردو جانتے ہیں۔ بعد میں ایک مسلمان نوجوان نے اسے ہندی کر کے مدھوک صاحب کو دوبارہ بھیجنے کا ذمہ لیا۔ اللہ پاک اسے اس کی توفیق دے۔ اور وہ مدھوک جی کو بھی توفیق دے کہ وہ اسے ساری ہندو جاتی کے سامنے رکھ دیں۔

مدھوک جی ان لوگوں میں ہیں جو برہمن ازم کی تجدید کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں اور چونکہ اسلام دنیا بھر کی فرقہ پرستانہ مذہبی تنظیموں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اور چونکہ ہندو ازم (برہمن ازم) مذہب کے نام کی سب سے تیز دار فرقہ پرستی پر مشتمل ہے۔ اس لیے مدھوک جی کا ایک معین منصوبہ بھی ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو برصغیر ہند سے ختم کر دیں لہذا وہ اٹھتے بیٹھتے جاگتے سوتے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی نہ کوئی الزام گھڑتے رہتے ہیں۔ اللہ پاک انھیں اس نفسیاتی عذاب سے نجات دے کر سچا اطمینان عنایت کرے۔

اللہ پاک انھیں توفیق دے کہ وہ میرے عرض کردہ خط کو تمام ہندو (برہمن) تنظیموں کے سامنے لاتے ہوئے انھیں اس سلسلے میں کوئی متفقہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیں۔ تاکہ برصغیر اس ظالمانہ فرقہ پرستی سے نجات حاصل کر سکے۔ جس کا وہ ہزاروں برس سے شکار ہے۔

مذہبِ انسانی کی حقیقت اخلاقی روحانی شعور، اخلاقی روحانی کردار اور اخلاقی روحانی تحریک — انسانی مذہب کی کل حقیقت ہے۔ یہ وہ خاص فطرت انسانی (Moral Nature of Man) ہے جو حیوانی جبلت (Animal Instinct) سے انسان کو امتیاز دیتی ہوئی اسے اشرف المخلوقات بنا دیتی ہے اور اس کی دنیاوی زندگی کو آئندہ کی حیاتِ ابدی سے ملا دیتی ہے اور کائنات ایک

رو بہ ارتقاء سلسلہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہی وہ فطرت انسانی ہے جس کی تربیت کے لیے اللہ پاک نبیوں کو بھیجتا رہا ہے اور اسی سلسلے کی آخری کڑی اسلام ہے۔ اسلام مذہب انسانی کی حقیقت کو ذیل کے لفظوں میں بیان کرتا ہے۔

واقم وجهك للدين حنيفا ۔ فطرة الله التى فطرالناس عليها ۔ لاتبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لايعلمون ــ اے رسول تو کامل یکسوئی سے اپنے آپ کو دین کی طرف متوجہ کرلے۔ یہ وہ فطرت انسانی ہے جس پر اللہ پاک نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ مستقل دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (القرآن)

كل مولود يولد على الفطرة ــ ہر نوزائیدہ بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ (الحدیث)

یہ تو ہے دین انسانی کی غیر متبدل حقیقت۔ مگر جہاں تک مذہب کی ظاہری شکل کا تعلق ہے وہ مختلف زمانی و مکانی تقاضوں کے ماتحت مختلف ہوتی رہی ہے۔ اس ظاہری اختلاف کے باعث یہ مغالطہ پیدا کردیا گیا ہے کہ دین انسانی کوئی معین حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ وہ لاتعداد اکائیوں کا مجموعہ ہے۔ جہاں تک مذہب کی ظاہری شکل کا تعلق ہے یہ بات صحیح ہے۔ لیکن جہاں تک مذہب کی حقیقت کا تعلق ہے وہ ان سارے ظاہری اختلافات کے باوجود ایک رہی ہے اور وہ انسان کا اخلاقی روحانی شعور، اخلاقی روحانی کردار اور اخلاقی روحانی محرک عمل ہے

وحدت دین اور اسلام

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم وموسى وعيسى ان اقيموا الدين ولاتتفرقوا فيه ۔ تمہارے لیے بھی اللہ نے وہی دین واجب کیا ہے جس کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی جس کی آپ کو وحی کی گئی اور جس کی ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی۔ وہ یہ ہے کہ دین کو جوں کا توں قائم رکھو۔ اس میں تفرقہ نہ ہونے دو۔ (القرآن) ــ یہ تو ہے قرآن کی زبان میں دین کی حقیقت۔

ایک خطرناک الحاد

مگر موجودہ دور کے بعض مسلمان کہلانے والے ملحدین نے دین انسانی کے معنے "کلی ریاست" کے کیے ہیں۔ اور اسی کلی ریاست کے زیر اثر سارے دینی احکام کی شرح کر ڈالی ہے۔ اور اسے اسلام کے نام پر ساری دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے جو ایک خطرناک الحاد ہے۔ اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

اوپر قرآن کے الفاظ میں حضرت نوح، حضرت خاتم انبیاء، حضرت ابراھیم، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ کا بحیثیت انبیاء ذکر آیا ہے۔ جہاں تک حضرت نوح، حضرت ابراہیم و موسیٰ عیسیٰ کا تعلق ہے ان میں سے کسی نے کوئی کلی ریاست تو کیا اسے

سے ریاست ہی قائم نہیں کی۔ اگر دین کے وہ معنے لیے جائیں جو مندرجہ صدر ملحد نے کیے ہیں تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ سب حصولِ دین میں ناکام تھے اور ایسا خیال کرنا انسان کو دین کے دائرے سے باہر کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ ان انبیاء کو دین نہ صرف حاصل تھا بلکہ وہ اپنے اپنے وقت میں دین کے ماڈل تھے۔

محمد رسول اللہ کی رسالت کاملہ

حضرت محمد رسول اللہؐ سے مکے کے قیام کے دوران رؤسائے قریش نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر وہ بت پرستی کے خلاف کچھ کہنا بند کر دیں تو وہ محمد رسولؐ اللہ کو سارے عرب کا بادشاہ بنا دیں گے۔ وہ انہیں عرب کا سب سے بڑا دولت مند آدمی بھی بنا دیں گے۔ وہ عرب کی سب سے خوبصورت عورت سے ان کی شادی بھی کرا دیں گے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس کے ساتھ ہی اگر وہ سورج کو ان کے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو ان کے بائیں ہاتھ پر بھی رکھ دیں تب بھی آپ بت پرستی کے خلاف اپنی دعوت کو بند نہ کریں گے۔ یہ وہ وقت تھا جب رسول خدا اور ان کے ساتھیوں کے لیے مکے میں زندہ رہنا بھی مشکل کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا اگر ریاست ہی دین کا حقیقی مفہوم تھا تو آپ فوراً اسے قبول کر لیتے۔ تکمیل شریعت ایک چیز ہے اور وہ دین کے خارجی تقاضے کی حیثیت رکھتی ہے۔ دین کی حیثیت درخت کی ہے اور شریعت کی حیثیت شاخوں کی ہے۔

اس الحاد کی بنیاد

جس ملحد کا اوپر ذکر آیا ہے۔ اس نے مشہور جرمن فلسفی کے کلی ریاست کے لفظ کو دین کے معنے پہنا کر اسے دین اسلام کے نام سے دنیا میں رائج کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بڑا بھاری فتنہ ہے۔ مسلمانوں سے خاص کر اور باقی لوگوں سے عام طور پر عرض ہے کہ وہ اس فتنے سے بچیں۔ اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے عرض ہے کہ دین انسانی، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ہمیشہ ایک رہا ہے۔ مسلمانوں کی حد تک یہ ایک مسلمہ اعتقاد ہے۔ گویا جس طرح تمام انبیاء کے دین کا اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ہونا ایک حقیقت ہے۔ اسی طرح ان کی شریعتوں اور ظاہری صورتوں کا مختلف ہونا بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔

مذہب کی سب سے ابتدائی شکل

مذہب کی وہ ابتدائی شکل جس کا آج بھی پتہ چلتا ہے وہ ہے جسے ہندوازم کہنا صحیح ہوگا۔ یہ اس زمانے کی یادگار ہے جب انسانوں نے جنگلوں کی چلتی پھرتی زندگی کو چھوڑ کر چھوٹی چھوٹی بستیاں بسانے کا آغاز کیا تھا۔ اسی زمانے میں ان کی رہنمائی کے لیے چند معین اخلاقی اصول اور چند روحانی اشارات ہوتے تھے۔ جو وحی آسمانی کی ابتدائی شکل تھی۔

ایک قدیم ہندو روایت

ہندوازم میں قدیم سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ مذہب کی ہر شکل کے ذریعہ

نجات حاصل کی جاسکتی ہے ۔، مگر اس کا جو مفہوم لیا جاتا ہے ۔اس میں ایک مہلک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ گویا آج بھی مذہب کی ساری شکلوں کے ذریعہ نجات حاصل کی جاسکتی ہے اور یہ ایک مہلک غلطی ہے ۔ اس لیے کہ یہ اعتقاد نوعِ انسانی کے تفرقے کی بنیاد ہے ۔ حالانکہ نوعِ انسانی جو اخلاقی فطرت لے کر پیدا ہوئی ہے وہ سب انسانوں کی مشترکہ وراثت ہے ۔جیسا کہ قرآن مجید کے حوالے سے اوپر بیان کیا جا چکا ہے ۔

مذہب کی سب سے آخری شکل

مذہب انسانی کی سب سے آخری اور عالمگیر یکسانی رکھنے والی شکل وہ ہے جسے اسلام کہا جاتا ہے اور جس کا مفہوم یہ ہے کہ ,, انسان احکام خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے ،، یہ احکام وہی ہیں جو انسانوں کو ان کی اخلاقی تربیت کرنے کے لیے نبیوں کے ذریعے خدا کی طرف سے ملتے رہے ہیں ۔ اور جس کی کامل ترین شکل وہی ہے جو محمد رسول اللہ ؐ کے ذریعہ پورے نوعِ انسانی کو ملی ہے ۔ اور جو قرآن مجید اور محمد رسول اللہ کے بیان القرآن پر مشتمل ہے ۔ قرآن مجید تو ایک اصولی کتاب ہے ۔جس کی عملی شکل کو محمد ؐ نے اپنے قول و فعل سے متعین کیا ہے ۔قرآن مجید کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اسلام ہی سارے نوعِ انسانی کا ہمیشہ سے دین رہا ہے ۔ اور جب اسلام کے معنے ,, اللہ پاک کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا ہے ۔ ،، اور جب یہ احکام انسانوں کی اخلاقی فطرت کی تربیت ہی کے لیے آتے ہیں تو پھر ساری دینی تاریخ ایک ہی سلسلہ بن جاتا ہے اور اس کے ذریعہ ایک ہی قسم کے قانونِ اخلاق کو دنیا میں رائج کرنا آسان ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ قوانین سب افرادِ انسانی کے لیے لازمی ہیں اور ان سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں ہے ۔لہٰذا اس مساواتِ فرائضِ حیات کے باعث انسانوں کے حقوقِ حیات بھی یکساں ہو جاتے ہیں ۔ اور پورا نوعِ انسانی ایک جیسے فرائضِ حیات اور ایک جیسے حقوقِ حیات رکھنے والا ایک بھائی چارہ بن جاتی ہے ۔ اور ان کا اجتماعی عمل تعاون بن جاتا ہے ۔

اور علاوہ شکل پیدا ہو جاتی ہے کہ یہاں کسی ایک کا بھلا سب کا بھلا ہوتا ہے ۔ اور سب کا بھلا ہر ایک کا بھلا ہوتا ہے ۔

اسلام ایک عملی مذہب ہے اور ایک عالمگیر تحریکِ اصلاح کی حیثیت سے دنیا میں ظاہر ہوا تھا ۔ وہ کوئی ذہنی فرضیہ نہ تھا ، لہٰذا اس نے سارے معاشی فرقِ مراتب کو ایک ساتھ نہیں مٹایا نہ یہ ممکن تھا ۔ البتہ اس نے طریقۂ کار ایسا اختیار کیا کہ آخر کار آقائی و غلامی کا فرق خود ہی مٹ جائے ۔ رسول اللہ ؐ کا آقاؤں کو حکم تھا کہ وہ جو خود کھائیں وہ نوکر چاکر کو بھی کھلائیں جو خود پہنیں وہ نوکر چاکر کو بھی پہننے کو دیں ، مگر اسے فوری قانون کی حیثیت نہیں دی گئی ۔ مسلمانوں کے لیے رنگ رنگ کے ٹیکس مقرر کیے گئے ۔ حالانکہ غیر مسلموں کے لیے صرف ایک قسم کا ٹیکس تھا ۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ کفر و دین کا امتیاز برقرار رکھنے کے لیے غیر مسلموں کی حیثیت دوسرے درجے کے شہریوں کی تھی ۔ اس لیے کہ اگر یہ امتیاز ختم کر دیا جاتا تو اس کے ساتھ ہی وہ سارا کا سارا نظام اخلاق

در روحانیت پیوند زمین ہو جاتا ہے جو انسان کی کل حقیقت تھی۔ لہٰذا جو شخص با فرقِ انسان کہلاتے ہوئے بھی اسے نہ ماننے اسے ماننے والوں کے برابر درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ مگر جہاں تک معاشی سوال کا تعلق ہے، اس میں غیر مسلموں کو جو رعایت حاصل تھی وہ مسلمانوں کو حاصل نہ تھی۔

پیغمبر اسلام کا امتیاز

قرآن مجید کے الفاظ میں پیغمبر اسلام کی ایک ہی خصوصیت ایسی ہے جو انھیں سب پیغمبروں سے امتیاز دیتی ہے، اور وہ ہے ان کے پیغام کی عالمگیری۔ ورنہ باقی سب باتوں میں تمام انبیاء ایک درجے کے لوگ تھے۔ قرآن مجید کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ کوئی ملک کوئی قوم، کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس میں اللہ پاک نے نبیوں کو نہ بھیجا ہو۔ آخر پر یہ اعلان بھی کر دیا کہ "یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض" — اے بنی نوع انسان میں تم سب کی طرف اسی اللہ کا رسول ہوں جو تمام آسمانوں اور سب زمین کا مالک ہے۔ گویا جس طرح سابقہ رسولوں کی رسالت ایک ایک قوم یا ملک یا قبیلے کی طرف تھی۔ ان کے مقابل رسالتِ محمدیؐ سارے بنی نوع انسان کی طرف تھی۔

رسالت کی نوعیت

"ان ھٰذہٖ امتکم امۃً واحدۃً وانا ربکم فاعبدون" یہ تمھاری امت (ساری کائناتِ انسانی) ایک ہی امت ہے اور میں تمھارا پالنہار ہوں۔ لہٰذا میری عبادت کرو۔ — گویا صرف یہ کہ رسالتِ محمدیؐ ساری کائناتِ انسانی کی طرف تھی، بلکہ اس کی نوعیت یہ تھی کہ وہ سارے انسانوں کو اپنے واحد پالنہار معبود کی عبادت کی طرف دعوت تھی۔ یہ روحانی وحدتِ انسانی کی بنیاد تھی۔

شرافت و رذالتِ انسانی کا معیار

روحانی وحدتِ انسانی کا اعلان کر دینے کے بعد شرافت و رذالت انسانی کے متعلق قرآن مجید اعلان کرتا ہے۔

"یا یھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔" اے انسانو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور چھوٹے بڑے کنبوں میں تمھیں صرف اس لیے بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (رہا شرافت کا سوال) تو تم میں شریف وہ ہے جو محتاط اخلاقی کردار رکھتا ہے۔ (القرآن)

یہ ہے اخلاقی وحدتِ انسانی کی بنیاد، جسے انسانی بھائی چارہ کہا جاتا ہے۔

انسان وحیوان کا فرق

حیوانات کی قدر وقیمت کا دار ومدار نسل وخون ووطن پر ہے۔ ناگوری گائے اور عام گائے۔ عربی گھوڑے اور غیر عربی گھوڑے، کابل کے گدھے اور عام گدھے کی قدر وقیمت ان کے خون نسل رنگ اور وطن پر ہے۔ اور حیوانات کی اس نسلی وخونی قدر وقیمت کے مقابل انسانی شرافت ورذالت کا دار ومدار صرف عمل وکردار پر ہے۔ جس کے اعمال اچھے وہ اچھا اور شریف اور جس کے اعمال برے وہ برا اور رذیل۔

اس مقام پر شری مدھوک جی کے ساتھ ہی ہمارے سارے برہمن لیڈروں کو اپنے نسلی وخونی امتیاز وشرافت کے فلسفوں پر غور کرنا چاہیے اور ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کرنا چاہیے کہ مذہب انسانی کی وہ کون سی شکل ہے جو انسانوں کی انسانیت کو اور اس کی اخلاقی حیثیت کو مثبت بنیادوں پر قائم رکھتے ہوئے ساری نسلی وخونی "اونچ نیچ" کو ختم کرنے والی ہے۔

ہندوازم اور اسلام کی حقیقت اور ان کی شکل اوپر بیان کر دی گئی ہے۔ لہٰذا فوراً مذہب کی کامل شکل کو قبول کرنے کا اعلان عام کر دینا چاہیے۔ آج ساری انسانی دنیا اسی یقین بخش نظام حیات کی منتظر محسوس ہوتی ہے جو انسانی تفرقے کی ساری بنیادوں کو اکھاڑ کر عالمگیر وحدت انسانی قائم کر سکے۔

اظہار حقیقت

یہ ایک ناقابل انکار حق ہے کہ نہ صرف برہمن ازم کے پاس بلکہ سارے نوع انسانی کے پاس عالمگیر توحید خدا اور عالمگیر اخوت انسانی کا کوئی بدل نہیں ہے۔ لہٰذا ہمارے لیڈروں کو ملک گیر انداز پر ایک عالمی انداز کی مجلس شوریٰ کرتے ہوئے اس سلسلے میں فیصلہ کرنا چاہیے۔ امید ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت پر قانع رہنے کا فیصلہ نہ کریں گے بلکہ اپنے ملکی سماج اور موجودہ وقت کے عالمی سماج کی ضرورتوں اور مجبوریوں کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے صحیح فیصلہ کریں گے۔

اس کے بعد انسان کی خلافت ارضی کی اسلامی تحریک کو زندہ کرتے ہوئے اسے عالمی نصب العین کی حیثیت سے دنیا کے سامنے کر دینا چاہیے۔ ـــــ آج سے ساٹھ پینسٹھ برس پہلے گاندھی و محمد علی نے ترکوں کی خلافت تحریک سے دست بردار ہونے کے بعد جس طرح ہندوستان کو خلافت تحریک کا مرکز بنایا تھا، اور جس کی ایک چھوٹی سی یادگار جامعہ ملیہ اسلامیہ ہے وہ ہزاروں انسانوں کو اب بھی یاد ہے لہٰذا اسے زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مدھوک جی کا ایک حالیہ بیان

مدھوک جی کا ایک مفصل مضمون اخبار اسٹیٹس مین میں غالباً ۲۷ یا ۲۸ نومبر کے پرچے میں چھپا ہے۔ اس مضمون میں مدھوک جی نے اسلام پر یہ اعتراض بھی جڑ دیا ہے کہ وہ انسانوں کو مومن وکافر کے دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہوا تفرقے کی فضا پیدا کر دیتا ہے۔

یہ اعتراض ہو بہو ایسا ہے کہ کوئی شخص جو جذباتی بحران کا مریض ہو حفظانِ صحت کے دنیا جہان کے اداروں کے خلاف یہ اعلانِ جنگ کر دے کہ یہ ادارے تندرست و مریض کا تفرقہ پیدا کرتے ہیں اور دنیا میں نفرت اور چھوت چھات کو جنم دے رہے ہیں۔ یہ محض جذباتی بحران ہے۔

مذہب کی حقیقت اوپر عرض کی جا چکی ہے اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام مذہبِ انسانی کی سب سے آخری کامل اور عالمگیر یکسانی رکھنے والی شکل ہے۔

اسلام فطرتِ انسانی کی صحت کا ایک معیار مقرر کرتا ہے۔ وہ بڑے بڑے مہلک اخلاقی و روحانی امراض کی پوری پوری نشاندہی بھی کرتا ہے۔ اور وہ ایسے لوگوں کو منافق قرار دیتا ہے جو وقتی فائدہ اٹھانے کے لیے دو رخی پالیسی اختیار کیے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ مومن و کافر و منافق کے تین طبقوں میں انسانوں کو بانٹ دیتا ہے۔ مومن وہ ہے جو حفظانِ صحت کے معیار کو قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ کافر وہ جو اس کا سرے سے انکار کر دے اور منافق وہ جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے دونوں محاذوں پر شریک ہونے پر ہر وقت آمادہ رہے۔ اور جب فائدہ نظر نہ آئے تو دونوں محاذوں سے علیحدہ ہو کر اعلان کر دے کہ وہ کفر و دین کے ان معیارات کا قائل نہیں ہے۔ وہ تو سیکولر قسم کا ایک آدمی ہے۔

لہٰذا اسلام کا انسانوں کو مومن و کافر و منافق میں تقسیم کرنا بالکل محکمۂ حفظانِ صحت کی صورت ہے جو صحتِ انسانی کو بحال رکھنے کے لیے از حد ضروری ہے۔ آج کل ایسے لوگوں کی کثرت ہو گئی ہے۔

مدھوک جی نے اپنے مضمون شائع کردہ اخبار اسٹیٹس مین میں

مدھوک جی کا ایک دوسرا اعتراض

اسلام پر یہ اعتراض بھی چپکا دیا ہے کہ وہ کمیونزم کی طرح ایک عالمگیر وحدانی ...... Monoleth نظام ہے اور یہ درست ہے۔ مگر صرف وحدانی نظام ہونے کے باعث دونوں کو یکساں قابلِ نفرت قرار دینا، جیسا کہ مدھوک جی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے، غلط اندازِ فکر ہے۔ اس کے لیے دونوں کا ذیل کا جائزہ ملاحظہ کیا جائے۔

کمیونزم بحیثیتِ نظامِ فکر

(۱) مقصدِ حیاتِ انسانی کے متعلق کمیونزم کا اعلان ہے کہ جس طرح حیوانی زندگی کا مقصد پیٹ کے داعیے — Urge — اور صنفی داعیے کی تسکین ہے بالکل اسی کی طرح انسانی زندگی کا مقصد بھی پیٹ کے داعیے اور صنفی داعیے کی تسکین ہے۔ اس کے مقابل مذہبی اخلاق و روحانیت کے نام سے حیاتِ انسانی کے مقصد کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے وہ خود فریبی ہے یا فریب کاری ہے۔ یا بورژوا کی بے ایمانی و

دغابازی ہے ۔ یہاں پر مقصد حیات کے معاملے میں انسانوں کو بھی حیوان کی کھونٹی سے باندھ دیا جاتا ہے ۔

ذرائع حیات حصول مقصد کے ذرائع جس طرح حیوانات میں، مار دھاڑ، چیر پھاڑ، دغابازی و مکاری اور بالآخر طبقاتی جنگ ہے ۔ بالکل اسی طرح حصول مقصد کے انسانی ذرائع بھی یہی مار دھاڑ چیر پھاڑ اور دغابازی و مکاری اور آخر کار طبقاتی جنگ ہیں ۔ اس کے مقابل جو انسانی ذرائع بتائے جاتے ہیں ۔ مثلاً ترغیب و ترہیب، تعلیم و نصیحت، اخلاص و باہمی خیراندیشی وہ سب خود فریبی، فریب کاری اور بورژوا کی بے ایمانی ہیں ۔ یہاں پر ذرائع کے معاملے میں بھی انسان و حیوان کو ایک برادری بنا دیا جاتا ہے ۔

محرک عمل جس طرح حیوانات کا محرک عمل motive of action صرف خود غرضی ہے ۔ بالکل اسی طرح انسان کا محرک عمل بھی صرف خود غرضی ہے ۔ محرک عمل کے متعلق اس کے علاوہ اخلاق و روحانیت اور مذہب کے نام سے جو کچھ کہا جاتا ہے وہ یکسر خود فریبی ہے یا فریب کاری ہے یا بورژوا کی بے ایمانی ہے ۔ یہاں پر محرک عمل کی سطح پر بھی انسان کو حیوانات کے آئین کا پابند کر دیا جاتا ہے ۔ مصنف صاحب خوب غور کریں ، اور ممکن ہو اور ان کی طبیعت اجازت دے تو وہ کمیونزم کے اس جائزے کے ساتھ ہی مذہب انسانی کی اس حقیقت کو کمیونسٹ پارٹیوں کو بھی پڑھا دیں جو اس مقالے کا موضوع ہیں ۔ تاکہ وہ بھی اپنی تخریب کاری پر نظر ثانی کر سکیں ۔

اصل حقیقت اصل حقیقت یہ ہے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ کمیونزم دنیا میں انسان کے ظاہر ہونے سے پہلے کے "لا آف جنگل" کی نہایت مرتب، نہایت مربوط اور وحدانی شکل ہے جس میں اخلاقی و روحانی قدروں کو داخل کرنے کا کوئی راستہ بلکہ کوئی سوراخ بھی نہیں کھلا ہے ۔

اس پر بھی اگر کمیونسٹ تحریک میں اچھے اچھے انسان پائے جاتے ہیں (اور یہ حقیقت ہے کہ وہ کافی تعداد میں ہیں ۔) تو یہ صرف انسان کی اخلاقی فطرت کا مظاہرہ ہے جو کمیونزم کے سارے فلسفے کو بالائے طاق رکھ کر اپنی ہستی کو منواتا ہے ۔ کمیونسٹوں کو جب اپنے اس غیر منطقی عمل کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ سرٹپٹا جاتے ہیں ۔ بعض وقت اپنی منافقت کا اقرار بھی کر لیتے ہیں ۔ لیکن جب وہ اخلاق کے نام پر شور و شغب کرتے ہیں تو اس وقت وہ خالص منافق ہوتے ہیں ۔ کمیونزم، ہیگل ازم اور میکیاولی ازم کا مجموعہ ہے ۔

اسلام بحیثیت ایک نظامِ فکر یہاں پر مذہب کی اس ساری حقیقت کو سامنے رکھ لینے کی ضرورت ہے جو ادیب کے صفحات میں بیان کی گئی ہے اور تاریخ مذہب میں اسلام کا جو تکمیلی

کردار ہے اسے بھی سامنے رکھ لیا جائے تاکہ کوئی فکری الجھاؤ باقی نہ رہے ۔

اسلام کے اجزائے ترکیبی

انسان حیوانات کے مقابل ایک اخلاقی و روحانی مخلوق ہے ۔ اور اس کا بنیادی مقصد اس کی اخلاقی و روحانی صلاحیتوں کی تربیت ہے اور اس کا دوسرا قدم اس کی اخلاقی شخصیت کی تکمیل ہے ۔

ذرائع

اس اخلاقی شخصیت کی تکمیل و تربیت کا ذریعہ انسان کا وہ اخلاقی کردار ہے جو اسے حیوانات کے لا اف جنگل سے نجات دلاتا ہوا اسے اشرف المخلوقات بنا دیتا ہے ۔

محرکِ عمل

اس کا محرکِ عمل رضائے الٰہی ہے جو اسے اخلاقِ خداوندی کے رنگ میں رنگ دیتا ہے ۔ یہاں پہونچ کر انسان کی دنیاوی زندگی کے ڈانڈے فلاحِ ابدی سے مل جاتے ہیں ۔ یا یتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ۔ اے اپنے اخلاقی مقام پر پا برجا نفس ۔ اپنے رب کے ہاں اس حالت میں جا کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو ۔ میرے بندوں میں شامل ہو جا ۔ میری جنت میں داخل ہو جا ۔

یہ ہے وہ اخلاقی نقطۂ نگاہ جسے اختیار کرنے سے یہ سارا سلسلۂ کائنات ایک روبہ ارتقاء سلسلۂ تخلیق محسوس ہوتا ہے ۔ اس کے مقابل علم الحیوان کی تحقیق کرنے والوں (مثلاً ڈاروِن وغیرہ) نے جو فلسفہ پیش کرتے ہوئے ارتقائی تغیر کائنات کہا ہے وہ انسان کی حد تک صرف ارتداد ہے ۔ زندگی کے قافلے نے انسانی شکل میں جو ظہور کیا ہے اس کے مقصد اس کے طریق عمل اور اس کے محرک عمل کے متعلق کوئی بھی لادینی فلسفہ وہ ڈاروِن ازم ہو یا ہیگل ازم ہو یا وہ مارکس ازم ہو ، کسی قسم کی رہنمائی کرنے کے بجائے انسان کو حیوان کی سطح پر گراتا ہے ۔ اس حیوانی موقف میں اسے قید کر دیتا ہے اور یہ سب لادینیت کے ہتھکنڈے ہیں ۔ ان کا مذہب انسانی سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا کھیتی سے کھاد کا تعلق ہے ۔

مدعوک بھی غور کریں کہ وہ محض وحدانی نظامی ہونے کے باعث اسلام کو کس طرح کمیونزم کی طرح باعث نفرت قرار دیتے ہیں ۔ لہٰذا ان سے درخواست ہے کہ وہ اپنے جذباتی بحران سے نجات حاصل کرتے ہوئے اس دعوت نامے کی طرف کم از کم سارے برصغیر کو متوجہ کریں ۔

اے اللہ ! تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا ۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا ۔ نہ ان لوگوں کا راستہ جو تیرے غضب کا نشانہ بنے نہ گمراہوں کا راستہ ۔ آمین ۔ (قرآنی دعا) والسلام ۔

فقیر نذیر احمد ۴ ر دسمبر ۱۹۸۲ء ۔

نوٹ:۔ اس سلسلے میں صوفی صاحب نے بلراج مدھوک جی کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے جو خط تحریر فرمایا تھا۔ آگے وہ بھی درج ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب کی حقیقت کیا ہے، اس کی سب سے ابتدائی شکل کیا تھی اور اس کی سب سے آخری شکل کیا ہے۔

(ایک خط بنام شری بلراج مدھوک۔ صدر آل انڈیا جن سنگھ پارٹی۔)

عزیز بھائی شری مدھوک جی! آداب و تسلیمات۔

آپ کا خیال آنے کے ساتھ ہی مجھے موجودہ عیسائیت کے بانی پادری پال یاد آگئے ہیں۔ پادری پال وہ شخص ہے جس نے حضرت مسیح کے ماننے والوں کو دنیا سے ختم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اللہ پاک اس سے اس منفی اور تخریبی کام کے بجائے کوئی اور کام لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب اس کا وقت آیا تو دمشق کی طرف جاتے ہوئے اس نے ایک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت مسیح اس کے سامنے کھڑے ہیں اور اس سے شکایت کر رہے ہیں۔ اس خواب نے پادری پال کی ساری دنیا بدل دی۔ جو پال مسیح کے ماننے والوں کو دنیا سے ختم کرنا اپنا مشن قرار دے چکا تھا اس خواب کے بعد وہ مسیح کے مشن کا سب سے بڑا وکیل بن گیا اور مسیح کی تعلیم کو جو اس وقت تک صرف بنی اسرائیل کی اصلاح تک محدود تھی اس نے ایک عالمگیر مذہب بنانے پر سر دھڑ کی بازی لگا دی اور آخر وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی مسلمانوں اور اسلام کی دشمنی کا راستہ چھوڑ کر اس کے وکیل بن جائیں گے۔

(۱) آج ہندوستان کی حالت یہ ہے کہ یا تو وہ اپنے ذات، پات، چھوت چھات اور نیچ اونچ کے ہزاروں برس کے تفرقے کو ختم کرتا ہوا اور سماجی مساوات کو پیدا کرتا ہوا تاریخ انسانی کو اتحاد کی راہ پر ڈالنے کے لیے اپنا حصہ ادا کرتا ہے۔

(۲) یا ساری انسانیت کے لیے ایک نئے سماجی انتشار کا سرچشمہ بن کر اور تاریخ کے دھارے Main stream سے علیحدگی اختیار کرتا ہوا، دنیا سے ناپید ہو جاتا ہے۔

راقم چالیس برس سے کچھ زیادہ عرصے سے پہلے امکان پر کام کرتا چلا آیا ہے۔ اس کا کچھ نہ کچھ علم آپ کو بھی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب راقم عنوان میں دیے ہوئے تین سوالوں کا مختصر مگر صاف جواب عرض کرتا ہے۔

(۱) اخلاقی روحانی شعور، اخلاقی روحانی احساس اور اخلاقی روحانی طریق عمل وہ چیز ہے جو نوع انسانی کو باقی جاندار مخلوق سے صاف امتیاز دیتی ہوئی اسے اشرف المخلوقات بنا دیتی ہے۔ یہ چیز اور کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی یہی

مذہب انسانی کی حقیقت ہے۔ اس کے علاوہ انسان و حیوان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے

ایک کامیاب مستقبل کی امید

پھر یہ صرف نوعِ انسانی ہے جو حال پر قانع ہونے کے بجائے ایک پائیدار، بے خار اور پر بہار مستقبل کی امید لے کر پیدا ہوا ہے۔ باقی جاندار مخلوق اپنے حال پر قانع ہے۔ ان کے یہاں آئندہ والی کسی نئی اور پائیدار زندگی کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ مگر تاریخ انسانی اس بات کی کامل شہادت دیتی ہے کہ نوعِ انسانی کے ایک بڑے گروہ نے موجودہ زندگی کو محض ایک امتحان گاہ قرار دے کر اسے مختلف مجاہدات و ریاضتوں میں گزارا ہے۔ اور یہ عجیب حقیقت ہے کہ انھیں مجاہدین و مرتاض لوگوں کو نوعِ انسانی نے اپنا رہنما اور ماڈل تسلیم کیا ہے۔

مستقبل کی تعبیر

آئندہ کی اس زندگی کی جستجو کے لیے قافلہ سالارانِ انسانیت نے آرام و راحت کی زندگی کو چھوڑ کر تپ تپسیا کی زندگی کو اختیار کیا ہے۔ متعدد تعبیریں کی گئی ہیں۔ موکش، نروان، نجات، وغیرہ۔ مگر یہ تعبیریں زیادہ تر منفی اور مبہم ہیں۔ اس کی واضح اور مثبت تعبیر وہ ہے جسے مذہب نے سورگ نرک، بہشت و دوزخ اور جنت و جہنم کے لفظوں کے ذریعہ تعبیر کیا ہے۔

اس کا واضح مفہوم

اس اعتقاد کا واضح مفہوم یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اخلاقی حدود کی پابندی کرتے ہوئے جتنی خواہشوں اور تمناؤں کو چھوڑے گا وہ سب خواہشیں اور تمنائیں سورگ و جنت میں نہایت پاک اور کامل شکل میں پوری کر دی جائیں گی۔ اور وہ زندگی پائیدار اور سدا رہنے والی ہوگی۔

یہ ہے مذہب انسانی کی مختصر مگر واضح اور عام فہم حقیقت۔

مذہب کی سب سے ابتدائی شکل

مذہب کی سب سے ابتدائی شکل جس کا آج بھی پتہ چلتا ہے وہ ہے کہ جب انسانوں نے جنگلوں اور بیابانوں کی چلتی پھرتی اور بھاگتی زندگی کو چھوڑ کر چھوٹی موٹی بستیاں بنانے کا آغاز کیا تھا اور دو چار اخلاقی اصولوں کو اور کچھ روحانی اشاروں کو اپنا رہنما بنایا تھا۔ یہ وہ شکل ہے جسے ہندوازم کہنا صحیح ہوگا۔ یہ مذہب کی ابتدائی شکل ہے۔

مذہب کی سب سے آخری اور بھرپور شکل

مذہب کی سب سے بھرپور اور کامل شکل وہ ہے جسے عرف عام میں اسلام کہا جاتا ہے اور اس کا خلاصہ قرآن کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

۱۔ ان ھٰذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون " اور تمھاری یہ امت (کائنات انسانی) ایک ہی امت ہے اور میں تمھارا پالنہار ہوں لہٰذا میری عبادت کرو۔" اس کا مفہوم یہ ہے کہ ساری نوعِ انسانی ایک برادری ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ان کا پالنہار ہے، لہٰذا صرف اسی کی عبادت کی جا سکتی ہے۔

۲۔ یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ "اے انسانو! ہم نے تمھیں ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا اور باہمی تعارف کے لیے تمھیں کنبوں اور خاندانوں میں بانٹ دیا ہے۔ مگر تم میں اشرف وہ ہوگا جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہوگا۔" گویا شرافت انسانی کا معیار و مدار نسل و خون پر نہیں بلکہ عمل و کردار پر ہے۔ جس کا عمل اچھا ہو وہ اشرف ہے اور جس کا عمل برا ہو وہ برا ہے۔

۳۔ ولقد کرمنا بنی آدم ۔ ۔ ۔ الخ "اور ہم نے بنی آدم کو شرافت بخشی اور ان کو خشکی و تری میں لیے لیے پھرے اور انھیں پاک رزق دیا۔ اور اپنی مخلوق کے اکثر حصے پر انھیں پوری فضیلت دی۔ گویا باقی مخلوقات کے مقابل انسان افضل مخلوق ہے۔

لہٰذا یہ عین سعادت ہے کہ ہندوستانی لیڈر مذہب کی سب سے پرانی شکل پر اصرار کرنے کے بجائے (جسے ہندوازم کہا جاتا ہے اور جو انتہائی پیچیدہ اور اونچ نیچ اور ذات وارہت کا مجموعہ ہے۔) مذہب کی سب سے آخری (کامل و قابل فہم اور ساری ذات واراز اونچ نیچ کو ہموار کرتے ہوئے عالمگیر اتحاد و مساوات پیدا کرنے والی صورت کو قبول کرنے کا اعلان کر دیں۔ اور برصغیر کے سماجی و سیاسی انتشار کا خاتمہ کرتے ہوئے عالمگیر اتحاد انسانی کا راستہ کھول دیں، تاریخ میں یہ ان کا حصہ ہے۔

میں اپنے عزیز ہندو بھائی مدھوک سے عرض کروں گا کہ وہ اپنے ذاتی رد و قبول کو ظاہر کرنے کے بجائے اس دعوت نامے کو کم از کم سارے ہندو لیڈروں کے سامنے رکھ دیں تاکہ وہ بطور خود اس کا فیصلہ کریں اور تاکہ مذہب کے نام پر یہ دھاندلی ختم ہو۔

ایک اعلانِ بیزاری

لادین سیاست دانوں کے بعض کنبے جو محض اپنے اقتدار کو بحال رکھنے اور اپنی کنبہ وارانہ سربلندی کو برقرار رکھنے کے لیے جو تدبیریں لڑانے میں مصروف ہیں، صرف تباہی کا راستہ ہے جسے چھوڑ دینے کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی مذہب کے پاک نام کو اپنے اپنے شخصی مفاد اور اپنی اپنی کنبہ وارانہ اجارہ داریوں کو قائم کرنے کے لیے استعمال کرنا بھی انسانیت دشمنی ہے جسے چھوڑ دینا ضروری ہے۔ والسلام

صوفی نذیر احمد

مُبشّراتِ اسلام

(نومسلم فرانسیسی مفکر رجا بجارودی اور اس کا مطالعۂ اسلام)

عبد المعید ۔ استاذ جامعہ سلفیہ ۔ بنارس ۔

فرانسیسی فلسفی روجیہ جارودی نے اسلام قبول کرلیا، اس نے اپنا نام رجا بجارودی رکھا اور ۱۱ رمضان المبارک
ے اسلامی شعائر پر عمل پیرائی شروع کردی

اس فلسفی کی اسلام کی طرف بازیابی تقریباً ربع صدی تک جاری رہی اس دوران وہ ایسے پناہ گاہ کا متلاشی
ہا جہاں پہونچ کر بے شمار اہم سوالات کے بوجھ سے اپنے تھکے ہوئے ذہن کو آرام پہونچا سکے، اس شخص کا تجربہ قابل غور ہے
ص طور پر اس لیے کہ وہ فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کا ایک زمانے تک نمایاں ممبر رہا ہے۔ پوری دنیا میں اب تک اس کا
ول اسلام موضوع بحث بنا ہوا ہے۔

کمیونسٹ پارٹی میں روجیہ جارودی کی سرگرمی نظریاتی حدود تک ہی نہیں تھی، اس کی سرگرمیاں سیاسی عمل تک
ھی ہوئی تھیں وہ فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کی منصوبہ بندی کی اعلیٰ تنظیم سیاسی شعبہ کا اہم رکن تھا۔ اس کا شمار اس صدی
ے ماہرین کمیونزم کی سربرآوردہ شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ اس کی داخلی شخصیت کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے لیے مناسب
علوم ہوتا ہے کہ فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کے متعلق کچھ جان لیں۔ فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی یورپی کمیونسٹ پارٹیوں میں سب سے
یادہ انتہا پسند ہے اور روس کے طریقۂ کار کی سب سے زیادہ پابند۔ اس بات کی تائید فرانسیسی صدر میتران نے بھی کی ہے، انھوں
نے گزشتہ سال ایک کتاب شائع کی ہے اس میں کمیونسٹ پارٹی کے رہنماؤں کی جاری کردہ قراردادوں کے متعلق لکھا ہے
، وہ قراردادیں ان عالمی مسائل سے کامل اتفاق رکھتی ہیں جن کی منصوبہ بندی ماسکو کرتا ہے۔ اب تک اس پارٹی کا
طریقہ اسٹالینی نظریہ ہے وہ اپنے انتہا پسندانہ موقف پر کاربند ہے۔ افغانستان میں روسی مداخلت کی تائید یا
اردوی جیسے پارٹی چھوڑنے والوں کے سلسلے میں اس کا موقف اس کی انتہا پسندی کی واضح مثالیں ہیں۔ دوسری

جنگ عظیم کے بعد فرانس پر کمیونسٹوں کا پورا غلبہ ہو چکا تھا۔ علمی میدان میں خاص طور سے وہ لوگ چھائے ہوئے تھے۔ جنرل ڈیگال کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ کاروبار حکومت میں ان سے اپنا پیچھا چھڑا سکیں۔

جدانوف کا سرمایہ دارانہ دشمن نظریہ ہی وہ نظریہ تھا جس کا کمیونسٹ جنگ عظیم ثانی کے وقت سے گن گایا کرتے تھے۔ جدانوف ایک روسی عالم ہے جس کے یہاں علم کی دو قسمیں تھیں۔ سرمایہ دارانہ علوم اور مزدور پارٹی کے علوم ——

اس دور میں یہ رجحان جارودی کے ذہن میں پوری طرح جلوہ گر تھا۔ جب اس نے علم کے مادی نظریہ پر اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا تو اس وقت اسٹالینی فلسفہ سے بالکل ہم آہنگ تھا۔ اس طرز فکر کو بعد میں اس نے خود ہی چھوڑ دیا اور کہا کہ اسٹالن کے نظریہ کو بغیر جانچے پرکھے مان لینا ایک طرح کی فکری گمراہی ہے۔

اسٹالینی مدہوشی سے بیداری

جارودی انقلابی تشدد کا قائل نہ تھا۔ اس بنا پر وہ تنقید کا نشانہ بنا رہتا تھا۔ اس کے باوجود وہ پُر تشدد انقلابی سرگرمیوں پر نکتہ چیں رہتا تھا۔

جارودی کا کمیونسٹ نظریہ جس چیز سے متزلزل ہوگیا اور جس سے عالمی پیمانہ پر کمیونزم کو دھچکا لگا، خروشچیف کا وہ سری رسوا کن بیان ہے جو ۱۹۵۶ء میں جاری ہوا۔ یہ بیان اسٹالینی دور کے اسرار پنہاں کو وا شگاف کرتا ہے۔ اس بیان کے بعد جارودی کا راسخ عقیدہ ہل اٹھا، پھر بھی وہ اسٹالن کی بکواس سے لینینی مارکسیت کی برأت کرکے روس کے انقلاب اکتوبر کے لیے اپنے اخلاص کا ثبوت پیش کرتا رہا۔ یہ انقلاب اس کے نزدیک پوری دنیا کے مظلوموں کے لیے امید کی نئی کرن تھی۔

اس اخلاص کے باوجود وہ اپنے پسندیدہ طرز فکر سے برگشتہ نہ ہوسکا، اپنے طرز فکر کی بنیاد پر اس نے مختلف تہذیبوں اور نظریات کے ساتھ باب سخن وا کرنے کا علم بلند کیا۔

روسی کمیونسٹ پارٹی کی بیسویں کانفرنس نے جارودی کے نزدیک حیران کن فلسفہ کا راگ الاپا، اس فلسفہ نے اسے کمیونزم کے متعلق شک ویقین کی کشمکش سے دوچار کر دیا۔ اس کے اس فکری ارتقاء کی ترجمان اس کی کتاب "بیسویں صدی کی مارکسیت" ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں اس نے لکھا ہے کہ وہ مارکسیت سے اپنی سابقہ ہم آہنگی کا منکر نہیں اس کے باوجود وہ زندہ مارکسیت کی جدید پیش رفت کے لیے نئی راہ کھولنا چاہتا ہے تاکہ وہ بیسویں صدی کے فکری ارتقاء کے احتیاجات کو پورا کرسکے۔

وہ اس کتاب میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے، باوجودیکہ ہم نے یقین کے لیے ایک نئی پناہگاہ کی

تلاش میں نکلے ہیں پھر بھی یہ تلاش خوابوں کی دنیا میں ہے۔ ہمارا یہ اقدام کسی شک و شبہ یا مدہوشی سے بیداری کے سبب نہیں ہے نہ ہمارا یہ اقدام اس لیے ہے کہ آج کے بعد کسی چیز پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ہمارا عزم مصمم اس لیے ہے کہ آج کے بعد سے کسی چیز کے رد و قبول میں ہماری آنکھیں کھلی ہوں گی۔ ہتھوڑے کی مانند۔ تو تسکین کی تعبیر میں شیشے کو چور چور کر دیتی ہے، لیکن لوہے کو صرف پست کر سکتی ہے۔ بیسویں کانفرنس ایک امتحان تھی۔ اس نے ہمارے ایمان اور ہماری آرزوؤں کو پامال نہیں کیا ہے۔ اس نے مارکسی فلسفہ کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ تیسری مرتبہ نکھر جائے۔

بیسویں صدی کی مارکسیت :

جارودی کی طویل علمی زندگی ہے اس دوران اس کی بیشمار کتابیں نکلیں، اس کی مشہور کتابیں یہ ہیں۔

"محرومی سے باہمی گفتگو کی طرف"، "نعم البدل"، "تمھارے خیال میں میں کون ہوں"، "انسان کا مطالعہ مختلف زاویوں سے"، "مارکسیت بیسویں صدی میں"۔ آخری کتاب مارکسیت پر جارودی کے ناقدانہ موقف کی عکاس ہے

اس کتاب میں جارودی تہذیبوں کو باہم مباحثہ اور استفادہ کا مشورہ دیتا ہے، اس کے خیال میں اگر مارکسیت خود کلامی کے نظریہ سے چپکی رہی تو بیدوی ہو جائے گی۔ اور ارتقائی قوت کھو دے گی۔ وہ تمام انسانی نتیجۂ افکار سے ہمکلام ہو کر ہی ترقی کر سکتی ہے۔

اپنی اس کتاب میں جارودی نے مارکسیت کے اس دعوے کی تردید کی ہے کہ وہ ایک کامل نظام حیات ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مارکسیت کا مادی جدلی مزاج اسے عمل مسلسل میں لگائے رکھتا ہے، تاکہ وہ تاریخ علوم کی مفید اکتشافات اور نئی صورتوں کو حاصل کر سکے، دوسرے لفظوں میں اس کی یوں تشریح کرتا ہے، مارکسیت کائنات کا ایک علمی تصور ہے اور علمی بحث کا ایک منہج ہے وہ کسی متعین علمی اصول پر علمی پرکھ کا کام نہیں کرتی، اس کا کام یہ ہے کہ اپنے اصول کے اعتبار سے ہم سے کسی نظریہ کو مان لینے میں احتیاط برتنے اور اسے آخری اور مطلق حقیقت تسلیم کرنے سے باز رکھے۔ اس تشریح سے مارکسیت کے کامل نظام حیات کے دعوے کی یکسر نفی ہوتی ہے۔

مارکسیت اقتصاد کو انسانی سرگرمی کا واحد محرک سمجھتی ہے۔ جارودی کی تشریح مارکسیت اس مارکسی حقیقت کو بھی رد کر دیتی ہے۔ اس کے نزدیک اس عالم رنگ و بو میں اقتصاد انسانی تعلقات کی واحد بنیاد نہیں ہے، یہاں دین فلسفہ، علم و فن سبھی کارفرما ہیں یہ تمام انسان و کائنات کے باہمی تعلقات کے مختلف چہرے ہیں اور یہ تمام انسانی سرگرمی بپا رکھنے میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

دین کا نیا مطالعہ :

جارودی کے فکری ارتقاء کا ایک دور ایسا آیا جس میں وہ دین کی طرف مائل نظر آتا ہے ۔ اس دور میں اس نے مارکسیت اور مسیحیت کے درمیان مصالحت اور تطبیق کی کوشش کی اور اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھ ڈالی ۔ دین مارکسیت کے نزدیک وہم اور دھوکہ ہے ۔ ظالموں نے طبقاتی فرمانروائی کی خاطر اسے ایجاد کر لیا ہے ۔ یہ مارکسیت کے نزدیک بنیادی حقیقت ہے ۔ جارودی کی مصالحانہ اور تطبیق کی کوشش اسے رد نہیں کر سکتی تھی ، وہ اپنی کتاب میں الحاد کا اثبات کرتا ہے ، اس نے اس کے اندر مارکسی الحاد کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ اپنی اس دور کی کوشش میں تناقض کا شکار ہو جاتا ہے ، اس کے اس نئے مطالعہ نے اسے بتلایا کہ دین نئی ترقی اور جدید جدوجہد کی راہ کھول سکتا ہے اس کے نزدیک مسیحیت اولیٰ پر انقلاب کی چھاپ تھی ۔ یوحنا نے رومانی سلطنت ڈھے جانے کی تمنا کی تھی ۔

جارودی کی یہ کتاب اسلام سے متعلق کسی مسئلہ سے بحث نہیں کرتی ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کتاب کی تالیف کے وقت تک اسلام کو دریافت نہیں کر سکا تھا ۔

مارکسیت سے رُوگردانی :

غور و فکر اور دوسرے نظریات کے مطالعہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ جارودی نے مارکسیت کو خیر باد کہہ دیا ۔ یہی اس کے ایمان کی پہلی منزل ہے جس کی اسے مسلسل جستجو رہی ۔

جارودی کا نظریہ تھا کہ مارکسیت کو دوسری تہذیبوں سے استفادہ کرنا چاہیے ۔ اس کے خیال میں یہ نظریہ مارکسیت سے روگردانی کا نتیجہ نہیں ہے ، لیکن اسی نظریہ کی بنیاد پر اس کے ظہور کے کچھ ہی دنوں بعد سیاسی نبرد آزمائی اور نمایاں جنگ آرائی شروع ہو گئی ۔ اس جنگ آزمائی کے شعلے بھڑکتے رہے کی ابتدا اور وسط میں فکری حلقوں اور مارکسی مفکرین کے مناظروں میں اٹھتے رہے ۔

جارودی اپنی وسیع النظری کے باعث کمیونسٹ پارٹی سے نکال دیا گیا ، اس کے باوجود وہ سمجھتا رہا کہ مارکسیت کا وہ عظیم مفکر اور اس کا سب سے بڑا ترجمان ہے

اسلام کی طرف :

اس نے اسلام کیلئے اس وقت آنکھ کھولی جب وہ انسانی فکر کی بہرہ مندی سے مایوس ہو چکا تھا ۔ اس بنا پر اسلام سے اس کی دلچسپی مستشرقین کی دلچسپی کی طرح نہ تھی ۔

اہم عصری مسائل کے ساتھ اس کی دلچسپی ایک خاص نوعیت کی ہے۔ اس کی یہ دلچسپی اپنے اندر علمی اور معاشرتی امور سے متعلق پختہ نقطۂ نظر سمیٹے ہوئے ہے، اس نے بارہا اپنے نقطۂ نظر اور تجزیہ سے مغربی معاشرہ کو مغربی تہذیب کے متعلق مشکوک کر دیا ہے۔ یہ تجزیے اس کی بصیرت اور ژرف نگاہی کی بین دلیل ہے، وہ عصری ثقافت کا استیعاب کر چکا تھا اور اس کی رسم و راہ سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اس دور میں جارودی نے اپنے آپ کو تیسری دنیا کے مظلوم عوام کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہونے کے لئے تیار کر لیا تھا، اُسے سیاسی عمل کا چسکا پڑا ہوا تھا، اسی بنا پر اس نے گزشتہ سال فرانس کے صدارتی انتخاب میں حصہ لیا اور صدارت کا امیدوار بن کر کھڑا ہوا لیکن اسے ناکامی ہوئی۔

اپنے قبول اسلام سے پہلے اس نے ایک اخباری نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔ دنیا کو بحران سے نجات اسلامی منہج اپنانے سے مل سکتی ہے۔ اس کے اس بیان نے یورپ کے سیاسی حلقوں میں کھلبلی مچا دی۔

اس کی آخری کتاب جو منصہ شہود پر آئی وہ ہے (" Promesses del ,Islam ") مبشرات اسلام، یہ کتاب فرانسیسی زبان میں ہے، اس کا تعارف ایک عربی مقالہ نگار عبد القادر سیلا نے کرایا ہے۔ یہ تعارف مجلہ "الامة" میں شائع ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس تعارف کی تلخیص پیش کرتے ہیں۔

مصنف نے اس کتاب میں مختلف قضیوں اور مسائل پر بحث کی ہے۔ اسلامی تہذیب کی شاندار کامیابی کے اسباب بتلائے ہیں۔ مغربی تہذیب پر اس کے دوررس نتائج واثرات کی وضاحت کی ہے۔ اسلامی عقیدہ، سیاست، اقتصاد، حقوق، علم و معرفت، آزادی، عصریت اور اس کے مضرات کی وضاحت کی ہے۔ عالم اسلام کو بیداری اور تہذیب کی تشکیل جدید کی دعوت دی ہے اور بتلایا ہے کہ سارے مسائل کا حل اسلام کے اندر موجود ہے اور لوگوں کو اسی حل سے مستفید ہونے کا مشورہ دیا ہے۔

اسلامی تہذیب کی اہمیت :

اسلامی تہذیب کے متعلق جارودی کا تبصرہ ہے کہ مغربی تہذیب کے مآخذ یونانی، رومی اور اسلامی تہذیبیں ہیں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اعتراف کیا جائے کہ مغربی تہذیب نے سب سے زیادہ اسلامی تہذیب سے استفادہ کیا ہے۔ اسلامی تہذیب اس کا سب سے زیادہ اہم اور مفید ماخذ ثابت ہوا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ تاریخی شہادتیں دستاویزات اور قابل اعتماد مراجع اس کی تائید کرتے ہیں اور دشمنان اسلام کے اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ ایشیا افریقہ اور یورپ کے اندر رواں دواں تجارتی قافلوں کے راستے میں پڑتے تھے، نیز مکہ اور مدینہ کے

باشندے چھٹی صدی ہجری میں رائج عقیدوں کے ماننے والوں سے ملتے تھے۔ یہ دو اساسی عوامل تھے جن کے نتیجے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ترقی پذیر افکار حاصل کر لیے۔ خاص طور سے شام کے اپنے تجارتی اسفار کے دوران۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ کے ادیان اور معتقدات اس حد تک بگڑ چکے تھے کہ ان سے استفادہ مشکل تھا یہ جا ئیکہ وہ اسلامی تحریک جیسی وسیع علمی تحریک کی بنیاد بنیں۔

اسلامی تہذیب کی کامیابی کے اسباب :

اسلامی تہذیب مکہ اور مدینہ سے نکل کر تین براعظموں میں پھیل گئی۔ اس کامیابی کی مثال نہ پہلے تھی نہ آج پیش کی جاسکتی ہے۔ مصنف نے مستشرقین کا تجزیہ مسترد کر دیا ہے۔ اسے مارکسی تجزیے بھی خرافات معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی نگاہ میں کچھ دوسرے ہی عوامل ہیں جو اسلامی تہذیب کی ہمہ گیر کامیابی کے ضامن ہیں۔ اس سلسلے میں اس نے تین اسباب بتلائے ہیں

(۱) اسلامی دعوت کے مشمولات اور اس کا مزاج :

اسلام نے علم کے کسی شعبے کو عقیدے سے بعد تسلیم نہیں کیا ہے۔ کیوں کہ عقیدہ ہی اصل مقصد ہے اور کائنات کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ کائنات کی ساری چیزیں وجود الٰہی کے مظاہر ہیں۔ کائنات کا علم حاصل کرنا محض پیداوار بڑھانے کی ایک صورت نہیں ہے، بلکہ ایک عبادت ہے جس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں نے مختلف عظیم عالمی ثقافتوں کی میراث کو اپنے علم میں ضم کر لیا۔

(۲) دوسری تہذیبوں کے ساتھ اسلام کی رواداری :

اسلام نے غیر اسلامی سوسائٹیوں جماعتوں اور افراد کو قبول کر لیا۔ مختلف اسلامی حکومت میں یہود و نصاریٰ اور دوسرے گروہوں کو اہم مناصب ملے۔ اور مختلف ادیان کو کامل حقوق اور رعائتیں ملیں۔ غیر مسلموں کو اپنے شعائر دین پر عمل کرنے کی بغیر کسی تنگی کے اجازت ملی۔ اس کے برعکس صلیبیوں نے قدس اور اندلس میں مسلمانوں کو اور یورپ نے اپنے دور استعمار میں امریکہ میں سرخ ہندیوں کو ستایا، ان پر نصرانیت تھوپنے کے لیے ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔ حالانکہ یہ لوگ خود سب سے پہلے نصرانیت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

(۳) خالق کو سب سے برتر قرار دینے کا اصول

اس اصول کی بنیاد پر تمام انسان مساوی ہیں، کسی میں کوئی تمیز نہیں ہے۔ یہ ایسا اصول ہے جو تمام مظلوموں

کے لیے امید کی کرن ہے ، اس اصول نے ان کی ڈھارس بندھائی اور وہ تیزی سے اسلام کی صف میں آگئے۔ اس کی مدد کی اور فارس و بازنطین جیسی عظیم سلطنتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ سلطنتیں یکے بعد دیگرے گرتی چلی گئیں۔ حالاں کہ تعداد اور سامانِ جنگ کے اعتبار سے کوئی طاقت ان کے مدمقابل نہ تھی۔ پھر یہ کہنا کہ یہ سلطنتیں مسلمانوں کے ہتھیار کے زور سے گرگئیں نا سمجھی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی فتوحات نے استعماری صورت نہیں اختیار کی بلکہ اس کا استقبال کیا گیا۔ مثال کے طور پر اسپینی عوام نے مسلم فاتحین کا استقبال کیا، کیوں کہ انھوں نے انھیں ان کے ہموطن بادشاہوں کے ظلم وستم سے بچایا اور غالباً یہ بات اس حقیقت کی صحیح عکاسی کرتی ہے کہ مسلمانوں نے اندلس کو صرف دو سال کے اندر فتح کرلیا۔ لیکن اندلس کو ان سے چھیننے میں سات صدیاں گزر گئیں۔

عقیدہ

رجا جارودی تمام مباحث کا محور عقیدہ کو قرار دیتا ہے۔ علم اقتصاد، سیاست، حریت، علم، فن اور حقوق کا سرچشمہ مصنف کے نزدیک عقیدہ ہے۔ دنیاوی زندگی اور عقیدہ کے اصولوں کے درمیان تفریق اسے قبول نہیں۔ اس لیے کہ اللہ ہی مالک و شارع اور رہنما ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ ہمیں اسلام قرآن اور سنت سے سمجھنا چاہیے۔ اس دین میں سیاست و عقیدہ اور مسجد و حکومت کے درمیان دوئی کا کھوٹا نظریہ مقبول نہیں۔ اسلام کے اندر اتنی قوت ہے کہ وہ مغربی معاشرہ کے انحلال اور تہذیبی بحران پر غلبہ پا سکتا ہے، کیوں کہ وہ خالق کی وحدانیت اور عقیدہ و عمل کی وحدت کا قائل ہے۔

حریت:

یہ نظریہ استعماری لوٹ کھسوٹ کے خلاف جہاد کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ کل الجزائریوں کے اندر اسی نے روح جہاد پھونکا، اور آج مجاہدین افغان کو ہر قربانی دینے کے لیے آمادہ کر رہا ہے۔ اس کے برعکس مغربی انسان کائنات، معاشرہ اور اللہ کے ساتھ اپنے تعلقات متوازن نہ رکھ سکا، اس نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس کائنات کا آقا و مالک ہے اور یہ کائنات صرف خام مادوں کا گودام ہے جس میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ اس نے اپنے اس رویہ سے ثابت کردیا کہ نصرانیت نے انسان کو اسلام کے عالمی نظریہ پر برقرار رکھنے میں مدد نہیں دی۔ خصوصاً اس حالت میں کہ وہ چوتھی صدی عیسوی کے بعد یونانی بت پرستی کے ساتھ ہم آمیز ہوچکی تھی۔

اقتصاد :

اقتصاد کے متعلق ہمارودی کہتا ہے کہ اقتصاد کا اسلامی مفہوم مغرب میں رائج مفہوم کے بالکل خلاف ہے۔ مغرب میں اقتصاد کا مفہوم ہے، پیداوار اور استعمال ۔ یہی دو اس کے مقاصد ہیں۔ زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو اور زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جائے ۔ چاہے وہ پیداوار کتنی ہی بے کار اور بے مقصد ہو ۔ انسانی مقاصد کی وہاں ذرا بھی رعایت نہیں ہے ۔ اس کے برعکس اسلامی نظام میں اقتصاد کا مقصد صرف پیداوار نہیں ہے بلکہ توازن لانا ہے ۔ اس سے اسلامی نظام اقتصاد اور سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ نظام اقتصاد کے درمیان ادنیٰ تشابہ ختم ہو جاتا ہے ۔ اسلامی نظام اقتصاد اساسی خصوصیت رکھتا ہے وہ مشین کا اندھا تابعدار نہیں بنتا ہے، بلکہ اس کا ایک مقصد ہے وہ انسانوں کے عظیم عقائدی مقاصد کو منظم کرتا ہے ۔ اسلامی نظام کے اندر اقتصاد ایک آزاد اور غیر جانبدار عمل نہیں ہے ۔ اس نظام میں منڈی اس لیے ہے کہ اسلامی اصول کے مطابق لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوں ۔ اسلامی اقتصاد کے اندر توازن آمدنی کی تقسیم میں نمایاں ہوتی ہے ۔ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت ہوتی ہے، بھاؤ کی نگرانی ہوتی ہے ۔ اور مختصر لفظوں میں منڈی وسیلہ ہے غایت نہیں ہے رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله ۔ (وہ ایسے لوگ جنھیں یاد الٰہی سے تجارت اور خرید و فروخت غافل نہیں کرسکتی ۔)

حقوق :

حقوق کے متعلق ہمارودی کا خیال ہے کہ اسلام انسان کو کل کا ایک جزو سمجھتا ہے ۔ کلیت کا اسلامی مفہوم مغرب کے مفہوم کے بالکل برعکس ہے ۔ مغرب کے یہاں کلیت کا مفہوم فردیت کے مقابلے میں ہے ۔ اسلام کا ہمہ گیر مفہوم استبداد اور فاشسزم سے ادنیٰ تعلق نہیں رکھتا ۔ فاشسٹ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کی کوئی قدر و قیمت اور حقیقت نہیں ہے ۔ اگر اس کی کوئی اہمیت ہوسکتی ہے تو حکومت کی بنیاد پر ۔ انسان اور اس (کل) کے درمیان تعلق کی نوعیت جسمانی عملی اور معاشرتی نہیں ہے ۔ اس طرح کے تعلقات تو ایسے معاشرے کے اندر وجود پذیر ہوتے ہیں، جس میں ذات کے سوا کوئی دوسری چیز مقصد نہیں ہوتی ۔ وہاں صرف پیداوار اور قوت کے لیے منصوبے ہوتے ہیں ۔ اس کے برعکس اسلامی معاشرہ کے کچھ مقاصد ہیں، جو معاشرہ کی بنیاد ہیں، یعنی مساوات اور حریت ۔

ان اعلیٰ اقدار کی بنیاد پر اسلامی شریعت آج تہذیب کی گاڑی کو کس قدر آگے بڑھا سکتی ہے ۔ اس سلسلے میں ہمارودی نے مسلمانوں کے تہذیبی تعاون کی مثالیں پیش کی ہیں ، اسلام میں صنف نازک کے حقوق پر مغرب نے جس اندھے تعصب

کام لیا ہے، مصنف کو اس پر سخت تعجب ہے، وہ کہتے ہیں۔ کہ - قرآن نے عورت کو بلا شرط و قید حق ملکیت عطا کیا ہے۔ یہ حق ہم مغرب میں انیسویں بیسویں صدی میں پاتے ہیں، اس سے پہلے ان کے قوانین میں اس کا کہیں وجود نہ تھا۔ قرآن نے عورت کو پہلی خطا کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کا خطاب آدم علیہ السلام کو تھا۔

سیاست :

سیاست کے متعلق جارودی نے بڑے عزم کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے کہ اس امت کا محور عقیدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد اپنے مصالح اور ذاتی اغراض سے امت کے مصالح کے حق میں دست بردار ہو جائے۔ مصالح امت پوری انسانیت کو محیط ہوتے ہیں۔ قومی اقتدار، ملکیت کی طرح ایسا ادارہ ہے جو اپنے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے اسلامی عقیدہ اللہ کے غلبے کے سوا کسی دوسرے اقتدار کا قائل نہیں۔ سیاسی اقتدار اسلام کے اندر ایک نسبتی چیز ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

اسلامی نظام سیاست کا پارلیمانی، جمہوری نظام، ملوکیت اور تھیوکراطیت (جو مغرب میں الٰہی حق کا درجہ رکھتی ہے) سے موازنہ کرنا درست نہیں ہے۔ سیاسی میدان میں اسلامی نظام کو سمجھنا اور اسے ہر ملک میں اور ہر عصر میں اس طرح روبہ عمل لانا جو ان ملکوں اور زمانے سے ہم آہنگ ہو سکے۔ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

علم :

علم اور سائنس کے متعلق جارودی کا خامہ فرسا ہے۔ وہ مغرب میں علوم اور تکنالوجی کی تاریخ ایک ضمنی مفروضے پر قائم ہے۔ علوم و صنعت کی پیش رفت کا معیار یہ ہے کہ وہ کس حد تک انسان اور کائنات پر غلبہ کی ضمانت دے سکتے ہیں، اس کے سوا وہاں کوئی مقصد نہیں ہے۔

لیکن اسلام دین توحید ہے، یہاں علم اور عقیدہ میں تفریق نہیں ہے۔ کائنات میں ہر موجود چیز وجود باری کی دلیل ہے یوں کائنات کی معرفت ایک طرح کی عبادت ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں مسلمان کی کوشش یہ ہوگی کہ تمام عالمی ثقافتیں ہم آمیز ہوں۔ تاکہ پوری بشریت اس سے مستفید ہو۔ جب عالم اسلام میں علوم کا بازار گرم تھا، نصرانی یورپ میں علوم کی پیش رفت رکی ہوئی تھی کلیسا نے سائنس کے متعلق شک و شبہ کا اظہار کیا، اس کا خیال تھا کہ سائنسی علوم اللہ سے دور کر دیں گے۔ نصرانیت نے اپنی پوری تاریخ میں علوم کے خلاف معرکہ بپا کیے رکھا جبکہ یہی علوم اسلام میں وحدانیت کا اصول بن گئے۔ یہاں کائنات کے علوم اور دوسرے علوم و فنون میں کوئی تفریق نہیں۔

جب قرون وسطیٰ میں یورپ میں علوم کے چشمے خشک ہو چکے تھے، اس وقت عالم اسلام میں ابن سینا اور رازی جیسے بے شمار حکماء و علماء پیدا ہوئے۔ مصنف کی نگاہ میں مسجد اور مدرسہ کی دعوت ایک ہے، اللہ کی وحدانیت اور وحدت طبعیہ کی تبلیغ۔

اس دور میں مسلمانوں کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم تھیں اسی طرز پر فرانس اٹلی اور دوسرے یورپی ملکوں میں کالج قائم ہوئے۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ مسلمانوں کے علوم اور تہذیب کی رہین منت ہے، طب ریاضیات، جغرافیہ، علم الاجتماع، علم الفلک وغیرہ میں یورپ نے مسلمانوں سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ یونانی اور نصرانی تہذیبیں جن کی وراثت کا یورپ دعویدار ہے اسے یہ تہذیبیں اس لیے راس آسکیں کہ اسلامی تہذیب نے صدیوں ان کی نشوونما کی، انھیں اپنے تجربات سے مالا مال کیا اگر ان پر اسلامی تہذیب کی دین کا احسان نہ ہوتا تو وہ اس لائق نہ تھیں کہ ان کی بنیاد پر کوئی نئی تہذیب قائم ہو سکے۔ یورپ اسلامی تہذیب سے اس وقت تک مستفید ہوتا رہا جب تک کہ ڈیکارٹ کا نظریہ رواج پذیر نہ ہوا تھا۔

اسلامی عقیدے میں علم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کائنات اس کی نگاہ میں سپاٹ لائن پر آگے نہیں بڑھتی، بلکہ بلندی کی شکل میں نمو پذیر ہوتی ہے اور ماضی پیچھے سے نہیں آتا بلکہ وہ قدموں کے نیچے ہوتا ہے، کیوں کہ علم اور سائنس بلند مقاصد کے لیے ہیں۔

حکمت اور نبوّت :

مغربی فلسفہ میں بنیادی سوال ہے معرفت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ قرآن نے الٰہ اور کائنات کے متعلق نیا نظریہ پیش کیا۔ یہ نظریہ یونانی نظریہ سے یکسر مختلف ہے۔ حقیقی اور غیر حقیقی، واحد اور متعدد اور الٰہ اور کائنات کے باہمی تعلقات کے متعلق وحئ قرآن نے نیا موقف پیش کیا۔

اسلامی فن :

بجارودی کا خیال ہے اسلام میں تمام فنون کا تعلق مسجد سے ہے مسجد بذاتہ عبادت رب کی رہنما ہے۔ مصنف نے اسلامی فن اور اسلامی عقیدہ کے درمیان تعلق جوڑنے کے ساتھ اس خیال کی تردید بھی کی ہے کہ اسلامی فن بازنطینی فن کا ارتقاء ہے۔ فن اسلام میں، فن عبادت ہے، یہاں دنیوی اور اخروی امور کے درمیان کوئی پردہ نہیں اور نہ ان کے درمیان تقدس اور عدم تقدس کا بٹوارہ ہے، اسلامی فن جہاں بھی ہو اس کے اندر مشابہت ہوتی ہے۔ بجارودی نے کتاب کے

سامنے میں اسلام سے متعلق اپنے خیالات کی تلخیص پیش کی ہے ۔ اس کے بعد مغربی تہذیب کے اثرات اور اس کے نقصانات کی نشاندہی کی ہے اور عالم اسلام اور مغرب کو تہذیبی بحران سے نکلنے کی تلقین کی ہے اور انھیں راہ عمل دکھلایا ہے، مصنف لکھتا ہے ,, معاملہ ہمارے انجام اور تمام لوگوں کے انجام سے متعلق ہے ۔ یہ کتاب اسلام کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے ۔ اسلام کے پیچھے تقریباً پوری تیسری دنیا ہے، جہاں پوری آبادی کا انجام اسلام سے وابستہ ہے ۔ ہم نے اس دین کے مطالعے کی کوشش اس اعتبار سے کی ہے کہ یہ ایک زندہ قوت ہے اور محض اپنے ماضی کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس لیے کہ آج بھی اس کے اندر مستقل ایجادات کے لیے بے پناہ قوت ہے ۔ صلیبی جنگوں، مسیحی علماء اور مستشرقین نے مغرب میں اسلام کی صورت بگاڑ کر پیش کی اور اسلام کو ایک جنگجو اور استعماری نظریہ بنا ڈالا ۔ یوں یورپ میں اسلام کا مطالعہ سیاسی اغراض کے لیے ہوا اور استعماری قوتوں کے لاتعداد متنوع محاذ جنگ نے عالم اسلام پر دو تہذیبی اثرات چھوڑے ۔

(۱) عصریت کا رجحان :

مغرب زدہ دانشوروں نے مغربی آلکار اپنانے کی دعوت دی اور اس کے امراض کو درآمد کرنے کے لیے تیار ہو گئے مغرب کا سب سے خطرناک مرض قومیت و وطنیت تھا ۔ اس کی حدبندی یورپ نے اپنے استعمار کے بعد کی ۔ سیاسی میدان میں عصریت کا مفہوم پارلیمانی نظام قائم کرنا ٹھہرا ۔ حالانکہ یہ نظام فرانس اور برطانیہ میں خاص تاریخی اور اقتصادی پس منظر میں ظاہر ہوا طبعی طور پر عالم اسلام کا ماحول اس کے لیے مناسب نہیں ہو سکتا ۔ اقتصادی میدان میں عصریت کا مفہوم یہ طے ہوا کہ اسلامی حکومتیں یورپی منڈی میں شامل ہو جائیں اور انھیں مغرب کے ساتھ منافست کا کوئی موقع نہ ملے، بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ مغرب کے محتاج رہیں اور اس کے خریدار ثقافت کی دنیا میں عصریت کا مطلب ہے کہ فلسفہ مغرب کی کارفرمائی ہو کائنات اور انسان پر اس کا قبضہ ہو ۔ عصریت کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ایک طرز زندگی استوار کیا جائے جو دوسری قوموں سے لیا گیا ہو خواہ بذاتہ وہ اچھا ہو یا برا تاکہ اس سے غیروں کی مطلب برآری ہو سکے ۔

اس رجحان کا یہ اثر رہا کہ مسلمان اپنی ذات اپنی ملت اپنی تاریخ اپنی ثقافت اور اپنے خاص انجام سے بیگانہ ہو گیا مغرب زدہ دانشوروں کے اس مطالبے کا یہ مطلب ہوا کہ عالم اسلام مغرب کی ترقی کے منہج کو ہو بہو اپنا لے اور ایک صدی یا ڈیڑھ صدی پیچھے لوٹ جائے

(۲) مغرب کی نقالی کا رجحان :

دوسرا رجحان مغرب کی نقالی کا ہے اور مصنف کا خیال ہے کہ اس میں انتہا پسندی کا ذمہ دار مغرب ہی ہے ۔ اخیر میں

مصنف مسلمانوں کو اور مغرب کو تلقین کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ماضی کے اندر محصور ہو جانا چاہیے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعمیر کردہ معاشرہ کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔ اسلاف کے منہج ہی کو اختیار کرکے ماضی سے وفاداری برقرار اور مستمر رہ سکتی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے ایک نئی دنیا ہوگی، بلکہ عالمی پیمانہ پر ایک نیا دور شروع ہوگا۔ یورپ کو اس کی نصیحت ہے کہ اگر تہذیبی بحران کا حل چاہتا ہے تو اسے اسلامی تہذیب سے استفادہ کرنا ہوگا، اس کے لیے اس کو اندھا تعصب اور استعماری ذہنیت ترک کرنی پڑے گی اور نئے سرے سے اسلام کا مطالعہ کرنا ہوگا

یہ تھے اسلام کے متعلق ایک حقیقت پسند کمیونسٹ کے خیالات۔ اس کی حقیقت پسندی نے اسے اسلام سے ہم آغوش کردیا۔ برسہا برس کی اس کی ثقافتی بناوٹ بھی، اس کا خاص ماحول تھا، لیکن ماضی کے تمام اثرات اور ذاتی ماحول اسلام کو صحیح طرح سمجھنے میں اس کی راہ کی رکاوٹ نہ بن سکے۔ مجموعی طور پر اس کا مطالعۂ اسلام بہت ہی کامیاب رہا۔ تعجب ان دانشوروں اور داعیان اسلام پر ہے جو اسلامی معاشرہ میں رہتے ہوئے اسلام کے صحیح رخ کو نہیں دیکھ پاتے۔ جارودی نے سارے مسائل کا مرجع ومحور عقیدہ کو قرار دیا ہے۔ لیکن آج کی موجودہ تحریکیں اور موجودہ داعیان اسلام اس راز کو نہ سمجھ سکے، ان کی ساری کوشش معاشرہ کی ظاہری اصلاح پر صرف ہو رہی ہے۔ ان کی نگاہ میں یہی اصل ہے اور اسی میں سارے مسائل کا حل ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح اقامت دین ممکن ہے۔ یعنی اس کا راستہ جمہوریت ہے۔ ع

بریں عقل ودانش بباید گریست

•••

بقیہ: بحر ظلمات.... خدائی رہنمائی کو اپنے مسائل زندگی سے بے دخل کر رکھا ہے، آج وہ زندگی کے ان اصولوں کو اپناکر بہت سے فائدے اور غلبہ وسربلندی حاصل کیے ہوئے ہے۔ یعنی ع لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل

کاش وہ مسلمان جو امریکہ کی حیوانی تہذیب اور جنسی تباہ کاریوں کو اپنے اپنے ممالک میں درآمد کرنے کے لیے کوشاں ہیں وہ اس کے بجائے امریکی قوم کی چستی، سحر خیزی، جفاکشی، شریفانہ برتاؤ، ایمانداری، صلاحیتوں کی قدر اور ان کے صحیح استعمال کے اصولوں سے کچھ سیکھ سکتے۔ اور اگر کہیں سے کچھ درآمد کرنا ہی ہے تو یہی سب درآمد کرتے۔ یالیت قومی یعلمون۔

•••

تبلیغی دورہ

جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی کے مبلغ مولانا عبدالودود صاحب سلفی نے وسط نومبر ۱۹۸۲ء سے فروری ۱۹۸۳ء کے وسط تک اضلاع بلیا، ہردوئی، رائے بریلی، گونڈہ، دیوریا، بنارس کے ۲۸ مقامات کا تبلیغی دورہ کیا۔

عالم اسلام

ایران کے "اسلامی" انقلاب کی حقیقت

نفسیاتی ماحول اور پس منظر

۱۱ فروری کو انقلاب ایران کی چوتھی سالگرہ منائی گئی۔ اس انقلاب کی روح کو سمجھنے کے لیے اس ذہنیت اور نفسیاتی پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے جو انقلاب کے پس پردہ کارفرما ہے۔ اور یہ بات شیعہ مذہب کا خاکہ سامنے رکھے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے پچھلے شمارے میں ہم نے شیعہ مذہب کے وجود اور ساخت، پرداخت کی کیفیت، اسباب اور مقاصد پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈال دی تھی۔ اب پیش نظر مضمون میں ہم اثنا عشری شیعوں کے عقائد کو مختصراً پیش کریں گے اور ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کرتے چلیں گے کہ ان عقائد کے سلسلے میں ایران کے موجودہ انقلابی رہنما اور مذہبی سربراہ حضرت خمینی صاحب کا موقف کیا ہے، تاکہ ان کے خیالات اور مقاصد کھل کر سامنے آسکیں۔ یہ واضح ہوسکے کہ وہ اپنوں اور غیروں کے حق میں ایک معتدل شیعہ ہیں یا متشدد۔ اور یہ بھی معلوم ہوسکے کہ ان کا انقلاب کس حد تک اسلامی کہلانے کا حقدار ہے۔ شیعہ عقائد مختصراً یہ ہیں۔

شیعوں کے امام خدائی میں شریک کتاب وافی جو شیعوں کی صحیح بخاری ہے۔ اس کے باب ۷-۱ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں: ہم لوگ اپنے رب کے پاس تھے۔ ہمارے سوا وہاں کوئی نہ تھا، نہ مقرب فرشتہ نہ کوئی ذی روح۔ بس ہم ہی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا خیال ہوا کہ آسمان و زمین پیدا کرے، تو اس نے اور ہم نے ساتھ مل کر پیدا کیا۔

وافی (۲/ ۳۳) میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی نبی کے مثل ہیں۔ ان کے ہاتھ میں جنت اور جہنم ہے۔ ان میں جو بھی داخل ہوگا حضرت علی کی تقسیم کے مطابق داخل ہوگا۔

شیعہ کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ جعفر صادق کہتے تھے: ہماری ولایت اللہ کی ولایت ہے۔ سارے فرشتے ہماری ولایت کے تابع فرمان ہیں۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کام اماموں کو سونپ دیا ہے۔ غالی شیعوں نے اس کا مطلب یہ

بیان کیا ہے کہ اللہ نے صرف اماموں کو پیدا کر دیا۔ پھر سارے عالم کی پیدائش اماموں کے حوالے کر دی۔ اس لیے امام جب جو چیز چاہتے ہیں اپنی قدرت اور اپنے ارادے سے پیدا کرتے رہتے ہیں۔ معتدل شیعوں نے اس معنی کو غلط بتایا ہے۔

آئیے دیکھیں، خمینی صاحب اس بارے میں کیا نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ خمینی صاحب اپنی مشہور کتاب "الحکومۃ الاسلامیۃ" مطبوعہ بیروت ص ۵۲ پر لکھتے ہیں۔ "امام کو مقام محمود، درجۂ بلند اور تکوینی خلافت حاصل ہے۔ اس کائنات کا ایک ایک ذرہ ان کی ولایت اور تسلط کے تابع ہے۔" ـــ تکوینی خلافت کا مطلب واضح ہے کہ اس کائنات کا سارا اعلائی نظام شیعہ اماموں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خدا کے جانشین ہونے کی حیثیت سے جو کچھ پیدا کرنا یا مٹانا چاہتے ہیں، کرتے رہتے ہیں۔ اسی کتاب کے ص ۱۲۱ پر خمینی صاحب لکھتے ہیں۔ "فرشتے حضرت علی کے پیروکار ہیں۔ اور سارے انسان حتی کہ دشمن بھی ان کے تابع فرمان ہیں کیونکہ لوگ اٹھنے بیٹھنے میں، بولنے اور چپ رہنے میں، خطبے، نمازوں اور جنگوں میں حق کے تابع فرمان ہیں۔"

ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ خمینی صاحب حد درجہ غلو پسند شیعہ ہیں۔ اور انھوں نے ائمۂ اہل بیت کو ان سارے اختیارات سے متصف مان رکھا ہے جو اسلامی شریعت میں خدا کے لیے مخصوص ہیں۔ بلکہ مزید دو قدم آگے بڑھ کر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام کی روپوشی کے زمانے میں جس موجودہ اسلامی حکومت کی تشکیل مفروض ہے۔ اللہ نے اسے بھی سارے اختیارات دیے ہیں۔" (دیکھیے الحکومۃ الاسلامیہ ص ۴۷) ۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ خدائی کے اس منصب پر جلال پر اس وقت خمینی صاحب اور ان کے رفقاء براجمان ہیں۔ لیکن معلوم نہیں چرخ نیلوفری کی ایک گردش کے ذریعہ عراقی فوج کو بھسم کرنے میں کیوں ناکام ہیں حیرا گئے حلے

شیعوں کے امام فرشتوں اور پیغمبروں سے افضل

معتدل شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین اپنے نبی کو سونپ دیا۔ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پایا تھا وہ حضرت علی اور ان کی اولاد کے حوالے کر دیا۔ امام جعفر صادق سے اس مفہوم کی روایت شیعہ کتابوں میں موجود ہے۔ مگر غالی شیعے اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے اماموں کو پیغمبروں سے بھی بدرجہا افضل مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی حضرت علی کے پاس بھیجی تھی۔ مگر جبرئیل نے غلطی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتار دی۔ انبیاء سے اماموں کے افضل ہونے کا ایک دلچسپ پہلو جعفر صادق کی روایت میں پیش کیا گیا ہے۔ جعفر صادق کہتے ہیں: جنت و جہنم میں جو کچھ ہے مجھے معلوم ہے۔ مجھے اگلی پچھلی تمام باتیں معلوم ہیں۔ اگر میں موسیٰ و خضر کے درمیان ہوتا تو ان دونوں کو بتاتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ جانتا ہوں، اور میں انھیں ایسی ایسی باتیں بتاتا جس کی ان دونوں کو کوئی خبر نہیں۔

باقر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ۷۳ حرف ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس درباری کو صرف ایک حرف معلوم تھا، جس کے بولتے ہی حضرت سلیمانؑ کی پلک جھپکنے سے پہلے ملکۂ سبا کا تخت حاضر ہو گیا تھا۔ ہمیں اس

اسم اعظم کے بہتر (۷۲) حروف معلوم ہیں۔ البتہ ایک حرف اللہ نے کسی کو نہیں بتایا۔ بلکہ اپنے پاس علم غیب میں رکھا ہے
(وافی ۲/۲۲)

باقر اور صادق کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسم اعظم کے صرف دو حروف دیے گئے تھے، جس سے وہ مردوں کو زندہ اور مادرزاد اندھوں کو آنکھوں والا بنا دیتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو چار حروف دیے گئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو آٹھ، نوح علیہ السلام کو پندرہ، آدم علیہ السلام کو پچیس (کل جوڑ ۵۴ ہوئے)۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارے چوّن اور مزید ۱۸ حروف دیے گئے تھے (کل ۷۲ ہوئے) اسم اعظم ۷۳ حروف ہیں۔ ۷۲ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے گئے، اور ایک کو اللہ نے پس پردہ رکھ لیا۔ اب نبی کا علم اور اماموں کا علم، اللہ کے علم سے صرف ایک حرف کم ہے۔ اللہ سے جو کچھ نکلتا ہے، نبی سے شروع ہوتا ہے، پھر امیر المومنین علی کو ملتا ہے پھر ایک ایک کر کے سارے اماموں کو ملتا ہے۔ تاکہ آخری کو پہلے سے زیادہ علم نہ ہو۔ اماموں کو نبیوں اور پیغمبروں کے سارے علوم معلوم ہیں۔

ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت علی اور ان کی اولاد نبوت کا درخت ہیں۔۔۔۔ اور فرشتے ان کے پاس چکر لگاتے ہیں۔ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پیغمبر آسمان و زمین کی پیدائش اور حور و قصور جیسی غیبی باتوں کے متعلق جو کچھ بتائیں اسے یہ جانتے ہوئے بھی رد کیا جا سکتا ہے کہ یہ پیغمبر کی بتائی ہوئی بات ہے۔ (بحر الفوائد ج ۱ ص ۲۶۷) لیکن اگر کوئی شخص اماموں کی چھوٹی بڑی کوئی بھی بات رد کر دے گا تو وہ شرک کی حد میں داخل ہو جائے گا۔ (وافی)۔ شیعوں کی کتابوں میں ان کے اماموں کے اتنے بڑے بڑے معجزات ذکر کیے گئے ہیں کہ ویسے معجزات کسی نبی کو بھی کبھی نصیب نہ ہو سکے۔

خلاصہ یہ کہ شیعوں کے نزدیک اماموں کی ولایت ہر پہلو سے نبیوں اور پیغمبروں کی نبوت و رسالت سے بہتر و برتر اور بڑھ کر ہے۔ اور شیعوں کے امام سارے نبیوں اور پیغمبروں سے افضل ہیں۔ معتدل شیعہ اس سے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ کر لیتے ہیں۔ لیکن غالی شیعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مستثنا نہیں کرتے۔ اب آئیے دیکھیں کہ "آیت اللہ العظمی" جناب خمینی صاحب کا عقیدہ اس بارے میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "اس عالم کائنات سے پہلے ائمہ نور تھے۔ پھر اللہ نے انہیں اپنے عرش کے گرداگرد معین کیا۔ اور انہیں ایسا مرتبہ اور ایسی قربت عطا فرمائی جسے اللہ ہی جانتا ہے۔ اور جیسا کہ معراج کی روایتوں میں ہے۔ حضرت جبریل نے فرمایا کہ اگر میں انگلی کے پور کے برابر بھی قریب جاتا تو جل جاتا۔" (الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۵۲)

یعنی شیعوں کے امام اس مقام بلند پر فائز ہیں جہاں جبریل کی رسائی بھی ممکن نہیں۔ مزید صراحۃ لفظوں میں سنیئے۔

لکھتے ہیں :

" یہ بات ہمارے مذہب کے لوازم میں سے ہے کہ ہمارے اماموں کو وہ مقام حاصل ہے ، جہاں نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی اور نہ پیغمبر ..... اماموں سے ان کا یہ قول وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارے کچھ ایسے حالات ہیں ، جن کی طاقت نہ کسی مقرب فرشتے میں ہے نہ کسی نبی اور پیغمبر میں ۔ (الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۵۲)

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ خمینی صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا ہے ۔ یعنی وہ بھی غالی شیعوں کی طرح اپنے اماموں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سارے نبیوں اور فرشتوں سے افضل مانتے ہیں ۔ مذکورہ بالا کتاب کے ص ۹۱ پر خمینی صاحب نے صراحت کی ہے کہ " ہم اماموں کے بارے میں بھول اور غفلت کا تصور بھی نہیں کر سکتے ۔ " (حالانکہ یہ خالص اللہ کا خاصہ ہے) ص ۹۱ پر خمینی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ " رسالت کی تکمیل ائمہ کرتے ہیں ۔ " اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خمینی صاحب ائمہ اہل بیت کے متعلق متشدد اور غالی شیعوں کی طرح اس قدر غلو رکھتے ہیں کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام پیغمبروں سے افضل سمجھتے ہیں ۔

شیعوں کے امام اور علماء قرآن اور شریعت میں جو تبدیلی چاہیں کر سکتے ہیں

۔ حدیث سے ثابت ہے کہ خدائی وحی اور خدائی احکام میں ترمیم اور تبدیلی کا حق اور اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں دیا گیا تھا ۔ لیکن شیعوں نے اس بارے میں بھی بڑا غلو کیا ہے ۔ معتدل مانے جانے والے شیعوں کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین حضرت علی اور ان کی اولاد کے حوالے کر دیا گیا ۔ اب وہ لوگ جو کہدیں وہی دین ہے ۔ ان کی کسی بات کا تعاقب اللہ اور اس کے رسول کا تعاقب ہے ۔ ان کی چھوٹی بڑی کسی بھی بات کو کسی نے رد کیا تو شرک باللہ کی حد میں چلا گیا ۔

غالی شیعوں نے اس پر مزید ایک شقے کا اضافہ کیا ہے کہ اماموں کو اختیار ہے کہ وحی والہام کے بغیر جو چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام کر دیں ۔ اور دین میں جس طرح کی تبدیلی چاہیں کر دیں ۔ یعنی اللہ نے ایک چیز حرام کی ہے ، امام چاہے تو حلال کر دے ۔ اللہ نے حلال کی ہے ، امام چاہے تو حرام کر دے ۔ یہ شیعے یہ بھی کہتے ہیں کہ امام غائب کی روپوشی کی مدت میں ان کے نائب کی حیثیت سے شیعہ علماء یہ کام انجام دیں گے ۔ اب آئیے ! خمینی صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں ۔

ائمہ کرام صرف احکام اور علوم ہی میں نہیں بلکہ سارے کے سارے معاملات میں انبیاء کے وارث ہوں گے ۔

(الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۹۷)

"ہمیں معلوم ہے کہ اماموں کے احکام دوسروں کے احکام سے مختلف ہیں۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ اماموں سے ان کی موجودگی میں جو احکام صادر ہوں ان پر بہر حال عمل درآمد کرنا ہے۔ اور ان کی پیروی بہر حال ضروری ہے حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی۔"
(الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۹۰)

خمینی صاحب نے اماموں کو اللہ کی حجت قرار دیا ہے، اور اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے

"اللہ کی حجت سے ہماری مراد یہ ہے کہ امام سارے معاملات میں لوگوں کا مرجع ہیں، اللہ نے انھیں مقرر کیا ہے اور لوگوں کو نفع نقصان پہنچانے والے سارے تصرف انھیں سونپ دیے ہیں۔ پس اللہ کی حجت وہی ہے جسے اللہ نے مسلمانوں کے سارے معاملات کا قیم بنا دیا ہو۔ اس کے اقوال وافعال مسلمانوں پر حجت ہوں گے اور ان کا نفاذ ضروری ہوگا۔ اور حدود قائم کرنے اور خمس وصول کرنے میں ان پر عمل درآمد نہ کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔" (ایضاً ص ۸۰)

خمینی صاحب نے غالی شیعوں کی طرح اماموں کو اللہ کی حجت مطلقہ مانتے ہوئے آنکھ موند کر ان کی پیروی کا حکم دینے کے علاوہ اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ امام غائب کی روپوشی کے بعد حجت کون ہے۔ اس سلسلے میں خمینی صاحب نے اپنی محولہ کتاب الحکومۃ الاسلامیہ کے ص ۷۶، ۷۷ پر امام غائب کے عقیدے کو بیان کرتے ہوئے ایک مشہور شیعی روایت درج کی ہے کہ اسحاق بن یعقوب نے چند مشکل مسائل لکھ کر امام غائب کے نائب محمد بن عثمان عمری کو دیا کہ اسے امام غائب کو پہنچا دیجیے۔ محمد بن عثمان نے یہ تحریر امام غائب کے پاس بھیجدی۔ امام غائب نے اس کا تحریری جواب خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر اور اپنا دستخط کر کے محمد بن عثمان کے ذریعہ بھیج دیا۔ اس خیالی تحریر کا یہ ٹکڑا ملاحظہ کے لائق ہے۔

"تمھیں جو واقعات پیش آئیں تم ان کے سلسلے میں ہماری حدیث کے راویوں سے رجوع کرو۔ کیوں کہ وہ لوگ تم پر میری حجت ہیں۔ اور میں اللہ کی حجت ہوں۔ اللہ محمد بن عثمان اور اس کے والد سے راضی ہے۔ وہ میرا معتمد علیہ ہے۔ اس کا خط میرا خط ہے۔"

شیعوں کی اس افسانوی روایت میں جسے خمینی نے پورے ایمان واعتماد کے ساتھ نقل کیا ہے۔ شیعہ اماموں کی حدیث کے راویوں یعنی شیعہ علماء کو حجت قرار دیا گیا ہے۔ خمینی صاحب اس روایت پر اتنا پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ دوسروں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "دیکھو! امام کی روپوشی کے ابتدائی دور کا ایک سائل امام کے نائبوں سے مل کر امام کے پاس خط بھیجتا ہے۔ وہ مرجع اور فتوی کا سوال نہیں کرتا ......"

خلاصہ یہ کہ خمینی صاحب اماموں کے بعد شیعہ علماء کو اللہ کی حجت مانتے ہیں اور اس کو نہایت پختہ اور دائمی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ وہ اسی محولہ کتاب کے ص ۹۱ پر لکھتے ہیں ۔

" ہمارا عقیدہ ہے کہ اماموں نے جو منصب فقہاء کو عطا کیا ہے وہ فقہاء کے لیے اب بھی محفوظ ہے ۔ کیونکہ اماموں کے بارے میں ہم بھول یا غفلت کا تصور بھی نہیں کر سکتے ۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ مسلمانوں کی ساری مصلحتوں کو پوری طرح جانتے تھے "

تقیہ تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ دل کے اندر کچھ ہو اور ظاہر کچھ اور کیا جائے یعنی در پردہ دشمنی ، ظاہر میں دوستی ۔ در پردہ انکار ، ظاہر میں اقرار ۔ در پردہ بغاوت ، ظاہر میں اطاعت ، در پردہ قتل کی کوشش اور منہ پر چکنی چپڑی تعریف اور حمایت کا اظہار ۔ یہی چیز ہے جسے شریعت کی زبان میں نفاق کہتے ہیں اور عرف عام میں فریب اور فراڈ ۔ اسی کو ہندوستانی مثل میں یوں کہا گیا ہے ۔ " منہ میں رام رام بغل میں چھری "۔

یہ تقیہ شیعہ مذہب کا اصل الاصول اور نہایت اہم بنیادی ستون ہے ۔ اس تقیہ کو شیعہ مذہب میں اتنا بڑا کار ثواب بتلایا گیا ہے کہ اس کے مقابل بڑی سے بڑی عبادت ہیچ ہے ۔ شیعوں نے اپنے اماموں سے یہ روایت کی ہے کہ " تقیہ ہمارا اور ہمارے آباء و اجداد کا دین ہے ۔ " " جو تقیہ نہ کرے اس کا دین ہی نہیں ۔" اس تقیہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شیعہ مذہب کے دس حصوں میں سے نو حصہ تقیہ ہے ۔ اور ایک حصے میں شیعہ مذہب کے باقی سارے عقائد و احکام ہیں ۔

اس تقیہ کے بارے میں خمینی صاحب کا نقطہ نظر وہی ہے جو کسی غالی اور متشدد شیعہ کا ہو سکتا ہے ۔ خمینی صاحب نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے ، جس میں تقیہ کے اقسام و فضائل اور مواقع استعمال کی تفصیلات بتائی ہیں ۔ اس بارے میں خمینی صاحب کے انداز فکر کی ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

(۱) شیعوں کا متفقہ فتویٰ ہے کہ " ناصبی یعنی اہل سنت سے شیعہ مرد و عورت کا نکاح جائز نہیں ۔" لیکن اس پر خود شیعوں میں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ و حفصہ سے شادی کی تھی ۔ اور حضرت عثمان کو اپنی دو صاحبزادیاں بیاہی تھیں ۔ حالانکہ شیعوں کے بقول یہ سب ناصبی بلکہ ناصبیوں کے امام تھے ۔ خمینی صاحب نے محولہ کتاب میں اس کا یہ حل بتایا ہے کہ یہ سب نکاح تقیہ کے طور پر تھے ۔ (ص ۱۹۸) ۔ گویا ایک شرمگاہ جو اصلاً حرام ہو تقیہ کی بنا پر حلال ہو جاتی ہے ۔

شیعوں کی نگاہ میں اہل سنت سب سے بڑے کافر اور گمراہ ہیں ، اس لیے ان کے پیچھے نماز درست ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ۔ لیکن ان کے لیے مشکل یہ ہے کہ حضرت علی اور ان کی اولاد نے حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ۔ خمینی صاحب نے اس کا جو حل ڈھونڈا ہے ، اور اس کی روشنی میں جو فتویٰ صادر فرمایا ہے وہ داد دینے کے لائق ہے ۔ انھوں نے بتایا ہے کہ یہ نمازیں تقیہ کے طور پر تھیں ، اور تقیہ کے طور پر (یعنی دھوکا دینے اور آنکھ میں دھول جھونکنے کی نیت سے) اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھی

جائے تو صرف یہی نہیں کہ وہ نماز ہو جاتی ہے ۔ بلکہ اس نماز کا ثواب پچیس گنا زیادہ ہو جاتا ہے ۔ بلکہ یہ ایسی نماز ہوگی کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پہلی صف میں پڑھی گئی ۔ (دیکھیے ص ۹۴ اور ص ۱۹۸)

خمینی صاحب نے یہ نکتہ بھی واضح کیا ہے کہ اہل سنت کے ساتھ تقیہ کے طور پر رواداری برتی جائے تو یہ سب سے افضل اور محبوب ترین عبادت ہے ۔ اور اس کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ شیعے اسی طرح سنبھل سکتے ہیں ۔ اگر انھوں نے تقیہ کی خلاف ورزی کی ہوتی تو اب تک شاید وہ ختم ہو چکے ہوتے ۔ (دیکھیے ص ۲۰۰)

خمینی صاحب اسی اصول کی روشنی میں فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے یہاں چاند کا ثبوت نہ ہو اور سنیوں کے یہاں ہو جائے اور وہ ہمارے حساب سے آٹھویں تاریخ کو عرفات میں ٹھہریں تو اگرچہ سنیوں کے فیصلے سے ہمارے یہاں ثبوت نہیں مانا جا سکتا ۔ لیکن ہمارے شیعہ حضرات تقیہ کے طور پر آٹھویں تاریخ ہی کو عرفات میں ٹھہر لیں ۔ ان کا حج ہو جائے گا ۔ اگرچہ انھیں یقین ہو کہ سنیوں نے غلطی کی ہے ۔ (دیکھیے ص ۱۹۶) ۔ اسی نکتہ نظر کی بنا پر خمینی صاحب نے ۱۴۰۰ھ میں فتویٰ صادر کیا تھا کہ شیعہ حضرات اہل سنت کے ساتھ مناسک حج ادا کریں ۔

تحریف قرآن

تمام شیعوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اپنی موجودہ شکل میں صحیح نہیں ۔ اس میں تحریف ، الٹ پھیر اور کمی بیشی کی گئی ہے ۔ اس بارے میں کتاب کافی جو شیعوں کی صحیح بخاری ہے ۔ اس میں اہل بیت کی بہت سی روایتیں درج ہیں ایک روایت میں صادق کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ جبریل نے کل سات ہزار آیات نازل کیں ۔ مگر موجودہ قرآن میں چھ ہزار دو سو ترسٹھ آیات ہی ہیں ۔ ایک اور روایت میں انھیں کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ ہمارے پاس حضرت فاطمہ کا قرآن ہے جو موجودہ قرآن سے تین گنا زیادہ ہے ۔ اور اس میں موجودہ قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ۔ انھیں جعفر صادق کی زبانی یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ پورا قرآن جیسے نازل ہوا تھا اسی طرح جمع کیا گیا ہے ، وہ بہت بڑا جھوٹا ہے ۔ قرآن صرف حضرت علی اور ان کے بعد کے اماموں نے جمع اور حفظ کیا ۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اسی غائب شدہ حصے میں ایک سورہ ولایت بھی جس کی ایک آیت یہ تھی ۔ یا ایھا الذین آمنوا بالنبی والولی الذین بعثناھما یھدیانکم إلی الصراط المستقیم ۔ اے لوگو جو نبی اور ولی پر ایمان لائے ہو جن دونوں کو ہم نے مبعوث کیا ، جو دونوں تم کو صراط مستقیم کی رہنمائی کرتے ہیں ۔ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ الم نشرح کی سورت میں ایک آیت تھی وَجعلنا علیا صھرک ۔ یعنی ہم نے علی کو تمہارا داماد بنایا ۔ (دلچسپ بات یہ ہے کہ اس آیت کے گھڑنے والے احمق کو یہ سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ سورہ الم نشرح تو مکی ہے اور مکہ میں حضرت علی نہیں بلکہ حضرت ابوالعاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے ۔)

قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے لیے ۱۲۹۲ھ میں مرزا حسین بن محمد تقی نوری طبرسی نے ایک کتاب لکھی۔ "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" اور اس میں مختلف دور کے شیعہ علماء اور مجتہدین کے اقوال قلمبند کیے۔ چالاک شیعوں نے اصل حقیقت بے نقاب کرنے پر مرزا حسین کو ملامت کی تو اس نے ایک اور کتاب لکھی۔ "ردبعض الشبہات عن فصل الخطاب۔" بہرحال جب مرزا حسین کی موت واقع ہوئی تو اسے قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے کارنامے کے بدلے حضرت علی کے مقبرے کے ایک امتیازی مقام میں دفن کیا گیا۔

تحریف کے سلسلے میں عام شیعوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ موجودہ قرآن کوئی دس پارہ کم ہے۔ حضرت علی نے ایک قرآن جمع کیا تھا جس میں یہ دس پارے موجود تھے۔ یہ قرآن اہلِ بیت کے پاس محفوظ تھا جسے "ظالم حکمرانوں" کے خوف سے چھپا رکھا گیا تھا اسے امام غائب اپنے ساتھ لے گئے اور جب آئیں گے تو ساتھ لے کر آئیں گے۔

خمینی صاحب صرف یہی نہیں کہ شیعوں کے ساتھ اس عقیدے میں پوری طرح متفق ہیں۔ بلکہ انھوں نے اس خرافاتی عقیدے پر اپنی دانست میں براہین بھی قائم کیے ہیں اور حد درجہ بدعقیدگی، غلو اور صحابہ کرام کی تذلیل واہانت اور بغض وعداوت پر مشتمل شیعی روایات کو اپنے اس عقیدے کی بنیاد بنالیا ہے۔ (یہ روایات آگے آرہی ہیں۔) چنانچہ خمینی صاحب نے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے۔ "التعادل والترجیح" یہ ۱۳۸۵ھ میں قم سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے ص ۲۶ پر خمینی صاحب نے بھی شیعوں کے اس جہل مرکب کو دہرایا ہے کہ سنی علماء کو شریعت کا علم شیعوں سے کم ہے۔ پھر اس کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف حضرت علی اہل بیت اور چند خاص الخاص صحابہ کو احکام شریعت سیکھنے کا جذبہ واہتمام تھا جن میں حضرت علی سرفہرست تھے۔ باقی لوگوں میں (یعنی ابوبکر وعمر اور تمام بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم میں) سرے سے شریعت سیکھنے کا شوق واہتمام تھا ہی نہیں۔ یہ شیعوں کے اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ صحابہ محض دنیا حاصل کرنے کی غرض سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ پکڑے ہوئے تھے۔ خمینی صاحب اسی طرح کی کئی خرافات رقم فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔

"حاصلِ کلام یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ سارے احکام کی تبلیغ کردی تھی۔ یہاں تک کہ خراش کی دیت بھی بیان کردی تھی، لیکن وہ ذات جس سے کوئی بھی حکم فوت نہ ہوسکا اور جس نے کتاب وسنت کے سارے احکام کو منضبط کیا وہ صرف امیر المومنین (حضرت علی) علیہ السلام ہیں۔ جبکہ باقی لوگوں سے بہت کچھ فوت ہوگیا، کیوں کہ اس کا اہتمام ان کے یہاں بہت کم تھا۔" (ص ۲۶، ۲۷)

"غالباً جس قرآن کو حضرت علی نے جمع کیا تھا اور لوگوں میں اس کی تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ یہ وہ قرآن کریم تھا جو قرآن فہمی

کی تمام اندرونی خصوصیات پر مشتمل تھا اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے منضبط کیا گیا تھا۔ (ص ۲۶)

ان دونوں اقتباسات کا مطلب بالکل صاف ہے کہ دوسرے تمام شیعوں کی طرح خمینی صاحب بھی قرآن مجید کو صحیح نہیں مانتے۔ بلکہ ان کا ایمان ہے کہ قرآن میں خرد برد تحریف اور کمی کی گئی ہے۔ مگر اس بدعقیدگی کے علاوہ خمینی صاحب کی تحریریں خرافات کا پورا ایک طوفان بھی چھپا ہوا ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ خمینی صاحب کی ان دونوں تحریروں میں شیعوں کی دو مشہور روایات کے مضامین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور ان دونوں روایات کے بعض بعض الفاظ بھی کوٹ کیے گئے ہیں۔ یہ دونوں روایات خاصی لمبی لمبی ہیں۔ ہم بقدر ضرورت حصہ نقل کر رہے ہیں۔ پہلی روایت تفسیر کاشانی مطبوعہ تہران ۱۳۷۴ھ کی ج ۱ ص ۱۵ پر اور دوسری روایت ج ۱ ص ۲۷ پر موجود ہے۔ روایتیں یہ ہیں۔

(۱) طلحہ نے علی سے سوال کیا کہ میں نے آپ کو ایک مہر لگا ہوا کپڑا لے کر نکلتے دیکھا تھا۔ (وہ کیا ہے؟) علی نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور تکفین و تدفین سے فارغ ہو کر پورا قرآن جمع کر ڈالا۔ ایک حرف بھی نہیں چھوڑا۔ یہ وہی ہے طلحہ نے کہا کہ عمر نے آپ سے یہ قرآن مانگا مگر آپ نے نہیں دیا تو عمر نے لوگوں کو بلایا۔ جس آیت پر دو آدمیوں نے شہادت دی اسے لکھ لیا، اور جس پر صرف ایک ہی آدمی نے گواہی دی اسے ملتوی کر دیا، اور نہ لکھا۔ عمر کو میں نے یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ یمامہ میں بہت سے ایسے لوگ قتل ہو گئے جو قرآن کا کچھ ایسا حصہ پڑھتے تھے جسے کوئی اور نہیں پڑھتا تھا۔ ان کے قتل ہو جانے سے یہ حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح ایک بکری آئی اور جو قرآن لوگ لکھ رہے تھے اس کا ایک صحیفہ کھا گئی۔ اس میں بھی جو کچھ تھا وہ ضائع ہو گیا۔ عمر اور ان کے جن ساتھیوں نے عہد فاروقی اور عثمانی میں قرآن لکھا وہ کہتے تھے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی، سورۂ نور میں ایک سو سے زیادہ آیتیں تھیں۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ ؟ آپ کتاب اللہ کو منظر عام پر کیوں نہیں لاتے؟ عثمان نے عمر کی تالیف پر کتاب اللہ کو تیار کرا کے لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کر دیا ہے۔ اور ابی ابن کعب اور ابن مسعود کے مصاحف کو پھاڑا اور جلا ڈالا ہے۔

علی نے کہا: اے طلحہ ہر آیت جو اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی اور ہر حلال و حرام یا حد یا حکم یا کوئی بھی ایسی چیز جس کی ضرورت، قیامت تک کبھی بھی اس امت کو پیش آسکتی ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے املاء اور میرے ہاتھ کی تحریر سے لکھی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ خراش کی دیت بھی۔ طلحہ نے کہا کہ ہر چھوٹی بڑی اور خاص و عام چیز جو ہو چکی یا جو قیامت تک ہو گی وہ آپ کے پاس لکھی ہوئی ہے؟ علی نے کہا۔ ہاں، اور اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں مجھے چپکے سے علم کے ایک ہزار دروازے بتلائے تھے۔ جن میں سے ہر دروازہ مزید ایک ہزار دروازوں کو کھولتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اگر امت میری پیروی و اطاعت کرتی تو اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتی ....

طلحہ نے کہا ۔ ابو الحسن! قرآن کو منظر عام پر لانے کے متعلق آپ نے میری بات نہیں مانی ۔ حضرت علی نے کہا میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے ۔ یہ بتاؤ کہ عمر اور عثمان نے جو کچھ لکھا ہے وہ کل کا کل قرآن ہی ہے یا قرآن کے علاوہ بھی اس میں کچھ ہے ؟ ۔ طلحہ نے کہا کل قرآن ہی ہے ۔ علی نے کہا میرے پاس جو قرآن ہے اگر تم لوگ اس پر عمل کرو تو جہنم سے بچ جاؤ گے اور جنت میں چلے جاؤ گے کیونکہ اس میں ہماری حجت ہے ۔ ہمارے حق کا اور ہماری اطاعت کی فرضیت کا بیان ہے ۔ طلحہ نے کہا اگر یہ قرآن ہے تو میرے لیے کافی ہے ۔ پھر طلحہ نے کہا کہ ۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کے ہاتھ میں جو قرآن ہے اور اس کے مطالب اور حلال و حرام کا جو علم ہے اسے آپ اپنے بعد کس کے حوالے کریں گے ۔ علی نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ میں اسے اپنے وصی اور اپنے بعد لوگوں کی ولایت کے سب سے زیادہ حقدار انسان یعنی اپنے بیٹے حسن کو دیدوں ۔ پھر وہ میرے بیٹے حسین کو دیدیں گے ۔ پھر یہ حسین کی اولاد میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوگا ، یہاں تک کہ آخری آدمی قرآن لیے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر پہنچے گا ۔ نہ یہ لوگ قرآن سے جدا ہوں گے نہ قرآن ان سے جدا ہوگا ۔ مگر معاویہ اور ان کا بیٹا عثمان کے بعد امت کے والی ہوں گے پھر حکم بن ابی العاص کی اولاد میں سے سات افراد یکے بعد دیگرے والی ہوں گے ۔ تاکہ گمراہی کے بارہ اماموں کی تعداد پوری ہو جائے ۔ یہ وہی چیز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منبر پر دیکھی تھی کہ یہ لوگ امت کو ایڑ کے بل پیچھے پلٹا رہے ہیں ۔ ان میں دس (۱۰) آدمی بنو امیہ کے ہیں اور دو آدمی اور ہیں جنھوں نے اس کی بنیاد رکھی تھی ۔ ان (بنو امیہ کے آدمیوں) پر اور ان دونوں آدمیوں پر قیامت تک اس امت کے اندر ہونے والے سارے گناہوں کے بوجھ کے برابر بوجھ لادا جائے گا ۔

نوٹ : اس روایت میں بنو امیہ کے دس آدمیوں میں سے دو شخص امیر معاویہ و یزید کو بتایا گیا ہے ۔ سات حکم کی اولاد سے بتائے گئے ہیں یعنی مروان سے لے کر ہشام بن عبدالملک تک جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی ہیں ۔ یہ کل نو ہوئے ۔ مزید ایک آدمی حضرت عثمان ذی النورین رضی ہوئے ۔ پھر اس سے پہلے جن دو صاحبان کو ارتداد امت کی بنیاد رکھنے والا بتایا گیا ہے وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں ۔ یہ بارہ حضرات گمراہی کے امام بتائے جا رہے ہیں ۔ اور قیامت تک اس امت کے اندر ہونے والے سارے گناہوں کا بوجھ ان کے سر پر لادا جا رہا ہے ۔ یہ ہے وہ روایت جس پر خمینی صاحب ایک مسلّمہ حقیقت کی حیثیت سے ایمان لا کر اس سے "تحریف قرآن" کے متعلق "حقائق" کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں ۔

(۲) خیر اب دوسری روایت سنیے ! جو تفسیر کاشانی کی ج ۱ ص ۲۷ پر ہے ۔ اور اس کو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے ۔ اس میں کہا گیا ہے کہ :

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو علی علیہ السلام نے قرآن جمع کیا اور مہاجرین و انصار کے پاس لے آئے ۔

کیوں کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت کی تھی، ابوبکر نے کھولا تو پہلے ہی صفحے پر ان لوگوں کی سیاہ کاریاں نکلیں۔ عمر کود پڑے۔ کہا کہ اے علی! اس کو واپس لے جاؤ، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ علی نے وہ قرآن لے لیا، اور واپس ہو گئے۔ پھر زید بن ثابت کو بلایا گیا۔ وہ قاری قرآن تھے۔ عمر نے کہا: علی ـــ علیہ السلام ـــ ہمارے پاس قرآن لائے تھے۔ (لیکن) اس میں مہاجرین وانصار کی سیاہ کاریاں تھیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے لیے قرآن کی تالیف کر دو۔ اور اس میں مہاجرین وانصار کی جو رسوائی و پردہ دری ہے اسے نکال دو۔ زید نے اسے قبول کر لیا۔ (لیکن) یہ کہا کہ آپ لوگوں کے کہنے کے مطابق جب میں قرآن لکھ کر پورا کر دوں۔ اور علی نے جو قرآن لکھا ہے اسے وہ بھی منظر عام پر لا دیں تو کیا آپ لوگوں کے سارے خیالات باطل نہیں ہو جائیں گے۔ عمر نے کہا اب کیا حیلہ ہونا چاہیے۔ زید نے کہا۔ آپ لوگ حیلہ زیادہ جانتے ہیں۔ عمر نے کہا، اس کے سوا اور کیا حیلہ ہو سکتا ہے کہ ہم علی کو قتل کر دیں۔ اور ان سے راحت مل جائے۔ اس کے بعد انھوں نے خالد بن ولید کے ہاتھوں علی کے قتل کی تدبیر کی۔ لیکن اس پر قدرت نہ پا سکے۔ اس کے بعد جب عمر خلیفہ ہوئے تو علی سے مطالبہ کیا کہ قرآن ان کے حوالے کر دیں۔ مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ اس قرآن میں تحریف کر دیں۔ (لیکن) عمر نے یوں کہا کہ اے ابوالحسن! اگر تم اس قرآن کو ابوبکر کے پاس لائے تھے۔ تو ہمارے پاس بھی لاؤ۔ تاکہ ہم سب اسی پر اکٹھا ہو جائیں۔ علی علیہ السلام نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اب اس کی کوئی راہ نہیں۔ میں اسے ابوبکر کے پاس صرف اس لیے لایا تھا تاکہ تمھارے خلاف حجت قائم ہو جائے۔ اور تم لوگ قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس سے ناواقف تھے۔ یا یہ کہ تم اس کو ہمارے پاس نہیں لائے تھے۔ میرے پاس جو قرآن ہے اسے صرف پاک لوگ اور میری اولاد میں سے میرے وصی ہی چھو سکتے ہیں۔ عمر نے کہا: تو کیا اس کے اظہار کے لیے کوئی مقررہ وقت ہے۔ علی علیہ السلام نے کہا: ہاں! جب میری اولاد میں سے اٹھنے والا اٹھے گا۔ (یعنی مہدی منتظر) تو اسے لوگوں کے لیے ظاہر کرے گا۔ اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرے گا اور اسی کے مطابق سنت جاری ہوگی۔

نوٹ:۔ اس روایت میں حضرت ابوبکر و عمر اور انصار و مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین کو سیاہ کار، حیلہ باز، قرآن کا تحریف کنندہ، حضرت علی کے قتل کا خواہاں اور ایسا ناپاک بتایا گیا ہے کہ وہ قرآن چھونے کا حق نہیں رکھتے تھے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

یہ ہیں وہ دونوں روایات جن پر خمینی صاحب نے تحریف قرآن کے عقیدے کی بنیاد رکھی ہے۔ اس سے ایک معمولی آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خمینی صاحب کا انداز فکر کیا ہے۔

(باقی آئندہ)

رپورتاژ (دوسری اور آخری قسط)

امریکہ میں چند دن

صفی الرحمٰن مبارکپوری

پچھلے شمارے میں تحریر کیا جاچکا ہے کہ راقم الحروف نے آرنج کاؤنٹی کیلی فورنیا میں ۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ تک منعقد ہونے والی بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی نمائندگی کے لیے امریکہ کا سفر کیا تھا۔ اس کانفرنس کے پروگراموں کا بھی ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاچکا ہے۔ لیکن آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کانفرنس کی بعض دیگر خصوصیات پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ یہ کانفرنس شہر آرنج کاؤنٹی کے اندر سیرت کی پہلی کانفرنس تھی، لیکن نظم و ضبط کے لحاظ سے اس کو مثالی اور امتیازی کہا جاسکتا ہے۔ ہر نشست کی صدارت، قرأت، تقاریر، عنوانات اور مقررین سے لے کر کھانے، چائے، نماز اور آرام تک ہر چیز کے اوقات کا پروگرام پہلے سے مرتب تھا، اور انھیں چھاپ کر تقسیم کردیا گیا تھا۔ اس پروگرام میں بعض مندوبین کے تشریف نہ لانے کے سبب کہیں کہیں تصرف ضرور کرنا پڑا۔ لیکن سارا کام وقت مقررہ پر ٹھیک ٹھیک انجام پاتا رہا۔

سامعین بڑے پرسکون اور دل جمعی سے تقریریں سنتے رہے۔ ایک آدھ بار بعض سامعین نے باہم گفتگو شروع کی تو ایک صاحب ایک تختی دکھا کر سامنے سے گزر گئے جس پر عربی اور انگریزی میں موٹے موٹے حرفوں میں پرسکون رہنے کی اپیل لکھی ہوئی تھی۔ پھر کیا تھا، فوراً ہی خاموشی طاری ہوگئی۔ دوران تقریر نو دس سال کی عمر کا عمار نامی ایک بچہ کاغذ کے ٹکڑے لیے ہوئے بڑے سلیقے سے سامعین کے درمیان ٹہلتا رہتا۔ جو شخص سوال کرنا چاہتا، اس بچے سے ایک ٹکڑا لے کر اپنا سوال لکھتا اور اسی بچے کے حوالے کردیتا، وہ اسٹیج تک پہونچا دیتا۔ سوال و جواب کے وقفے میں یہ سوالات پڑھ کر سنائے جاتے اور جواب دینے والا جواب دیتا۔

دوسرے دن رات کے آخری اجلاس میں سامعین کھانے کی میزوں پر بیٹھے تقریریں سن رہے تھے۔ چندے کی اپیل ہوئی تو ان میزوں پر مطبوعہ فارم رکھے ہوئے تھے۔ چندہ دینے والے کا کام یہ تھا کہ اس فارم پر اپنا نام اور پتہ اور چندے کی رقم نوٹ کرکے

اور یہ بھی واضح کرتے کہ یہ رقم ماہانہ ہے یا سالانہ۔ تھوڑی دیر بعد چند افراد چندہ فارم اور رقم وصول کر رہے تھے۔ اس طرح دیکھتے دیکھتے کسی شور و ہنگامہ اور خلل کے بغیر تھوڑی دیر میں ۳۵ ہزار ڈالر کا چندہ ہوگیا۔

اس کانفرنس میں مسلم خواتین بڑی تعداد میں شریک تھیں، ان کی اور مردوں کی نشست گاہوں میں ایک راستہ کا فاصلہ تھا شاید امریکی تہذیب کا اثر ہے کہ یہاں پردے کا رواج نہیں ہے۔ البتہ ہندوستان و پاکستان کی خواتین عموماً اپنا وطنی لباس پہنتی ہیں، جو چہرے کے علاوہ باقی حصے کے پردے کا کام دے جاتا ہے۔ لیکن عربوں کا ذوق بڑا تکلیف دہ ہے۔ جاڑے کے سبب ان کی عورتوں نے عموماً لباس تو پورے جسم پر ڈال رکھا، لیکن اتنا چست کہ الامان والحفیظ۔ ان کا ذوقِ نمائش تو امریکنوں سے بھی چند قدم آگے ہے۔ دورانِ اجلاس سنا گیا کہ کچھ عرب حضرات کو اعتراض ہے کہ عورتوں اور مردوں کی نشست گاہیں مخلوط کے بجائے الگ الگ کیوں رکھی گئی ہیں۔؟

یہاں کے مسلمان عموماً غیر امریکن ہیں۔ بڑی تعداد ہندوستانی و پاکستانی مسلمانوں کی ہے۔ ایک معتد بہ تعداد عربوں کی بھی ہے اکا دکا افغانی اور ایرانی بھی ملے۔ بعض کا تعلق ویت نام اور تھائی لینڈ سے بھی تھا۔ ایک مختصر سی تعداد کالے نسل کے امریکن مسلمانوں کی بھی نظر آئی۔

میں نے اس کانفرنس کے لیے بعض بزرگوں کے مشورے کے مطابق تقریر لکھ لی تھی، لیکن میرا مقررہ موضوع اس سے قدرے مختلف تھا۔ اسلیے اس تقریر کے بعض نکات کو لے کر میں نے جو کچھ کہا برجستہ کہا، میں عادی بھی اسی کا ہوں۔ بعد میں اردو داں طبقہ بڑی تعداد میں ملا۔ اور اس بات کا خصوصیت سے اظہار کیا کہ عرصہ بعد اردو تقریر سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ اگر آپ کسی اور زبان میں تقریر کرتے تو بڑے افسوس اور محرومی کی بات ہوتی۔ پاکستان کے ایک صاحبِ ذوق، علامہ اقبال کا یہ شعر جو تقریر کے دوران میں نے پڑھا تھا بار بار دہرا رہے تھے۔ ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ؛ ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اس سے مجھے بڑی تسلی ہوئی کہ تقریر کے لیے اردو زبان کا انتخاب بے محل نہیں تھا۔ بلکہ اس سے اس مجلس کی ایک ضرورت ہی پوری ہوئی۔

سیرت کانفرنس کا اختتام ۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء کو ظہر کے وقت ہوگیا تھا۔ ظہر کے بعد امریکہ و کناڈا کی براعظمی مجلس مساجد کی طرف سے مغربی امریکہ کی مساجد اور اسلامی مراکز کے ذمہ داروں کی ایک کانفرنس بلائی گئی تھی۔ اس مجلس مساجد کے جنرل سکریٹری مسٹر داؤد اسعد ہیں۔ یہ نیویارک میں رابطہ کے دفتر کے نائب ڈائرکٹر بھی ہیں۔ وہی اس کانفرنس کے داعی تھے۔

انتظام میریٹ ہوٹل کے ایک ہال میں تھا۔ داؤد صاحب نے اس کانفرنس میں شرکت کی مجھے بہ تاکید دعوت دے رکھی تھی اور بار بار اس پر زور دے رکھا تھا کہ مجھیں "اسلام میں مساجد کی اہمیت و کردار" کے موضوع پر عربی میں ایک تقریر کرنی ہے۔ میں نے موصوف کے حسب الحکم عربی میں تقریر کی۔ جو ۳۱ ردسمبر ۱۹۸۲ء یوم جمعہ کو ریڈیو نداء الاسلام مکہ مکرمہ سے نشر کی گئی۔ نداء الاسلام کا پروگرام روزانہ بیت اللہ شریف کی اذان مغرب سے ذرا پہلے سے شروع ہوتا ہے اور عشاء کی اذان کے کچھ دیر بعد ختم ہو جاتا ہے۔ اس پروگرام میں ہر جمعہ کو اسلامی اقلیات کے عنوان سے امریکہ میں مسلمانوں کی سرگرمیوں اور حالات کے متعلق کچھ معلومات نشر کی جاتی ہیں، عموماً حرم کی اذان عشاء کے بعد سنا جا سکتا ہے۔

"مساجد کی اس کانفرنس کے شرکاء چونکہ صرف اہل حل و عقد تھے، اس لیے ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ ہر ایک نے اپنے اپنے خیالات و تجربات مختصراً پیش کیے۔ تقریروں، تجویزوں، رپورٹوں اور تبادلہ خیالات کا یہ سلسلہ عشاء کے قریب تک جاری رہا۔ کانفرنس کے اختتام پر میں ہارون پاریکھ صاحب کی میزبانی میں ان کے مکان آ گیا۔ موصوف کا اصل وطن بمبئی تھا، تقسیم ہند کے بعد کسی وقت کراچی چلے گئے تھے اور اب لاس انجلیس اور آرنج کاؤنٹی کے مقام القصال پر متوطن ہیں۔

سیرت کانفرنس کے دوران کئی مقامات اور اسلامی مراکز سے دورے کی دعوت ملی تھی مگر میں فوری طور سے کوئی پروگرام مرتب نہ کر سکا تھا، اور بعد میں کسی شخص کی رہنمائی کے بغیر کہیں پہنچنا بذات خود میرے لیے سخت مشکل تھا۔ ادھر ہمارے میزبان ہارون پاریکھ صاحب بیرونی سفر کی تیاریوں میں تھے۔ اس لیے میں ان کے سفر سے پہلے خود رخصت ہو جانا چاہتا تھا۔

۲۷ ردسمبر کو لاس انجلیس میں دو جگہوں کا وعدہ تھا۔ مقررہ پروگرام کے مطابق عصر کی نماز ہمیں مسجد المومن میں پڑھنی تھی نماز عصر تو ہم نے یہیں پڑھی مگر ہمارے پہنچنے سے پہلے جماعت ہو چکی تھی۔ داعی حضرات منتظر تھے، پہلے عمارت اور محل وقوع کا معائنہ کرایا گیا۔ اور اس کے بعد مجلس جم گئی، لوگوں نے مختلف مسائل پوچھنے شروع کیے۔ عشاء کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں کے بیشتر مسلمان کالی نسل کے امریکن نو مسلم ہیں۔ اور اسلام کے بارے میں خاصے سرگرم اور پرجوش ہیں۔ اور اس پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔ ان کی عورتیں شرعی لباس اور پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔ سوالات کے دوران انھوں نے خصوصیت سے یہ بات اٹھائی کہ سیرت کانفرنس میں اسلامی پردے کا صحیح طور پر اہتمام نہیں تھا۔

مسجد المومن دو منزلہ ہے، نیچے نماز ہوتی ہے اوپر مدرسۃ المدینہ کے نام سے پرائمری درجہ تین سے درجہ آٹھ تک کی تعلیم ہوتی ہے، دو کمرے اداراتی امور کے لیے خاص ہیں۔ آج کل بچوں کی تعداد ساٹھ ہے۔ پہلے دو سو ہوا کرتی تھی۔ مسجد کے پیچھے ابھی خاصی جگہ خالی پڑی ہے جس پر تعمیر کا پلان ہے۔ مسجد کے سامنے مشرق کی طرف سولہ گھرانے مسلمان ہیں، ان کی

کوشش یہ ہے کہ یہاں جو مکان بھی خالی ہو اسے کوئی مسلمان ہی خریدے تاکہ مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اکٹھا ہو جائے اس مسجد کو انگریزی زبان میں اسلامی کتابوں کی خاص ضرورت ہے، عشاء کے بعد مسجد المومن سے روانہ ہو کر ہم لوگ مسجد جماعۃ مساجد الاسلام پہنچے۔ یہ جادہ اسٹریٹ انگل ووڈ میں واقع ہے۔ ہارون پاریکھ صاحب آج کل اس کی کمیٹی کے صدر ہیں کمیٹی ہر پندرہ دن پر اپنا اجلاس کرتی ہے۔ آج بھی میٹنگ تھی۔ ہارون صاحب میٹنگ میں جا رہے ہیں اور میں جماعۃ مساجد الاسلام کے ڈائرکٹر جناب مولانا ڈاکٹر غوث ندوی صاحب کے ہمراہ ان کے گھر گیا۔ موصوف یہاں مسلمان بچوں کے تعلیمی کام اور نظام کو بخوبی سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کے مکان سے متصل ہی ایک یہودی کا مکان ہے۔ شاید اسی لیے وہ یہودیوں کے مزاج سے بخوبی واقف ہیں۔ انھوں نے مجھے بہت سی تفصیلات بتائیں۔

۲۸ دسمبر کو آرنج کاؤنٹی کی مسجد اور اسلامک سوسائٹی کے دفتر کی دوبارہ زیارت کے علاوہ مزمل صدیقی صاحب کے گھر کی بھی زیارت کی۔ موصوف کے مکان کے پیچھے بھی ایک وسیع زمین خالی پڑی ہے۔ جسے خرید کر مسجد اور مسلم ضروریات کی دوسری چیزیں بنانے کی فکر میں ہیں۔ سر شام ہم لوگ لاس انجلیس کے ایک اور اسلامک سینٹر میں گئے، جہاں مسجد کے ساتھ مسلم بچوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ بھی جاری ہے۔ یہاں عربوں کی کثرت ہے۔ عشاء بعد جلسہ تھا۔ پوری مجلس بالکل مخلوط تھی۔ ایک مصری فاضل ڈاکٹر ماہر حتحوت اس اجلاس کے اصل ذمہ دار معلوم ہو رہے تھے پہلے بچوں کا پروگرام ہوا انھوں نے "نحن الاطفال" کے عنوان سے ایک عربی ترانہ سنایا۔ پھر دس بچوں نے باری باری مختلف چھوٹی چھوٹی سورتیں یا آیتیں سنائیں۔ آخر میں "طلع البدر علینا" کو ترانے کے طور پر پڑھا گیا۔

بچوں کے بعد بڑوں کا پروگرام تھا۔ ڈاکٹر عبداللہ طیب، ڈاکٹر مزمل صدیقی اور ڈاکٹر ماہر حتحوت نے علی الترتیب تقریریں کیں۔ حتحوت صاحب نے مخلوط مجلس کی حمایت میں ایک روایت بیان کی جس میں کسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی عورت کی موجودگی کا ذکر تھا اور اس سے استدلال فرمایا کہ مخلوط مجلس درست ہے۔ اخیر میں سورہ الرحمٰن کی تلاوت کا ریکارڈ سنایا گیا اور ساتھ ہی ساتھ آسمان و زمین اور چاند سورج پودے اور جانوروں وغیرہ کے وجود میں آنے کا جو سلسلہ سائنس نے دریافت کیا ہے۔ اس کے مناظر بھی دکھلائے گئے۔

۲۹ دسمبر کو آرنج کاؤنٹی کی مسجد کے امام جناب حافظ اسمٰعیل یوسف صاحب کے صاحبزادے جاوید سلمہ کے ہمراہ ڈزنی لینڈ کی سیر کی گئی۔ یہاں دنیا کے بہت سے عجائبات دکھلائے جاتے ہیں۔ ایک کمرے میں بیٹھ کر چاند کی سیر کرائی جاتی ہے اپولو سے چاند پر جانے اور واپس آنے کی کیفیت کرسیوں کے آٹومیٹک نظام کے ذریعہ پیدا کی جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے

ہم زمین سے الگ ہیں ۔ ایک طرف چاند دوسری طرف زمین کا کرہ نظر آتا ہے ۔ پھر گاڑی یعنی کمرہ گویا چاند کی سطح پر پہنچ جاتا ہے پھر زمین پر واپس آتے ہیں ۔ زمین دور ہونے کی حالت میں تیزی سے گھومتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ۔

۳۰ دسمبر کو مولانا محمد یوسف صاحب اصلاحی ایڈیٹر ذکریٰ رامپور کی معیت میں شکاگو کے لیے روانہ ہو گیا ۔ راستے میں اعلان ہوا کہ ہم لاس ویگس سے گزر رہے ہیں ۔ لوگ کھڑے ہو ہو کر کھڑکیوں سے جھانکنے لگے ۔ میں نے پوچھا کیا ماجرا ہے ۔ اصلاحی صاحب نے بتایا کہ یہ وہ شہر ہے جہاں قانونی اجازت کے تحت سڑکوں پر کھلے عام جنسی بدکاری ہوتی ہے ۔

شکاگو میں عرفان احمد صاحب سہارنپوری کے صاحبزادگان استقبال کے لیے موجود تھے ۔ گھر پہنچے تو تھوڑی دیر میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب انصاری بھی آ گئے ۔ میں انصاری صاحب کا مہمان ہوا ۔ موصوف ہمارے ضلع کے مشہور قصبہ کوپا گنج کے رہنے والے ہیں اور شکاگو میں پروفیسر ہیں ۔ دونوں صاحبان بڑے خلیق اور کھلے دل کے آدمی ہیں ۔ اور اسلامی کاز کے سلسلے میں بڑے سرگرم ہیں ۔

دوسرے دن جمعہ تھا ۔ مجھے ۴۵ میل دور مسجد مشی گن میں خطبہ دینے کا حکم ملا ۔ بیشتر مصلی عرب تھے ۔ اس لیے خطبہ عربی میں دیا گیا ۔ نماز بعد عرفان صاحب نے انگریزی میں ترجمہ کیا ۔ واپس آ کر عصر بعد مسلم کمیونٹی سنٹر کڈزی اوینیو میں منعقدہ ایک جلسہ سیرت کے اندر شرکت کی ۔ جہاں سامعین کی تعداد خاصی بڑی تھی ۔

یکم جنوری ۸۳ء کو ایک اور اجتماع میں شرکت کی ۔ جس کا سلسلہ وقفے وقفے سے صبح سے شام تک جاری رہا ۔ میں پہنچا تو ایک صاحب شہادتِ حق کے موضوع پر اظہار خیال فرما رہے تھے مگر داڑھی اور شلوار ، دونوں شہادت باطل کی آئینہ دار تھیں مختلف تنظیمات نے مسلمانوں کے درمیان جو خلیج پیدا کر رکھی ہے ۔ یہاں عرفان صاحب نے اس سلسلے میں بڑی مفید تقریر کی ۔

۲ جنوری کا تقریباً پورا دن مسلم کمیونٹی سنٹر السٹن اوینیو میں گزرا ۔ اور یہاں کی سرگرمیاں دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا ۔ یہ سنٹر ایک بہت بڑی عمارت میں واقع ہے ۔ جس میں نماز ہال ، میٹنگ ہال ، شادی اور دعوت ہال اور خدا جانے کون کون سے ہال ہیں ۔ یہاں مدرسہ اسلامیہ اور دارالعلوم دو مدرسے بھی جاری ہیں ۔ ہر اتوار کو صبح سے بچوں کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے متعدد اساتذہ اور معلمات لوجہ اللہ بلا تنخواہ قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم دیتے ہیں ۔ جن میں بعض بعض نو مسلم بھی ہیں ۔

سکریٹری صاحب کی معیت میں میں نے درس گاہیں دیکھیں ، جو بچوں سے بھری تھیں ۔ ایک کمرہ نومسلموں کو اسلامی احکام کی تعلیم دینے کے لیے ہے ۔ وہاں سے گزرے تو ایک صاحب کئی افراد کو نماز کا طریقہ سکھلا رہے تھے ، جسے دیکھ کر بےحد خوشی ہوئی ۔

میرے میزبان عبدالسلام صاحب اس سنٹر کے بنیادی ذمے داروں میں ہیں ۔ اسی عمارت میں دوشنبہ سے پنجشنبہ تک دارالعلوم کے زیر اہتمام شام ۵ بجے سے ساڑھے ۶ بجے تک بچوں کی اور ساڑھے ۷ بجے سے ساڑھے ۹ بجے تک بڑوں کی تعلیم ہوتی ہے ۔

یہاں عصر کے وقت ایک سفید ریش بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ بڑے سوز کے ساتھ فرمانے لگے۔ مولانا! میرے لڑکے کے لیے دعا کرنا۔ بڑا نیک تھا، پنجوقتہ نمازی، اور قرآن کی تلاوت کا پابند، میں اسے یہاں لے آیا۔ ایک بلی مل گئی۔ پر توڑ دیا، خون چوس لیا، اب ہر چیز سے برگشتہ ہے۔ خدا سے دعا کریں اور کرتے رہیں کہ راہِ راست پر آجائے۔ یہ واقعہ اس لیے درج کر رہا ہوں کہ یہ تعبیر کی بلاغت اور تہذیبی حملے کی عبرت کا جامع ہے۔ شام مظہر حسینی صاحب کے گھر کھانا کھایا گیا۔ موصوف مہاراشٹر کے رہنے والے ہیں۔ آرنیج کاؤنٹی کی سیرت کانفرنس میں ملے تھے۔ اور انھیں کے اصرار پر نیو یارک کا پروگرام بنایا تھا۔ بالکل نوعمر اور نہایت خلیق ہیں رات گئے تک ان کے یہاں دلچسپ مجلس رہی۔

صبح ۳ر جنوری کو نیویارک روانہ ہوئے۔ میں نے رات ہی میں داؤد اسعد صاحب کو ٹیلیفون پر اپنے پروگرام سے مطلع کر دیا تھا۔ ایرپورٹ پر سید مظہر حسینی صاحب موجود تھے۔ موصوف نیویارک میں رابطہ کے دفتر میں کام کر رہے ہیں۔ شرافت اور خوش خلقی کا نمونہ ہیں۔ اپنے مکان تک کار سے لائے اور پھر لوکل ٹرین پکڑی گئی۔ یہ ٹرین صرف یہی نہیں کہ زمین دوز ہے۔ بلکہ دریا کے نیچے سے بھی گزرتی ہے۔ رابطہ کے دفتر پہنچے تو ظہر کی نماز ختم ہو چکی تھی۔ یہاں پرتپاک استقبال کیا گیا۔ علاؤالدین خروفہ صاحب ڈائرکٹر ہیں۔ اور عراق کے رہنے والے ہیں۔ ان کے یہاں دیر تک مجلس رہی۔ عصر بعد مجھے عربی میں تقریر کرنے کا حکم دیا گیا۔ داؤد صاحب نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ جاری ہوا تو مغرب کا وقت ہو گیا۔ نماز بعد شمیم صاحب کے ہمراہ ان کے گھر آیا جو خاصی دور نیوجرسی میں واقع ہے، تبادلۂ خیالات کے بعد اندازہ ہوا کہ موصوف بڑی گہری سوجھ بوجھ اور بڑے وسیع تجربات رکھتے ہیں۔ مظہر صاحب اور شمیم صاحب کے علاوہ اردو بولنے والوں میں ہمدانی صاحب اور رضی صاحب سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ خوشی ہوئی کہ بہترین تجربات رکھنے والے حضرات دفتر رابطہ میں جمع ہیں۔ عرب حضرات میں خروفہ صاحب اور داؤد صاحب کے علاوہ ایک فلسطینی نوجوان احمد اسعد خاصے دلچسپ ہیں۔ امریکہ کے سلسلے کی اسلامی رپورٹیں یہی صاحب ہر ہفتہ نشر کرتے ہیں۔ بڑے پھرتیلے ہیں۔ اور بڑی جرح بحث کرتے ہیں۔ مجھ سے انھوں نے ایک مفصل انٹرویو لیا جو ۷ر جنوری کو مکہ مکرمہ کے ریڈیو ندار الاسلام سے نشر کیا گیا۔

بدقسمتی سے ہمارے میزبان شمیم صاحب اپنی اہلیہ کی ناسازیٔ طبع کے سبب دوپہر تک ڈاکٹر کے یہاں مصروف رہے، اس دوران میں نے کئی چیزیں تیار کر لیں۔ دوپہر بعد ہم رابطہ کے دفتر روانہ ہوئے۔ راستے میں سمندر کی ایک پٹی حائل تھی۔ کنارے پہنچ کر شمیم صاحب نے بتایا کہ اب ہم سمندر کے نیچے سے گزریں گے پھر تھوڑی دیر تک ہم سمندر دوز سرنگ سے گزرتے رہے۔ میرے دریافت کرنے پر شمیم صاحب نے بتایا کہ اس کی لمبائی ۲ میل ایک پوائنٹ ہے۔ کچھ دیر بعد ہم سمندر کے دوسرے کنارے

پہنچ گئے۔ رابطہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ناظم صاحب بیمار ہیں اور نہیں آسکے ہیں۔ امیر صاحب ایک ایکسیڈنٹ کے سبب ہسپتال میں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے دورے کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ میں نے ایک دو پروگرام سوچ رکھے تھے۔ مگر ان حالات میں میزبانوں کو تکلیف دینا گوارا نہ ہوا۔ آج میرا نام ویٹنگ لسٹ میں تھا۔ ایرپورٹ آئے تو دہلی جانے والے جہاز میں جگہ مل گئی اور ۳ جنوری کی شام ۶ بجے روانہ ہوکر ۱۹ گھنٹے کے بعد دہلی پہنچ گیا۔ اس وقت دہلی میں ۷ جنوری ڈیڑھ بجے رات کا وقت تھا یعنی ۱۹ گھنٹے میں ایک دن ڈیڑھ راتیں گزر گئیں۔ کیوں کہ مجھیم سے پورب کا سفر تھا۔

اس سفر پر ہمارے بزرگ مہربان مولانا مشتاق احمد شوقؔ نے فارسی میں ہدیہ تبریک بھیجا ہے، ہم محض مولانا کے پاس خاطر کے لیے اسے شائع کر رہے ہیں۔

ہدیۂ تبریک

شوقؔ اعظمی

ای صبا ہدیۂ تبریک بگیر و برساں — از رہِ شوق بہ علامہ صفی الرحمٰن

چوں بامریکہ رسی ہدیۂ من پیش کنی — گوئی ای مردِ جواں بخت خردمندِ جہاں

جلوۂ بختِ بلندِ تو بہ عالم روشن — شمعِ اقبالِ تو بر بام ثریا تاباں

امرِ حق بود باقلیم دگر رفتنِ تو — تا رسد چشمۂ فیضِ تو باطرافِ جہاں

ایں ترا شہرۂ عام است بکر دارِ بلند — ایں ترا حسنِ قبول است بفضلِ یزداں

سیرتِ پاک مسمّٰی بہ ”رحیق مختوم“ — شاہکار است کہ از خامۂ تو گشت عیاں

بارک اللہ ز انعام موفق شدۂ — گوئے سبقت بربودی ز ہمہ در میداں

ایں دعا از تہِ دل شوقؔ برآید برلب

باد روشن بہ جہاں بختِ صفی الرحمٰن

گزارش و اعتذار

محدث کے کاتب جناب الوجمال صاحب کے والد محترم مولانا قمر الدین صاحب اصلاحی کا آپریشن ہوا جو بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب رہا۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ ان کی مکمل صحت یابی کے لیے دعا کریں۔
مارچ کے شمارے کی اشاعت میں تھوڑی سی تاخیر بھی اسی سبب سے ہوئی ——— ایڈیٹر

جماعت و جامعہ

مولانا احسن جمیل سلفی : نمایاں کامیابی اور گرانقدر انعام کا اعزاز

ہم قارئین محدث کو یہ اطلاع دیتے ہوئے بے پایاں مسرت محسوس کرتے ہیں کہ جامعہ سلفیہ کے ایک نوجوان فاضل شیخ احسن جمیل ولد حافظ عبدالبصیر نے پچھلے سال مدینہ یونیورسٹی میں لیسانس کا چار سالہ کورس مکمل کر کے .... آخری سال پوری فیکلٹی میں اول آنے پر ساڑھے چودہ ہزار ریال اور بہت سے قیمتی سامانوں کا گرانقدر انعام حاصل کیا ہے۔ اس انعام کا اہتمام ریاض (سعودی عرب) کے مشہور روزنامہ "عکاظ" کے ادارے کی طرف سے کیا گیا تھا اور اس میں سعودی عرب کی متعدد تجارتی کمپنیوں اور بڑی بڑی شخصیات نے حصہ لیا تھا۔

یہ انعامات سعودی عرب کی یونیورسٹیوں کے ان تمام طلبہ کو دیے گئے جو اپنی فیکلٹی میں پہلی پوزیشن سے کامیاب ہوئے تھے۔ شیخ احسن جمیل کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ انھوں نے اپنے چار سالہ تعلیمی دور میں ہر امتحان کے اندر امتیازی کامیابی حاصل کی تھی۔ اور اسی سلسل کامیابی پر انھیں شرف اول کا اعزاز حاصل ہوا۔ موصوف مدنپورہ بنارس کے رہنے والے ہیں اور ہمارے جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی حفظہ اللہ کے حقیقی بھتیجے ہیں، اور سال رواں سے جامعہ سلفیہ میں اعزازی طور پر درس بھی دیتے ہیں۔

ادارہ محدث ان کی اس کامیابی اور اعزاز پر تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔ اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو بیش از بیش کامیابیوں اور اعزازات سے نوازے اور ملت کے لیے مستقبل کا سرمایہ بنائے۔ آمین۔

مہمانوں کی آمد ۱۲ر فروری ۱۹۸۳ء کو ملک کے مشہور لیڈر کملا پتی ترپاٹھی جامعہ میں تشریف لائے۔ ۱۷ر اور ۱۹ر فروری ۸۳ء کو جامعہ میں شیخ عبدالعزیز بن عتیق تشریف لائے۔ موصوف سعودی عرب کے ایک اہم عالم اور پاکستان میں دارالافتاء کے مکتب الدعوہ کے مدیر ہیں۔ ۲۰ر فروری کو شیخ یوسف بن یوسف تشریف لائے، موصوف اصلاً فلسطینی ہیں۔ اردن میں رہتے ہیں بہترین اسلامی خیالات کے حامل ہیں اور تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں مصروف تگ و تاز رہتے ہیں۔

جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی کی میٹنگ ۱۵ر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ ۳۰ر جنوری ۱۹۸۳ء کو مرکزی دارالعلوم بنارس میں مشرقی یوپی کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں جماعتی تگ و تاز کے لیے متعدد اہم فیصلے کیے گئے اور مولانا عبدالحفیظ صاحب سلفی کو مستقل ناظم منتخب کیا گیا۔

جوار رحمت میں

شیخ الحدیث مولانا عبد الحنان

مولانا عبد الحنان صاحب دالپوری رحمۃ اللہ علیہ قافلۂ حق کے ان راہروؤں میں سے ایک تھے، جنھوں نے اپنی گرمئ عمل اور جوشِ حق پرستی کی بدولت نصف صدی سے زائد عرصہ تک اسلامی کردار وعمل کی مشعل روشن کیے رکھی۔ شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کے بعد پٹنہ کے صادق پوری خاندان نے تحریک جہاد کی آبیاری کے لیے جس خطۂ زمین کو اپنی داعیانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا۔ اس میں مشرقی بہار اور بنگال کے صوبے کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ انھوں نے اس علاقے کے باشندوں کے دلوں میں حق پرستی، شوق شہادت اور جوش جہاد کی جو جوت جگائی تھی وہ انگریزوں کی قوت قاہرہ کی ہزار تگ و دو کے باوجود تابندہ رہی۔ تحریک کے رہنما اپنے مراکز بدل بدل کر اپنا کام مسلسل کرتے رہے۔ دالاں پور انھیں خفیہ مراکز میں سے ایک اہم مرکز تھا۔ اور مولانا عبد الحنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ انھیں رہنماؤں میں سے ایک ممتاز رہنما۔ مرحوم کا سینہ اس تحریک سے متعلق ہزاروں رازہائے سربستہ کا امین تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی رحمہ اللہ نے اپنے آخری ایام میں اس آرزو کا اظہار فرمایا تھا کہ وہ دالاں پور پہنچ کر اپنی تاریخ کے گم گشتہ اوراق تلاش فرمائیں گے۔ مگر اسے جامۂ عمل پہنانے سے پہلے ہی انکا وقت موعود آپہنچا۔ ابھی ماضی قریب میں ہم لوگوں کا ارادہ ہو رہا تھا کہ اس ملی فریضے سے جیسے تیسے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی جائے۔ مگر افسوس کہ اب اس ارادے کو جامۂ عمل پہنانے کا امکان ہی نہ رہ گیا۔ مولانا ۸ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۸۲ء یوم دوشنبہ کو ایک بجکر ۳۵ منٹ پر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا سید اسماعیل رائیدرگ ۳۱ جنوری ۱۹۸۳ء کو طویل علالت کے بعد مولانا سید محمد اسماعیل صاحب (ناظم وبانی جامعہ محمدیہ رائیدرگ) انتقال فرماگئے۔ موصوف بزرگ کے احوال زندگی پر مضامین موصول ہوئے ہیں جو ان شاء اللہ آئندہ کبھی شائع ہوں گے۔)

مولوی شیخ شاہ ولی اللہ جناب ایم شیخ شاہ ولی اللہ صاحب زمیں دار و تاجر ساکن ہلکنڈ ضلع کرنول (آندھرا) ۲۵ دسمبر ۱۹۸۲ء ۸ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ کو انتقال کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حدیث خیر و شر

تالیف : مولانا حافظ عبد المتین میمن قیمت آٹھ روپئے

پتہ : الدار الحدیثیہ ، یم نمبر۲ اسٹریٹ متصل اهلحدیث منزل سکنڈ کراس ،
نیو مارکٹ رڈو بنگلور ۵۱

دینی کتابوں کی کمی نہیں لیکن لائق مطالعہ کتابیں کم هی دیکھنے کو ملتی هیں انہیں ـ کتاب کتابوں میں مولانا حافظ عبد المتین میمن کی کتاب حدیث خیر و شر کا بھی شمار کیا جا سکتا ھے ـ

چند سال هوئے محمد پالن حقانی نے ٫ شریعت یا جہالت ٫ نامی ایک کتاب شائع کی تھی یہ کتاب اپنے ظهور پذیر هونے میں حافظ میمن صاحب کے علمی تعاون کی مرهون منت ھے شروع میں یہ کتـــاب حق شناسی کے دائرے سے باھر نہیں نکلی تھی لیکن جب حقانی صاحب کو عوام کا ایک خاص حلقہ مل گیا . اور انکے دل ودماغ پر هوس کا پردہ پڑ گیا تو اپنی بزم جهالت میں اهلحدیث مکتب فکر کو بھی شریک کرنا لازمی سمجھا چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ٫ شریعت یا جهالت ٫ کے نئے ایڈیشن میں تراویح ، ایک هاتھ سے مصافحہ ، خطبہ جمعہ سے پہلے اذان ، تین طلاق اورفقہ کے مسائل کا اضافہ کیا اور ان مسائل میں فقهی مذاهب کی مخالفت کی بنا پر اهلحدیث مکتب فکر کو جهالت کا خطاب عطا کردیا ـ

حقانی کے محسن حافظ میمن صاحب نے اپنی کتاب میں مذکورہ مسائل میں صحیح نقطہ نظر کی وضاحت کی ھے ـ

آپکی یہ کتاب شکلی اور معنوی هر حیثیت سے بہتر ھے تحقیق وتدقیق کا معیاری اسلوب ، تالیف کی سلیقہ مندی ، شائستہ لب ولهجہ ، حق کی تلاش کا جذبہ یہ سارے چیزیں اس کتاب میں بدرجۂ اتم موجود هیں سلیس ـ انداز تحریر ترتیب ومباحث میں منطبقت اور توازن موجود ھے یہ کتاب مذکورہ مسائل میں مختصرجامع اور مدلل ھے اورخاص وعام هرشخص کیلئے لائق مطالعہ واستفادہ
اللہ تعالی مصنف کوجزائے خیر دے اورحق پسندوں کو اس سے فائدہ پہنچائے

آمین . . . .

عبد المعید

MAR. **MOHADDIS** 1983

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

فارم ملکیت

مقام اشاعت	بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب ، وارانسی
وقفۂ اشاعت	ماھنامہ
طابع و ناشر	عبد الوحید سکریٹری الجامعۃ السلفیۃ
قومیت	ھندوستانی
پتہ	ڈی ۳۱/۷۵ مدن پورہ ، وارانسی
ایڈیٹر	صفی الرحمن
قومیت	ھندوستانی
پتہ	بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب ، وارانسی
ملکیت	سکریٹری الجامعۃ السلفیۃ وارانسی

میں (عبد الوحید) بذریعہ تحریر ھذا اعلان کرتا ھوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و اعتماد کی حد تک صحیح ھیں۔

دستخط

عبد الوحید

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

مُحدّث

مرکزی دار العلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

★

ادارة البحوث الاسلامية والدعوة والافتاء بالجامعة السلفية

بنارس — الهند

★

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث

بنارس

جلد ۲ • جمادی الاخری ۱۴۰۳ھ • اپریل ۱۹۸۳ء • شمارہ ۴

ایڈیٹر

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدل اشتراک

• سالانہ ۲۵ روپئے • ششماہی ۱۳ روپئے

• فی پرچہ ۲/۵۰ روپئے • بیرون ملک ۱۵ ڈالر

پتہ

خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA „ SALAFIA „ REORI TALAB VARANASI - 221001

ٹیلی گرام: دارالعلوم، وارانسی ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

تزئین و کتابت

انور جمال

نورِ حیات ساغرِ ظلمت میں ڈھل گیا

عبد المعید جامعہ سلفیہ

اس نو شگفتہ گل کی لطافت کو کیا ہوا　　ہر ہر کلی کو نفس کا شعلہ نگل گیا

احساس میں پلی تھی محبت کی جو نہاد　　اس کے لبوں پہ چشمۂ نفرت ابل گیا

اس جادۂ حیات پہ کس کا ہوا اعتبار　　رہبر بنا تھا جو کبھی رہزن نکل گیا

وہ آنچ دی ہے وقت نے عقل و شعور کو　　شعلہ اٹھا کہ حسن کا دامن ہی جل گیا

اقدارِ زندگی سے ٹپکنے لگا لہو　　ہر ذرۂ حیات کا موسم بدل گیا

کل ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا وہ سانحہ　　نورِ حیات ساغرِ ظلمت میں ڈھل گیا

اسپِ جنوں سے علم نے کھائیں وہ ٹھوکریں　　گرداب میں سفینۂ علم و عمل گیا

اجڑا ہوا چمن ہے نظر سوگوار ہے　　علم و ادب کا آج جنازہ نکل گیا

ہر سو بکھر گئی ہے مرے حسنِ ظن کی لاش　　کاغذ کی ناؤ، دورِ تر ساحل نکل گیا

دردِ الم کی بزم سجا کر چلا ہوں میں
اسلم کی بات سن کے مسیحا سنبھل گیا

نقشِ راہ

سیرت نبوی کے چند جلوے

ذیل میں سیرتِ نبوی کے موضوع پر وہ تقریر دی جا رہی ہے جو آرنج کاؤنٹی کیلیفورنیا (امریکہ) کی سیرت کانفرنس منعقدہ ۹/۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ میں پڑھنے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ لیکن موضوع کی تبدیلی اور وقت کی تنگ دامانی کے سبب اس کے صرف بعض اجزا، قدرے تصرف کے ساتھ پیش کیے جا سکے۔ (مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض ولم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک وخلق کل شئ فقدرہ تقدیرا۔ والصلاۃ والسلام علی عبدہ ورسولہ محمد الذی ارسلہ بالحق بشیراً ونذیراً، وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا، وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ الذین اھتدوا بھدیہ وساروا فی سبیلہ سیرا حثیثا۔ امابعد

سیرتِ نبوی کا موضوع نہایت جامع اور وسیع الاطراف موضوع ہے۔ اس کا اولین تقاضا یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا سوانحی خاکہ پیش کیا جائے۔ پھر آپ نے جس تاریک ماحول سے معاشرۂ انسانی کو نجات دلا کر اسے ایک روشن اور تابناک شاہراہ پر گامزن کیا تھا اس کا مرقع سامنے لایا جائے۔ اس ضمن میں اس کی بھی ضرورت ہے کہ جاہلیت جہلا کی رسوم وروایات میں جو کجی، ضرر اور فطرت سے بغاوت تھی اور ان سب کا جو سرچشمہ تھا، اس کی نشاندہی کی جائے۔ اور جس حکمت ودانائی سے اسے بند کیا گیا اور جن محکم بنیادوں پر ایک صالح معاشرہ وجود میں لایا گیا، ان کی رعنائی و زیبائی کا جلوہ بھی دکھایا جائے۔ اور یہ بھی کہ نبوت کے جلال وجمال کے پرتو کی وسعتوں اور پہنائیوں کا مشاہدہ کرایا جائے۔ غرض تقاضے بے شمار ہیں اور دامنِ بیان تنگ۔ ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار گلچینِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

ان تقاضوں کے لیے ایک مقالہ کیا ایک دفتر بھی ناکافی ہے۔ اس لیے میری کوشش ہوگی کہ انوارِ نبوت کے فقط چند ٹکڑے اور حیاتِ مبارکہ کے صرف چند جلوے مشتاقانِ دید کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دوں۔ ممکن ہے اس سے ہماری تاہراہ عمل روشن ہو جائے اور ہمیں اپنی سعادت و خوش بختی اور عز و کامرانی کے دروازے کھولنے کی توفیق مل جائے۔

جس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ دنیا گمراہی و تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں اخلاق و کردار کے بعض اچھے پہلو رہ بھی گئے تھے تو تاریکی کی زد میں آ کر ان کی رعنائی بھی مجروح ہو گئی تھی۔

خرابیوں کی اصل جڑ یہ تھی کہ انسان اپنے مقصدِ وجود سے اور حیثیت و مقام سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ انسان کا مقصدِ وجود سادہ لفظوں میں یہ ہے کہ وہ اللہ کا بندہ اور فرمانبردار بن کر زندگی گزارے، اور اپنے آپ کو اس کی مرضی کے حوالے کر دے۔ انسان کا مقام یہ ہے کہ وہ اس کائنات کا خادم نہیں مخدوم ہے۔ یہ دنیا اپنے تکوینی نظام میں عملاً ایسے قانون کی پابند ہے جس سے انسانوں کی گوناگوں ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ اسے فائدہ پہنچ رہا ہے اور اس کی خدمات انجام پا رہی ہیں۔ انسان جب اپنے اس مقصد اور مقام سے ہٹ جائے تو اس کا تارِ حیات اس طرح الجھ جاتا ہے کہ صدیوں سلجھانے کے باوجود سلجھ نہیں پاتا۔ بلکہ مزید پیچیدہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ تاوقتیکہ وہ اپنے مقام پر پلٹ نہ آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہی صورتحال برپا تھی۔ دنیا خیر کے جذبات اور خدا کی پرستش سے خالی نہیں ہو گئی تھی۔ خدا کو مانتی تھی اور جن مذاہب کی پیرو تھی ان میں خدائی تعلیمات اور پیغمبرانہ ہدایات کے عناصر موجود تھے۔ لیکن فساد یہاں سے پیدا ہو گیا تھا کہ اللہ کے ساتھ انسان کا تعلق اور ربطِ صحیح دائرے میں نہیں رہ گیا تھا۔ انسان نے اللہ کے علاوہ کچھ دوسری مقدس ہستیوں مثلاً فرشتوں، پیغمبروں، ولیوں، بزرگوں، نیکوکار انسانوں اور اپنی تاریخ کے دیومالائی بزرگوں کے بارے میں یہ تصور کر لیا تھا کہ خدا کے قرب کے سبب انہیں بھی خدائی تصرف کے بعض جزوی اختیارات مل گئے ہیں اور خدا ان کی سفارش رد نہیں کرتا۔ اسی تصور کی بنا پر یہ لوگ روزی، اولاد، شفا وغیرہ بہت سارے مقاصد کے لیے بلکہ عام طور پر اپنی ہر طرح کی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے ان ہستیوں کو پکارتے، ان سے دعائیں اور التجائیں کرتے ان کی دہائیاں دیتے اور فریاد کرتے اور ان سے مرادیں مانگتے۔ مہمات میں انہیں پر توکل اور بھروسہ کرتے، ان سے امیدیں

وابستہ رکھتے۔ ان کی ناراضگی کے خوف سے تھراتے اور انھیں راضی کرنے کے لیے طرح طرح کے جتن کرتے۔ نیازمندی و عاجزی کے ساتھ ان کی قبروں آستانوں یا ان کے نام پر بنے ہوئے بتوں کے سامنے جھکتے، سجدہ کرتے، نذریں اور قربانیاں پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے۔ کھیتی اور جانوروں کی پیداوار اور تجارت کی آمدنی میں ان کا حصہ لگاتے۔ پھر ان ہستیوں کے ساتھ ساتھ ان کی قبروں اور آستانوں کے در و دیوار، درخت پتھر وغیرہ سب ہی مقدس قرار پاگئے۔ اس عمل نے انسان کا تعلق اللہ سے کاٹ دیا اور انسانیت کے مقام بلند سے اس درجہ گرادیا کہ جو مظاہر فطرت اس کے خادم تھے اب وہی مخدوم و مسجود بن گئے۔ اور یہ خرابی ایسی تھی کہ یہیں تک محدود نہ رہ سکتی تھی۔ بلکہ یہ وہ ظلم عظیم تھا، جس کے فساد سے حیات انسانی کے تمام ظاہر و باطن پہلوؤں کا متاثر ہونا ضروری تھا۔ اور ہر شعبے میں اس کے کڑوے کسیلے پھلوں کی نمود لازمی تھی۔

چنانچہ جب اس شرک کا وجود ہوا تو مذہبی دنیا میں سجادہ نشینوں، مجاوروں، کاہنوں، پنڈتوں، مہنتوں اور سوپرا پجاریوں کی پوری ایک کھیپ وجود میں آگئی۔ جو ان ہستیوں تک درخواستیں اور مرادیں پہنچانے کی اجارہ دار بن بیٹھی اور اس کام کے پردے میں اپنی شکم پروری کے لیے نذر، قربانی اور چڑھاوے کے طریقوں، مواقع اور مقدار کی پوری ایک شریعت ایجاد کر ڈالی۔ شادی، بیاہ، پیدائش، موت، صلح، جنگ، سفر پر روانگی، واپسی، دوستی، دشمنی، بیماری، تندرستی، صنعت، حرفت، تجارت، زراعت، غرض کاروبار زندگی کا کوئی شعبہ بھی نذر نیاز کی ادائیگی کے بغیر چل نہیں سکتا تھا۔ فال گیری اور بتوں سے استصواب کراتے، کاہنوں سے کام کا مناسب وقت پوچھنے، دعائیں کرانے، توہمات کی زد میں آکر جھاڑ پھونک کرانے، تعویذ گنڈے لینے، آسیب اور جن بھوت اتروانے جیسی بیسیوں خرافات تھیں جن میں انسان اپنی گاڑھی کمائی "دین و مذہب" کے ان اجارہ داروں پر خرچ کرتا تھا۔ اور یہ اپنی ہوس زرگری کے لیے طرح طرح کے مواقع ایجاد کرتے اور مقدس ہستیوں کے بارے میں عجیب عجیب انکشافات کرتے رہتے تھے۔ یہود و نصاریٰ کے دنیا پرست احبار و رہبان چند قدم اور آگے تھے۔ وہ شریعت سازی کے علاوہ گناہ بخشنے اور جنت کے ٹکڑے الاٹ کرانے کا یارا بھی حاصل کیے بیٹھے تھے۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ معاملہ شرک و بت پرستی اور مذہب کے نام پر خدا اور بندے کے درمیان وسیلہ بننے کا ہو یا خدا کے وجود کا کلی انکار کرکے انسانوں کے لیے آزادانہ قانون سازی اور طریقہ حیات کی دریافت کا۔ اس معاملے میں جب بھی انسانوں کا کوئی گروہ بقیہ انسانوں کا اجارہ دار بنے گا۔ اپنی خود غرضی، ہوس پرستی اور شکم پروری کے لیے اسی طرح کی عیاری، مکاری اور ہوشیاری سے کام لے کر انسانوں کا استحصال کرے گا۔

بہرحال ایک طرف تو انسان خرافات اور توہمات کے جال میں پھنس کر مذہبی اجارہ داروں کے لادے ہوئے بوجھ تلے کراہ رہا تھا لیکن دوسری طرف وہ چند مقدس ہستیوں کو اپنا کارساز سمجھ لینے اور بزرگوں کی شکل میں انھیں راضی رکھنے کا پیٹنٹ اور اچوک نسخہ جان لینے کے بعد اخلاقی و اجتماعی معاملات اور حلال و حرام کے سلسلے میں وہ بالکل بے لگام ہو گیا۔ بس یہیں سے ہمہ گیر برائیوں کا سیلاب پھوٹا۔ اور خیر و شر کی تمیز جاتی رہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اس فساد کا جو طوفان بپا تھا، اس کا مکمل نقشہ پیش کرنا تو مشکل ہے چند جزوی اشارے پیش خدمت ہیں۔

(۱) اس وقت تعلق باللہ تہذیب نفس اور تزکیۂ باطن کا تصور ختم ہو چکا تھا۔ اگر کہیں تھا بھی تو نہایت کریہہ اور غیر فطری شکل میں۔

(۲) اخلاق میں حد درجہ گھٹیا پن اور گراوٹ آگئی تھی۔ خود غرضی، جھوٹ، فریب، اور بد عہدی کی فضا عام تھی۔ بدگوئی اور فحش کلامی فخر کے ساتھ کی جاتی تھی۔ ہمدردی، مروت، غمگساری اور انسانیت دوستی کے جذبات عنقا تھے۔ غرور، تکبر اور برتری کی ریس جاری تھی۔ عام طور پر انسان دوسروں کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتا اور ان کی خوشحالی پر جلتا اور کڑھتا تھا۔

(۳) حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی تھی۔ مردے، خون، اور سور جیسی غلیظ اور مضر چیزیں بے تکلف کھائی جاتی تھیں جوئے بازی، شراب نوشی اور زناکاری عام تھی۔ یہ بدکاری علانیہ اور فخریہ کی جاتی تھی۔

(۴) نکاح و طلاق کے معاملات میں شرافت اور فطری تقاضوں کو پامال کر ڈالا گیا تھا۔ نہ بیویوں کی تعداد کے لیے کوئی حد تھی نہ ان کے ساتھ انصاف ضروری۔ لڑکا اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لیتا تھا۔ بیوی کے ساتھ سالی بھی نکاح میں رکھ لی جاتی تھی۔ ایران میں مزدکیت کے اثر سے سگی بہن، ماں، بیٹی، پھوپھی وغیرہ تک سے شادی کر لی جاتی تھی۔

(۵) بیشتر معاشروں میں عورت اپنا مستقل وجود نہ رکھتی تھی اور سارے حقوق سے محروم تھی، جانوروں کی طرح بیچی خریدی جاتی تھی۔ شوہر سنگین ترین سزائیں دینے بلکہ جان سے مار ڈالنے کا بھی مجاز تھا۔ ہندوستان میں عورت کو اس کے وفات یافتہ شوہر کی چتا پر جلا دیا جاتا تھا۔ عرب میں شوہر کی موت کے بعد اس کے بھائی بند اس کی بیوی کے وارث ہو جاتے تھے۔ پھر خود شادی کر لیتے یا جہاں چاہتے بیاہ دیتے، عورت یا اس کے اولیاء مداخلت نہ کر سکتے تھے۔

لڑکی کا وجود رسوائی کے ہم معنی سمجھا جاتا تھا، اور کتنے ہی بدبخت اپنی بیٹیاں اپنے ہاتھوں زندہ گاڑ آتے تھے۔

(۶) سود خواری کی لعنت چاروں سو پھیلی ہوئی تھی۔ تجارت میں بیجا نفع خوری کے لیے خرید و فروخت کے عجیب عجیب پرفریب طریقے رائج تھے۔

(۷) یتیموں کا مال عموماً ہڑپ کر لیا جاتا تھا، خیانت کوشی عیب نہ تھی، مالدار لوگ محنت کشوں، مزدوروں اور دستکاروں کی اجرت مار کھاتے تھے۔ روم و فارس میں بڑی بڑی زمینیں جوتنے بونے والا کسان نانِ شبینہ کو ترستا تھا۔ اور ان زمینوں کے مالک یا جاگیردار اپنے سر پر کئی کئی لاکھ کا تاج رکھتے تھے۔ ہر طرف طاقتور کمزور کا خون چوس رہا تھا۔ اس سے بیگار لینا، اس کا مال دبا لینا اور اس کے حقوق غصب کر لینا معمولی بات تھی۔ درحقیقت کمزور ہونا ہی تباہی و بربادی کو دعوت دینا تھا۔ عرب شاعر کہتا ہے۔

ومن لا یذد عن حوضہ بسلاحہ یھدم ومن لا یظلم الناس یظلم

جو شخص اپنے ہتھیار سے اپنے حوض کی حفاظت نہ کرے گا اس کا حوض ڈھا دیا جائے گا، اور جو لوگوں پر ظلم نہ کرے گا اس پر خود ظلم کیا جائے گا۔

(۸) انسان کو بحیثیت انسان کوئی حق حاصل نہ تھا۔ نہ جان محفوظ تھی نہ مال نہ آبرو۔ حکومت یا قبائل کی جو محدود اکائیاں تھیں، ان سے باہر کا آدمی بے تکلف لوٹ لیا جاتا یا قتل کر دیا جاتا تھا۔ اپنی اکائی کے آدمی کی بھی حفاظت اس لیے نہ کی جاتی تھی کہ وہ انسان ہے۔ بلکہ اس لیے کہ یونٹ کو اپنے گوناگوں مقاصد کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ ایران میں مزدکی منطق نے باہم بھی ایک دوسرے کی جان و مال اور آبرو مباح کر دی تھی۔

(۹) معاشرے میں امن و استقرار کے بجائے بدامنی قتل و غارت گری، رہزنی، حبس بیجا، تصرف ناجائز اور مداخلت بیجا کا دار دورہ تھا۔ اور اس کی بنا پر معیشت پامال اور لوگ بدحال تھے۔ فقر و فاقہ اس حد تک پھیلا ہوا تھا کہ بہت سے افراد فقر کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔

(۱۰) حکام جبر و قہر سے عبارت تھے۔ رعایا کا کام یہ تھا کہ وہ اپنے لہو نچوڑ کر حکام کی عیش کوشی کا سامان فراہم کرے۔ اور خود لقمۂ عیش کے لیے ترستی رہے۔ ظلم و جور اور جبر و قہر کے خلاف آواز اٹھانا تو در کنار شکوہ کرنے کی بھی گنجائش نہ تھی۔ اس بارے میں قبائلی وحدتوں کا حال بڑی بڑی حکومتوں کے بالمقابل نسبتہً اچھا تھا۔

(۱۱) بدامنی اور خطرات کی ہمہ گیری نے افراد کے اندر اپنے اپنے قبیلوں کے لیے حد درجہ تعصب پیدا کر دیا تھا جس کی

آمیزش سے نسلی غرور و تفاخر کے جذبات دو آتشہ اور سہ آتشہ ہو گئے تھے۔ آدمی یہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ کسی جھگڑے میں اپنے بھائی کی مدد کرنے کے بجائے غیر جانبداری اور انصاف سے کام لے۔ ان میں ایک مثل رائج تھی۔ انصر اخاک ظالما او مظلوما۔ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ وہ یہ جانتے ہوئے بھی اپنے قبیلے کا ساتھ دیتے تھے کہ ہمارا قبیلہ غلطی پر ہے۔ ان کا شاعر کہتا ہے۔

وما انا الا من غزیة ان غوت غویت وان ترشد غزیه ارشد

میں بھی قبیلہ غزیہ ہی کا ایک فرد ہوں۔ اگر غزیہ غلط راہ پر جائے گا تو میں بھی غلط راہ پر جاؤں گا اور اگر غزیہ صحیح راہ پر جائے گا تو میں بھی صحیح راہ پر جاؤں گا۔

(۱۲) تعصب اور تکبر نے ایک طرف نوحہ خوانی اور نسلی غرور کی شاعری کو جنم دیا تھا تو دوسری طرف اس جذبے کے تحت نہایت حقیر اور معمولی معمولی باتوں پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے۔ پھر صدیوں تک نہیں بجھتے تھے۔

بنو وائل کے دو برادر قبیلوں بکر اور تغلب میں ایک چراگاہ کے اندر دوسرے کے اونٹ کے چلے جانے پر جنگ بسوس برپا ہوئی تو چالیس برس تک اس کا سلسلہ نہ ٹوٹا اور فریقین کے ستر ہزار آدمی اس کا ایندھن بن گئے۔ بنو قیلہ کے دو برادر قبیلوں اوس اور خزرج میں جنگ چھڑی تو ڈیڑھ صدیوں تک کشت و خون کا سلسلہ چلا۔

(۱۳) جنگ کسی جائز مقصد کے لیے نہیں بلکہ جذبہ تکبر، جوش انتقام یا محض لوٹ کھسوٹ کے لیے لڑی جاتی تھی۔ اور جنگ کے لیے کوئی اصول و ضابطہ نہ تھا۔ بلکہ جنگ کا مفہوم تھا تخریب و تباہ کاری اور وحشت و بربریت کا طوفان۔ جنگ میں کھیتیاں، باغات، مکانات، وغیرہ پامال برباد اور نذر آتش کر دیے جاتے تھے۔ متقاتلین کے علاوہ بوڑھوں، بچوں، عورتوں، مجبوروں، ضعیفوں اور بے تعلق لوگوں کو بھی بے دریغ تہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔

(۱۴) قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک ہوتا تھا اور رومن امپائر اس سلسلے میں سب سے بازی لے گیا تھا یہاں قیدیوں کو شیروں اور درندوں سے پھڑوا دیا جاتا تھا۔ گرمچھ کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ بیل گاڑیوں اور رتھوں کو ایک دوسرے سے لڑاتے اور دوڑاتے ہوئے کھنچوایا جاتا اور اس کے درمیان قیدی کو کچل دیا جاتا۔ جلتے ہوئے تیل میں زندہ بھون دیا جاتا۔ مکمل باندھ کر بانس کے کریلے پر زندہ لٹا دیا جاتا اور وہ کریلا راتوں رات ناف اور پیٹ چیر کر آر پار ہو جاتا۔

خلاصہ یہ کہ انسانی زندگی کا ایک ایک گوشہ گمراہی، بے اعتدالی اور مصائب کی زد میں آچکا تھا۔ اور انسان شدید گمراہی ظلم و مایوسی اور محرومی و بد نصیبی کے لق و دق صحرا میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ اس تیرہ و تار فضا میں اگر کہیں

کسی غیر کا وجود تھا بھی تو اس کی حیثیت جگنو کی چمک سے زیادہ نہ تھی ۔

ان حالات میں ۲۱ رمضان المبارک ۴۱ عام الفیل مطابق ۱۰ اگست ۶۱۰ء شب دوشنبہ کو کوہ حرا سے ایک غار میں سعادت انسانی کا جلوہ ظاہر ہوا ۔ حضرت جبرئیل امین یکایک نازل ہوئے اور رسالت پناہ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دبوچ دبوچ کر رب اکرم کے نام سے پڑھنے کی وحی فرمائی ۔ دس دن بعد جب آپ کے قوائے معنوی آنے والی کتاب کی مطلوبہ قرأت کے لیے مستعد اور مشتاق ہو چکے تھے تو یکم شوال کو جبریل امین پھر نمودار ہو گئے ۔ اب کی بار وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر جلوہ افروز تھے ۔ انھیں دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم مرعوبیت میں گھر آئے اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے ۔ اتنے میں حکم الٰہی آیا ۔ یاایها المدثر قم فانذر الآیات ۔ اے کمبل اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ان کے خطرناک انجام سے آگاہ کر دے ۔ پھر کیا تھا ؟ آپ کمبل پوشی کا سکون تج کر اُٹھ پڑے اور پھر اٹھے ہی رہے ۔ عمر شریف کے باقیماندہ تیئیس برس اس عزم کا حیات اور کشاکش حق و باطل میں گزار دیے ، اور اس قوت کے ساتھ کہ اس کرۂ آب و گل کے لیل و نہار بدل گئے ۔ شرک و کفر کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی اس دنیائے تیرہ و تار کے بیچوں بیچ آفتاب حق و صداقت اپنی پوری تب و تاب کے ساتھ چمک اٹھا جس سے پہاڑوں اور ٹیلوں کی چوٹیاں ہی نہیں زمین کے نشیب اور وادیاں بھی روشن ہو گئیں اور واشرقت الارض بنور ربها کا سماں بندھ گیا ۔ اہل توحید کی ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جس کے جلال حق کے سامنے دیکھتے دیکھتے دنیا سپر انداز ہو گئی اور جہاں ان کے قدم نہ پہنچ سکے وہاں ان کے مشعل کی روشنی پہنچی ۔ اس طرح بنی نوع انسان کے لیے سعادت کبریٰ کا دروازہ کھل گیا ۔

اس سعادت کا آغاز اسی مرکزی نقطے کی اصلاح سے ہوا جس کی خرابی سے ہمہ گیر فساد کا سیلاب پھوٹا تھا ۔ اور جس کی اصلاح کے بغیر آج بھی شر و فساد پر قابو پانا ممکن نہیں ۔ لن یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح اولها ۔ اس امت کا آخر بھی اسی چیز سے سدھر سکے گا جس سے اس کا اول سدھرا تھا ۔

یہ اصلاح خدا کی رہنمائی اور اس کی نگرانی میں ہو رہی تھی ۔ اس لیے اس کے ہر قدم میں حکمت الٰہیہ کارفرما تھی ۔ اس حکمت کا تقاضا تھا کہ سب سے پہلے "جڑ" پر ضرب لگائی جائے کہ اس کے بعد شاخیں بآسانی تراشی جا سکتی ہیں ۔ اور اگر تراشی نہ بھی گئیں تو رفتہ رفتہ خود ہی سوکھ کر مردہ ہو جائیں گی ۔ چنانچہ سب سے پہلے توحید کی تعلیم دی گئی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا اولین خطاب یہ ہوا کرتا تھا۔ ایها الناس قولوا لا إله الا الله تفلحوا ۔ لوگو یہ کہو کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ۔ کامیاب ہوجاؤ گے ۔

چار لفظوں پر مشتمل یہ مختصر سا فقرہ جسے کامیابی کی کلید قرار دیا گیا ہے ۔ درحقیقت اپنے اندر معنویت کی ایک دنیا اور انقلاب کا ایک طوفان لیے ہوئے ہے ۔ جس کی تفصیلات کی ہمہ گیر تصویر کشی سخت مشکل ہے چند اشارے پیش خدمت ہیں۔

(الف) اس کا اولین اور ابتدائی تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایک مان کر صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور وہ سارے اعمال جنھیں مراسم عبادت شمار کیا جاتا ہے کسی بھی غیر اللہ کے لیے نہ بجا لائے جائیں ، کیوں کہ الوہیت کے اوصاف اللہ کے سوا کسی اور میں نہیں ہیں ۔ بلفظ دیگر کسی بڑی سے بڑی ہستی میں اسباب و مسببات کی دنیا سے بالاتر ہوکر کوئی ایسی معنوی قوت نہیں ہے کہ وہ ذرہ برابر بھی کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے ۔ اور کسی کی حاجت روائی و مشکل کشائی کرسکے ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ساری امیدیں بھی صرف اللہ ہی سے وابستہ کی جائیں ، پھر دسا اور توکل بھی صرف اسی پر کیا جائے اور ڈر اور خوف بھی صرف اسی کی پکڑ اور گرفت سے کیا جائے ۔ نیازمندانہ محبت بھی صرف اسی سے وابستہ کی جائے ۔ اور ان سارے معاملات میں انسانوں کی تمام خودساختہ موہوم ہستیوں سے اپنے آپ کو مکمل بے تعلق ، بے نیاز اور بے خوف کرلیا جائے ۔ خدا اور بندے کے درمیان مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے ربط و تعلق کی یہ وہ صحیح ترین بنیاد ہے جس کے بغیر نہ انسان کی روح آسودہ ہوسکتی ہے نہ وہ تاریکیوں اور نامرادیوں کے لق و دق صحرا میں بھٹکنے اور در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے نجات پاسکتا ہے ۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ؛ ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(ب) اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اس کلمے نے بندے اور خدا کے درمیان مقدس ہستیوں کے وسیلے اور واسطے کا سارا معاملہ ہی ختم کر دیا ہے ۔ لہٰذا پنڈتوں ، مہنتوں ، مجاوروں ، سجادہ نشینوں ، پیروں اور راہبوں وغیرہ نے دینی اجارہ داری کا جو جال بن رکھا تھا اور مختلف ہستیوں کے حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنے کے نام پر آستانوں کے نام پر نذر و نیاز کی وصولی کے جو مراکز قائم کر رکھے تھے ۔ اس کے تار و پود خود بخود بکھر گئے ۔ انسان اس پھندے سے نکل کر خدا کے ساتھ صحیح تعلق اور خدائی رہنمائی کی وسیع اور صاف شفاف فضا میں سانس لینے لگا ۔ اسلام نے اس غلط ، گمراہ کن اور سراسر استحصال پر مبنی مذہبی اجارہ داری کی جڑ اس طرح کاٹی کہ اس کا ایک ریشہ بھی باقی نہیں رہنے دیا ہے ۔ قرآن نے وضاحت کی ہے ۔ خالق صرف اللہ ہے اس لیے حکم بھی اسی کا چلے گا اور اسی نے اپنی شریعت اور اپنی مرضیات کی

وحی کے لیے صرف پیغمبر کو منتخب کیا ہے ، کسی اور کو نہیں - اور پھر اپنے پیغمبر پر اپنا پورا دین مکمل کر دیا ہے ، لہٰذا اب اس میں ترمیم واضافے اور پیوندکاری کی کوئی گنجائش نہیں ہے - خود پیغمبر کو بھی یہ حق نہیں دیا گیا کہ اپنی مرضی اور صوابدید سے کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دیں - یا اس کے کسی اور حکم میں کسی طرح کی تبدیلی کر دیں ، کفار کے نے قرآن میں تبدیلی کا مطالبہ کیا تو حکم ہوا - قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقائ نفسی ان اتبع الا ما یوحی إلیّ آپ کہدیں ! مجھے اپنی مرضی سے تبدیلی کرنے کا کوئی اختیار نہیں - میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میرے پاس کی جاتی ہے - اس طرح انسانوں کے ہاتھ سے شریعت سازی کے سارے اختیارات سلب کر لیے گئے ہیں -

ان کا کام صرف یہ رہ گیا کہ وہ اللہ کی شریعت معلوم کر کے اس پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کریں - اور تبلیغ بھی طلب دنیا کے لیے نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے لیے - پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا قل ما اسئلکم علیه من اجر وما من المتکلفین آپ کہدیں کہ میں اس پر تم سے کوئی اجر مانگتا ہوں اور نہ میں تکلف کرنیوالوں میں سے ہوں - طلب اجرت نہ سہی کم از کم معمولی درجے کی خود غرضی ہو سکتی تھی - لیکن اسے بھی ختم کر دیا گیا -

(ج) - یہیں سے اس کلمے کا ایک اور تقاضا سامنے آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حق الوہیت یہ ہے کہ حکم وہی دے سکتا ہے اور اس میں پیغمبر تک کو دخیل ہونے کا حق یا اختیار نہیں دیا گیا ہے تو بندے کی بندگی کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کر دے ، اور اپنے تمام شعبہ ہائے حیات میں بلا چوں چرا اس کی اطاعت کرے - اور اسی کی مرضی کے طابع ہو جائے - اس کی اجازت کے دائرے سے باہر نکل کر نہ کسی کی اطاعت کرے اور نہ کسی کی مرضی کا طلبگار رہو -

---

یہ ہے اپنے بعض لوازم سمیت وہ مرکزی نقطہ جس پر دور جاہلیت کے بگڑے ہوئے انسان کی اصلاح کی بنیاد رکھی گئی ، یہ محض ایک تحریکی نظریہ نہ تھا - بلکہ یہ ایمان وعقیدے کی بات اور اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کی یافت تھی - اس لیے جب پیغمبرانہ تربیت کے ذریعے اسے دل کی گہرائیوں میں اتارا گیا تو انداز فکر سے لے کر کردار وعمل تک کی ساری دنیا ہی بدل گئی - نوع انسانی کے کمالات اور خیر وبرکت کے عجائبات ظہور میں آئے - اور سر عام ان باتوں کے وجود ونمود کا ہنگامہ بچ گیا جنھیں انھونی اور محال سمجھ لیا گیا تھا - اس عقیدے کا اگر ایک کرشمہ یہ تھا کہ جبر وظلم کی کوئی سنگین سے سنگین صورت حتیٰ کہ آگ کے دہکتے ہوئے انگارے بھی انسان کے پائے استقامت میں تزلزل نہ لا سکے تو دوسرا کرشمہ یہ تھا کہ وہی انسان جو برائیوں پر فخر کرتا تھا - اب برائیوں سے اپنی پاکی کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور وہی

ان ان جو دوسروں کو لوٹ کر اپنی ہوس زرگری کو تسکین دیتا تھا، اب وہی انسان دوسروں کے لیے اپنا سب کچھ لٹا کر آسودگی اور فرحت محسوس کرتا ہے ۔ وہی انسان جس کے قبائلی تعصب اور ہٹ کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے مقررہ آداب و رسوم اور عادات کے خلاف صرف ایک لفظ سن کر تلوار کھینچ لیتا تھا اب اس درجہ روادار اور معقول ہو چکا ہے کہ صرف ایک شخص کی ایک غائبانہ اور نامعلوم آواز سن کر شراب کا مٹکا خود اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے پتھر کے اس پیالے سے توڑ دیتا ہے، جسے شراب سے بھر کر پینے جا رہا تھا۔

ایسے مستحکم ایمان اور ایسے ٹھوس جذبۂ اطاعت کے بعد اس انقلاب کو برپا کرنا عین ممکن ہو گیا جو جمیعۃ انسانی کی سعادت کے لیے مطلوب تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس ایمان نے اس انقلاب کے لیے ایک لگن اور تڑپ پیدا کر دی اور اس راہ کی ہر صعوبت کو لذت میں بدل دیا ۔ اہلِ ایمان کو بتلایا گیا کہ سارے اعمال کی روح تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن ہے ، یعنی جو قدم بھی اٹھے اس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو۔ اپنی ذاتی غرض اور مفاد مطلوب نہ ہو۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے جوش میں کوئی ایسا قدم اٹھا دیا جائے جو بذاتِ خود بُرا ہے ۔ بلفظِ دیگر مقصد بھی پاکیزہ ہو اور وسائل بھی پاکیزہ ہوں۔

اس پاکیٔ نفس کو انسان کے سارے اعمال کی روح قرار دے کر انسان کی قوتِ تمیز کو دعوتِ فکر دی گئی ۔ انسان درحقیقت ایک اخلاقی اور شعوری مخلوق ہے اور اس میں تمیزِ خیر و شر کی فطری صلاحیت ہے ، انسان کی اسی صلاحیت کو بیدار کیا گیا اور اس کے اخلاقی شعور کے ہاتھ میں اس کی زمام کار دے کر اسے صراطِ مستقیم پر چلا دیا گیا۔ وحیِ الٰہی اور ارشاداتِ رسولؐ کی روشنی اس کی رہنمائی کرتی رہی ۔ اس کے نتیجے میں جو تبدیلی عمل میں آئی ، اس کے موٹے موٹے نقوش یہ ہیں ۔

(۱) خدا اور بندے کے درمیان صحیح ربط قائم ہوا ، جس پر ساری سعادتوں کا دار و مدار ہے ۔

(۲) نماز، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، قربانی وغیرہ کی شکل میں عبادتِ الٰہی کا جامع معقول اور شرفِ انسانی کے شایانِ شان طریقہ رائج ہوا۔

(۳) تہذیبِ نفس اور صفائے باطن کی فضا عام ہوئی ۔

(۴) مکارمِ اخلاق کی تکمیل ہوئی ، لوگ کردار کی پستی سے نکل کر شرافت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئے ۔ جھوٹ، فریب، خود غرضی اور بد عہدی ایسا گھناؤنا جرم بن گیا کہ ایمان کے سانچے میں ڈھلا ہوا انسان ان کے قریب پھٹکنے کے بجائے جان دینا پسند کرنے لگا ۔ اکا دکا افراد جو اس طرح کی خامیوں میں مبتلا تھے ، منافق قرار پائے اور انھیں سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ۔ غرور و تکبر ناپید ہوا ۔ ایک دوسرے کی عزت و قدر اور ہمدردی و غمگساری عام ہوئی ۔

اخوت، بھائی چارگی اور انسانیت دوستی وانسانیت نوازی کے عجائبات ظہور میں آئے۔ مومن کا بازوحق پرستوں کے لیے انتہائی نرم اور باطل کے مقابل میں فولاد کی چٹان بن گیا۔ یعنی ؎

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم	دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

(۵) خیروشر اور حلال وحرام کی تمیز عام ہوئی، خبیث اور گندی چیزیں جن سے جسم فاسد ہوتا ہو مثلاً سور اور کتے۔ یا عقل جاتی رہتی ہو مثلاً شراب اور نشہ آور چیزیں، یا دین فاسد ہوتا ہو مثلاً غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور، ان تینوں اقسام کو حرام کیا گیا۔ طیبات یعنی پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہرائی گئیں۔

(۶) معاملات کی بنیاد نصح وخیر خواہی پر رکھی گئی ہے اور لین دین میں جواز وعدم جواز کی یہی بنیاد قرار پائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف سامان بیچنے والا پہلے اپنے سامان کا عیب دکھلاتا پھر بتلاتا کہ اس عیب کی وجہ سے اس کی قیمت عام بھاؤ کے مقابلے میں اتنی کم کردی گئی ہے۔ دوسری طرف خریدار اصرار کرتا کہ قیمت کچھ زیادہ لو۔ بہت کم لے رہے ہو۔ مزدور وصنعت کار اپنے استحقاق سے کچھ زیادہ ہی اجرت پانے لگے۔ اور وہ بھی پیشانی کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ہی۔ معاشرہ غریبوں، مجبوروں، معذوروں وغیرہ کا کفیل بن گیا۔ سودخواری کی لعنت جڑسے ختم ہوگئی۔ اور مختلف امکانات ترقی کے دروازے کھل گئے۔

(۷) جنسی تعلقات کے سارے نامعقول طریقوں کا خاتمہ ہوگیا، اور نکاح وطلاق کے روابط کو مقبولیت و شرافت اور تقاضائے عدل وفطرت کے دائرے میں لایا گیا۔

(۸) عورت جو مرد کا پیوند سمجھی جاتی تھی اسے مستقل حیثیت دی گئی۔ عبادت سے لے کر حق ملکیت اور مالکانہ تصرفات تک کے جملہ ذاتی امور میں اسے مرد کے مساوی قرار دیا۔ شوہر کے انتخاب اور عقد کے نفاذ کا آخری اختیار اور فیصلہ اسی کے ہاتھ میں دیا گیا۔ خلع کی شکل میں ظالم شوہر کے پنجے سے نکلنے کی راہ کھولی گئی۔ خاندان، سماج اور حکومت کو عورت کے منصفانہ حقوق دلانے کا ضامن بنایا گیا۔ اور اس کی کفالت کی مستقل ضمانت فراہم کرکے اسے فکر معاش سے آزاد کردیا گیا۔ اور اس کے باوجود اسے وارث قرار دیا گیا۔ اور اس کی مقدار استحقاق میں فیاضی سے کام لیا گیا۔ عورت کے وجود کی جسمانی اور معنوی ساخت فطری طور پر جس قسم کی حفاظت کی طلبگار تھی اسے وہ حفاظت فراہم کی گئی اور اسے انسانی سماج کی نوع بہ نوع ذلتوں اور رسوائیوں کے گرداب سے نکال کر عزت واحترام اور قدرومنزلت کے مقام پر فائز کیا گیا۔

(۹) انسان کی نہ صرف یہ کہ جان، مال اور آبرو کی ضمانت دی گئی، بلکہ اس کے وہ تمام حقوق بحال کیے گئے جنھیں انسان کی فطرت اپنی انسانی حیثیت میں چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے حقوق انسانی کا ایک ایسا معیار پیش کیا ہے جس کی نظیر آج تک وجود میں نہ آسکی۔

(۱۰) حقوق انسانی کی اس بحالی و حفاظت کے نتیجے میں امن وامان کا ایسا دار دورہ ہوا کہ وہی عرب جس کا چپہ چپہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے مقتل بنا ہوا تھا، اب اسی عرب میں ایک ہودج نشین خاتون جواہرات کے انبار کے تن تنہا حیرہ سے چلتی اور کئی ہزار میل کا راستہ طے کر کے صنعا پہنچتی ہے، مگر راستے میں اسے کسی خطرے کا اندیشہ تک نہ نہ ہوتا۔

(۱۱) حکومت کی بنیاد اجتماعی عدالت کے اعلیٰ ترین معیار پر قائم ہوئی، جو خدمت خلق اور حفاظت حق سے عبارت تھی، انصاف اس درجہ تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اعلان کرتے ہیں۔ واللہ لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت یدھا ۔ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ لوں گا۔ خلیفہ اول اعلان کرتے ہیں کہ تمھارا کمزور میرے نزدیک طاقتور ہے، جب تک کہ اس کا حق نہ دلادوں، اور طاقتور کمزور ہے جب تک کہ اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ خلیفہ دوم اپنے بیٹے کی پیٹھ پر اپنے ہاتھ سے کوڑے لگاتے ہیں اور وہ بھی اس بنا پر کہ دوسرے سزا دینے والے نے خلیفہ کا بیٹا ہونے کے ناطے رعایت کردی تھی۔ ایک گنوار کی شکایت پر عمرو بن عاص جیسے جانباز کمانڈر کے بیٹے کی پیٹھ کوڑوں کی زد میں آجاتی ہے۔ اور اس سوال کے ساتھ کہ متی استعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا ۔ تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنایا حالانکہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد جنا تھا۔ بازوئے اسلام علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت ہوتے ہوئے قاضی کی عدالت میں ایک یہودی چوہدری کے بالمقابل بیٹھتے ہیں اور یہودی کو ڈگری حاصل ہوتی ہے۔ یہ چند استثنائی مثالیں نہیں ہیں۔ پورا معاشرہ اسی انصاف کے ڈھانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔

(۱۲) نسلی غرور اور قبائلی کشمکش کا اس حد تک خاتمہ کردیا گیا کہ جو قبائل ایک دوسرے کا گلا کاٹتے تھے اب وہی ایک دوسرے کے محافظ بن گئے، اور جو لوگ اپنے بالمقابل ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اب وہی لوگ ایک معمولی غلام زادے کی امارت وسیادت میں اس کی رکاب پکڑ کر پیدل دوڑتے ہوئے بھی عار محسوس نہیں کرتے۔

(۱۳) اس طرح جنگ کے غیر اخلاقی اسباب کا خاتمہ کر کے اسے انسان اور انسانیت سے متعلق نہایت اعلیٰ مقاصد

کے اندر محدود ہو کر دیا گیا۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ کا جامع مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے صرف تین مقاصد کے لیے جنگ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ (۱) ایک یہ کہ تبلیغ دین سے روکا جائے۔ (۲) دوسرے یہ کہ جو لوگ اسلام لا چکے ہیں انھیں ستایا جائے اور سختی اور تعذیب کے ذریعہ اسلام سے پھیرنے کی کوشش کی جائے۔ (۳) تیسرے یہ کہ جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہیں۔ ان کے سامنے ایسی مشکلات کھڑی کی جائیں کہ وہ مسلمان ہونے کی ہمت نہ کر سکیں۔

پھر جنگ کے غیر اخلاقی اسباب کی طرح اس کے غیر اخلاقی کردار کا بھی خاتمہ کر دیا گیا یعنی جنگ میں عورتوں، بچوں بوڑھوں، معذوروں اور غیر متعلق لوگوں کو قتل کی اجازت نہیں دی گئی۔ صرف مدمقابل آنے والے برسرپیکار شخص کو قتل کرنا روا رکھا گیا۔ مکانات، باغات، املاک اور کھیتیاں وغیرہ جلانے اور تباہ کرنے سے روک دیا گیا۔ صرف بعض مخصوص حالات میں جنگی مقاصد کے لیے بعض محدود املاک کو نقصان پہنچانے کی اجازت دی گئی۔

(۴) اسیران جنگ کو ان کے بھیانک انجام سے بچا لیا گیا، ان کے ساتھ سختی اور تعذیب کے بجائے حسن سلوک کی روش اپنائی گئی، مجرمین جنگ کے علاوہ کسی قیدی کو قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ یا تو بلا معاوضہ معاف کر دیا گیا، یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا، یا قیدیوں سے تبادلہ کیا گیا۔ یا غلام بنا کر معاشرے کا ایک جزو بنا لیا گیا۔

خلاصۂ بحث یہ کہ انسان جب خدا پرستی کی راہ یعنی صراط مستقیم سے ہٹا تو اس کی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ اور شعبہ نہ تھا جو گندگی میں ملوث نہ ہوا ہو۔ اور جہاں اسے اذیت اور غیر فطری مشکلات میں جھکنا نہ پڑا ہو۔ لیکن جب اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس ۲۳ برس کی مسلسل تگ و دو، ہدایت و رہنمائی اور ارشاد و تربیت کے ذریعہ صراط مستقیم پر گامزن کر دیا اور اس کے ہاتھ میں قرآن مجید اور سنت نبویہ کی مشعل تھما دی تو خدا پرستی، تعلق باللہ اور توجہ الی اللہ کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہ بچا جو اس کے لیے مفید اور اس کی فطرت کے عین مطابق نہ بن گیا ہو۔

یہ ہے اس عظیم و بے نظیر انقلاب کی ایک ہلکی سی جھلک جو پیغمبر اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کار اور عظمت کردار کی آئینہ دار ہے، اور جس کی تہ سے حیات انسانی کے چشمے ابلتے ہیں۔ آج بھی آپ کی سیرت و کردار کا یہ تابناک پہلو معاشرۂ انسانی کے لیے اس بات کی سراپا دعوت ہے کہ اگر اسے نجات و فلاح اور سعادت و سیادت مطلوب ہے تو وہ اسی نقش پا کی پیروی کرے اور خدا کا بندہ بن کر بزم کائنات کی صدر نشینی کے اپنے صحیح منصب و مقام کو اپنا لے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

قرآنیات

نظمِ قرآن کے بارے میں علامہ شوکانی کی رائے

ترجمہ :- عبد العید جامعۃ سلفیۃ

آج کل قرآن کی آیات اور سورتوں کے درمیان نظم و ربط کی تلاش میں دماغی کاوشوں اور بے سروپا تاویلات کے بڑے بڑے عجائبات دیکھنے میں آرہے ہیں۔ مشہور مفسر و محدث امام شوکانی نے اس تخیل کا بنیادی طور پر جائزہ لیا ہے اور اپنی شہرہ آفاق تفسیر فتح القدیر میں ایک مفید ٹکڑا اس بحث سے متعلق سپرد قلم کیا ہے۔ ہم اہلِ تحقیق کے لیے اسے محدث کے صفحات میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ۔ امام موصوف لکھتے ہیں :

اس بات سے آگاہ رہنا چاہیے کہ بہت سے مفسرین نے بہ تکلف اپنی علمیت کا ثبوت پیش کیا ہے ۔ انھوں نے اپنی طاقت سے زیادہ ذمہ داری اٹھانے کی کوشش کی ہے ، اپنے اوقات بے مصرف فن میں برباد کیے ہیں ، وہ کتاب اللہ سے متعلق امور میں رائے زنی کرنے لگے ہیں ، حالانکہ اس سے روکا گیا ہے ۔ یوں انھوں نے اپنے لیے خطرہ مول لے لیا ۔ اس سلسلے کی ایک کڑی کلام اللہ کی موجودہ ترتیب پر مشتمل آیات قرآنی کے درمیان ربط تلاش کرنے کی کوشش بھی ہے ۔ اس کوشش میں انھوں نے ایسے ایسے گل کھلائے ہیں کہ حق و انصاف سر پیٹتے رہ جائیں اور ایسی ایسی دور کی کوڑی لائے ہیں کہ کلام ربانی ہی کیا ایک فصیح و بلیغ انسان کا کلام اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے ، اس کو انھوں نے اپنی تالیف کا اہم مقصد قرار دے لیا ہے ۔ اس کی مثال میں بقاعی اور ان سے پیشتر بعض دوسرے مفسرین کو پیش کیا جا سکتا ہے جن کا تذکرہ بقاعی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کیا ہے ۔ جو شخص یہ جانتا ہے کہ قرآن تیئیس سال کی مدت میں حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ، ایسی بات سن کر اسے سخت اچنبھا ہوگا ۔ عام کو چھوڑیے کسی صاحب ہوش و گوش کو بھی اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ وہ وقائع جو نزول قرآن کے مقتضی ہوئے وہ یکساں نہیں ہوئے وہ باہم متناقض بھی ہیں ۔ مثلاً ایک چیز حلال تھی اسے حرام کر دیا گیا یا حرام کو حلال کر دیا گیا ۔ یا ایک شخص یا اشخاص کے حق میں ایک بات ثابت ہوگئی پھر اس کے برعکس ان کے حق میں دوسری بات قرار پائی ۔ کبھی گفتگو مسلمانوں کے متعلق ہو رہی ہے کبھی کافروں کے متعلق ۔

کبھی گزرے ہوئے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے، کہیں حال کے لوگوں کا۔ کبھی گفتگو عبادت پر ہو رہی ہے اور کہیں معاملات پر۔ کہیں ترغیب ہے تو کہیں ترہیب۔ کبھی خوشخبری دی جا رہی ہے کہیں انذار ہو رہا ہے، کہیں دنیا کا ذکر چھڑا ہے تو کہیں آخرت زیرِ بحث ہے۔ ایک جگہ فرائض کا ذکر ہو رہا ہے تو دوسری جگہ ماضی کے قصے بیان ہو رہے ہیں۔

جب اسبابِ نزول اس قدر مختلف ہیں اور اس طرح متباین کہ ان کے اندر ربط و نظم پیدا ہی نہیں کیا جا سکتا تو ظاہر ہے ان کی بنیاد پر خود قرآن بھی اپنی ترتیب میں ویسا ہی ہوگا۔ اس صورت میں ایک ذی ہوش آیات کے درمیان نظم ڈھونڈے تو اس کی مثال یہی ہوگی کہ گوہ اور مچھلی، آگ اور پانی اور ملاح و حدی خواں کے درمیان رشتۂ مناسبت ڈھونڈھا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جاہلوں اور کج فہموں کے لیے شکوک و شبہات کے دروازے کھول دیے جائیں۔ کیوں کہ جب انھیں یہ معلوم ہوگا کہ اہلِ علم تمام قرآنی آیات کے درمیان ربط ڈھونڈتے ہیں اور اس پر خاص طور سے کتابیں لکھتے ہیں تو انھیں یہ یقین ہو جائے گا کہ قرآن میں نظم ضروری ہے، اس کے بغیر قرآن فصیح و بلیغ نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے آیات کے درمیان ربط نہیں ملے گا تو ربط پیدا کرنے والوں کی باتوں کی طرف رجوع کرے گا وہاں انتے تکلف اور ناکام کوشش کے سوا کچھ نہ ملے گا، یوں وہ اپنا اطمینانِ قلب کھو بیٹھے گا، اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہو جائے گا۔ یہ تمام باتیں تو اس صورت میں ہیں جب یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن کا نزول اسی ترتیب سے ہوا ہے جس طرح موجودہ ترتیب مصحف ہے۔ حالانکہ جسے ادنیٰ علم ہے وہ بھی جانتا ہے کہ نزولِ قرآن کی ترتیب، ترتیب مصحف کے مطابق نہیں ہے۔ پھر بھی اگر کسی کو شک ہو تو علمائے اسباب نزول کی کتابوں سے اپنے شکوک کو زائل کر سکتا ہے اگر وہ قرآن کی چھوٹی سورتوں ہی پر غور کرے تو اندازہ ہوگا مختلف آیتیں مختلف مواقع پر نازل ہوئی ہیں اور ان کے مختلف اسبابِ نزول ہیں۔ اسبابِ نزول اور آیتوں کی موجودہ ترتیب میں موافقت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر سورہ اقرأ، سورہ مدثر، سورہ مزمل پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سورتیں ابتدائے زمانۂ نزول میں اتری ہیں، لیکن مصحف کی ترتیب میں آخر میں رکھی گئی ہیں۔

جب حقیقت یہ ہے تو ان آیات قرآنی کے درمیان نظم تلاش کرنے کا مطلب کیا ہے۔ جن کے متعلق ہمیں یقینی علم ہے کہ وہ پہلے نازل ہوئیں اور ترتیب مصحف میں آخر میں رکھی گئی ہیں۔ یا آخر میں نازل ہوئی ہیں اور پہلے رکھدی گئی ہیں۔ تلاش ربط و نظم کا عمل ترتیب نزول میں نہیں جاری ہوتا ہے بلکہ مصحف کی موجودہ ترتیب میں وہ عمل کارفرما ہوتا ہے یہ کام بڑا بے منفعت اور لاحاصل ہے۔ اس میں محنت کرنے والا اس کا سمجھنے اور پڑھنے والا تضییع اوقات کا جرم کرتا ہے

لیے اس کا کوئی حاصل و ثمرہ نہیں ملتا۔

اگر ایک شخص کسی ادیب فصیح و بلیغ کے خطبات، رسائل اور انشائیے میں ان کا باہمی ربط و نظم تلاش کرنے لگے یا کسی شاعر کے قصیدہ، غزل، مرثیہ اور ہجو میں ان کے آپس کے تعلقات ڈھونڈنے لگے اور ادیب اور شاعر کے فقروں اور جملوں یا خطبۂ جہاد و خطبۂ نکاح میں رشتہ ڈھونڈنے کی ناروا کوشش کرے یا تعزیتی انشائیہ و تقریب مسرت کے انشائیے کے درمیان مناسبت پیدا کرے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص پاگل کہلائے گا جو اپنے سرمایۂ عمر سے کھیلتا ہے۔ جب کلام بشر میں ایسی تلاش کا یہ مقام ہے تو پھر کلام اللہ میں اس کا کیا مقام ہوگا۔ جس کلام نے بڑے بڑے فصاحت و بلاغت کے سورماؤں کو درماندہ کرکے رکھ دیا ہے اور عدنان و قحطان کی فصاحت اس کے سامنے گنگ رہ گئی ہے۔

فاضل و کم علم سبھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ عربی ہے۔ اسے عرب کی زبان میں نازل فرمایا، انھیں کے اسلوب کو برتا اور انھیں کا انداز تکلم اختیار کیا۔ مزید یہ معلوم ہے کہ ایک خطیب ایک ہی مجلس میں مختلف فنون کو سمیٹ لیتا تھا پھر جائے کہ اس کی دو مجلس ہو یا بے شمار مجلسیں ہوں یا اس کی عمر بھر کی باتیں ہوں۔ یہی حال عرب شاعروں کا تھا۔

اس خرابی کے بیابان میں بہت سے محققین بھٹک جاتے ہیں، یہاں اتنی ہی تنبیہ کافی ہے۔ ہم نے یہ بحث یہاں اس لیے چھیڑ دی ہے کہ گفتگو حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے متعلق شروع ہو جاتی ہے۔ تکلف پسند حضرات یہاں مابعد کا ماقبل سے تعلق و ربط تلاش کرتے ہیں، ہماری تو یہ رائے ہے کہ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

دع عنك نهبا صيح في حجراته وهات حديثا ما حديث الرواحل

اس ہمہمۂ سفر کی بات چھوڑو جس کی آواز کمروں ہی میں گھٹ جاتی ہے، لاؤ کارواں کی بات کرو۔

(فتح القدیر جلد ا / ۷۲ - ۷۳)

احکام وعقائد

توحید عبادت
مسلمانوں کا امتیازی نشان

عبدالرقیب سلفی

مبعوث الجامعۃ الاسلامیہ بالمدینۃ المنورہ

توحید کا لغوی معنی ایک ماننا ہے، شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات صفات، افعال، اعمال ملکیت اور استحقاق عبادت وریاضت کے اندر ایک تسلیم کرنے کا نام توحید ہے۔

علماء توحید نے عام طور پر توحید کی درج ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) توحید ربوبیت (۲) توحید اسماء وصفات (۳) توحید عبادت

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم نے توحید کی درج ذیل دو قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) توحید معرفت واثبات (۲) توحید طلب وقصد۔

توحید کی دو یا تین قسم ہونے سے اصل مقصود پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ توحید کی نیچے کی دونوں قسمیں، اوپر کی تینوں قسموں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ توحید معرفت واثبات کا ہی اطلاق توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات پر ہوتا ہے۔ اور توحید فی القصد والطلب کا دوسرا نام توحید عبادت ہے۔

توحید ربوبیت: اس بات کا اقرار واعتراف پر مشتمل ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا خالق مالک، رازق اللہ ہے موت وحیات اسی کے ہاتھ میں ہے، نفع ونقصان اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پریشاں حال کی پریشانی وہی دور کرتا ہے، مضطر کی دعائیں وہی سنتا اور قبول کرتا ہے۔ تمام امور کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی بلاشبہ بلا شرکت غیرے دنیا کے تمام حوادث ووقائع کو حدوث ووقوع بخشتا ہے۔ ہر چیز اسی کے تابع فرمان ہے اور اسی کا علم کائنات کے ذرے ذرے کے اندر جاری ہے۔ تمام بھلائیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی دوسرا اس پر قادر نہیں ہے۔

اس توحید پر ایمان لانے کے باوجود کوئی آدمی دائرۂ اسلام کے اندر داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ ساتھ توحید عبادت و الوہیت پر ایمان نہ لائے اور اس کے تقاضے کے مطابق اس پر عمل درآمد نہ کرے اور یہی وجہ ہے کہ مشرکین عرب توحید ربوبیت پر ایمان و اعتقاد کے باوجود دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے ساتھ ٹھیٹ کافر و مشرک کا معاملہ کیا گیا ۔ مشرکین عرب توحید ربوبیت کے قائل تھے ۔ اس کی شہادت وافر تعداد میں قرآن میں موجود ہے اور جاہلی دور کے شعراء کے کلام میں بھی اس کی شہادت موجود ہے ۔ قال تعالیٰ „قل من یرزقکم من السماء والارض . أمن یملک السمع والابصار ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الأمر فسیقولون اللہ فقل أفلا تتقون" یونس ۳۱ اے نبی آپ ان مشرکین سے پوچھیے کہ کون تم لوگوں کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے ۔ کون آنکھ اور کان کا مالک ہے ، کون مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے ۔ کون معاملے کی تدبیر کرتا ہے ، تو یہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ، پھر آپ ان سے کہیے تب کیوں تم لوگ اس سے نہیں ڈرتے ہو ؟ ۔

قال تعالیٰ : „ ولئن سألتهم من خلقهم لیقولن اللہ ۔ الزخرف ۸۸ ۔ اگر آپ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کس نے ان کو پیدا کیا ہے ۔ تو جواب دیں گے ۔ اللہ نے ۔

قال تعالیٰ : „ ولئن سألتهم من نزل من السماء ماء فأحیا به الارض من بعد موتها لیقولن اللہ ۔ (العنکبوت ۶۴) ۔ اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ کون آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندگی کی توانائی بخشتا ہے تو وہ لوگ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ ۔

قال تعالیٰ : أمن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض أالٰہ مع اللہ قلیلاً ما تذکرون „ ۔ کون مضطر و پریشاں حال کی دعا قبول کرتا ہے ، مصیبت دور کرتا ہے اور تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ۔ „ بات ایسی نہیں ہے مگر تم لوگ سمجھ نہیں رہے ہو ۔

مشرکین عرب کو یہ باتیں اچھی طرح معلوم تھیں کہ ان ساری چیزوں پر ملکیت صرف اور صرف اللہ کی ہے ۔ کوئی دوسری ہستی عالم وجود میں ایسی نہیں جو ان کاموں کو انجام دے سکے اور اس پر ان کا ایمان و عقیدہ بھی تھا مگر وہ مسلمان نہیں تھے ، بلکہ مشرک تھے جس کی کیفیت کو خود اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف کے اندر ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔ ان کی اکثریت اللہ کی ذات پر ایمان کے باوجود مشرک ہے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ان کے ایمان کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو پیدا کیا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی مردہ کرتا ہے اور اس ایمان کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔

توحید ربوبیت کے اقرار کے ساتھ وہ عبادت کی کچھ مخصوص قسمیں جیسے حج، صدقہ، ذبح، نذر، دعا بوقت اضطرار وغیرہ اللہ کے لیے مخصوص مانتے تھے اور امکانی حد تک اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے، جس کی وجہ سے وہ دین براہیمی پر ہونے کے دعویدار تھے۔ اور اس کی تردید قرآن نے اس آیت میں کی ہے۔

وما کان ابراھیم یھودیا ولانصرانیاً ولٰکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین (آل عمران)۔ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مشرک بلکہ وہ موحد مسلمان تھے۔

ان مشرکین عرب میں کچھ لوگ حشر ونشر اور یوم حساب کے قائل تھے اور تقدیر پر ان کا ایمان تھا جیسا کہ زہیر نے کہا ہے۔

یوخر فیوضع فی کتاب فیدخر ٭ لیوم الحساب او یعجل فینقم

(اگر وہ تاخیر سے کام لے گا تو کتاب میں لکھ کر حساب کے دن کے لیے جمع کر دے گا، یا جلدی کرے گا تو سزا دے گا۔

عنترہ نے کہا ہے۔: یا عبل این من المنیۃ مھرب ٭ إن کان ربی فی السماء قضاھا

اے عبل اگر میرا رب آسمان پر موت کا فیصلہ کر چکا ہے تو پھر موت سے جائے فرار کہاں ہے۔

اس کی مزید مثالیں جاہلی دور کے شعراء کے کلام میں موجود ہیں جو اللہ کے وجود کے ثبوت اور اس پر ان کے عقیدہ کی گواہ ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے، ان کا خون بہانا، عورتوں کو لونڈی بنانا، بچوں کو گرفتار کرنا اور ان کے اموال و املاک پر دست تصرف دراز کرنا جائز قرار دیا ہے۔ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے جو دنیا کے ہر صاحب عقل و ہوش انسان سے غور و فکر کا مطالبہ کرتا ہے۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ وہ لوگ توحید عبادت کے اندر جو — لا إلٰہ الا اللہ، کا مطلوب ہے شرک کرتے تھے۔

توحید اسماء و صفات: کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنی اور صفات علیا پر ایمان رکھا جائے جو قرآن و حدیث کے اندر مذکور ہیں۔ جیسے اللہ، علیم، قدیر، حی، قیوم، رحمٰن، رحیم، حکیم، سمیع، ملک، قدوس

سلام، مومن، مہیمن، عزیز، جبار، متکبر، عرش پر مستوی اور ملک کو محیط ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس کو نیند آتی ہے، نہ اونگھ، اس کے ہاتھ پاؤں ہیں مگر ہمارے جیسے نہیں ہیں۔ اس کی خبر کے مطابق اس کی حالت معلوم ہے کیفیت مجہول ہے اور ان تمام اسماء وصفات کے اندر اور ان کے علاوہ جو دوسری صفتیں قرآن وحدیث کے اندر موجود ہیں، ان میں کسی طرح کی تاویل، تحریف، تعطیل، تشبیہ اور الحاد حرام ہے۔ یہی سلف کا مسلک ہے۔

کسی آدمی کے مسلمان ہونے کے لیے یہ توحید کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لازم یعنی توحید عبادت کی بجا آوری بھی ضروری ہے، کفار عرب عام طور سے اس کے معترف تھے، اگرچہ کچھ لوگوں سے بعض صفات کا انکار بھی منقول ہے۔ مثلاً یہ لوگ کہا کرتے تھے۔ لانعرف الرحمٰن الا رحمٰن الیمامۃ۔ ہم لوگ یمامہ کے رحمٰن کے علاوہ کسی اور رحمٰن کو نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کے اس انکار کی تصدیق کی ہے اور فرمایا ہے۔ وھم یکفرون بالرحمٰن (الرعد ۳۳) یہ لوگ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں۔

اس انکار کی بنیاد محض جہالت، حماقت اور بغض وعناد تھی ورنہ فی الحقیقت وہ اس کے بھی منکر نہیں تھے اس دعوے کی دلیل ان کے جاہلی دور کے وہ اشعار ہیں جن میں رحمٰن کا لفظ موجود ہے۔ مثلاً ان کا ایک جاہلی شاعر کہتا ہے۔ ما یشأ الرحمٰن یعقد ویطلق

یعنی جو رحمٰن چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور ہوگا۔ زہیر نے کہا ہے۔

فلا تکتمن اللہ ما فی نفوسکم لیخفیٰ ومھما یکتم اللہ یعلم

یعنی تم لوگ اپنا حال دل اللہ سے اس غرض سے مت چھپاؤ کہ وہ چھپ جائے گا، بلکہ جب بھی تم چھپاؤ گے اللہ اسے جان لے گا۔

علامہ حافظ ابن کثیر نے بھی اسی سبب کے پیش نظر ان لوگوں کے اس انکار کو کفر کے اندر حد سے بڑھی ہوئی سرکشی اور عناد وتمرد قرار دیا ہے۔

الغرض توحید اسماء وصفات کے باب میں ان لوگوں سے صرف رحمٰن کا انکار ثابت ہے، اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور صفت یا تمام صفات کے منکر ہوتے تو وہ بھی منقول ہوتا۔ اور اس طرح ان لوگوں نے توحید عبادت کی تردید نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کی، اس کی بھی کرتے مگر اس طرح کی کوئی بات ان سے منقول نہیں ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے، کہ وہ اس کے معترف تھے۔ اور اللہ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات پر ایمان رکھتے تھے۔ برخلاف اس کے توحید الوہیت

نا انکار کرتے تھے ۔ جیسے قرآن نے بھی نقل کیا ہے ۔ قال تعالیٰ ۔

أجعل الآلهة إلٰهاً واحداً ان هٰذا لشيءٌ عجاب ۔ ـ یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ اس نے سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی معبود بنالیا ۔

توحید عبادت : کی بنیاد محبت، الفت، خوف، خشیت، اللہ پر توکل، انابت و رغبت کے ساتھ خالص اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر پر ہے ۔ بلفظ دیگر تمام عبادتیں صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے مخصوص ہیں ۔ ان میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں ہے، خواہ وہ کوئی مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل اور اللہ تعالیٰ کا قول "ایاك نعبد و ایاك نستعین ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ۔ فاعبده وتوكل عليه وما ربك بغافل عما تعلمون ۔ اسی کی عبادت کرو، اسی پر بھروسہ رکھو اور تمھارا رب تمھارے اعمال و افعال سے بے خبر نہیں ہے ۔ " فان تولوا فقل حسبي الله لا اله الا الله هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم ۔ " (اگر وہ لوگ اعراض کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ کافی ہے ۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے ۔) اسی توحید پر مشتمل ہے ۔

قال تعالیٰ ۔ رب السمٰوت والارض وما بينهما فاعبده واصطبر لعبادته هل تعلم له سميا مریم ۶۶ ـ آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کا مالک ہے، اس لیے اسی کی عبادت کرو اور اس کی بندگی پر صبر کرو، کیا تم کو اس کی کوئی نظیر معلوم ہے ۔

قال تعالیٰ ۔ " عليه توكلت واليه أنيب " ۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔

قال تعالیٰ ۔ " توكل على الحي الذي لا يموت وسبح بحمده وكفى به بذنوب عباده خبيراً " ۔ اس زندہ ہستی پر اعتماد کرو جو مردہ نہیں ہوگا، اسی کی حمد و تسبیح پڑھو اور اس کو کافی ہے کہ وہ اپنے بندے کے گناہ کرتوت سے باخبر ہے ۔

قال تعالیٰ " واعبد ربك حتى يأتيك اليقين ۔ موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کرو ۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار آیتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ تمام عبادتیں اللہ کے لیے مخصوص ہیں اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں ہے ۔

یہ توحید عبادت دین اسلام کا اول و آخر، ظاہر و باطن، رسولوں کی دعوت کا بنیادی نقطہ، مرکزی محور اور

لاالٰہ الااللہ کا مطلوب و مقصود ہے۔ کیوں کہ الٰہ وہی ہے جس کی عبادت، محبت، خشیت اور تعظیم و تکریم کے ساتھ کی جاتی ہے، اور ہر قسم کی عبادت کا سزاوار وہی ہے، اسی توحید پر عمل کرنے کے لیے مخلوقات کی تخلیق ہوئی۔ رسولوں کی بعثت ہوئی، کتابیں نازل ہوئیں۔ دنیائے انسانیت دو حصوں میں بٹ کر مومن و کافر کے نام سے موسوم ہوئی نیک بخت جنتی اور بدبخت جہنمی ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یٰایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ (بقرہ -۲۲-) اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ یہ قرآن کا پہلا حکم ہے۔

قال تعالیٰ: لقد ارسلنا نوحا الی قومہ فقال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ (المؤمنون ۲۴-) ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمھارا کوئی معبود نہیں ہے

یہ دنیا میں شرک کے ظہور کے بعد سب سے پہلے رسول کی دعوت ہے۔

ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔ اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ ہود ۶۲)

اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔ اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ۔ الاعراف ۸۵

اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمھارا کوئی معبود نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ الانعام ۸۰ میں نے موحد بن کر اپنی توجہ کا مرکز اس ذات کو بنایا ہے جس نے آسمان و زمین کی تخلیق کی ہے اور میں مشرک نہیں ہوں۔

وقال تعالیٰ: وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون۔ (الانبیاء ۲۶) ہم نے آپ سے قبل کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کے پاس وحی بھیجی کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر میں، اس لیے میری ہی عبادت کرو۔

وقال تعالیٰ: واسأل من ارسلنا من قبلک من رسلنا أجعلنا من دون الرحمٰن الٰھۃ

یعبدون ۔ اے نبی آپ ان لوگوں سے پوچھیے جن کے پاس ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو بھیجا، کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ بہت سارے معبود ان کے لیے بنائے جن کی وہ عبادت کریں ۔ (الزخرف)

وقال تعالیٰ: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب قیصر روم ہرقل نے ابوسفیان سے یہ سوال کیا کہ وہ تم لوگوں سے کیا کہتے ہیں، تو اس کا جواب ابوسفیان نے دیا کہ ۔ وہ کہتے ہیں اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور تمھارے باپ دادا جو کہتے ہیں اسے چھوڑ دو ۔

نبی کریم صلعم نے جب حضرت معاذ کو ایک قوم کے پاس داعی بناکر بھیجا تو ان کو وصیت کی تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو اور تمھاری دعوت کی ابتدا لا الہ الا اللہ کی شہادت سے ہونی چاہیے ۔ اور ایک روایت میں ہے "ان یوحدوا اللہ" لوگ اللہ کو ایک مانیں ۔

یہی توحید مکلف بندے کا سب سے پہلا فرض ہے اس میں فکر و تردد اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے جو بعثت انبیاء کے مقصد اور حقیقت سے بے خبر ہیں ۔ یہ پہلا اور آخری واجب ہے اور سب سے پہلی بات ہے جس کے ذریعہ انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے، اور آخری متاع سفر ہے جس کے ساتھ وہ اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کرتا ہے ۔ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ "من کان اٰخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ ۔ جس کی آخری بات لا الہ الا اللہ ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا ۔ اور ایک روایت میں ہے ۔ "اُمرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا أن لا إلٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ۔ مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ لوگ لا إلٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دیدیں ۔

قرآن حکیم نے اس توحید کو پوری وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ بار بار تذکرہ کیا ہے اور اس کی مثالیں پیش کی ہیں قرآن کی ہر سورہ کے اندر اس توحید کی طرف رہنمائی موجود ہے ۔

توحید کی اس قسم کا نام توحید الہیت ہے ، اس لیے کہ اس کی بنیاد اخلاص وعبادت پر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے حد درجہ محبت کا نام ہے جو اخلاصِ عبادت کو مستلزم ہے اور یہی وجہ اس کے توحید عبادت ہونے کی ہے ۔ توحید ارادہ بھی ہے، اس لیے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کے لیے اخلاص ضروری ہے اور اس کی خاطر ارادہ لازم ہے ۔

اور توحید عمل بھی ہے۔ (اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کو خالص کرنے پر اس کی بنیاد ہے۔)

قال تعالیٰ: فاعبد اللہ مخلصاً له الدین " اللہ کی عبادت کرو اس کے لیے اطاعت کو خالص کر کے

وقال تعالیٰ " قل انی امرت ان اعبد اللہ مخلصا له الدین وامرت ان اکون اول المسلمین

آپ کہدیجیے " مجھے خالص اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے پہلا مسلمان بننے کا حکم ملا ہے۔

قال تعالیٰ: " قل اللہ اعبد مخلصا له دینی فاعبدوا ما شئتم من دونه " آپ کہہ دیجیے! میں تو مخلص بن کر اللہ کی عبادت کرتا ہوں، تم لوگ اس کے علاوہ جس کی پوجا چاہو کرو۔

وقال تعالیٰ: "ضرب اللہ مثلا رجلا فیه شرکاء متشاکسون ، ورجلا سلما لرجل هل یستویان مثلا الحمد للہ بل اکثرهم لا یعلمون " إلی " قل افرایتم ما تدعون من دون اللہ ان ارادنی اللہ بضر هل هن کاشفات ضره او ارادنی برحمة هل هن ممسکات رحمته " الآیه الی قوله " اتخذوا من دون اللہ شفعاء قل اولو کانوا لا یملکون شیئا ولا یعقلون ، قل للہ الشفاعة جمیعا - الآیة الی قوله " وقل أفغیر اللہ تأمرونی اعبد ایها الجاهلون ، ولقد اوحی الیك والی الذین من قبلك لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخاسرین ، بل اللہ فاعبد وکن من الشاکرین "

(الزمر ۱۵ - ۱۶ الی آخر السورہ)

اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے ایسے آدمی کی جس کے کام میں بہت سے لوگ شریک اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کرنے والے ہیں اور ایک ایسے آدمی کی جو کسی ایک آدمی کے لیے سالم ہے، کیا دونوں کی مثال برابر ہو سکتی ہے ساری تعریف اللہ کے لیے ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ...... آپ کہیے! کیا تم لوگ جنھیں اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو ان کے بارے میں خیال کرتے۔ اگر اللہ مجھ کو نقصان دینا چاہے گا تو یہ لوگ اس نقصان کو دور کر دیں گے۔ یا مجھ پر رحم کرنا چاہے گا تو یہ لوگ اس کی رحمت کو مجھ سے روک لیں گے ...... ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ بہت سے سفارشی بنائے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ اگرچہ وہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ سمجھتے بوجھتے ہیں۔ آپ فرمائیے تمام سفارشیں اللہ کے لیے خاص ہیں۔ آپ فرمائیے اے جاہلو! کیا تم لوگ مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہو حالانکہ آپ اور آپ کے پہلے کے رسولوں کے پاس وحی آچکی کہ اگر تم شرک کروگے تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤ گے بلکہ اللہ کی عبادت کرو اور شکر گزار

قرآن کی تمام سورتیں اس توحید کی طرف دعوت دیتی ہیں، اسی کا حکم کرتی ہیں اور اسی طرف راہ چلنے والے شکوک وشبہات کا دروازہ بند کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ان انعامات واکرامات کا تذکرہ کرتی ہیں جس سے وہ اپنے موحد بندے کو نوازے گا اور اس دردناک عذاب کو بتاتی ہیں جو اس توحید کے مخالفین کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھے ہیں۔ قرآن کی ہر سورہ اس توحید کی داعی اور شاہد ہے۔ اسی پر مشتمل ہے، اس لیے کہ قرآن میں یا تو اللہ کے اسماء وصفات کی خبر ہے اور یہ توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات ہے اور توحید عبادت اس کو مستلزم اور متضمن ہے، یا پھر اللہ وحدہ لا شریک لہ کے لیے عبادت کی دعوت ہے غیروں کی عبادت سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اقسام عبادت کا حکم اس کی تاکید ولر اس کی مخالفت سے ممانعت ہے۔ اور اسی کا نام توحید الٰہیت وعبادت ہے جو پہلی دونوں قسموں کو مستلزم اور متضمن ہے۔ یا موحدین کی عبادت گزاری، اطاعت شعاری اور دنیا میں یا آخرت میں ان کی عزت وکرامت اور قدر ومنزلت کا تذکرہ ہے جو توحید کی جزا ہے یا دنیا وآخرت میں مشرکین کی جو ذلت ورسوائی ہوگی اور ان کو جس حساب وعذاب کا سامنا ہوگا، اس کا بیان ہے۔ اور یہ توحید کی مخالفت کی سزا ہے۔

یہ توحید دین اسلام کی روح اور اس کی حقیقت ہے، اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی کا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا۔ پس عبادت کی تمام قسموں کا اللہ کے لیے خالص ہونا ضروری ہے، جو شخص کسی عبادت کے اندر کسی دوسرے کو شریک کرے گا وہ مسلمان باقی نہیں رہے گا۔ عبادات کی تفصیلی فہرست کافی لمبی ہے، ہم ان میں سے بعض کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

محبّت : جو محبت اللہ تعالیٰ کے لائق اور مناسب ہے اس میں دوسرے کو شریک کرنا شرک ہے اور شرک کرنے والا قرآن کی تصریح کے مطابق مشرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ومن الناس من یتخذ من دون الله اندادا یحبونهم کحب الله ، الی ، وماهم بخارجین من النار " لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو دوسروں کا اللہ کو شریک بنائے ہوئے ہیں وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں ...... اور یہ لوگ جہنم سے باہر نہیں ہو سکیں گے۔ (البقرہ۔ ۱۶۸)

توکل : جن امور میں اللہ تعالیٰ قادر ہے، دوسرے کو اس پر کوئی دسترس حاصل نہیں ہے۔ ان کے انجام پانے کے لیے اللہ پر توکل اور اعتماد کے بجائے دوسرے پر تکیہ کرنا شرک ہے۔ قال تعالیٰ " وعلی الله فلیتوکل المؤمنون ۔ المجادلہ۔ مومنین کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔
جن امور پر صرف اللہ کو قدرت ہے ان کے اندر دوسرے پر اعتماد وبھروسہ شرک اصغر ہے۔

خوف: انسان اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق ہے، وہی اس کو آرام و تکلیف دیتا ہے، اس لیے انسان کے دل میں ظاہر و پوشیدہ طور سے صرف اللہ کا خوف ہونا چاہیے، اور اسی سے ڈرنا چاہیے۔ اب اگر کوئی اس کے برخلاف کسی انسان یا کسی اور چیز سے اس وجہ سے ڈرتا ہے کہ وہ اس کو نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے یعنی بگڑی بنا سکتا ہے یا بنی ہوئی بگاڑ سکتا ہے تو یہ شرک اکبر ہے، اس لیے کہ وہ غیر اللہ کو نفع و نقصان کا مالک خیال کرتا ہے اور اس پر اعتقاد رکھتا ہے۔ جبکہ اللہ کا حکم ہے۔ " فإياي فارهبون۔ النحل ۵۱ مجھ سے ڈرو۔ فلا تخشوا الناس واخشون المائدۃ ۴۴۔ لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان پہنچائے تو اس کو اس کے علاوہ کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر نفع دینا چاہے گا تو اس کے فضل و کرم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ اپنے فضل سے اپنے جس بندہ کو چاہتا ہے نوازتا ہے، اور وہ گناہوں کا بخشنے والا اور بندوں پر رحم کرنے والا ہے یونس ۱۰۷)

امید: جو امیدیں صرف اللہ کی ذات سے پوری ہو سکتی ہیں، اس کی توقع غیر اللہ سے رکھنا اور ان سے امیدیں وابستہ رکھنا جیسے مردہ آدمی کو پکارنا، حاجت روائی کے لیے ان سے دعا کرنا، وغیرہ وغیرہ یہ شرک اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ " ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ۔ " جو لوگ ایمان لائے، گھر بار چھوڑا، اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ سب اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ البقرہ ۲۱۸۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بندے صرف اپنے رب سے توقعات وابستہ کریں

۵۔ **نماز، رکوع، سجود:** یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، اگر کوئی شخص ان کو دوسرے کے لیے کرتا ہے تو وہ شرک میں مبتلا ہے۔ قال تعالیٰ۔ " یا ایھا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم " اے مومنو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی عبادت کرو۔

دعا: عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اب اگر کوئی شخص اپنا سوال دوسرے کے پاس لے جاتا ہے جو اس کی قدرت سے باہر ہے۔ جیسے شفاعت طلب کرنا اور دوسرے مطلوب و مقصود کے حصول کے لیے اس سے دعا کرنا تو یہ شرک ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم ولا ینبئک

مثل خبیر » فاطر ۱۳۔۱۵ ۔ جن لوگوں کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ لوگ گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں اگر تم ان سے دعا کرو گے تو تمھاری دعا نہیں سنیں گے اور اگر سن لیں گے تو اسے پوری نہ کر سکیں گے اور قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کریں گے ۔ اور باخبر ہستی کی طرح کوئی خبر نہیں دے سکتا تم کو۔

وقال تعالیٰ: ولا تدع من دون الله ما لا ینفعك ولا یضرك فان فعلت فانك إذا من الظالمین »۔ تم خدا کو چھوڑ کر کسی ایسے سے دعا مت کرو جو نہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان ، اگر تم ایسا کرو گے تو ظالم بن جاؤ گے ۔

وقال تعالیٰ :- « وقال ربكم ادعونی استجب لكم . ان الذین یستكبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین » ، تم لوگوں کے رب نے حکم دیا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعا قبول کروں گا ۔ اور جو لوگ میری عبادت سے روگردانی کریں گے ۔ وہ سب اکٹھے جہنم میں داخل ہو جائیں گے ۔

وقال تعالیٰ : « ام اتخذوا من دون الله شفعاء قل أولو كانوا لا یملكون شیئاً ولا یعقلون قل لله الشفاعة جمیعا » الزمر ۴۴ ۔ آیا ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سفارشی بنا لیا ہے ، باوجودیکہ وہ نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ کوئی چیز سمجھتے ہیں ۔ آپ کہہ دیجیے ساری شفاعت اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے ۔

۷ ۔ ذبح : غیر اللہ کے نام سے یا نام پر ذبح کرنا حرام ہے ۔ یہ مالی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے ۔ اگر کوئی شخص کسی پیر، فقیر کے نام پر ذبح کرتا ہے تو یہ شرک ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ قل ان صلاتی ونسكی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریك له وبذلك امرت وانا اول المسلمین » آپ کہہ دیجیے میری نماز ، میری قربانی ، میرا جینا ، میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی بات کا حکم مجھے ملا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں ۔

۸ ۔ نذر : اللہ کے لیے خاص ہے ۔ قال تعالیٰ « ولیوفوا نذورهم » لوگ اپنی نذریں پوری کریں ۔ وقال تعالیٰ ۔ یوفون بالنذر ویخافون یوما كان شره مستطیراً ۔ « ۔ وہ لوگ نذر پوری کرتے اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں ۔

۹ ۔ طواف : بیت اللہ کے لیے خاص ہے اور یہ اللہ کی عبادت ہے پس اگر کوئی شخص کسی مکان یا قبر کے چاروں

طرف جھکر لگاتا ہے تو یہ اس صاحب قبر کی عبادت ہے، لہٰذا یہ شرک ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "ولیطوفوا بالبیت العتیق" لوگ بیت اللہ کا طواف کریں۔

۱۰۔ توبہ: گناہوں سے توبہ اللہ کے دربار میں کرنا چاہیے، اس لیے کہ وہی توبہ قبول کرتا ہے، دوسرے کے آستانے پر سر ٹیکنا لاحاصل ہے اور شرک ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ ومن یغفر الذنوب الا اللہ ۔ صرف اللہ ہی گناہوں کی مغفرت کرسکتا ہے۔ وقال تعالیٰ "وتوبوا إلی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون" اے مومنو سب کے سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ فلاح پاسکو۔

۱۱۔ استعاذہ: غیر اللہ سے کسی چیز کی پناہ طلب کرنا جبکہ وہ پناہ دینے پر قادر نہیں ہے، شرک ہے۔ آدمی کو ہر طرح کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ " قل اعوذ برب الفلق " وقال "قل اعوذ برب الناس"

۱۲۔ استغاثہ: اور اللہ تعالیٰ ہی بندوں کی فریاد سنتا ہے اور فریادرسی کرتا ہے، اس لیے خدائی تصرفات والے امور میں غیر اللہ سے فریاد و استغاثہ کرنا شرک ہے۔ قال تعالیٰ " اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم " جب تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریادرسی کی۔

اس بحث میں تاکید کے طور پر یہ بات بار بار گزر چکی ہے کہ تمام عبادتیں اللہ کے لیے مخصوص ہیں، اس میں دوسرے کو شریک کرنے والا مشرک ہوجاتا ہے اور عبادت کی جو صورتیں یہاں پر مذکور ہیں، ان کو خصوصیت سے زیر بحث لانے کی وجہ یہ ہے کہ آج دنیا میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان عبادات کے اندر شرک جیسی مہلک بیماری کا شکار ہوگئی ہے اور شکم پرور فقیروں، پیروں اور ملاؤں کے جال میں پھنس کر بڑی بے دردی کے ساتھ توحید عبادت کو کچل رہی ہے، روند رہی ہے، پامال کر رہی ہے۔ اپنا وقت، مال اور آبرو برباد کرکے قبر دل سے یہ بیچاری اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ہم لوگ کار خیر انجام دے رہے ہیں، اپنی دنیا و آخرت سنوار رہے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر شر ہے، ایمان باللہ کے تقاضے کے خلاف ہے اور اسلام دشمنی ہے یہ مذکورہ عبادتیں صرف اور صرف اللہ کے لیے ہیں وہ بلا شرکت غیرے اس کا حقدار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا" اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

انھیں عبادات کے اندر شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کو کافر قرار دیا اور ان کی جان و مال، اولاد اور عورتوں کو مباح بنایا۔ ورنہ ان کے عقیدے میں بھی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یہ بات شامل تھی کہ اللہ خالق، مالک

(باقی ص ۳۰ پر)

پُرخطر

انسانیت کے خلاف یہود کا شیطانی منصوبہ

تحریر: المجتمع کویت ——————— ترجمہ: عبد المعید جامعۃ سلفیۃ

ایک یہودی ادارہ "جمعیۃ الکمال الیہودیۃ العالمیہ" (کہنہ مشق یہودیوں کی عالمی تنظیم) یہودی تنظیموں کی نگرانی کرتا ہے پہلی تنظیم قبالو (CABALLO) کے نام سے مشہور ہے اور امریکہ میں سرگرم عمل ہے۔ دوسری تنظیم ہسکالا (HASCALA) کے نام سے معروف ہے۔ اس کی سرگرمی اشتراکی ملکوں میں جاری ہے

"س۔ ناجی" کی عربی زبان میں ایک کتاب ہے "المفسدون فی الارض" (دنیا میں فساد مچانے والے) اس کتاب میں ص ۳۴۱ سے ۳۴۹ تک ایک خفیہ پمفلٹ شامل ہے۔ یہ پمفلٹ قبالو کے ارکان کو بھیجا گیا تھا۔ مصنف نے یہ پمفلٹ آلیمان کی انگریزی کتاب ISLAMVE BENIISRAIL سے لیا ہے۔ آلیمان کا بیان ہے کہ یہ پمفلٹ اسے امریکی وطن دوستوں سے ملا ہے۔ اس پمفلٹ کے اخیر میں ان الفاظ کا دستخط موجود تھا "ملک الصیہونیۃ المنتصرۃ علی العالم" (دنیا پر غالب صیہونیت کا بادشاہ)۔

اس پمفلٹ کی اہمیت کے سبب ذیل میں اس کا اردو ترجمہ دیا جاتا ہے تاکہ قارئین محدث کو معلوم ہو جائے کہ یہودی سازش کا جال کتنا وسیع ہے۔ اور دنیا میں رونما ہونے والے حادثات میں ان کا کتنا ہاتھ ہے۔ اور اس سے آگاہ رہیں کہ عالم اسلامی اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے کیا کچھ کر رہے ہیں۔ ان کی مسلم دشمنی کو قرآن نے واضح کر دیا۔

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیهود والذین اشرکوا ۔ تمہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہود ملیں گے۔ پھر مشرکین۔ ——— ترجمہ ملاحظہ فرمائیے!

"اے برگزیدہ قوم کے لوگو! ہمارا پرخلوص سلام قبول کرو۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ تم بڑی بے صبری سے اس دن کے آنے کا انتظار کر رہے ہو، جس دن ہماری شیرازہ بندی مکمل ہو جائے گی۔ اور ہم اپنا اصلی تشخص واپس لاسکیں گے۔ وہ روزِ سعید جس میں سارا عالم اپنے حقیقی آقاؤں کو پہچان لے گا۔ بے شک تم اس کے طویل انتظار میں اکتا چکے ہو گے

تمھارا پیمانۂ صبر لبریز ہوچکا ہوگا۔ تمھارے دلوں پر ناامیدی چھا چکی ہوگی۔ لیکن دوستو تمھیں اعتماد رکھنا چاہیے کہ ہم شب و روز انتھک کوشش کر رہے ہیں تاکہ ہم دنیا کو اس راہ پر لگا دیں جہاں اسے پہنچانا ضروری ہے۔ تمھیں یقین رکھنا چاہیے کہ ہماری کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔ پھر دیکھنا سارا عالم کس طرح ہمارے قدموں میں آپڑتا ہے دوستو ذرا صبر کرو ہم بھی تمھاری طرح اس صبح کے نمودار ہونے کے انتظار میں ہیں۔ جس میں ہم ساری دنیا پر اپنی فرماں روائی کا اعلان کریں گے۔ ناامید نہ ہو، سمجھ لو کہ وقت بالکل قریب ہے، تم ذکر دوام کی بشارت قبول کرو۔ عنقریب تم دیکھو گے کہ شاہ صہیون دنیا کی تمام قوتوں کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے گا اور اس کے سر پر دنیا کی بادشاہت کا تاج رکھا جائے گا اس وقت تمھارا طویل اور اکتا دینے والا انتظار ختم ہو جائے گا اور اس انتظار کے بدلے میں عیش دوام نصیب ہوگا یہ تمام چیزیں ان مطالبات اور منابع کا نتیجہ ہیں جنھیں دانشمندانِ صہیون نے وضع کیا تھا وہ آہستہ آہستہ رونما ہو رہے ہیں۔ یاد رکھو وہ تاریک دور جس میں ہم نے غلامی اور مظلومیت کی زندگی گزاری ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ اور جانوروں کے وہ ریوڑ جنھیں اقوام عالم کہا جاتا ہے یعنی یہودی قوم کے علاوہ دوسری قومیں ہماری تابع فرمان بن رہی ہیں، اور انھوں نے ہماری چاہتوں کے آگے جھکنا شروع کر دیا ہے۔ دوستو یہ نہ سمجھنا کہ اس طویل اور سخت معرکہ میں ہم اکیلے ہیں بلکہ اس ریوڑ کے اندر ہمارے بے شمار مددگار اور اعوان و انصار موجود ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے بہلایا ہے اور اپنے ارادوں کا انھیں تابع بنا لیا ہے۔ یہ ہمارے سائے سے زیادہ ہمارے پیچھو ہیں۔ یہ لوگ پانچوں براعظموں میں ہماری مقصد برآری کے لیے پھیلے ہوئے ہیں اور ہماری تنظیموں سے وابستہ تنظیمی افکار و خیالات کو پھیلانے میں لگے ہیں۔ عبادت کی حد تک وہ ہمارے مخلص ہیں۔ بعض لوگ تو ہماری رضامندی کے حصول کے لیے بے دریغ اپنا خون بہا سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ان کے ارادے سلب کر لیے ہیں۔ انھیں کوئی شعور نہیں رہا، ان کا کام صرف ہمارے احکام کو نافذ کرنا ہے، ہمارے مقصد کی حفاظت کے لیے وہ باہم خونریزی بھی کر سکتے ہیں۔ دوستو! کیا تمھیں معلوم نہیں ہنگری میں ہم نے کس طرح اُن کے اندر جنگ برپا کر دی۔ پھر انھوں نے باہم خونریزی کی۔ کیا تمھیں نظر نہیں آتا کہ وہ لوگ ہمارے پلان و منصوبہ کو کس طرح روبہ عمل لاتے ہیں۔ جس سے لوگ باہمی اعتماد کھو بیٹھتے ہیں۔ چاہے وہ ایک پارٹی کے افراد ہوں یا حقیقی بھائی ہوں۔ ہم ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کے اندر تفاہم نہ ہو سکے اور مستقبل میں ہمیں زک نہ پہنچا سکیں۔ یقین رکھو! ہم قوموں اور گروہوں کے درمیان اتفاق و تفاہم نہ ہونے دیں گے اور ان کے درمیان نزاعات جاگزیں کرنے کے لیے ہماری گمراہ کن مشینری نئے اسالیب و افکار اپناتی رہے گی اور ہم انھیں ان گروہوں اور قوتوں

کو الگ الگ سمجھتے رہیں گے۔ وہ انھیں اپنی روایات کے مطابق وحی کی طرح اپناتی رہیں گی۔ پھر ہر قوم اور گروہ اپنے اختیار کردہ اصولوں کی تبلیغ کرتا رہے گا اور اپنے نقطۂ نظر پر جما رہے گا۔ یوں اس کے اور دوسرے گروہوں اور قوموں کے درمیان اختلاف قائم رہے گا۔ اس طرح کشمکش قوموں کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گی۔ اور ہماری کوشش یہ ہوگی کہ لڑنے والوں کے درمیان توازن برقرار رہے تاکہ ایک گروہ کے دوسرے گروہ پر غلبہ پا جانے سے کشمکش ختم نہ ہو۔ اس طرح جنگ برپا رہے گی اور توازن برقرار رہے گا۔ اور لوگ ہمارے خلاف محاذ آرائی نہ کر سکیں گے۔ ان کی قوت کمزور ہو جائے گی اور آلام و حوادث کی کثرت سے ان کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ انفرادیت اور مادیت کا بازار گرم ہو جائے گا، باہمی اعتماد ختم ہو جائے گا۔ نفرت و فاقہ عام ہو جائے گا۔ بیٹا باپ کو نہیں پہچانے گا، بھائی بھائی سے بیگانہ ہو جائے گا۔ اس وقت قومیں اپنی اساس کھو دیں گی، ان کے افراد مادیت پسند ہو جائیں گے، لوگ اپنے مفاد کو حیوانوں کی طرح عزیز رکھیں گے۔ اپنے خالی پیٹ بھرنے کے سوا ان کا کوئی مقصد نہ ہوگا۔ اس طرح ہم ساری نوعِ انسانیت کو اس حد پر لے آئیں گے جہاں وہ ہزاروں سال پہلے تھی۔

اس وقت ہم عظمت و قوت کی چوٹی پر پہنچ چکے ہوں گے اور اپنے ٹھوس مناہج کی تنفیذ میں ہمارا باہمی تعاون اور ہماری قومی وحدت کی پاسداری اپنے رسوم و رواج پر سختی سے جماؤ بار آور ہو چکے ہوں گے۔ اس وقت دنیا کی فرمانروائی کا اعلان ہمارے لیے آسان ہوگا۔ اس دن سے قریب تر ہونے کی خاطر آپ لوگوں سے ہماری درخواست ہے کہ اپنی صفوں کو مضبوط کرو اور اپنی کوششوں کو ہم آہنگ کرو اور یقین رکھو کہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے۔ کیوں کہ ہمیں صحیح اندازے اور گہرے جائزے کا امتیاز حاصل ہے۔ یہ چیز ہمارے سوا دوسرے لوگوں کو طبعاً حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کے سلسلے میں جو خفیہ پلان بناتے ہیں اس سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ انھیں تو ہمیشہ کم سمجھ اور بھولے پن کا شکار پاؤ گے۔ انھیں فکر و نظر حاصل نہیں ہے۔ اس لیے ہر پروپیگنڈہ کو جلد تسلیم کر لیتے ہیں۔ انھیں ہمیشہ ہماری ضرورت رہے گی تاکہ ہم ان کے لیے اصول و مبادی فراہم کریں۔ انھیں نعرے دیں۔ وہ انھیں حاصل کر کے اس شعور کے تحت اپنے اصول تسلیم کریں کہ وہ ان کے لیے کارآمد اور سود مند ہیں۔ انھیں اس سے غرض نہیں کہ اُن نعروں اور اصولوں کو جانچیں پرکھیں۔ اور اُن کے مقاصد سے زیج سکیں۔ ہم انھیں ان نعروں اور اصولوں کا سبق پڑھاتے رہتے ہیں تاکہ انھیں موت کے دہانے پر لا کھڑا کریں۔ اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ ان اصولوں سے ہمارا کیا مقصد ہے تو بنیاد امن پھاڑ ڈالیں۔ لیکن وہ ہمارے مقاصد سے بے خبر ہیں۔ وہ ہمارے مقاصد سے کبھی آگاہ نہیں ہو سکتے کیونکہ فکر و نظر حاصل نہیں۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ دوستو!

نتائج سے گھبراؤ نہیں، طاقتور بنو، خوف و دہشت چھوڑ دو، ہم پر اعتماد رکھو! اور اس روشن مستقبل کا یقین کرو جو ہمارے انتظار میں ہے۔ آگاہ رہو کہ ہمارے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔

تمھیں خبر نہیں کہ ہم نے امریکہ میں کس طرح زنگیوں کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے تاکہ گورے اور کالے آپس میں گتھ جائیں اور اپنے مسائل میں پھنس کر ہمارے ذاتی مصالح اور پروگرام اور نتائج کی خبر گیری اور نگرانی سے بے خبر ہو جائیں۔ کیا تم بھول گئے ہم نے کس طرح عالم عرب کو پہلی عالمی جنگ میں جھونک دیا تھا تاکہ مغربی ممالک کے عوام کا چار سال تک خون خرابہ ہوتا رہے اور انھیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہو، اس سے صرف ہماری مقصد براری ہو۔ کیا تمھارے ذہن میں نہیں؟ ابھی کل کی بات ہے کہ ہٹلر اور مسولینی ہمارے مقاصد کی راہ میں حائل ہوئے اور ہم نے دوبارہ ان مغربی قوموں کو اپنے مقاصد کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا۔ کیا تمھاری نگاہوں سے وہ منظر اوجھل ہو گیا۔ کہ ان تابع فرمان قوموں نے ہٹلر اور مسولینی کے ساتھ کیا کیا۔ تم کیوں نہیں یاد کرتے۔ کہاں گیا ہٹلر اور کہاں گئی اس کی سرکش قوم، اور کہاں ہے مسولینی اور اس کا لشکر جرار؟ کہو وہ سب کہاں گئے۔؟ وہ ہماری راہ میں حائل ہوئے، ہوا انھیں اڑا لے گئی۔ دوستو یقین رکھو۔ شر پسندوں (غیر یہودی) کو ہمارے مقاصد کے سامنے جھکے بغیر چارہ نہیں انھیں معلوم نہیں کہ ہمیں اُن کی اکثر حکومتوں کے حکمراں ہیں۔ ہم اپنے فرماں برداروں میں جنھیں چنتے ہیں وہی ہمیشہ ان کے حکمراں بنتے ہیں۔ عالمی تنظیمیں بھی ہماری خواہشوں کے سامنے جھکتی ہیں اور ان کے افراد ہمارے اپنے لوگوں میں سے چنے جاتے ہیں۔ جنھیں ہم ان خدمات کے لیے بہت دنوں سے فراہم کر رہے ہیں۔

جو ہدایات برابر ہم ان کے لیے جاری کرتے رہتے ہیں۔ وہی اُن کے ہمرموں میں ان کی کامیابی کی ضامن ہیں۔ یہ ہدایات پس پردہ بالواسطہ ان کو ملتی رہتی ہیں تاکہ کوئی ان ہدایات کا مقصد معلوم نہ کر سکے۔ ان ہدایات کے ساتھ انھیں ان کے اپنے لوگوں کے ذریعہ مادی تعاون بھی ملتا رہتا ہے۔ اس طرح ہم تمام لوگوں پر چھائے ہیں لیکن کسی کو اس کا علم نہیں۔

دوستو! بعض امریکی سیاستدانوں کا خیال ہے کہ انھوں نے یہ انکشاف کر لیا ہے کہ ہمارا دونوں امریکی پارٹیوں پر تسلط ہے۔ اس لیے انھوں نے تیسری پارٹی تشکیل دی تاکہ یہ پارٹی ہمارے اعوان سے خالی رہے۔ یہ جان لینا چاہیے کہ یہ تیسری پارٹی بھی ہمارے زیر تسلط ہوگی۔ اور دوسری پارٹیوں کی طرح ہمارے ارادوں کے سامنے جھکے گی۔

بھائیو! یقین رکھو۔ جو ہمارے معاملات میں مداخلت کی جرأت کرے گا ہم اسے سینا تور ڈیس (DIES) سینا تور ماک آرتی (MC ARTY) سینا تور ایسٹی لینڈ (EASTI LAND) سینا تور واکر (WALKER) کانٹ برنا ڈوٹ (BERNADOTT) میں شامل کر لیں گے، اور سینا تور فورسٹال (FORSTAL)۔ میں بھی جسے ہم نے

ابھی جلد ہی ظلم کیا ہے، ہم نے اسے اس کے مکان کی کھڑکی سے پھینک دیا، اور ہم نے جو کچھ اپنے بدترین دشمن جنرل ماک آرتھر (Mc ARTHUR) کے ساتھ کیا اسے سب جانتے ہیں، اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوستو! احمقار (غیر یہود) ہمیں بزدل کہتے ہیں۔ یہ ان کا وہم ہے، ہم آج قوی تر ہیں۔ جتنے بھی ممالک ایٹمی طاقت کے دعویدار ہیں، دراصل وہ ہماری ملکیت میں ہیں۔ جو آج ہمیں بزدل سمجھ رہے ہیں۔ کل وہ ہماری حقیقت سے آگاہ ہو جائیں گے ہم نے دنیا کی قوموں کے اموال کو چھین لیا ہے۔ ہم نے انھیں جو اقتصادی مالی فروغ کا نظام بتلایا۔ اس کی تقویت کے بہانے، جو کچھ ان کے پاس بچ گیا ہے اسے بھی مستقبل میں چھین لیں گے۔ دوستو یہ جان لو کہ ہم نے ہر چیز کی تیاری کر لی ہے۔ اور عالمی امن کا فریب جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے روزمرہ نماز کا مقام دیدیا ہے، اور جسے ہمارے نشریات نے کافی اچھالا ہے۔ ہم اس کے ذریعہ پوری بشریت کی اعصاب شکنی کریں گے۔ ہماری پوری کوشش اسی پر مرکوز ہوگی کہ ہم لوگوں کو جنگ کے تباہ کن نتائج یاد دلائیں اور انھیں ان سے ڈرائیں اور ہر صورت میں جنگ سے اجتناب کرنے پر آمادہ کریں۔ اس کے بعد ہم ان کو عالمی متحدہ حکومت کا نظریہ پیش کریں گے، اور دلیل دیں گے کہ یہی جنگ روکنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہوگا کہ دینی ونسلی اختلافات ختم کرنے کی راہ ہموار کریں تاکہ ہماری دشمن قومیں ہمارے پیچھے پڑنے سے باز رہیں اور ہمارے اسرار پنہاں کو کریدنے سے اجتناب کریں۔ اور ہمارے افراد کے قومی و وطنی میلانات کو کمزور نہ کریں۔ تمام قوموں کو اپنی دعوت کے پاکیزہ مقاصد کا جھکہ دینے کے لیے ہم حکومتوں کے باہمی اقتصادی تعاون کا نظریہ پھیلائیں گے۔ ہماری دلیل یہ ہوگی کہ یہ پس ماندہ قوموں کے معیار کو بلند کرنے کی ایک کوشش ہے۔ ہم اپنے تابع سرمایہ دار ملکوں کو دوسرے ملکوں کو قرض دینے کے لیے آمادہ کریں گے اور اپنی نگرانی کرنے سے انھیں، غافل کرنے کے لیے ان قرضوں میں تھوڑا حصہ بھی لیں گے۔ یہ تو یقین ہے کہ بڑی حکومتیں ہماری دعوت قبول کریں گی۔ تاکہ انسانیت اور بھلائی سے اپنی محبت کا ڈھنڈورا پیٹ سکیں۔ دوسرے پہلو سے اپنے خیال کے مطابق مقروض ملکوں پر اپنا سکہ جمائے رکھیں۔ اگر ان کا یہ خیال صحیح ہے تو درحقیقت یہ ممالک بالواسطہ ہمارے ارادے کے تابع ہیں۔ کیوں کہ قرض دینے والے ممالک خود ہمارے فرماں بردار ہیں۔ اس طرح ہم دوسری قوموں کے قبضے میں باقی سرمایہ تقسیم کر دیں گے، اس تقسیم سے کسی کی اقتصادی مقصد کی امید بر نہ آئے گی۔ لیکن ہم اپنے وہ اموال جن سے قرضے دینے میں شریک ہوئے تھے کئی گنا اضافہ کے ساتھ واپس لوٹا لیں گے۔ کیوں کہ تمام دنیا کے کارخانوں میں ہمارے کارخانوں کا تناسب نوے فی صدی ہے۔ نیز ترقی پذیر ممالک کارخانے قائم کرنے اور اسے چلانے کے ضروری سامان ہمیں سے خریدنے کے لیے مجبور ہیں۔

قرض دینے والے ممالک اپنے اموال قطعاً واپس نہ لے سکیں گے، کیوں کہ مقروض ممالک قرض کا ایک پیسہ نہیں لوٹا سکتے کیونکہ ہماری صنعت کاہوں سے منافست کے چکر میں اپنی صنعت کو ترقی کی منزل تک پہنچانے کے بغیر سارا سرمایہ برباد کردیں گے، یوں ان کے اقتصادی حالات پہلے سے بھی بدتر ہوجائیں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمارے دوسرے ذرائع، الحاد، لا اخلاقیت، قومی اور وطنی جذبات کو پامال کرنے والے، فردیت اور مادیت پر آمادہ کرنے والے افکار د مبادی پھیل چکے ہوں گے۔ اس طرح ہم سارے عالم کو اس کے سرمایہ عقیدہ اور اقدار سے بیگانہ کردیں گے۔ اسے مادیت اور فردیت میں غرق کردیں گے تاکہ سارا عالم ایک مقررہ وقت پر ہماری فرمانروائی تسلیم کرنے کے لیے تیار رہے۔

دوستو! اعتماد رکھو! ہم نے ان مناہج اور منصوبوں کی تکمیل کے لیے مثبت اور ٹھوس قدم اٹھائے ہیں۔ یہ اس وقت ہوسکا جب ہم نے فرائڈ، برائسٹن، بجوناس، سالک جیسے اپنے فراہم کردہ عبقری علماء کے ذریعہ علمی میدانوں میں کافرون (غیر یہود) کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔ یہ علماء آج سے پہلے علم و عبقریت کے امام مانے جاتے تھے۔ کیوں کہ لوگوں کو ان کی حقیقت کی خبر نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہے، ہم نے کیسے اور کس لیے انھیں فراہم کیا تھا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ ہم علم کی راہ سے قوموں کے عقائد کو متاثر اور کمزور کرسکتے ہیں۔ وہ یوں کہ محسوس علمی نظریات اور روحانی مبہم نظریات کے درمیان موازنہ کیا جائے تاکہ کم سنوں کے سامنے ان کے نظریات کی توضیح ہوجائے۔ اور نوجوانوں کو روحانی نظریات کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا کردیا جائے اور اس کے نتیجے میں انھیں ترک کرنے اور علمی مادی نظریات اپنانے کے لیے مجبور کیا جائے۔

جو نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں اس سے ہمیں یقین ہے کہ اس میدان میں ہمیں بڑی کامیابی نصیب ہوئی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ احمق کافروں نے غیر محسوس اعتقاد کو چھوڑ کر ہمارے ان علماء کے خیالات سے ہم آہنگی کرلی ہے۔ جنھیں وہ خلق و ایجاد میں خالقِ کائنات سے زیادہ قادر سمجھتے ہیں۔ یہیں انھیں کفر و الحاد کی بھول بھلیوں میں اتار دیا گیا، ان کے اعتقادات اور اخلاق جلتے رہے۔ انھوں نے ہمارے عصری رسولوں کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھنا شروع کردیا، آج انھیں اس میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ وہ ہماری عزت کریں اور ہمیں انھیں رسولوں کی پیدا کردہ قوم کے بیٹے سمجھیں۔

دوسرے ناحیہ سے ہم .. پیکسو، گرنڈسٹین، یعقب ابشٹن جیسے اپنے فنکاروں کے ذریعہ ان قوموں کے فنی ذوق کو بگاڑنے میں کامیاب رہے، ہم نے قدیم یونانی رومانی فنون کا اثر ختم کردیا حالانکہ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب ہمارے ان فنکاروں کے ہاتھوں انجام پایا جو فقیر اور بگڑے ہوئے لوگ ہیں، کیا اس کے بعد بھی تمام قوموں پر ہماری فرماں روائی کے سلسلے میں

کسی کو شک و شبہ ہو سکتا ہے؟۔

دوستو ہمیں کسی کا ڈر نہیں۔ نہ آج ہم سے کوئی دشمنی کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شامت اعمال کا مارا ہماری دشمنی پر اُتر آئے تو ہم صرف اتنا کرتے ہیں کہ اپنی صحافت کو اس کی تشہیر کے لیے لگا دیتے ہیں۔ وہ اسے نادیدنی غیر سماجی عنصری کا خطاب دیدیتی ہے، پھر وہ سارے عالم میں رسوا ہو جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ اسے کسی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ ہم اس پرانے اسلوب کو اپنا کر بارہا کامیاب ہوئے ہیں۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ ہمارا سب سے زیادہ کارگر ہتھیار یہی ہے، تمہیں معلوم ہے، کیوں؟ اس لیے کہ کفار (غیر یہودی) کلیتہً ہمارے لیے اپنے فکر و ہدایت کے فن سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ خاص طور پر اس کے بعد جب وسائل نشریات اور صحافت پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔ اس لیے وہ ہمیشہ ہماری ہدایات اور حکم کے منتظر رہتے ہیں۔

پھر وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ہماری باتوں کو دہراتے رہتے ہیں اور ہماری ہدایات کو بغیر کسی جھجک اور اعتراض کے قبول کر لیتے ہیں۔ کافروں کی مدہوشی کی دلیل یہ ہے کہ روس نصف صدی پہلے ہمارے عزائم سے آگاہ ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انھیں ہمارے خفیہ طریقہائے کار (پروٹوکولات حکماء صہیون) کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے انھیں عام کرنا چاہا۔ ہم نے اس پر نکیر کی اور اپنی طرف اس کی نسبت کو جھٹلا دیا۔ اور ہم ان کو چکر میں ڈالنے میں کامیاب ہو گئے کہ یہ ساری باتیں ہمارے دشمنوں کی رچی ہوئی ہیں۔ پھر سارے عالم نے ہماری تصدیق کی اور ان کی تکذیب ہو گئی۔ یوں ہم نے جرم کے نقوش مٹا ڈالے لوگ اس کی ہولناکی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ یہ تمام باتیں اس لیے ہوئیں کہ کم سمجھ بوجھ والے صرف ہماری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ہم انھیں جو بتلاتے ہیں وہ اسی کو سوچتے ہیں۔ ان کا یہ رویہ تلمود کے قول کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ہم اپنے طریقہائے کار تلمود کی رہنمائی میں متعین کرتے ہیں۔ یہی وہ مقدس کتاب ہے جس نے یہود کے سوا تمام دوسری قوموں کو تابع زبان حیوان شمار کیا ہے۔

دوستو خوب غور کر لو، کیا تم کو اس بات پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے کہ تمھارا تعلق ہم سے ہے، ہمیں دنیا میں صحافت اور مطبوعات کے مالک ہیں۔ ہمیں تمام قوموں کی ثقافت کے نگراں ہیں۔ سینما اور نشریات پر ہمارا قبضہ ہے۔ تمام ذرائع نشر و اشاعت میرے ہیں۔ یقین کرو، ہم جب چاہیں گے دنیا کو پھیر دیں گے۔ جس کے لیے ہم تالی بجائیں گے قومیں اس کے لیے تالی بجائیں گی، جس کی تحقیر ہم کریں گے وہ بھی اس کی تحقیر کریں گی۔ ہم جو کچھ سوچیں گے وہی وہ بھی سوچیں گی۔ حیوانی گروہوں کو دیکھو وطنی اور قومی خیالات ختم کرنے کے لیے کس طرح باہم دست و گریباں ہیں۔ ان کے خطبا، قومیت و وطنیت

کی کیسی دھجیاں بکھیر رہے ہیں اور کس طرح قومی طریقہائے کار کو ناپسندیدہ کہہ رہے ہیں اور تقوی کو کہہ رہے دینی تعصب بتاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں اس بنیاد پر ہیں کہ ہم سے غیر انسانی لاسامی کا نعرہ سنتے رہتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہم حقوق انسانی کی دہائی دیتے ہیں اور اس کے لیے کام کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کی سخت نکیر کرتے ہیں۔ یوں سنی سنائی باتوں کو طوطوں کی طرح دہرانے لگے، وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ہمارا لاسامیت کا نعرہ ذاتی تحفظ حاصل کرنے کے لیے ہے اور اس کے مخالف خیالات کی نشر و اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ ان ملکوں سے جن سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے ہمارے سیاسی حقوق کی بازیافت ہو سکے لیکن یہ ناسمجھ لوگ یوں ہی ہماری خدمت میں بے سمجھے بوجھے لگ گئے، ہمیں وسیع مشورتی غلبہ حاصل ہے۔ اس بنیاد پر اگر ہمیں اپنے کسی مالی اسلوب میں کوئی خلل نظر آتا ہے تو فوراً اس کی نکیر کرتے ہیں۔ اور اس کی جگہ ایک دوسرا اسلوب ایجاد کر لیتے ہیں پھر سارا عالم پرانے اسالیب کی ہجو گوئی کر کے نئے ایجاد شدہ اسلوب کو اپنا لیتا ہے۔ جیسے ہماری بات ان کے لیے وحی آگئی ہو۔ اگر کوئی لیڈر یا گروہ ہمارے پیچھے پڑتا ہے۔ ہم فوراً خطرے کی گھنٹی بجا دیتے ہیں۔ پھر ہماری کافت اور ذرائع نشریات اس سے نبرد آزمائی کے لیے اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں، اور اس کے خیالات و افکار کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس کی ہولناکی بیان کرتے ہیں، اس کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ پہلے اس کی اور اس کے مبادی کی اہانت کے ہم بڑے الزام لگاتے ہیں لیکن ہم بغیر کسی اکتاہٹ اور تھکن کے اس کی ہجو کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ سارا عالم ہمارا ہمنوا ہو جائے اور وہ جرأت مند لیڈر یا گروہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے۔

دوستو یقین رکھو! نئی نسلیں ہمارے قبضے میں ہوں گی، ہم انھیں اپنے طرز پر ڈھالا ہے۔ آج وہی کچھ وہ کرتی ہے جو ہم بتاتے ہیں۔ اس کے افراد شخصی کامیابیوں کے لیے کام کرتے ہیں، ہر فرد کو اپنی منفعت عزیز ہے۔ افراد کے نزدیک اجتماعی وطنی اور قومی مسائل کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ اس ضرب المثل کے مطابق کام کرتے ہیں جو کما لو وہی اپنا ہے۔ ہم نے جو درسی نصاب تیار کیا ہے اور جو تمام قوموں کی تعلیمی بنیاد ہے وہ صرف ہمارے مقاصد کے لیے مناسب ہے اور جو کتابیں نصاب میں شامل ہیں وہ ہماری تعلیمات کے مطابق تیار کی گئی ہیں۔ اس لیے تم دیکھتے ہو کہ طلبہ اپنی عمر عزیز کے سولہ سال صرف ہماری بتائی ہوئی باتوں کے مطالعہ کرنے اور پڑھنے میں گزار دیتے ہیں۔ چوں کہ نصاب وقت تفکر کے داعیہ اور ہر طرح کے شعور دلانے والے امور سے خالی ہے، اس لیے طلبہ اداروں سے فارغ ہو جاتے ہیں اور ان کا دماغ خاص مبادی علوم سے بھرا رہتا ہے، جنھیں حاصل کرنے اور ماننے پر وہ مجبور ہوتے ہیں۔ اس لیے انھیں اسی دائرہ میں رہ کر چلنا پڑتا ہے، اور اس طرح وہ فکری غلام بن جاتے ہیں اور ہر طرح کے تفکر اور ایجاد کے جذبے سے عاری ہوتے ہیں وہ نقالی اور تقلید کرتے رہتے ہیں

اور وہیں رک جاتے ہیں جہاں ہم نے انھیں روک رکھا ہے۔ اس کے باوجود ان کے جاہل سرپرست جنھوں نے اس بے پناہ سرمایہ صرف کیا ہے جب ان سے ہماری تلقین کردہ اصولوں اور نعروں کو چلاتے سنتے ہیں تو انھیں بڑے فخر و اعزاز سے دیکھتے ہیں۔ اس نصاب کی وجہ سے آئندہ آنے والی نسلیں ہمارے افکار کے دائرے میں رہیں گی۔

دوستو! امریکہ کے انتخاب پر ہمارا تسلط امریکی معاشرے پر ہماری اثراندازی کا واضح اشارہ ہے۔ ہم جس امیدوار کی مدد کرتے ہیں، امریکی باشندے ہمارے خیالات کی تائید میں بڑھ کر اس کو چن لیتے ہیں۔ اس اسلوب اور اپنے پروپیگنڈہ قوت سے ماضی میں ہم نے روزویلٹ کو کرسی صدارت پر بٹھایا تھا۔ اب بھی ہمارے لیے ضروری ہے کہ وہی طریقہ اپنائیں اور جس امیدوار پر ہمارا اعتماد ہو اسی کو چنیں تاکہ ہم نامرادی کا چہرہ نہ دیکھیں۔

دوستو! ماضی میں تھیں ہماری خبریں یدیشی زبان (عام یہودی زبان) میں پہنچا کرتی تھیں۔ ہم نے دیکھا اکثر لوگ اسے نہیں سمجھتے ہیں، اس لیے ایک ہم نے یہ ارادہ کیا کہ تھیں ہمارے پمفلٹ و اشتہارات انگریزی زبان میں پہنچیں تاکہ سبھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ ممکن ہے یہ چیزیں ہمارے دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں، اس لیے تھیں اسے چھپانے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اگر ان کی تشہیر ہو جائے، لوگ اس کو جان لیں تو ان کو ہماری طرف نسبت دینے سے انکار کردو اور اعلان کردو کہ یہ دشمنان یہود اور غیر سامیوں نے ہمارے سر تھوپنے کی کوشش کی ہے۔ یقین کرو لوگ تمھاری بات مان لیں گے کیوں کہ وہ ہمارے متعلق اچھا گمان رکھنے کے عادی بن چکے ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل! سعادت مند رہو۔ خیر کی بشارت قبول کرو۔ وہ وقت دور نہیں جب ہم ان حیوانی گروہوں (غیر یہود) کو ان کے اصطبل میں اکٹھا کریں گے اور اپنے ارادوں کے غلام بنائیں گے اور اپنی خدمت میں لگائیں گے۔ ضروری ہے کہ امریکی عوام مستقبل میں ہم سے کچھ دشمنی مول لے لے۔ لیکن ہم ان پر غالب رہیں گے اور ایک عالمی حکومت یعنی اسرائیلی حکومت کے قیام کی راہ سے انھیں رام کرلیں گے۔ یقین رکھو ہم اپنے مقصد سے بہت قریب ہو چکے ہیں۔ مستقبل قریب میں ہم اس دنیا کے سربراہ ہوں گے۔ دنیا میں ہمارے جھنڈے تلے امن و امان کا دور دورا ہوگا۔ آؤ مل کے نعرے لگائیں۔ "یہود زندہ باد"۔

حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان مرحوم

چند نقوش

مولانا عین الحق سلفی مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ۔ دلال پور

مولانا مرحوم مغفور کی سوانح حیات سے متعلق کچھ لکھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن مجھ جیسے ناکارہ کی ان کی سوانح نگاری بعید از وہم وگمان ہے۔ پھر بھی مُشتے نمونہ از خروارے حوالہ قلم کرتا ہوں کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۱۶ھ موضع دلال پور، ایس۔ پی، بہار میں ہوئی۔ آپ نے ابتداءً مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور میں تعلیم حاصل کی۔ ابوداؤد شریف، ملا حسن وغیرہ پڑھ کر ریاست رام پور یوپی تشریف لے گئے۔ وہاں نواب صاحب کے مدرسہ میں داخلہ لے کر درس نظامی کی تکمیل کی۔ اکیس سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد وطن مالوف کو مراجعت فرمائی اور مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور میں ۱۳۳۷ھ سے لے کر ۷ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ تک یعنی مسلسل ۶۶ سال تک مدرس اول کے منصب پر فائز رہ کر احسن وجوہ سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ساتھ ہی فتویٰ اور فرائض نویسی آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ آپ علمی تبحر و تدبر، اصابت رائے، اخلاق فاضلہ، حلم وتحمل میں یکتائے روزگار تھے۔ مولانا مرحوم کی تقریر مختصر جامع اور موثر ہوتی، لوگ جس مقصد سے بھی آپ کے پاس پہنچتے مطمئن ہو کر واپس ہوتے۔ مخالف کو ایسا مسکت جواب دیتے کہ پھر بولنے کی ہمت نہ ہوتی۔ اذان ثالث پر مناظرہ ہوا تھا۔ آپ سنیت کے قائل تھے۔ مخالف بدعت کے، مولانا مرحوم نے خصم سے سوال کیا، اذان ثالث کے بدعت ہونے پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ خصم نے کہا، سنت ہونے کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ فوراً آپ نے فرمایا۔ اصولِ مناظرہ سے آپ کو واقفیت نہیں۔ میں بھی سوال کروں، آپ بھی سوال کریں تو جواب دے گا کون؟ خصم چپ ہو گیا اور میدان آپ کے ہاتھ تھا۔ جماعت میں آپس کا جھگڑا فساد مٹانے اور فیصلہ کرنے کا آپ کو خدا نے وہ ملکہ عطا کیا تھا کہ فریقین کہ فریقین تو تو، میں میں کر رہے ہیں۔ ثالثان بول رہے ہیں، آواز بڑھتی جاتی ہے۔ آپ ایک گوشے میں پڑے سن رہے ہیں۔ یک بیک اُٹھ کر ایسی بات کہہ دی کہ سب خاموش ہو گئے اور سب نے اس کو تسلیم کر لیا

اور آپس میں صلح کرکے بھائی بھائی بن گئے ۔ آپ نے دعا کر کے مجلس ختم کر دی ۔ غرضیکہ آپ کا فیصلہ آخری فیصلہ مانا جاتا تھا ۔ اور ہر کوئی اسے بخوشی تسلیم کر لیتا تھا ۔ ضلع سنتھال پرگنہ کے علاوہ مرشد آباد ، مالدہ ، دیناج پور ، زنگیپور کی جماعتہائے اہلحدیث میں بسا اوقات تشریف لے جاتے اور جماعت کی ہدایت تبلیغ و تنظیم میں سرگرم ہوکر جھگڑا فساد مٹا کر تنظیم جماعت کے ذریعہ کو باحسن وجوہ انجام دیتے ، محرر السطور ان کا پہلا شاگرد ہے اور ضلعہائے مشرقی بہار و بنگال میں ان کے ارشد تلامذہ اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے ۔ راقم الحروف اور دوسرے تلامذہ نے آپ کے فتاوے کو ایک موٹی کاپی میں کتابی شکل میں نقل کیا تھا ، اس خیال سے کہ اس کو طبع کرا کے شائع کیا جائے ۔ لیکن مولانا مرحوم کی زندگی میں ان کے کسی خاص رفیق نقل کرنے کے ارادہ سے اس کاپی کو اپنے گھر لے گئے ۔ کچھ دنوں کے بعد وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ کاپی طلب کرنے پر ان کے وارثان لاعلمی ظاہر کرتے ہیں ۔ فتاوے دستیاب ہوئے پر ان شاء اللہ ترتیب دے کر شائع کرنے کا ارادہ ہے ۔

آپ معذور ہوتے ہوئے قبل صبح صادق سے آدھا گھنٹہ پہلے گھر سے نکل کر مدرسہ آتے اور طلباء کو جگانے کے لیے تین مرتبہ آواز دیتے اور باجماعت نماز فجر اول وقت ادا کرتے ۔

بے تکلف ، متواضع ، سفر و حضر میں سادہ لباس زیب تن ہوتا ۔ معقولات و منقولات میں ید طولیٰ رکھتے تھے ۔ اور علم و عمل میں یکتائے روزگار تھے ۔ آپ کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا اس کا پُر ہونا مشکل ہے ۔ ؎

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں ٭ کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

مولانا مرحوم و مغفور اپنے پیچھے اہلیہ محترمہ ، دو لڑکے مولوی سفیان و عفران اور تین لڑکیاں چھوڑ گئے ، اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور کے انتظام و انصرام کے لیے نعم البدل عطا کرے ۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ۔ آمین ، ثم آمین

قطعہ تاریخ

عبد حنان بود یک عالم ولی ٭ فیض او جاری شدہ در ہند و پاک

آخر آمد ناگہاں پیک اجل ٭ شد نہاں آں سیم تن در لحد خاک

گفت ہاتف سال ختمی زود تر ٭ مظہر برہان شد در خلد پاک

اندوہ گیں : محمد عین الحق سلفی دلالپوری

مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور ، ایس پی ۔ بہار

عالم اسلام

(تیسری قسط)

"ایران کا اسلامی انقلاب"

(پس منظر اور ماحول)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل سنت سے اندھی عداوت اور بے پناہ جوش انتقام، شیعہ مذہب کی روح ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ روح ایران کے موجودہ "انقلابیوں" میں کس حد تک پائی جاتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس بارے میں پہلے شیعہ مذہب کا جائزہ لیں ۔ ۔ ۔ ۔ پھر خمینی صاحب اور ان کے "پاسداران انقلاب" کے نقطہ نظر کی وضاحت کریں۔

ابوبکر و عمر و عثمان اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور لعنت وغیرہ

شیعہ کتابوں میں عام صحابہ کو کافر کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس فتوے سے بمشکل سات صحابی بچ سکے ہیں۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف بدزبانی اور لعنت کا وہ طوفان ہے جسے نقل کرنا مشکل ہے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو اسلام سے کچھ بھی تعلق تھا، اسے سخت عذاب دیا جائے گا۔ شیعہ کتابوں میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ناپاک، ملعون، جبت، طاغوت، ظالم، غاصب، اس امت کا فرعون و ہامان، سب سے زبردست منافق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن اور اسلام کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں اور ساری برائیوں کی جڑ کہا گیا ہے۔ ایک شیعہ روایت ملاحظہ ہو۔

"شیطان کو جہنم کی بیڑی کے ستر طوق پہنا کر میدان حشر کی طرف ہانکا جائے گا۔ وہ نظر دوڑائے گا تو دیکھے گا کہ اس کے آگے ایک آدمی ہے، جسے عذاب کے فرشتے کھینچے جا رہے ہیں اور اس کی گردن میں جہنم کے ایک سو بیس طوق پڑے ہوئے ہیں۔ شیطان قریب جا کر کہے گا کہ اس بدبخت نے کیا کیا تھا کہ مجھ سے بڑھ کر اس کو عذاب ہو رہا ہے۔ حالانکہ،

دی مخلوق کو توموں نے گمراہ کر رکھا تھا۔ اور ہلاکت گاہ میں پہنچایا تھا۔ وہ شخص شیطان سے کہے گا میں نے کچھ نہیں کیا تھا
ف علی بن طالب کی خلافت غصب کرلی تھی۔ (دیکھیے الانوار النعمانیہ تصنیف نعمۃ اللہ الجزائری)
جانتے ہیں حضرت علی کی خلافت کے غاصب ــ بقولِ شیعہ ــ کون ہیں؟ یہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔
ذ باللہ ــ ظالم مصنف شیعوں کی یہ مسلمہ روایت نقل کرکے اس پر حاشیہ لگاتا ہے کہ " بظاہر اس شخص ــ یعنی ابوبکر
رضی اللہ عنہ نے خلافت غصب کرنے ہی کو ــــ اپنی بدبختی اور زیادتی عذاب کا مستقل سبب سمجھا۔ اور یہ ہ
تا کہ قیامت تک دنیا میں جو کفر و نفاق اور ظالموں اور جیرہ دستوں کا غلبہ رہا وہ بھی اسی کی کرتوت کا نتیجہ ہے (ایضاً)
شیعوں کا درود یہ ہے۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد والعن صنمی قریش وجبتہما
طاغوتیہما وابنتیہما۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ محمد اور آلِ محمد پر درود بھیج اور قریش کے دونوں بتوں
دونوں جبتوں اور دونوں طاغوتوں ــ یعنی ابوبکر و عمر رض ــ پر اور ان دونوں کی بیٹیوں ــ یعنی حضرت عائشہ و حفصہ رض
پر لعنت بھیج ــ نعوذ باللہ۔
کافی اور وافی میں حضرات ابوبکر و عمر اور عائشہ و حفصہ اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم پر لعنتوں کی طومار ہے۔
یعے ہر نماز کے بعد ایک دعا پڑھتے ہیں، جس میں مذکورہ چاروں مقدس ہستیوں اور عام صحابہ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اسی طرح وہ
پنے اماموں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں تو ایک دعا پڑھتے ہیں جس میں دورِ اول سے ابتک کی پوری امت پر لعنت
بھیجتے ہیں۔
کافی ۳/۳۹۱ میں لکھا ہے کہ عائشہ اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) کافر اور منافق ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم
رہیں گی۔ اس کتاب میں (جو شیعوں کی صحیح بخاری ہے) ان دونوں امہات المومنین کے بارے میں ایسے ایسے گندے
لفاظ ہیں کہ شیطان کے رونگٹے بھی کھڑے ہو جائیں گے
ایک شیعہ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے علاوہ مزید ستر ہزار کائنات پیدا کی ہیں،
ہر کائنات میں ستر ہزار امتیں ہیں۔ ہر امت کی تعداد جن و انس سے زیادہ ہے۔ ان (ساری کائنات کی ساری)
امتوں کا صرف ایک ہی کام ہے کہ ابوبکر و عمر پر لعنت بھیجیں۔ نعوذ باللہ ــ رضی اللہ عنہما و لعن من لعنہما۔
شیعہ حضرت عمر کے مجوسی قاتل کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اسے بابا شجاع الدین کہتے ہیں اور حضرت عمر رض کے قتل کے
نام پر ۹ ربیع الاول کو عید مناتے ہیں[1] اور اس کو سب سے بہترین عیدوں میں شمار کرتے ہیں اور اسے مغفرت کا دن

[illegible]

یا عظمت دن، زکوٰۃ عظمیٰ کا دن، برکت کا دن اور تسلی کا دن کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں شیعہ مصنف نعمۃ اللہ الجزائری نے الانوار النعمانیہ ج ا ص ۱۰۸ میں دو روایتیں ذکر کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ پیشین گوئی نقل کی گئی ہے۔ کہ آپؐ نے اس دن کو برکت و سعادت والا دن بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اس دن اہل بیت کا دشمن اور اہل بیت کا فرعون، ہامان، ظالم غاصب، ان کے حرم کی پردہ دری کرنے والا، جبت، منافق، امت میں سود پھیلانے والا، ناحق امت کا مال چھیننے والا اور غلط جگہ خرچ کرنے والا۔ اپنے کندھے پر ذلت کا کوڑا لیے پھرنے والا، امت کو گمراہ کرنے والا، قرآن میں تحریف کرنے والا، حضور کی اولاد کا حق غصب کرنے والا، اور آپ کو جھٹلانے والا، خیانت کوش، دغاباز، غدار، کینہ توز وغیرہ جرائم والا (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) ہلاک ہوگا۔ اور حضور کی زبانی یہ بھی کہلوایا گیا۔ ہے کہ اللہ نے اس دن کو سارے دنوں پر فضیلت دی ہے۔ اور یہ بھی کہلوایا گیا ہے کہ اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، تمہارے بعد علی کا حق جو غصب کرے گا اس کی روح پر عذاب الیم کھول دوں گا۔ اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو جہنم کی ایسی گہرائی میں پہنچاؤں گا کہ ابلیس بھی اس پر جھانک کر لعنت کرے گا۔ اور اس منافق کو قیامت کے روز میدانِ حشر میں انبیاء کے فرعونوں اور دین کے دشمنوں کے درمیان عبرت بناؤں گا۔ اور ان کو اور ان کے ماننے والوں کو اور سارے ظالموں اور منافقوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جھونک دوں گا۔

ان روایتوں میں مزید آگے چل کر اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اے محمد! میں نے ساتوں آسمانوں کے باشندوں کو جو تمہارے شیعہ اور محبین ہیں حکم دیا ہے کہ جس دن اس ظالم کو اٹھاؤں گا اس دن عید منائیں۔ بیت معمور کے سامنے میری کرامت کی کرسی نصب کریں، میری ثنا کریں۔ اور اولادِ آدم میں سے تمہارے شیعوں کے لیے استغفار کریں۔ اے محمد میں نے کراماً کاتبین کو حکم دیا ہے کہ آپ کے اور آپ کے وصی کے اعزاز کے طور پر اس دن کی خوشی میں تین دن تک مخلوق کے گناہ لکھنے سے قلم روک لیں۔ اے محمد! میں نے اس دن کو تمہارے لیے، اہلِ بیت کے لیے اور شیعہ مومنین کے لیے عید بنایا ہے۔ اور اپنے نفس پر اپنے عزت و جلال اور اپنی بلندی و بالاتری کی قسم کھائی ہے کہ اس دن جو شخص اپنے اہل اور قرابت داروں پر وسعت کرے گا، میں اس کے مال اور عمر میں اضافہ کروں گا۔ اسے جہنم سے آزاد کر دوں گا۔ اس کی کوشش کی قدر کروں گا، اس کا گناہ بخش دوں گا اور اس کے اعمال قبول کر دوں گا۔" الخ

یہ ہے حضرت ابوبکر و عمرؓ اور عام صحابہؓ کے ساتھ شیعوں کے جوشِ عداوت کی ایک ادنیٰ سی جھلک۔ خمینی صاحب اور ان کے پاسداران انقلاب اس عداوت میں اپنے پیشروؤں سے ذرا بھی پیچھے نہیں ہیں بلکہ دو قدم آگے ہی ہیں۔

چنانچہ جن روایات میں ان بزرگ صحابہ کو گالیاں بکی گئی ہیں، خمینی صاحب بے دھڑک انھیں روایات پر اپنے عقائد و احکام اور دینی و مذہبی تحقیقات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ شیعوں کے عقیدۂ تحریف قرآن کے سلسلے میں پچھلے شمارے کے اندر ہم ان دو روایتوں کو نقل کر چکے ہیں جن پر خمینی صاحب نے اس مسئلہ میں اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے اور جن کے الفاظ تک کو "کوٹ" کیا ہے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان روایتوں میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو قرآن کا تحریف کنندہ حضرت علیؓ کے حق کا غاصب اور امامت میں گمراہی کی بنیاد رکھنے والا ناپاک اور گمراہی کا امام کہا گیا ہے اور عام مہاجرین و انصار کو سیاہ کار بتایا گیا ہے۔ ان صحابہ کرام کے متعلق خمینی کا قول بھی گزر چکا ہے کہ انھوں نے محض دنیاوی اغراض کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ پکڑ رکھا تھا۔ خمینی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ سارے احکام شریعت کے خازن تو حضرت علی تھے، مگر ان احکام کا بیان صادق تک کے لیے اس لیے موخر ہو گیا کہ صادق سے پہلے کے ائمہ پر اتنی مصیبتیں اور آزمائشیں آئیں کہ وہ ان احکام کو بیان کرنے کی گنجائش نہ پا سکے۔ (التعادل والترجیح ص ۲۷)

اس کا مطلب صاف ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلم حکمران خمینی صاحب کے بقول ظالم بلکہ سخت ظالم تھے۔ خمینی صاحب یہ بات صراحۃً بھی کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"ہمارے ائمہ اور ان کے ماننے والے شیعہ ہر جگہ ہر دور میں ظالمانہ اقتدار کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے ظلم سے کبھی بھی مصالحت نہیں کی۔ اسی لیے انھیں بہت کچھ ظلم و تکالیف سہنی پڑیں۔" (الحکومۃ الاسلامیہ ص ۴۶)

خمینی صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ صرف شیعہ ائمہ ہی والی بننے کے حقدار تھے۔" (ایضاً ص ۴۷) یعنی ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم والی بننے کے سرے سے حقدار ہی نہ تھے۔ خمینی صراحت کرتے ہیں کہ جو شخص خود شیعوں کا امام نہ ہو یا ان کے امام کا مقرر کردہ نہ ہو وہ ظالم حکمران ہے (ایضاً ص ۸۷-۸۸)۔ بلکہ خمینی صاحب کے بقول وہ طاغوت ہے اور اس سے رجوع کرنا تحاکم الی الطاغوت ہے۔ صرف شیعہ امام یا فقیہ ہی سے فیصلہ کرانا جائز ہے۔ (ایضاً ص ۸۹ و ۹۲) اسی لیے وہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کی حکومت کو اسلامی حکومت مانتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۵۶) یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکومت اسلامی نہیں، بلکہ اسے ظالم اور غاصب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں

"شیعوں نے شروع ہی سے ایک عادل اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور چوں کہ یہ حکومت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور امام علی علیہ السلام کے عہد میں وجود پذیر رہ چکی ہے۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ اس کی تجدید ہو سکتی ہے لیکن ظالموں نے تاریخ کے ہر دور میں ہر پہلو سے اسلام کی توضیح میں رکاوٹیں ڈالی ہیں۔ (الحکومۃ الاسلامیہ ص ۱۵۶ مطبوعہ کویت)

خمینی صاحب کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ حضرت علیؓ کے علاوہ تمام خلفاء اور حکمران یعنی ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم وغیرہ خمینی صاحب کی نگاہ میں ایسے ظالم تھے کہ انھوں نے ہر پہلو سے اسلام کی توضیح میں رکاوٹیں ڈالی تھیں اسکی لیے خمینی صاحب ان کا انجام یہ بتاتے ہیں ۔

"اللہ تعالیٰ ظالم حکمرانوں اور اسلامی تعلیمات سے منحرف حکومتوں کا حساب کتاب لے گا اور ان کی کرتوت پر ان کی گرفت کرے گا ۔" (ایضاً ص ۷۹) بلکہ مزید یہ کہ ۔

"اللہ تعالیٰ امیر المومنین حضرت علی کے ذریعہ ان لوگوں کے خلاف حجت قائم کرے گا، جنھوں نے ان سے بغاوت کی اور ان کے حکم کے خلاف کیا ۔ اسی طرح وہ معاویہ اور اموی و عباسی حکمرانوں اور ان کے مددگاروں اور ہمنواؤں کے خلاف بھی حجت قائم کرے گا ۔ کیوں کہ ان لوگوں نے ان کا حق غصب کیا ۔ اور جس منصب کے اہل نہیں تھے اس پر قبضہ کیا ۔
(ایضاً ص ۷۹)

شیعوں کی ایک اہم عید، غدیر خم کی عید ہے ۔ یہ عید اس لیے منائی جاتی ہے کہ شیعوں کے بقول غدیر خم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا تھا ۔ اس نامزدگی پر خمینی صاحب کا نہایت پختہ ایمان ہے اور وہ جگہ جگہ بار بار نہایت بے دھڑک انداز سے اس نامزدگی کا ذکر کرتے ہیں ۔ چنانچہ خمینی صاحب لکھتے ہیں:

نبی کریم سے ... اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ کہا کہ جو شخص لوگوں پر آپ کا خلیفہ ہوگا، اس کے بارے میں اللہ کے نازل کیے ہوئے فیصلے کو لوگوں تک پہنچا دیں ۔ اس فیصلہ کے مطابق آپ نے اللہ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کیا ۔ (الحکومۃ الاسلامیہ ص ۲۳)

ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اپنا خلیفہ نامزد کیا ۔ (ص ۲۰)

رسول اللہ نے اللہ کے حکم سے ان بڑے بڑے کاموں کے لیے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو نامزد کیا ۔ (ص ۲۵)

ص ۱۳ پر بتلاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم میں لوگوں کے مجمع کے اندر اس حکم الٰہی کی تبلیغ کی کہ حضرت علی امیر المومنین ہیں ۔

بیجا نہ ہوگا کہ غدیر خم سے متعلق وہ روایت بھی نقل کر دی جائے جس کا حوالہ خمینی صاحب کی تحریر میں دیا گیا ۔ روایت کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ نے حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم کے پاس حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں میں اعلان کیا کہ جس کا میں مولا (محبوب) ہوں، اس کے علی بھی مولا (محبوب) ہیں ۔ اے اللہ جو علی سے محبت رکھے

تو اسے محبوب رکھ اور جوان سے دشمنی رکھے تو اسے دشمن رکھ۔ اس سے آگے کا حصہ شیعہ کتاب وافی (بحوالہ تہذیب کافی ۲/۴۹)
کی زبانی سنیے۔ روایت محمد باقر سے ہے۔

جب نبی نے غدیر کے روز حضرت علی کا ہاتھ پکڑا تو شیطان نے اپنے لشکر میں اتنے زور کی چیخ ماری کہ سمندر اور خشکی کے اندر جو کوئی شیطان بھی تھا وہاں حاضر ہوگیا۔ اور بولا۔ کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے؟ اس سے زیادہ آپ کی وحشتناک چیخ تو ہم نے کبھی نہ سنی تھی اس نے کہا ہاں۔ اس نبی نے ایک ایسا کام کیا ہے کہ اگر وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہ کی جائے گی۔ شیطانوں نے کہا۔ حضور والا۔ آپ نے تو آدم کے پیچھے پڑ کر اسے بھی گمراہ کر دیا تھا۔ (یعنی اب کچھ کر دکھائیے) پھر جب منافقین یعنی عام صحابہ کرام نے کہا کہ یہ نبی تو اپنی خواہش نفسانی کے تحت بول رہے ہیں۔ اور دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے (یعنی ابوبکر نے عمر سے) کہا۔ ابھی اس (نبی) کی دو آنکھیں دیکھو، اس کے سر میں اس طرح گھوم رہی ہیں گویا یہ پاگل ہے۔ تب شیطان نے خوشی سے ناچتے ہوئے چیخ لگائی۔ اپنے اولیاء کو جمع کیا، اور کہا تم لوگوں سے کہا تھا کہ میں نے اس سے پہلے آدم کو ٹھکانے لگایا تھا۔ انھوں کہا ہاں! ابلیس نے کہا آدم نے عہد تو توڑا تھا۔ لیکن رب کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا، لیکن ان لوگوں نے تو عہد بھی توڑ دیا اور رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور جب نبی کی وفات ہوگئی اور لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا تو ابلیس نے بادشاہت کا تاج پہنا، منبر نصب کیا۔ اپنی جھنڈیوں میں بیٹھا اور اپنی پیادہ اور سوار فوجوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ ناچو گاؤ۔ اب اللہ کی عبادت کبھی نہیں کی جائے گی۔ یہاں تک کہ امام آجائے۔ پھر باقر نے یہ آیت تلاوت کی۔ ولقد صدق علیهم ابلیس ظنه فاتبعوه الا فریقا من المؤمنین۔ ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا، پس انھوں نے ابلیس کی پیروی کی۔ سوائے اہل ایمان کے ایک گروہ کے۔ ــــ باقر کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب اس وقت کھلا جب نبی کی وفات ہوگئی۔ ابلیس کے گمان کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے نبی کے بارے میں کہا کہ وہ اپنی خواہش سے بولتے ہیں، یہی ابلیس کے ظن کی تصدیق ہے۔

سلمان حضرت علی سے روایت کرتے ہیں، سب سے پہلے ابوبکر سے ابلیس نے بیعت کی۔ نبی نے فرمایا تھا کہ میرے اس منبر پر سب سے پہلے ابوبکر سے ابلیس بیعت کرے گا۔ (وافی ۲/۵۴)

صادق کا بیان ہے کہ سورہ نور کی آیت وان یکاد الذین کفروا لیزلقونك بابصارهم لما سمعوا الذكر ویقولون إنه لمجنون۔ کافر لوگ جب کلام نصیحت سنتے ہیں تو ایسی نگاہوں سے

تھیلیکہ گویا تمھیں پھسلا دیں گے ۔ اور کہتے ہیں یہ تو پاگل ہے ۔ صادق کہتے ہیں کہ یہ ابوبکر و عمر کے بارے میں نازل ہوئی جب انھوں نے غدیر کے دن یہ کہا کہ اس (نبی) کی دونوں آنکھوں کو دیکھو ۔ یہ اس طرح گھوم رہی ہیں گویا یہ پاگل ہے ۔ ۔ (وافی ۲ / ۴۷)

یہ ہے غدیر خم کے واقعہ کا وہ پہلوئے لطیف جس پر خمینی صاحب نے ایمان لاکر حضرت علی کی نامزدگی کا دعویٰ کیا ہے اور جس کی بنیاد پر حضرت ابوبکر و عمر اور تمام صحابہ کو ظالم و غاصب کہا ہے ۔ (بقول شیعہ)

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حسن عسکری کے جو صاحبزادے سامراء کے تہ خانے میں ۲۶۰ھ میں غائب ہو گئے تھے وہی آخری زمانہ میں امام مہدی قائم الزماں بن کر ظاہر ہوں گے اور ظالموں سے انتقام لیں گے ۔ خمینی صاحب اس خرافات پر بڑا پرجوش ایمان رکھتے ہیں اور اس کے بیان میں انھوں نے اپنی کتاب الحکومۃ الاسلامیہ کے دو صفحات ص ۲۶،۲۷ سیاہ کیے ہیں ۔ اور بھی جگہ جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں ۔

ہمارے امام مہدی کی روپوشی پر ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور مزید ہزاروں سال اس وقت کے آنے سے پہلے گزر سکتے ہیں جب مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ ان کی تشریف آوری ہو ۔

(ص ۲۶ ، نیز دیکھیے ص ۴۸ ، ۴۹ ، ۷۳ ، ۷۹ ، ۹۸ ، ۱۴۴)

خمینی صاحب کی تحریروں سے ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ حضرت علی اور ان کی نسل کے شیعہ اماموں اور ان کے نامزد کیے ہوئے شیعہ علماء اور شیعہ حکمرانوں کے علاوہ سب کو ظالم سمجھتے ہیں ۔ یعنی خمینی صاحب کی نظر میں ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور ان کی حکمرانی کو تسلیم کرنے والے تمام صحابہ و تابعین ظالم ہیں اور ظالموں سے انتقام لینا امام غائب کی آمد کا خاص مقصد اور مشن ہے ، اس لیے خمینی صاحب شیعوں کو للکار رہے ہیں ۔

امام الزماں کے لیے اپنی کام بندی کر لو تاکہ پوری روئے زمین پر عدل و انصاف پھیلا سکو ۔ ص ۱۴۴

آپ حیران ہوں گے کہ کوئی ڈیڑھ ہزار سال پہلے انتقال کیے ہوئے لوگوں سے آج کے شیعہ یا آئندہ پیدا ہونے والے شیعہ اور آئندہ آنے والے امام کیسے انتقام لیں گے ۔؟ ۔ ہم اس سلسلے میں شیعوں کے اصل عقیدے اور ان کی اصل روایت سے پردہ اٹھا کر آپ کی حیرانی دور کیے دیتے ہیں ۔

شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب ان کے امام غائب ظاہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان امام غائب کے ظہور تک مسلمانوں کے سارے حکمرانوں کو زندہ کرے گا ۔ آگے آگے جبت اور طاغوت (یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) ہوں گے ۔

امام غائب ان سب کے خلاف عدالت قائم کریں گے کہ انھوں نے ان کے آباؤ و اجداد سے حکومت غصب کی تھی۔ پھر پانچ پانچ سو آدمیوں کو ایک ایک ساتھ قتل کریں گے۔ یہاں تک کہ سارے دور کے حکمرانوں اور ان کے مقربین کو ملا کر تین ہزار کی تعداد پوری ہو جائے گی۔ اس کو شیعہ رجعت کہتے ہیں اور اس میں کسی شیعہ کو کوئی ادنیٰ سا شبہ بھی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جعفر صادق کے نام پر گھڑی گئی روایت یہ ہے۔

جب آل محمد میں سے قائم ہونے والا قائم ہوگا تو قریش کے پانچ سو آدمیوں کو کھڑا کر کے ان کی گردن مارے گا۔ پھر دوسرے پانچ سو کو۔ چھ بار ایسا ہی کرے گا۔ راوی کہتا ہے: میں نے کہا بھلا ان لوگوں کی تعداد اتنی ہو جائے گی؟ جعفر صادق نے کہا۔ وہ اور ان کے حواریوں کو ملا کر (یہ تعداد ہو جائے گی۔)

ایک روایت میں ارشاد ہے کہ جب قائم الزماں اٹھیں گے تو ساری اسلامی مساجد (یعنی سنیوں کی مساجد) کو ڈھا دیں گے۔ جن میں مدینہ کی مسجد نبوی بھی شامل ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ ڈھا دیں گے۔ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبر کو اکھاڑیں گے اور ان دونوں کو نکالیں گے۔ وہ دونوں زندہ اور تازہ بتازہ نکلیں گے۔ پھر ان دونوں کو ایک سولی پر سولی دے کر دونوں کو آگ میں جلا دیں گے[1]۔ کیوں کہ انسان نے آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے ظلم جرائم اور گناہ کیے ہیں وہ انھیں دونوں کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ اور ان سب کا سارا بوجھ بھی انھیں دونوں پر ہوگا۔

یہ ہے ظلم مٹانے اور ظالموں سے بدلہ لینے کا وہ کارنامۂ عظیم جس کے لیے قائم الزماں "امام غائب" تشریف لائیں گے۔ اور جس کی تیاری کے لیے خمینی صاحب ابھی سے شیعوں کو عام لام بندی کا حکم دے رہے ہیں۔ کیوں کہ اس کارنامۂ عظیم کو انجام دینے کے لیے اُس دور کے شیعے کافی نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ ایک شیعی روایت میں ارشاد ہے کہ دس محرم کو امام غائب حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہوں گے۔ جبریل ان کے داہنے ہوں گے۔ پکاریں گے اللہ کے لیے بیعت کو چلو۔ اس پر روئے زمین کے اطراف سے شیعے چل پڑیں گے۔ زمین ان کے لیے لپیٹ دی جائے گی۔ اور وہ مہدی سے بیعت کریں گے۔ پھر وہ کوفہ آکر نجف میں اُتریں گے اور وہاں سے شہروں میں لشکر بھیجیں گے۔

---

[1] مشہور شیعہ مصنف سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب "المسائل الناصریہ" میں لکھا ہے کہ یہ سولی ایک تر و تازہ درخت پر دی جائے گی لیکن سولی دینے سے یہ درخت خشک ہو جائے گا۔ نعوذ باللہ۔

اور اتنا بڑا لشکر فراہم کیسے ہوگا؟ اس کے متعلق ایک روایت میں ارشاد ہے کہ جب امام غائب کی آمد کا وقت آجائے گا تو ایک ایسی بارش ہوگی جس کی مثال مخلوق نے نہ دیکھی ہوگی۔ اس سے (شیعہ) مومنین کے گوشتوں اور جسموں کو اللہ تعالیٰ اگائے گا اور وہ قبروں سے نکل کر مٹی جھاڑتے ہوئے امام غائب کی طرف دوڑیں گے۔

یہ ہے ظالموں سے انتقام لینے کی شیعی روایتوں کا خلاصہ۔ خمینی صاحب شیعہ فقیہ ہونے کی حیثیت سے امام کی روپوشی کے دور میں ان کے نائب ہیں۔ اور انھوں نے خود اپنے لیے نائب مہدی ہونے کا بارہا اعلان کیا ہے۔ اس لیے مہدی جس کام کو بہت بڑے پیمانے پر انجام دیں گے، خمینی صاحب اس کام کو معمولی پیمانے پر انجام دے رہے ہیں۔ جس کی برکت سے ایران میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ اس سے خمینی کی خونخوار ذہنیت کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(باقی آئندہ)

مولانا اروی جوارِ رحمت میں

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ مطابق ۶/۷ مارچ ۱۹۸۳ء کی درمیانی شب دوشنبہ کو استاذ الاساتذہ جامع المعقول و المنقول، قائد جماعت، حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم علوم و فنون میں ید طولیٰ رکھنے اور ایک باکمال مدرس ہونے کے علاوہ ایک تاریخ ساز شخصیت کے بھی مالک تھے آپ کا نمایاں ترین کردار، آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس و جمعیۃ اہلحدیث ہند کا احیاء و تجدید ہے۔ ۱۹۴۷ء کے خونیں واقعہ آزادی کے بعد جماعت کی قیادت پاکستان منتقل ہو چکی تھی۔ یہاں انتشار کا عالم تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس انتشار میں نظم و ضبط لانے کی ابتدائی کوششوں میں دوسرے بزرگوں کا خاصا حصہ ہے۔ لیکن اس سلسلے میں جو شخصیت سب سے زیادہ نمایاں ہو کر منظر عام پر آئی۔ اور جنھیں کانفرنس کا سب سے پہلا صدر اور قائد تسلیم کیا گیا وہ مولانا مرحوم ہی تھے مولانا نے اس منصب کو ایک عرصہ تک سنبھالا۔ اور اُن حالات میں جو کچھ کر سکے وہ بہرحال قابل قدر ہے۔ جمعیۃ العلماء کی نائب صدارت اور ایک عرصے میں صدارت بھی آپ کا ایک معروف امتیاز ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے حسنات و کمالات کو شرف قبول سے نوازے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ نور اللہ ضریحہ واغدق علیہ سحائب الرحمۃ والرضوان۔ آمین۔

جامعہ سلفیہ میں شر پسند طلبہ کا ہنگامہ

اسباب اور حالات

ادارہ جامعہ سلفیہ و جامعہ رحمانیہ کا بیان

الحمد للہ رب العالمین ۔ والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین
وعلی الذین اتبعوھم باحسان الی یوم الدین اما بعد ۔

۲۲ فروری ۱۹۸۳ء کو نہایت افسوس ناک حالات میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کو کچھ عرصہ کے لیے بند کر دیا گیا، جس سے جامعہ کے ذمہ داران، متعلقین، بہی خواہوں اور عام اہل جماعت کو سخت صدمہ اور رنج ہوا۔ ذیل میں ہم اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے مختصر کیفیت درج کر رہے ہیں ۔

(۱) بدقسمتی سے کچھ قابلِ اعتماد شہادتوں کی بنا پر جامعہ میں متعدد ایسے طلبہ داخل کر لیے گئے جن کے متعلق بعد میں واضح ہوا کہ ان کا دینی اور اخلاقی کیرکٹر اطمینان بخش نہیں ہے ۔ وہ نہ نماز کے پابند تھے نہ جامعہ کے قوانین وضوابط کے[1] لیکن مناسب معلوم ہوا کہ ایسے طلبہ کو فوراً نکالنے کے بجائے تلقین و تربیت اور تادیب و فہمائش کے ذریعہ راہِ راست پر لایا جائے اور ان کی اصلاح کر کے جماعت و ملت کے لیے کارآمد سرمایہ بنا دیا جائے ۔ چنانچہ اجتماعی تلقین کے باوجود نماز کی پابندی نہ کرنے اور غیر اخلاقی حرکتوں سے باز نہ آنے پر ان کے کمروں میں جا جا کر انھیں سمجھایا گیا ۔ اور تادیب کے طور پر سال رواں کے

---

[1] یہ طلبہ جن علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں وہاں کے لوگوں نے ان طلبہ کے نماز چھوڑنے اور اخلاقی حدود توڑنے، اور گالی گلوج بکنے کا دلخراش منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہوگا ۔

سہ ماہی امتحان میں کچھ طلبہ کے نمبرات بھی کاٹے گئے۔ مگر افسوس کہ یہ تدبیریں انھیں راہِ راست پر لانے میں کارگر نہ ہوئیں بلکہ ایک خاص واقعہ کو بہانا بنا کر ان شرپسند طلبہ نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

(۲) مرکزی دارالعلوم میں طلبہ کو جو سہولیات فراہم کی گئی ہیں اس کی مثال ہندوستان کے کسی دوسرے ادارے میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ لیکن مرکزی دارالعلوم ایسی زمین پر واقع ہے، جہاں پانی کی کمی ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے لاکھوں روپے کے صرفہ سے دو ٹیوب ویل، تین سرکاری نل اور ایک کنویں کا انتظام کیا گیا ہے۔ کنویں میں چند ہفتہ پہلے دستی نل بھی فٹ کر دیا گیا تھا، دونوں ٹیوب ویل بجلی سے چلتے ہیں۔ ایک کو بوقت ضرورت جنریٹر سے بھی چلانے کا انتظام ہے، پانی کے ذخیرے کے لیے دس ٹنکیاں ہیں۔ یہاں چونکہ تعمیری کام مسلسل ہوتا ہے۔ اس لیے ایک ٹنکی کا پانی تعمیری کام کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔ کیوں کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں مزدور کام نہ کر سکیں گے اور دارالعلوم کا سیکڑوں روپیہ یومیہ مفت ضائع ہو جائے گا۔

طلبہ اس قدر بے تحاشا اور فضول پانی خرچ کرتے ہیں کہ پانی کی فراہمی کا مذکورہ نظام بالکل ٹھیک ٹھاک ہو تب بھی پانی کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ حالانکہ ادھر یہ حالت رہتی ہے کہ کبھی کوئی مشین خراب ہے تو کبھی بجلی غائب ہے۔ اس لیے پانی کی کمی ذرا زیادہ ہی محسوس ہوتی ہے۔

(۳) جس دن جامعہ میں ہنگامہ ہوا اس سے ایک دن پہلے شام کو کسی شرپسند طالب علم نے مزدوروں کی ٹنکی میں صابن روٹی کے ٹکڑے اور چنے وغیرہ پھینک دیے اور شور کر دیا کہ ٹنکی میں پاخانہ ہے اور اسی سے طلبہ کا کھانا پکا ہے۔ اور مدرسین کا کھانا دوسرے پانی سے پکا ہے۔ یہ بالکل جھوٹا پروپیگنڈہ تھا۔ کیوں کہ مدرسین اور طلبہ کی روٹی اور چاول یکجا پکتا ہے۔ اور یہ پورا کھانا دوسری ٹنکی کے پانی سے پکتا ہے۔ بہر حال ٹنکی میں پاخانہ پڑنے کی خبر سے مزدوروں میں بھی سخت ہیجان ہوا۔ کیوں کہ وہ کھانے پینے کے لیے یہی پانی استعمال کرتے تھے۔ اور اس سے پہلے بعض شریر طلبہ ان کی تعمیری جگہوں پر پاخانہ کر چکے تھے۔

(۴) دوسرے دن صبح یہ شکایت ملی کہ بعض طلبہ مزدوروں کی ٹنکی میں پاخانے کا لوٹا ڈال کر پانی نکال لیتے ہیں۔ اس سے مجبور ہو کر یہ اعلان کرنا پڑا کہ کوئی طالب علم اس ٹنکی کے پاس نہ جائے، ورنہ تادیبی کارروائی کی جائے گی، اور ایسے طلبہ کو پکڑنے کے لیے آدمی مقرر کر دیے گئے ہیں۔

(۵) بدقسمتی سے اس اعلان کے تھوڑی دیر بعد بجلی چلی گئی اور پانچ بجے تک نہ آئی۔ جنریٹر سے چلنے والا ٹیوب ویل خراب تھا

اور کنویں کا دستی نل چند دن پہلے طلبہ نے توڑ ڈالا تھا۔ ٹنکیوں کا پانی جلد ہی خاتمے کو پہنچ گیا۔ تاہم تمام طلبہ نے ظہر کی نماز اور دوپہر کے کھانے کیلیے مزدوروں کی ٹنکی کے پاس گئے بغیر جیسے تیسے پانی کی ضرورت پوری کرلی۔ البتہ ان پانچ سو سے زائد طلبہ میں سے صرف ایک صاحب ایسے تھے جنھوں نے خدا جانے کیوں، اعلان کی مخالفت کرتے ہوئے اسی (مزدوروں والی) ٹنکی سے پانی لینا ضروری سمجھا۔ اور جب مزدوروں نے روکا تو انھوں نے شیخ الجامعہ کو تحریری درخواست دی کہ میں پانی لینے گیا تو ایک مزدور نے مجھے گالی دی اور مارنے کی دھمکی دی۔ ان صاحب سے دو مدرسین کی موجودگی میں پوچھا گیا کہ آپ نے وہاں جانے کی ممانعت کا اعلان پڑھ لیا تھا؟ انھوں نے کہا۔ ہاں۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر آپ اعلان کی مخالفت کرتے ہوئے وہاں کیوں گئے؟ اور اگر ضابطہ توڑ کر آپ وہاں گئے ہی تو بتلایئے اب کیا کیا جائے۔ اس پر وہ خاموشی سے واپس چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد ان کے کمرے کے طلبہ نے اس مزدور پر حملہ کر دیا۔ وہ بھاگ کر ایک ذمہ دار کے گھر میں گھس گیا اور ذمہ دار نے اسے بچانے کی کوشش کی۔ ورنہ تھوڑی دیر میں پورا شہر ہندو مسلم فساد کی لپیٹ میں آسکتا تھا اور طلبہ اور اساتذہ سمیت پورے جامعہ پر قیامت گزر سکتی تھی۔

(۶) وہ مزدور تو بچ گیا، مگر اسی اثنا میں ایک بے قصور مسلم مزدور آگیا اور ان طلبہ نے اسے مار کر لہولہان کر دیا۔ اتنے میں چند مدرسین وہاں پہنچ گئے۔ اور طلبہ کو منتشر کر کے مذکورہ بالا طالب علم کو اور مارنے میں شریک ایک اور طالب علم کو دفتر میں بلالائے اور مزدور پر حملہ آور ہونے کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے چند مدرسین اور ذمہ داران کے سامنے ٹنکی پر جانے اور مزدور کے گالی بکنے سے لے کر شیخ الجامعہ تک تحریری شکایت کرنے اور اس پر سوال وجواب ہونے تک ٹھیک مذکورہ تفصیل کے مطابق ساری باتیں بیان کرنے کے بعد بتایا کہ جب شیخ الجامعہ نے کچھ نہ کیا تو ہمارے پورے کمرے والوں نے خود مزدور سے نمٹ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس طالب علم سے کہا گیا کہ وہ اپنا بیان تحریری شکل میں لکھ دے لیکن جب وہ کمرے میں لکھنے کے لیے گیا تو اس کے ساتھیوں نے اسے تحریر کرایا کہ شیخ الجامعہ نے مجھے یہ جواب دیا تھا کہ مزدور تمھیں گالی دیں، یا ماریں، میں کچھ نہیں جانتا۔ اس لیے ہم نے مزدوروں کے خلاف قدم اٹھایا۔ اس کے بعد ان شرپسند طلبہ نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ یہ کہہ کر عام طلبہ کو مشتعل کیا کہ شیخ الجامعہ نے یہ کہا ہے کہ مزدور تمھیں گالی دیں یا ماریں، بلکہ جان سے مار ڈالیں تب بھی میں کچھ نہیں کروں گا۔ اس شر انگیز پروپیگنڈے سے عام طلبہ میں ہیجان اور شورش پھیل گئی تھوڑی دیر بعد شرپسند طلبہ نے دفتر کی طرف ہجوم کیا۔ جہاں مدرسین جمع تھے۔ اسی دوران ایک اور مسلم مزدور وہاں سے گزرا تو ان طلبہ نے اسے بری طرح پیٹا اور وہ بڑی مشکل سے بچ کر نکل سکا۔ اسے مارنے کے بعد یہ طلبہ اپنے مطالبات

لکھنے کے لیے واپس چلے گئے۔

(۷) مزید کچھ دیر بعد جامعہ کے ناظم اعلیٰ اور چند دوسرے ذمہ داران بھی آگئے۔ طلبہ نے نہایت نازیبا الفاظ میں اپنے مطالبات لکھ کر انھیں پیش کیا۔ اس میں خطرناک عملی قدم اٹھانے کی دھمکی بھی لکھی ہوئی تھی۔ طلبہ کو بتایا گیا کہ جس مزدور پر گالی دینے کا الزام ہے اسے آپ لوگوں کے آنے سے پہلے ہی نکالا جا چکا ہے۔ شیخ الجامعہ کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے قطعی غلط ہے۔ پانی کی دشواری یقیناً ہے۔ اس کے حل کی کوشش بھی جاری ہے، مگر اس کا فوری حل ممکن نہیں۔ نیز طلبہ کو اپنے حدود سے باہر نکل کر انتظامیہ میں دخیل ہونے اور قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ اور نہ آپ لوگوں کی دھمکی گوارا کی جا سکتی ہے۔ انھیں یہ بھی بتایا گیا کہ ناظم صاحب کی بھتیجی کا انتقال ہو گیا ہے اور اسی وقت تجہیز و تکفین اور تدفین کرنی ہے۔ اس لیے آپ لوگ سکون کے ساتھ اپنے کمروں میں واپس جائیے اور اپنے تعلیمی کام میں لگ جائیے۔ اس کے بعد طلبہ دفتر سے تو نکل گئے۔ مگر اس قدر شور و غل اور ہنگامہ جاری رکھا کہ ناظم صاحب اور اور دیگر ذمہ داران نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین میں شرکت کے لیے نہ جا سکے۔

(۸) انتظامیہ نے سمجھا کہ طلبہ کا اشتعال دھیرے دھیرے ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا فیصلہ کیا کہ طلبہ کی ان حرکتوں کو ان کی نادانی پر محمول کرتے ہوئے انھیں معاف کر دیا جائے۔ ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اور صبح پھر حسب معمول تعلیم شروع کر دی جائے۔ لیکن مجرم اور شر پسند طلبہ ہنگامے کو بڑھا کر اپنا مقصد پورا کرنے پر تلے بیٹھے تھے، چنانچہ انھوں نے، رات کو میٹنگ کی، کئی افراد کو مارنے کا پلان بنایا۔ اور کمرے کمرے گھوم کر عام طلبہ سے کہا کہ صبح جو پڑھنے جائے گا، اس کی سخت پٹائی ہوگی۔ رات میں ان کی متعدد ٹولیاں بھی گشت کرتی رہیں۔

(۹) دوسرے دن صبح درس گاہ کھلتے ہی، ان شر پسند طلبہ نے درس گاہوں پر قبضہ کر لیا، تعلیم کی گھنٹی بجی تو انھوں نے چھٹی کی گھنٹی بجا دی اور درس گاہ میں جانے والے طلبہ اور مدرسین کو دھمکیاں دے دے کر اور بدتمیزی کے ساتھ نعرے لگا لگا کر زبردستی واپس کر دیا، اس کے بعد طلبہ کی نعرے بازی، ہوٹنگ شور اور بدتمیزی دم بدم بڑھتی گئی۔ ناظم اعلیٰ اور ذمے داران جامعہ بھی آچکے تھے۔ جو اس تازہ صورت حال پر غور کر رہے تھے۔ مزید کچھ وقت گزرا تو شر پسند طلبہ نے بانس کے ٹکڑوں، سلاخوں، لکڑیوں وغیرہ سے مسلح ہو کر سنگین مظاہرہ شروع کر دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں بعض شر پسندوں نے چاقو بھی چھپا رکھا تھا۔ تقریباً گیارہ بجے ان شر پسندوں نے بیرونی گیٹ پر پہرہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد ہنگامہ اور شور کرتا ہوا ان کا ایک وفد یہ تحریر لے کر ناظم اعلیٰ کے پاس آیا کہ مہمان خانے میں بندوقوں سے مسلح غنڈے

چھپا رکھے گئے ہیں، انھیں نکالا جائے۔ ان کو بتایا گیا کہ یہ قطعی غلط افواہ ہے۔ مہمان خانہ کھلا پڑا ہے۔ آپ لوگ خود جاکر دیکھ سکتے ہیں کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ اس جواب پر یہ وفد واپس چلا گیا لیکن ہنگامہ بند نہ ہوا۔

(۱۰) ان حالات میں محترم ناظم اعلیٰ نے ظہر کی نماز کے بعد مختصر سی تقریر کی، آزادیٔ ہند کے بعد سے اب تک جماعت کے حالات کا خاکہ اور اس میں جامعہ سلفیہ کے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے موجودہ واقعہ کو حد درجہ تکلیف دہ اور شرمناک بتلایا۔ اور اس کے بعد طلبہ کو مخاطب کرکے کہا کہ آپ حضرات پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور آپ کے موجودہ کردار پر اساتذہ کرام آپ کو پڑھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے بادلِ ناخواستہ میرا یہ فیصلہ ہے کہ انتظامات ٹھیک ہونے تک کے لیے جامعہ بند کردیا جائے۔ اس پر شرپسند طلبہ نے نعرہ لگایا کہ ہم اپنے سینے پر گولی کھائیں گے مگر جامعہ سے نہیں جائیں گے۔ اس کے جواب میں ناظم صاحب نے فرمایا کہ میرا یہ فیصلہ قطعی ہے۔ اس میں انشاء اللہ تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ آپ حضرات شام تک اپنے گھر روانہ ہوجائیں جب جامعہ کھلنے کا فیصلہ ہوگا۔ اطلاع دی جائے گی۔

(۱۱) اس اعلان کے بعد بھی شرپسند طلبہ نے اپنا ہنگامہ جاری رکھنے اور عام طلبہ کو روکنے کی کوشش کی اور انتظامیہ کے فیصلے کے خلاف گستاخانہ کلمات بکنے شروع کیے۔ مگر عصر کے وقت سے طلبہ کی روانگی شروع ہوگئی اور نو بجے رات تک اکثر طلبہ خاموشی کے ساتھ رخصت ہوگئے۔ مگر شرپسند طلبہ اعلان کے بعد گھنٹوں دارالعلوم کی چیزیں توڑتے پھوڑتے رہے۔ اس دوران انتظامیہ کے کچھ لوگ ایک لفظ بھی زبان سے نکالے بغیر ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور ان کی حرکتیں دیکھتے رہے۔ الغرض ان شرپسند طلبہ نے جاتے جاتے جامعہ کی مختلف املاک کو نقصان پہنچایا اور جامعہ کے تمام معززین کو بے تحاشا گالیاں دیں۔ اور متعدد سامان بھی اٹھالے گئے، مگر ان کے ساتھ کسی بھی موقع پر کوئی ادنیٰ تعرض نہیں کیا گیا

(۱۲) بلکہ ان سارے ہنگاموں کے باوجود جامعہ نے کوشش کی کہ کسی طالب علم کو کوئی تکلیف نہ ہو چنانچہ ان کی سہولت کے لیے سلفیہ بنک اور دوسرے فنڈ سے بلاامتیاز تمام ضرورت مند طلبہ کو گھر تک جانے کے لیے رقم دی گئی اور سات ہزار روپے تقسیم کیے گئے۔

(۱۳) معلوم ہوا ہے کہ کچھ شرپسند طلبہ یہ بھی پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ انھیں پی اے سی کے ذریعہ پٹواکر جامعہ سے نکلوایا گیا ہے۔ یہ سرسے پاؤں تک بالکل جھوٹ ہے۔ الحمدللہ کہ اس واقعہ کے دوران جامعہ سے کسی ادنیٰ پولیس کے سایہ تک کا گزر نہیں ہوا۔ بلکہ بہت سے شرپسند طلبہ کرایہ کی رقم لینے پہنچے تو ان کو بھی کوئی ادنیٰ تعرض کیے بغیر مطلوبہ رقم دیدی گئی۔

(۱۴) اور اس سارے المناک واقعہ کے باوجود ادارہ نے فیاضی سے کام لیتے ہوئے بحمداللہ جامعہ کو ۱۰ مارچ ۸۳ء

سے کھول دیا ہے۔ تاکہ طلبہ کا تعلیمی سال بے کار نہ ہو۔ تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کی آمد وقت سے پہلے ہی شروع ہو گئی۔

(۱۵) ہمارے لیے یہ بات بہت زیادہ قابلِ اطمینان ہے کہ عام طور سے اہلِ جماعت نے جامعہ کے اس المناک حادثے کو اپنا حادثہ سمجھا، اس پر گہرے رنج اور دکھ کا احساس کیا۔ ٹیلی فون، ٹیلی گرام، خطوط اور وفود کے ذریعہ اس حادثہ پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ اور عملاً تعاون کیا اور ذمہ دارانِ جامعہ کے بروقت فیصلے کی پرزور تحسین وتائید کی۔ ادارہ ایسے سارے مخلصین کا صد درجہ شکر گزار ہے۔

دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے اور ملت اسلامیہ و فرزندانِ توحید کو ہر داخلی و خارجی فتنہ و فساد سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

ادارہ جامعہ سلفیہ و جامعہ رحمانیہ

ریوڑی تالاب۔ بنارس

بقیہ۔ توحید عبادت:

رازق اور تمام امور کا مدبر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے توحید عبادت کے اندر ان کے شرک کرنے کی وجہ سے ان کے اس عقیدہ کو قبول نہیں کیا، اور ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا جب تک یہ لوگ واقعی اور حقیقی مسلمان نہ بن جائیں یعنی لاالٰہ الا اللہ کے اقرار کے بعد اس کے تقاضے پر عمل پیرا نہ ہو جائیں اور عبادت کو شرک کی ہر آمیزش سے پاک نہ کر دیں۔ اسی توحید کو دنیا میں عام کرنے کے لیے اور لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے نبی کریم اس دنیا میں تشریف لائے۔ جس نے اس توحید عبادت کو قبول کیا وہ مسلمان ہوا اور جس نے اسے ماننے سے انکار کیا وہ راندۂ درگاہ کافر و مشرک قرار پایا۔ اس لیے اسلام اور کفر و شرک کے درمیان فرق کرنے والی جو حقیقت ہے وہ توحید عبادت ہے۔ بلفظ دیگر توحید عبادت مسلمانوں کا امتیازی نشان ہے۔

مجلة الجامعة السلفية

کا

مؤتمر الدعوة والتعلیم نمبر

(اردو میں)

- فروری ۱۹۸۰ ء میں جامعہ سلفیہ میں مؤتمر الدعوۃ والتعلیم کے نام سے جو عظیم الشان بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی ، اسکی مکمل سرگذشت .
- عرب شیوخ کے ارشادات اور ہندوستانی علماء کی تقریریں ، جامعہ کی مسجد میں امام حرم کا خطبۂ جمعہ اور مختلف اجتماعات میں آپ کے فرمودات .
- کانفرنس میں دکھائی گئی علمی نمائش جو جماعت اہلحدیث کی دینی وعلمی خدمات کی بولتی ہوئی تصویر اور نہایت اہم تاریخی دستاویز ہے اسکی مکمل نقل .
- پاس شدہ تجاویز اور قراردادیں اور اس کانفرنس کے متعلق عرب و ہند کے موقر جرائد کی رائے اور تبصرے .

(قیمت ۱٦ روپئے)

مکتبہ سلفیہ ، مرکزی دار العلوم ، ریوڑی تالاب ، بنارس

محدث

مرکزی دار العلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

★

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیۃ

بنارس - الهند

★

عدد مسلسل ١٦ — رجب ١٤٠٣ھ — مئی ١٩٨٣ء

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث

بنارس

جلد ۱۱ • رجب المرجب ۱۴۰۳ھ • مئی ۱۹۸۳ء • شمارہ ۵

ایڈیٹر

صفی الرحمن مبارکپوری

بدل اشتراک

• سالانہ ۲۵ روپئے • ششماہی ۱۳ روپئے
• فی پرچہ ۲/۵۰ روپئے • بیرون ملک ۱۵ ڈالر

پتہ

خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA ,, SALAFIA , REORITALAB VARANASI-221001

ٹیلی گرام: دارالعلوم، وارانسی ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

تزئین و کتابت

انور جمال

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس
طابع: عبدالوحید
مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

دعا قبول ہو یارب !

فضا ابن فیضی

ہے مجھے ضرورت دے نقدِ شعر و حکمت دے
ـھند ہوں معانی کی لفظ کی بصیرت دے
پھول پھول جذبوں کو فکر کی صلابت دے
ابصیر ذرے کو عرش کی ذہانت دے
وحِ چشم بینا کو نقش نقش حیرت دے
اکھ ہوتے لہجے کو تازگی و ندرت دے
ـنگ ننگ ہوں رسوا ٹوٹنے کی قیمت دے
اعتدال کی حد تک شوخی و نزاکت دے
ـکو، سیہ ورق میرا نور کی عبارت دے
ناتواں نگاہی کو قوت و حرارت دے
لالہ لالہ پیرا ہن سرو سرو قامت دے
آب آب گہرائی، خاک خاک وسعت دے
نقطہ نقطہ رسوائی حرف حرف شہرت دے
علم علم آموزش جہل جہل عبرت دے
خواب خواب آنکھوں کو جاگنے کی ہمت دے
غم کو بے کرانی بخش! زخم بے نہایت دے
کشت جاں ہے بے سبزہ درد کی بشارت دے

زندگی کو صیقل کر آئنوں کو صورت دے
عشرتِ نظر کو اب عشق کی طہارت دے
یہ شرارِ جستہ کیا شعلۂ حقیقت دے
استعارۂ جاں کو جسم کی وضاحت دے
منتشر نہ ہو جاؤں فن کی سالمیّت دے
اک کرن ہوں ننھی سی روشنی پہ قدرت دے
پیاس، دھوپ، یہ صحرا موسموں کی شفقت دے
میں بھی ہوں ثمر جیسا، شاخ شاخ زینت دے
ذوقِ فاش گفتن کو عشوہ و اشارت دے
ذہن میں اتر جاؤں ! وہ بلیغ حجّت دے
شاعرانہ غمزوں کو دانشِ رسالت دے

میں فقیر ہوں یارب !
آگہی کی دولت دے

نقشِ راہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راستہ اور منزل

انسانی معاشرے کی سطح پر ابھرنے والی تحریکات اور تنظیموں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ایک بات ان تمام تحریکوں میں قدرِ مشترک کے طور پر ملے گی کہ یہ تحریکیں اپنے ابتدائی مرحلے میں بڑے جوش، ولولے اور قوت کے ساتھ ابھریں، اور عموماً گرد و پیش کے ماحول کو بدل کر رکھ دیا۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا، جوش و ولولہ سرد پڑتا گیا یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب ان کا صرف ڈھانچہ باقی رہ گیا۔ اور بعض بعض تو اس طرح فنا ہوئیں کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ کسی نے اس صورتحال کا بہت ہی ٹھیک تجزیہ کیا ہے کہ ؂

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم ہو گئے خاک انتہا یہ ہے

انسانی سماج میں ابھرنے والی تحریکات کا یہ فطری مزاج ہے۔ اور تاریخی تسلسل اس کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے۔ اسلام جو انسان کا صحیح، جامع، اور ہمہ گیر مذہب ہے وہ بھی اس زیر و بم اور نشیب و فراز سے پورے طور پر مستثنا نہیں ہے۔ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تک عموماً صورتحال یہ تھی کہ خرابیوں کی بھرمار کے وقت انسانوں کی اصلاح کے لیے ایک نبی یا پیغمبر مبعوث کر دیے جاتے اور وہ حالات میں بہت کچھ سدھار کر کے خدا پرستی اور خیر پسندی کا ماحول پیدا کر دیتے۔ لیکن جوں ہی وہ دنیا سے تشریف لے جاتے ان کی تعلیمات اور اصلاحی کوششوں کے اثرات دھیم پڑنا شروع ہو جاتے۔ رفتہ رفتہ خدا پرستی کی روح جاتی رہتی، محض ڈھانچہ باقی رہ جاتا۔ اکا دکا جو خدا پرست رہ جاتے، وہ گوشوں میں جا بیٹھتے اور عام معاشرۂ انسانی پر خدائی احکام و مرضیات سے آزادی کا غلبہ ہو جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کسی دوسرے نبی اور پیغمبر کو بھیج دیتا۔ اور اس کے ذریعہ ایک نئی انقلابی روح کے ساتھ تبدیلی رونما ہوتی، جو قوت و عروج کے دور سے گزر کر دھیرے دھیرے مدھم پڑ جاتی اور بعثتِ نبی کا عمل پھر دہرایا جاتا

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک آنے والے سارے انسانوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا اس لیے آپ کے ذریعہ جو تبدیلی ہوئی وہ سب سے زیادہ طاقتور، وسیع، ہمہ گیر اور دیرپا تھی اور اس کے عروج کا دور سب سے زیادہ طویل تھا۔ لیکن اضمحلال و زوال کی گردشوں سے اسے ابھی بہرحال دوچار ہونا پڑا۔ نیز آپ چونکہ آخری نبی تھے اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اضمحلال و زوال کو عروج و سربلندی میں تبدیل کرنے کے لیے کسی نبی اور پیغمبر کو بھیجنے کے بجائے ایک دوسرا ہی انتظام کیا گیا، جس کا ہم بغور جائزہ لیں تو یہ تین حصوں پر مشتمل نظر آئے گا۔

(۱) پہلا اور بنیادی انتظام یہ کیا گیا کہ پیغمبر کی تعلیمات — بلفظِ دیگر دین — کبھی ضائع نہ ہوں گی، اور نہ ان میں تبدیلی، تحریف اور کمی بیشی کی جاسکے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ — ہم نے "ذکر" کو اتارا ہے، اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

(۲) دوسرا انتظام یہ کیا گیا کہ اللہ کے بندوں کا ایک ایسا منتخب اور صاف ستھرا گروہ اللہ کی کتاب کا وارث ہوگا کہ اس کے معانی و مطالب میں تحریف و تبدیلی کی جو کوششیں بھی دنیا پرست اور خود غرض دینی ٹھیکیداروں کی طرف سے کی جائیں گی، اللہ کے بندوں کا یہ منتخب گروہ اس کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت کو منظرِ عام پر لا دے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کارنامے کی انجام دہی سے روک نہ سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا۔ پھر ہم نے اپنے چنے ہوئے بندوں کو کتاب کا وارث بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: یحمل ھٰذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین۔ (کتاب المدخل للبیہقی مشکوٰۃ) — یعنی اس علم کو ہر بعد کے گروہ میں سے بلند پایہ لوگ حاصل کریں گے۔ اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے جھوٹے دعوے اور جاہلوں کی تاویل کا خاتمہ اور صفایا کریں گے۔

حق پرستوں کا یہ گروہ اسلامی تاریخ کے کسی بھی دور میں فنا اور ختم نہ ہوگا، البتہ یہ کبھی بہت زیادہ قوت و عروج پکڑے گا اور پورے ماحول پر اپنا رنگ اور اپنی چھاپ ڈال دے گا اور کبھی اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔ اور ماحول کا بگاڑ اتنا وسیع ہو جائے گا کہ حق پرستوں کا یہ گروہ اس ماحول میں اجنبی بن کر رہ جائے گا لیکن وہ بذاتِ خود اس فساد کا شکار نہ ہوگا بلکہ پوری مضبوطی کے ساتھ حق پر قائم رہے گا۔ ان باتوں کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ب ذیل حدیث میں وارد ہے ۔

لا تزال طائفة من امتی ظاهرین حتی یاتیهم امر الله وهم ظاهرون (بخاری، کتاب الاعتصام ومسلم وغیرہ مواضع مختلفہ بالفاظ مختلفہ)

میری امت کا ایک گروہ برابر ظاہر رہے گا۔ (حق پر قائم اور غالب رہے گا۔ ان کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔) یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ کا فیصلہ یعنی قیامت آجائے گی اور وہ ظاہر و غالب ہی رہیں گے۔

ان الدین بدا غریبا وسیعود کما بدا، فطوبی للغرباء، وهم الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی (ترمذی: ابواب الایمان)

دین اجنبی بن کر شروع ہوا، اور جس حالت میں شروع ہوا عنقریب اسی حالت پر پھر پلٹ کر چلا جائے گا۔ پس اجنبی لوگوں کے لیے مبارکباد اور خوشخبری ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں کہ لوگوں نے میرے بعد میری جس سنت کو فاسد کر دیا ہو اس کی اصلاح کرتے ہیں۔

(۳) حفاظت و احیائے دین کا تیسرا انتظام یہ کیا گیا ہے کہ جب ماحول کا بگاڑ اور فساد بہت زیادہ وسیع ہو ہے، تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسی حق پرست گروہ کا ایک طبقہ عموماً کسی عبقری انسان کی سربراہی میں ماحول بدلنے کے لیے پوری قوت کے ساتھ اٹھ پڑتا ہے اور امت مسلمہ کے حالات بدل کر رکھ دیتا ہے۔ یہی عبقری انسان مجدد کہلاتا ہے اور اس کی سربراہی میں اصلاحِ امت کا کام انجام دینے والے طبقے کو بھی مجدد کہا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ان الله یبعث علی رأس کل مائة سنة من یجدد لهذه الامة امر دینها۔ (ابوداؤد) اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے سرے پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو اس امت کے لیے اس کے دین کے کام کی تجدید کرے گا۔ (اس موضوع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ محدث جون ۱۹۸۲ء کے اداریہ میں لکھا جا چکا ہے۔)

تجدید امت کے لیے ظاہر ہے کہ خطوط کار اور مقاصد وہی ہوں گے جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں چھوڑ گئے ہیں۔ آپ کے کارہائے نبوت کے خطوط و مقاصد دونوں کو سورہ جمعہ کی اس آیت میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ۔ (الجمعہ)

وہ اللہ ہی ہے جس نے امیوں (ناخواندہ عربوں) میں خود انھیں کے اندر سے ایک پیغمبر بھیجا، جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں، انھیں پاک صاف کرتے ہیں اور انھیں کتاب وحکمت سکھلاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصود یہ ہے کہ انسانوں کا تزکیہ کیا جائے یعنی انھیں عقیدہ وعمل کی برائیوں اور گندگیوں سے پاک کرکے خالص ومخلص خدا پرست اور راست باز بنایا جائے۔ اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کی تلاوت کرکے اس کے معانی ومطالب کو سمجھایا جائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ترکیب اور حکمت بتائی جائے۔ پس یہی وہ مہم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے مصلحین ومجددین کو اصلاً انجام دینی ہے۔ اور یہی وہ کٹھن کام ہے، جس کی وراثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علمائے کرام کو ملی ہے۔ یعنی کتاب وسنت کی توضیح وبیان اور انسان کی تربیت وتزکیۂ نفس کا کام ہی علماء اور مصلحین امت کے مشن کے لیے اصل اور مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ باقی چیزیں ذرائع ووسائل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب اگر اس اصل اور بنیادی مقصد کو چھوڑ کر ادھر ادھر کے ذیلی وسائل وذرائع پر ساری قوت اور سارا وقت صرف کیا گیا تو یہ بعینہٖ وہی بات ہوگی جسے علامہ اقبال نے اس طرح فرمایا ہے۔ ؎

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت　　ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

مجددین امت کے جو کارنامے تاریخ نے محفوظ کر رکھے ہیں، ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے ٹھیک وہی کام انجام دیا تھا جس کی ذمہ داری ان کے سر عائد ہوتی تھی۔ ایمانیات وعقائد سے لے کر اخلاق ومعاملات تک، جذبات واحساسات سے لیکر کردار وگفتار تک، احکام دین سے لے کر رسم ورواج تک، انسانی زندگی کے جن جن گوشوں میں خامیاں اور خرابیاں پیدا ہو چلی تھیں اور فساد در بگاڑ گھس آیا تھا اس میں سے ہر ہر گوشے کو انھوں نے اپنی اصلاحی کوششوں کا محور بنایا کہ ان کا کام بھی یہی تھا۔ بفحوائے حدیث نبوی۔ "الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی۔" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن جن طریقوں میں لوگوں نے بگاڑ پیدا کر رکھا ہے اس کی اصلاح کریں۔ اور انسانی زندگی کو عقیدہ وعمل کے فساد سے پاک وصاف کرکے انھیں

لص ومخلص خدا پرست اور راست باز مسلمان بنا دیں۔ اس غرض و غایت کے حصول کے لیے انھوں نے
ریعہ بھی وہی اختیار کیا تھا، جو سورہ جمعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے مذکور ہے۔ یعنی کتاب وسنت کی
لیم۔ انھوں نے اس کام کے لیے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو نہ کسی فلسفے کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی ضرورت محسوس
، نہ اسے ایمان وعقیدے کی پر تقدس سطح بلند سے اتار کر تحریک ونظریے کا دامن بریدہ لباس پہنایا۔ ان کے یہاں
سحرگاہی سے لے کر رزم وپیکار تک سب کچھ موجود تھا، لیکن انھوں نے وسائل وذرائع کو مقاصد سے اور مقاصد کو
سائل وذرائع سے بدلنے کی غلطی نہ کی۔ اس لیے ان کی کوششوں کے ثمرات ونتائج بروقت اور صحیح طور پر حاصل
ئے۔ توتی اکلہا کل حین باذن ربھا۔

ہمارے گرد وپیش بلکہ پورے عالم اسلام میں آجکل بھی اسلامی تحریکات چل رہی ہیں اور اس سلسلے میں اصلاحی اور
سلامی تنظیمات کا طوفان ابل پڑا ہے۔ مگر ان تحریکات پر بیرونی اور غیر اسلامی فلسفوں اور نظریات کی چھاپ اور
ن کے طور طریق کی نقالی کا اثر بہت نمایاں ہے۔ کہ ان تحریکات کے بانی ان غیر اسلامی فلسفوں سے حد درجہ متاثر تھے
ر یہ فلسفہ ان کے احساسات وشعور پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ انھوں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر اس سانچے میں
سلامی تعلیمات کو ڈھالنے کی کوشش کی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان تحریکات میں اسلام کا مطلوبہ توازن اور اس کی معروف
بیاں باقی نہ رہیں۔ اسلام کی اس جدید تعبیر میں مقاصد کو ذرائع کا اور ذرائع کو مقاصد کا درجہ دیدیا گیا ہے۔ نماز
زہ، زکوٰۃ اور دوسری خالص عبادات حصول اقتدار وسلطنت کا ذریعہ قرار دیدی گئی ہیں۔ اور انھیں حکومت
کرسی تک رسائی کے لیے محض ٹریننگ کورس تصور کر لیا گیا ہے۔ اور حکومت واقتدار کو اصل گوہر مقصود سمجھ
یا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ :

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا — یعنی اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار دیدیں تو وہ نماز قائم
صلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف — کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، بھلائی کا حکم کریں گے اور برائی
نھوا عن المنکر۔ — سے روکیں گے

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اقتدار اصل مقصود نہیں بلکہ ذریعہ ہے۔ اصل مقصود وہ عبادتیں ہیں جنھیں قائم
رنے میں اقتدار سے مدد لی جاسکتی ہے۔

بہر حال سلطنت واقتدار کو اصل گوہر مقصود قرار دینے کے بعد مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ کارل مارکس کی اشتراکیت

اور مغرب کی جمہوریت سے چند ہڈیاں مستعار لے کر ایک نیا اسلامی نظامِ سیاست مرتب کیا گیا اور اسلامی خلافت — خلافتِ راشدہ — کو بھی زبردستی اسی "مارکسی جمہوریت" کا تنگ انسانیت لباس پہنا دیا گیا۔ اس جدید فلسفۂ سیاست کا فوری اثر تو ظاہر نہ ہوا لیکن جیسے جیسے یہ ذہنوں میں بیٹھتا گیا اور اس اندازِ فکر پر نوجوانوں کی تربیت ہوتی گئی اس کے غیر معمولی اثرات و نتائج بھی سامنے آتے گئے۔ چنانچہ اب حالت یہ ہے کہ اس فلسفے کی زد میں آئے ہوئے طبقے کے سیاسی جذبات اس درجہ بھڑک چکے ہیں کہ اسے اسلامی عبادات اور اسلامی آدابِ زندگی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ نہ نماز کی پابندی نہ روزے کی پروا نہ زکوٰۃ کا اہتمام نہ حج میں دلسوزی۔ بس حصولِ اقتدار کی تدبیروں میں غلطاں و پیچاں ہیں اور اس کی صبحِ موہوم کے انتظار میں ابھی سے اسلامی اخلاقیات کو تج کر مکر و فریب، دغابازی و چالبازی، جوڑ توڑ، کاٹ پیچ، سازش و دسیسہ کاری، تفریق و انتشار اور پارٹی بندی وغیرہ کی ساری خوبو اپنا لی ہے۔ جو موجودہ دور کے غیر اسلامی نظامہائے سیاست کا طرۂ امتیاز ہے۔

پچھلے مصلحین و مجددین نے اسلامی سیاست کو نظر انداز نہیں کیا تھا، لیکن انھوں نے اس توازن کو بگڑنے نہیں دیا تھا جو اسلامی عقائد و عبادات اور احکام و سیاست کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ان کے اقدامات سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے حالات کا تجزیہ کرنے اور اس کی روشنی میں مناسب قدم اٹھانے کے سلسلے میں زیادہ فراست اور دقتِ نظر سے کام لیا تھا۔ اسی لیے ان کی کوششوں کے نتائج قابلِ قدر بھی تھے اور متوازن اور مفید بھی۔

اسلامی دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کو دیکھنا چاہیے کہ امتِ مسلمہ کے اندر اسلامی نقطۂ نظر سے عقائد و عبادات اور احکامِ الٰہی کی پابندی و بجاآوری میں کہاں کہاں خلا اور خلل ہے۔ پھر ایسی حکمتیں اور تدبیریں بروئے کار لائی جائیں کہ یہ خلا پر کیا جاسکے۔ اور یہ خلل اور خامی دور کیا جاسکے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مگر کرنے کا کام یہی ہے۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون

مسلم نسل کشی

فسادات ہندوستانی زندگی کا معمول بن چکے ہیں۔ ان فسادات کو برپا کرنے کے لیے خواہ جو بھی عنوان اختیار کیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا اصل سبب مذہبی عصبیت اور فرقہ وارانہ منافرت ہے۔ اب یہ فسادات نسل کشی کا رخ اختیار کر چکے ہیں۔ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے مسلمانوں کی نگاہیں مختلف سمت اٹھتی ہیں۔ کبھی وہ حکومت کی طرف دیکھتے ہیں، کبھی اپنے قائدین سے آس لگاتے ہیں، کبھی بیرونی دنیا خصوصاً عالم اسلام کی طرف سے دباؤ کا انتظار کرتے ہیں، اور کبھی خود اپنے ماحول کے اندر اس کا علاج ڈھونڈتے ہیں

جہاں تک حکومت اور انتظامیہ کا معاملہ ہے تو اس کی روش ایک کھلی کتاب ہے ، اور اس بارے میں کچھ عرض کرنا بے سود اور لغو ہے ۔ مسلم قائدین کی حیثیت بھی نمایاں ہے ۔ ان میں ایک طبقہ تو کھلے طور پر ایسا ہے جو اپنی لیڈری، شہرت ناموری اعزاز اور ہوس زرگری کے لیے مسلمانوں کے مصائب و مشکلات اور افتاد و آفات کا کھلم کھلا استعمال کرتا ہے ۔ اس کے پاس پرفریب نعروں اور جھوٹے احتجاج کے سوا کچھ ہے ہی نہیں ۔ البتہ ایک دوسرا طبقہ ایسا ہے ہے جو واقعی مخلص اور ہمدرد ہے ، لیکن وہ خود حیران و سرگرداں ہے کہ اس مصیبت کا علاج کیا کرے ؟ وہ تڑپتا اور چیختا ضرور ہے لیکن اس کا ناقص تدبیر ہماری مشکلات کی عقدہ کشائی کی صلاحیت سے محروم نظر آتا ہے ۔ اس کی لیڈرانہ ساخت اور سیاسی حدبندیاں بھی کچھ ایسی ہیں کہ وہ درحقیقت اس راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہیں ۔ خواہ یہ لیڈر اس کا شعور رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں ۔

بیرونی دنیا سے کسی دباؤ اور اس کے اثرات کا انتظار بھی فضول ہے ۔ صرف ایک ہی صورت باقی رہتی ہے کہ عام مسلم باشندے مقامی طور پر اپنے اپنے ماحول کی روشنی میں اپنے تحفظ کی تدبیروں پر عمل پیرا ہوں ۔ ہمارے اندر دو بہت بڑی کمزوریاں ہیں جو تقریباً ملک گیر ہیں ۔ اور یہی ہمارے لیے مشکلات کے دروازے کھولتی ہیں ۔ ایک کمزوری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق صحیح دائرے میں قائم نہیں رہ گیا ہے ۔ ہمارے ذوقِ عبادت کو گھن لگ چکا ہے ۔ آہِ سحرگاہی ختم ہو چکی ہے اللہ سے عرض و معروض اور دعا و مناجات کو ہم نے اپنے دائرۂ تدبیر و عمل سے نکال دیا ہے ۔ حالانکہ اصل مدد و حفاظت تو اللہ ہی کی ہے ۔ ارشاد ہے ۔ إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ؟ ۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہی تمہاری مدد سے اپنا ہاتھ کھینچ لے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرسکے گا ۔ ؟

ہم میں دوسری بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم اپنی حفاظت کی تدابیر سے خود غافل ہو چکے ہیں ۔ ہم میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اپنے گھر کی عورتوں اور بچیوں کی زیب و زینت کے لیے ہزار ہا ہزار کے زیورات خرید لیتے ہیں ۔ لیکن ان زیورات کو لوٹنے کے لیے جو ظالم اور خونخوار ہاتھ بڑھتا ہے اسے روکنے کے لیے چند روپیوں میں لکڑی یا لوہے کا ایک ٹکڑا نہیں خرید سکتے ۔ حالانکہ حفاظتی انتظام اتنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو بھی مستثنیٰ نہیں قرار دیا ہے ۔ اور نہ صرف دعا و مناجات کو کافی بتلایا ہے بلکہ خطرے کے وقت میں عین حالت نماز میں بھی ہتھیار سنبھالے رکھنے کی تاکید کی گئی ہے ۔ یہ عجیب بات ہے کہ مقامی طور پر کسی اجتما

اور غیر متوقع صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہم قطعاً غیر منظم ہیں۔ باہمی کشاکش و کشمکش اس پر مستزاد۔ ایسا ضرور ہوتا ہے کہ ہم پر جب کوئی افتاد پڑجاتی ہے۔ اور ہم کسی فساد کی لپیٹ میں آجاتے ہیں تو ہمارا احساس بیدار ہوتا ہے۔ اور ہم لٹ پٹ چکنے کے بعد بچاؤ کے انتظامات شروع کرتے ہیں۔ جسے تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ بالکل غیر دانشمندانہ روش ہے۔ اسی کے بارے میں کہا گیا ہے: مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد۔ یعنی جو گھونسا لڑائی ختم ہونے کے بعد یاد آئے اسے اپنے ہی کلے پر مار لینا چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ ہم جب تک حفاظتی انتظامات سے غافل اور پراگندہ رہیں گے اور اپنی قوت بازو سے اپنے پر مصائب حالات کا رخ موڑنے کی کوشش نہیں کریں گے، اس وقت تک ہماری مشکلات کا مداوا نہیں ہو سکتا۔ کہ ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔ وہ کائنات کے جس حصے کا رخ جب چاہے، کسی کی مدد اور کسی کے انتقام کی جانب موڑ سکتا ہے، لیکن اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تک سے مدد کا جو وعدہ کیا تھا اسے دو شرطوں کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا۔ ایک یہ کہ تقویٰ کی روش اپناؤ۔ اور دوسرے یہ کہ اپنی حفاظت کی تدبیریں کر لو۔ اور وقت پڑنے پر ڈٹ جاؤ۔ ارشاد ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم۔ اے اہل ایمان! اپنی حفاظت اور بچاؤ کا بندوبست کرو۔ نیز ارشاد ہے:

بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ مسومین۔ کیوں نہیں، یقیناً اگر تم ڈٹے رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا اور تمہارے دشمن اسی جوش غضب میں بڑھے چلے آئے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار نشان لگے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم اللہ سے تعلق استوار کر کے اپنی حفاظت کا انتظام خود کر لیں تو ان شاء اللہ ہمارے مصائب و مشکلات کا نوے فی صد حصہ ختم ہو جائے گا۔ اور تھوڑی سی جو آزمائش باقی رہے گی وہ ان شاء اللہ ہمارے اعزاز و سربلندی کا ذریعہ ہوگی، اور حیات جاوداں کا سبب۔ کہ آزمائش ہی میں راز حیات پنہاں ہے۔

ترے سینے میں پوشیدہ ہے راز زندگی کہہ دے مسلماں سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے

●●●

آیات و انوار

مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری

مغز عبادت یعنی دُعا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ؕ
یعنی اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو خدا کے علاوہ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔
عبادالرحمٰن کی چھٹی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ خدا کے علاوہ کسی کو اپنا حاجت روا نہیں سمجھتے اور نہ کسی اور سے اپنی ضروریات کے طالب ہوتے اور دعائیں کرتے ہیں۔ اس آیت کے سلسلے میں سب سے پہلے دعا پر روشنی ڈال دینا مناسب ہے۔

دعا دعا کے لغوی معنی ہیں۔ فریاد کرنا، عرض کرنا، پکارنا۔ اصطلاح میں دعا ایک درخواست ہے جو ایک فقیر و لاچار۔ بے بس و مجبور اور بے سہارا۔ دکھی۔ گنہگار و عاصی۔ مریض، مفلوک الحال، مصیبت زدہ پریشان حال بندہ ایک عظیم الشان و باعظمت حاکم یعنی خدا کے قہر و جلال کے سامنے تضرع وابتہال سے گڑگڑا کر پیش کرتا ہے جس کی خوبیوں کا کوئی شمار نہیں۔ جس کی تعریفوں کی کوئی انتہا نہیں۔ جس کی عظمتوں کی کوئی حد نہیں جو رازق و جبار ہے۔ غنی و مختار ہے۔ عالم الغیب ہے۔ خالق کائنات ہے۔ مالک ارض و سما ہے۔
مسلمان کو اسی ذات واحد، مالک ارض و سما سے اپنی حل مشکلات و کشائش حالات کے لئے دعا کرنی چاہئے اور دعا کی قبولیت کے کئی آداب و شرائط ہیں جن کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک نمونہ کی حیثیت سے قیامت تک کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ آپ کی زندگی پر نظر ڈالئے تو واضح ہوگا کہ آپؐ کے ہر فعل کا آغاز و انجام دعا پر تھا۔ بستر پر آرام کرنے چلے تو دعا۔ اور سو کر اٹھے تو دعا۔ مسجد میں داخل ہوئے تو دعا۔ مسجد سے باہر نکلے تو دعا۔ وضو کرنے سے پہلے دعا۔ وضو کے بعد دعا، رنج و غم کی حالت میں دعا، خوشی و مسرت میں دعا، سفر کی ابتدا ہو تو دعا۔ انتہا ہو تو دعا۔ ایام قحط سالی ہو تو دعا۔ اور کثرت باراں ہو تو دعا، صحت و تندرستی میں دعا، بیماری و مرض کی شدت میں دعا۔ جنگ کے خطرات میں دعا۔ امن کی

حالت میں دعا۔ غرض زندگی کا کوئی مرحلہ ہو دعاؤں سے خالی نہیں۔ نازک سے نازک حالات میں کٹھنائی و مشکلات میں اور عیش وطرب میں، رنج وکرب میں۔ سفر میں۔ حضر میں۔ غرض ہر مرحلۂ زندگی میں آپ خدا سے اور صرف خدا سے دعائیں کرتے تھے۔ اور آپ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام اپنے ہر مرحلۂ زندگی میں خداوند کریم سے دعائیں مانگتے تھے چنانچہ ہر قسم اور ہر موقع کی دعائیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

(۱) اولاد نہ ہو تو اس کے لئے یہ دعا کی گئی۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ (صفت) اے میرے پروردگار میرے لئے نیکوکاروں میں سے (ایک اولاد) عطا فرما۔ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مانگی تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے

(۲) شفائے مرض کی دعا یہ ہے۔ رَبِّ اِنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ میرے پروردگار مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ اور تو ارحم الراحمین ہے۔ یہ دعا حضرت ایوب علیہ السلام نے مانگی تو دعا قبول ہوئی۔ اور بیماری سے نجات پائی۔

(۳) ظالم کے ظلم سے نجات پانے کی دعا یہ ہے وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔

(۴) مقدمہ میں فتح کی دعا یہ ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔ اے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے

(۵) سفر میں آرام ملنے کی دعا یہ ہے۔ رَبِّ اَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا۔ اے میرے پروردگار! مجھے سچائی کی جگہ داخل کر۔ اور سچائی کے ساتھ نکال۔ اور میرے لئے اپنے پاس سے ایک مددگار قوت عطا کر۔

(۶) منزل مقصود پر خیر وبرکت ملنے کی دعا یہ ہے۔ رَبِّ اَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ۔ اے میرے پروردگار! مجھے مبارک جگہ اتار اور تو بہترین اتارنے والا ہے۔

(۷) زیادتی رزق کی دعا یہ ہے۔ رَبِّ اِنِّي لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (قصص) پروردگارا! تو میری طرف جو بھلائی اتارے۔ میں اس کا محتاج ہوں۔

(۸) دارین کی سعادتوں کے لئے ایک جامع دعا یہ موجود ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ) اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی

دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اس طرح کی اور بھی بے شمار دعائیں ہر موقع کے لئے موجود ہیں ان دعاؤں میں تمام انبیاء کرام نے صرف اللہ سے دعائیں مانگی ہیں کسی اور کا وسیلہ طلب نہیں کیا تھا اور صفت ربوبیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یا رب کہہ کر دعائیں مانگی ہیں کیونکہ فی الحقیقت خدا ہی پالن ہار اور مجیب الدعوات ہے۔

اس طرح کی تمام دعائیں اگر یکجا کی جائیں تو ایک بڑی ضخیم کتاب بن سکتی ہے اس قسم کی بڑی بڑی کتابیں کافی تعداد میں موجود ہیں جن میں تفصیل کے ساتھ وقت وقت کی دعائیں درج ہیں۔ مولانا عبدالسلام صاحب کی کتاب "اسلامی وظائف" اس سلسلہ میں ایک جامع کتاب اور قابل مطالعہ ہے۔

کتاب وسنت کی یہ خاص تعلیم ہے کہ مرد مومن کو صرف خدا سے دعائیں کرنی چاہئیں اور کوئی بھی وقت ہو اور کیسا ہی موقع ہو صرف اپنے رب کے حضور سر جھکانا چاہئے اور اسی سے التجا رو استدعا کرنی چاہئے اور غیر اللہ سے کوئی کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔ کسی نے توحید فی الدعاء کے سلسلہ میں کیا خوب توحید سے لبریز بات کہی ؎

وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

خدا فرما چکا قرآں کے اندر — مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر

جو خود محتاج ہووے دوسروں کا

بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

دعا کے آداب و شرائط

پہلی بات تو یہ ہے کہ آدمی کو اخلاص وحضور قلب اور انکساری و خشوع و خضوع سے دعا کرنی چاہئے ارشاد ہے۔ ادعو ربکم تضرعًا یعنی اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا کرو۔ دعا میں حقیقی ابتہال و تضرع پیدا کرنے کی ضرورت ہے ایسی دعا مانگے کہ تضرع و عاجزی سے انسان ہمہ تن دعا بن جائے۔

ایسے لوگوں کی بڑی تعریف بیان ہوئی ہے جو اپنی حاجت کو رغبت سے طلب کرتے ہیں ارشاد ہے۔ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا یعنی وہ لوگ بھلائیوں کی طرف دوڑتے تھے اور ہم کو شوق و ڈر سے پکارتے تھے۔

۲۔ اپنے گنہگار و خطاکار ہونے کا اعتراف کرے اور آئندہ احتیاط کا عہد کرتے ہوئے دعا مانگے۔

۳ - اپنے نیک کاموں کا واسطہ دے کر دعا کرے اس سے دعا قبول ہوتی ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے کہ تین آدمی سفر میں تھے۔ بارش آگئی تو بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوگئے اوپر سے ایک پتھر گرا غار کا دہانہ بند ہوگیا ہر ایک نے اپنے نیک اعمال کے واسطہ سے اخلاص کے ساتھ دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی اور ان کو اس مصیبت سے نجات دیدی۔ (بخاری)

۴ - دعا سے پہلے وضو کرکے دو رکعت نفلی نماز پڑھنی مسنون ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من توضأ فاحسن الوضوء ثم صلی رکعتین فدعا ربہ الا کانت دعوتہ مستجابۃ معجلۃ او موخرۃ (طبرانی) یعنی جس نے اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنے رب سے دعا کی تو اس کی دعا دیر سویر ضرور مقبول ہوگی۔

۵ - دعا سے پہلے اور دعا کے آخر میں حمد و ثنا (یعنی اللہ کی تعریف) اور صلوٰۃ یعنی درود شریف پڑھنا چاہئے اس سے دعا میں خیر و برکت اور قبولیت آتی ہے۔ (ترمذی)

الفاظ دعائیہ کو بار بار کر کے پڑھنا چاہئے اور دعا میں جلدی نہیں کرنی چاہئے اور جب تک دعا قبول نہ ہو دعا کرتے رہنا چاہئے اور کبھی نہ کہنا چاہئے کہ میں اتنے دنوں سے دعا کر رہا ہوں قبول نہیں ہوتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یستجاب لاحدکم مالم یعجل یقول دعوت فلم یستجب لی یعنی تمہاری دعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ جلدی نہ کرو۔ جلدی یہی ہے کہ کہو میں دعا کرتا ہوں قبول نہیں ہوتی۔

۶ - قبول دعا کے لئے ایک بڑی شرط یہ بھی ہے کہ آدمی صرف اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اور غیروں سے التجا اور استدعا کرنے کا خیال دل سے یکدم نکال دے یعنی اگر آدمی اللہ سے دعا مانگے اور تعزیہ سے اور اجمیر و بہرائچ کے مزارات سے بھی مرادیں پوری کرنے کا طالب ہو تو، تو یہ شرک ہوگا ؎

خدا سے اور بزرگوں سے بھی کہنا
یہی ہے شرک یارو اس سے بچنا

الغرض صرف خدا سے دعا کرنے پر قبولیت کا وعدہ ہے ارشاد ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی صرف مجھ کو پکارو تمہاری دعا میں قبول کروں گا دوسری جگہ ارشاد ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ یعنی میں دعا کرنے

والے کی دعا قبول کرتا ہوں جبکہ وہ خالص مجھ کو پکارے۔ ارشاد ہے فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کو اخلاص سے پکارو اور دعا کرو۔ اگر اس طرح سے پوری حاضری قلب اور تضرع و عاجزی و اخلاص اور دعا کے دیگر آداب پر عمل کرتے ہوئے آدمی دعائیں کرے تو ایسی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔

۷۔ قبولیت دعا کی ایک اور بڑی شرط یہ ہے کہ حرام چیزوں کے کھانے پینے سے پرہیز کرے اور گناہ و ظلم وغیرہ اعمال سے باز رہے۔ حرام خوری اور ظالمانہ اعمال سے باز نہ رہنے پر دعاؤں کا کچھ اثر اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا لیکن جب صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے گی اور اس میں تضرع و ابتہال و عاجزی اور ظلم و حرام سے پرہیز کی شان ہوگی تو دعا ضرور قبول ہوگی۔ چنانچہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے مخلص و باعمل بندوں کی دعائیں قبول ہوتی رہیں۔ دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مخلصانہ اور موحدانہ دعا کی خیر و برکت

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی میں توحید فی الدعا کی خیر و برکت کے سلسلہ میں ایک بہترین واقعہ لکھا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو معلق انصاری صحابی بڑے ہی متقی اور تاجر شخص تھے ایک بار وہ اپنا مال لے کر باہر سفر پر نکلے۔ اتفاقاً راستہ میں ایک ڈاکو سے مڈبھیڑ ہو گئی اس نے کہا کہ جو کچھ سامان ہے رکھ دے ورنہ تیرے جان کی خیر نہیں۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جان کی لالچ میں مال اس کے حوالہ کر دیا۔ اس نے مال پر قبضہ کرنے کے بعد کہا کہ مال تو میرا ہو ہی چکا لیکن جان بھی لونگا۔ صحابی نے بہت اصرار کیا لیکن وہ ان کی جان کے درپے رہا۔ جب بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے چار رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی اس نے مہلت دیدی۔ آپ نماز پڑھنے لگے۔ چوتھی رکعت کے آخری سجدہ میں آپ نے یہ دعا فرمائی۔ يَا وَدُوْدُ يَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ يَا فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ. أَسْئَلُكَ بِعِزِّكَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ وَبِمُلْكِكَ الَّذِيْ لَا يُضَامُ وَبِنُوْرِكَ الَّذِيْ مَلَأَ أَرْكَانَ عَرْشِكَ أَنْ تَكْفِيَنِيْ شَرَّ هٰذَا اللِّصِّ. يَا مُغِيْثُ أَغِثْنِيْ. يَا مُغِيْثُ أَغِثْنِيْ. يَا مُغِيْثُ أَغِثْنِيْ۔ ابھی آپ سجدہ میں گرے یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ ایک سوار نیزہ لے کر حاضر ہوا اور ڈاکو کو قتل کر کے صحابی کی طرف متوجہ ہوا کہ تم اپنا سر اٹھاؤ۔ تمہارا دشمن ختم ہو چکا ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے سر اٹھا کر دیکھا کہ دشمن کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔ پوچھا آپ کون ہیں؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں۔ آپ کی

دعا سے عرش کے فرشتوں میں ہلچل مچ گئی۔ میں نے خدا سے استدعا کی کہ مجھے اس ظالم کے قتل کا حکم دے۔ خدا نے اجازت دی اور میں آپ کی مدد کے لئے حاضر ہوا اور ظالم کو قتل کردیا۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

(دیکھئے الجواب الکافی لمن سأل عن دواء الشافی ص۱۱)

اسی طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ ایک بار آپ سفر کر رہے تھے راستہ میں چلتے چلتے تھک گئے تو ایک جگہ پہنچ کر آپ نے کرایہ پر خچر لیا۔ خچر والے نے کہا میں پورے سفر تک آپ کو نہیں لے جاؤں گا بلکہ صرف آدھی دور تک لیجا کر اتار دوں گا۔ آپ اس کی شرط پر راضی ہو گئے لیکن یہ خچر والا دراصل ڈاکو تھا۔ راستہ چلتے چلتے وہ ایک جنگل کی طرف مڑ گیا۔ حضرت زید نے کچھ استفسار کیا تو اس نے کہا کہ ادھر سے آپ کی منزل قریب ہو جائیگی اس جنگل میں ایک غار کے قریب پہونچا تو اس نے آپ کو خچر سے اتر جانے کو کہا اور تلوار کھینچ لی اور قتل کے درپے ہوا۔ آپ نے ڈاکو سے صرف دو رکعت نماز کے لئے اپنی آخری خواہش ظاہر کی اس نے آپ کو آخری خواہش پوری کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو کہا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ ایک کڑک دار آواز آئی کہ خبردار! اور تلوار قاتل کے ہاتھ سے گر پڑی لیکن جب کسی کو قاتل نے آتے جاتے نہیں دیکھا تو پھر تلوار اٹھائی۔ آپ نے دوبارہ کہا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ پھر ایک گرجتی ہوئی آواز آئی کہ خبردار! انھیں قتل نہ کرنا ہم پہنچ گئے ہیں۔ آواز کی ہیبت سے پھر قاتل کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی لیکن پھر کوئی نہیں پہنچا تو اس نے پھر تلوار اٹھائی آپ نے پھر تیسری بار کہا۔ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اب کیا دیکھتے ہیں کہ دشمن کا سر کٹ کر الگ پڑا ہوا ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اس غیبی مدد دینے والے سے پوچھا کہ اے میرے بھائی آپ کون ہیں؟ کہا میں فرشتہ ہوں خدا کے حکم سے میں اس کے قتل کے لئے حاضر ہوا۔ جب آپ نے پہلی بار یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ کہا تو میں ساتویں آسمان پر تھا۔ جب دوسری بار آپ نے یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ کہا تو میں آسمان دنیا پر پہنچ چکا تھا۔ جب آپ نے تیسری بار یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ کہا تو میں اس ظالم ڈاکو

کی گردن پر پہنچ چکا تھا۔ (استیعاب ج۱۲ ص۲۷۸)

پریشان حال بیکس لاچار کی دعا قبول ہوتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی پریشان حال بندہ سوز قلب، اور رقت و خلوص سے بارگاہ ایزدی میں اپنی درخواست پیش کرتا ہے تو وہ درخواست ضرور قبولیت سے نوازی جاتی ہے۔ ارشاد ہے۔ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۔ یعنی جب پریشان حال، حالت اضطرار میں خدا کو پکارتا ہے تو خدا کے سوا اس کی دعا کو کون قبول کرتا ہے؟ اور کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی بے بسی ولاچاری پر مدد کی درخواست کی تھی فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ۔ پس نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا کہ اے خدا میں بے بس ولاچار ہوں میری مدد فرما تو خدا نے ان کی پوری مدد فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام کی ساری کی ساری قوم غرق کر دی گئی۔

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں ڈالے گئے تو اس عالم بے چارگی و بے بسی میں خدا کے حضور دل کی بے پناہ گہرائیوں سے حق تعالیٰ سے فریاد کی۔ اس کا نقشہ قرآن مجید نے اس طرح کھینچا ہے فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ ۔ یعنی یونس علیہ السلام نے تاریکیوں میں پکارا کہ خدایا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے میں ظالموں میں سے ہوں۔ تو ہم (خدا) نے ان کی فریاد سن لی اور انہیں غم سے نجات دیدی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں۔

۲ ـ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جا کر اس ظلمات میں خدا سے حالت اضطراب و اضطرار میں دعا کرنے سے کامیاب ہوئے اسی طرح سلف میں ایک بزرگ نے قبر میں ڈالے جانے کے بعد حالت اضطرار میں نجات کی دعا مانگی اور ان کو خلاصی و رہائی ملی۔

خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی نے صاحب تفسیر امام ناصر الدین بُستی کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ امام ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ بیمار پڑے اور اس بیماری میں آپ کو سکتہ کا مرض ہوگیا۔ اعزہ و اقرباء نے آپ کو مردہ

تصور کرکے دفن کر دیا رات کے وقت آپ کو ہوش آیا خود کو مدفون دیکھا سخت متحیر ہوئے اس حیرت و پریشانی و اضطراب کے عالم میں آپ کو یاد آیا کہ جو شخص حالت پریشانی میں چالیس مرتبہ سورہ یٰسین پڑھتا ہے رب کریم اس کے اضطراب و پریشانی کو رفع کرتا ہے اور اس کی اضطراری و اضطرابی کیفیت کو بدل دیتا ہے یہ سوچ کر سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کی آپ انتالیس مرتبہ پڑھ چکے تھے کہ کشادگی کا اثر ظاہر ہوا اور وہ یہ تھا کہ کفن چور نے کفن چرانے کی نیت سے آپ کی قبر کھود دی تھی۔ امام موصوف نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ یہ کفن چور ہے بس اس خیال سے کہ مبادا یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص زندہ مدفون ہے تو یہ کفن چور اپنے ارادہ سے باز نہ رہے آپ نے چالیسویں مرتبہ اتنی دھیمی آواز سے پڑھنا شروع کیا کہ کوئی دوسرا شخص سن نہ سکے اور جب آپ نے چالیسویں بار تلاوت پوری کی تو یہ کفن چور بھی اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ آپ اٹھ کر قبر سے باہر آگئے کفن چور نے جب یہ ماجرا دیکھا تو ہیبت سے دہل گیا اور وہ اسی جگہ خوف کھا کر گر پڑا اور مر گیا۔ امام صاحب کو اس کی ہلاکت پر بہت افسوس ہوا اور اپنے دل سے کہا کہ تو نے اس قدر جلدی کیوں کی اس کو اپنا کام کر لینے دیا ہوتا اور پھر باہر نکلتا ـــــ الغرض پشیمان ہوتے ہوئے باہر آئے اور خیال کیا کہ اگر میں فوراً شہر چلا جاؤنگا تو لوگوں کو اس حال کے وقوع سے پریشانی و حیرت و ہیبت ہوگی خوف کھائیں گے بس آپ رات ہی کو شہر میں گئے اور ہر محلہ کے دروازے کے آگے پکارتے تھے میں ناصر لبنی ہوں تم لوگوں نے مجھے سکتہ کی حالت میں دیکھ کر غلطی سے مردہ تصور کیا اور دفن کر دیا حالانکہ میں زندہ ہوں۔

اس واقعہ سے سورۂ یٰسین کی خاصیت و برکت اور مضطر کی دعا کی قبولیت خوب اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔
(فوائد الفواد صلى ۱۴۲)

ع۳ حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب میں ایک بڑا ہی عجیب واقعہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک آدمی کا بیان تھا کہ میں خچر پر لوگوں کو دمشق زبدانی لے جایا کرتا تھا اسی کرایہ پر میری گذر بسر ہوتی تھی۔ ایک بار ایک اجنبی شخص نے میرے خچر کو کرایہ پر لیا۔ میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا ایک جگہ جہاں دوراہا تھا وہاں پہنچ کر اس نے کہا کہ اس راہ پر چلو۔ چونکہ یہ راہ میرے لئے اجنبی تھی اس لئے میں نے معذرت کی کہ اس راہ سے میں واقف نہیں ہوں۔ سوار نے کہا کہ میں اچھی طرح واقف ہوں۔ بہت نزدیک راستہ ہے۔ میں اس کے کہنے سے اسی راستہ پر چلنے لگا۔ تھوڑی دور پہونچ کر ایک لق و دق میدان دیکھا جگہ جگہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں، سامنے خوفناک جنگلات

کا سلسلہ دور تک پھیلا چلا گیا تھا یہاں پہونچ کر اس نے کہا کہ مجھے یہاں سواری سے اتار دو میں نے سواری کی باگ تھام لی۔ وہ شخص اتر پڑا۔ اپنا تہ بند رانوں تک چڑھا لیا اور چھری نکال لی۔ اس کے خطرناک ارادے کو بھانپ کر میں بھاگنے لگا اس نے تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔ میں نے ہزار منت وسماجت کی۔ خدا کا خوف دلایا قسمیں کھائیں لیکن وہ کسی طرح مجھے معاف کرنے پر تیار نہیں ہوا۔ میں نے اس سے عاجزانہ درخواست کی کہ میرا سارا اثاثہ لے کر میری جان بخش دے لیکن اس نے ایک نہ سنی اور میری جان کے درپے رہا بالآخر میں نے اس سے آخری التجا کی کہ مجھے دو رکعت نماز ادا کرنے کی مہلت عطا کر دے۔ اس نے مجھے مہلت عطا کر دی۔ نماز تو میں نے شروع کر دی لیکن مارے خوف کے حواس قابو میں نہ تھے اور الفاظ زبان سے نکل نہیں رہے تھے۔ یونہی دہشت زدہ کھڑا رہا کہ اچانک یہ آیت میری زبان پر آگئی۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ یعنی خدا کے سوا کون ہے جو بے قراروں کی بے قراری میں ان کی دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے۔

اس آیت کا جاری ہونا تھا کہ میں نے دیکھا بیچوں بیچ جنگل سے ایک تیز رفتار سوار نمودار ہوا جس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ بڑی تیزی سے وہ ہماری طرف بڑھتا چلا آرہا تھا اور بغیر کچھ کہے اس نے ڈاکو کے پیٹ میں اسکو پیوست کر دیا جو جگر کے آرپار ہو گیا ڈاکو نے وہیں دم توڑ دیا۔

سوار جب جانے لگا تو میں سامنے آگیا اور پوچھا آپ کون ہیں اسنے کہا کہ میں اس ذات کا بھیجا ہوا ہوں جو بیکسوں کی فریاد اور مظلوموں کی آہ سنتا ہے۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنا مال واسباب لے کر واپس صحیح وسالم لوٹ آیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

خوف وطمع کے ملی جلی کیفیات سے دعا مقبول ہوتی ہے

یہ واضح ہے کہ اگر ایک طرف اللہ کی ناراضگی کا خوف دامن گیر ہو اور دوسری طرف اس کی خوشنودی کی خواہش دل میں موجزن ہو یعنی یہ دونوں کیفیتیں انسان کے دل میں پیدا ہو جائیں تو وہ انتہائی ادب واحترام سے دعا کرے گا۔

قرآن مجید میں یہی صفت مومنین کی بیان فرمائی گئی ہے ارشاد ہے۔ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا یعنی مومن بندے اپنے پروردگار کو خوف وامید کی حالت میں پکارتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ دلی آہ وزاری اور بے قراری دعا کی مقبولیت میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

یقین قبولیت دعا کے لئے ایک لازمی شرط ہے

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے تشریف لائے پوچھا ماتشتکی آپ کو کیا شکایت ہے؟ فقال ذنوبی فرمایا گناہوں کے بوجھ کی تکلیف، فرمایا ماتشتھی آپ کی خواہش کیا ہے؟ فرمایا بس رحمت خداوندی۔ پوچھا کوئی طبیب علاج کے لئے بھیج دوں؟ فرمایا میرے لیے طبیب کامل حق تعالیٰ ہی ہے اور وہی شفا بھی دے سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا۔ کیا آپ کے لئے عطیہ اور وظیفہ روانہ کر دوں؟ فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ کو اس کی ضرورت نہ ہوئی تو آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اتخشی علی بناتی الفقر انی امرتھن ان یقرءن فی کل لیلۃ سورۃ الواقعۃ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۱۹۱) یعنی کیا آپ میری بچیوں کے محتاج ہونے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ سنئے! ایسا کبھی نہ ہوگا کیونکہ میں نے سب بچیوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات خود سنی ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے وہ ہرگز فاقہ سے دوچار نہ ہوگا۔

اس واقعہ کی روشنی میں دیکھئے کہ صحابہ کرام کو دعاؤں کی مقبولیت کا کتنا کامل یقین اور مکمل ایمان ہوتا تھا آج دعا کے ساتھ اس یقین و اعتماد کی ضرورت ہے اور یقین سے محرومی بہت بڑی بدنصیبی ہے۔

دعاؤں کے پڑھنے والے اس طرح کے یقین اور توکل علی اللہ سے کام لیں اور اس کو حصول مراد کی ایک باطنی و روحانی تدبیر اور وسیلہ سمجھیں تو خدا ایسے مخلصین کی دعائیں بھی رائیگاں نہیں کرے گا۔

مئے یقیں سے ضمیر حیات ہے پرسوز
نصیب مدرسہ یارب یہ آب آتش ناک

مختصر

سگریٹ (تمباکو) نوشی ترک کرنے کی تین اہم وجوہات

ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد پاکستان

تمباکو نوشی (بشمول نسوار) اپنی تمام صورتوں میں انسانی صحت کے لئے خطرناک ہے۔ کیونکہ تمباکو میں تارکول اور نکوٹین شامل ہوتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں زہریلی ہیں۔ اگر کوئی شخص سگریٹ یا حقہ کی شکل میں تمباکو پیتا ہے تو وہ پائپ کے ذریعے تارکول اور نکوٹین اپنے اندر جذب کرتا ہے۔

بین الاقوامی ادارہ صحت کے شائع کردہ اعداد و شمار کے مطابق تمباکو نوشی سے کم از کم دس لاکھ افراد سالانہ کے حساب سے لقمۂ اجل بنتے ہیں۔ ان اعداد و شمار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پھیپھڑوں کے سرطان سے ہونے والی ۹۰ فیصدی امراض قلب و اعصاب کی بنا پر ۲۵ فیصد پرانے دمہ کی وجہ سے ۷۵ فیصد اموات [illegible] تمباکو نوشی کے باعث واقع ہوتی ہیں گویا ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر سال کم از کم دس لاکھ مرد و زن تمباکو نوشی سے مرتے ہیں۔

اسی وجہ سے اسلامی شریعت نے نقصان دہ چیزیں استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ [illegible] استعمال کو پسند نہیں کیا جن کی افادیت مشکوک نوعیت کی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لہسن یا پیاز استعمال کرنے والے کو چاہیئے کہ مسجد میں نہ آئے (یعنی نماز باجماعت میں شامل نہ ہو) بلکہ اپنے گھر پر ہی نماز ادا کرلے۔"

مذکورہ بالا حدیث میں ایک آدمی کو نماز باجماعت میں شامل ہونے سے روکا گیا ہے جس کے منہ سے پیاز یا لہسن کی بدبو آرہی ہو۔ تاکہ دوسرے اس بدبو سے پریشان نہ ہوں۔

اگر ہم لہسن یا پیاز کی بدبو کا موازنہ تمباکو نوشی سے پیدا ہونے والی بدبو سے کریں تو معلوم ہوگا کہ عادی تمباکو نوش کے منہ سے آنے والی بدبو ڈوریان (DORIAN) (ایک پھل جو کہ انڈونیشیا اور برما میں پیدا ہوتا ہے) سے کمتر نہیں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص لہسن پیاز یا ڈوریان (DORIAN) کھانے کے بعد سنگترہ یا کھیرا استعمال کرے تو بدبو ختم ہو جاتی ہے۔ جبکہ تمباکو کی بو ختم نہیں ہوتی۔ وہ بدبو ہمیشہ آتی رہتی ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیاز استعمال کرنے والوں کو جماعت میں شامل ہونے سے منع فرمایا ہے تاکہ دوسرے تنگ نہ ہوں۔ تمباکو پینے والوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے اس کا اندازہ آپ خود لگالیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :" اللہ کا رسول تمہیں جس چیز کا حکم دے اسے اختیار کرلو اور جس سے منع کرے۔ اس سے باز آجاؤ۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔" (سورہ الحشر آیت)

اس آیت مبارکہ سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے تحت مسلمانوں کے لئے تمام پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور ناپاک اشیاء کے استعمال کی ممانعت کی ہے۔ تمباکو نوشی کے نقصان دہ ناپاک اور مضر اثرات محتاج بیان نہیں۔ علاوہ ازیں تمباکو نوشی انسان کو عبادت میں کاہل بناتی ہے اور رمضان المبارک میں تمباکو پینے والوں کے لئے روزہ رکھنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ تمام مکاتب فکر کے علماء کی بھاری اکثریت نے تمباکو نوشی کو مکروہ ٹھہرایا ہے (اور بعض نے اسے حرام گردانا ہے) مکروہ سے ایسا فعل مراد ہے کہ اگر نہ کیا جائے تو ثواب ملیگا۔ اگر کبھی کبھار کیا جائے تو قابل تعزیر جرم نہیں تاہم یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مکروہ کا لگاتار ارتکاب قابل تعزیر گناہ بن جاتا ہے۔

مسلمانوں میں تمباکو نوشی کی عادت انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ مصر۔ ایران۔ اور برصغیر کے مسلم فقہاء نے جن کا شمار اس وقت کے ممتاز اصحاب علم وفضل میں ہوتا تھا۔ انسانی جسم پر اس کے اثرات کا عمیق نظر سے جائزہ لیا (یاد رہے کہ قریباً ہر مسلم فقیہ روایتی طور پر ایک تجربہ کار، طبیب " بھی ہوتا تھا) انہوں نے قرار دیا کہ تمباکو ایک نجس اور انسانی جسم کی موزوں نشوونما کے لئے نقصان دہ ہے۔ انہوں نے یہ فتویٰ قرآن کریم کی حسب ذیل آیت کی روشنی میں دیا تھا۔

" (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) اچھی چیزیں لوگوں کے لئے جائز ٹھہراتے ہیں اور ناپاک اشیاء کو حرام قرار دیتے ہیں۔" (سورہ الاعراف آیت نمبر ۱۵۷)

عالم اسلام کے ممتاز فقہاء نے تمباکو نوشی کو ناجائز ٹھہرایا۔ تاہم اس کے خلاف فتویٰ کے نفاذ پر ان کے مابین اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ سرکاری حکم کی شکل میں اسے نافذ کیا جائے جبکہ دوسرے گروہ کا انحصار اس دلیل پر تھا کہ یہ فتویٰ اجتہادی رائے پر مبنی ہے جس میں بھول چوک کا امکان ہے پس اجتہادی رائے کو حکم کی صورت میں لوگوں پر نافذ نہ کیا جائے۔ اس کے بجائے تمباکو پینے والوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ یہ ی

عادت سے باز رہیں۔ بہرحال خلافت عثمانیہ کے ایک مختصر سے دور میں تمباکو نوشی کو حکماً ممنوع قرار دیا گیا اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ تمباکو نوشی غربت۔ افلاس۔ احتیاج اور بیماریوں کا سبب بنتی ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بایں الفاظ خبردار کیا ہے۔

"اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو" (سورہ البقرہ آیت ۱۹۵)

قرآن کریم ہمیں سادگی۔ صفائی اور دوسروں کی خدمت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عمومی اصول یہ ہے کہ۔

"اور کھاؤ اور پیو لیکن بیجا نہ اڑاؤ" (سورہ الاعراف آیت نمبر ۳۱)

سورہ بقرہ میں مکرر ارشاد ہوتا ہے۔

"خدا کی عطا کردہ نعمتیں کھاؤ، پیو لیکن زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔" (سورہ البقرہ آیت نمبر ۶۰)

اللہ کے آخری نبیؐ نے فرمایا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی شخص حرکت نہ کر سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں بازپرس نہ کر لی جائے گی۔

(۱) زندگی ...... کیسے بسر کی ؟ (۲) علم ...... کس کام میں استعمال کیا۔ ؟

(۳) بدن ...... اس سے کس طرح استفادہ کیا۔ ؟ (۴) دولت ...... کیسے کمائی۔ ؟

(۵) دولت ...... کیسے خرچ کی ؟

دولت کا اس سے بڑھ کر بیجا استعمال کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی اسے تمباکو کے دھوئیں کی شکل میں جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ جبکہ گھر۔ خاندان اور قوم کی ضروریات پیسہ نہ ہونے کے باعث ادھوری رہ جاتی ہیں ابھی وقت ہے کہ ہم اس غیر شفایانہ عادت سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور خلوص کے ساتھ اپنے آپ کو مذکورہ بالا پانچ سوالوں کے جواب دینے کے لئے تیار کر لیں۔

تمباکو نوشی ہر لحاظ سے ایک برائی ہے۔ نظام ہاضمہ پر اس کا برا اثر پڑتا ہے اور بھوک گھٹ جاتی ہے بعض لوگوں کی جنسی خواہش کو کمزور کرتی ہے۔ بعض دوسرے لوگوں میں قبض کا سبب بنتی ہے۔ مزید برآں اس سے ہونٹ۔ دانت اور انگلیاں کالی ہوتی ہیں۔ نیز مسوڑوں اور گلے کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ بیماری کے خلاف انسان کی قوت مزاحمت کو کم کرتی ہے۔ یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ پھیپھڑوں کے سرطان اور پیٹ کے ناسور کا ایک اہم سبب تمباکو نوشی ہے۔ اس سے بدتر یہ کہ تمباکو نوشی حرکت قلب بند ہونے کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

ہمارے بہت سے ارباب علم و دانش اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ سگریٹ نوشی کے بغیر وہ کوئی تخلیقی کام نہیں کرسکتے ان کے خیال میں یہ افکار کو جمع کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے اور اس سے انہیں فرحت ملتی ہے۔ طبی تحقیق کی بنیاد پر بلا خوف وخطر تردید کیا جاسکتا ہے کہ یہ تاثر غلط اور خود ساختہ ہے۔ سگریٹ نوشی سے کوئی ذہنی سکون یا اطمینان نہیں ملتا۔ حقیقت میں یہ قوت حافظہ کے لئے نقصان دہ ہے اور ذہن کی یکسوئی پر خلل انداز ہوتا ہے۔

بہت سے نوجوان اس غلط تصور کی بنا پر سگریٹ نوشی کرتے ہیں کہ یہ جنس مخالف میں کشش پیدا کرتی ہے اور انہیں زیادہ حیست۔ ماڈرن اور محبت کے لائق بناتی ہے۔ بہت سے تمباکو نوش اعتراف کرتے ہیں کہ جب انہوں نے تمباکو نوشی شروع کی تو کچھ مزہ نہیں آیا وہ محض دوسرے لوگوں یعنی سیاستدانوں، فلمی ستاروں اور بعض دوستوں کی طرح بننے کے شوق میں ایسا کرتے تھے۔ چونکہ تمباکو کے پتے میں شامل نکوٹین یہ اثر رکھتی ہے کہ عادت پختہ کردے۔ اس لئے شوقیہ پینے والے بھی اس بدنام برائی کے عادی اور غلام بن جاتے ہیں۔

تمباکو نوشی کی ضرررسانی اب تک اچھی طرح واضح ہوجانی چاہیئے اس لئے اسے اپنے فائدے کی خاطر نیز وسیع پیمانے پر دین اور قوم کی بھلائی کے لئے ترک کردینا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے پیسے کی بچت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے فارغ وقت ہاتھ آئے گا نیز افراد اور قوم کو بہت سی بیماریوں سے نجات مل جائے گی۔ انسان اپنے ارادے کا خود مالک بن جائے گا۔ ہمیشہ یاد رکھئے۔ تمباکو نوشی ترک کرنے سے متعلق آپ کا فیصلہ ایک دانشمندانہ اور بروقت اقدام ہے۔

تمباکو نوشی ایسے نہ پینے والوں کو بھی نقصان پہنچاتی ہے جو تمباکو پینے والوں کے شانہ بشانہ بیٹھ کر کام کرتے ہیں سگریٹ کا دھواں فضا کو خراب کرکے نہ پینے والوں کو بیمار۔ بے آرام اور بےچین کرتا ہے۔ گویا اس کے برے اثرات پورے قوم کو متاثر کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

> اے ایمان والو! شراب۔ جوا۔ بت اور پانسے یہ سب ناپاک کام اعمال شیطانی سے ہیں سو ان سے بچو تاکہ تم نجات پاجاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوادے۔ اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے غافل کردے۔ پس کیا تم اس سے باز آرہے ہو۔؟ (سورہ المائدہ آیت ۸۰ — ۸۱)

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں۔ لیکن قرآن نے تو واضح طور سے تمباکو نوشی کی ممانعت نہیں کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت (ساتویں صدی عیسوی) تمباکو نوشی کا رواج نہیں تھا۔ تمباکو

بعد کی پیداوار ہے۔ جسے کولمبس پندرہویں صدی کے اختتام پر امریکہ سے لایا تھا۔ مزید برآں قرآن اس لئے نازل نہیں ہوا کہ ہمارے انفرادی و اجتماعی طرز عمل کے ہر گوشے کے لئے جزوی تفاصیل مہیا کرے۔ علماء و فقہاء نے تمباکو نوشی کے بارے میں ناپسندیدگی کا استنباط قرآن وسنت کی روح سے کیا ہے۔ اگر تمباکو نوشی معیوب نہ ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آنے سے قبل پیاز یا لہسن کے استعمال کی ممانعت نہ کرتے۔ اس کے علاوہ تمباکو نوشی محنت سے کمائی ہوئی دولت کو بے دردی سے ضائع کرنا ہے۔ بعض رسائل میں بتایا گیا ہے کہ ساری دنیا میں تمباکو نوشی پر جو رقم خرچ کی جاتی ہے وہ پوری دنیا کی بڑی اور چھوٹی اقوام کے دفاعی بجٹ سے بھی زیادہ ہوتی ہے اس عظیم ضیاع اور اسراف کا تصور کیجئے جو اس غیر صحت مندانہ عادت کے نام پر کیا جاتا ہے اور اسراف کرنیوالوں کے بارے میں قرآن کریم کیا کہتا ہے۔ وہ بھی سن لیجئے۔

"فضول خرچی سے اپنا مال نہ اڑاؤ، کیونکہ فضول خرچی کرنیوالے توشیطان کے بھائی ہیں (سورۃ الاسرا ۲۶-۲۷)

اس لئے اسلام میں سگریٹ وغیرہ کی تجارت جائز نہیں۔ ایسا کاروبار کرنے والے کو بلاتاخیر توبہ کرکے اس کی بجائے کوئی دوسرا کاروبار اختیار کرلینا چاہیئے۔ تمباکو نوشی مذہب جسم اور معیشت کے لئے بری ہے جس کام میں روحانی جسمانی اور اقتصادی نقصانات جمع ہوں اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔

پاکستان میں شراب خوری کو مذہبی بنیادوں پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ سرکاری خزانے کا کس قدر محصول کم ہو جائے گا۔ اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ لاریب یہ اقدام قابل ستائش ہے۔ تاہم تمباکو نوشی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے علاج پر جو سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے وہ سگریٹوں کی فروخت سے وصول ہونے والے محصول سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

ہم تجویز کرتے ہیں کہ حکومت کو پوری دیانتداری سے تمباکو کی ہر قسم کی پیداوار پر مکمل پابندی لگا دینی چاہیئے فلموں، ٹیلیویژن اور ریڈیو وغیرہ سے تمباکو نوشی سے متعلق جو تشہیر کی جاتی ہے اس میں تمباکو نوشی کو فیشن اور اعلیٰ حیثیت کی علامت، ثقافت کا نشان اور ترقی یافتہ ذہن کی نشانی کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ اشتہارات میں اسے معاشرتی زندگی میں ایک عام فعل اور معاشرتی پہلو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے نتیجہ یہ کہ ایسے اشتہارات نئی پود کے اثر پذیر ذہنوں کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ یہ بات حیران کن ہے کہ ملک میں تمباکو کی پیداوار بڑھانے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جبکہ ہم ابھی تک انتہائی اہم اشیائے خوردنی جیسے گندم۔ دالیں۔ چینی اور خوردنی تیل درآمد

رہے ہیں۔ تمباکو کی کاشت کے رقبہ میں توسیع ہوگئی ہے کیونکہ سگریٹ کی فروخت کو ترقی دینے والی سرگرمیوں نے اس
طلب میں خاصا اضافہ کیا ہے۔ جو کچھ پاکستان کے بارے میں درست ہے۔ دیگر مسلم ممالک کے متعلق بھی درست ہے
بچہ مسلمانوں کو ہر جگہ دلکش اشتہارات کے ذریعے اس بری عادت میں پھنسایا جا رہا ہے۔ پس یہ لازمی ہے کہ اسلامی
لک کی حکومتیں تمباکو کی صنعت کو اپنے ہاں فروغ نہ پانے دیں۔ نہ ہی اس امر کی اجازت دیں کہ امت کی جسمانی صحت
ا قی بہتری اور روحانی ترقی کو داؤ پر لگا کر تمباکو فروشی کے ذریعے دولت کمائی جائے۔ اگر مکمل طور پر ممنوع نہ ٹھہرا سکیں تو
نکم اس کی سرپرستی ترک کر دیں بلکہ حوصلہ شکنی بھی کریں۔

فیلسوف اسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ستر مختلف بیماریاں حشیش سے پیدا ہوتی ہیں۔ جدید طبی تحقیقات
نابت کیا ہے کہ تمباکو نوشی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کی تعداد ان امراض سے کم نہیں جن کا ذکر امام غزالی نے کیا ہے
ی نکتۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ خبیث عادت صحت انسانی کو برباد اور اس کی عمر کو گھٹاتی ہے۔ شرعی نکتۂ نظر سے اس کا استعمال
ائز ہے جس میں کوئی مادی منفعت نہیں الٹا پیسے اور وقت کے ضیاع کا سبب ہے علاوہ بریں سگریٹ اور حقہ نشہ آور
ہے اور اس لحاظ سے اسلام میں ان کے استعمال کی اجازت نہیں۔ اللہ کے رسول کا فرمان ہے۔

"ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور خمر کی ہر صورت حرام ہے۔" (صحیح مسلم)

م المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز اور سکر پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤد)

ضرت ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

"میری امت کے کچھ لوگ یقیناً شراب نوشی کریں گے اور اسے کسی دوسرے نام سے پکاریں گے۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

"جو گوشت حرام اشیاء کھانے سے بنا ہے۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوگا بلکہ حرام اشیاء سے بنے ہوئے گوشت کے لئے
دوزخ زیادہ مناسب جگہ ہے۔" (احمد۔ دارمی۔ بیہقی)

تمباکو نوشی انسانی صحت کو ہی برباد نہیں کرتی۔ اس کی اخروی زندگی کو بھی بگاڑتی ہے۔ کیونکہ انسان اللہ کی دی
ئی دولت کو غیر دانشمندانہ اور ناجائز طریقے سے خرچ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کا حکم ناطق ہے کہ:۔

"جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ خدا اسے بہشت میں داخل کرے گا جس میں نہریں بہہ رہی

؎ یہ بات محل نظر ہے۔ (محدث)

ہوں گی۔ جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو خدا اور رسول خدا کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا۔ خدا اسے جہنم میں ڈالے گا۔ جہاں اسے ہمیشہ رہنا ہوگا اور اسے دردناک عذاب دیا جائے گا" (سورۃ النساء آیت ۱۴۔۱۳)

اسلام میں صرف دو جماعتیں ہیں۔ حزب اللہ اور حزب الشیطان جو لوگ اللہ اور اس کے آخری پیغامبر کے فرمانبردار ہیں۔ انہیں حزب اللہ کے محترم نام سے پکارا جاتا ہے اور اس کے برعکس عمل کرنے والے کو حزب الشیطان کے لقب سے اسراف کرنے والوں کو قرآن کی زبان میں "شیطان کا بھائی" کہا جاتا ہے۔ گویا تمبا کو نوشی انسان کو حزب اللہ کے دائرے سے نکال کر حزب الشیطان میں شامل کرتی ہے۔ ایسا شخص ہرگز اللہ کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بدنصیبی ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ کی خوشنودی سے محروم ہو جائے۔ فرمان خداوندی ہے۔

"شیطان نے ان لوگوں کو قابو میں کر لیا اور ان کے دلوں سے خدا کی یاد بھلا دی ہے۔ یہ جماعت شیطان کا لشکر ہے اور یاد رکھو کہ شیطان کا گروہ نقصان اٹھانے والا ہے" (سورہ المجادلہ آیت نمبر ۱۹)

اللہ تعالیٰ ہمیں تمبا کو نوشی کی برائیوں سے محفوظ رکھے۔ جن میں ہم محض وقت گذارنے اور عارضی لطف حاصل کرنے کے بہانے ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جو رقم بچے گی اسے اس سے زیادہ ضروری شفاخانوں، مدرسوں اور مسافر خانوں کی تعمیر پر صرف کیا جا سکتا ہے۔ آئیے ہم اس نشہ کو خیرباد کہنے کے لئے اپنی پوری اور انتہائی کوشش بروئے کار لائیں۔ اور اسلامی روایات کے مطابق ایک شریفانہ اور صحت مند زندگی گذارنے کا عہد کریں۔

شداب بن انس روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا۔

"عقلمند وہ ہے جو اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے لئے کام کرتا ہے۔ اور نالائق وہ ہے جو خواہش نفسانی کا پیرو بن جائے اور خدا سے بخشش کی امید رکھے" (ترمذی اور ابن ماجہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ کسی سے بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے دین کی سمجھ سے نوازتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے بھلائی کے کام کراتا ہے۔ پوچھا گیا۔ اللہ تعالیٰ بھلائی کے کام کیونکر کراتا ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا موت سے پہلے اس کو اعمال نیک کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔ (ترمذی)

"خدا سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں" (سورہ فاطر آیت نمبر ۲۸)
خلاصہ یہ کہ۔ تمباکو نوشی ... طبی لحاظ سے مضر اور بہت سی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔
تمباکو نوشی .... معاشی لحاظ سے انسان کو تنگدستی۔ افلاس اور احتیاج میں مبتلا کرتی ہے۔
تمباکو نوشی....... دینی لحاظ سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ مکروہ اور ناجائز ہے۔
اسی لئے ہمیں اس بری عادت کو فوری طور ترک کر دینے میں ہی فلاح ہے۔

"اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کنارے پر (کھڑے ہو کر) خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر ان کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جاتے ہیں (یعنی پھر کافر ہو جاتے ہیں) انہوں نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی۔ یہی تو نقصان صریح ہے۔ (سورہ ہود آیت ۲۲)

"اور اگر خدا لوگوں کی برائی میں جلدی کرتا جس طرح وہ طلب خیر میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی۔ سو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں انہیں ہم چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں۔" (سورہ یونس آیت ۱۱)

"اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر چلتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے" (سورہ نور آیت نمبر ۵۹)

"کچھ شک نہیں کہ جو پرہیزگار ہیں اور جو نیکوکار ہیں خدا ان کا مددگار ہے۔ (سورۃ النمل آیت ۱۲۵)

"اور جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر انحراف کرتے ہیں۔ عنقریب وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ (سورہ مؤمن آیت نمبر ۶۰)

دار العلوم فاطمۃ الزہرا

مذکورہ نام سے دھونرہ ٹانڈہ بریلی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے جہاں تعلیم کے علاوہ دوسرے فنون خصوصاً خیاطی، طباخی، زردوزی اور دوسرے فنی امور کی تعلیم کا خاص انتظام کیا جائے گا۔ یہ ادارہ فی الحال ایک عارضی مکان میں قائم کیا گیا ہے۔ لیکن خدا کی مہربانی اور آپ حضرات کا تعاون شامل حال رہا تو جلد ہی یہ اپنی عمارت میں منتقل ہو جائے گا، یہاں فی الحال ۱۵۰ طالبات زیر تعلیم ہیں اور چھ معلم و معلمات درس و تدریس کا کام انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم حسین (بی۔ یو۔ ایم۔ ایس۔ علیگ) (ناظم ادارہ)

پیامِ کعبہ

خطبہ حرم

حرام کاموں کے ارتکاب پر تنبیہ

امام حرم نفضیلۃ الشیخ محمد بن عبد اللہ السبیل حفظہ اللہ تعالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْعِزِّ وَالْکَمَالِ وَ الْکِبْرِیَاءِ وَالْجَلَالِ ، اَنْعَمَ عَلٰی عِبَادِهٖ بِالطَّیِّبَاتِ مِنَ الْحَلَالِ وَنَهَاهُمْ عَنْ کُلِّ مَا یَعُوْدُ عَلَیْهِمْ وَبَالُهٗ فِی الْحَالِ وَالْمَآلِ ، اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ عَلٰی کُلِّ حَالٍ ، وَ اَشْکُرُهٗ عَلٰی سَوَابِغِ الْاِنْعَامِ وَالْاَفْضَالِ ، وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهُ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالُ ، وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ الْمُصْطَفَی الْمُخْتَارُ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الطَّیِّبِیْنَ الْاَخْیَارِ ۔ اما بعد :۔

اللہ کے بندو ! اللہ سے ڈرو اور پوشیدہ وعلانیہ ہر حال میں اس کا دھیان رکھو اور اس کی ناراضی اور دردناک عذاب سے بچو۔ اللہ تعالی پوشیدہ ترین اسرار کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالی نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں

اس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے اور نہ زمین میں ، نہ ذرہ سے بڑی اور نہ اس سے چھوٹی ۔

اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اس کو علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی ایسا دانہ نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی ہوئی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

جب یہ تمام باتیں بحمد اللہ عذاب سے خائف اور ثواب کے طالب بندۂ مومن کو خوب اچھی طرح معلوم ہیں تو اسے

اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ ظلم و تعدی سے دور اور محرمات و منہیات کے ارتکاب سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تنہائی و مجلس کی باتوں سے آگاہ ہے اور اس کے ہر اچھے برے عمل کا بدلہ اس کے مطابق دے گا۔ بہت سارے لوگ جان بوجھ کر حرام کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں حالانکہ اس کے دردناک انجام کا ان کو علم ہے اس کا سبب محض حرام خواہشات کی تکمیل اور دنیا کی ہوس ہے جو ساری خطاکاریوں کا سرچشمہ ہے۔

ہم بجالت اور لوٹ کر دنیا بٹورنے میں جٹ گئے ہیں جس کے متعلق ارشاد الٰہی یوں ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہانتک کہ (اس فکر میں) تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔

حرص وطمع کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیمة واتقوا الشح فان الشح اهلك من قبلکم، حملهم علی ان سفکوا دماءهم واستحلوا محارمهم۔ ظلم سے بچو اس لئے کہ ظلم کا نتیجہ قیامت کے دن تاریکیاں ہوگا۔ اور حرص وطمع سے بچو اس لئے کہ اسی کے باعث تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔ اسی نے ان کو ایک دوسرے کی خونریزی اور عزت و آبرو برباد کرنے پر ابھارا۔

ہم میں سے بیشتر لوگ اللہ کے حکم کو بھول گئے اور اس کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ حرص وطمع اور جذبۂ زراندوزی کے غلبہ کی وجہ سے ان کو اس کی ذرہ برابر پروا نہیں کہ ان کے پاس مال کہاں سے آرہا ہے؟ حرام راستے سے یا حلال طریقے سے؟ سود کی حرمت اور اس کے بارے میں سخت وعید کو جانتے ہوئے بھی بے شمار لوگ سودی کاروبار اور لین دین کرتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوگا جسے شیطان نے چھو کر باولا کر دیا ہے اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔

اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی کس میں سکت ہے؟ تمہیں بہت سارے لوگ ایسے بھی ملیں گے جو دوسروں کا مال ناجائز طور پر ہڑپ کر لیتے ہیں۔ اپنے اوپر عائد حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے ہیں۔ اور جب اس کا علم ہو جائے کہ حق دار اپنی عاجزی و کمزوری یا کسی اور وجہ سے اپنا حق حاصل کرنے سے قاصر ہے تو سرے سے اس کے حق کا انکار ہی کر جاتے ہیں۔

کچھ ایسے بھی ہیں جو دیتے تو ہیں مگر بڑی ٹال مٹول اور جبر کے بعد اور کبھی کبھی اس کے حق میں سے کچھ اپنے لئے صاحب حق سے چھڑا لینے کے بعد۔ بعضوں کا حال یہ ہے کہ اپنے پاس جمع شدہ امانتوں پر قبضہ ہی کر لیتے ہیں یا اس میں خرد برد کر دیتے ہیں۔ بعض سرکاری یا پرائیوٹ ملازموں یا افسروں کا یہ حال ہے کہ اپنی ڈیوٹی کما حقہ نہیں بجالاتے۔ جن لوگوں کا کام ان کے ذمہ ہوتا ہے اسے کر کے نہیں دیتے۔ ٹال مٹول کرتے ہیں یا یوں ہی ٹرخا دیتے ہیں یہ روش من جملہ ان مظالم اور خیانت کے ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے۔

بعض تاجروں نے اپنی خرید و فروخت میں جھوٹی قسم کھانے کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے۔ اپنے سودے کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے بار بار جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّ الْحَلْفَ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَكَةِ جھوٹی قسم کے ذریعہ سودا جلد تو بک جاتا ہے مگر اس کی وجہ سے برکت چلی جاتی ہے۔ بعض بیوپاری خریدار کا حق یوں دبانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس سودے کا معاملہ اور بیع ہو چکی ہے اس کو بدل دیتے ہیں یا ناپ تول میں کمی کر دیتے ہیں حالانکہ اس کے بارے میں سخت وعید نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ. أَلَا يَظُنُّ أُولٰٓئِكَ أَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ. لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لئے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھٹا دیتے ہیں کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں اس دن جبکہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ بعض کاروباری چالبازی، فریب کاری اور دھوکہ دہی کرتے ہیں اور اگر ان کو یہ علم ہو جائے کہ گاہک مارکیٹ بھاؤ سے واقف نہیں تو سامان کی قیمت بڑھا دیتے ہیں۔

بعض لوگ گواہی کے معاملہ میں بہت بے احتیاط ہوتے ہیں۔ اور قطعی علم نہ ہونے کے باوجود گواہی کر دیتے ہیں۔

یا سرے سے جھوٹی ہی گواہی دیتے ہیں اور اپنی اس جھوٹی گواہی کے ذریعہ ایک مسلمان بھائی کا حق دوسرے کو دلوا دیتے ہیں اس طرح وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں جس کے خلاف جھوٹی گواہی دی ہے اس کا حق کٹوا کر اس پہ ظلم ڈھایا اور جس کے حق میں گواہی دی ہے اس کو حرام دلوا کر اس پر ظلم کیا اور حاکم سے جھوٹی گواہی کے ذریعہ غلط فیصلہ کرایا اور اس طرح اپنے نامۂ اعمال میں گناہ کا اضافہ کیا اور اللہ کے عذاب کا مستحق ٹھہرا۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ، اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ۔ اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ اَلَا وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ یُکَرِّرُھَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَہٗ سَکَتَ ۔ کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہ کے متعلق نہ بتاؤں کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور آگاہ رہو جھوٹ بولنا۔ خبردار رہو جھوٹی گواہی دینا۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ برابر اس کو دہراتے رہے حتی کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش آپ اب بس کر دیتے۔

بعض وہ اہلکار جو حکومت کی طرف سے لوگوں کی جان۔ مال۔ عزت و آبرو کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں اپنی حد سے بڑھی ہوئی حرص و طمع کی بنا پر بڑی مشکل اور جد و جہد اور کوشش و پیروی یا معاوضہ لینے کے بعد ہی حقدار کو اس کا حق دلواتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حقدار کا حق دلوانے میں ٹال مٹول کیا جاتا ہے یا کسی وجہ سے ظالم کی طرفداری کی جاتی ہے یا صاحب حق کے حق ہی سے کچھ اپنے لئے مخصوص کرا لینے کے جذبہ کے تحت ایسا کیا جاتا ہے۔ اسی کا نام رشوت ہے جس کے مرتکب کے لئے سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ بلکہ یہ تو رشوت کی ایک قسم ہی ہے جس کا لینے والا مستحق لعنت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بسند حسن ترمذی شریف اور ابن حبان و حاکم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث بھی اسی مضمون کی ہے ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رائش یعنی رشوت کا معاملہ طے کرانے والے دلال پر بھی لعنت کی ہے۔

پس اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ اور حساب کا وقت آنے سے پہلے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ خود کر لو اور اللہ کے سامنے بڑی پیشی کے لئے ابھی سے تیاری کر لو۔ یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَۃٌ ۔ وہ دن ہوگا جب تم لوگ پیش کیے جاؤ گے۔ تمہارا کوئی راز بھی چھپا نہیں رہ جائے گا۔ پس اپنے پروردگار کا تقوی اختیار کرو اور اپنے گناہوں کے انجام سے ڈرو۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔

آئینہ خانہ

ایران کا "اسلامی" انقلاب

خمینی کی سنّت دشمن خونخوار ذہنیت

(چوتھی قسط)

پچھلے شمارے میں بتایا جا چکا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور عام صحابۂ کرام سے عداوت اور ان کی تکفیر ولعنت، شیعہ مذہب کی روح ہے اور یہی عقیدہ خمینی صاحب اور ان کے پاسدارانِ انقلاب کا بھی ہے۔ چوں کہ شروع سے ابتک غیر شیعہ مسلمان ان صحابہ کرام کو صرف یہی نہیں کہ مسلمان بلکہ پوری امت کا عطرِ انسانیت کا نچوڑ اور انبیاء کے علاوہ سارے بشر سے افضل اور جنت کا سب سے زیادہ حقدار مانتے ہیں۔ اور انشاء اللہ قیامت تک مانتے رہیں گے۔ اس لیے جو مسلمان شیعہ نہیں ہیں وہ شیعوں کی نگاہ میں پیدائشی نجس، جہنمی اور گردن زدنی ہیں۔ اور ان سے عداوت وانتقام شیعہ مذہب کی روح اور شیعوں کا سب سے اہم اور بنیادی فرض ہے، اور خمینی صاحب اس فرض کی ادائیگی میں اس قدر پرجوش ہیں کہ سنی مسلمانوں کے قتل عام کو وہ اسلام کی جلیل القدر خدمت تصور کرتے ہیں۔ (تفصیل آگے آرہی ہے۔) پہلے چند شیعی روایات ملاحظہ ہوں۔

شیعہ سنی کا پیدائشی فرق

(وافی باب ۱۰۸) میں صادق سے مروی ہے کہ اللہ نے اپنی عظمت کے نور سے ہماری روحیں پیدا کیں۔ پھر عرش کے نیچے بحفاظت رکھی ہوئی ایک مٹی سے ہمارے جسم پیدا کیے۔ لہذا ہم نورانی مخلوق ہیں۔ جس چیز سے اللہ نے ہمیں پیدا کیا اس میں کسی اور کے لیے کوئی حصہ نہیں بنایا۔ پھر اللہ نے ہمارے شیعوں کی روح ہماری مٹی سے پیدا کی اور شیعوں کے جسم ایک ایسی مٹی سے پیدا کیے جو ہماری اس مٹی کے نیچے بحفاظت رکھی ہوئی تھی۔ اور جس چیز سے اللہ نے شیعوں کو پیدا کیا اس میں انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے کوئی حصہ نہیں بنایا۔ (یعنی شیعہ عوام کی پیدائش کا خمیر اتنا افضل ہے کہ انبیاء کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہ ہوسکا۔ لاحول ولاقوہ۔) بہر حال آگے سنیے۔ صادق کہتے ہیں۔) اسی لیے ہم اور ہمارے شیعہ تو

انسان ہیں لیکن باقی لوگ ایسی گندگی ہیں جو جہنم کے لیے ہے اور جہنم میں جائے گی۔

صادق سے ایک اور شیعہ روایت کے الفاظ یہ ہیں : اللہ نے ہمیں علیین سے پیدا کیا اور ہماری روح کو اس کے اوپر سے یعنی عالم جبروت سے پیدا کیا۔ اور ہمارے شیعوں کی روح کو علیین سے پیدا کیا۔ اور ان کے جسم کو اس کے نیچے سے پیدا کیا۔ اسی قرابت کی وجہ سے ۔ یعنی چونکہ شیعہ اماموں کے جسم اور شیعہ عوام کی روحیں علیین سے پیدا ہیں ، اس لیے اس تعلق کی وجہ سے ۔ شیعوں کے دل ہمارے لیے بیقرار رہتے ہیں [۱]

یہ تو پیدائش والے خمیر کی بات ہوئی ، اب پیدائش کے وقت کی بات سنیئے ۔

وافی ۳/ ۱۳/ ۱۷ (بحار الانوار عن الکافی) میں جعفر صادق کی طرف منسوب ایک روایت سنیئے ! ان کا ارشاد ہے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہاں ابلیسوں میں سے ایک ابلیس موجود ہوتا ہے ۔ اللہ کے علم میں اگر وہ شیعہ ہونے والا ہے تو اللہ اسے شیطان سے بچا لیتا ہے اور اگر وہ شیعہ نہیں ہونے والا ہے تو شیطان اس کی دبر میں انگلی ڈال دیتا ہے اور وہ مابون ۔ یعنی بدکاری کیا ہوا ۔ ہو جاتا ہے ۔ اور اگر لڑکی ہے تو اس کی شرمگاہ میں انگلی ڈال دیتا ہے اور وہ حرامکار ہو جاتی ہے ۔ نعوذ باللہ

باقی رہا یہ سوال کہ اس بارے میں خمینی صاحب کا عقیدہ کیا ہے تو اگر ان کا کوئی ارشاد موجود نہ ہوتا تب بھی ان کا عقیدہ یہی سمجھا جاتا ۔ کیوں کہ یہ شیعوں کی صحیح بخاری کے درجے کی کتاب کی روایت ہے ۔ لیکن خوش قسمتی یا بد قسمتی سے ان کے ارشادات بھی موجود ہیں ۔ جن میں سے کئی ایک کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ۔ مثلاً خمینی صاحب لکھتے ہیں ۔

" ائمہ کو وہ مقام حاصل ہے جہاں نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ نبی و پیغمبر " (الحکومۃ الاسلامیہ ص ۵۲)

اس کائنات سے پہلے ائمہ نور تھے ۔ پھر اللہ نے انھیں اپنے عرش کے گرداگرد معین کیا اور انھیں ایسا مرتبہ اور ایسی قربت عطا فرمائی جسے اللہ ہی جانتا ہے ۔ (ایضاً ص ۵۲)

فہم قرآن میں شیعہ اماموں اور دوسرے لوگوں کے درمیان فرق کے اسباب بیان کرتے ہوئے خمینی صاحب نے لکھا ہے کہ ائمہ تمام کمالات کے علاوہ فہم قرآن میں بھی تمام لوگوں سے ممتاز تھے ۔ اور یہ ان کا ذاتی امتیاز تھا ۔ دیکھیے التعادل والترجیح ص ۲۷) اسی کتاب کے ص ۲۶ پر خمینی صاحب نے کاشانی کی اس روایت کے الفاظ کو نقل

---

[۱] معلوم نہیں جو شخص شیعہ کے نطفے سے پیدا ہو کر سنی ہو جاتا ہے یا سنی کے نطفے سے پیدا ہو کر شیعہ ہو جاتا ہے ، اس کے متعلق شیعہ حضرات ان دونوں روایتوں کی کیا توجیہ کرتے ہیں ۔

کیے ہیں جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی سے ان کا جمع کیا ہوا قرآن مانگا تو حضرت علی نے یہ جواب دیا۔ ان القرآن الذی عندی لایمسہ الا المطھرون والاوصیاء من ولدی ۔ یعنی میرے پاس جو قرآن ہے اسے صرف پاک لوگ چھو سکتے ہیں اور میری اولاد میں سے میرے وصی چھو سکتے ہیں۔ جمع قرآن کے متعلق خمینی صاحب کا عقیدہ اسی روایت پر ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ حضرت عمر اور سا صحابہ کو ناپاک سمجھتے ہیں اور ان کی نگاہ میں صرف شیعہ ہی پاک ہیں۔ کیا یہ بعینہٖ وہی بات نہیں ہے جسے ابتدا میں ہم نے نقل کیا ہے۔ خیر آگے سنیے!

سنی کافروں سے بھی بدتر

تابعین کا دور صحابہ کے بعد اسلام کا سب سے تابناک اور سنہرا دور تھا۔ اعمالِ صالحہ کی گھما گھمی اور علوم شریعت کی گرم بازاری تھ مکہ اور مدینہ اہم مراکز تھے۔ اس دور کے بارے میں جعفر صادق کی طرف منسوب ایک روایت سنیے:

محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے صادق سے کہا: میں مکہ چلا جاؤں؟ کہا نہ جاؤ، مکہ والے اللہ کے ساتھ کھلا کفر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا: حرم نبوی (یعنی مدینہ) چلا جاؤں؟ کہا یہ لوگ مکہ والوں سے بھی زیادہ برے ہیں مدینہ والے مکہ والوں سے ستر گنا خبیث ہیں، عراق یعنی کوفہ نہ چلے جاؤ۔ شام والے رومیوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ او ہمارے مخالفین سارے کافروں سے زیادہ برے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو اور ان کے اسلاف پر بھی لعنت ہو۔

(کافی ۲/۳۹۶ تہذیب ۲/۱۵)

سنی ساری نیکیوں کے باوجود جہنمی اور شیعہ ہر برائی کے باوجود جنتی

کافی اور وافی میں باقر سے یہ روایت کی گئی ہے کہ اللہ فرماتا ہے۔ اسلام کی جو رعیت کسی ظالم امام کی تابعدا ہوگی میں اسے عذاب دوں گا۔ اور حیا نہیں کروں گا۔ اگرچہ وہ رعیت اپنے تمام اعمال میں نکوکار اور تقویٰ شعا رہی ہو اور اسلام کی جو رعیت خدا کے کسی عادل امام کی تابعدار ہوگی میں اسے معاف کر دوں گا اور حیا نہیں کروں گا اگرچہ وہ رعیت ظالم اور بدکار رہی ہو۔

باقر کہتے ہیں کہ امت (یعنی اہل سنت) میں اگرچہ امانت، سچائی اور وفاداری ہو لیکن وہ ولایت کا انکا کرنے (یعنی شیعہ اماموں کو اپنا امام نہ ماننے) کی وجہ سے کافر ہے۔ اور شیعہ میں اگرچہ کچھ دینداری نہ ہوگی مگر اس

کوئی عتاب نہیں ۔کیوں کہ وہ امام عادل کا تابعدار ہے

تہذیب ۲ ر ۱۱۶ ، ۲ ر ۲۵۲ میں

شیعوں کے لیے سنیوں کا مال ہڑپ کرلینا حلال ہے

۔ صادق کا یہ قول مروی ہے کہ ناصبی (یعنی جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو حق پر سمجھے) اس کا مال جہاں پاؤ لے لو ۔ اور ہمیں اس کا خمس (یعنی پانچواں حصہ) ادا کرو ۔ (واضح رہے کہ خمس کا فرسے جنگ میں حاصل کیے ہوئے مال پر دیا جاتا ہے ۔)

کوئی سنی شہید نہیں

وافی ۲ ر ۵ ر ۴ میں مروی ہے کہ غیر شیعہ حکمرانوں کے ماتحت جہاد کرنا مردار اور سور کی طرح حرام ہے ۔شیعہ کے علاوہ کوئی شہید نہیں ہوتا ۔ اور شیعہ اپنے بستر پر مرے تب بھی شہید ہے ۔ اور شیعوں کے علاوہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں وہ جہنم میں جانے کے لیے جلدی کررہے ہیں ۔

سارے سنی گردن زدنی

باقر کہتے ہیں اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ ان (اہل سنت) کے ایک لاکھ آدمی کے بدلے تمھارا (یعنی شیعوں کا) ایک آدمی مارا جائے گا تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیدیتا ۔ مگر تمھارا ایک آدمی ان کے ایک لاکھ آدمیوں سے بہتر ہے ۔

یہ ہے شیعہ مذہب میں سنیوں سے عداوت کی تعلیم کا ایک مختصر سا خاکہ ۔خمینی صاحب اس تعلیم کے سانچے میں پوری طرح ڈھلے ہوئے ہیں ۔ اسی لیے وہ ہر ہر قدم پر سنیوں کی مخالفت کو ضروری اور ان کے قتل کو اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں ۔ ان کی ذہنیت کے چند نمونے ملاحظہ ہوں ۔

خمینی صاحب نے اپنے رسالہ التعادل والترجیح کے ص ۸۰ سے ۸۲ تک اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ اگر کسی شیعہ امام سے ایک ہی مسئلہ میں دو ایسی حدیثیں مروی ہوں جن میں سے ہر ایک دوسرے کے مخالف ہو تو کس حدیث کو مانیں اور کس کو چھوڑ دیں ۔ ۹ ۔ خمینی صاحب نے تفصیلی بحث کے بعد ص ۸۲ پر فیصلہ صادر کیا ہے کہ جو حدیث اہل سنت کے خلاف ہو اس کو لے لیں گے اور جو ان کے موافق ہو اسے چھوڑ دیں گے ۔ اور چھوڑنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ سنیوں کے موافق ہے ۔

خمینی صاحب نے اسی صفحہ پر مذکورہ مسئلے کے فوراً بعد اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شہر میں کسی شیعہ آدمی کو کوئی مسئلہ درپیش ہو اور اسے کوئی شیعہ عالم نہ ملتا ہو جس سے وہ فتویٰ پوچھ سکے تو اسے چاہیے کہ وہ سنی عالم سے جاکر فتویٰ پوچھ لے اور سنی عالم اسے جو فتویٰ بتائے اس کا الٹا کرے ۔ (یعنی اس صورت میں اگر اس شیعہ کا

عمل غلط بھی ہوا تو کم از کم سینوں کی مخالفت کا ثواب تو اسے مل ہی جائے گا ۔)
خمینی صاحب نے اسی صفحہ پر یہ بھی بتایا کہ شیعہ اماموں کے جو فتوے اہلِ سنت کے موافق نظر آتے ہیں وہ سب تقیہ کے طور پر تھے ۔
ص ۸۳ پر خمینی صاحب نے دو ایسی روایتیں نقل کی ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ جو شیعہ اہلِ سنت کا مخالف نہ ہو وہ شیعہ نہیں اور اس کے بعد پھر ایک روایت نقل کی ہے کہ اہلِ سنت جس چیز پر متوجہ ہوں، اس سے بچو۔" اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اہلِ سنت کا کسی چیز پر متوجہ ہونا اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے ۔ آگے ص ۹۱ پر بھی یہی بات دہرائی ہے کہ اہلِ سنت کی مخالفت بھی فتوے اور حدیث کی ترجیح کی ایک بنیاد ہے ۔
ہم یہ بتا چکے ہیں کہ شیعہ مذہب کی رو سے شیعہ عورت یا مرد کا نکاح سنی مرد یا عورت سے حلال نہیں ۔ اس سلسلے کی ایک روایت میں یہ آیت بھی درج ہے ۔ فلا ترجعوھن الی الکفار لاھن حل لھم و لا ھم یحلون لھن ۔ انھیں (یعنی شیعہ عورتوں کو) کفار (یعنی سینوں) کی طرف نہ پلٹاؤ ۔ نہ یہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں ، نہ وہ (مرد) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں ۔ خمینی صاحب بھی اس مسئلے پر صاد کرتے ہیں ۔ اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ بطور تقیہ تھا ۔ دیکھیے خمینی صاحب کا رسالہ التقیہ ص ۱۹۸ ۔ اسی طرح اہلِ سنت کے پیچھے نماز درست نہیں سمجھتے ۔ مگر تقیہ کے طور (یعنی سینوں کو دھوکہ دینے کے لیے تو اس کا اس قدر ثواب ہے کہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پہلی صف میں نماز پڑھی ۔ (ایضاً ص ۱۹۸، ۱۹۹)

. . . .

اب تک کی تفصیلات سے اس بات میں شک وشبہ کی کوئی ادنیٰ سی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ اہلسنت سے بے لاگ اور اندھی بہری عداوت و دشمنی شیعہ مذہب اور خمینی صاحب کے خمیر میں داخل ہے ۔ اس عداوت کے نتیجے میں خمینی صاحب کی ذہنیت اس قدر خونخوار بن چکی ہے کہ وہ اہلِ سنت کے قتل عام کو ایک مقدس دینی ذریعہ اور اسلام کی جلیل القدر خدمت تصور کرتے ہیں ۔ چنانچہ ایک طرف تو ابوبکر و عمر سے لے کر ہارون رشید تک بلکہ اس کے بعد کے بعد کے تمام بڑے بڑے اسلامی فاتحین اور حکمران خمینی صاحب کی نگاہ میں کندۂ ناتراش نااہل لیاقت سے محروم ، ظالم ، بیرہ دست اور طاغوت تھے ۔ اور یہ سب عذابِ الٰہی کے مستحق ہیں ۔ (دیکھیے خمینی صاحب کی الحکومۃ الاسلامیہ ص ۳۳ ، ۴۶ ، ۱۴۸ ، ۷۹) اور دوسری طرف تاریخ کے وہ بیرہ دست دغاباز ظالم

شیعہ جنھوں نے اہل سنت کے خون کی ندیاں بہادیں وہ خمینی صاحب کی نظر میں اسلام کے جلیل القدر خادم اور رحمت الٰہی کے مستحق ہیں۔ چنانچہ خمینی صاحب نے طوسی اور قداح کی بڑی تعریف کی ہے طوسی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"خواجہ نصیرالدین طوسی اور ان جیسی ہستیاں جنھوں نے اسلام کی جلیل القدر خدمات انجام دیں ان کی موت کو لوگ خسارہ محسوس کرتے ہیں۔"

طوسی کی جلیل القدر "اسلامی خدمات" کیا تھیں، اس سے خمینی صاحب نے خود ہی پردہ ہٹا لیا ہے، چنانچہ وہ تقیہ کی ضرورت کے مواقع بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ

"اگر محض ظاہری طور (ظالموں کی حکومت میں) شامل ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کی حقیقی مدد ہوسکتی ہے (تو ایسے موقع پر تقیہ درست ہے) جیسا کہ علی بن یقطین اور نصیرالدین طوسی رحمہما اللہ شامل ہوئے تھے۔" ایضاً ص
نصیر طوسی دکھاوے کے لیے کس "نظام حکومت" میں شامل ہوا اور اس نے اسلام اور مسلمانوں کی کون سی حقیقی مدد کی اسے تاریخ اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ اس لیے چند سطروں میں صرف سرسری اشارہ کیا جارہا ہے۔

نصیرالدین طوسی ایک نہایت کینہ توز اور مکار شیعہ تھا۔ اس نے بغداد کے خلیفۃ المسلمین کی تعریف میں قصیدے کہہ کر وزارت کا منصب حاصل کیا۔ ادھر وزارت عظمیٰ پر ایک مکار شیعہ مویدالدین علقمی فائز تھا۔ ان دونوں نے اہل سنت کے قتل عام اور عباسی خلافت کے خاتمے کی ایک متفقہ سازش رچی۔ نہایت چابکدستی کے ساتھ فوج کی تعداد انتہائی کم کردی۔ حکومت کے کلیدی مناصب پر اپنے گرگوں کو متعین کرکے بغداد کو تاتاریوں کے لیے لقمہ تر بنادیا پھر اسی سازش کے تحت نصیر طوسی بغداد چھوڑ کر ۶۵۵ھ میں تاتاری حکمراں ہلاکو خاں کا مصاحب بن گیا۔ علقمی سے نامہ و پیام جاری رہا، اور دونوں نے ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی دعوت و ترغیب دی۔ تاتاری وہم پرست تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ بغداد کی حکومت پر خدا کا سایہ ہے۔ اس لیے اگر خلیفہ پر کوئی ظلم کیا گیا تو ہم پر کوئی آسمانی آفت ٹوٹ پڑے گی۔ اس لیے وہ سرحد عراق تک پہنچ جانے کے باوجود بغداد پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار نہ تھے، لیکن علقمی کی مسلسل دعوتوں اور طوسی کی مسلسل ترغیب و پیشین گوئی سے اور یہ اطمینان دلانے سے کہ ان پر کوئی آسمانی آفت نہیں آئے گی، تاتاری بغداد پر حملہ آور ہوگئے اور پھر جو قیامت برپا ہوئی وہ سب کو معلوم ہے۔ طوسی ہلاکو کے ساتھ ساتھ تھا، اسے راستے، نقشے اور نشیب و فراز بتلاتا اور مناسب مشورے دیتا تھا۔ اس کے مشورے کی

روشنی میں ہلاکو نے علقمی کے ذریعہ پہلے خلیفہ کو بلوایا، پھر بغداد کے تمام علماء، فقہاء، شرفاء، عمائدین اور ارکین سلطنت کو بلاکر بھیڑ بکری کی طرح ذبح کردیا۔ پھر مجوس خلیفہ کے ذریعہ اہلِ شہر کو ہتھیار ڈال کر باہر نکل آنے کے لیے کہا۔ اور جب اہلِ شہر خالی ہاتھ باہر نکل آئے تو تاتاریوں نے ان کا قتلِ عام شروع کردیا۔ یہ کئی لاکھ کی تعداد میں تھے سب مارے گئے۔ شہر کی خندقیں لاشوں سے پٹ گئیں، دریائے دجلہ کا پانی خون کی کثرت سے سرخ ہوگیا۔ اس کے بعد تاتاری شہر میں گھس پڑے، عورتیں اور بچے سروں پر قرآن شریف رکھ رکھ کر گھروں سے نکلے۔ مگر سب قتل ہوئے بغداد اور نواحِ بغداد میں ایسا قتلِ عام ہوا کہ ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان مارے گئے۔ اس سارے کارنامے کی رہنمائی نصیر طوسی اور علقمی کر رہے تھے۔ انھوں نے ہلاکو کو مشورہ دیا کہ خلیفہ کے خون سے اپنی تلوار ناپاک نہ کرو، بلکہ اسے نمدے میں لپیٹ کر لاتوں سے کچلوا دو، چنانچہ ہلاکو نے خلیفہ کو ایک ٹاٹ میں لپیٹ کر اور ایک ستون سے بندھوا کر اس قدر لاتیں لگوائیں کہ اس کی جان نکل گئی۔ پھر لاش زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندوا کر ریزہ ریزہ اور پارہ پارہ کرادی یہ سارا کشت و خون اس لیے کرایا گیا کہ یہ سنی مسلمان تھے، لیکن طوسی اور علقمی کا دل اب بھی ٹھنڈا نہ ہوا تو شاہی کتابوں کا ذخیرہ دریا میں پھینکنے کا مشورہ دیا۔ اس کی کثرت سے دریائے دجلہ میں ایک بند سا بندھ گیا اور اس کا پانی جو سرخ تھا اب کتابوں کی سیاہی سے سیاہ ہوگیا۔ باقی کتب خانوں میں آگ لگادی۔ کتابوں کی کثرت کے سبب یہ آگ سولہ دن تک بھڑکتی رہی۔

یہ ہیں نصیر الدین طوسی کی وہ جلیل القدر اسلامی خدمات، جنھیں خمینی صاحب نے دل کھول کر سراہا ہے اور جنھیں اسلام اور مسلمانوں کی "حقیقی مدد"، قرار دیا۔ اور جس سے خوش ہوکر نصیر الدین طوسی کو رحمۃ اللہ کے اعلیٰ ترین صلے سے نوازا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خمینی صاحب کی نگاہ میں "اسلام کی حقیقی مدد اور خدمت" کیا ہے۔ —— آئیے اب قداح کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجیے جو خمینی صاحب کی نگاہ میں طوسی ہی کی طرح اسلام کا خادم ہے۔

قداح کا اصل نام میمون بن دیصان ہے، یہ دمشق کے قریب سلمیہ نامی ایک بستی کا رہنے والا ایک تیز و طرار یہودی عالم تھا۔ فلسفہ اور نجوم میں مہارت رکھتا تھا۔ کھال پکانا اس کا اصل پیشہ تھا۔ مگر اس کی اسلام دشمن اور خون آشام طبیعت اس پر قناعت نہ کرسکی۔ اس نے اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کے صفائے اور قتلِ عام کے طویل المیعاد منصوبے بنائے اور ۲۷۶ھ میں اپنے سعید کے ہمراہ کوفہ آگیا، اور باطنیوں کے تن مردہ میں خونخوار یہودی بھیڑیوں کی روح پھونکنے کے لیے کوفہ کے اسماعیلی شیعوں سے رابطہ قائم کیا، اور اپنا یہودی مذہب اور اپنے بیٹے کی اصلیت

چھپاتے ہوئے خاص خاص اسماعیلی شیعوں کو چپکے سے بتایا کہ یہ روپوش اسماعیلی اماموں کی نسل سے ہے، اس کا نام عبیداللہ ہے اور اب یہی مہدی بن کر ظاہر ہونے والا ہے۔ کوفہ میں قداح کو حمدان عرف قرمط نامی ایک غالی باطنی شیعہ مل گیا، اسے عبیداللہ "مہدی" کا نائب بنایا گیا اور خفیہ تحریک شروع ہو گئی۔ اباحیت پسند مجوسی یہودی اور اسماعیلی شیعہ دیکھتے دیکھتے اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے، اس مذہب میں زناکاری، شراب نوشی، ماں بہن، بیٹی سے نکاح وغیرہ سب کچھ حلال کر دیا گیا۔ نماز روزہ وغیرہ سب کچھ سارے فرائض ساقط کر دیے گئے اور مسلمانوں کا قتل فرض قرار دیا گیا۔ کوفہ اور عراق میں یہ تحریک مضبوط ہو گئی تو یحییٰ نامی ایک شخص کو بحرین (سعودی عرب کا موجودہ مشرقی صوبہ الاحساء) بھیجا گیا۔ اس نے اپنے آپ کو مہدی کا بیٹا اور قاصد ظاہر کرتے ہوئے شیعوں کو بتایا کہ اب مہدی کا ظہور قریب ہے، اس سے وہاں کے شیعوں میں ایک مجنونانہ جوش پیدا ہو گیا اور وہ ابوسعید جنابی کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور جب بقدر ضرورت طاقت فراہم ہو گئی تو ان شیعوں نے مسلمانوں کے خلاف خوفناک قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) ۲۸۶ھ میں ابوسعید جنابی نے بصرہ پر قبضہ کیا اور وہاں کے مسلمانوں کو آگ میں جلا جلا کر ہلاک کیا۔

(۲) یہی شخص ۲۸۹ھ میں عراق کے اکثر حصوں پر قابض ہو کر شام پر حملہ آور ہوا اور دمشق فتح کر کے وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔

(۳) ۲۹۰ھ میں یحییٰ مذکور کی قیادت میں ان ظالموں کی ایک فوج نے دمشق کا محاصرہ کر کے وہاں کے باشندوں کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیا تھا کہ مصری فوج آ گئی ورنہ دمشق کھنڈر میں تبدیل ہو جاتا۔ مصری فوج کے ہاتھوں یحییٰ قتل ہوا اور محاصرہ ختم ہوا۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد یحییٰ کے بھائی حسین کی قیادت میں ان ظالموں نے پھر چڑھائی کر دی، اہل دمشق نے بہت کچھ مال دے کر اسے کسی طرح واپس ہونے پر راضی کیا۔

(۴) لیکن حسین نے دمشق سے واپس ہو کر حمص کا رخ کیا، وہاں سارے مسلمانوں قیدیوں کو قتل کر دیا، پھر حماۃ اور معرۃ النعمان وغیرہ گیا، اور بے حساب مسلمانوں کو قتل کیا۔ یہ شخص عورتوں، بچوں سب کو قتل کر ڈالتا تھا، اس کے بعد بعلبک پہنچا اور وہاں کی عام آبادی کو تہ تیغ کیا۔ پھر سلمیہ میں عہد و امان کے تحت داخل ہوا، لیکن بدعہدی کر کے وہاں کے سارے باشندوں حتیٰ کہ مکتب کے بچوں اور چوپایوں تک کو قتل کر ڈالا۔ مقتولین میں سر فہرست بنو ہاشم تھے بالآخر بڑی مشکلوں کے بعد حسین مارا گیا۔ لیکن اس تحریک کے لیڈروں نے عبداللہ بن سعید نامی ایک شخص کو کمانڈر

بنایا۔ اس نے ۲۹۳ھ میں پھر ملک شام پر چڑھائی کی، اور سخت خونریزی و غارت گری اور عصمت دری کی۔ بالآخر شدید جنگوں کے بعد اس کے بعض پیرو کاروں نے سر پر خطرہ منڈلاتا دیکھا تو اس کا سر کاٹ کر خلیفہ کے حوالے کر دیا۔

(۵) مگر فتنہ اب بھی فرو نہ ہوا، ان لیڈروں نے زکرویہ بن مہرایہ نامی ایک شخص کو کمان سونپی، اس نے ۲۹۴ھ میں مکہ سے خراسان جانے والے حاجیوں کے قافلے پر حملہ کیا، سخت جنگ ہوئی۔ جب زکرویہ نے دیکھا کہ ان سے نمٹ نہیں سکے گا تو قافلے سے پوچھا کہ تمہارے اندر بادشاہ کا نائب ہے؟ انھوں نے کہا نہیں۔ زکرویہ نے کہا، تب تم لوگ اطمینان سے جاؤ، مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن جب قافلہ لد پھند کر بے فکری کے ساتھ روانہ ہو گیا تو زکرویہ نے پیچھے سے اچانک بے خبری کے عالم میں ان پر حملہ کر دیا اور سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔ صرف چند عورتیں ہوس رانی کے لیے منتخب کر لیں، باقی سب عورتوں کو بھی قتل کر دیا۔

(۶) اس کے بعد زکرویہ حاجیوں کے مزید قافلوں کی واپسی کے انتظار میں گھات لگا کر بیٹھ گیا، اور وہاں کے کنووں تالابوں اور چشموں کو لاشوں اور پتھروں سے پٹوا دیا تاکہ حاجیوں کو پانی نہ مل سکے۔ اس کے بعد جوں ہی حاجیوں کا قافلہ پہنچا، ان پر درندوں کی طرح ٹوٹ پڑا۔ حاجیوں نے تین دن تک ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر ان کا پانی ختم ہو گیا اور انھوں نے پیاس سے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے، زکرویہ نے سب کی گردن اڑا دی، چند افراد نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے، ان کے پیچھے ایک جماعت بھیجدی، جس نے امان کا اعلان کیا، لیکن وہ لوگ جب واپس ہوئے تو انھیں بھی قتل کر دیا۔ مکاری کا عالم یہ تھا کہ جنگ کے بعد ان ظالموں کی عورتیں پانی لے کر حاجیوں کی لاشوں کے درمیان ٹہل رہی ہیں، تاکہ اگر کوئی پانی مانگے تو یہ پتہ لگ جائے کہ یہ زندہ ہے۔ چنانچہ کسی کے منھ سے جوں ہی آواز نکلتی یہ اسے قتل کر دیتیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ اس سال زکرویہ نے بیس ہزار حاجیوں کو قتل کیا۔ بڑی مشکل سے خلیفہ کی فوجیں اس شخص کو زیر کر سکیں، لیکن اس کے باوجود قرامطہ کی برپا کی ہوئی یہ تحریک ختم نہ ہو سکی۔

(۷) ادھر ابوسعید جنابی جسے اس تحریک کے لیڈروں نے بحرین کے علاقے میں متعین کیا تھا اور جو بحرین سے بصرہ تک سخت خونریزی مچا چکا تھا وہ اپنے غلام کے ساتھ بدفعلی کی کوشش میں اسی غلام کے ہاتھوں ۳۰۱ھ میں مارا گیا، اور اس کا بیٹا ابوطاہر اس کا قائم مقام ہوا۔ ابوطاہر اپنے باپ سے بھی بڑھ کر خونریز ثابت ہوا، اس نے ۳۱۱ھ میں بصرہ پر اچانک حملہ کر کے بیشمار لوگوں کو قتل کیا، ۱۷ دن تک لوٹ مار اور قتل غارت کے بعد ایک شخص کو بصرہ پر اپنا والی مقرر

کر کے جس قدر مال و متاع اور عورتوں بچوں کو لے جا سکتا تھا بحرین لے گیا۔ اس سال اس نے حجاج کے قافلوں پر بھی حملہ کر کے سخت لوٹ مار اور قتل غارت گری کی۔ اگلے سال ۳۱۲ھ میں اس نے کوفہ کے قافلہ حجاج پر حملہ کیا۔ یہ لوگ بھاگ کر کوفہ آگئے۔ مگر ابو طاہر ان کو کھدیڑتا ہوا کوفہ میں داخل ہوگیا۔ اور چھ دن تک لوٹتا اور مارتا رہا پھر (بحرین) واپس ہوگیا۔ اس کی غارت گری سے تنگ آکر ۳۱۳ھ میں کسی نے حج کا ارادہ نہیں کیا ۳۱۷ھ میں اسی ملعون نے عین ایام حج میں مکہ معظمہ پر حملہ کر کے حاجیوں کا قتل عام کیا۔ یہاں تک خانہ کعبہ کے اندر بھی لوگوں کو قتل کرنے سے باز نہ رہا۔ زمزم کا کنواں مقتولین کی لاشوں سے پٹ گیا۔ خانہ کعبہ کا ہر قیمتی سامان لوٹ لیا۔ ایک خبیث نے نشے کی حالت میں گھوڑے پر سوار ہو کر حجر اسود کو مار کر توڑ ڈالا۔ اور دیوار سے نکال دیا۔ پھر گیارہ دن کی مسلسل قتل و غارت کے بعد جب واپس ہوئے تو حجر اسود ساتھ لیتے گئے، جو اکیس بائیس سال بعد ۳۳۹ھ میں واپس ہوا۔ (یاد رہے کہ باطنیوں کی طرف سے جمہور مسلمانوں یعنی اہل سنت پر لرزہ خیز مظالم اور قتل و غارت کا سلسلہ ۶۵۵ھ تک جاری رہا۔)

عین اس زمانے میں جب عراق و شام میں ان ظالموں کی قتل و غارت گری جاری تھی قداح نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس علاقے میں تحریک پنپ چکی ہے اپنے بیٹے سعید کو جسے عبید اللہ المہدی کے نام سے مشہور کیا تھا، افریقہ بھیج دیا۔ المہدی نے اپنے آپ کو فاطمی النسب بتا کر وہاں باطنی تحریک شروع کی اور رفتہ رفتہ اتنا زور حاصل کیا کہ سخت خونریزی کے بعد ۲۹۶ھ میں تونس میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اپنے آپ کو امیر المومنین کہلوایا۔ پھر رفتہ رفتہ ان باطنیوں نے اتنا زور پکڑا کہ مصر فتح کر کے ۳۵۷ھ میں قاہرہ کو دار الحکومت قرار دے لیا۔ عبیدیوں کی اس حکومت کے دو وصف قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ کلیدی مناصب پر عموماً اسلام کے ازلی دشمن یعنی یہودی رکھے جاتے تھے دوسرے کہ مسلمانوں پر سخت ظلم و تشدد اور کبار صحابہ کی کھلے عام توہین کی جاتی تھی۔ اس دور کے ایک عربی شاعر حسن بن خاقان نے صورت حال پر نہایت چبھتے ہوئے اشعار کہے ہیں۔

يهود هذا الزمان قد بلغوا   غاية آمالهم وقد ملكوا

العز فيهم والمال عندهم   ومنهم المستشار والملك

يا أهل مصر قد نصحت لكم   تهودوا، قد تهود الفلك

یعنی اس دور کے یہودی اپنی انتہائی آرزوؤں کو پہنچ کر بادشاہ بن چکے ہیں، ان کو عزت بھی حاصل ہے اور

مال بھی، اور انھیں میں سے مشیر بھی ہیں اور بادشاہ بھی ۔ مصر والو! میں تمھیں نصیحت کر رہا ہوں کہ یہودی بن جاؤ کیوں کہ آسمان یہودی بن چکا ہے ۔

ان ظالم عبیدی حکمرانوں کا حال یہ تھا کہ انھوں نے بہت سے سنی علماء کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ مسجدوں کے دروازوں اور عام سڑکوں پر صحابہ کرام کو گالیاں لکھ کر لگائی تھیں اور گورنروں کو حکم دے رکھا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سرعام گالیاں دی جائیں ۔ مصر میں قدم جمانے کے بعد عبیدیوں کے ایجنٹ مراکش سے سندھ و بلوچستان تک جا پھیلے تھے ۔ ۵۶۷ھ میں صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کے ہاتھوں ان کا خاتمہ ہوا ۔

خلاصہ یہ ہے کہ میمون بن دیصان قداح نے باطنیت کی ایسی خوفناک تحریک چلائی تھی جو مشرق میں خراسان سے مغرب میں مراکش تک پورے عالم اسلام کے اندر مسلمانوں کے سر پر لٹکتی رہی تلوار تھی ۔ اس تحریک کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان شہید ہوئے، ان کے اموال لوٹے گئے ۔ ان کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور اسلام کے نام پر حرامکاری و بدعملی کا ایسا دار دورہ رہا کہ اسلام کی بیخ و بُن اکھاڑ ڈالنے کی کوشش کی گئی ۔

یہ ہے وہ قداح جسے خمینی صاحب تاریخ کا ہیرو قرار دیتے ہیں اور جس کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں صرف اس لیے کہ وہ اہلسنت کا قاتل تھا ۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خمینی صاحب اہل سنت کے خلاف کیسی خونخوار ذہنیت رکھتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں اصل اور حقیقی خدمتِ اسلام بس یہی ہے کہ اہلسنت کو اس دنیا سے نیست و نابود کر دیا جائے ۔ (باقی آئندہ)

مدرسین کی ضرورت

جمعیۃ اہلحدیث جموں و کشمیر سے ملحق الکلیۃ السلفیہ سری نگر کو چند تجربہ کار اساتذہ کی خدمات مطلوب ہیں خواہش مند حضرات درخواستیں ۲۰ ر اپریل اور ۳۰ ر اپریل ۱۹۸۳ء کے درمیان اپنی اسناد کی مصدقہ نقول کے ساتھ بھیج سکتے ہیں ۔ جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ دارالسلام عمر آباد، احمدیہ سلفیہ دربھنگہ ندوہ یا سابقہ رحمانیہ کے سند یافتہ قابل ترجیح تصور ہوں گے ۔ قرأت اور علم حدیث کی تدریس کا تجربہ رکھنے والوں کو بھی ترجیح دی جائے گی ۔ درخواست دہندہ کے لیے لازم ہوگا کہ وہ شرائط ملازمت یعنی تنخواہ وغیرہ کی تصریح و وضاحت کرے ۔

درخواست بھیجنے کا پتہ: ۔ عمید الکلیہ ۔ الکلیۃ السلفیہ ۔ بربرشاہ ۔ سری نگر، کشمیر ۔ انڈیا

عالم اسلام

آسام میں مسلم نسل کشی: مسلم مجلس مشاورت کی رپورٹ سے

آسام پچھلے تین سالوں سے جل رہا ہے۔ انتظامیہ اور پولیس کے اکثر افراد، بعض سیاسی جماعتیں اور فرقہ پرست عناصر نے اس جلتے ہوئے آسام میں آگ کو بھڑکانے میں حسب وسعت حصہ لیا۔ حالیہ فساد میں تین لاکھ افراد متاثر ہوئے اور کیمپ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ محتاط اندازہ کے مطابق دس ہزار بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو جس بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا، اس نے انسانی حدود کو تار تار کر دیا اور لیہ فسادات نے بیروت صبرا شتیلہ کے قتل عام کو اور ۱۹۴۷ء کے خونی ہنگاموں کو بھی مات کر دیا۔

مسلم مجلس مشاورت کا ایک ذمہ دار وفد فساد زدہ متاثرہ علاقہ کا دورہ کر کے واپس لوٹا ہے، اس کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے۔

۵ مارچ ۱۹۸۳ء کو بلوائیوں کے حملہ کا ایک منظر دیکھا کہ ریاست آسام کے مرکزی شہر میں دن کے ساڑھے بارہ بجے دو مسلمانوں کو شکار کی طرح چالیس پچاس بلوائیوں کا گروہ ہنکا کر پتھروں اور دیگر ہتھیاروں سے حملہ کر کے خون سے لہولہان کر دیا۔ ایک تو ہم لوگوں کے سامنے ہی گر کر موت کی آغوش میں چلا گیا۔ اور بعد میں دوسرا زخمی بھی چل بسا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس جگہ پانچ مسلمان شہید کیے گئے، ایک بجے وفد قیام گاہ پہنچا، مسلسل جد و جہد کے بعد مغرب بعد حکومت کے ذمہ دار افراد تک پہنچنے میں کامیابی ہوئی۔ تین گھنٹے کی تگ و دو کے بعد اگلے دن فساد زدہ مقامات کے دورہ کے سلسلے میں ضروری انتظامات کیے گئے۔ وفد کی تحقیق و تفتیش کے بعد جو حقائق سامنے آئے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

انتخاب کے اعلان کے بعد پورے برہمپترا دیلی میں مختلف طبقات کے درمیان کشیدگی اور تناؤ بڑھتا چلا گیا اور مرکزی حکومت اور ان کے نمائندہ گورنر محترم نے تمام پیشگی اطلاعات کے باوجود شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کے لیے کوئی نظم نہیں کیا، کسی ایک فساد زدہ جگہ پر بھی حفاظتی عملہ کے وجود کا ثبوت ہم لوگوں کو نہیں ملا۔

فسادات انتہائی منظم اور منصوبہ بند طریقہ سے ہوا۔ تقریباً تمام فسادات دن کی روشنی میں صبح ۸ بجے سے ۲ بجے دن تک ہوئے۔ اکثر فسادات میں مسلمانوں کو گھیر کر ایک پوائنٹ پر جمع ہونے پر مجبور کیا گیا اور پھر اجتماعی طور سے بندوق کی گولیوں سے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ اور جو گولی سے نہ مر سکے انھیں داؤ، لاٹھی، بھالا وغیرہ سے ختم کیا گیا۔ اب بھی جو زخمی زندہ بچ گئے ہیں وہ گولیوں سے زخمی ہیں۔ ان زخمیوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی مقدار میں آتشیں اسلحہ فراہم کیا گیا تھا۔

تمام فسادوں میں آسام پولیس، آسام بٹالین یا تو براہ راست شریک رہی یا ان کی معاونت و محافظت کے لیے موجود رہی۔ قتل عام سے پہلے تمام راستے روک دیے گئے، پل توڑ دیے گئے اور قتل عام کے بعد مکانات کے قیمتی سامان لوٹے گئے۔ اور پھر مکانات کو نذر آتش کر دیا گیا۔ تمام قسم کے درخت کاٹے گئے کنوؤں کو خراب کیا گیا۔ غرضیکہ کسی بھی انسانی آبادی کی تمام ضروریات کو تباہ و برباد کر کے اسے خالی کر دیا گیا۔

۱۴ر فروری ۱۹۸۳ء کو دارانگ ضلع کے منگل ڈوئی سب ڈویژن کے چاول کھوا گاؤں سے اجتماعی قتل کا آغاز ہوا جس میں سرکاری اطلاع کے مطابق ایک سو ستانوے ۱۹۷ اور غیر سرکاری اطلاع کے مطابق ۶۵۵ مسلمان شہید کیے گئے۔ اور اس علاقہ کے دس بارہ گاؤں تباہ و برباد کر دیے گئے۔

نیلی قتل عام کا جو واقعہ مشہور ہوا اس پوائنٹ پر لگ بھگ تیس گاؤں کے لوگوں کو گھیر کر جمع کیا گیا، صرف ایک نیلی گاؤں کی آبادی بارہ سو افراد پر مشتمل تھی، جس میں سے ایک ہزار مسلمان شہید کر دیے گئے۔ دو سو مسلمان زندہ بچے ہیں اور اپنی زندگی پر ماتم کناں ہیں۔ مجروح ہیں اور مجبور۔ اسی طرح ایک گاؤں اسی علاقہ کے اندر بور بوری ہے جو نیشنل باڑی سے دس بارہ کلومیٹر دور ہے۔ وہاں کی آبادی نو سو بارہ افراد پر مشتمل تھی، ان میں سے پانچ سو اٹھاسی مسلمان قتل کر دیے گئے اور باقی اسی گاؤں میں انتہائی کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزارنے پر مجبور کیے گئے ہیں۔ نہ ان کی خوراک کا نظم ہے اور نہ ہی اس وقت تک جب ہمارا وفد وہاں پہنچا کسی قسم کی طبی امداد ان مجروحین کو ملی تھی۔

اس سے اس وسیع علاقہ کی ہلاکت و بربادی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ علی سنگھا نیز ڈھولا ندسمہ سے پوکھری، بھوگدل، حبیب، نستری، اندر باری، علاقہ مائرد باری، لاہیری گھاٹ، موزی باری کے وسیع علاقہ میں قتل و خون کا بازار گرم رہا۔

اکثر مقامات پر مسلمان زخمیوں کو کسی قسم کی طبی امداد نہیں مل سکی۔ بہت سے مسلمان مجروحین زخموں کی تاب

لاکر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ گوہاٹی میڈیکل کالج ہسپتال میں جن پچاس سے زائد شدید زخمیوں کو داخل کیا گیا تھا، انھیں انتہائی بے رحمی کے ساتھ ہسپتال سے نکال دیا گیا۔ ان میں سے بہت سے بعد میں مر گئے۔

رہائش کے لیے جو عارضی نظم کیا گیا ہے وہ انتہائی ناقص اور ناکافی ہے۔ مظلوم انسان جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کیے گئے ہیں اور وہ لوگ اپنی زندگی پر ماتم کناں و بیزار ہیں۔

پولیس کے ان دستوں کے نام سے مصیبت زدہ انسان کانپ اٹھتے ہیں۔ اس لیے کہ قتل و خون کی ساری کارروائی ان کے تعاون اور شرکت سے ہوئی ہے۔ بعض مقامات پر آسام بٹالین اور آسام پولیس نے انتہائی شرمناک اور افسوس ناک مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً ندہیری گھاٹ کے علاقہ کے ایک گاؤں سے دو سو مسلمانوں کو ایک اسکول میں حفاظت کے بہانے لایا گیا اور وہاں لاکر ان مجبور اور مظلوم انسانوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر ختم کر دیا گیا۔ مائر و باری کیمپ میں سولہ ہزار انسان انتہائی کسمپرسی کے عالم میں کیمپ میں تھے۔ تقریباً اس علاقہ کے مختلف گاؤں میں چار ہزار مکانات جلا دیے گئے اور سیکڑوں افراد کا قتل عام ہوا۔ اس علاقہ کے شر پسند عناصر اب بھی آسام پولیس اور آسام بٹالین کی تعیناتی کے لیے سرگرم ہیں۔ بہت سے افراد لاپتہ ہیں اور غالب یہی ہے کہ ان کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اور یہ سب اسی پولیس کا کارنامہ ہے۔ سی آر پی اور بی ایس ایف کے افسر اور جوان پوری مستعدی سے مظلوم انسانوں کے تحفظ کے ساتھ ممکنہ خدمت بھی انجام دے رہے ہیں۔ کاش کہ یہی نظم تحفظ پہلے کیا جاتا۔ شر پسند عناصر ان کی واپسی کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں۔ بعض مقامات پر مقامی پولیس اور سی آر پی کے جوانوں میں مقابلہ کی نوبت آ گئی۔ اور سی آر پی کے کچھ جوان مارے بھی گئے۔ ان پر مصیبت زدہ مظلومین کا پورا اعتماد ہے۔

انتظامیہ کے لوگوں میں مجسٹریٹ اور اس سے اوپر کے حکام تو امداد و آبادکاری کے کام میں حصہ لے رہے ہیں مگر نیچے کا عملہ فسادات سے پہلے ہی سے سختی سے عدم تعاون پر کاربند ہے، اس لیے امداد و آبادکاری کا کام صحیح طریقہ پر نہیں ہو پا رہا ہے۔ ویسے عملاً ریاست آسام کی انتظامیہ پہلے ہی سے مفلوج ہے۔

وفد نے محسوس کیا کہ غیر ملکیوں کے نام پر تحریک کی ابتدا خواہ جن اغراض و مقاصد کے تحت بنی ہو۔ لیکن یہ سارا ہنگامہ اور فساد صرف مسلمانوں کے خلاف کر دیا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ فساد سے متاثر ہونے والوں میں مسلمان ۷۵٪ سے ۸۰٪ فی صد ہیں۔

ان دنوں میں جبکہ بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے، مرکزی حکومت براہِ راست حکمراں تھی۔ لیکن اس کے اعلیٰ نمائندے محترم گورنر صاحب آسام نے اپنی انتہائی غیر ذمہ داری اور نااہلی کا ثبوت دیا۔ تمام ہندوستانی شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری بہرحال میں مرکزی حکومت پر عائد ہوتی ہے، اس میں دو رائے نہیں ہوسکتی کہ مرکزی حکومت اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہی ہے، جس کے نتیجے میں ہزاروں بے گناہ انسانوں کی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں، لاکھوں انسان بے گھر ہوگئے، ہزاروں انسان زخمی ہوگئے، ہزاروں مکانات جلادیے گئے اور سیکڑوں بستیاں تہ و بالا کردی گئیں۔

وفد نے مظلومین کی امداد و آبادکاری کے لیے گوہاٹی میں آل آسام مسلم ریلیف کمیٹی کے قیام کے سلسلہ میں بھی جدوجہد کی، جس میں تمام قابلِ ذکر جماعتیں، ادارے، اور افراد شامل ہیں۔

وفد ہندوستان میں بسنے والے تمام مسلمانوں، جماعتوں، اداروں اور شخصیات سے نیز بیرون ہند رہنے والے ہندوستانی مسلمانوں سے تعاون کی اپیل کرتا ہے۔ آل آسام مسلم ریلیف کمیٹی حاجی مسافر خانہ گوہاٹی، آسام، رابطہ قائم کرکے رقوم اور دیگر اور کپڑے بھیجے جائیں۔

وفد یہ بھی ضروری سمجھتا ہے کہ مظلومین آسام کے مسئلہ کو مسلمانانِ ہند اہمیت دیں۔ اور امداد و اعانت کے سلسلہ میں مخلصانہ جدوجہد کریں۔

محمد علی (دستخط) ... مرزا (سکریٹری کل ہند مسلم مجلس مشاورت)

مصر: فرعونیت کا دار دورہ

مصر، مشرق وسطیٰ کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ یہاں کے باشندے علوم وفنون میں بھی ماہر ہیں اور جنگ و پیکار میں بھی یکتا۔ ایمان و عقیدے میں بھی مخلص ہیں اور کردار و عمل میں بھی پُرجوش۔ طاغوتی طاقتیں ان کی صلاحیتوں سے لرزاں و ترساں ہیں، اور ان کے آگے بند باندھنے کے لیے کوشاں۔ اسی لیے مغرب نواز شاہ فاروق کے بعد

یا روس کے غلام بے دام جمال عبدالناصر، پنجۂ یہود کے گرفتار صدر سادات رہے ہوں یا امریکہ کے تسکار صدر حسنی مبارک، ہر ایک نے اسلام پسندوں کو اپنی قہرمانیت کا نشانہ بنایا ہے۔ اور سے
سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہ سوز ناک ؛ مرد حق ہوتا ہے جب "مقہور"، سلطان وامیر
۶ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کو صدر سادات کے قتل کے بعد جو مقدمات چلے اور پانچ افراد کو جس بہیمانہ طریقے سے سزائے موت اور باقیماندہ کو سزائے قید با مشقت دی گئی اس کی تفصیلات محدث کے مختلف شماروں میں گذر چکی ہے۔
یاد رہے کہ دار و گیر کا سلسلہ اتنے ہی پر رک نہیں گیا تھا، بلکہ ابھی سازش بغاوت کے جرم میں مزید ۳۰۲ افراد پر مقدمہ چل رہا ہے، جو تاریخ کا انوکھا مقدمہ ہے۔ لیکن فی الحال ہم مقدمہ کی روداد سنانے کے بجائے اپنے قارئین کو مصری جیل خانے کے مناظر دکھلائیں گے۔ جو شدید پابندیوں کی چھلنی سے چھن کر باہر آگئے ہیں۔ رپورٹ کا خلاصہ بحوالہ المجتمع کویت ۱۵ر مارچ یہ ہے۔
اکتوبر کے اواخر میں قیدیوں کے ایک گروپ کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں، دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ اس کے بعد دو لائنوں میں کھڑا کر کے ڈنڈوں اور بجلی کے کوڑوں سے سر، پیٹھ، پیٹ اور پاؤں پر بری طرح پٹائی کی گئی۔ پھر بیہوشی کے عالم میں کال کوٹھڑیوں کے اندر ٹھونس دیا گیا، ہفتے بھر سے زیادہ تک کھڑکی سے باہر کی طرف تاکنے کی اجازت نہ تھی۔ کوئی باہر کی طرف تاکتا ہوا دیکھ لیا گیا تو بے تحاشا پٹائی کی گئی۔ بلکہ ایک کے تاکنے پر سارے قیدیوں کو پیٹا گیا۔
روزانہ قیدیوں کی گنتی کی جاتی، ایک دن ایک بوڑھا قیدی جو پہلے ریڈیو پر خبریں نشر کرتا تھا، گنتی کے وقت پاخانے میں تھا، ظالم وہیں گھس پڑے، نہایت غلیظ گالیاں دیتے ہوئے اس کے سر پر جوتوں کی بارش کر دی، قیدیوں کو مدتوں نہ دھوپ میں نکلنے دیا گیا نہ غسل کے لیے پانی دیا گیا۔ بیچاروں کے جسم میں جوئیں پڑ گئیں اور طرح طرح کی جلدی بیماریاں پھیل گئیں۔ قلعہ، مرج اور استقبال طرہ کے جیل خانوں میں اذیت رسانی کے جو واقعات پیش آئے چند نمونے یہ ہیں۔
۱۔ عمر محمد حنفی ابراہیم ــ اس قیدی کو بار بار بجلی کے کوڑوں سے مارا گیا، دروازے پر لٹکا دیا گیا، جس سے دونوں بازو شل ہو گئے، کپڑوں سے ننگا کر دیا گیا، لواطت کی دھمکی دی گئی، شرمگاہ میں ڈنڈا کیا گیا، بجلی کے جھٹکے دیئے گئے، اس کی ماں اور بہنوں کو سامنے لا کر ننگا کر دیا گیا اور ان کی عصمت دری کی دھمکی دی گئی۔

۲۔ ممدوح علی یوسف :۔ یہ روضہ ٹیکنیکل کالج کا طالب علم ہے ، ڈنڈوں اور بجلی کے کوڑوں سے اس کی سخت پٹائی کی گئی ، جس سے وہ بیہوش ہوگیا ۔ لیکن بیہوشی کی حالت میں بھی ظالم اسے مارتے رہے ، بلکہ نقنہ دے کر ہوش میں لاتے اور پھر پٹائی کرتے ، اس کے جسم پر جلتی ہوئی سگریٹیں داغی گئیں ۔ اس پر کئی بار سگار کتے چھوڑے گئے ۔ بجلی کے جھٹکے دیے گئے ، اس کے دونوں بازو اس طرح شل ہو چکے ہیں کہ لیمان طرہ کے ہسپتال میں علاج کے باوجود ناکامی ہوئی ۔ اب مغیل کے قصر عینی میں زیر علاج ہے ۔

۴۔ عاطف غریب : اس کا بایاں بازو شل ہو چکا ہے اور قصر عینی میں زیر علاج ہے ۔

۵۔ محمد محمود صالح اسوانی ۔ اسے دروازے پر لٹکا کر پاؤں پر مسلسل مارا گیا ، دونوں بازو لٹے جانب موڑ دیے گئے ۔ اس کی ہتھیلی ایک طرف اور کلائی کی ہڈی دوسری طرف اس طرح باندھ دی جاتی کہ معلوم ہوتا کہ ہتھیلی کلائی سے الگ ہو جائے گی ۔ اسے جاڑے میں کھلی جگہ چار رات مسلسل کھڑا رکھا گیا ، بلکہ اسے جاڑے کی زیادہ تر راتیں جیل کی کوٹھڑی سے باہر کھلی جگہ میں گزارنی پڑیں ، اس کی حساس جگہ میں ڈنڈا ڈالا گیا ، جس کے نتیجے میں سخت خون آنے لگا ، لواطت کی دھمکی دی گئی ۔ اس کی اندھی ماں اور چھوٹی بہن کو بلا کر ننگا کر دیا گیا اور بری طرح مارا گیا ۔

۶۔ احمد سلام مبروک ۔ اسے دروازے پر لٹکا دیا گیا ۔ جس سے بازو پھٹ گئے اور ان میں ہلنے کی تاب نہ رہ گئی ۔ اس کی حساس جگہ میں موٹا ڈنڈا اور انگلی ڈالی گئی ۔ اور سگریٹ سے داغا گیا ۔ کپڑے کے بغیر دو دن تک مسلسل ٹھنڈک میں کھڑا رکھا گیا ۔

۷۔ مصطفیٰ سید محمد عوض ۔ اسے گھٹنے کے پاس سے لٹکا کر پاؤں اور سر پر مسلسل مارا گیا ، دو روز سے زیادہ مدت تک ٹھنڈک میں کھڑا رکھا گیا ۔ پیٹھ اور چہرے پر کوڑے برسائے گئے ، جس سے بائیں آنکھ زخمی ہو گئی بدکاری کی دھمکی دی گئی ، پھر اس کی ماں اور چار بہنوں کو لایا گیا ۔ . . . . . .

۸۔ برکت فہیم علی :۔ موٹے ڈنڈے اور بجلی کے کوڑے سے اس کے جسم کے ہر حصے پر مارا گیا ، پاؤں کے تلوے پر اتنا مارا گیا کہ وہ بالکل لہولہان ہو گیا ۔ اور پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی ۔ ہاتھ باندھ کر بہت دیر دیر تک مادر زاد ننگا چھوڑ دیا گیا ۔

۹۔ محمد عبدالرحیم محمد شرقاوی ۔ یہ انجینئر ہے اسے مختلف مراکز میں سزائیں دی گئیں ، پاؤں پر

بجلی کے کوڑوں سے اس قدر مارا گیا کہ لمبا اور گہرا زخم آ گیا، ایک ماہ تک پولیس سپتال اور اس کے بعد لیمان طرہ کے ہسپتال میں علاج ہوتا رہا، مگر زخم ابھی تک نہ بھر سکا۔

۱۰۔ محمد عصام عبدالرؤف ۔ اس کے بھی پاؤں پر بجلی کے کوڑوں کی سخت مار سے گہرے زخم آئے پولیس سپتال میں اور اس کے بعد لیمان طرہ کے ہسپتال میں علاج ہوتا رہا، مگر زخم ابھی تک نہ بھر سکا۔

۱۱۔ محمد بسیونی عبدالغفار: ان کی بائیں آنکھ پھوڑ دی گئی، دانت توڑ دیے گئے، اور کتوں سے جسم نچوا دیا گیا ہے۔

۱۲۔ محمد سید حجازی ۔ انھیں ننگا کھڑا کیا گیا۔ کوڑوں سے مارا گیا۔ آگ سے جلایا گیا اور موچنے سے داڑھی نوچ لی گئی۔

۱۳۔ یسری خلیفہ جار اللہ ۔ تکلیف دے دے کر اس کے ۴ دانت توڑ ڈالے گئے، ناک کی ہڈی توڑ ڈالی گئی اور کانٹے دار چھڑی سے جسم پھاڑ ڈالا گیا۔

۱۴۔ ۱۶۔ محمود امین محب + اشرف محمد + عبدالمنصور محمد ۔ ان تینوں کا جسم کتوں سے نچوایا گیا، بال نوچے گئے، ناخن اکھاڑ دیے گئے۔ داڑھی نوچی گئی اور کوڑوں سے بُری طرح پیٹا گیا۔

۱۷، ۱۸۔ عبدالحق احمد فواد حسن + محمود محمد محمود شحاتہ ۔ دونوں کو بجلی کے کوڑوں سے مارا گیا دیر دیر تک ننگ دھڑنگ کھڑا رکھا گیا۔ ٹھنڈے پانی کی دھار ماری گئی، دروازے پر لٹکایا گیا۔ کوڑوں سے مارا گیا لواطت کی دھمکی دی گئی۔

۱۹۔ ہشام حسن عبدالفتاح ۔ دروازے پر لٹکایا گیا، دونوں پاؤں میں کانٹے دار پائپ ٹھلے گئے دونوں بازو توڑ دیے گئے، بدفعلی کی گئی، اور گھر کی عورتوں کو لانے کی دھمکی دی گئی۔

۲۰۔ محمود محمد اسماعیل :۔ دروازے پر لٹکایا گیا، داہنا بازو توڑ دیا گیا، بدفعلی کرنے اور انگلی توڑنے کی دھمکی دی گئی۔

۲۱۔ ساطع خضری ۔ کوڑے سے اس قدر مارا گیا کہ جسم پھٹ پھٹ گیا۔ کانٹے دار چھڑی سے چیر پھاڑ دیا گیا۔ ناخن کھینچ کر نکال دیے گئے، کتوں کو مسلط کر دیا گیا۔ سخت ایذا رسانی سے اس کی عقل جاتی رہی

۲۲۔ عبدالمنعم عبدالہادی، ابوالفتوح ۔ اس شخص نے سادات کی چیرہ دستی کے خلاف حق گوئی سے کام لیا تھا۔ سادات کے قتل کے بعد اسے گرفتار کر کے کئی دن تک اتنا مارا گیا کہ دونوں گردوں سے خون آنے لگا،

اور ایک مدت تک اس کے پیشاب میں خون آتا رہا ۔ بلکہ عرصے تک نیند سے بھی محروم رکھا گیا ۔

۲۳، ۲۴ ۔ ڈاکٹر عصام الدین محمد عریان + ڈاکٹر حلمی جزار ۔ ان دونوں کو ایک مہینہ تک روزانہ بلاناغہ سخت مار ماری جاتی ، اس کے بعد یہ دونوں کالرا کی بیماری میں مبتلا ہو گئے اور اسپتال بھیج دیے گئے ۔ بیماری رحمت ثابت ہوئی ورنہ جان کی خیر نہ تھی ۔

مصری جیلوں میں خدا پرست اور دیندار مسلمانوں کے ساتھ پس پردہ جو تعذیب ہو رہی ہے ، یہ اس سمندر کے چند قطرے ہیں ۔ جس کی خبر کسی طرح جیل کے باہر آ گئی ہے ۔ اس سے یہود دوستی اور استعمار نوازی کی قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا لدنک رحمۃ ، انک انت الوھاب ۔

افغانستان : اعداد و شمار بولتے ہیں

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو روس کی ایک لاکھ بیس ہزار فوج افغانستان میں داخل ہوئی تھی تب سے ابتک جنگ جاری ہے ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء سے ۲۷ دسمبر ۱۹۸۲ء تک کی سالانہ جنگی کارروائیوں کے کچھ اعداد و شمار افغان مجاہدین کے ترجمان ماہنامہ ہجرت بابت جنوری ۱۹۸۳ء کے حوالے سے اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے ۔

۱۔ افغانستان کے اونچے نیچے پہاڑوں اور عجیب الخلقت وادیوں کے باعث مجاہدین اپنی کم قوت سے ، دشمن کی بڑی قوت کو زیادہ نقصان پہنچا دیتے ہیں ۔ گزشتہ سال کاپیسا کے صوبے میں کارمل اور روسی فوجیوں میں سے ۵۰۰ فوجی ہلاک کیے گئے اور صوبہ کنڑ میں ۷۲۵ فوجیوں کو وادیوں میں ہلاک کیا گیا ، جن میں ۱۷۰ روسی بھی شامل تھے ۔ صوبۂ پکتیا میں ۱۸۰۰ روسی اور کارمل فوجی ہلاک کیے گئے ۔

صوبۂ کابل جہاں دشمن کے مراکز زیادہ ہیں ، مجاہدین کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔ اس لیے گزشتہ سال کے دوران صرف کابل میں مجاہدین کی طرف سے ۲۰۸ چھاپہ مار کارروائیاں ہوئیں جبکہ حکومت کی جانب سے حملے ہوئے ۔ ان حملوں کے دوران روسی اور کارمل فوجیوں میں سے ۱۲۷۰۰ افراد قتل ہوئے جبکہ مجاہدین میں ۱۷۰ افراد

شہید ہوئے ہیں، تباہ ہونے والے ٹینکوں کی تعداد ۱۲۰۷ ہے جس میں سے صرف کابل صوبے میں ۳۰۰ ٹینک تباہ کیے گئے۔

بہت سے صوبوں میں جنگ کی شدت کی وجہ سے اکثر مراکز پر مجاہدین کا مکمل کنٹرول ہے، جس میں سے صوبہ ارزگان، غورات، بامیان اور پنجاسور قابل ذکر ہیں۔ یہاں مجاہدین نے اپنی حکومت قائم کرلی ہے۔

جنگ کی شدت اور روسیوں کے وحشیانہ حملوں کی وجہ سے دقیق طور پر ارقام اکٹھا کرنا مشکل ہے۔ کیوں کہ یہ وحشی لوگ فصلیں تباہ کرتے ہیں، حیوانات کو قتل کرتے ہیں، مساجد کو شہید اور گھروں کو تباہ کردیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم نے بہت محتاط اور دقیق انداز میں گزشتہ سال کے گراف کو تیار کیا ہے جو یہاں قارئین کے لیے پیش کیا جارہا ہے

تباہ ہونے والے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں : ایک سال میں ۲۱۷۰ ایک مہینے میں ۱۸۰ ایک ہفتہ میں ۴۵، ایک دن میں ۷،

پرچمی، خلقی اور دوسرے فوجی : ایک سال میں ۳۳۱۰۵، افراد، ایک مہینے میں ۲۷۵۹، ایک ہفتہ میں ۶۰۹، ایک دن میں ۹۲۔

ہوائی جہاز : ایک سال میں ۶۷ ایک مہینہ میں ۵، ایک ہفتہ میں ایک جہاز

کٹھ پتلی حکومت کے مجروحین : ایک سال میں ۱۲۰۹۴، ایک مہینہ میں ۱۰۰۹، ایک ہفتہ میں ۲۵۲ ایک دن میں ۳۶۔

ہلاک ہونے والے روسی فوجی : ایک سال میں ۳۵۲۷، ایک مہینہ میں ۲۹۴، ایک ہفتہ میں ۷۳، ایک دن میں ۱۱ افراد۔ وہ روسی فوجی جو طیاروں اور ٹینکوں میں ہلاک ہوئے اس اعداد وشمار میں شامل نہیں ہیں۔ یہاں صرف ان روسیوں کے اعداد وشمار ہیں جو دست بہ دست اور آمنے سامنے لڑائی میں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

مجاہدین کے حملے : ایک سال میں ۹۰۲ ایک مہینہ میں ۷۵ ایک ہفتہ میں ۱۸ ایک دن میں ۲ ½

حکومت کے حملے : ایک سال ۱۸۰ ایک مہینہ میں ۱۵ ایک ہفتہ میں ۴

شہداء : ایک سال میں ۱۸۸۱ ایک مہینہ میں ۱۵۷ ایک ہفتہ میں ۳۹ ایک دن میں ۵۔

زخمی مجاہدین : ایک سال میں ۱۳۹۵ ایک مہینہ میں ۱۱۶، ایک ہفتہ میں ۲۷،

مجاہدین کے شہداء اور زخمیوں میں وہ دیہاتی اور شہری شامل ہیں جو بمباری سے قتل ہوئے۔

●●●

جامعہ کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ

۱۰ / اپریل ۱۹۸۳ء جامعہ کی تاریخ کا ایک بارونق دن گزرا ہے ۔ اس روز کئی اہم مجلسوں کا انعقاد ہوا۔
ن میں شرکت کے لیے ملک کے دور دراز گوشوں سے ارباب حل وعقد کے وفود کی آمد دو تین روز پہلے ہی سے شروع
ہو چکی تھی ۔

۱۰ / اپریل کو سب سے پہلے صبح دس بجے سے جامعہ سلفیہ کی مجلس منتظمہ کا اجلاس شروع ہوا ۔ تلاوت کلام پاک کے بعد
اعت کے اکابر مرحومین کا ذکر آیا ۔ صدر مجلس حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی نے مولانا عبدالوہاب آروی
ر مولانا محمد احمد صاحبؒ ناظم فیض عام مئو کے بعض فضائل وکمالات پر روشنی ڈالی ۔ ان کے علاوہ درج ذیل علمائے
ام واکابرین جماعت کی خدمات کو بھی سراہا گیا ، اور سب کے لیے دعائے مغفرت کی گئی ۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ایڈوکیٹ
جی عبدالرحمٰن صاحب بلاری ، مولانا عبدالحنان صاحب دالاپور ۔ مولانا شمس الضحیٰ صاحب لوہر پور ۔ مولانا محمد اقبال
احب رحمانی ، مولانا محمد یعقوب صاحب جوناگڈھی ، مولانا مصلح الدین صاحب اعظمی ۔ مولانا عبیدالرحمان صاحب
اقل رحمانی ۔ بچو علی سیٹھ ، ۔

اس کے بعد ایجنڈا کی اصل دفعات پر گفتگو شروع ہوئی ۔ مجلس نے جامعہ کے ۲۱ / ۲۲ / فروری کے المناک واقعے
، اسباب وعلل ، آثار ونتائج اور اس موقع پر کیے گئے اقدامات کا بڑی تفصیل اور گہرائی سے جائزہ لیا ، کوئی
ڈھائی گھنٹے کے مفصل غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد جو کچھ طے ہوا ، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس موقع پر اور اس کے
د ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبدالوحید صاحب حفظہ اللہ نے جو اقدامات کیے ہیں ، وہ بالکل بروقت اور نہایت برمحل
یں ۔ مجلس اس کی مکمل تائید کرتی ہے اور یہ طے کرتی ہے کہ جن طلبہ کا اخراج ہو چکا ہے انھیں دوبارہ واپس نہ لیا جائے
ر آئندہ بھی جن عناصر سے جامعہ کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو ، ان کے خلاف ناظم اعلیٰ صاحب کو ہر وقت
ر مناسب کارروائی کرنے کا مجاز قرار دیا جاتا ہے ، خواہ وہ طلبہ ہوں یا جامعہ کے کسی اور شعبے اور دائرے سے ان کا تعلق ہو

اس کے بعد جامعہ کے مختلف شعبوں کی کارکردگی، بجٹ اور دیگر ضروری امور کا جائزہ لیا گیا اور مناسب تجاویز طے کی گئیں۔ ظہر کے وقفے کے علاوہ کوئی دو بجے تک میٹنگ جاری رہی۔

خطاب مجلس کی گزارش اور سفارش پر عصر کے بعد حضرت الشیخ مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مدظلہ اور حضرت مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ نے اساتذہ، مہمان اور طلبہ کے اجتماع کو خطاب فرمایا۔ شیخ صاحب نے نہایت دلسوز لہجے میں بتلایا کہ اہل علم کا درجہ و مقام اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ نیز اس راہ کی چھوٹی بڑی مشقتیں کس نوعیت کی ہوتی ہیں، اور اہل علم کو ان کے تئیں کیا کرنا چاہیے؟۔ مولانا ندوی نے قدرے تفصیل کے ساتھ اس وقت کے حالات کی عکاسی کی جب تحریک اہلحدیث وجود میں آئی تھی۔ پھر موجودہ دور کی تحریکات کی غیر معتدل کیفیت اور ناہموار فہم اسلام کا نقشہ کھینچتے ہوئے بتلایا کہ تحریک اہلحدیث ہر پہلو سے مکمل اور جامع تحریک ہے۔ یہ چار بنیادوں پر قائم ہوئی ہے۔ (۱) توحید خالص (۲) اتباع کتاب و سنت (۳) تعلق فی اللہ۔ یعنی رنگ و نسل، وطن وغیرہ جیسی جاہلی چیزوں کے بجائے افراد اور جماعتوں کے ساتھ محبت اور بغض کا معاملہ خالص للہ فی اللہ کیا جائے۔ (۴) جہاد فی سبیل اللہ۔ پھر آپ نے اس تحریک کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ تقسیم ملک کے بعد سے ۱۹۶۳ء تک تعلیمی اور دیگر شعبوں میں جماعت کی زبوں حالی کا کیا عالم تھا، اور اس سے متاثر ہو کر جامعہ سلفیہ قائم کیا گیا تو اس کے کتنے زبردست مثبت اور دوررس نتائج ظاہر ہوئے کہ آج دنیا بھر میں جامعہ سلفیہ کو سلفی دعوت کا نہایت اہم مرکز اور ستون سمجھا جا رہا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ جامعہ سلفیہ کے ذریعہ ہماری بکھری ہوئی اور منجمد تاریخ دوبارہ متحرک ہوئی اور نہایت زبردست قوت و رفتار کے ساتھ جاری ہوئی، لیکن جب میں نے ۲۰ر فروری کے واقعہ کی اطلاع سنی تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔ کاش وہ خواب ہوتا، مگر وہ امر واقعہ تھا، اس سے ہماری چلتی ہوئی تاریخ رک گئی آپ نے اپنا منصب و مقام چھوڑ کر ایک دوسرا قدم اٹھا دیا، اب اسے بھلا دینا چاہیے اور اس کا کفارہ ادا کیا جانا چاہیے اور کفارہ یہی ہے کہ اس واقعہ سے ہماری تحریک کو جو دھچکا لگا ہے، اس کی تلافی کی جائے اور اس تحریک کو اور جامعہ کے مقاصد کو پہلے سے کہیں زیادہ عزم و حوصلے اور قوت و ہمت کے ساتھ آگے بڑھایا اور بروئے کار لایا جائے۔

مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کی مجلس عاملہ کا اجلاس

مولانا ندوی کی تقریر کے خاتمے کے بعد اختتام جلسہ کا اعلان کیا گیا۔ اور فوراً ہی دار الحدیث ہال میں مرکزی جمعیت

اہلحدیث کے معزز اراکین اور مدعوئین خصوصی جمع ہو گئے، جمعیۃ کی کارکردگی کی رپورٹیں پیش کی گئیں، مستقبل کے منصوبوں پر تبادلہ خیال کیا گیا اور جماعت کے کاز کو آگے بڑھانے کی مفید تجاویز اور قراردادیں منظور کی گئیں۔
مرکزی جمعیۃ کے اس اجلاس میں بھی جامعہ سلفیہ کا ۲۲ر فروری کا المناک واقعہ زیر بحث آیا، اور جامعہ کے ناظم اعلیٰ اور دیگر ذمہ داران کے اقدامات اور مجلس منتظمہ کے فیصلوں کی تائید کی گئی۔

آسام ریلیف فنڈ

اخیر میں مولانا حبیب الرحمان آسامی کی توجہ دہانی پر فوراً ہی مرکزی جمعیۃ کے زیر اہتمام ایک باقاعدہ آسام ریلیف فنڈ کا قیام عمل میں آیا۔

نماز مغرب کے وقفے کے علاوہ عشاء تک مجلس جاری رہی، نماز عشاء کے بعد جامعہ محمدیہ کی مجلس شوریٰ کے اراکین کی نشست ہوئی، جو تقریباً دس بجے رات تک جاری رہی۔ جامعہ محمدیہ کے جملہ حالات پر غور و خوض کر کے اس کے کاز کو آگے بڑھانے کی مختلف تجاویز طے ہوئیں اور ملک کے جو عناصر اسلامی اداروں اور ان کے منتظمین کا کردار مجروح کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ان کی روش پر اظہار افسوس کیا گیا۔

مسجد اہلحدیث بجرڈیہہ کی توسیع و تجدید

۱۱ر اپریل کو گیارہ بجے بجرڈیہہ کے اہل حدیث ادارہ مدرسہ احیاء السنہ سے متصل قدیم اور بوسیدہ مسجد اہلحدیث کی تجدید و توسیع کے لیے سنگ بنیاد رکھنے کا پروگرام تھا۔ اس مناسبت سے مختصر وقفے کا ایک اجلاس بھی ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث رحمانی مدظلہ العالی نے فرمائی۔ اس اجلاس میں مقامی باشندوں کے علاوہ ملک کے اطراف و اکناف سے جامعہ سلفیہ میں آئے ہوئے معزز مہمانوں نے بھی شرکت کی۔ مولانا مختار احمد صاحب ندوی نے مسجد کے موضوع پر ایک پرمغز، جامع، اثر انگیز اور ولولہ خیز خطاب فرمایا۔ بعدہ شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی کے بدست سنگ بنیاد رکھا گیا، جس میں بقیہ حاضرین نے بھی شرکت کی۔
یہ مسجد ادارۂ اصلاح المساجد بمبئی کی طرف سے تعمیر ہو رہی ہے۔ ناظرین کو علم ہو گا کہ یہ ادارہ مولانا مختار احمد صاحب ندوی نے قائم فرمایا ہے اور وہی اس کے صدر ہیں۔ اس ادارے کی طرف سے ابتک ۲۳ مسجدیں تعمیر ہو چکی یا ہو رہی ہیں۔ اور مزید بہت سی مساجد کی تعمیر کا پلان تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا ندوی کو توفیق مزید عنایت کرے اور ان کی تگ و دو کو شرف قبولیت سے نوازے۔۔

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

محدث

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

★

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیۃ

بنارس ۔ الہند

★

[illegible] ۔ شعبان و رمضان ۱۴۰۳ھ ۔ جون و جولائی ۱۹۸۳ء

برگ وبار

صفحہ

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

جلد ۲ • شعبان المعظم و رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ جون و جولائی ۱۹۸۳ء • شمارہ ۴، ۵

ایڈیٹر

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک	پتہ
• سالانہ ۲۵ روپے • ششماہی ۱۳ روپے	خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
• فی پرچہ ۲/۵۰ روپے • بیرون ملک ۱۵ ڈالر	بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA „ SALAFIA „ REORITALAB VARANASI-221001

ٹیلی گرام: دارالعلوم، وارانسی ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

تزئین و کتابت

انور جمال

ناشر	طابع	مطبع
جامعہ سلفیہ بنارس	عبدالوحید	سلفیہ پریس وارانسی

دعائے نیم شبی

تابش حجازی، مئو، اعظم گڈھ

متاعِ ذوقِ ایمانی عطا کر شعور و فہم قرآنی عطا کر
دلوں کو نورِ ایماں سے جلا دے جبینوں کو درخشانی عطا کر
تڑپ جس درد سے ہو دل میں تیری مجھے وہ دردِ لافانی عطا کر
بہ ہنگامِ سحر قلب و نظر کو بہارِ اشک افشانی عطا کر
الٰہی! شب گزیدہ عصرِ نو کو فروغِ صبحِ فارانی عطا کر
سحر کی چاک دامانی سے پہلے نظر کو پاک دامانی عطا کر
سکونِ قلزمِ ایماں کو پھر خروشِ موج و طغیانی عطا کر
بڑھا کچھ اور لو شمعِ حرم کی اندھیروں کو فروزانی عطا کر
خداوندا! مرے قلبِ حزیں کو گداز و سوزِ ایمانی عطا کر
تقاضا ہے مری تشنہ لبی کا مجھے صہبائے عرفانی عطا کر
سر افگندہ مسلماں ہے جہاں میں اسے اوجِ سلیمانی عطا کر
تو میرے پیکرِ فکر و نظر کو جمال افروز تابانی عطا کر
یہ میری مختصر سی آرزو ہے مسلماں کو مسلمانی عطا کر

یہ تیرا بندۂ عاصی ہے تابشؔ
اسے فرمانِ غفرانی عطا کر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش راہ

جب کسی قوم کا مزاج بگڑ جاتا ہے

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کا جو واقعہ مذکور ہے، اسے معتبر کتب تفاسیر انجیل برنباس وغیرہ کے بیانات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ اور حق گوئی و رہ نمائی سے تنگ آ کر یہ فیصلہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ اس مقصد کے تحت انھوں نے بیت المقدس کے حاکم سے ایسی شکایات کیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اور اس کی پولیس اس مکان میں جا گھسی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رات گزارنے کے لیے آرام فرما رہے تھے۔ اس جگہ تک پولیس کی رہ نمائی کرنے والا خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک شاگرد تھا، جس کا نام یہودا اسخریوطی تھا۔ اس نے تیس روپے کے عوض یہ غداری کی تھی۔ عین اس وقت جبکہ پولیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے مذکورہ مکان میں داخل ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک جھروکے سے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور غدار شاگرد کی آواز اور شکل و صورت سب کچھ بعینہٖ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی کر دی۔ اس لیے پولیس نے اسی کو گرفتار کر لیا، اور اس کی چیخ پکار واویلا اور فریاد پر بالکل کان نہ دھرا — موافق و مخالف ہر دیکھنے والے نے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰؑ کے دوسرے شاگردوں نے بھی یہی سمجھا کہ حضرت عیسیٰ ؑ گرفتار ہوئے ہیں۔ اور اسی لیے عیسائی آج تک یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی گرفتار ہوئے تھے اور انھیں کو سولی دی گئی تھی۔

گرفتاری کا یہ واقعہ یہودیوں کی عید فسح کے موقع پر پیش آیا تھا۔ صبح حاکم بیت المقدس پیلاطس رومی کے دربار میں گرفتار شدہ انسان کی پیشی ہوئی۔ وہاں یہودی علماء، ربیوں، کاہنوں (سجادہ نشینوں) اور عوام کی

بڑی بھیڑ جمع تھی۔ پیلاطس خود تو مشرک تھا لیکن وہ یہودیوں کی عید کے موقع پر ان کی خوشی کے لیے ان کا ایک قیدی آزاد کر دیا کرتا تھا۔ اس وقت پیلاطس کی قید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۔ بعقیدۂ یہود و نصاریٰ کے علاوہ برابا نام کا ایک مشہور خونی ڈاکو بھی تھا۔ پیلاطس نے یہودیوں کے مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"تم کسے چاہتے ہو کہ میں تمھاری خاطر چھوڑ دوں۔ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے" (انجیل متی: باب۲۷)

اس کے جواب میں یہودیوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ یہ تھا۔

"سردار کاہنوں اور بزرگوں نے لوگوں کو ابھارا کہ برابا کو مانگ لیں اور یسوع کو ہلاک کرائیں۔ حاکم نے ان سے کہا: ان دونوں میں سے کس کو چاہتے ہو کہ تمھاری خاطر چھوڑ دوں؟ وہ بولے، برابا کو۔ پیلاطس نے ان سے کہا، پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں؟ سب نے کہا اس کو صلیب دی جائے؟ اس نے کہا کیوں اس نے کیا برائی کی ہے؟ مگر وہ اور بھی چلا چلا کر بولے کہ اس کو صلیب دی جائے۔ (دیکھیے انجیل متی باب ۲۷: آیات ۲۳-۱۵)

اس کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر گرفتار کیے گئے شخص کو پھانسی دیدی گئی تو یہود نے بڑے جوش اور فخر کے ساتھ گویا خوشی سے سینہ ٹھونک کر کہا۔ "إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ"، یعنی ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ بن مریم مسیح کو قتل کر دیا

یہودیوں کا یہ قول قرآن مجید نے نقل کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ ع کو قتل کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ کسی غلط فہمی پر مبنی نہ تھی، یعنی ایسا نہیں تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ حقیقت کو سمجھ نہ سکے تھے اور انھیں غلط رو بدکار یا ہنگامہ خیز و فتنہ انگیز انسان سمجھتے تھے، اس لیے ان کے قتل کے درپے تھے۔ بلکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ جانتے تھے کہ یہ مسیح ہیں۔ یعنی اللہ کی طرف سے خلق خدا کی ہدایت و رہنمائی پر مامور ہیں۔ لیکن ان کا مزاج اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ اپنی گمراہیوں برائیوں، غلط کاریوں اور بداعمالیوں پر شرمندہ ہونا اور اس سے باز آنا تو درکنار انھیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ کوئی بھلا انس آدمی انھیں ان کی برائیوں پر ٹوکے اور ان کی غلط کاریوں سے ہٹا کر انھیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔ ان کی کج فکری اس مقام کو پہنچ چکی تھی کہ وہ اپنے سماج میں ایک خطرناک ڈاکو کو تو جگہ دینے کے لیے تیار تھے لیکن اپنے بیچ کا انسان کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے جس کے متعلق انھیں خود یقین تھا کہ یہ اللہ کا رسول و پیغمبر ہے اور اس کی طرف سے ہدایت و رہنمائی کے کام پر مامور ہے، اور اس کی پیروی کر کے جنت کی نعیم ابدی

سے سرفراز و بہرہ مند ہوا جا سکتا ہے۔

یہ کسی کافر قوم کا حال نہیں بیان کیا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ اس قوم کا حال تھا جو اپنے وقت کی واحد مسلمان قوم تھی جس کے پاس اللہ کی کتاب توریت تھی اور جو توحید و رسالت اور آخرت وغیرہ کی ساری باتوں پر ایمان رکھنے کی مدعی تھی۔ اس مسلمان قوم کے اس بگاڑ کا جو نتیجہ اور حشر ہوا وہ بھی معلوم و معروف ہے۔ اس واقعہ کے صرف کوئی چالیس سال بعد ۷۰ء میں رومیوں نے بیت المقدس پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کعبۂ یہود یعنی ہیکل سلیمانی کی ایک ایک اینٹ اکھاڑ کر پھینک دی، پورا شہر مسمار کر دیا۔ ایک لاکھ ۳۳ ہزار یہودیوں کا قتل عام کیا، ہزارہا افراد کو کھیل کود کے میدان میں تلواروں کا تختہ مشق بنانے یا جنگلی جانوروں سے پھڑوانے کے لیے گرفتار کر لیا۔ ہزاروں کو جبری بیگار پر لگایا، ۷۰ ہزار کو غلام بنایا اور باقی بچے کھچے یہودیوں کو پوری دنیا میں ذلت کی ٹھوکریں کھانے کے لیے تتر بتر کر دیا۔ اسے قرآن مجید (سورہ بنی اسرائیل) میں اللہ کا عذاب اور اس کا قہر بتلایا گیا ہے۔

اس واقعے سے کئی صدی پہلے بھی اس قوم کو اسی طرح کے ایک خونین قہر الٰہی سے گزرنا پڑ چکا تھا، ۵۸۷ ق م میں بخت نصر نے ایک سخت حملہ کر کے یہودیوں کے ملک کو تہ و بالا کر دیا تھا، چھوٹے بڑے تمام شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ کعبۂ یہود یعنی ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس کو اس طرح مسمار کیا تھا کہ اس کی ایک اینٹ بھی باقی نہ بچی تھی۔ یہودیوں کا قتل عام تقریباً اسی ڈھنگ سے ہوا تھا جس کا نمونہ مذکورہ بالا واقعہ میں پیش کیا گیا ہے۔ بخت نصر کے ہاتھوں تباہی کا یہ واقعہ بھی تقریباً ویسے ہی حالات اور فساد و بگاڑ کے بعد پیش آیا تھا جس کا نمونہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی مشہور کتاب تلمود میں لکھا ہے کہ بخت نصر نے بیت المقدس فتح کرنے کے بعد ہیکل سلیمانی کی سیر کی۔ ہیکل میں ٹھیک قربان گاہ کے سامنے اسے دیوار پر ایک جگہ تیر کا نشان دکھائی پڑا۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسا نشان ہے؟ یہود نے جواب دیا کہ ہم نے یہیں زکریاہ نبی کو قتل کیا تھا، کہ وہ ہمیں ہماری برائیوں پر ٹوکتا اور ملامت کرتا تھا، ہم اس کی ملامتوں سے تنگ آ چکے تھے، اس لیے ہم نے اسے قتل کر ڈالا۔ حضرت زکریا کے قتل کیے جانے کا یہ واقعہ اجمال و تفصیل کے فرق کے ساتھ کتب بائبل میں سے تواریخ سلاطین اور بعض اناجیل میں بھی مذکور ہے۔

بہرحال اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلی تباہی اور قہر الٰہی کے موقع پر جبکہ بخت نصر کے ہاتھوں یہود پر

عذاب کا کوڑا برسا تھا۔ یہود کا مزاج بگڑ کر فساد اور خرابی کے ٹھیک اسی مقام پر پہنچ گیا تھا جس مقام پر دوسری تباہی کے وقت پہنچا تھا جبکہ انھیں رومیوں کے ہاتھوں پامال کیا گیا۔ یعنی غلط کاری پر ان کی جرأت وجسارت اس قدر بڑھ چکی تھی اور بدکاری و حرامکاری کے سلسلہ میں ان کی ڈھٹائی کا عالم یہ ہوچکا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک کسی ناصح کی نصیحت اور ٹوکنے والے کی ملامت سننے اور برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ انجیل متی کی زبانی حضرت مسیح کے دور کی جو تفصیلات نقل کی گئی ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کردار وعمل کا یہ فساد اور بگاڑ صرف عوام اور جاہل طبقے تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اہل علم اور علمبرداران دین میں بھی سرایت کرچکا تھا۔ بلکہ اصل اور بڑے پیمانے کا فساد اور بگاڑ تو انھیں کے اندر تھا، اور اپنے پیغمبر کو قتل کرانے کی کوششوں میں یہی پیش پیش رہتے ہوئے عوام کی رہنمائی وقیادت کررہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم کے برے دن آتے ہیں تو اس کا ذمہ دار، سربراہ اور دین کا اجارہ دار طبقہ کچھ زیادہ ہی بگڑ جاتا ہے۔ وہ اپنے جسم ولباس، ظاہری ٹیپ ٹاپ، رکھ رکھاؤ اور سج دھج کے اعتبار سے تو بڑا خوش منظر، دیندار، مقدس اور پارسا نظر آتا ہے۔ لیکن شاطرانہ چالبازی، ہیرا پھیری، دھوکہ بازی، داؤ پیچ، جھوٹ، غلط بیانی، دنیا پرستی، محاسبۂ الٰہی سے بے نیازی، باہمی بغض وحسد اور کردار وعمل کی دوسری بیشمار کمزوریوں اور خرابیوں میں اس طرح جکڑ جاتا ہے کہ وہ اندر ہی اندر بالکل کھوکھلا ہوکر رہ جاتا ہے۔ اس کا ظاہر جتنا مقدس اور پاکیزہ نظر آتا ہے، باطن اتنا ہی گندہ اور مخدوش ہوتا ہے۔ وہی علماء یہود — جنھوں نے بعد میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کو تختۂ دار تک پہنچانے کی کوشش کی — ان کے بارے میں ایک بار حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

"فقیہ اور فریسی موسٰی کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمھیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو، لیکن ان کے سے کام نہ کرو۔ کیوں کہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں — وہ ایسے بھاری بوجھ جن کا اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں، لیکن آپ انھیں انگلی سے بھی ہلانا نہیں چاہتے۔ وہ اپنے سب کام لوگوں کے دکھلاوے کو کرتے ہیں، کیوں کہ وہ اپنے تعویذ بڑے بناتے اور اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے ہیں۔ اور ضیافتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں میں اعلٰی درجے کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے ربی کہلانا پسند کرتے ہیں — (انجیل متی ۲۳: ۲، ۷)

پھر شاگردوں کو حسن عمل کی تلقین و وصیت کرنے کے بعد علماء یہود کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے ریاکار فقیہو! اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو کیونکہ نہ آپ داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

اے اندھے راہ بتانے والو! تم پر افسوس ہے جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔ اے احمقو اور اندھو! کونسا بڑا ہے؟ سونا یا مقدس جس نے سونے کو مقدس کیا۔؟ .....

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ پودینے اور سونف اور زیرے پر دہ یکی دیتے ہو۔ اور تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔ اے اندھے راہ بتانے والو! جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تا کہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بدینی سے بھرے ہوئے ہو۔

(انجیل متی ۲۳: ۱۳ - ۲۸)

آج ملت اسلامیہ مصائب و آلام کی بھٹی میں سلگ رہی ہے، وہ جہاں بھی ہے خواہ اقلیت میں ہو یا اس کا اپنا ملک اور اپنی حکومت ہو یا غیروں کا ملک اور غیروں کی حکومت۔ ہر جگہ اس کے خون ناحق کے چھینٹوں بلکہ دھاروں سے زمین لالہ زار ہے، اس کے آہنی اور مضبوط قلعوں تک پر الحادی طاقتوں کی یورش و یلغار ہے، جس کے نتیجے میں عزت و آبرو اور جان و مال سب کچھ پامال و برباد ہے۔ وہ مسلمان جو

کبھی اس کائنات کی زینت تھا اور جس کے کردار و عمل کے حسن سے انسانیت کے خاکے میں رنگ بھرا جاتا تھا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج وہ زمین پر بوجھ بن کر رہ گیا ہے ۔ اور زمین اس بوجھ کو اپنی پشت سے اتار پھینکنا چاہتی ہے ۔

آخر ایسا کیوں ہے ؟ اس کا مختصر اور حقیقت پسندانہ جواب یہ ہے کہ آج قانونِ الٰہی کی اسی گرفت سے ہم بھی دوچار ہیں، جس سے کبھی یہود کو سابقہ پڑا تھا ۔ کیونکہ آج ہمارے کردار و عمل کی بھی تصویر وہی ہے، جو کبھی ان کی تھی ۔ عوام کو تو جانے دیجیے ! ہمارا وہ طبقہ جو ہدایت و رہ نمائی کے منصب پر فائز اور منبر و محراب کی زینت ہے، اپنی شکل و صورت اور پوشاک کے لحاظ سے تو یقیناً تقدس کا مجسمہ ہے لیکن اس پردے کو ہٹا دیجیے تو نہاں خانۂ دل میں ہوا و ہوس کے بت خانے آباد نظر آئیں گے ۔ کینہ پروری، علاقہ پرستی، نسلی غرور وغیرہ جیسی ساری جاہلی عصبیتیں اپنی تمام فتنہ سامانیاں سمیت جلوہ گر نظر آئیں گی ۔ ایمان و دیانت، ایثار و قربانی، راست بازی و خدا ترسی اور حق پرستی و فکرِ آخرت کا سارا دائرہ سکڑ سکڑا کر منبر کے زینوں تک محدود ہو گیا ہے جس کی تلقین صرف سامعین کو کی جاتی ہے ۔ ہماری کشت گاہ عمل صدق و صفا اور محبت و خلوص کے خوشنما پھولوں کا گلشن ہونے کے بجائے خود غرضی و فریب کاری اور کج روی و غلط کاری کے بھنگ دھتوروں کا جنگل بنی ہوئی ہے ۔ غرض کردار اور عمل کے فساد کا ایک سیلاب ہے جس میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ ان کے آگے آگے خواص و اعیان بھی خس و خاشاک کی طرح بہے جا رہے ہیں ۔ الامن رحم ربک

ظاہر ہے کہ کردار و عمل کا یہ فساد اگر کل قہر الٰہی کے بھڑکنے کا سبب بنا تھا تو آج اس کی رحمت و انعام کا سبب نہیں بن سکتا ۔ خدا کا قانون ساری قوموں اور ملکوں کے لیے ایک اور یکساں رہا ہے اور رہے گا ۔ ما یبدل القول لدی (میرے نزدیک بات نہیں بدل جاتی) پس ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہمیں جن آلام و آفات نے گھیر رکھا ہے ہمارے موجودہ کردار کو دیکھتے ہوئے وہ درحقیقت قہر الٰہی اور انذار و تنبیہ ہے ۔ ہمیں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اب بھی سنبھل جاؤ، ورنہ اس طرح کچل دیے جاؤ گے کہ دوبارہ اٹھ نہ سکو گے ۔ اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے جس رحمتِ الٰہی کے تم مستحق تھے اس سے کسی اور کو نواز دیا جائے گا ۔

غفلت و بے حسی کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ ہماری قوم کے عقلاء الرجال انذار و تنبیہ الٰہی کے ان واقعات کو محض طبعی اسباب و علل کا نتیجہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیے بغیر ان کا محض طبعی علاج ڈھونڈتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اسباب و علل کا سارا نظام بھی تو تدبیر الٰہی ہی کا ایک حصہ اور کلی طور پر اسی کے تابع فرمان ہے

پھر ان اسباب کے ترتیب پانے اور موثر ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کیوں نظر نہیں آتی ؟ ہم کیوں نہیں سوچتے کہ کل تک جو قومیں ہماری دریوزہ گر تھیں اور آج ہمارے قتل عام کے درپے ہیں ۔ اسی طرح کل تک جو بعض قومیں ہمارے قتل کے درپے تھیں اور آج ہم سے الفت و محبت کا رشتہ استوار کرنا چاہتی ہیں تو آخر ان کے ان رجحانات و میلانات کی تبدیلی کے پیچھے کس طاقت کا خفیہ ہاتھ کارفرما ہے ۔ القلوب بین اصبعین من اصابع الرحمان یقلبها کیف شاء ۔ (الحدیث) سارے دل رحمان (حق تعالیٰ) کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جیسے چاہتا ہے انھیں الٹتا پلٹتا ہے ۔

پس یقین کرنا چاہیے کہ سارے اسباب و مسببات ، سارے رجحانات و میلانات اور سارے واقعات و حادثات اللہ کے حکم ، اس کی مرضی اور اس کے مقررہ نظام کے تحت واقع ہوتے ہیں اور سراسر حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اگر ہم ایمان و عمل کی صحیح شاہراہ پر گامزن ہوں تو ان کی حیثیت امتحان و آزمائش اور اضافہ ثواب و رفع درجات کی ہے ۔ ورنہ یہ قہر الٰہی اور انذار و تنبیہ کا درجہ رکھتے ہیں ۔ اللہ اپنے بندوں کی تنبیہ عموماً آسمان سے لشکر اتار کر نہیں بلکہ طبعی اسباب و عوامل کے ذریعہ برپا ہونے والے حادثات کا رخ بندوں کی طرف پھیر کر ہی کرتا ہے ارشاد ہے :

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا

. . . .

. . . . اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ ، لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔ (طلاق : ۸،۱۲) ہے ۔

کتنی ہی آبادیاں ہیں جنھوں نے اپنے رب اور اس کے پیغمبروں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور بری سزا دی ۔ چنانچہ اس نے اپنے کرتوت کی سزا چکھ لی اور اس کا انجام گھاٹے ہی کا رہا . . . .

. . . اللہ کی ہستی وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور انھیں کے مثل زمین پیدا کی ، ان کے درمیان اسی کا حکم اترتا ہے ، تاکہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اور اللہ نے ہر چیز کا علم کے ذریعہ احاطہ کر رکھا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف بستیوں اور آبادیوں کے مبتلائے قہر و عذاب کیے جانے کا ذکر کرنے کے

(بقیہ صہ ۲۵ پر)

منہاج نبوت

مسائل صیام

حضرت علامہ نواب صدیق حسن خاں

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ ۔ اما بعد ۔

روزہ اسلام کا دوسرا رکن ہے، جس طرح لوگ اپنی اولاد کو سات برس کی عمر سے عادت نماز کی ڈالتے ہیں، اسی طرح بچوں کو روزہ بھی رکھواتے ہیں ۔ اس لیے روزے کے طریق کا معلوم کرنا ہر مسلمان مرد و عورت بوڑھے بچے کو ضروری ہے ۔ رمضان کے روزے ماہ شعبان ۲ھ میں فرض کیے گئے ۔ اس کی فرضیت ویسی ہی ہے جیسے نماز کی، جو حکم نماز کے تارک کا ہے وہی حکم تارک صوم کا ہے ۔ بلا تفاوت، جب کہ بلا عذر نماز کو عمداً ترک کرے گا، یا روزہ عمداً نہ رکھے گا ۔

فضیلت رمضان و صیام

حدیث ابو ہریرہؓ میں فرمایا ہے کہ جب رمضان آتا ہے تو دروازے بہشت کے کھل جاتے ہیں اور دروازے جہنم کے بند ہو جاتے ہیں ۔ شیطانوں کو جکڑ بند کر دیا جاتا ہے ۔ (متفق علیہ)

بہشت کے آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک کا نام ریّان ہے ۔ روزہ دار اسی دروازے سے بہشت میں جائیں گے جو کوئی رمضان میں روزہ رکھتا ہے ۔ رات کو نماز پڑھتا ہے ۔ شب قدر کو جاگتا ہے ۔ اس کے تمام گناہ اگلے بخش دیے جاتے ہیں ۔ ہر نیکی کا اجر دس گنا ہوتا ہے، سات سو گنے تک ۔ مگر روزہ کہ اللہ تعالیٰ نے (حدیث قدسی) میں فرمایا :
اِنَّ الصَّوْمَ فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ ط " لیکن روزہ چوں کہ میرے لیے ہے ۔ اس کا اجر بھی (بلا حساب) میں ہی دوں گا " ۔ یہ حدیث بروایت ابو ہریرہؓ متفق علیہ ہے ۔

روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک بوئے مشک سے بھی پاکیزہ تر ہوتی ہے ۔ روزہ سپر (ڈھال) ہے آتش دوزخ سے ۔ روزے میں گالی نہ بکے شور نہ کرے، بلکہ اس کو کوئی گالی دے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے ۔ رمضان میں

اللہ ہر رات کچھ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔" (رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ رفعاً)

روزہ و قرآن بندے کی قیامت کے دن شفاعت کریں گے، ان کی شفاعت قبول ہوگی۔ حدیث انس میں آیا ہے اس مہینے میں ایک رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، جو کوئی اس رات سے محروم رہا وہ سب خیر سے محروم رہا۔" (رواہ ابن ماجہ)

اس مہینے میں جو کوئی خصلت خیر کرتا ہے وہ برابر فرض ادا کرنے کے ہے یعنی اجر میں، اور جو کوئی فرض بجالاتا ہے وہ برابر ستر فرض کے ہے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے۔ صبر کا ثواب بہشت ہے۔ یہ مہینہ مواسات (ہمدردی) کا ہے۔ اس میں رزق مومن کا بڑھتا ہے۔ جو کوئی کسی کا روزہ افطار کراتا ہے، اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اگرچہ ایک گھونٹ دودھ پر یا کھجور پر یا پانی پر افطار کرائے۔ اور جو کوئی کھانا کھلاتا ہے وہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوض کا پانی پیئے گا پھر جنت میں جانے تک پیاسا نہ ہوگا۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ اول اس کا رحمت ہے اور وسط مغفرت اور آخر آزادگی ہے آگ سے۔" (مشکوٰۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی عن سلمانؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ہر قیدی چھوڑ دیتے۔ ہر سائل کو دیتے۔ (ایضاً بروایت ابن عباسؓ)

جنت رمضان کے لیے شروع سال سے سال آئندہ تک زینت کی تیاری کرتی ہے۔ جب پہلا دن رمضان کا آتا ہے تو بہشت کے پتوں کی ہوا عرش کے نیچے سے حور عین پر چلتی ہے۔ وہ کہتی ہیں اے رب تو اپنے بندوں میں سے ہم کو ایسے خاوند دے جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کی آنکھیں ہم سے ٹھنڈی ہوں۔ (بروایت ابن عمر مرفوعاً)

رؤیت ہلال

حدیث ابن عمرؓ میں فرمایا ہے، روزہ رکھو جب تک کہ ہلال (پہلی رات کا چاند) نہ دیکھ لو۔ اور افطار نہ کرو جب تک کہ ہلال کو نہ دیکھ لو۔ اگر بادل ہو تو اندازہ کرلو، گنتی تیس دن کی پوری کرو۔" (متفق علیہ)

ایک دو دن رمضان سے پہلے روزہ رکھنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنا ہے۔ ایک ہی شخص مسلمان کے کہنے پر حضرت نے روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح ابن عمرؓ کے ہلال دیکھنے پر۔ (رواہ اہل السنن)

پس جبکہ ایک عادل (قابلِ اعتماد شخص) ہلال کو دیکھ لے تو روزہ رمضان کا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی نہ دیکھے تو شعبان کی گنتی پوری کر کے روزہ رکھے اور تیس روزے پورے کرے جب تک کہ ہلال شوال ظاہر نہ ہو قبل اکمال کے۔ ایک شہر والوں نے جب چاند دیکھ لیا تو اب شہر والوں کو ان کی موافقت کرنا لازمی ہے۔

نیت روزہ یہ نیت[1] رات سے فجر کے پہلے کرنا چاہیے۔ حضرت حفصہؓ سے مرفوعاً حدیث ہے کہ جس نے روزے کا عزم فجر سے قبل نہ کیا اس کا روزہ نہ ہوا۔ (رواہ اہل السنن) بہتر یہی ہے کہ ہر رات کو روزہ فردا کی نیت کر لیا کرے، اگرچہ سارے رمضان کی ایک ہی بار نیت کرنا بھی بعض کے نزدیک روا ہے۔ وصال کرنا صوم میں حرام ہے۔ ابوہریرہؓ نے رفعاً کہا ہے کہ حضرتؐ نے وصال صوم سے منع فرمایا ہے، کسی نے کہا آپ تو وصال کرتے ہیں، فرمایا: أَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي (متفق علیہ) یعنی — "کیا تم میری طرح ہو۔ مجھ کو تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے"۔

افطار میں جلدی کی جائے حدیث سہلؓ میں فرمایا ہے: لوگ ہمیشہ خیریت سے رہیں گے جب تک کہ افطار میں جلدی کریں گے۔ (متفق علیہ) ۔جب رات اُدھر (مشرق کی طرف سے) آئی اور دن نے پیٹھ پھیری اور سورج ڈوب گیا تو اب روزہ دار افطار کرے۔ (متفق علیہ) ابوہریرہؓ کا لفظ یہ ہے، اللہ نے فرمایا: أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔ (رواہ الترمذی) یعنی میں اس بندے کو بہت دوست رکھتا ہوں جو روزہ کھولنے میں جلدی کرتا ہے۔ روزہ کا کھجور سے افطار (باعث) برکت ہے۔ اگر نہ ملے تو پانی سے کھولے کہ یہ طہور (پاک کر دینے والا) ہے، جب تک افطار میں جلدی ہوا کرے گی دین غالب رہے گا، کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار میں دیر لگاتے ہیں۔

دعائے افطاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ کھولتے فرماتے۔ ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ۔ (جاتی رہی پیاس اور تر ہو گئیں رگیں اور ثابت ہو گیا اجر۔ اگر اللہ نے چاہا۔ (رواہ ابوداود عن ابن عمر)

معاذ بن زہرہ نے کہا۔ آں حضرتؐ وقت افطار یوں کہتے۔ "اللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَىٰ رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ" (یا اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا۔"

روزہ افطار کرانے کا ثواب زید بن خالد کی مرفوع حدیث میں ہے جس نے روزہ دار کو افطار کرایا، یا غازی کا سامان درست کر دیا اس کو برابر ان کے اجر ملے گا (رواہ البیہقی) اس کی سند صحیح ہے۔

---

[1] یاد رہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ کہنا بدعت ہے۔ نیت در حقیقت دل کے فعل کا نام ہے۔ (ع ۔ ح)

حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث میں ہے تم سحری کیا کرو۔ سحری کرنے میں برکت ہے (متفق علیہ)

سحری کا بیان

ہمارے اور اہل کتاب کے روزے میں یہی فرق ہے کہ ہم سحری کھاتے ہیں اور وہ نہیں کھاتے (صحیح مسلم عن عمرو بن عاص)۔ آنحضرت نے سحری کا نام غذائے مبارک رکھا ہے اور کھجور کو عمدہ سحور مومن کا فرمایا ہے غرضیکہ وقت سحر کے تھوڑا بہت ضرور کچھ کھائے۔ ایک دو دانہ کھجور کے ہی سہی۔ تاخیر سحور کی مثل تعجیل افطار کے مندوب و مستحب ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا: میری امت ہمیشہ خیریت سے رہے گی جب تک کہ سحور میں دیر کرے گا۔ حضرت کی نماز اور سحری کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا تھا جتنی دیر میں کوئی پچاس آیتیں قرآن کی پڑھے۔

حدیث ابوہریرہ میں فرمایا ہے

روزے کو نقصان دینے والے کاموں سے بچایا جائے

جس شخص نے قول زور اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ کو اس کے ترک طعام و شراب کرنے سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ مراد قول زور سے کلام باطل ہے، جیسے جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا۔ کلمۂ کفر بکنا۔ افترا کرنا، غیبت کرنا۔ بہتان باندھنا۔ تہمت لگانا لعنت کرنا، گالی بکنا، عمل بالزور سے مراد فواحش کرنا ہے کیونکہ یہ گناہ میں زور کے برابر ہیں۔ انسان پر یہ کام کرنے حرام ہیں اور ان سے بچنا واجب ہے۔ اللہ ایسے روزے قبول نہیں کرتا، روزہ دار کو سوا بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جس کو حاجت نہانے کی ہو، احتلام یا صحبت سے اور مجنب ہو جائے تو وہ نہا کر روزہ رکھے۔

(متفق علیہ عن عائشہؓ رفعاً)

جس نے بھول کر کھالیا

بھول کر کھالینا اور جن چیزوں سے روزہ باطل ہو جاتا ہے

یا پی لیا تو وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ اللہ نے اس کو کھلایا پلایا۔ (متفق علیہ)۔ اس پر کفارہ و قضا نہیں ہے۔ اور جس شخص نے عمداً (جان بوجھ کر) روزہ توڑ ڈالا وہ مثل کفارۂ ظہار کے کفارہ دے۔ یعنی ایک بردہ آزاد کرے یا دو ماہ لگاتار روزہ رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کفارہ فقط جماع سے لازم آتا ہے کسی اور سبب سے نہیں۔ اس لیے کہ اس شخص نے جس کو اس کفارہ کا حضرتؐ نے حکم دیا تھا، دن کو رمضان میں جماع کیا تھا، لیکن ایک دوسری روایت میں فقط ذکر افطار کا آیا ہے نہ جماع کا۔ واللہ اعلم۔ بعض کے نزدیک جماع نسیان ملحق بأکل و شرب نسیان ہے۔ والاول اولیٰ۔ روزہ عمداً کھانے سے اور عمداً قے کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے، نہ کہ قے کے خود بخود آنے سے،

اگر قے ہوگئی تو صائم (روزے دار) پر اس کی قضا نہیں ہے۔ ہاں عمداً قے کرے گا تو روزہ قضا کرنے پڑے گا روزے میں مسواک کرنا، سرمہ لگانا درست ہے۔ اس کو ترمذی وغیرہ نے عامرؓ و انسؓ سے رفعاً روایت کیا ہے۔ گرمی و پیاس سے حالت صوم میں سر پر پانی بہانا درست ہے۔ خود حضرتؐ نے یہ کام کیا ہے۔ (رواہ مالکؒ و ابوداؤد)

فائدہ :۔ جس نے رمضان میں ایک روزہ بھی بغیر رخصت و مرض کے نہ رکھا وہ اگر صوم دہر (یعنی ہمیشہ روزہ) رکھے تب بھی قضا اس روزے کی نہ ہوگی۔ (رواہ احمد والبخاری واہل السنن عن ابی ہریرۃؓ۔) دوسرا لفظ ان کا یہ ہے "بہت سے روزہ دار ہیں جن کو ان کے روزے سے سوا پیاسا رہنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے تمام رات کو قیام کرنے والے ہیں جن کو ان کے قیام سے سوا جاگنے کے کچھ نہیں آتا۔ (رواہ الدارمی)

ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا   چشم بیدار تو ہے پر دلِ بیدار نہیں

پھر جو شخص کسی عذر شرعی سے روزہ افطار کرے اس پر روزے کا قضا کرنا واجب ہے جیسے مسافر و مریض اس قضا کا حکم خاص قرآن میں آیا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرہ) ــــ اور حدیث میں حیض کو بھی عذر ٹھہرایا گیا ہے۔ یہی حکم نفاس کا بھی ہے۔ مسافر و مانند مریض کے لیے رخصت ہے کہ روزہ ترک کرے لیکن اگر روزہ رکھنے سے ہلاکت کا خطرہ ہو یا غزوہ در پیش ہو تو پھر ترک روزہ ضروری ہے۔ میت پر اگر روزے رہ گئے ہوں تو اس کی طرف سے اس مرنے کا ولی روزہ رکھے یہ اولیٰ و افضل ہے۔ یا اس کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ یہ بھی کافی ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی عن ابن عمرؓ والصحیح انہ موقوف علیہ۔) اور جو بوڑھا مرد یا زن ادا و قضا سے عاجز ہو وہ بھی ہر دن کے عوض ایک محتاج کو کھانا کھلائے۔ اس پر کچھ قضا نہیں ہے۔ اس طرح دودھ پلانے والی اور حاملہ روزہ نہ رکھیں، ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دلویں۔ ابن عباسؓ نے یہ حکم تفسیر آیت میں بیان کیا تھا یہی ٹھیک ہے۔

فائدہ : عائشہؓ کہتی ہیں مجھ پر رمضان کے روزے ہوتے ہیں، ان کو قضا نہ کر سکتی مگر شعبان میں بسبب شغل کے (متفق علیہ) ۔ معلوم ہوا کہ جس سال کی قضا ہو اس کو اسی سال میں آخر سال تمام تک بجالائے زیادہ تاخیر نہ کرے۔

حدیث ابوہریرہؓ میں فرمایا ہے، حلال نہیں ہے کسی عورت کو (یعنی جائز نہیں) کہ روزہ نفل رکھے، جب کہ اس کا

خاوند (سفر پر نہ ہو گھر میں) موجود ہو، سوائے اس کے اذن سے اور (ایسے ہی) کسی کو گھر میں نہ آنے دے مگر اس کی اجازت سے۔ (رواہ مسلم)

روزۂ نفلی کا بیان

۱) چھ روزے شوال کے مستحب ہیں، ہر نیکی دس گنے ہوتی ہے، اس حساب سے گویا سال تمام کے روزے ہو گئے اگر متصل نہ رکھ سکے تو تمام ماہ شوال میں پورے کرے۔

۲) نو دن میں ذوالحجہ کے روزے رکھے ان میں زیادہ تر تاکید عرفے کے دن کی آئی ہے۔ یہ روزہ عرفے کا دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ ایک سال گزشتہ دوسرے سال آئندہ۔

۳) روزے عشرہ محرم کے مستحب ہیں خصوصاً عاشورہ کے دن کہ اس کی بہت تاکید آئی ہے۔ یہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اور اس کے ساتھ ایک دن اور ملائے یعنی نہم محرم۔

۴) شعبان میں جتنے روزے رکھے بہتر ہے۔ حضرتؐ اس ماہ میں کثرت سے روزے رکھتے تھے

۵) پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ آں حضرتؐ ان دونوں میں قصد کر کے روزے رکھتے تھے اور فرماتے کہ میں پیر کے دن پیدا ہوا ہوں اور اسی دن مجھ پر وحی اتری تھی۔

۶) ایام بیض کے روزے سنت ہیں، جو کوئی ہر مہینے میں تین روزے چاند کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ کو رکھتا ہے، پھر رمضان کو رمضان تک پورا کرتا ہے تو گویا اس نے صوم دہر رکھا۔ یہ بھی آیا ہے کہ کبھی یہ روزے سنیچر، اتوار، پیر کو رکھتے اور کبھی منگل، بدھ، جمعرات کو

فائدہ:۔ افضل تطوع یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے، ایک دن افطار کرے۔ داؤد علیہ السلام اسی طرح روزہ رکھتے تھے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں کہا ہے کہ طریقہ انبیاء کا صوم میں مختلف تھا۔ نوح علیہ السلام صائم الدہر تھے، عیسیٰ علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور دو دن افطار کرتے، یا کئی دن تک۔ ہمارے حضرتؐ لگاتار رکھتے، یہاں تک کہ یہ گمان ہوتا کہ اب افطار نہ کریں گے، اور کبھی لگاتار افطار کرتے یہاں تک کہ یہ گمان ہوتا کہ اب روزہ نہ رکھیں گے۔ لیکن سوائے رمضان کے کسی مہینے کے پورے روزے نہ رکھتے۔ یہ اس لیے کہ روزہ تریاق ہے اور استعمال تریاق کا بقدر مرض کے کیا جاتا ہے۔

نوح علیہ السلام کا مزاج سخت تھا اور داؤد علیہ السلام صاحب قوت ورزانت تھے۔ لڑائی کے وقت نہ بھاگتے۔ عیسیٰ علیہ السلام ضعیف البدن، فارغ البال بے اہل و مال تھے۔ اس لیے ہر ایک نے اپنے حسب حال کو اختیار کیا۔ ہمارے حضرتؐ اپنے مزاج کے شناسا تھے۔ فوائد صوم و افطار کے عارف تھے آپ نے حسب صحت و وقت جو چاہا اختیار کیا۔

فائدہ: صوم دہر مکروہ ہے۔ حضرت نے فرمایا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْاَبَد۔ رواہ الشیخان عن ابن عمر۔ ابوموسیٰ کا لفظ رفعاً یہ ہے۔ جس نے روزہ رکھا دہر کا تنگ کی جائے گی اس پر جہنم، اسی طرح پھر عقد تسعین کیا[1]۔ رواہ ابن حبان بسند صحیح۔

اسی طرح روزہ رکھنا تنہا دن جمعہ کو مکروہ ہے۔ اسی طرح تنہا دن سنیچر کو، حدیث صما میں اس سے نہی آئی ہے۔ رواہ احمد وغیرہ۔ اسی طرح روزہ رکھنا دن دونوں عید کے حرام ہے اس کو شیخین نے ابوسعید سے رفعاً روایت کیا ہے۔ اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اسی طرح صوم ایام تشریق سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح استقبال کرنا رمضان کا صیام یک دو یوم سے منع ہے۔

اعتکاف کا بیان

یہ عبادت ہر وقت مسجدوں میں مشروع ہے۔ اس میں رغبت دلائی ہے کوئی دلیل وقت معین کے ساتھ مختص ہونے پر نہیں آئی ہے۔ ہاں رمضان میں اعتکاف کرنا موکد تر ہے۔ خصوصاً عشرہ اخیرہ میں۔ جب معتکف ہو تو عمل صالح میں خوب کوشش و محنت کرے، دن کو تلاوت و ذکر میں کاٹے۔ رات کو جاگے، تہجد پڑھے، شبہائے قدر میں قیام کرے۔ اس سے اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، تعیین شب قدر میں چالیس قول سے زیادہ آئے ہیں۔ یہ رات کچھ خاص ساتھ رمضان کے نہیں۔ سال تمام میں چلتی پھرتی رہتی ہے[2] جس سال قرآن اترا تھا۔ اس سن میں اتفاقاً یہ رات رمضان ہی میں آپڑی تھی، لیکن رمضان مظنۂ غالب ہے۔ شب ہائے طاق میں ہوا کرتی ہے۔ ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ریہ تاریخ اغلب ہے۔ معتکف کسی کام کو باہر نہ آئے مگر پاخانہ پیشاب کو، اس سے اعتکاف اس کا فاسد نہ ہوگا، ہاں کھانے پینے کے لیے نہ نکلے۔ معتکف کو سر دھونا، کنگھی کرنا وغیرہ درست ہے۔ عیادت

---

[1] عقد تسعین مطلب یہ ہے کہ انگوٹھا۔

[2] مگر زیادہ مدلل بات یہ ہے کہ رمضان کی آخری دس دن کی طاق راتوں میں ہے۔

بیمار و نماز جنازہ کے لیے بھی نہ نکلے، راہ چلتے بیمار کو پوچھ لے۔ واللہ اعلم

فوائد چند

از مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی

رمضان شریف سخاوت کرنے کا مہینہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو جود وسخا کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے۔ لیکن بالخصوص رمضان میں بہت ہی سخاوت فرماتے تھے۔ کما ورد فی الصحیحین عن ابن عباس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس وکان اجود ما یکون فی رمضان ط (لطائف المعارف ص ۱۷۲ لابن رجب)

ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ افضل الصدقہ صدقۃ فی رمضان۔ اخرجہ الترمذی عن انس لطائف) یعنی رمضان کا صدقہ بہتر صدقہ ہے۔ امام شافعی کا ارشاد ہے۔ اُحِبُّ لِلرَّجُلِ الزِّيَادَةَ بالجود فی رَمَضَانَ اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولحاجۃ الناس فیہ الی مصالحھم و لتشاغل کثیر منھم بالصوم والصلوٰۃ عن مکاسبھم۔ (لطائف ص ۱۷۹)
یعنی انسان کو چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے رمضان مبارک میں خوب خوب خرچ کرے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس مہینے میں مسلمانوں کی بہت سی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے لوگ دن کے روزوں اور رات کے قیام کی وجہ سے کمانے میں زیادہ وقت نہیں دے سکتے، (مالداروں) کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کی طرف دست تعاون بڑھائیں، تاکہ وہ اطمینان سے عبادتِ الٰہی میں مصروف رہ سکیں۔

ایک بزرگ اپنے اساتذہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ انھم کانوا یقولون اذا حضر شہر رمضان فانبسطوا فیہ بالنفقۃ فان النفقۃ فیہ مضاعفۃ۔ (لطائف ص ۱۵۹)
یعنی رمضان شریف میں دل کھول کر خرچ کرو، کیوں کہ اس میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا اجر کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔

تلاوت قرآن کی کثرت کان السلف یتلون القرآن فی شہر رمضان فی الصلوٰۃ وغیرھا۔ (لطائف المعارف ص ۱۸۱)۔ یعنی رمضان

شریف میں ہمارے بزرگ اسلاف نماز میں نیز اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کیا کرتے تھے۔

قیامِ رمضان (تراویح) اور اس کے متعلق بعض مسائل

قیامِ رمضان تلاوت قرآن کی بہترین شکل اسے نماز میں پڑھنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی رمضان کی راتوں میں قیام فرمایا اور اس کی ترغیب بھی دی اگرچہ اس کو فرض نہیں گردانا۔ لان اللہ تعالیٰ قال یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ اور یہ جو عوام میں تراویح کو روزے کے لیے شرط سمجھا جاتا ہے یہ غلط خیال ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یُرغّبُ النّاس فی قیام رمضان من غیر ان یأمرھم بعزیمۃ۔ (سنن نسائی وغیرہ) ۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو رمضان کے قیام کی خوب خوب ترغیب دیا کرتے تھے۔ اگرچہ اس کو فرض نہیں قرار دیتے تھے۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر شھر رمضان فقال انّ رمضان شھرٌ افترض اللہ صیامہٗ و انّی سننت للمسلمین قیامہٗ۔ (سنن نسائی مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ج ۱ ص ۲۵۰) "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے اور اس کی راتوں کا قیام میری سنت ہے۔"

تراویح کی وجہ تسمیہ رمضان میں عشاء کی نماز کے بعد طلوع صبح صادق سے پہلے جو نفلی نماز ادا کی جائے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قیام رمضان سے تعبیر کیا جاتا تھا، جو باجماعت تو عہد نبوی میں چند دن ہی پڑھی گئی۔ مگر حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے اس کا باجماعت بھی اہتمام فرما دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لمبی قرأت ہونے کے باعث ہر چار رکعت کے بعد آرام کر لیا جاتا تھا۔ شاید صحابہ ہی کے زمانے میں اس آرام کا نام ترویحہ رکھ لیا گیا، جس کی جمع تراویح ٹھہری۔ اس تعبیر کی اصل آثار صحابہ میں ملتی ہے۔

(دیکھیے سنن بیہقی ص ۴۹۷ ج ۲ فتح الباری ص ۵۱۳ ج ۴ قیام اللیل ص ۹۲، ۹۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح مع وتر گیارہ پڑھا کرتے تھے، جس پر مندرجہ ذیل تین

[قی]ام مسنون حدیثیں صاف طور پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے ایک اور جابرؓ سے دو۔

[حد]یث عائشہؓ:۔ عن ابی سلمة انه سأل عائشة کیف کانت صلوٰة رسول اللّٰہ صلی [اللّٰ]ه علیه وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی [عش]رة رکعة۔ (موطا محمد باب قیام رمضان) یعنی صحیحین اور موطا امام محمد میں حضرت ابوسلمہ سے مروی ہے [وہ] کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام رمضان کے متعلق سوال کیا تو انھوں [نے] کہا کہ آپ کا قیام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔"

یاد رہے یہ روایت امام بخاری وغیرہ محدثین نماز تراویح کے ذیل میں لائے ہیں

[ح]دیث جابرؓ عن جابر قال صلی رسول اللّٰہ علیه وسلم فی رمضان لیلة ثمان [رک]عات والوتر فلما کان من قابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم [یز]ل فیه حتی اصبحنا۔ قال انی کرهت وخشیت ان یکتب علیکم الوتر۔

[(]فتح الباری ص ۵۹۷ ج ۱۔ قیام اللیل ص ۹۰ للمروزی معجم صغیر طبرانی ص ۱۰۸، میزان الاعتدال للذہبی [ص] ۲۸۰ ج ۲۔ وقال سنده وسط، وقال القاری الحنفی صح عنه انه صلی لهم ثمان رکعات والوتر (مرقاۃ ص ۱۷۴ [ج] ۲ طبع قدیم مصر) "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ رات ہم لوگوں کو باجماعت آٹھ رکعت تراویح [پڑھ]ائیں۔ بعدہ وتر پڑھے گئے۔ دوسری رات بھی ہم مسجد میں اکھٹے ہو کر آپؐ کا انتظار صبح تک کرتے رہے۔ صبح [کو] آپ تشریف لائے اور فرمایا میں نے آج باجماعت تراویح پڑھنا اس لیے مناسب نہیں سمجھا تا کہ تم لوگوں پر [رم]ضان کا قیام کہیں فرض نہ ہو جائے۔ اس روایت کی سند اچھی ہے۔ ملا علی قاری حنفی نے اس روایت کو [دوسری] جگہ تسلیم فرمایا ہے۔

[ح]دیث جابر:۔ جاء اُبی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللّٰہ کان منی اللیلة [ش]یئ قال وما ذاك یا اُبی، قال نسوة داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفك [ب]صلاتك فصلیت بهن ثمان رکعات والوتر فسکت عنه وکان شبه الرضا [ر]واہ ابو یعلی وقال الهیثمی سنده حسن۔) (آثار السنن ص ۵ جلد ۲ مصنفہ مولانا نیموی حنفی مرحوم نیز قیام اللیل ص ۹۰ وسندہ وسط)

"حضرت ابی بن کعب نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضور آج رات ایک بات ہو گئی ہے ۔ فرمایا ابی وہ کون سی؟ عرض کیا گھر کی عورتوں نے کہا ہم قرآن نہیں پڑھ سکتی ہیں ۔ ہم چاہتی ہیں کہ تمہارے پیچھے تراویح پڑھ لیں، تو میں نے انھیں آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھا دی ۔ آپ نے سکوت فرمایا (یعنی اس بات کو پسند فرمایا) اس حدیث کی سند بھی حسن ہے ۔

ان تینوں روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں آٹھ تراویح ہی پڑھی گئی ہیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آٹھ رکعت پڑھیں اور صحابہؓ نے بھی آٹھ ہی ادا کیں ۔

گیارہ رکعت کا فاروقی حکم

محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة ۔ (موطا امام مالک، قیام اللیل مروزی ص ۹۱، شرح معانی الآثار ص ۱۷۳ ج ۱) "سائب بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ گیارہ رکعت مع وتر کے لوگوں کو پڑھایا کریں ۔

ائمہ کے مسالک

عام کتابوں میں یہی شہرت ہے کہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد تینوں امام اور ان کے متبعین بیس رکعت مسنون کے قائل ہیں ۔ لیکن ذرا مطالعہ کو وسعت دی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ائمہ اور محققین فقہا بیس رکعتوں کو استحباب کا درجہ دیتے ہیں سنت مؤکدہ کا نہیں ۔ اس پر قرائن یہ ہیں ۔

۱۔ قیام اللیل میں ہے کہ امام احمدؒ سے سوال ہوا

کم من الرکعة یصلی فی قیام رمضان؟ فقال قد قیل فیه الوان نحوا من اربعین انما هو تطوع ۔ "قیام رمضان میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں تو فرمایا نفلی نماز ہے بہت سے اقوال واعمال اس سلسلہ میں مروی ہیں، ہم پڑھ لی جائیں ۔

۲۔ امام شافعی فرماتے ہیں: رأیت الناس یقومون بمکة بثلاث وعشرین وبالمدینة بتسع وثلاثین ولیس فی شیء من ذلک ضیق ۔ (فتح الباری ص ۳۰۷ ج ۲)

ولاحد ینتهی الیه کانه نافلة وان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وهو احب

الیٰ (قیام اللیل ص ۹۲) یعنی مکہ میں لوگ بیس پڑھتے ہیں اور مدینہ میں ۳۶، اس پر کوئی خاص پابندی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی حد بندی ہو سکتی ہے کیوں کہ نفلی نماز ہی تو ہے۔ ہاں قیام لمبا کر کے رکعتیں کم کر لی جائیں تو مجھے زیادہ پسند ہے۔ (مثلاً طویل قیام کے ساتھ آٹھ رکعات۔)

۳۔ امام مالک سے اگرچہ ۲۰، ۳۶، ۴۰ کا قول مروی ہے لیکن انھوں نے ترجیح آٹھ ہی کو دی ہے، اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ آٹھ رکعت سنت ہیں باقی مستحب۔ امام ابوبکر محمد بن الولید طرطوشی نے (ف ۵۲۰ھ) امام مالک کا عمل نقل کیا ہے۔ والذی أخذ به فی نفسی فی قیام شهر رمضان الذی جمع عمر علیه الناس احدی عشرة رکعة بالوتر وهی صلوة النبی صلی الله علیه وسلم ووجه ما اختاره مالك اتفاق اهل المدینة۔ (کتاب الحوادث والبدع ص ۵۲ للطرطوشیؒ) وهو اختیار مالك لنفسه واختیاره ابن العربی۔ (عمدة القاری ص ۵۷ ۳ ج ۵) یعنی امام مالک نے فرمایا مجھے وہی طریقہ عمل پسند ہے جس کا حضرت عمرؓ نے حکم فرمایا اور وہ مع تہجد بیعت گیارہ رکعت ہے اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام رمضان تھا اور اس پر اہلِ مدینہ کا متفقہ عمل تھا۔

چھٹی صدی ہجری کے مالکی محدث قاضی ابوبکر ابن العربی

ابوبکر ابن العربی المالکی کا فیصلہ کہتے ہیں کہ: والصحیح ان یصلی باحدی عشرة رکعة صلوة النبی صلی الله علیه وسلم وقیامه واما غیر ذلك من الاعداد فلا اصل له ولا حد فیه واذا لم یکن بد من الحد فما کان النبی صلی الله علیه وسلم فوجب ان یقتدی بالنبی صلی الله علیه وسلم۔ (عارضة الاحوذی ص ۱۹ ج ۴ طبع مصر) یعنی "صحیح گیارہ رکعت ہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور قیام تھا۔ باقی نفلوں کی کوئی حد بندی نہیں ہے۔ پس ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی جائے۔

آٹھ رکعت تراویح والا مسئلہ اپنے اندر اس

علامہ ابن ہمامؒ اور دوسرے فقہائے حنفیہؒ قدر دلیل کی طاقت رکھتا ہے کہ علامہ ابن الہمامؒ جیسے حنفی فاضل اس کے اعتراف پر مجبور ہو گئے، حالانکہ علامہ کی تحریروں کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ علامہ کو حنفی مسلک کے مدلل بنانے میں کس قدر دخل ہے۔ اس مسئلہ پر آپ نے شرح ہدایہ میں بڑی تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے اور آخر میں

فرمایا ہے : فتحصل من هذا كله ان قيام رمضان سنة احدى عشرة ركعة بالوتر فيكون سنة وكونها عشرين سنة الخلفاء فيكون مستحباً وظاهر كلام المشائخ أن السنة عشرون ومقتضى الدليل ما قلنا۔ (انتهى ملخصاً) فتح القدیر ص ۴۶۸ ج ۱

نتیجہ یہ ہے کہ ۱۱ رکعت سنت ہیں اور بیس مستحب ہیں اگرچہ فقہاء حنفیہ بیس کو سنت ہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن دلیل کا تقاضا وہی ہے جو ہم نے کہا ہے۔"

مصنف البحر الرائق (ص ۷۲ ج ۲) نے اسی مسلک کو پسند فرمایا ہے۔

۲۰ رکعت والی روایت رہی ابن عباس کی روایت انه صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة (کہ آنحضرت نے ۲۰ رکعت تراویح پڑھی تھیں) تو وہ روایت سخت کمزور ہے۔ اس میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ہے جس کے ضعف پر سب متفق ہیں۔ پھر وہ حدیث صحیح (البخاری) کے خلاف بھی ہے۔ ضعيف بابي شيبة ابراهيم بن عثمان متفق عليه ضعفه مع مخالفته للصحيح۔ (فتح القدیر ص ۴۶۷ ج ۱) — ایسے ہی عینی شرح صحیح بخاری اور مرقاۃ میں ہے، لہذا یہ دلیل نہیں بن سکتی

تراویح باجماعت یہ نماز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دو چار دن ہی باجماعت ادا فرمائی ہے (صحیح بخاری وقیام اللیل للمروزی) ہاں حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کے لیے باقاعدہ حکم نافذ فرمایا، اس لیے افضل یہی ہے کہ نماز تراویح باجماعت ادا کی جائے۔ مندرجہ ذیل ایک مرفوع حدیث سے بھی اس پر علماء نے استدلال فرمایا ہے اور امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا قام مع الامام حتى ينصرف كتب له بقية ليلة قال احمد يقوم مع الناس حتى يوتر معهم ولا ينصرف حتى ينصرف الامام (قیام اللیل للمروزی ص ۱۱) یعنی "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر رمضان کی راتوں میں تراویح کی نماز باجماعت کی تکمیل امام کے ساتھ کی جائے تو پوری رات کے قیام کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔" اسی بنا پر امام احمد فرماتے تھے کہ دیر تک امام تراویح کے ساتھ ادا کرنا بہتر ہے۔

رکعات تراویح کے اثنا میں ذکر رکعتوں کے درمیان پڑھنے کے لیے کوئی خاص ذکر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے مروی نہیں اور جو عام طور پر مشہور ہے اس کا کوئی اصل نہیں[۱]۔ البتہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے ایک ذکر منقول ہے جسے وہ تراویح کے اثناء میں پڑھا کرتے تھے۔ چوں کہ معلوم ہے کہ حضرت امام کے معمولات و فتاویٰ عام طور پر کسی حدیث و اثر پر ہی مبنی ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر تراویح کے درمیانی عرصہ میں وہ ذکر کر لیا جائے تو درست ہے۔

حافظ ابن القیم لکھتے ہیں۔

قال الفضل رأیت احمد یقعد بین التراویح و یردد هذا الکلام لا اِلٰه الاّ الله وحده لا شریك له استغفر الله الذی لا اِلٰه الاّ هو (بدیع الفوائد ص ۱۰۱ جلد ۴) یعنی امام احمد تراویح کے درمیان بیٹھتے اور یہ کلمات بار بار پڑھا کرتے تھے لا اِله الا الله وحده لا شریك له استغفر الله الذی لا اِله الا هو

هذا وصلی الله علی النبی وآله واصحابه وسلم

بقیہ - امر بالمعروف: اور کوئی بدعت ایسی نہیں ہے جو کسی نہ کسی حد تک ان میں نہ پائی جاتی ہو لیے وہ مسلمہ فرائض و واجبات کہ جن سے اخوت مومنانہ کا قوام اور قیام ہوتا ہے، ان کا واضح خاکہ عوام تو عوام بلکہ عوام پسند علماء تک کے سامنے نہیں ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ تمام وہ مذہبی تفرقہ اور اختلاف جو سابقہ امتوں میں پیدا ہو کر انھیں ختم کرنے والا ثابت ہوا وہ بھرپور طور پر عامۃ المسلمین میں رائج ہو چکا ہے اور بڑھتا ہی جا رہا ہے، اس کی آخری قسط وہ تفرقہ ہے جو سیاست کو حقیقتِ دینی بتاتے ہوئے اساس دین و امت کو اکھاڑنے میں مصروف ہے۔ مگر اس کے ساتھ عالمگیر تجدید امت کے اسباب بھی پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ پاک ابراہیم خلیل اللہ کے مرجھائے ہوئے باغ کو اپنے ابر رحمت سے سیراب کرتے ہوئے اسے سدا بہار کر دے۔ ●●●

---

[۱] یعنی سبحان ذی الجبروت والملکوت

قصیدہ ماہِ رمضان

شوق اعظمی

کس رشکِ ماہ کی یہ تجلی ہے آشکار
اُٹھتی ہے کیوں نگاہ سوئے چرخ بار بار

آنکھیں بچھی ہوئی ہیں سرِ راہ کس لیے
کرتی ہے خلق کس کا بصد شوق انتظار

پھولوں سے بس رہی ہے صبا آج بے طرح
ہے رشکِ باغِ خلد گلستانِ روزگار

اک روحِ تازہ پھونک دی جوشِ نمو نے آج
صد رشکِ لالہ زار ہے دامانِ کوہسار

سن سن کے نغمہائے چمن فرطِ شوق میں
جھک جھک کے سرو ہو گئے آپس میں ہمکنار

سبزوں کا جوش گلشنِ عالم میں دیکھ کر
شبنم بھی آئی ہے کے گہرہائے آبدار

سایہ فگن یہ کون سحابِ کرم ہوا
لائی جو آج شاخِ تمنا بھی برگ و بار

ہے کون آج گلشنِ عالم میں جلوہ گر
دامن میں یوں سمیٹے ہوئے سیکڑوں بہار

اللہ رے نصیب کہ ہے پیامِ عید
آیا وہ جس کی یاد میں جانیں تھیں بیقرار

ماہِ صیام آیا ہے قرآں لیے ہوئے
نازاں ہوں کیوں نہ اپنے مقدر پہ روزہ دار

شکر خدا وہ آج ہے دنیا میں جلوہ گر
ہر دل میں جس کی عزت و رفعت ہے بیشمار

بیشک نزولِ رحمتِ پروردگار ہے
اے جانِ آرزو! ترا آنا ہزار بار

شانِ کرم تری، یہ ترا جوشِ انبساط
مل جائے عمرِ خضر تو تجھ پر کریں نثار

دامن میں اپنے گوہرِ رحمت لیے ہوئے
آیا ہے بن کے جانِ حزیں کا تو غمگسار

بیشک ہے تو پیامِ طرب، مژدۂ نشاط
صورت سے تیری رنگِ مسرت ہے آشکار

مضطر ہوں تیری یاد میں ہم کیوں نہ دم بدم
بخشش کا عاصیوں کی تجھی پر ہے انحصار

ہے بابِ خلد بہرِ مسلماں کھلا ہوا
دوزخ نصیب پھر ہوا شیطانِ بدشعار

زیبا ہے آج نازِ جبینِ نیاز کو
ہر سجدہ ہو رہا ہے جو مقبول کردگار
ثابت یہ ہو چکا ہے احادیث پاک سے
ہوتی ہیں سنتیں بھی فرائض میں اب شمار
اے شوق دیکھ کر یہ فضیلت صیام کی
کیوں ہم کریں نہ زہد و تقدس اب اختیار

●

بقیہ اداریہ :۔ کیے جانے کا ذکر کرنے کے بعد آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کے درمیان اپنے حکم کے جاری ہونے کا تذکرہ کرکے گویا یہ بتلانا چاہتا ہے کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کی مٹھی میں ہے۔ اس لیے اگر وہ کسی قوم پر ضرب لگانا چاہے تو اسے الگ سے اس کے لیے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہے وہ اس کائنات کے جاری و ساری نظام کے کسی بھی حصے کا رخ اس قوم کی طرف کرکے اسے کچل سکتا ہے۔

پس خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ ہم جن حالات و واقعات سے گزر رہے ہیں، ان کا شدید مطالبہ ہے کہ ہم اپنے کردار پر نظر ثانی کریں۔ خدا سے صحیح طور پر اپنا تعلق استوار کریں اور اسی سے مدد و اعانت طلب کرتے ہوئے اپنے مسائل کے حل کی جد و جہد کریں کہ یہی فلاح و کامیابی کی راہ ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

پیام کعبہ

روزے اور بخشش کا مہینہ

یہ خطبہ مسجد نبوی کے امام شیخ عبدالعزیز بن حسن حفظہ اللہ نے ۲ر رمضان سنہ ۱۴۰۲ھ کو خانۂ کعبہ کے پاس ارشاد فرمایا تھا یہ موصوف شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کی نسل سے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُعِزِّ مَنْ اَطَاعَہٗ وَاتَّقَاہُ ، وَمُذِلِّ مَنْ اَضَلَّ اَمْرَہٗ وَعَصَاہُ اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ وَاَشْکُرُہٗ ، وَاَسْأَلُہُ الْمَزِیْدَ مِنْ فَضْلِہٖ ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ، وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ بَعَثَہُ اللّٰہُ بِالْحَقِّ وَالْھُدٰی اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحَابَتِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔ اَمَّا بَعْدُ :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ یعنی اس شخص سے بڑھ کر اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں ۔

یقیناً بندوں پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے لوگوں کو ایمان کی ہدایت دی اور اسلام کے لیے ان کا سینہ کھول دیا ، جس کے نتیجہ میں انہوں نے صرف خدائے واحد کی عبادت کی ، اس کی توحید اختیار کی اور طاغوت کے ساتھ کفر کیا ۔ طاغوت ہر وہ شخص ہے جس کی باطل طور سے عبادت یا پیروی و اطاعت کی جائے ۔ کیوں کہ معبود برحق اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے ۔ اللہ کے یہ بندے علم و عمل کے اعتبار سے اور علی وجہ البصیرت دین کی

دعوت دیتے ہوئے دین پر ثابت قدم رہے، ان کے یہاں نہ شرک ہے نہ بدعت ہے نہ دجل ہے نہ شعبدہ بازی ہے نہ حق و ہدایت سے منحرف گمراہ تصوف ہے۔ بس اس دین پر ایمان ہے۔ اس کے مطابق عمل ہے اور اس کی راہ میں جان اور مال کے ساتھ جہاد ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے زندگی کی قربانی ہے، اسلام اور توحید عبادت کی دعوت ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اللہ کے حدود کی اقامت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور پیروی ہے۔

مسلمانو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کی بنیاد اور مسلمانوں کا وہ فریضہ ہے جسے ہاتھ زبان اور دل سے انجام دینا ہے۔ اور دل سے انجام دینا اس فرض کا سب سے ادنی حصہ ہے، جو شخص اس دین پر عمل پیرا ہوئے اور اس کی دعوت دینے سے پیچھے رہ گیا اور قدرت رکھتے اور جانتے بوجھتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا وہ اللہ کا نافرمان، گنہ گار، ناقص الاسلام اور اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں کوتاہ ہے۔ کیوں کہ اس پر مسلمانوں کا حق یہ ہے کہ انھیں دعوت دے، امر و نہی بیان کرے، حق و صواب واضح کرے اور سبھی ایک دوسرے کو اس کی وصیت کریں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جب انھیں حق کی دعوت دی جائے، بھلائی کا حکم دیا جائے اور شر و فساد سے منع کیا جائے تو بات سنیں اور اطاعت و فرماں برداری کریں۔ اور مسلمان مرد و عورت کا فریضہ ہے کہ دوسروں کی خیر خواہی اور بھلائی کی دعوت کا موقع ضائع نہ ہونے دیں۔ بلکہ اسے غنیمت سمجھیں، درحقیقت دین کی قوت اور مسلمانوں کی وحدت کا ایک اہم عامل یہ ہے کہ باہمی اختلافات جن سے کہ مسلمان کمزور پڑتے ہیں اور اسلام کو ضرر پہنچتا ہے، انھیں چھوڑ دیا جائے۔ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کا تعاون کریں۔ اختلاف نہ کریں۔

مسلمانو! لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کو ثابت کرو الوہیت میں اللہ کی توحید اختیار کرو، نماز قائم کرو بھلائی کا حکم دو، برائی سے روکو اور جو کچھ مصیبت پڑے اس پر صبر کرو۔ یہی عزیمت کا کام ہے۔

اس کے بعد یاد رکھو کہ تم لوگ ایک مبارک مہینے یعنی ماہ رمضان سے گزر رہے ہو، جو بھلائی، مغفرت، جہنم سے آزادی اور برکتوں کا مہینہ ہے، جس میں ایمان کے ساتھ حصول ثواب کی نیت سے روزہ رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش دیتا ہے، درحقیقت اس کا اجر اللہ کی طرف سے بڑا زبردست ہے۔ نیکیوں کا ثواب عام حالات میں دس گنا ہے، لیکن اس ماہ میں نیکیاں اور بڑھا دی جاتی ہیں۔ دعائیں قبول کی جاتی ہیں، برائیوں کو مٹا دیا جاتا ہے بندوں کے سارے اعمال ان کے اپنے لیے ہیں مگر روزہ اللہ کے لیے ہے، اللہ اسے قبول کرتا ہے اور اس پر ثواب عطا

کرتا ہے، کیوں کہ مومن بندہ اپنا کھانا پانی اور اپنی شہوت محض اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے چھوڑتا ہے، اس لیے کہ اس ماہ کا روزہ اللہ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور مسلمان اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی تابعداری اختیار کرتا ہے

مسلمانو! روزے سے نفوس پاک ہوتے ہیں، جسم تندرست ہوتا ہے اور اللہ کی فرمانبرداری کا عادی بن جاتا ہے۔ روزے ہی کے ذریعہ مسلمان اللہ کی نعمت کو پہچانتا ہے، اس کی قدر کرتا ہے اور اس پر اس طرح اس کا شکر ادا کرتا ہے کہ اپنے حاجتمند مسلمان بھائیوں پر مہربان ہو جاتا ہے۔ ان کی تنگی اور حاجت کو سمجھ لیتا ہے، ان کی ہمدردی و غمخواری کرتا ہے اور ان کی حاجت پوری کرتا ہے۔

یاد رکھو! روزہ محض کھانے پینے کو چھوڑنے اور شہوت سے باز رہنے ہی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جھوٹ غیبت اور چغلخوری چھوڑنا، ہر طرح کی خلاف شریعت بات اور عمل سے دور رہنا، غافل مردوں اور عورتوں پر تہمت لگانے سے باز رہنا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ۔ جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ نہیں پڑی ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

اللہ کے بندو اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اسلام کو اپنے دین اور طریقۂ عمل کی حیثیت سے اپنا لو۔ اے اللہ تو ہم سے قبول کرلے، ہمیں توبہ کی توفیق اور سیدھی راہ کی ہدایت دے سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ٥ تمہارا رب، عزت والا رب ان باتوں سے پاک ہے جس سے مشرکین اس کو موصوف کرتے ہیں، اور پیغمبروں پر سلام ہو اور اللہ رب العالمین کے لیے حمد ہے۔

اللہ کے بندو! ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں اور نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں فضل کے طور پر بھی دیتا ہے اور اس آزمائش کے لیے بھی دیتا ہے کہ آیا ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں — تو ہمیں اور زیادہ نعمتیں دے — یا ہم اس کی نعمتوں کی ناقدری و ناشکری کرتے ہیں۔ تو ہم سے انتقام لے۔ اور اپنی نعمتیں چھین لے۔ اور یاد رکھو! وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ٥ تمہارا رب بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

بھائیو! رزق کی کشادگی اور مال حلال کی فراوانی بڑی زبردست نعمت اور زندگی کی زینت ہے ۔ اور مال کے اندر جو زکوٰۃ واجب ہے اس کی ادائیگی اور فقراء و مساکین اور کمزوریوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں انھیں بجالانا اور قرابتداروں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرنا نہایت افضل اور اللہ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ عمل ہے ۔

اللہ کے بندو! بھلائی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو، برائی اور فساد کی جڑ کاٹ دو اور اپنے آپ کو بھی اور بے دینی سے اور ان ساری باتوں سے پاک کرڈالو جو امت کے اندر بگاڑ اور معاشرے کے اندر پراگندگی برپا کرتی ہیں ۔ یہ ساری باتیں اسلام میں ضروری ہیں ۔ مسلمانوں کے عقائد کا فاسد ہونا اور انھیں فاسد کرنا اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے ۔ فرائض چھوڑنا یا ان میں سستی کرنا اور برائی اور گناہ کرنا جسمانی بیماری سے بڑھ کر امت اسلامیہ کے لیے تباہ کن اور ضرر رساں ہے ۔

پس اے اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور سچے لوگوں کے ساتھی بنو، اپنے پروردگار کی اطاعت کرو اس کا حکم بجالاؤ، اس کی نافرمانی نہ کرو، اللہ کو بہترین قرض دو یعنی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو ۔ اور اسے بھلائی کی راہ میں خرچ کرو ۔ فقیروں، محتاجوں، اور قراستداروں کی غمخواری کرو کیوں کہ ان کے ساتھ ہمدردی و غمخواری صدقہ اور صلہ ہے اور رمضان میں ثواب بڑھ جاتا ہے ۔ ان ضرورتمندوں کا خاص خیال رکھو جو لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے ۔ بلکہ اس طرح دامن بچا کر خاموش رہتے ہیں کہ گویا وہ مالدار ہیں ۔

یاد رکھو! بہترین کتاب اللہ کی کتاب ہے ۔ اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور سب سے بری بات وہ ہے جو دین میں ایجاد کرلی جائے ۔ دین کے اندر ہر ایجاد کی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔ اور سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے والی جماعت کے ساتھ ہوجاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور جو جماعت سے الگ تھلگ ہوگا اسے تنہا کرکے جہنم میں ڈال دیا جائے گا ۔ اقول قولی ھٰذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین من کل ذنب فاستغفروہ انہ ھو الغفور الرحیم ۔

●●●

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تفرقہ فی الدین میں فرق

صوفی نذیر احمد

(۱) "کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر"
— تم بہترین امت ہو، تمھیں کائنات انسانی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمھارا مشن ہے۔

حضرت خاتم الانبیاء کا وہ وصف جو انھیں تمام سابقہ انبیاء سے امتیاز دیتا ہوا انھیں کائناتِ انسانی کے لیے اللہ پاک کی آخری حجت قرار دیتا ہے وہ وصف یہ ہے کہ "وما ارسلناك الا كافة للناس" — اور ہم نے آپ کو صرف ساری کائناتِ انسانی کے لیے بھیجا ہے۔ سابقہ انبیاء کی دعوت اصولاً ایک کنبے یا ایک ایک قوم یا ایک ایک ملک کے لیے ہوتی تھی، دوسروں کے لیے اس کا فائدہ ضمنی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر خاتم الانبیاء کی دعوت اصولاً صرف ساری کائناتِ انسانی کی طرف تھی اور قومی دائرے کی اصلاح اس میں ضمنی حیثیت رکھتی تھی۔

"یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملك السمٰوٰت والارض۔ اے کائناتِ انسانی میں تم سب کی طرف اسی خدا کا رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے — (القرآن) — یہاں "جمیعاً" کا لفظ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

امت اسلامیہ کے متعلق جو آیت اوپر نقل کی گئی ہے۔ اس میں امت کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ تمھیں ساری کائناتِ انسانی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ جس طرح رسالتِ محمدی ساری کائنات انسانی کی طرف تھی، اسی طرح، آپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد پیام اسلام کو جاری رکھنا امتِ محمدیہ کا فرض ہے۔ یہاں تک کہ دین کامل پر ساری انسانیت متحد کر لی جائے۔ اسی لیے ہر فرد امت کا اپنی اپنی استعداد و ماحول کے لحاظ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض قرار پایا ہے۔ قرآن مجید نے امتِ اسلامی کے اندر بھی ایک ایسی امت کا تصور پیش کیا ہے، جس کا ہمہ وقتی کام ہی

صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو۔ ,, ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون۔،، تم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہونا ضروری ہے جو داعی الی الخیر ہو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا ہو، اور وہ گروہ فلاح پانے والا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امت کے ہر فرد کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو اس کا ایک عام فرض ہے مگر دہ امت در امت حلقے کا ہمہ وقتی فرض ہے۔

یہ امت اصولاً ایک مبلغ دینِ حق امت ہے اور اس کا سارا سیاسی اقتدار اس کے دین کے تابع ہے۔ وہ اس کے دین کا ایک شعبہ ہے، وہ تکملۂ دین ہے۔ مکے کے جانگاہ قیام کے زمانے میں رؤسائے قریش نے رسولِ خدا کے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ اگر آپ بت پرستی کے خلاف اپنی زبان روک دیں تو وہ آپ کو عرب کا بادشاہ، عرب کا دولتمند ترین آدمی بنا دینے کی گارنٹی دیں گے۔ وہ عرب کی حسین ترین خاتون سے آپ کی شادی کی بھی ضمانت دے رہے تھے۔ مگر جناب رسول اللہ نے اس پیش کش کو رد کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس کے ساتھ ہی چاند کو آپ کے ایک ہاتھ پر اور سورج کو آپ کے دوسرے ہاتھ پر رکھ دیں تب بھی آپ اپنے توحید کے مشن کو نہ چھوڑیں گے۔ اس پیش کش کو رد کرنے کی صورت میں آپ کے اور آپ کے صحابہ کے لیے بظاہر زندہ رہنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مگر آپ نے اس بظاہر پُر عزت پیش کش کو رد کر دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سیاسی اقتدار کا حصول، دین کی حقیقت سے خارج ہے۔ یہ کہنا تاریخی صداقت ہے کہ انبیاء کے سلسلے میں سے سو میں سے ننانوے کو ریاست قائم کرنے کا موقع ہی نہیں آیا، اور ان کی ساری کوششیں، ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر تک محدود رہیں۔ تبلیغ دینِ حق کی یہی حقیقت اور یہی حدود ہیں۔ یہی انبیاءِ محمدی ہیں۔ جن کے اتباع کے سوا فلاحِ انسانی کا اور کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں ہے۔

لہذا موجودہ دور میں دین کے معنی موجودہ دور کی ہمہ گیر ریاست بتاتے ہوئے جو سیاسی ہنگامے کیے جا رہے ہیں وہ دین کے نام پر بے دینی کو پھیلانے کے مساوی ہیں۔ وہ موجودہ نسل کے سیاسی جذبات کو بھڑکا کر اسے اپنی اصلاح اور ملتِ اسلامی کی اصلاح سے بیگانہ کرنے والے ہیں۔ اس مقام پر دین کے اخلاقی ذرائع اور سیاست کے انقلابی ذرائع میں فرق کرنا ضروری ہے اور از حد ضروری ہے۔ ورنہ ایک انسان عمر بھر سیاسی ہنگاموں میں تلف کرتے ہوئے بھی اس فریبِ نفس میں گرفتار رہے گا کہ وہ اپنے دینی جہاد میں مصروف ہے، حالانکہ اس کی ساری کوشش صرف سیاسی اقتدار کے لیے ہوگی۔

دینی سیاست اور سیاسی دین

دینی سیاست یہ ہے کہ ایک مومن معاشرہ اپنے آپ کو شرک و کفر و بدعت سے پاک کرتا ہوا اتنا مضبوط ہو جائے کہ وہ اپنے سارے اجتماعی کاروبار کو بھی قانونِ اخلاق کا پابند کر سکے (جیسا کہ رسول اللہؐ نے مدینہ میں پا بر جا ہونے کے بعد کیا تھا۔) تو پھر وہ مامور ہے کہ وہ "یا یھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین۔" کے حکم کے مطابق اپنے سارے کے سارے اجتماعی کاروبار کو بھی قانون اخلاق کا پابند کرے۔ آیت کا ترجمہ: "اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم کا اتباع نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" اس مقام پر رسول اللہؐ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی مدنی زندگی کو سامنے رکھنا از حد ضروری ہے۔ مومن معاشرے کی اس درجہ تطہیر ہو چکی تھی کہ جب شراب کی حرمت پر وحی نازل ہوئی تو بلا کسی ریاستی محاسبے کے مدینہ کی نالیوں میں شراب بہائی جا رہی تھی۔

اب یہ معاشرہ اس قابل ہو چکا تھا کہ وہ سارے کے سارے قانونِ اخلاق کو اپنے اوپر نافذ کرتا، اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اور تا قیامت یہ اسوۂ حسنہ، بنی نوعِ انسان کے لیے اللہ پاک کی حجت قرار پایا۔ یہ ہے دینی سیاست۔

ملتِ ابراہیمی

اسلام ملتِ ابراہیمی کا ہمہ جہتی اجرا ہے۔ اور اس حیثیت سے بھی ملت ابراہیمی کے مشابہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی دعوت بمقابل دوسرے انبیاء کے بیک وقت، مصر، عراق اور جزیرۃ العرب کی مختلف اقوام تک پھیلی تھی۔

سُنّتِ ابراہیمی

حضرت ابراہیم نے ان سب اقوام کو صرف توحید خالص اور مبادیات اخلاق کی دعوت دی تھی۔ اس بات کا کوئی بھی تاریخی یا دینی ثبوت موجود نہیں کہ آپ نے ریاست یا کلی ریاست کے قیام کی کوئی کوشش کی ہو۔

سیاسی دین اور اس کا ماڈل

اسے سمجھنے کے لیے جرمنی کے مشہور ملحد مفکر ہیگل کے فلسفے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ اس شخص نے پروشین ریاست کو تمام صداقتوں کا مظہر اتم بتایا، اور خود خالقِ کائنات کو بھی اسی جسد خاکی میں روحِ کائنات (UNIVERSAL MIND) کے نام سے داخل کیا، بلکہ بالفاظِ صحیح محبوس کیا۔ چونکہ یہ ریاست اب بھی مذہب انسانی کی حیثیت اختیار نہ کر سکتی تھی، لہٰذا اس نے عیسائیت کے پروٹسٹنٹ فرقے کے عقائد کو بھی اسی ریاست کے ساتھ جوڑ دیا تاکہ

وہ مذہب کامل وعالمگیر کا بھی مظہر کامل بن سکے،

کارل مارکس نے ہیگل کی اس فکر کو الٹ کر خالص مادہ پرستی کو عالمگیر ریاست کی شکل دینے کی دعوت پیش کی جس کی عملی تعبیر لینن نے کی اور دنیا کو دارالفساد بنا دیا۔ ہیگل روح کائنات کو اول درجہ دیتا تھا اور مادے کو دوسرا درجہ دیتا تھا۔ لیکن مارکس نے مادے کو اول درجہ دیا اور روح کائنات کو دوسرا درجہ دیا۔

اس دور کے ایک مشہور "اسلامی مفکر" صاحب موجودہ دور کی ہمہ گیر ریاست کو دین کا حقیقی مصداق قرار دیتے ہوئے اور سارے شعائر دین کو اسی کی تاریکی میں جس فلسفے کو اسلام کے نام سے پیش کیا ہے وہ بالکل ہیگل کا پروشین اسٹیٹ ہے، جس میں ہیگل نے عیسائیت کے پروٹسٹنٹ فرقے کے عقائد وافکار کو خلط ملط کرتے ہوئے دین کامل بنا دیا تھا۔ فرق یہ ہے کہ مذکورہ مفکر نے پروٹسٹنٹ فرقے کے عقائد وافکار کو اپنی کلی ریاست میں ضم کرنے کے بجائے اسلامی روایات کو اس میں ضم کیا ہے۔ ہیگل کلیسا کی اینٹوں سے نیا بت خانہ بنا رہا تھا جبکہ مذکورہ مفکر صاحب یہ کام بیت اللہ کے مواد سے لے رہے ہیں۔

ہیگل کی ریاست کی صفتِ غالب اس کی قہاریت ہے اور اس خدائے قاہر کی سمع و طاعت ہی کل حقیقت عبودیت ہے۔ اور مذکورہ مفکر صاحب کا ازم بھی بالکل یہی کچھ ہے۔ وہ اللہ کی صفت غالب اس کی قاہریت ہی کو بتاتے ہیں۔ اور یوں کہ سیاسی اقتدار اعلیٰ کی توحید ہی کل حقیقت توحید ہے اور یہ اقتدار اعلیٰ خود ریاست کے اندر مستور ہے، لہٰذا وہ ہیگل کے خدا سے مختلف نہیں ہے بلکہ اسی کی کاپی ہے۔

معروف ومنکر کی حقیقت

تمام کی تمام اخلاقی اقدار معروفات کا سلسلہ ہیں۔ یہی وہ فطرت انسانی ہے جو انسان کو حیوانات سے امتیاز دیتی ہوئی اسے اشرف المخلوقات بنا دیتی ہے۔ یہی انسان کا وہ دین قیم ہے جس کی تربیت کے لیے اللہ پاک انبیاء کو بھیجتا رہا ہے۔

"اقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التي فطر الناس عليها ۔ لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون ۔" اپنی ہستی کو پوری یکسوئی سے دین کی طرف متوجہ کر دے یہ وہ فطرت انسانی ہے جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے، اس لیے کہ وہ پائدار دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (القرآن)

كل مولود يولد على الفطرة ۔ ہر نوزائیدہ بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ (الحدیث)

یعنی کہ انسان کہلاتے ہوئے اخلاقی اقدار کا انکار ممکن نہیں ہے۔ یہاں تک کہ دہریہ سے دہریہ معاشرے بھی ان کا انکار نہیں کرتے، لہٰذا دینِ کامل کی طرف دعوت دینے کا آغاز انھیں جانی پہچانی ہوئی قدروں کے ذریعہ کیا جاتا ہے، جسے امتِ اسلامی کا اجتماعی فرض قرار دیا گیا ہے۔ انھیں معروفات کی ضدوں سے انسانیت عامہ کو روکنا امتِ مسلمہ کا دوسرا فرض ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک ہی فرض کے دو رخ ہیں اسی لیے اسلام کو دینِ فطرت بھی کہا گیا ہے۔ وہ تمام مسلمات فطرت کو ماننے اور تمام خلافِ فطرت اعمال و عقائد سے روکنے کی عالمگیر دعوت ہے، اور یہ ایک عام تصورِ معروفات ہے۔

حسنات وسیئات

ان معروفات سے تمسک اور ان کی ضدوں سے روکنے کے باطنی رخ کا نام حسنات وسیئات ہے اور اسی باطنی رخ کی حفاظت کا نام تقویٰ ہے یعنی تعلیم دین کو اپنے قلب و صدر اور اپنی ہستی میں جذب کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ جن مومنین پر ظاہری فرائض عبودیت پر عمل پیرا ہونے کا غلبہ ہوتا ہے وہ شہداء کا گروہ ہے۔ جن پر تطہیر باطن کا غلبہ ہوتا ہے وہ صالحین ہیں اور جن کے ظاہر و باطن میں کامل ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے وہ صدیقین ہیں۔ صحابہ محمد رسول اللہ میں سے صدیق اکبر حضرت ابوبکر اور امام الشہداء حضرت عمر تھے اور امام الصالحین حضرت علی تھے جن پر تدبیر و ہوش اور انتظامی صلاحیت سے کہیں زیادہ جذب الی اللہ اور استغراق فی اللہ کا غلبہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے اسلام کی اکثریت مطلقہ انھیں اپنا امام قرار دیتی ہے، اور ٹھیک اسی حیثیت سے ایک بڑا گروہ ان کی افضلیت کا قائل ہو گیا ہے۔ لیکن بحیثیت امیر المومنین ہونے کے جس میں کسی ہوشیاری اور معاملاتی جزرسی کی ضرورت ہے، جب اس پر نظر پڑتی ہے تو حضرت شیخین۔ ابوبکر و عمر۔ حضرت علی سے افضل محسوس ہوتے ہیں۔ اصلاح و تزکیہ کے سلسلے میں صوفیاء کو کسی نہ کسی حد تک اپنی شخصی مرکزیت قائم کرنی پڑی۔ خود حضرت علیؓ کا بھی ایک اندرونی حلقۂ ارادت تھا۔ یہی وہ چیز بھی جو آئندہ چل کر شیعانِ علیؓ کی بنیاد بنی۔ اور جب بنوامیہ کی ملوکیت کے بعد اس نے بنوہاشم و بنوامیہ کی سیاسی کشمکش کی صورت اختیار کی تو یہ علوی حلقہ اور بھی سکڑ گیا۔ امت اسلامی پر یہ اللہ پاک کی رحمت خاصہ تھی کہ بنوامیہ کی ملوکیت کا ردعمل خود اسی خانوادے کی طرف سے پیدا ہوا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خود ملوکیت کی مرکزیت کو ختم کرتے ہوئے اور امرھم شوریٰ بینھم کو زندہ کرتے ہوئے پھر سے امت اسلامیہ کو معیاری صورت دی اور ان کے مجدد دین ہونے پر تو رضاکارانہ اجماعِ امت ہو گیا۔ عمر بن عبدالعزیز

کی بیعت امت کے صالحین کا بالکل رضاکارانہ عمل تھا، جبکہ یزید کی بیعت میں جبر و قہر وغیرہ تک کے ذرائع کا
کر رہے تھے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے رحلت کرنے کے بعد پھر سے بنو امیہ کی ملوکیت پلٹ آئی تو وحدت ملّ
میں پھر سے بگاڑ پیدا ہوگیا اور جب بنو امیہ کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے کے بعد بنو ہاشم کی سیادت کو قائم کیا گیا تو اس
بنو عباس کا قبضہ تھا، لہٰذا علوی حلقہ عقیدت نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور شیعانِ علیؓ نے ایک ممیّز ا
جارح سازشی فرقے کی صورت اختیار کرلی، یعنی اب وہ ایک مذہبی گروہ کے بجائے ایک خالص سیاسی فرقہ تھا
جس میں کلمۂ حق کو سربلند کرنے کی جگہ بنو فاطمہ کو سربلند کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔ یہ مزید تفرقہ امت تھا۔ اس گرو
کے رہنماؤں نے اپنے اوپر خدا پرستی اور جذب الی اللہ کی چھاپ قائم کر رکھی تھی اور اپنے کشف و الہام کے ذریعہ عو
کو اپنے برسرِ حق ہونے کا یقین دلاتے تھے۔ اور اس طرح اپنا حلقہ وسیع اور مضبوط بنانے کے لیے کوشاں تھے۔ مگر یہ
بھی ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس کا انکار حدودِ نبوت کا انکار ہے کہ ان کا کوئی کشف و الہام یا اجتہاد نظر کی
صورت کائناتِ انسانی یا امتِ اسلامی کے لیے تشریعی حجت نہیں ہے۔ تکمیلِ دین و شریعت کے بعد ایسا اعتقاد ا
خوفناک تضاد ہے، اگرچہ الہام و کشف و اجتہاد اب بھی امت میں جاری ہے اور جاری رہے گا۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا
وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب تو اللہ پاک ہے اور اس
(سرا و ضرا میں) استقامت دکھائی ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہ پیام دیتے ہیں کہ تمھیں کوئی خوف و غ
نہیں کرنا چاہیے۔ نحن اولیاءکم فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔ ہم تمھارے دوست ہیں دنیا ا
عقبیٰ دونوں میں۔

صاحبانِ استقامت پر یہ الہام تا قیامت جاری رہے گا اور یہ خود ان کی ذات کی حد تک حجت بھی ہو سکتا ہے مگر
وہ نہ تو دوسروں کے لیے واجب الاطاعت ہوگا نہ اس کی طرف دوسروں کو دعوت دینے کی اجازت ہوگی۔ ا
امت کے لیے صرف ایک حجت باقی رہتی ہے اور وہ ہے امت کا "امرھم شوریٰ بینھم"۔ اس لیے رسالت
محمدی کی نیابت اب بھی امت کا اجتماعی فرض ہے اور اس لحاظ سے اجماعِ امت اللہ پاک کی حجت ہوگی اور ا
لیے باطل پر اجماعِ امت ناممکن ہے۔ چوں کہ امت ہی حقیقی نائب رسول ہے، لہٰذا وہ اپنے اجتماعی اور اجما
فیصلے اور بصیرت میں معصوم عن الخطا ہے۔ "لا تجتمع امتی علی ضلالۃ"۔ میری امت ضلالت

اجتماع نہیں کر سکتی۔" (الحدیث)

اعتصام بحبل اللہ

"واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" اللہ کی رسی سے جمع ہو کر ایک ساتھ چنگل مارو اور آپس میں تفرقہ نہ ہونے دو۔"

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا .... ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ"
تم پر بھی اللہ نے وہ دین واجب کیا، جس کی وصیت اس نے نوح کو کی تھی، جس کی ہم نے آپ کو وحی کی اور جس کی ہم نے ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو وصیت کی تھی۔ وہ یہ ہے کہ دین کو جوں کا توں قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ہونے دو۔" (القرآن)

اس سلسلے میں ان تمام آیات قرآن پر نظر رکھی جائے جن میں تفرقہ فی الدین کی ممانعت ہے۔

حبل اللہ کیا ہے؟

تمام وہ فرائض و واجبات اخلاقی۔ معروفات۔ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے اور جنھیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ عالمگیر طور پر قائم کرنا امت اسلامیہ کا مشن ہے۔ وہ سب حبل اللہ کا مرکزی حصہ ہیں۔ پھر تمام وہ فرائض و واجبات کہ جن کا وجوب قرآن و سنت سے ثابت ہے اور جن پر رسول اللہ نے اور آپ کے صحابہ نے عمل بھی کیا اور اس کا ریکارڈ تا قیامت اللہ نے محفوظ بھی کر دیا۔ یہ سب مجموعہ حبل اللہ ہے۔ اور ان سے ہر آن تمسک رکھنا اور اسباب تفرقہ سے بچتے رہنا وحدت دین و امت کی کل کائنات ہے اور یہ سب فرائض و واجبات آیات بینات ہیں، جن میں کوئی سریت و خفا نہیں ہے۔ دین خاتم الانبیاء دین بینات و دین محکمات ہے وہ اس درجہ واضح اور عام فہم ہے کہ بلال حبشی و افلاطون الٰہی دونوں اس کو سمجھ سکتے ہیں اور دونوں ایک طبعی یسر کے ساتھ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ صرف اسی اظہار و تبیان و ہدایت کے باعث دین اسلام ساری دنیا کی ساری انسانی مخلوق کے لیے اللہ پاک کی آخری حجت ہے اور وہ ان کی فلاح دارین کا کفیل ہے۔ اس دین کو ان اسرار و رموز سے کوئی تعلق نہیں ہے جنھیں اس دین کی طرف منسوب کرتے ہوئے جمہور امت کو فرائض و واجبات دین سے بیگانہ کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سارے مغصہ سے امت کو آزاد کرتے ہوئے فرائض و واجبات سے مربوط کرنا ہوگا، اللہ پاک دنیا بھر کے سارے مجاہدین دین کو تطہیر معاشرے کے اس پہلو کی طرف متوجہ کرے۔

انفرادی مرکزیت و عقیدت کے بجائے "امرھم شوریٰ بینھم" کا احیاء جہاں قیصر و کسریٰ کی جانشین

رئیس زادگیوں کو ختم کرنے والا ہوگا۔ وہیں وہ بت پرستانہ شخصیت پرستیوں اور محض سفارشی قسم کے کاروباری دین کی بساط کو الٹ کر ایمان و عمل صالح اور تواصی بالحق و تواصی بالصبر کے دین حق کو بھی پھر سے قائم و ثابت کرنے والا ہوگا اور "انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم" کے رشتے کو بھی عالمگیر کرنے والا ہوگا۔ یہ اخوۃ مومنانہ جس میں تمام انبیاء بھی شامل ہیں، اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ مسلمہ فرائض حیات کے اجتماعی تمسک کا دوسرا نام ہے۔ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔" اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، مگر تم اس کے انعام کے باعث بھائی بھائی بن گئے ہو۔ یہ انعام کیا تھا؟ وہ اجتماعی اعتصام بحبل اللہ ہی تو تھا۔ اور یہی وہ اخلاقی و روحانی بھائی چارہ ہے، جو حیوانات کے خونی و نسلی رشتوں کے مقابل انسان کو اخلاقی بنیادوں پر تعمیر کرتا ہوا اسے سب انواع کائنات کے مقابل اشرف المخلوقات بنا دیتا ہے۔ انبیاء اس حلقہ اخوت کا مرکزی جز بھی ہیں اور اس کے امام بھی ہیں۔ قرآن مجید میں بار بار انبیاء کا تعارف بھائی کے لفظ سے کرایا گیا ہے۔" اذ قال لہم اخوہم نوح الا تتقون" جبکہ ان کے (اپنی قوم کے) بھائی نوح نے ان سے کہا کیا تمھیں خوف خدا نہیں۔" "واذکر اخا عاد ھود" قوم عاد کے بھائی ہود کا قصہ بیان کرو۔ درجن سے زیادہ مقامات پر قرآن مجید نے انبیاء کا تعارف بھائی کے لفظ سے کرایا ہے۔ اور اس بھائی چارے کے مقابل نسل و خون کی عصبیت کی طرف دعوت کو دین سے خروج قرار دیا ہے۔

بہرحال تمام مومنین کا مسلمہ فرائض و واجبات سے تمسک ہی اخوت مومنانہ ہے اور اسے عالمگیر طور پر قائم کرنے کا ذریعہ صرف "امرہم شوریٰ بینہم" ہے انفرادی مرکزیت ہرگز اس کا ذریعہ نہیں ہے۔

بلاشبہ امت محمدیہ میں تا قیامت ایسے صالحین پیدا ہوتے رہیں گے جو انبیاء بنی اسرائیل کے مثل ہوں گے مگر ان کی حیثیت "ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین" کی ہوگی، وہ اخوت مومنانہ کی توسیع کرنے والے ہوں گے اور اسباب تفرقہ امت کی نفی کرنے والے ہوں گے، ترجمہ آیت: "اُس سے زیادہ احسن القول کون ہو سکتا ہے، جو دعوت الی اللہ دے، عمل صالح کیسے اور اپنا تعارف صرف اس بات سے کرائے کہ میں امت مسلمہ کا ایک فرد ہوں۔"

جمہور امت کے موجودہ حالات۔ آج عامۃ المسلمین کی حالت یہ ہے کہ دنیا جہان کا کوئی شرک

بقیہ ص ۲۳ پر

آیات و انوار

لا تدع مع اللہ الٰھاً اٰخر

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری۔

پچھلی قسط میں ہم نے عباد الرحمان کے اوصاف کے سلسلہ میں یہ آیت درج کی تھی۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللہِ اِلٰھاً اٰخَرَ ۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رحمٰن کے بندے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ۔ اس آیت میں دراصل یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کے شریک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یعنی اللہ کے علاوہ نہ کوئی اور ہستی لائق عبادت ہے۔ نہ کسی اور کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے پکارا جاسکتا ہے لیکن اس آیت کے اس اصل نقطہ پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم نے مناسب سمجھا تھا کہ پہلے دعا کا مطلب اور اس کے آداب و شرائط کی قدرے وضاحت کردی جائے۔ چنانچہ پچھلی قسط میں آپ نے یہ بحث ملاحظہ فرمائی۔ اب ہم اصل بحث پر آتے ہیں۔

ہر انسان اچھی طرح سمجھتا ہے کہ اس دنیا کے کچھ کام ایسے ہیں جو اس کے تصرف و اختیار میں ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اس کے تصرف و اختیار میں نہیں ہیں۔ مثلاً آپ لوہے کے کسی اوزار یعنی چھری، کلہاڑی وغیرہ کسی چیز سے لکڑی کاٹنا چاہیں تو کاٹ سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو اس پر قدرت نہیں کہ آپ کوئی اوزار استعمال کیے بغیر صرف زبان یا دل سے یہ کہیں کہ اے لکڑی تو کٹ جا، اور وہ آپ کے حکم سے کٹ جائے۔ آپ کسی کو تلوار یا گولی ماردیں تو یقیناً وہ مرسکتا ہے، لیکن صرف آپ کے چاہنے سے نہیں مرجائے گا۔ آپ مریض کو دوا پلادیں تو فائدہ ممکن ہے۔ لیکن آپ شفا دینا چاہیں تو یہ آپ کے بس کی بات نہیں۔ آپ آگ پر پانی ڈالدیں تو یقیناً وہ بجھ سکتی ہے۔ لیکن آپ چاہیں کہ وہ بھڑکتے ہوئے بھی ٹھنڈی رہے اور کسی چیز کو جلا نہ سکے تو آگ میں یہ خصوصیت پیدا کرنا آپ کے بس کی بات نہیں۔ غرض بے شمار ایسے کام ہیں جو انسانی قوت و اختیار سے باہر ہیں، اور بہت سے

ایسے کام ہیں جو انسان کے دائرۂ اختیار میں ہیں ۔ انسانی اختیارات والے کاموں میں انسان کو پکارنا ایک فطری بات ہے ۔ آپ پر کوئی حملہ آور ہو آپ ساتھیوں کو مدد کے لیے پکاریں گے ، کنویں میں گر جائیں تو اس سے نکلنے کے لیے انسانوں کو پکاریں گے ۔ لیکن جو کام انسانوں کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے ، اس کے لیے انسانوں کے بجائے کسی ایسی ہستی کو پکاریں گے ، جس کے دائرہ اختیار میں وہ کام ہو ۔ مسئلہ توحید میں جب فریاد ، پکار داد خواہی ، دعا ، استغاثہ ، تعوذ وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو اس سے اسی دائرہ کے معاملات مراد ہوتے ہیں ، مثلاً اولاد ، روزی ، شفا وغیرہ طلب کرنا ۔

ماسوا اللہ کو پکارنا شرک عظیم ہے

مشرکین سمجھتے تھے کہ اس طرح کے تصرف اور داد خواہی وغیرہ کے اختیارات اللہ کے علاوہ اس کی کچھ خاص اور مقرب بارگاہ ہستیوں مثلاً فرشتوں ، پیغمبروں ، ولیوں اور بزرگوں وغیرہ کو بھی حاصل ہیں اس لیے وہ اللہ کے علاوہ ان ہستیوں سے بھی دعائیں اور فریادیں کرتے تھے اور انھیں اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ الفرقان کی مذکورہ بالا آیت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ رحمٰن کا بندہ وہی ہو سکتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کو الٰہ جانے اور اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے صرف اسی کو پکارے اور اسی سے دعائیں اور فریادیں کرے ، کسی دوسری ہستی کو پکارنا اور اس سے دعا کرنا درحقیقت اس کو الٰہ بنانا ہے اور یہ شرک عظیم ہے ، خالص اللہ کو پکارنے اور صرف اسی سے دعا کرنے کو ہم توحید فی الدعا کہہ سکتے ہیں اور درحقیقت اہلِ ایمان کے لیے توحید فی الدعا ایک ضروری عنصر ہے ۔ ارشادِ الٰہی ہے ۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان ۔ یعنی فریادی جس وقت مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی فریاد کو سنتا ہوں ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ ادعونی استجب لکم ۔ یعنی مجھے پکارو میں تمھاری درخواست قبول کروں گا ۔ اس مضمون کو کسی شاعر نے کیا خوب ادا کیا ہے ۔

نزہ فوادك عن سوانا و اتنا　　　فجنابنا حل لکل منزہ

ہمارے ماسوا سے اپنا دل پاک کر کے ہمارے پاس آؤ ہمارا دربار ہر پاک دل کے لیے کھلا ہوا ہے

ارشادِ الٰہی ہے ۔

والذین تدعون من دونہ لا　　　یعنی خدا کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ تمھاری کچھ

یستطیعون نصرکم ولا انفسهم ینصرون (اعراف) مدد نہیں کرسکتے بلکہ وہ اپنی بھی مدد نہیں کرسکتے۔

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے جب بت شکنی کی تو پرستاران باطل کے سوال و استفسار پر آپ نے جواب دیا
بل فعله کبیرهم هذا فاسألوهم ان کانوا ینطقون۔ (انبیاء) یعنی یہ ان کے بڑے نے کیا ہے، اگر یہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔
مشرکین کو خود اعتراف تھا کہ یہ نہ بول سکتے ہیں نہ اپنے آپ کو مضرت سے بچا سکتے ہیں۔
ایک اور جگہ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

قل ادعوا الذین زعمتم من دونه فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا۔ (بنی اسرائیل)

یعنی اے پیغمبر آپ مشرکین سے کہدیں کہ تم خدا کے سوا جن لوگوں کو اختیار والا جانتے ہو انھیں پکارو پھر دیکھو وہ تمھیں کیا جواب دیتے ہیں۔ یاد رکھو وہ تمھاری کسی تکلیف کو نہ دور کرسکتے ہیں اور نہ پھیر سکتے ہیں، اس کا انھیں اختیار ہی نہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے

ولا تدع من دون الله ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین۔ (یونس)

یعنی خدا کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر دے سکتے ہیں، اگر تم نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہوگے۔

ومن اضل ممن یدعو من دون الله من لا یستجیب له الی یوم القیامة وهم عن دعائهم غافلون (احقاف)

یعنی جو شخص خدا کے سوا ایسی ذات کو پکارتا ہے جو قیامت میں ان کی فریاد رسی نہیں کرسکتی اور فریاد رسی تو دور کی بات ہے انھیں ان کی دعاؤں کی خبر بھی نہیں ہوتی تو ایسا کرنے والے سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے؟

قل افرأیتم ما تدعون من دون الله ان ارادنی الله بضر هل هن کاشفات ضره

ان سے پوچھو تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہونچانا چاہتا ہے تو کیا تمھاری یہ ہستیاں جنھیں تم اللہ

اوارادنی اللہ برحمة ھل ھن ممسکات رحمتہ قل حسبی اللہ علیہ یتوکل المتوکلون۔

(زمر)

کے سوا پکارتے ہو مجھے اس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچالیں گی؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکیں گی۔ تم کہدو میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

قل انما ادعو ربی ولا اشرک بہ احداً

(جن)

اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔

والذین تدعون من دونہ مایملکون من قطمیر ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامة یکفرون بشرککم ولا ینبئک مثل خبیر

(فاطر)

یعنی خدا کے علاوہ جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے مالک بھی نہیں ہیں، انھیں پکارو تو وہ تمھاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، اور قیامت کے روز وہ تمھارے شرک کا انکار کردیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمھیں ایک خبردار (خدا) کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے ماسوا کسی میں کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ماسوا کو اپنی حاجات میں پکارنا چاہیے، اور نہ ان سے کوئی مدد مل سکتی ہے۔ نہ وہ ہمارے لیے کچھ مفید یا مضر ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ولا تدعوا مع اللہ احدا۔ یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔ ایک جگہ مزید وضاحت کے لیے ارشاد ہوا۔ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء۔ یعنی مصیبت میں اپنے سب معبودوں کو چھوڑ چھاڑ کر صرف اسی سے مانگتے ہو تو اگر وہ چاہتا ہے تو دور کر دیتا ہے اس چیز کو جس پر مدد مانگتے ہو۔
قرآن کریم میں بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ نفع و ضرر کا مالک صرف خداوند کریم ہے۔

ارشاد باری ہے:

قل لا املک لکم ضرا ولا رشدا۔

(جن)

یعنی اے رسول کریم آپ کہدیجیے کہ میں تمھارے لیے ضرر اور ہدایت کا مالک نہیں ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ماشاء اللہ۔ یعنی اے نبی آپ کہدیجیے کہ میں اپنی ذات خاص کے لیے بھی نفع و ضرر کا مالک نہیں ہوں بلکہ ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔

یعنی جس طرح تمہارے نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا ہوں ویسے ہی میں اپنی ذات کے لیے بھی کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک ناواقف صحابی نے کسی معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ماشاء اللہ و شئت (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں تو کام بن جائے) نبی کریم یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ خدا کی مشیت میں مجھے کیا دخل ہے۔ قل ماشاء اللہ وحدہٗ (کہ صرف اللہ جو چاہے گا وہی ہوگا)۔

ہمارے ملک کے ایک کلمہ گو طبقے کی بے ادبی اور اعلانیہ شرک

ان تمام آیاتِ قرآنیہ اور تصریحاتِ الٰہیہ کے باوجود نام نہاد مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ علانیہ شرک میں گرفتار ہے۔ خواجہ عبدالقادر جیلانی کی قبر پر پرستش و پکار بغداد میں اور خواجہ معین الدین اجمیری کے مزار پر فریاد و عبادت اجمیر میں جاری ہے اور نہ معلوم کتنے بزرگان دین کے ساتھ اس دعا و استدعا کا سلسلہ قائم ہے، ہر مشکل کے وقت مدد کے لیے شیخ عبدالقادر جیلانی کو پکارا جاتا ہے شیئاً للہ کا شرکیہ وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔ مشکل کشا، پیر دستگیر غوث الثقلین وغیرہ الفاظ سے یاد کرکے ان سے مدد مانگی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

اللہ کے ماسوا سے دعا و استعانت ایاک نعبد و ایاک نستعین کے کس قدر خلاف ہے اور کھلا ہوا شرک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے واذا سالت فسأل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ یعنی جب سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور جب مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد چاہو۔

حضرت خواجہ عبدالقادر جیلانی رحمہ جو اعلیٰ درجہ کے موحد اور کامل الایمان مومن تھے اپنی کتاب فتوح الغیب

میں رقمطراز ہیں۔ ینبغی لکل مؤمن ان یجعل ھذا الحدیث مرآۃ قلبہ وشعارہ ودثارہ (الخ) یعنی ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس حدیث شریف کو اپنے دل کا آئینہ اور اوڑھنا بچھونا بنالے۔

حضرت خواجہ جیلانیؒ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو اس حدیث شریف پر اس درجہ عمل پیرا ہونا چاہیے کہ زندگی کے ہر لمحہ میں چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، خوشی غمی، تنگی، فراخی، جملہ حالات میں اللہ ہی کو پکارے، اسی سے مانگے، اسی سے مدد چاہے۔ اللہ کو پکارنا، اسی سے مدد مانگنا، اسی سے چاہنا، اسی سے طلب کرنا، اس کا اوڑھنا بچھونا ہو جائے اور توحید فی الدعاء اس کے رگ و ریشہ میں سما جائے۔ ہر حرکت و سکون سے اس کا اظہار ہو۔ خیال و تصور و وہم و گمان میں بھی غیر اللہ نہ آئے۔ اس کی رغبت و رجحان اور ضمیر میں توحید فی الدعاء رچ بس جائے، بس وہ اللہ ہی کا ہو جائے اور اللہ ہی سے مانگے، قاضی سلیمان صاحب سلمان منصور پوری پٹیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے۔ ؎

مت مانگ کچھ نہ مانگ بشر سے ذرا نہ مانگ — تو مانگ اور مانگ سدا مانگ حق سے مانگ
ہے دینے والا سب کو غنی الحمید ہی — خلقت کا دینے کے واسطہ نہ کبریا سے مانگ
ہیں اپنے اپنے حال میں سب احتیاج مند — دل میں کسی کو جان کر حاجت روا نہ مانگ

لیکن آج زمانہ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ خواجہ صاحب کی تعلیم و ترغیب و ہدایات کے علی الرغم ان کے عقیدہ و تعلیم کے بالکل برعکس ان کے مرید و معتقد ہی غیر اللہ کو پکارتے ہیں نہ قرآنی تصریحات کا کچھ پاس نہ حدیث نبوی کا کچھ خیال نہ اپنے پیر و بزرگ کی تعلیم کا کچھ لحاظ۔ یہی طائفہ ہے جو خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی قبر سے دعا فریاد اور استعانت و طلب حاجات کے لیے خلق خدا کو گمراہ کر رہا ہے، ان کی قبروں کا طواف و سجدہ یعنی باقاعدہ عبادت کراتا ہے۔ بمبئی ماہم میں ایک قبر پر خلق خدا کا طواف اور سجدہ اور طلب حاجات کا شرکیہ منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور لرز اٹھا۔ تکاد السموٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا (مریم)
یعنی قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھڑام سے گر پڑے

گول مول ٹوپی پہنے، مولویانہ صورت بنائے تین چار آدمی ماہم میں قبر کے اردگرد بیٹھے تھے اور یہ سب زیارت کے لیے آنے والوں کو قبر کا سجدہ کراتے، قبر کی مٹی کا تبرک دیتے اور نذر لیتے تھے۔ اف لکم ولما تعبدون ۔
یعنی تف ہو تم پر اور تمہارے معبودوں پر۔

اخبار اہلحدیث امرتسر میں حضرت مولانا امرتسری نے ایک قوال کا شرک و کفر نقل کیا ہے کہ ایک عورت بڑی عقیدت سے اجمیر حاضر ہوتی ہے اور اولاد کی طلب میں خواجہ سے اس طرح فریاد کرتی ہے۔

تیرے در پہ خواجہ میں مر جاؤں گی　　جو لڑکا ملے گا تو گھر جاؤں گی
بھلا گود خالی کدھر جاؤں گی　　کہ سکھیوں سے میں اپنی شرماؤں گی

قوال بڑے راگ سے اس کو الاپ کر رہا تھا اور مسلمانوں کا مجمع اس شرک و کفر کو اپنے خواجہ کی عقیدت پر محمول کرتے ہوئے قوال پر روپے پیسے کی بارش کر رہا تھا۔ کلام پاک میں صاف ارشاد ہے کہ بیٹا بیٹی دینا نہ دینا سب خدا کے اختیار میں ہے۔ غیر اللہ سے دعا زیادہ بالکل لغو اور باطل ہے۔ ارشاد ہے

لله ملك السموٰت والارض يخلق ما يشاء يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور او يزوجهم ذكرانا واناثا ويجعل من يشاء عقيما انه عليم قدير (شوریٰ)

یعنی آسمانوں اور زمینوں پر اللہ کی ملکیت ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے صرف لڑکی دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے صرف لڑکا دیتا ہے یا لڑکے اور لڑکی کا جوڑا لگا دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے بے شک وہ بڑے علم و قدرت والا ہے۔

آج اللہ کے ماسوا سے اولاد و حاجات کی مسلسل طلب جاری ہے، اللہ کا ہمسر و مثیل بندوں کو قرار دے لیا گیا ہے جو سب سے بڑا شرک ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک صحابی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ای الذنب اکبر؟ ـــــ یعنی سب سے بڑا گناہ اللہ کے نزدیک کیا ہے۔ نبی کریمؐ نے جواب دیا۔ ان تجعل لله ندا وهو خلقك یعنی جس خدا نے تجھکو تن تنہا اپنی قدرت و حکمت سے بنایا تو اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک و مثیل قرار دے یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔

مزارات اور قرآن ایک غیر مسلم کی نظر میں

ایک بار بہار کے ایک جلسہ میں ۱۴ر مارچ ۵۶ء کو حضرت مولانا عبدالخبیر صاحب صادق پوری سے ملاقات ہوئی (آپ مولانا احمد اللہ صاحب صادق پوری کے پوتے ہیں جو کالا پانی میں شہید ہوئے) آپ نے فرمایا کہ میری ملاقات پٹنہ میں ایک انگلش لیڈی سے ہوئی اس نے کہا میں قرآن کا مطالعہ لندن میں انگلش ترجمہ

کا کرتی ہوں یہ کہہ کر اس نے اپنا مترجم قرآن بھی دکھلایا اور کہا کہ قرآن جو تصور اللہ کی وحدانیت و عبادت کا قائم کرتا ہے اس کی بابت ہندوستان میں فرق پاتے ہیں۔ میں نے کہا کوئی مثال دیجیے۔ تو اس نے انگریزی میں کہا Look at that side, (لک ایٹ دیٹ سائڈ) یعنی اس طرف دیکھیے ۔ تو میں نے دیکھا کہ ادھر امام باڑہ اور قبروں کے قبے اور مزارات تھے ۔ اس کو دکھلا کر اس نے پھر کہا۔ Is there any sign in the Quran? (از دیر اینی سائن ان د قرآن) یعنی ان کاموں کا کوئی ثبوت قرآن سے بھی مل سکتا ہے، بالآخر میں نے اقرار کیا کہ اس کا تعلق قرآن سے نہیں ہے یہ صرف مسلمانوں کی ناسمجھی ہے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے غلط اعمال و افعال غیر مسلموں کو قرآن کی طرف لانے میں سد راہ بن جاتے ہیں ۔

اب تک کی تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے ماسوا کو پکارنا اور غیر اللہ سے حاجات و مرادیں طلب کرنا کتاب و سنت کی روشنی میں شرک ہے ، موحد کا کام ہے کہ صرف خدا سے مانگے اور اپنی تمام مشکلات میں اسی سے طالب امداد ہو ۔

محرم کی بدعات اور شرکیہ مراسم

ہندی مسلمانوں کی ایک جماعت محرم کے زمانہ میں تعزیہ بناتی ہے ، اس پر نذر و نیاز چڑھاتی ہے ، اس کے سامنے سر جھکاتی ہے اور اس میں کچھ تصرف کی طاقت سمجھتی ہے "یا علی" ، "یا حسین" کے نعرے لگاتی ہے ۔ یہ سب کام ناجائز بلکہ شرک ہیں ۔ اللہ اور اس کے رسول نے اس کی اجازت نہیں دی کہ انبیاء اور رسولوں کی وفات کے دنوں کو نوحہ و ماتم کا دن مقرر کیا جائے ۔ جب انبیاء وغیرہ کے ساتھ ایسا معاملہ درست نہیں تو غیر نبی کی وفات کے دن ماتم کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہے ۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس بات کی شدید تاکید ہے کہ انسان روافض کی بدعات اور شرکیہ رسوم مرثیہ و ماتم ، نوحہ ، غیر اللہ سے فریاد و التجا تمام مشرکانہ و مبتدعانہ اعمال سے قطعی مجتنب رہے اور یہ کام اہل ایمان کے لیے مناسب نہیں ہے ۔ اگر ماتم و نوحہ جائز ہوتا تو اس رنج و غم اور نوحہ و الم کا سب سے زیادہ حقدار خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وفات تھا ۔

(شرح سفر السعادۃ، ص ۲۷۳)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے محرم کی بدعات و شرکیہ رسوم کی تردید بڑے بسط سے لکھی ہے اور اس کی پرزور حرمت و مذمت بیان فرمائی ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

افسوس صد افسوس، آہ ثم آہ، ہمارے ملک ہند میں یہ تمام کفر و شرک علانیہ اور زور شور سے جاری ہے اور اس کے علی الرغم موحدین کی دعوت و تبلیغ کی آواز آج کل مدھم ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہید کی آواز فضا میں گم ہے، دعوتِ توحید کی زوردار گونج کالعدم ہے۔ یکس بہ میداں در نمی آید، سواراں راچہ شد۔

حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ ایک مسلمان کو موحد بننے کے لیے ضروری ہے کہ خدا کی تمام صفتوں میں اسے یکتا جانے اور اس کی روشنی میں اپنے سارے اعمال کا جائزہ لے۔ توحید کے چند اور پہلو بھی ہیں جن کی خلاف ورزی عام طور پر کی جاتی ہے، ان کو بھی ہم مختصراً ذکر کر رہے ہیں۔ —— توحید فی العبادہ، توحید فی العلم، توحید فی التصرف توحید فی العادت وغیرہ۔

توحید فی العبادات کا مطلب یہ ہے کہ عبادات میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے عبادت کا مستحق صرف خدا ہے، کسی دوسرے کو اس کا حقدار سمجھنا قطعی غلط ہے اور بدترین جرم ہے، مثلاً دعائیں کرنا اور مرادیں مانگنا رکوع و سجدہ کرنا، نماز روزہ حج، زکوٰۃ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں، کسی امام، شہید، پیر فقیر ولی پیغمبر کے لیے یہ اعمال کرنا یا ان کی قبر پر سجدہ کرنا، طواف کرنا قطعی درست نہیں ہے، اور ایسا کرنا شرک فی العبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تعلیم دی ہے۔ یعنی اقرار کرایا ہے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہر قسم کی مالی بدنی ظاہری و باطنی عبادتیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں، توحید فی العبادت کی تعلیم قرآن میں جابجا موجود ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (بقرہ)

یعنی اے لوگو اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔

توحید فی العلم اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم میں منفرد و یکتا ہے۔ دوسرے کسی بڑے سے بڑے نبی ولی میں اس طرح کا علم موجود نہیں ہے۔ جیسے ہر چیز کا اس کے علم میں

ہونا ۔ دور و نزدیک کی ساری باتیں اور چیزیں برابر سننا اور دیکھنا وغیرہ یہ سب خدا کی شان ہے ۔ ان صفتوں کو دوسروں یعنی نبی ولی ، فرشتہ پیغمبر یا کسی دوسرے کے لیے ماننا سراسر غلط ہے ناجائز ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی العلم ہے ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو ۔ یعنی غیب کی تمام کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں انکو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون (نمل) یعنی اے نبی آپ لوگوں سے کہدیجئے کہ زمین و آسمان میں خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے ۔

توحید فی التصرف یعنی اختیارات خداوندی میں سے ادنیٰ اختیار بھی کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں ہے اور کسی بھی مخلوق میں اس کو تسلیم نہ کیا جائے ۔ مثلاً مارنا جلانا ، اور آرام و تکلیف دینا ، مرادیں پوری کرنا اور روزی دینا ، اولاد دینا ، بارش نازل کرنا ، ہوا چلانا وغیرہ ۔ سب اسی خداوند کے اختیار میں ہے وہی عالم میں اپنی مرضی سے تصرف کرتا ہے ۔ ان صفتوں کو دوسروں میں ثابت ماننا شرک فی التصرف ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے ۔ والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر یعنی اللہ کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :

وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم ۔ (یونس)

یعنی اگر خدا تم کو کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو بھی کوئی روکنے والا نہیں ہے ۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دے وہ غفور اور رحیم ہے ۔

توحید فی العادت اس کا مطلب یہ ہے کہ عادت کے طور پر جو کام اللہ کی تعظیم کے لیے کیے جاتے ہیں وہ کام غیر اللہ کے لیے قطعی نہ کیے جائیں مثلاً غیر اللہ کی قسم کھانا ، اٹھتے بیٹھتے غیر اللہ کا نام لینا ، وغیرہ ۔ بچوں کا نام غیر اللہ کے نام پر جیسے پیر بخش وغیرہ قسم کا رکھنا ۔

اب اگر یہ کام اللہ کے ماسوا کے لیے کیے جائیں تو شرک فی العادت ہوگا ، جیسا کہ حدیث میں ہے :

(بقیہ صفحہ ۵۵ پر)

مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی

اور ان کی تصنیفی خدمات

مولانا محمد مستقیم سلفی استاذ جامعہ

ماضی کی تاریخ کے چند ہی ورق الٹیے تو آپ کو جماعت اہلحدیث میں کثیر التصانیف اور عظیم التالیف علمائے محققین کی ایک بڑی تعداد نظر آئے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی عام تصانیف پر ماحول کا اثر غالب رہا ہے۔ ان ہی علمائے محققین میں مولانا محمد سعید بنارسی رحمہ اللہ بھی تھے۔

آپ کا نام قبل از قبول اسلام سردار مول سنگھ اور والد کا نام سردار کھڑک سنگھ تھا۔ آپ مقام کنجاہ ضلع گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کی صحیح تاریخ و سن معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ آپ نے انتقال سے ایک سال پہلے اپنے بڑے لڑکے مولانا ابوالقاسم محمد سیف بنارسی سے فرمایا کہ میری عمر اس وقت ۵۲ برس کی ہو گئی ہے۔ اس سے آپ کی سن ولادت کا اندازہ لگاتے ہوئے ۱۲۶۹ھ بتایا جاتا ہے۔ آپ ہندوؤں کی مشہور قوم چھتری سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ۲۶ اپریل ۱۸۷۴ء مطابق ۱۳ رمضان ۱۲۹۱ھ کو بمقام لاہور اسلام قبول کیا اور ۳ مارچ ۱۸۷۵ء مطابق ماہ صفر ۱۲۹۳ھ بروز بدھ مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں تحصیل علم دین کے لیے داخل ہوئے۔ صرف، نحو، معانی، ادب، فقہ، اصول فقہ، ریاضی، فرائض اور منطق وغیرہ پڑھ کر ۱۲۹۵ھ میں دہلی تشریف لائے۔ وہاں شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے سند حدیث و تفسیر حاصل کی اس کے بعد کتب منطق مولانا حافظ عبداللہ غازیپوری اور مولانا سعادت حسین سے حاصل کی، پھر ۲۲ صفر ۱۲۹۷ھ کو مقام آرہ تشریف لے گئے، وہاں سال بھر مدرسہ احمدیہ آرہ (بہار) میں درس دیتے رہے۔ پھر جناب مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری کے ساتھ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ اور مکہ معظمہ میں جناب شیخ عباس بن عبدالرحمن

ستہاری یمنی تلمیذ علامہ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ سے سند اجازت حدیث لی اور وہاں سے واپسی کے بعد شہر بنارس میں ایک مدرسہ "اسلامیہ" جاری کیا۔ (جو آج کل سعیدیہ کے نام سے مشہور ہے۔) اور مسند درس پر فائز ہو گئے۔

آپ ایک بلند پایہ محدث و مفسر ہونے کے ساتھ ہی مصنف و مناظر بھی تھے اور علمائے مخالفین سے برابر تحریری و تقریری مناظرے کرتے رہتے تھے۔ ۱۸ رمضان ۱۳۲۲ھ یوم یکشنبہ کو سکتہ کے عارضہ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپنے اسلامی زندگی کامل تیس برس کی پائی جسے یاد رکھنے کے لیے یہ آیت کریمہ کافی ہے۔ " وحمله وفصاله ثلاثون شهرا۔

مولانا نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو گرانقدر تحریری خدمات ان چند سالوں میں سرانجام دیں ان کا مختصر تعارف ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے، ان میں حدیث و تفسیر کے علاوہ دوسرے موضوعات سے متعلق صرف انھیں کتابوں کا تذکرہ ہے جو میری نظر سے گزر چکی ہیں۔

صفحات ۳۶ طبع اول ۱۲۹۵ھ

(۱) ہدایۃ القلوب القاسیہ فی رد گلزار آسیہ (اردو): مطبع صدیقی پریس بنارس

ایک صاحب مولوی عبد الرب تھے۔ انھوں نے ایک رسالہ "گلزار آسیہ" بطور چہل حدیث مرتب کرکے شائع کیا تھا۔ لیکن در پردہ احادیث کے معنی میں ایسی تحریفیں کی تھیں کہ الاماں والحفیظ۔ یہ کتاب اسی کا کافی و شافی جواب ہے۔ اس کتاب کی تاریخ طبع پر یہ قطعہ کہا گیا ہے۔

گلزار آسیہ کا رد چھپ چکا یہ جس دم — مسلم نے بھی اسی دم یوں سالِ طبع لکھا
کیا کہنا اے مولف تم نے سرا پا سے — خاکہ اڑایا صاحب گلزارِ آسیہ کا
۹۵ ۱۲ ھ

(۲) طریق النجاح لاہل الصلاح فی جواب طریق الفلاح (اردو) طبع اول ۱۳۰۲ھ مطبع بھگاری پریس لکھنؤ صفحات ۲۸،

مولوی عبد الشکور بن حافظ عبد اللہ ٹانڈوی نے ایک رسالہ مسمیٰ "طریق الفلاح" لکھا اور دوسرا رسالہ "التحفۃ الاحناف" کے نام سے شائع کیا، جس میں یہ لکھا کہ عیدین کی نماز کے لیے عورتوں کا عیدگاہ جانا اور نماز پڑھنا نیز رفع الیدین کرنا اور آمین بالجہر وغیرہ کہنا صحیح نہیں۔ مولانا محدث بنارسی نے اپنی اس کتاب میں ٹانڈوی صاحب کی باتوں کا بہت مدلل و مفصل جواب دیا ہے۔ یہ کتاب خواص و عوام میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کتاب کی

تعریف و توصیف اور تاریخ طبع پر بہت سے اشعار کہے گئے۔ دو شعر یہ ہیں۔

جل گئے آج دیکھ کر یہ کتاب اہلِ بدعت بے شعور و بے وقوف
سالِ تاریخ اس کا پڑھ دو بقا[1] مشعل سنت بنی رؤف
۱۲ھ ۹۸

صفحات ۴۰، طبع اول ۱۳۰۱ھ

(۳) عمارۃ المساجد بہدم اساس جامع الشواہد (اردو) مطبع سعید المطابع - بنارس

یہ کتاب مولوی وصی احمد کے رسالہ "جامع الشواہد"[2] کے رد میں ہے ۔ اس رسالہ میں مولوی وصی احمد نے علمائے اہلحدیث کی کتابوں کا غلط حوالہ دیکر ان کے عقائد پر بارہ اعتراضات کیے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے ، انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ احکام میں بھول چوک ہو سکتی ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہیں ہیں ، وغیرہ وغیرہ اور عملیات پر گیارہ ۔ مثلاً خنزیر کے دودھ کا پنیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا ثابت ہے اپنی بیوی سے جماع کرنے پر انزال نہ ہو تو نماز جائز ہے ۔ پیشاب کے بعد پانی سے استنجا کرنا بدعت ہے ، وغیرہ وغیرہ ۔ مولانا محدث بنارسی نے بالدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سب گندے مسائل صرف وصی احمد اور ان جیسے حنفی مقلدین کا مسلک ہے اور علمائے اہلحدیث پر صریح بہتان و تہمت ہے فلعنۃ اللہ علی الکاذبین ۔

صفحات : ۱۵۶ طبع اول ۱۳۰۱ھ

(۴) ہدایۃ المرتاب بردما فی کشف الحجاب (اردو) مطبع پبلک اوپینین[3]

یہ کتاب مولوی قاری عبدالرحمن پانی پتی کے رسالہ "کشف الحجاب" کے جواب پر مشتمل ہے ۔ کشف الحجاب میں شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی پر لعن طعن اور سب و شتم کی بارش کی گئی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ گروہ (یعنی اہلحدیث) فرقہ رافضیہ میں سے ہے

---

[1] بقا سے مراد مولانا محمد عبدالرحمن بقا غازیپوری متوفی ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۱۲ء ہیں۔

[2] اس کتاب کے رد میں "جامع الفوائد" تصنیف مولانا عبیداللہ صاحب "کاشف المکائد" تصنیف بعض علمائے دہلی "ھیانۃ الانسان" تصنیف مولانا عبداللہ صاحب بھوانی بھی لکھی گئی ہیں ان سب کو عمارۃ المساجد میں ملا کر چھاپ دیا گیا ہے جس سے کتاب کے کل صفحات ۲۰۷ ہو جاتے ہیں۔

[3] اس کا پتہ نہ چل سکا کہ یہ مطبع کس مقام پر تھا۔

مولانا محدث بنارسی نے ہدایۃ المرتاب میں حنفی علماء کی معتبر کتابوں سے جماعت اہلحدیث کی حقانیت ثابت کرتے ہوئے یہ واضح کر دیا ہے کہ خود قاری صاحب اور ان کے ڈھنگ کے علمائے احناف مستحق طعن و تشنیع ہیں۔
کتاب کے آخر میں مولانا عبدالحی لکھنوی کی کتاب "ابراز الغی" اور "تذکرۃ الراشد" وغیرہ کا جواب بھی مختصراً مگر ٹھوس انداز سے دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تعریف میں بہت سے قصیدے کہے گئے ہیں۔ ایک شعر یہ ہے۔

مصرع سال آں نوشت بقا کہف ایمان ہدایت المرتاب
۱۳۰۱ھ

(۵) اقبال الحی علی رد عبدالحی (اردو) مطبع صدیقی پریس بنارس
صفحات: ۲۴ طبع اول ۱۳۰۲ھ

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الراشد" میں نواب صدیق حسن خاں صاحب کی کتاب "اتحاف النبلاء" (جو فن تاریخ میں ہے) پر اعتراض کیا تھا اس کا مختصر جواب مولانا محدث بنارسی نے اپنی کتاب ہدایۃ المرتاب کے خاتمہ میں دیا تھا۔ پھر اس کا جواب لکھنوی صاحب نے "رد خاتمہ ہدایت المرتاب" سے دیا۔ اسی کتاب کے جواب الجواب میں یہ محکم، ٹھوس اور مفصل کتاب ہے۔

(۶) کشف المستور عن کیفیت مرزاپور (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس
صفحات ۲۴ طبع اول ۱۳۰۲ھ

مرزاپور میں مولانا سعید اور ملا محمود میں ایک مناظرہ ہوا۔ اس کے بعد ملا محمود کے ایک شاگرد عبدالستار کے نام سے یہ تہمت و الزام شائع ہوا کہ مرزاپور کے مناظرے میں جو "رفع الیدین" اور "آمین بالجہر" کے موضوع پر مولانا محمد سعید صاحب بنارسی اور ملا محمود کے مابین ہوا تھا، اس میں مولانا بنارسی کو شکست کھانی پڑی۔ "کشف المستور" اسی الزام کا مدلل رد ہے۔

(۷) البرہان الجلی فی رد الدلیل القوی (اردو) صفحات ۳۲، طبع اول ۱۳۰۳ھ مطبع صدیقی پریس بنارس

مولوی احمد علی سہارنپوری کا ایک رسالہ "الدلیل القوی علی ترک القراۃ للمقتدی" ہے جس میں انھوں نے احادیث ضعیفہ اور موضوعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا درست نہیں اور جن احادیث میں پڑھنے کا ثبوت ہے وہ ضعیف ہیں۔ اور رسالہ ہی میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو شاید احادیث صحیحہ قوی واسطے سے پہنچی ہوں۔ اس کتاب میں مولانا بنارسی نے رسالہ "الدلیل القوی" کی اچھی طرح خبر لی ہے اور فن رجال سے کھرا کھوٹا کو الگ کر دیا ہے۔

(اردو) کل صفحات ۲۸ طبع اول ۱۳۰۵ھ مطبع سعید المطابع بنارس

(۸) کیفیت مناظرہ مرشد آباد

یہ کتاب اس عظیم مناظرہ کی روداد پر مشتمل ہے جو ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ کو علمائے احناف و علمائے اہلحدیث کے مابین بمقام گورا بازار ضلع مرشد آباد (بنگال) میں بعنوان "تقلید شخصی" مسلسل ایک ہفتہ ہوتا رہا۔ اہلحدیث کے اصل مناظر مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور احناف کی طرف سے مولوی شبیر علی اور مولوی عبدالحق دہلوی تھے۔ اہلحدیث مناظر کے معاونین آٹھ تھے۔ جن میں مولانا محدث بنارسی بھی شامل تھے۔ اور احناف مناظر کے معاونین بھی آٹھ ہی تھے۔ یہ مناظرہ انتہائی دلچسپ ولاجواب ہے۔ اس کا فوری طور پر اثر یہ ہوا کہ پورا علاقہ اہلحدیث ہوگیا۔ اسی کو کتابی شکل میں ترتیب دے دیا گیا ہے اور فریقین کے سوال و جواب اور شرائط مناظرہ من و عن نقل کر دیے گئے ہیں۔

صفحات ۶۳ طبع اول ۱۳۰۵ھ

(۹) سیف الابرار علی راس الاشرار فی جواب فتح الاخیار

مطبع سعید المطابع، بنارس

یہ کتاب مولوی عبدالشکور ٹانڈوی کے رسالہ "فتح الاخیار" کا جواب ہے جس میں انھوں نے ایک اہلحدیث عالم مولانا عبداللہ صاحب ٹنڈوا پاڑہ ضلع پورنیہ (بہار) پر ۳۳ سوال دوسروں سے ترشوا کر ایک طوفان بدتمیزی بپا کر رکھا تھا۔ صاحب کتاب نے اس طوفان کا جواب منطقیانہ طرز پر نہایت سلیقے سے دیا ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص کتنا دریدہ دہن، مفتری اور کذاب تھا۔

صفحات ۱۴۹ طبع اول ۱۳۰۲ھ

(۱۰) الجہر بالتامین بالرد علی القول المتین (اردو)

مطبع سعید المطابع بنارس۔

(۱) یہ رسالہ ایک وکیل صاحب کی کتاب "القول المتین" کے جواب میں ہے اور اس میں آمین بالجہر کی نسبت بحث ہے اور وکیل صاحب کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب ہے۔

صفحات ۱۷۲ طبع اول ۱۳۰۶ھ

(۱۱) توثیق الحق السدید جوابا علی رسالۃ التحقیق المزید (اردو)

مطبع سعید المطابع بنارس

مولانا محمد سعید صاحب بنارسی کا ایک مضمون بعنوان "اسوۂ حسنہ" ضمیمہ اخبار شحنۂ ہند ۲۴ اپریل ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا تھا جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ "عیدگاہ" کا پختہ ہونا اور اس میں ممبر بنوانا بدعت سیئہ ہے۔ اس کے

جواب میں "رسالہ التحقیق المزید" مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے لکھ کر اپنے شاگرد حافظ محمد یٰسین صاحب کے نام چھپوایا۔ یہ کتاب "توشیق الحق السدید" اسی کے رد میں ہے۔

صفحات ۴۸ طبع اول ۱۳۱۱ھ

(۱۲) تعلیم المبتدی فی تحقیق القرأۃ للمقتدی حصہ اول (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس۔

ایک مجہول آدمی نے دو پرچے شائع کئے جن کا نام "تحقیق القرأۃ للمقتدی" رکھا تھا۔ اس میں قرأۃ خلف امام کو ناجائز لکھا تھا، یہ کتاب اسی کے رد میں ہے۔

صفحات ۶۲ طبع اول ۱۳۱۱ھ

(۱۳) تعلیم المبتدی فی تحقیق القرأۃ للمقتدی حصہ دوم (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس

مجہول مولف نے "تعلیم المبتدی فی تحقیق القرأۃ للمقتدی حصہ اول" کا جواب "تحقیق القرأۃ للمقتدی حصہ دوم" کے نام سے دیا، جس میں مولف مجہول نے قرأت خلف امام کو دوبارہ ناجائز ثابت کرتے ہوئے "تقلید شخصی" کو مختلف دلائل سے واجب قرار دینے کی کوشش کی۔ مولانا محدث بنارسی نے اپنی اس کتاب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسا منھ توڑ اور دندان شکن جواب دیا کہ آج تک کسی مقلد عالم نے اس پر قلم اٹھانے کی ہمت نہیں کی۔

صفحات ۱۴۰ طبع اول ۱۳۱۲ھ

(۱۴) السکین لقطع حبل المتین (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس

یہ کتاب مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کی کتاب "حبل المتین" کے جواب میں ہے۔ اس میں اصول حدیث کے متعلق بحث ہے اور "احادیث آمین بالجہر" کی نسبت جو شوق نیموی نے کلام کیا ہے اس کا مفصل جواب اور سنیت آمین بالجہر کا مدلل ثبوت دیا گیا ہے۔

صفحات ۳۰ طبع اول ۱۳۱۲ھ

(۱۵) سیف الموحدین علی عنق راد السکین (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس

یہ رسالہ مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے رسالہ "رد السکین" (جو السکین لقطع حبل المتین کا جواب ہے) کا جواب الجواب ہے۔

(۱۶) ازالۃ الشین عن جلاء العینین (اردو) صفحات ۸ طبع اول ۱۳۱۲ھ مطبع سعید المطابع بنارس

یہ رسالہ مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے رسالہ "جلاء العینین" کا رد ہے۔ اس میں احادیث رفع الیدین کے متعلق شوق نیموی نے جو کلام کیا ہے، اس کا مفصل جواب ہے اور رفع الیدین کرنے کو مدلل طور سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۱۷) رد التردید الی اہل التقلید مع قرۃ العینین برد ما وقع فی ضیاء العینین (اردو)

صفحات ۲۴ طبع اول ۱۳۱۴ھ ۱۸۹۷ء مطبع سعید المطابع بنارس

یہ کتاب مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے رسالہ "تردید السیف الی رأس اہل الحیف و ضیاء العینین فی ازالۃ الشین" کے جواب پر مشتمل ہے اس میں رفع الیدین و آمین بالجہر وغیرہ کا سنت ہونا ثابت کرتے ہوئے، مولوی شوق نیموی کے دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے رد کیا گیا ہے۔

صفحات ۱۲ ۔ طبع اول ۱۳۱۵ھ

(۱۸) الرد لرد الرد مع ابداء العزہ لمولف العزہ (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس

یہ رسالہ مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے رسالہ "رد الرد و العزہ فی رد القرہ" کے جواب پر مشتمل ہے اس میں اصولِ حدیث کی نسبت بحث ہے اور شوق نیموی نے جن احادیث پر (جو آمین بالجہر سے متعلق ہیں) کلام کیا ہے اس کا رد ہے۔

صفحات ۳۲ ۔ طبع اول ۱۳۱۷ھ

(۱۹) دفع البہتان العظیم عن حدیث الرسول الکریم (اردو) مطبع: سعید المطابع بنارس

یہ رسالہ دراصل اس تحریری مناظرہ پر مشتمل ہے جو بعنوان "انا احمد بلا میم"[1] و "انا عرب بلا عین" مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی اور قاضی سید علوی منجانی ساکن کوہٹہ تعلقہ ضلع گیا نزد میتوں کے مابین ہوا تھا۔

---

[1] مولانا بنارسی کی گرفت سے عاجز آکر قاضی جی نے کہا کہ "انا احمد بلا میم" کتاب پیرہن ترجمہ مثنوی مولانا روم کے حاشیہ صفحہ ۱۴ پر مرقوم ہے، اگرچہ بلا سند ہے لیکن میرے نزدیک حدیث ہے۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اگر آپ بلا اسناد کی احادیث پر اعتبار کرتے ہیں تو زید کہتا ہے۔ قال قال رسول اللہ یکون فی امتی رجل یقال لہ القاضی سید علوی المنجانی ھو رئیس حاھل اذا قال شیئاً فلا تعتبروا بہ جیسے "انا احمد بلا میم" بے سند ہے۔ ایسے یہ بھی ہے۔ ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

یہ کتاب انتہائی دلچسپ ہے۔ اس میں مخالف و موافق دونوں کی عبارتیں من وعن درج ہیں۔

صفحات ۲۰ طبع اول ۱۳۱۸ھ

(۲۰) السعی المقبول برد اجابۃ المسئول (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس

ایک صاحب مولوی غلام رسول نے ایک استفتاء (جو چار سوالوں پر مشتمل ہے) کا جواب عقیدۂ اہلحدیث کے خلاف لکھ کر "اجابۃ المسئول" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اسی کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں فاضل مصنف نے خوب مدلل اور ٹھوس بحث کرتے ہوئے مولوی غلام رسول کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ سوالات یہ ہیں (۱) حدیث ھٰذا واللہ لا ادری وانا رسول اللہ مایفعل بی ولا بکم (مشکوٰۃ) سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے نبی (ص) زندہ رہنے تک اپنے خاتمہ کا حال نہیں جانتے تھے تو کیا یہ عقیدہ رکھنا صحیح ہے؟

(۲) سورہ لقمان کی ان آیات "ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث الخ" "لا یعلمھا الاھو" کا کیا مطلب ہے۔

(۳) روح مبارک حضرت (ص) کی محفل میلاد میں رونق افروز ہوتی ہے یا نہیں؟

(۴) محفل میلاد میں جو قیام تعظیمی کیا جاتا ہے، درست ہے یا نہیں۔؟

صفحات ۲۰ طبع اول ۱۳۱۸ھ ہجری

(۲۱) کسر العری باقامۃ الجمعۃ فی القری (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس

یہ رسالہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی کتاب "اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القری" کا جواب ہے۔ مولانا گنگوہی صاحب نے اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دیہات میں نماز جمعہ قائم کرنا صحیح نہیں۔ مولانا محدث بنارسی نے اس رسالہ میں ایسا منہ توڑ اور مدلل جواب دیا ہے کہ پڑھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

صفحات ۱۶ طبع اول ۱۳۱۸ھ ہجری

(۲۲) رد الجواب علی وجہ المرتاب (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس

مولانا محمد سعید صاحب بنارسی نے ایک اشتہار شائع کیا، جس میں "تقلید شخصی" کو باطل قرار دیتے ہوئے "قرأۃ فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین اور آمین بالجہر کو احادیث صحیحہ سے ثابت کیا تھا۔ اس کا جواب ایک حنفی عالم نے "مجیب الجبیری" کے نام سے دیتے ہوئے "تقلید شخصی" کو واجب قرار دینے کی کوشش کی اور قرأۃ خلف الامام "

وغیرہ کو باطل و ناجائز بتایا۔ اس کا جواب الجواب مولانا محدث بنارسی نے محولہ کتاب میں مدلل طور پر دیا ہے۔

صفحات ۶۴ طبع اول ۱۳۱۹ھ

(۲۳) کشف الغطاء عن ازالۃ الخفاء مطبع سعید المطابع بنارس

اس کتاب میں ایک رسالہ "ازالۃ الخفاء" کا مفصل جواب ہے صاحب ازالۃ الخفاء[1] نے بعض احادیث و آیات سے نبی کریم (ص) کا عالم الغیب ہونا ثابت کیا تھا اس کو مولانا بنارسی نے بالدلائل رد کرتے ہوئے بہت بسط کے ساتھ لکھا کہ غیب کا علم صرف اللہ کی ذات کے لیے خاص ہے۔ آخر میں اسی مسئلہ سے متعلق ایک ضمیمہ ہے جو ہر مسلمان کے لیے انتہائی دلچسپ اور قابل دید ہے۔

صفحات ۴۸ طبع اول ۱۹۰۵ء

(۲۴) فتاوی سعیدیہ (اردو) مطبع سعید المطابع بنارس

یہ کتاب مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی کے بہترین فتاوے کا مجموعہ ہے۔ جسے مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے آپ کی وفات کے بعد ترتیب دیا ہے۔ اس میں نماز روزہ حج زکوٰۃ اور بیع و شرا سے متعلق فتاوے مندرج ہیں۔

صفحات ۶۰ طبع اول ۱۳۰۷ھ ۱۸۹۰ء

(۲۵) الفوائد التحقیقیہ من الدرر التقریظیہ (اردو) مطبع احتشامیہ مراد آباد۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ "جواز بناء عیدگاہ" کا مسئلہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی و مولانا محمد سعید صاحب بنارسی کے مابین تحریری مناظرہ کے طور پر زیر بحث آیا تھا۔ اس بحث نے طول پکڑا تو اسے بند کرانے کے لیے شیخ الکل فی الکل جناب میاں صاحب محدث دہلوی، مولانا احتشام الدین صاحب مراد آبادی، مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی صاحب رسالہ اشاعۃ السنۃ، مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی، مولانا شاہ علی نعمت پھلواری، مولانا محمد بشارت کریم بہاری۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب غازیپوری، مولانا ابوعبداللہ عبیداللہ غلام حسن سیالکوٹی اور ملا محمد صدیق صاحب پشاوری نے اس پر تقریظات لکھیں اور دونوں کے دلائل پر اپنے اپنے فیصلے لکھے، پھر دونوں کو اکٹھا کر کے صلح کرانے کی کوششیں کیں۔ یہ کتاب انھیں تمام تحریرات کا مجموعہ ہے۔

●●●

---

[1] یہ شاہ ولی اللہ صاحب والا رسالہ نہیں ہے بلکہ اس کے مولف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں مولانا بنارسی خود فرماتے ہیں کہ "ایک رسالہ مسماۃ ازالۃ الخفاء جو کسی مجہول الاسم والرسم کا لکھا ہوا ہے اس کو دیکھا تو مولف مجہول کی ذریعہ ذہنی پر سخت قلق ہوا۔"

مسلم اقلیت کی مشکلات کا موثر حل

مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر سید حامد صاحب کی بنارس میں بصیرت افروز تقریر

ترتیب :۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (علیگ)

ملت اسلامیہ کی اصلاح و ترقی کے لیے جدوجہد اور مناسب موقعوں پر مسلمانوں کے ذہن و فکر کو صحیح رخ دینے اور ان کے عزم و حوصلہ کو تقویت پہنچانے کی کوشش مسلم دانشوروں اور علماء و مصلحین نے ہمیشہ کی ہے اور کم و بیش اس کے نتائج سامنے آئے ہیں۔ اس چیز کی تلقین اسلام نے بھی کی ہے اور قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ سے بھی یہ سبق ملتا ہے۔ بسا اوقات اصلاحی کوشش کرنے والوں کے سامنے بڑے ہمت شکن نتائج آتے ہیں اور قوم کی طرف سے ان کو سرد مہری ہی نہیں بلکہ بدسلوکی کا بھی صلہ ملتا ہے۔ لیکن تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ بعض مصلحین نے اس طرح کے ناسازگار حالات میں بھی اپنا فرض ادا کیا، انھیں آنے والی نسلوں نے ہمیشہ اچھے الفاظ سے یاد کیا اور قوم کو ان کی مساعی سے دور رس فوائد حاصل ہوئے۔

ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لیے جب گفتگو ہوتی ہے تو جس موضوع پر سب سے زیادہ توجہ مبذول کی جاتی ہے وہ تعلیم کا موضوع ہے۔ بلاشبہ تعلیم ہر قوم کے لیے اور ہر دور میں بے حد ضروری ہے، اس کے بغیر کسی قوم یا فرد کی ترقی کا تصور عبث ہے۔ اسلام نے بھی ایک فطری دین اور دائمی دستور حیات کی حیثیت سے تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ وحی کا پہلا پیغام اقرأ (یعنی پڑھو) کی دلنشین تعلیم سے شروع ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس سلسلے میں روشن مثالیں قائم کیں۔ پھر بعد کے ادوار میں مسلم حکمرانوں اور عوام نے

علم کی ایسی نشر و اشاعت اور سرپرستی کی کہ پچھلی تاریخ میں اس کی نظیر مشکل ہے ۔

بنارس میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر محترم سید حامد صاحب کی تشریف آوری کی مناسبت یہاں کے بعض تعلیمی و سماجی خدمات کے اداروں کا معائنہ تھا اس لیے ان کے اس دورہ پر بھی ملت کی اصلاح کے اسی پہلو کا رنگ غالب رہا ۔

چونکہ محترم سید حامد صاحب ہندوستان کی عظیم تاریخی دانش گاہ کے وائس چانسلر ہیں انھیں مسلمانوں کی بہبود کے مسائل سے غیر معمولی دلچسپی ہے اور ان کے سینہ میں ایک حساس و درد مند دل ہے ۔ اس لیے ان کے دورۂ بنارس کی اس تقریر کا مختصر اقتباس مع تاثراتی سطور محدث میں پیش کیا جاتا ہے ۔ تاکہ اس مفید تقریر سے ملت کے اہل فکر افراد کو روشنی حاصل ہو سکے اور وہ مسلمانوں کی بہبود و ترقی کے لیے صحیح خطوط پر مزید محنت، و اخلاص سے کام کریں ۔

مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۸۳ء یوم یکشنبہ جناب سید حامد صاحب بنارس تشریف لائے ۔ اسی دن آپ نے بنارس کے جامعہ اسلامیہ کا معائنہ فرمایا ۔ علی گڑھ طلبائے قدیم کی ایک نشست میں شریک ہوئے اور پھر شام میں مسلم ہائر سکنڈری اسکول للا پورہ کی طرف سے دیے جانے والے عصرانہ میں حاضرین کو خطاب فرمایا ۔

سید حامد صاحب کی تقریر سے پہلے پروفیسر محمد رفیق خاں صاحب (گاندھیین انسٹی ٹیوٹ راجگھاٹ) نے معزز مہمان کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ سید حامد صاحب کی بنارس تشریف آوری یہاں کے مسلمانوں کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہے، اس کے لیے خود پروفیسر صاحب اور اسی طرح جامعہ سلفیہ بنارس کے ذمہ داران کوشش کر چکے تھے پھر انھوں نے سید حامد صاحب کی علمی زندگی اور ملکی و سماجی خدمات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ علی گڑھ یونیورسٹی سے پہلے بھی معزز مہمان کو مسلمانوں کے مسائل کا مطالعہ کرنے اور ان کی مشکلات کا حل سوچنے کے مواقع حاصل رہ چکے ہیں ۔

تعارفی کلمات کے بعد سپاسنامہ پیش کیا گیا، پھر اسکول کے سکریٹری ڈاکٹر اقبال صاحب نے اسکول کی مختصر رپورٹ پیش کی جس میں بتایا کہ اسکول شروع میں مدرسہ کی شکل میں قائم ہوا ، اس کے اولین سرپرستوں میں چند اشخاص کے نام یہ ہیں ۔

حافظ عبدالرحمن (مرحوم) ، مولانا عبدالمجید حریری (مرحوم) ، مولانا عبدالمتین (مرحوم) الحاج محمد فاروق (مرحوم) الحاج محمد صدیق صاحب مدظلہ ، ماسٹر اکبر خان ملوہیں وغیرہ ۔

ان کلمات کے بعد مہمان خصوصی محترم سید حامد صاحب نے اپنی مختصر ہوا پراثر تقریر کا جس سے حاضرین نے بڑی

توجہ اور انہماک سے سنا، تقریر کا ہر لفظ ان کے لیے حرکت وعمل کا پیغام تھا۔

سید حامد صاحب نے سب سے پہلے اسکول کے ذمہ داران کا شکریہ ادا کیا، پھر اسکول کی تاریخ اور ترقی کی رفتار کے سلسلے میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جو ذکر آیا تھا، اس سے متعلق فرمایا۔

" اس تذکرہ سے بہت سی پرانی یادیں تازہ ہوگئی ہیں، ملک میں مسلمانوں کی تعلیمی زندگی سے اس کانفرنس کا گہرا تعلق تھا۔ اس کے خطبات مسلمانوں کے تعلیمی سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے تھے، ان تاریخی خطبات سے صاف طور پر اندازہ ہوتا تھا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایک مرکز ہے جس سے پھوٹنے والی شعاعوں میں ایک شعاع یہ کانفرنس ہے، جس کے واسطے سے ملک کے ہر خطہ میں بسنے والے مسلمانوں کو روشنی ملتی ہے "۔

مسلم اسکول کی رپورٹ میں ادارہ کی متنوع مشکلات اور عدم ترقی کے اسباب کا ذکر تھا مسلم اداروں کو ہر جگہ اسی طرح کی صورتحال کا سامنا ہے، اور ہمارے دانشور ومفکرین جہاں بھی جاتے ہیں انھیں اس نوعیت کے شکوے سننے کو ملتے ہیں۔ سید صاحب نے اس پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

" عام مسلم ادارے ہر جگہ خستہ حالی کا شکار ہیں، مجھے مرادآباد، بلند شہر اور گورکھپور کے اسکولوں کا حال قریب سے معلوم ہے۔ جبکہ انھیں مقامات پر دوسرے ادارے برابر ترقی پذیر ہیں۔ یہ صورتحال ہمارے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔ شمالی ہند میں یہ الم انگیز منظر زیادہ نظر آتا ہے۔ تعلیم کے سلسلے میں ہماری بے توجہی پوری طرح عیاں ہے۔ ہمیں یہ شکایت ہے کہ زمانہ ہمارے خلاف ہے۔ لیکن کبھی ہم نے سوچا کہ کیا ہم خود اپنے خلاف نہیں؟

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

یقین کیجیے، اگر ہم اسی حالت پر باقی رہے تو حرف غلط کی طرح مٹا دیے جائیں گے۔ "

شمالی وجنوبی ہند کے مابین موازنہ کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ:

" جنوبی ہند میں مسلمانوں کا تعلیمی معیار شمالی ہند کے مسلمانوں سے اچھا ہے، لیکن اگر وہاں کے غیر مسلموں سے ان کا موازنہ کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمان وہاں بھی دوسروں سے پیچھے ہیں۔ اور اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہمیں اپنے فرض کا احساس نہیں، ہم اولاد کی تعلیم کے سلسلے میں صرف ٹال

تعاون کو کافی سمجھتے ہیں لیکن صحیح تربیت کے لیے یہ تصور مضر ہے۔ مجھے انڈین ایجوکیشن کے ذریعہ معلوم ہوا کہ پسماندہ اقوام کے لڑکے مقابلہ کے امتحان میں مسلم لڑکوں سے تعداد میں بھی زیادہ ہوتے ہیں اور قابلیت وصلاحیت میں بھی اچھے ہوتے ہیں۔ اس بیان کا یہ مدعا نہیں کہ ہمتوں کو پست کیا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس صورتحال کو ہم اپنے لیے پیغام عمل سمجھ کر اپنی جد وجہد کو تیز کریں۔ اور اپنی ترقی کے لیے خود کوشش کریں، ہمیں کسی ایسی ملک گیر قیادت کا انتظار نہیں کرنا چاہیے جو ہماری مشکلات کو حل کرے ایسی قیادت کا موجودہ حالات میں وجود مشکل ہے "مردے از غیب بروں آید وکارے بکند" والی بات کسی اور موقع کے لیے ہے۔ اس وقت ہر شخص کو اپنے دائرہ عمل در سوخ میں کوشش کرنا چاہیے۔ دوسو سال میں صرف ایک سر سید مرحوم کی شخصیت ایسی نظر آتی ہے جنھوں نے مسلمانوں کی تعلیمی اصلاح وترقی کے لیے مثبت قدم اٹھایا، ان کے علاوہ ہر میدان میں بہت سی نمایاں شخصیتیں موجود تھیں لیکن ان کے حصہ میں یہ دولت نہ آئی۔ ہمیں اصلاح کے لیے اپنے گھر اپنے محلہ اور اپنے شہر سے ابتدا کرنی چاہیے ہمیں مقابلہ میں دشواریوں کا مزید سامنا ہے لیکن اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے فکر کرنے کی ضرورت ہے سہل انگاری اور خوش خرامی سے مسئلہ کا حل نہ ہوگا۔ علم کا سرمایہ ہر دس سال میں دوگنا ہوجاتا ہے، ہم اگر جفاکشی وجہد مسلسل سے کام نہ لیں گے تو اس رفتار کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔"

ہندوستان میں مسلمانوں کو بحیثیت اقلیت گوناگوں مشکلات ومصائب کا سامنا ہے، ان مصائب کو دور کرنے کے لیے ان کی طرف سے متعدد کوششیں بھی ہوتی رہتی ہیں لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اس مسئلے کے حل ہونے کا وقت نہیں آیا ہے۔ مسلم مفکرین ومصلحین کی طرف سے اس موضوع پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ کہا اور لکھا جاتا رہا ہے۔ لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مسلم اقلیت کی مشکلات کے حل کی بات کرتے ہوئے جدید دور کے مسلم دانشور دین ومذہب کا نام بالکل نہیں لیتے۔ گویا مشکلات کے حل کے لیے دین اسلام سے کسی طرح کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ لیکن محترم سید حامد صاحب کا نقطۂ نظر اس سلسلہ میں دوسرے دانشوروں سے مختلف ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی تقریر میں اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

"اقلیت کی بقا وخوشحالی کے لیے تین باتیں ضروری ہیں :۔

۱۔ اول یہ کہ اقلیت اپنے دین ومذہب کی سختی سے پابندی کرے اور ہمیشہ اس کے ذریعہ اپنے تشخص

کو منظم رکھے۔

۲۔ دوم یہ کہ محنت و ریاضت سے کام لے، اپنی قوت بازو کے ذریعہ آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ بجائے نفسانیت و تندہی سے کام لے کر اکثریت کا مقابلہ کرے اور ملک کی تعمیر میں دوسروں سے پیچھے نہ رہے

۳۔ سوم یہ کہ ملک کی اکثریت کے ساتھ خوشگوار اور شگفتہ تعلقات رکھے۔"

ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے ایک اہم مسئلہ باہمی اتفاق و اتحاد کا بھی ہے۔" اس کے لیے ہر طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ لیکن ابتک اتفاق و اتحاد کا کوئی ایسا عملی نمونہ سامنے نہیں آسکا۔ جس سے یہ توقع کی جاسکے کہ آئندہ ہندوستانی عوام اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں گے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اتفاق و اتحاد کی ضرورت کا احساس مسلمانوں کے کسی ایک طبقہ کو ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر دردمند دل میں یہ آرزو پوشیدہ ہے، ہر شخص اس پر اظہار خیال کرتا ہے، اور مسلمانوں کی موجودہ پراگندگی و گروہ بندی پر کڑھتا ہے۔ سید حامد صاحب جیسے دانشور نے مسلمانوں کے انتشار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"ہم کو ترقی کرنے کے لیے اپنے اندر احساس تناسب پیدا کرنا چاہیے۔ آج ہم جزئی مسائل پر لڑتے ہیں لیکن اہم مسائل کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پہلے یہ مرض جنوب کے مسلمانوں میں نہ تھا لیکن اب وہاں بھی یہ فتنہ پہنچ گیا۔ چنانچہ حیدرآباد وغیرہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ ستم ہے کہ جس ملت کی بنیاد توحید پر تھی اور جس میں اتفاق و اتحاد پر غیر معمولی زور دیا گیا تھا۔ آج اسی کا اتحاد پارہ پارہ ہے۔ ہمارے اتفاق و اتحاد کی واضح بنیاد خود ہمارے دین میں موجود ہے، لیکن ہم نے اسے بھی نظر انداز کر دیا۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔

علامہ اقبال نے جو سوال کیا تھا وہی سوال حالی اور دوسرے مصلحین بھی کرتے ہیں۔ ہمارے اداروں میں جو اختلافات ہیں، ان سے کیا کوئی فائدہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ ضرورت ہو تو انسان اختلاف کر سکتا ہے۔ بحث کر سکتا ہے۔ لیکن بلاوجہ اختلاف کا کیا فائدہ۔ ہم پرانے مسائل کو کیوں اٹھاتے ہیں۔ ہمیں مستقبل سے متعلق سوچنا چاہیے۔ ماضی سے نہیں۔ ماضی سے ہم سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اختلافات

کے لیے مواد فراہم کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنی اصلاح کے لیے خود قدم اٹھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کا حال جانتا ہے، وہی قیامت کے دن ہمارے مابین فیصلہ فرمائے گا، ہم کیوں فیصلہ کرتے ہیں؟ ایک شخص اگر اسلام کا اقرار کرتا ہے اور اس کی طرف سے مسلمانوں کی مخالفت یا تخریب کا کوئی عمل ظاہر نہیں ہوتا تو ہمیں اس پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ یقین کیجیے تحریک کے لیے اختلاف اور تعمیری کاموں سے گریز تباہی کا پیش خیمہ ہے۔"

ملک کی تقسیم کے بعد مسلمانوں کے جو مسائل الجھے ہیں ان میں ایک مسئلہ اردو زبان کا ہے، اس کے لیے مسلمانوں نے نظری کوشش زیادہ کی ہے اور عملی کم۔ یہ مسئلہ چونکہ ابتک نہ سلجھ سکا اس لیے اردو زبان و ادب کے مستقبل کے بارے میں ہر شخص غیر مطمئن بلکہ مایوس ہے۔

سید حامد صاحب نے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اردو کی گتھی کو سلجھانے کے لیے عملی پہلو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"اردو زبان و ادب کے انحطاط کا بڑا سبب یہ ہے کہ اردو پڑھنے والے کم ہوتے جارہے ہیں، کسی زبان کا ادب اسی وقت ترقی کرسکتا ہے جب اس کے ادیب کو عزت نفس کے ساتھ اپنا تخلیقی سلسلہ جاری رکھنے کا موقع ملے۔ آج اردو کی کتابیں فروخت نہیں ہوتیں، اہل قلم کو اکاڈمیوں اور ریڈیو کے پروگراموں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس صورت حال کے اندر کسی اعلیٰ ادب کے تخلیق کی توقع عبث ہے۔ آج مدراس اور کرناٹک میں اردو کے تحفظ کے لیے کوشش ہورہی ہے، حالانکہ اردو ان کی مادری زبان نہیں۔ ہمیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ہم اتنی بڑی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی اپنی زبان کا تحفظ نہیں کرسکتے۔ حالانکہ یہودیوں نے ہم سے کم ہوتے ہوئے اور سخت ترین حالات کا سامنا کرتے ہوئے بھی اپنی مذہبی زبان عبرانی کو آج تک محفوظ رکھا ہے۔ بلکہ اس کو برابر ترقی دے رہے ہیں۔ اردو کو بچانے کے لیے ہمیں اس کو اپنے گھروں میں رائج کرنا اور اس کی تعلیم دینا چاہیے۔ ہماری روایت رہی ہے کہ گھروں میں بڑی بوڑھی عورتیں اردو وغیرہ کی تعلیم دیا کرتی تھیں، اسی سلسلہ کو فروغ دینا چاہیے۔ اردو کا تحفظ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس زبان میں ہمارا عظیم دینی و علمی و تمدنی سرمایہ موجود ہے۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہوں کہ ریڈیو اور فلموں کے ذریعہ اردو محفوظ رہ جائے گی تو یہ ہماری سادہ لوحی ہے۔ ہمیں سطح کو نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ اسے کرید کر گہرائی میں پہونچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

آج ضرورت ہے کہ ہم باعزت زندگی کے لیے اور مشکلات میں اپنی بقا کے لیے کوشش کریں اور ملک کی ترقی میں حصہ لیں۔ ہم تعلیم میں بہت زیادہ پسماندہ ہیں، لیکن اس بات کا احساس بہت تھوڑے لوگوں کو ہے۔ ان کا تناسب ۵ یا ۱۰ فی صد سے زیادہ نہیں۔ ہمیں اپنی مدد آپ کرنے کے لیے تیار ہونے کی ضرورت ہے۔ حالی و اقبال کے پیغام کو مشعل راہ بنا کر چلنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں دنیا کے حالات کے مطالعے اور اپنے تجربات سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ دل میں ملت کا درد پیدا کرنا چاہیے۔ ہماری نئی نسل اپنے ماضی سے واقف نہیں، اسے اپنے مصلحین کی نصیحتوں کا علم نہیں، اقبال کا کلام اور حالی کی مسدس ان کو پڑھانا چاہیے۔ مسدس کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ جاننا چاہیے کہ سرسید کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھے گا کہ اپنی نجات کے لیے کیا کام کیا ہے؟ تو میں جواب دوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوایا ہے۔"

اسکول کے ذمہ داران کو مشورہ دیتے ہوئے سید حامد صاحب نے فرمایا:

"آپ جن منصوبوں کو نافذ کرنا چاہتے ہیں، ان کو نافذ کیجیے اور مستقبل سے متعلق اندیشہ کو راہ نہ دیجیے۔ اسکول کو ترقی دیجیے۔ لڑکیوں کا کالج قائم کیجیے اور ہمت سے کام لیجیے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل کی لب بامی نے ہمیشہ قومی کو شل کیا ہے۔ ابرہہ جب کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے آیا تو عبدالمطلب اپنے اونٹ واپس لینے کے لیے اس کے پاس گئے۔ اس نے پوچھا کہ اونٹ مانگنے آئے ہو، لیکن کعبہ کے متعلق کیوں کچھ نہیں کہتے؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹ کا مالک ہوں، اس لیے اس کی واپسی کا سوال کر رہا ہوں، رہا کعبہ تو اس کا مالک اس کی حفاظت کرے گا۔

اسی طرح آپ کوشش کیجیے۔ اگر آپ کا کام اللہ کی راہ میں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور باقی رکھے گا۔ آپ دوسرے اداروں کے ذمہ داروں سے ملیے، ان اداروں میں اپنے طلبہ کے داخلے کے لیے کوشش کیجیے۔ ضرور آپ کی آواز سنی جائے گی، اور تعلیم کے سلسلہ میں یہ یاد رکھیے کہ نقش اول دینی تعلیم کو بنائیے اور گھروں میں بچوں کو دینی تعلیم دیجیے۔"

آخر میں سید صاحب نے ذمہ داران اسکول کے شکریہ پر (نذیر نے) ایک چائے پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

عالم اسلام

لوزون
مورو

مورو (جنوبی فلپائن)

جہاں صدیوں سے جہاد جاری ہے

ویت نام کے مشرق اور انڈونیشیا کے شمال میں چھوٹے بڑے جزیروں کا ایک طویل و عریض سلسلہ ہے جسے فلپائن کہتے ہیں۔ پہلے یہ ایک اسلامی علاقہ تھا۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہاں تیرہویں صدی عیسوی میں مسلمان موجود تھے۔ پھر چودھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں یہاں اسلام کی خوب نشر و اشاعت ہوئی۔ یہاں تک کہ پندرہویں صدی آتے آتے یہاں کئی اسلامی ریاستیں وجود میں آگئیں۔ پھر پندرہویں صدی کے دوسرے نصف کے شروع سے سولہویں صدی کے دوسرے نصف کے آغاز تک یعنی کوئی ایک سو برس تک اسلام کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ البتہ اس کے بعد ہی اس علاقے پر جارحانہ صلیبی حملے شروع ہو گئے، اور اسپینیوں نے اس پر پے در پے حملے کر کے لوزون اور ویسایاس کے جزیروں یعنی موجودہ فلپائن کے شمالی اور وسطی جزیروں پر قبضہ کر لیا۔ اور اس وقت کے اسپینی حکمراں فلپ کے نام کی مناسبت سے اس علاقہ کا نام فلپائن رکھ دیا۔ اندلس سے اسپینیوں نے مسلمانوں کے خاتمے کے لیے تلوار سے گردن اڑا دینے یا زندہ آگ میں جلا دینے کی جو ٹکنک استعمال کی تھی اسی کو یہاں بھی استعمال کر کے لوگوں کو بالجبر عیسائی بنایا۔ جزیرے کے بت پرستوں نے تو کسی مزاحمت کے بغیر عیسائی بن کر تاج اسپین کی ماتحتی اختیار کر لی اور جنوبی علاقے کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے اسپینی فوج کا ایک حصہ بن گئے، لیکن مسلمانوں نے قدم قدم پر اس کی مزاحمت کی۔

زیادہ تر مسلم آبادی جنوبی جزیروں میں تھی اور اسے مملکت مورو کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسپینیوں نے اسے فتح کرنے کی کوشش کی تو ایک طویل جنگ چھڑ گئی۔ جو وقفے وقفے سے تین سو برس تک جاری رہی۔

یہ معاہدہ امریکہ اور اسپین کے درمیان ہوا تھا، جس کی

۱۰ دسمبر ۱۸۹۸ء کا معاہدہ پیرس رو سے اسپین نے فلپائن کے اپنے سارے مقبوضات

امریکہ کے حوالے کردیے۔ امریکہ نے فلپائن میں قدم جمانے کے بعد یہ کوشش کی کہ مورو کی مملکت جسے اسپین فتح نہ کرسکا تھا قبضہ کرے۔ یہ کوشش ابتداءً تو کامیاب نہ ہوسکی لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد مورو کے مسلمان بڑی پیچیدہ صورتحال سے دوچار ہوگئے۔ کیوں کہ جاپان کی طوفانی فوجوں نے فلپائن کے ساتھ ساتھ مورو کے علاقے پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ جب جاپان نے شکست کھاکر ہتھیار ڈال دیے اور امریکی فوج نے ان کی جگہ لی تو علاقہ مورو پر بھی انگلیس بالادستی حاصل ہوگئی۔ اور جنگ کے خاتمے پر جب ۱۹۴۶ء میں امریکہ نے فلپائن کو آزاد کیا تو اپنی روایتی سازشی پسندی اور دسیسہ کاری کے مطابق اسے فلپائن میں ضم کردیا۔ اور اس کا نام جنوبی فلپائن رکھ دیا۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف اگرچہ بہت سخت معارضہ کیا لیکن فوری طور پر کوئی جنگ شروع نہ کرسکے۔ کیوں کہ دوسری عالمی جنگ نے یہاں کے باشندوں کو چور کررکھا تھا، پورا علاقہ کھنڈر کا نمونہ پیش کررہا تھا اور لوگ اپنی روزی روٹی کی فکر میں غلطاں و پیچاں تھے۔

سرزمین مورو کو ہڑپ کرنے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا فلپینی منصوبہ

فلپائن کے ساتھ مورو کے الحاق سے پہلے مورو میں معدودے چند کے سوا عیسائی بالکل نہ تھے۔ لیکن الحاق کے بعد فلپائن نے مسلم علاقوں میں عیسائیوں کی نئی بستیاں بسانی شروع کردیں اور وہ بھی اس طرح کہ فلپینی معاشرے کے پنچ اور بدقماش افراد یعنی چور اور لفنگے قسم کے باشندوں اور آمادۂ بغاوت لوگوں کو لا لا کر آباد کرنا شروع کیا۔ جب سرکش طبقے نے دیکھا کہ حکومت کی اطاعت کرنے پر سرزمین مورو میں انھیں بڑی بڑی زمینیں مل رہی ہیں۔ تو ان کی سرکشی اطاعت میں بدل گئی۔ دوسری طرف فلپینیوں نے مسلمانوں کے ذرائع آمدنی سے استحصال کا ایسا پلان بنایا کہ مسلمان اس سے کچھ زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ مسلمانوں کے تمام مقامی اور داخلی اختیارات بھی چھین لیے اور دین اسلام اور اسلامی تہذیب کے صفائے کی کوشش کی۔

ظاہر ہے مسلمان ان کارروائیوں کو دیر تک برداشت نہیں کرسکتے تھے، چنانچہ انھوں نے اس کے خلاف سخت معارضہ کیا اور حکومت فلپائن سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلم علاقوں میں عیسائیوں کی آبادکاری کا سلسلہ بند کرے، مسلمانوں کی ذرائع آمدنی سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع دے اور حکومت کے مقامی اداروں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کارروائی کو روک دے۔ لیکن حکومت فلپائن نے اس کے جواب میں طاقت،

دہشت گردی اور تشدد کی راہ اختیار کی۔

دہشت گرد تنظیم ایلاجا

حکومت کے اشارے اور مدد سے سرزمین مورو میں آباد عیسائیوں نے ایلاجا نامی ایک دہشت گرد تنظیم قائم کی اور ۱۹۷۰ء سے دہشت گردی کی کاروائیاں شروع کیں۔ بے گناہ مسلمانوں پر حملے کیے، مکانات، مساجد اور مدارس جلا ڈالے، اور مسلمانوں کا اثاثہ لوٹ لیا۔

مورو کے مسلمانوں کی مسلح جدوجہد

جب مظالم حد سے بڑھ گئے اور مسلمان آبادیوں پر پے در پے حملوں کا سلسلہ جاری رہا، جن کی نوعیت سے واضح ہو گیا کہ یہ مسلم نسل کشی کا ایک منظم پلان ہے تو "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق مسلمان بھی مسلح جدوجہد کے لیے اٹھ پڑے اور ۱۹۷۲ء میں انھوں نے "آزادیٔ مورو" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ جو سنہ مذکور سے اپنے وطن اور مذہب کے دفاع اور حفاظت کا کام کر رہی ہے۔ اس تنظیم کے وجود میں آتے ہی حکومت فلپائن کی مسلح افواج کھل کر مدمقابل آگئیں اور علاقہ مورو میں قیامت برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن مورو کا یہ محاذ آزادی عیسائی حملہ آوروں کے مدمقابل مسلسل ڈٹا ہوا ہے البتہ بزدل دشمن ان سے کترا کر ہمیشہ نہتے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

موجودہ حالات اور رفتارِ جنگ

(۱) سنہ ۷۲ء سے فلپائن کی حملہ آور ظالم و غاصب فوج کے خلاف مسلمانوں نے جو مورچہ بندی اور جہاد جاری کر رکھا ہے اور جو دراصل چار سو سالہ جہاد کا ایک حصہ اور کڑی ہے اس میں مادی اور معنوی طور پر اب مزید پختگی آگئی ہے۔ فلپائن کی جدید امریکی اسلحہ سے لیس فوجوں کے مقابل قلیل التعداد اور ہتھیاروں سے محروم مسلم مجاہدین نے اب تک جو کارنامے انجام دیے ہیں۔ محاذ آزادی کی خارجہ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق اس کا مجمل خاکہ یہ ہے۔

(۱) دشمن کی مسلح افواج اور ایلاجا تنظیم کے پچاس ہزار سے زیادہ فوجی کیپٹن اور کمانڈر وغیرہ قتل کیے جا چکے ہیں۔

(۲) اس طرح کے جزائر میں ٹینکوں کی لڑائی بہت محدود ہوتی ہے تاہم ۳۵ ٹینک اور آرمرڈ گاڑیاں

مکمل طور پر اور ۱۲ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں جزوی طور پر تباہ کی جا چکی ہیں۔

(ج) ۲۲ سیبر جیٹ لڑاکا طیارے اور کچھ دوسرے قسم کے طیارے بھی تباہ کیے گئے ہیں۔

(د) دشمن سے کم از کم مختلف قسم کے بیس ہزار ہتھیار حاصل کیے جا چکے ہیں، جن میں سے بیشتر استعمال کے لائق ہیں۔

(ھ) ایلاچا تنظیم کے کم از کم ۵۶ مراکز اور عیسائی آبادیوں کو نذر آتش کیا جا چکا ہے۔

(و) دسیوں ہزار صلیبی باشندوں کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ مورو کا علاقہ چھوڑ کر جہاں سے آئے تھے وہیں تشریف لے جائیں۔

اس کے مقابل مجاہدین کا خسارہ صرف یہ ہے کہ اب تک ان کے تین چار ہزار کے لگ بھگ افراد شہید ہو چکے ہیں۔

(۲) یاد رہے کہ مجاہدین کی کامیابیوں، عالم عرب کے دباؤ اور مرحوم شاہ فیصل کی حکمتوں سے مجبور ہو کر فلپائنی صدر مارکوس نے ۱۹۷۶ء میں مورو کی خود مختاری کا معاہدہ کر لیا تھا، مگر یہ محض اس کی مکاری اور فلپائن کی ٹوٹتی ہوئی طاقت کے لیے مہلت کی تلاش کا ایک بہانہ تھا۔ چنانچہ مارکوس نے نہ ۱۹۷۶ء کے معاہدہ طرابلس کا کوئی پاس ولحاظ کیا اور نہ نیامی (نیجیریا) کے اندر منعقد ہونے والی اسلامی وزرائے خارجہ کی قرار دادوں کو کوئی اہمیت دی، جس میں محاذ آزادی مورو اور فلپائن کی حکومت کے درمیان معاہدۂ طرابلس کی تنفیذ کے لیے فوری گفت وشنید پر زور دیا گیا تھا۔ مارکوس کو یہ جرأت اس لیے ہوئی کہ اس نے مسلم خصوصاً پٹرول پیدا کرنے والی حکومتوں کا جائزہ لے کر اندازہ کیا کہ اس کی وعدہ خلافی اور وحشت وبربریت کے باوجود ان حکومتوں کے ساتھ اس کے تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ چنانچہ سفاک مارکوس کی حکومت کی گرتی ہوئی صورتحال کو سنبھالنے کیلئے مسلم ممالک سے پٹرول اور دولت کا ریلا چلا آرہا ہے اور مسلمان مزدوروں کے بجائے فلپائن کے عیسائی مزدوروں کو ان ممالک میں دھڑا دھڑ بلایا جا رہا ہے۔ خدا جانے ہمارے مسلم حکمرانوں کو کب عقل آئے گی۔

(۳) مارکوس اندرون وبیرون ملک مسلمانوں کی آنکھ میں دھول جھونکنے کی کوشش برابر جاری رکھے ہوئے ہے۔ چنانچہ اس نے گزشتہ سال ایک وزارتِ اسلامیات قائم کی ہے، جس کے پس پردہ چھپے ہوئے خطرناک مقاصد کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اس وزارت کے لیے ایک ایسے کمینہ توز جلاد صلیبی کمانڈر رومو ایسپلڈون کو وزیر مقرر کیا گیا ہے، جس کا ہاتھ دسیوں ہزار بے گناہ نہتے مسلمانوں کے خون ناحق سے رنگین ہے۔ یہی شخص ہے جس نے

جولو شہر کو تاخت و تاراج اور نذر آتش کیا (واضح رہے کہ یہ شہر ۱۳۸۰ء میں موروکے اندر قائم ہونے والی پہلی اسلامی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔)

اس شخص کو وزیر اسلامیات بنانے کا مقصد یہ ہے کہ فلپائن کے اندر جو حقیقی اور واقعی مسلم تنظیمات اور جمعیتیں ہیں، ان کا تمام اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوسکے اور نہ دنیا کے کسی خطے کے مسلمان ان کے ساتھ تعاون کا کوئی معاملہ کرسکیں۔ اس صلیبی وزیر کو تمام اسلامی امور کا نگران اعلیٰ بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ شخص فریضۂ حج ادا کرنے جانے والے فلپینی مسلمانوں کی نگرانی اور تجسس کے لیے صلیبی کمانڈروں کو بھیجتا ہے اور انھیں یہ بوگس شہادت فراہم کرتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں۔

(۴) مسلمانوں کے خاتمہ کے لیے مارکوس کی صلیبی فوج نہتے مسلمانوں کے خلاف جن گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرتی تھی اس کا سلسلہ جاری ہے۔ ۱۳۸۸ھ سے اب تک کے نقصانات یہ ہیں

(الف) مسلمانوں کے دو لاکھ سے زیادہ مکانات جلائے اور ویران کیے جا چکے ہیں، چھ سو مسجدیں اور تین سو اسلامی مدارس کا بھی صفایا کیا جا چکا ہے۔

(ب) ایک لاکھ تیس ہزار سے زیادہ نہتے افراد شہید کیے جا چکے ہیں جن میں بیشتر عورتیں بچے اور بوڑھے تھے

(ج) دس لاکھ سے زیادہ افراد کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا ہے۔ جن میں ایک لاکھ افراد نے غیر ممالک میں پناہ لی ہے

(د) نوے ہزار ہیکڑ سے زیادہ مسلمانوں کی قابلِ کاشت زمین غصب کرلی گئی ہے۔

(ھ) کوئی چھ ہزار مسلمان عورتوں کو اغوا کرکے لونڈی بنالیا گیا ہے۔

بہرحال سلسلۂ جہاد جاری ہے ابھی ۲۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ کی بات ہے کہ رانا ؤ ڈویژن کے بلور بلید مرکز میں ۶ مسلمان کسانوں کو اچانک بلا وجہ قتل کردیا گیا۔ (البلاغ کویت : ۴ رجب ۱۴۰۳ھ)

اور اس سے بھی زیادہ تازہ خبر یہ ہے کہ زیقین میں نمات، کیفو نجت، مباتگ اور سلطان قدرت کی ساحلی بستیوں میں سخت جھڑپیں ہوئی ہیں، جن میں مجاہدین کے دو آدمی داتو انکوف اور حاجی علی شہید ہوئے اور اطلاعی ذرائع کے مطابق سرکاری فوج کے ۱۵ آدمی مارے گئے چار زخمی ہوئے۔ جبکہ شہری ذرائع کی رپورٹ یہ ہے کہ رجمنٹ نمبر ۳۹ کے اسّی فوجی لاپتہ ہیں، ان خبروں میں بتایا گیا ہے کہ فلپائن انفنٹری کی رجمنٹ نمبر ۳۹ کی ۴ بٹالینوں اور ڈیڑھ سو مجاہدین کے درمیان سات گھنٹے تک نمات کی بستی میں سخت جنگ ہوئی۔ سرکاری ہیلی کاپٹروں

ں اور درسے پہنچنے کی جان توڑ کوشش کی ۔ مگر مجاہدین نے ان کی ایک نہ چلنے دی ۔ بالآخر سرکاری فوج
ی سخت جانی اور مالی نقصان کے بعد یہ جنگ ختم ہو گئی ۔ (المجتمع کویت ۲۰ رجب ۱۴۰۳ھ)
اللہ تعالیٰ مجاہدین اسلام کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرے اور اسلام اور مسلمانوں کو سربلندی سے سرفراز فرمائے ۔

فغانستان : سعیدہ بی بی ، آبروئے امت مرحوم

صوبہ لغمان کے سب سے دور تریں سلوڑ نامی گاؤں میں ایک ۱۶ سالہ لڑکی سعیدہ بی بی تھی ۔ اس کا بھائی شیر افضل
ان ایک کٹر کمیونسٹ تھا ۔ وہ ایک دن روس کی خونخوار سرخ فوج کے ہمراہ ایک بڑے حملے میں شریک تھا ۔
س دن بے رحم کمیونسٹوں نے تقریباً سو سے زائد بوڑھے مردوں عورتوں اور معصوم بچوں کو بڑی بے دردی سے
ل کر دیا تھا ، گلی کوچوں میں چوپایوں تک کی لاشیں ڈھیر ہو گئیں ۔ نہروں اور نالوں کا پانی سرخ تھا ، ویران
مروں سے دھوئیں اٹھ رہے تھے معصوم بچوں اور ماؤں کی آہ و فریاد سے آسمان گونج رہا تھا ۔ شیر افضل چند
شی کارل کمیونسٹ فوجیوں کے ہمراہ اپنے گھر پہنچا تو اس کی بہن سعیدہ بی بی نے فہم و فراست سے کام لے کر اپنے
ائی اور روسیوں کا گرمجوشی سے استقبال کیا ۔ اور کہنے لگی کہ آفریں ! تم نے بہت اچھا کام کیا ہے کہ دشمنوں کا
لع قمع کر دیا ۔ اب میرا دل ٹھنڈا ہو گیا ۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ چلوں اور انقلابی دشمنوں کے خلاف آپ
مدد کروں ۔ لیکن میری خواہش ہے کہ آج رات آپ میرے گھر بطور مہمان ٹھہریں ۔ صبح سویرے اٹھ کر چلے جائیں گے ۔
س کے بھائی اور روسیوں نے اس کی خواہش قبول کی ۔ اور رات کو ٹھہر گئے ۔ غیرت مند اور بہادر لڑکی نے رات
ھانا تیار کیا ۔ کھانا کھانے کے بعد موسیقی اور شراب سے لطف اندوز ہونے کے بعد سو گئے ۔ جب سعیدہ نے محسوس کیا
، وہ شراب کے نشے میں گہری نیند کی آغوش میں جا چکے ہیں تو اس نے ایک تلوار لے کر سب روسیوں کو ایک ایک کر کے
ل کر دیا ۔ پھر شیر افضل خان کو نیند سے جگا کر کہا ۔ ” بھائی جان ! اپنے ساتھیوں کو دیکھو ! “ جب اس نے
ن کو خون میں لت پت دیکھا تو غصے سے چیخنے لگا ۔ لیکن غیرت مند لڑکی نے اپنے بھائی سے کہا کہ بھائی جان ! تم
وں سٹ پٹاتے ہو ، تمھارا بھی یہی حشر ہو گا ۔ مجھے اس بات پر ایمان ہے کہ ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ سارے

روسیوں اور وطن فروشوں کی حالت ایسی ہی ذلت آمیز ہوگی جواب تمہارے سامنے ہے۔ میرا یہ بھی ایمان ہے کہ مسلمانوں کا خون اور قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔ اور ایک دن افغانستان ضرور آزاد ہو جائے گا۔ بھائی نے بہن کا جذبۂ ایمانی دیکھ کر معافی مانگی۔ لیکن ایماندار لڑکی نے کہا کہ اگر میں آپ کو معافی دیدوں تو بھی ہمارا اللہ، ہمارا دین ہمارا وطن، ہمارے معصوم اور بے گناہ بچوں اور بوڑھے مرد عورتوں کا سرخ خون تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے خنجر سے وار کرکے بھائی کا تن سر سے جدا کر دیا اور جذبۂ ایمانی اور وطن دوستی کا ثبوت پیش کیا۔

لیکن مشیت ایزدی سے ایک دن گن شپ ہیلی کاپٹروں کی بمباری کے دوران یہ بہادر لڑکی بھی جام شہادت نوش کر گئی۔ مگر دوسروں کے لیے ہمیشہ کے لیے ایک مثال قائم کر گئی۔

گورنر سے ملاقات کے نام پر ۳۰۳ افراد کا قتل عام

ایک روز صوبہ لغمان میں بہت سے لوگوں کا ہجوم اس لیے جمع کیا گیا کہ علاقے کے گورنر ان سے خطاب کرنے والے ہیں جب لوگ اکٹھا ہو گئے تو دیکھتے ہی دیکھتے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں نے مجمع کا محاصرہ کرکے انھیں روندنا شروع کر دیا۔ اس موقع پر موجود تمام لوگوں کو ہلاک کرکے اور آس پاس گڑھے کھود کر لاشوں کو دفنا دیا گیا۔ چند روز بعد جب موقع پاکر آہ و فغاں کی فضا میں لاشوں کو نکالا گیا تو اُن کی تعداد تین سو تین تھی۔ ورثاء نے لاشوں کو اپنے اپنے گاؤں لے جاکر دفن کیا

لاشوں کے پیٹ میں بم

لغمان کے مشرق میں تقریباً ۳۰ کلومیٹر دور بسالاوہ نامی گاؤں میں تلاشی کے دوران روسیوں نے درجنوں افراد کو بے دردی سے قتل کر دیا۔ اس پر بھی ان ظالموں کے دل ٹھنڈے نہ ہوئے تو مزید ہلاکت خیزی کے لیے انھوں نے شہیدوں کے پیٹ چاک کرکے ان کے اندر بم رکھ دیے تاکہ بم پھٹنے سے وہ لوگ بھی ہلاک ہو جائیں جو لاش اٹھانے کے لیے آئیں۔ چنانچہ ایک شہید کی لاش اٹھانے کی کوشش میں مزید چند افراد بھی بم پھٹنے سے شہید ہو گئے۔ دوسری جگہوں سے ایسے شہیدوں کی لاشیں بھی ملی ہیں جن کے ہاتھ پاؤں ناک کان

کاٹ کر مثلہ بنا دیا گیا تھا اور کچھ اور شہیدوں کے چہروں پر تیزاب پھینک کر چہرے مسخ کر دیے گئے تھے۔ تاکہ ان کے ورثا لاشوں کو پہچان نہ سکیں (ماہنامہ ہجرت رجب ۱۴۰۳ھ)

کویت: جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کا پہلا موسم ثقافی

اس وقت کویت میں دین پسند نوجوانوں کا ایک اہم حلقہ تیار ہو چکا ہے، جو زندگی کے ہر میدان میں کتاب وسنت کی بنیاد پر اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ انہی سلفی نوجوانوں نے ۲۷/۲/۱۹۸۱ کو "جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی" کے نام سے ایک علمی دینی، تبلیغی اور تحقیقی ادارہ قائم کیا ہے۔ اس ادارہ کے بانی اور صدر کویت پارلیمنٹ کے ممبر خالد سلطان ہیں۔ اس ادارہ کے اغراض ومقاصد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسلامی میراث کی اہمیت اور انسانی تہذیب کی ترقی میں اس کے کردار کی وضاحت کے لیے کام کرنا

۲۔ پوری دنیا سے اسلامی کتابوں اور مخطوطات کو اکٹھا کرنا اور ایک بڑی لائبریری کی شکل میں انھیں منظم کرنا

۳۔ اسلامی مطالعات کے میدان میں علماء کی ہمت افزائی کرنا اور ان کی کاوشوں اور ان کے مقالات کی نشر واشاعت کے لیے کوشش کرنا۔

۴۔ حکمت اور اچھے ڈھنگ سے وعظ ونصیحت کے ذریعہ لوگوں کو دین پر کاربند ہونے کی دعوت دینا

۵۔ بدعات اور خرافات نے اسلام کے حسن کو بگاڑ ڈالا ہے اور مسلمانوں کی ترقی کی راہ کے روڑے بن گئی ہیں اسلامی میراث کو ان بدعات وخرافات سے پاک کرنا۔

۶۔ زکوٰۃ فنڈ کھولنا اور شرعی اعتبار سے ان کو خرچ کرنا۔

۷۔ جمعیۃ کے مقاصد میں اولیت اسلام کی علمی میراث کی تحقیق اور نشر واشاعت کو حاصل ہے اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کو نصرانی اور صہیونی مستشرقین اور استعمار کی آمیزش سے پاک کیا جائے اور نئے سرے سے اس کو ترتیب دیا جائے تاکہ آئندہ مسلمانوں کے لیے صحیح اسلامی تاریخ پیش کی جا سکے۔ اسی طرح سلف صالحین کی علمی میراث کی طرف رجوع کر کے اصل دین کی طرف رجوع کیا جائے اس سے امت مسلمہ حاضر

مستقبل کی راہ متعین کر سکتی ہے۔ جمعیتہ فکری اور عملی دونوں پہلوؤں پر کام کرے گی۔ اس طرح اس کے نزدیک اسلامی تراث کا احیاء ہو سکتا ہے۔

اس ادارہ کی تنظیم پر ایک سال مکمل ہوا ہے اور اپنے عزائم کے لحاظ سے ابھی اس نے بہت مختصر کارنامے انجام دیے ہیں۔ مقامی طور پر اس نے مسلمانوں میں کچھ کام کیا ہے اور احیاء سنت کے لیے تھوڑی تگ و دو کی ہے۔ کویت سے مشنری حملہ روکنے کے لیے دعوت دین کا کام کرنے والوں کا تعاون کیا ہے اور زکوٰۃ اکٹھا کرنے کے لیے اس نے کویت کے اندر کئی شاخیں کھولی ہیں۔ اسی طرح جمعیتہ نے اسلامی مخطوطات کے پروگرام کے سلسلے میں کچھ ابتدائی کام بھی کیا ہے مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل کے لیے اس نے لکچروں کا اہتمام کیا ہے۔

مستقبل میں اس کا اہم پروگرام ، جمعیتہ کے مرکز کی تعمیر ہے اور اس کے لیے محلہ جابریہ میں زمین خرید لی گئی ہے۔ پھر موجودہ احیاء تراث کی کوششوں میں تیزی لانی ، اسلامی مخطوطات کو جمع کرنا ، علماء کی علمی کاوشوں اور مطالعات کی اشاعت کے کام کو تیز کرنا۔ کویت سے باہر اسلامی دعوت کو وسعت دینا ، کویت کے اندر اور باہر لوگوں کو شریعت اسلامی کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دینا اور موجودہ ماحول کو دینی رنگ میں رنگنا۔

گزشتہ دنوں کویت یونیورسٹی کے مرکزی ہال میں جمعیتہ کے پہلے موسم ثقافی کا انعقاد ہوا اس میں میراث کا احیاء کیسے ہو ؟ " کے عنوان سے علماء کرام نے مختلف موضوعات پر لکچر دیا۔

ڈاکٹر عمر اشقر استاذ کلیۃ الشریعہ کویت یونیورسٹی التراث العقائدی (عقائدی میراث)

ڈاکٹر جمیل غازی (التراث القرآنی) (قرآنی میراث)

ڈاکٹر علی ر. لوس استاذ قطر یونیورسٹی التراث الحدیثی (حدیثی میراث)

شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق التراث التربوی (تربیتی میراث)

اس لکچر پروگرام میں اردن کے شیخ محمد ابراہیم شقرہ کی آمد بھی طے تھی جو اردن کی وزارت اوقاف میں اسلامی مقدسات اور مسجد اقصیٰ کے امور کے ڈائرکٹر ہیں مگر وہ نہ آسکے اور ان کی جگہ شیخ عمر بن عبدالعزیز عثمان ڈائرکٹر اسلامی مرکز دبئی نے اسلامی میراث کے موضوع پر گفتگو کی۔

اس پروگرام میں کویتی نوجوانوں اور دین پسند حلقے نے کثرت سے حصہ لیا۔ اللہ اس ادارے کے حوصلوں کو بلند رکھے اور دین صحیح کی وضاحت کی توفیق دے۔ آمین۔

جماعت وجامعہ

امتحان سالانہ اور تعطیل کلاں سالانہ امتحان کی تیاری کے لیے ۲۷ راپریل سے جامعہ میں درس وتدریس کا سلسلہ بند کردیا گیا۔ اور مقررہ پروگرام کے مطابق ۱۰ رمئی سے ۱۷ رمئی تک سالانہ امتحان ہوا۔ نتائج امتحان تیار کرلینے کے بعد ۲۰ رمئی سے تعطیل کلاں کا آغاز ہوا۔ ان شاء اللہ حسب معمول شوال کے دوسرے عشرے سے جامعہ نئے تعلیمی سال کے لیے پھر کھل جائے گا۔

تیاری امتحان کا وقفہ بیرونی پروگراموں کے لحاظ سے بڑی ہماہمی کا وقفہ تھا جس کی مختصر روداد پیش خدمت ہے۔

مالیگاؤں میں دوروزہ اجلاس ۲۶ راور ۲۷ راپریل کو جمعیۃ اہلحدیث مالیگاؤں کی طرف سے دوروزہ اجلاس عام ہوا جس میں شرکت کے لیے راقم الحروف نے مولانا عبدالمعید صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی کی معیت میں ۲۵ راپریل کو مالیگاؤں کے لیے رخت سفر باندھا۔ ۲۶ رکی شام کو وہاں پہنچے اور عشاء بعد اجلاس میں شرکت کی۔ مولانا عبداللطیف آثمی نے جمعیۃ کے مقاصد اور کارناموں کا مختصر تعارف پیش کرنے کے علاوہ اناؤنسری کے فرائض بھی انجام دیے۔ مولانا انعام اللہ فاروقی، مولانا حافظ عبدالمتین میمن جوناگڈھی اور راقم الحروف نے تقریریں کیں۔ دوسرے دن ہمارے علاوہ مولانا عبدالمعید صاحب اور مولانا عبدالصبور صاحب رحمانی نے بھی تقریریں کیں۔ مقامی اخبارات وجرائد نے ان تقریروں کے ضروری اور اہم اجزاء کو اختصار وتلخیص کے ساتھ پیش کرنے پر خاصی توجہ دی۔

جمعیۃ اہلحدیث مہاراشٹر کا جدید انتخاب ۲۷ راپریل صبح نو بجے صوبائی جمعیۃ کا اجتماع ہوا۔ ملا عبدالکریم صاحب (احمد نگری) نے اپنی صحت کی ناگفتہ بہ کیفیت کی بناپر صوبہ مہاراشٹر کی جمعیت کی صدارت سے استعفاء پیش کیا۔ اور اصرار کے باوجود اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ اس کے بعد مجلس نے باتفاق رائے جناب خلیل احمد سیٹھ صاحب کو صدر منتخب کرلیا۔ موصوف نے اسی مجلس میں باہمی صلاح ومشورے سے دیگر

اراکین و عہدیداران بھی نامزد کر دیے ۔

جمہور آئی ٹی آئی کا معائنہ

مالیگاؤں کے کچھ مسلمانوں نے حالات حاضرہ کے تقاضوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی بعض مشکلات کے حل کے طور پر انجینئرنگ کے ایک خصوصی شعبے فن تعمیر اور بعض دیگر متعلقہ فنون کی تعلیم کے لیے ایک ہائی اسکول قائم کر رکھا ہے، جو انجمن جمہور مالیگاؤں کے تحت جمہور آئی ٹی آئی کے نام سے بڑی کامیابی کے ساتھ جاری ہے ۔ ذمہ داران کی دعوت پر ۲۷ راپریل کو کوئی ساڑھے دس بجے ہم یہاں حاضر ہوئے ۔ عمارت کے نقشوں کی تیاری کے لیے دو کلاسوں میں درس بلکہ مشق جاری تھی ۔ دو جگہ عمارت تعمیر کرنے کی عملی مشق کرائی جا رہی تھی ۔ خود اسکول کی عمارت کے بعض حصے بھی زیر تعلیم طلبہ نے تعمیر کیے ہیں ۔ بعض نئی عمارتیں ایک خاص حد تک بلند ہو چکی ہیں ۔ ایک اور عمارت میں نباتات وحیوانات اور بعض آلات محفوظ و مہیا کر رکھے گئے ہیں ۔ ان ساری چیزوں کے معائنے سے فارغ ہوئے تو ذمہ داران نے ایک مجلس خطاب پر ہمیں مدعو کیا ۔ پہلے ہمارے سامنے اس ادارے کے وجود میں آنے سے لے کر اب تک کے کارناموں اور ان کی نوعیت کا ایک مختصر سا تاریخی خاکہ پیش کرتے ہوئے مستقبل کے اہم اور بڑے بڑے منصوبوں کی وضاحت کی گئی ۔ ازاں بعد ذمہ داران کی خواہش پر راقم الحروف اور مولانا حافظ عبد المتین صاحب نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ۔

یہ بات بے حد اطمینان بخش اور خوش کن ہے کہ اس ادارے کے ذمہ داران نے مسلم معاشرے کی ایک نہایت اہم ضرورت اور ایک زبردست خلا کو پر کرنے کی ایک مخلصانہ اور کامیاب کوشش کی ہے اور اس کی بدولت وہ اس طرز کے دوسرے اداروں پر سبقت لے گئے ہیں ۔ مخلصانہ جد و جہد کی کیفیت یہ ہے کہ جو کام ہزاروں روپے کے صرفے سے مزدوروں سے کرایا جاتا ہے ذمہ داران نے اسے خود ہی ہاتھوں ہاتھ انجام دے ڈالا ہے ۔ مزید اطمینان بخش بات یہ ہے کہ ادارے کو خود کفالت کی راہ پر گامزن رکھا گیا ہے ۔

مالیگاؤں پریس کانفرنس

۲۷ راپریل کو بعد نماز عصر ایک پریس کانفرنس منعقد ہوئی ابتدائی سوالوں کے جواب میں راقم الحروف نے دین اسلام کے بنیادی اصول اور تاریخ کے مختلف ادوار میں اس سے انحراف کی مختلف شکلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتلایا کہ ہندوستانی قوم کی دیو مالائی اور بزرگ پرست ذہنیت خرافاتی عقائد کو قبول کرنے کے لیے کتنی شاداب

وزر ہے اور اس کے نتیجے میں یہاں اسلام کی کیا درگت بنی پھر تحریک اہلحدیث نے کس طرح اس کی کایا پلٹ کرنے کی کامیاب کوشش کی اور کتاب وسنت کی بنیاد پر مبنی صحیح دین اسلام کو اجاگر اور معاشرے میں جاری وساری کیا۔

اس کے فوراً ہی بعد پریس کانفرنس کے ممبران نے جامعہ محمدیہ اور مالیگاؤں کے بعض معززین کے درمیان اختلاف کے مسئلے کو اٹھا دیا۔ ان کا اصرار تھا کہ میں اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے مداخلت کروں، اور میں محو حیرت تھا کہ یہ بھی کانفرنس کا کوئی عنوان ہو سکتا ہے؟ ایک عجیب بات یہ تھی کہ اس سوال کو حق و ناحق کی بنیاد پر سمجھنے سمجھانے کے بجائے صرف مقامی اور غیر مقامی کی بنیاد پر موضوع بحث بنا رکھا گیا تھا۔ مزید حیرت اس پر تھی کہ جذبات کی شدت سے لہجہ جنگجویانہ اور دھمکی آمیز تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس موضوع کے علاوہ کسی ممبر کی طرف سے کسی اور موضوع پر کوئی اور سوال سامنے نہیں آیا۔ اس لیے میرے نقطۂ نظر سے یہ اپنی نوعیت کی انوکھی پریس کانفرنس تھی، جسے پریس کانفرنس کا نام دینا بھی عجوبہ سے کم نہیں۔

جامعہ محمدیہ میں استقبالیہ ذمہ داران جامعہ محمدیہ کی دعوت پر علماء اور بیرونی مہمانوں کا بچا کھچا قافلہ ۲۸ر اپریل کو تقریباً دس بجے جامعہ محمدیہ وارد ہوا۔ طلباء نے ایک خیر مقدمی مجلس ترتیب دی۔ اور مہمانوں کو سپاسنامہ پیش کیا۔ ازاں بعد مولانا انعام اللہ فاروقی، مولانا انیس الرحمٰن اعظمی اور راقم الحروف نے علی الترتیب مجلس کو خطاب کیا۔ اخیر میں شیخ الجامعہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب عمری اعظمی صدر مجلس کی علمی اور پند آموز تقریر پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

ناگپور میں اجتماع ۲۸ر اپریل کی شام ناگپوری قافلہ مالیگاؤں سے واپس ہوا۔ راقم بھی ہمراہ تھا۔ دارالعلوم یوسفیہ تلسی باغ اور مسجد اہلحدیث مومن پورہ دونوں ہی جگہ اجتماع کی خواہش تھی، اس کی تکمیل یوں کی گئی کہ راقم نے خطبۂ جمعہ تلسی باغ میں دیا اور اجلاس عام سے مومن پورہ میں خطاب کیا۔ مومن پورہ کا یہ اجتماع بڑا مفید اور پر رونق رہا۔ اس وقت مومن پورہ ناگپور کی مسجد اہلحدیث، ادارۂ اصلاح المساجد بمبئی کی طرف سے اس ادارے کی روایتی شان و شوکت کے ساتھ زیر تعمیر ہے۔

سیونی میں دو روزہ اجلاس عام ۳۰ر اپریل کی صبح سیونی کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں ۳۰ر اپریل اور یکم مئی کو مدرسہ فیض العلوم کی جدید عمارت

کی تقریب تاسیس کے تعلق سے دو روزہ اجلاس عام تھا پہلے دن مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کھاروی (علاقہ سیونی) مولانا مقصود الحسن صاحب فیضی مدرس مدرسہ ریاض العلوم دہلی، راقم الحروف (صفی الرحمٰن مبارکپوری) اور مولانا عبد القیوم صاحب رحمانی بستوی نے اجلاس عام سے خطاب کیا۔ دوسرے دن مولانا عبد الرحیم امجد نیپالی راقم الحروف، مولانا عبد الاول بستوی اور مولانا عبد القیوم صاحب رحمانی نے خطاب کیا۔ میں ہفتہ بھر کی مسلسل بیداری اور دن بھر کی ملاقاتوں اور پریس کانفرنس کی طویل مصروفیات کے سبب اس دوسری مجلس میں تقریر کرنے پر آمادہ نہ تھا، مگر ہر جانب سے شدید اصرار جاری تھا اور یہاں پر چار سالہ قیام کے دوران لوگوں سے میرے جو تعلقات تھے اور معاشرتی مسائل میں میرا جیسا کچھ دخل تھا، اس کی روشنی میں بعض اہم معاشرتی تبدیلیوں پر شرعی نقطہ نظر سے روشنی ڈالنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ میں نے اپنی تھکاوٹ اور درد ماندگی کے سبب اناؤنسر کی مجوزہ ترتیب میں بحیثیت صدر تھوڑی سی تقدیم و تاخیر کردی۔ اس پر ہمارے بعض مقررین نے نتنے بھونڈے انداز سے اظہار خیال کیا کہ لوگ رہنمایان دین کے ابتذال پر حیرت زدہ رہ گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

تقریب سنگ بنیاد پورے صوبہ مدھیہ پردیش میں آبادی اور دیگر متعدد وجوہ سے ضلع سیونی مسلمانوں کے لیے عموماً اور جماعت اہلحدیث کے لیے خصوصاً اہم اور مضبوط جگہ ہے۔ یہاں عرصہ سے مدرسہ فیض العلوم جاری ہے، جو ملک کے عام اداروں کے لحاظ سے تو صرف ایک متوسط درجے کا ادارہ ہے، لیکن اس صوبے کے لحاظ سے ایک بہترین ادارہ ہے۔ اس کے تحت تعلیم اور مدرسین وطلبہ کے قیام کا نظم ابتک یہاں کی جامع مسجد میں ہے۔ مگر اب ذمہ داران ادارہ نے دس ایکڑ سے زیادہ زمین شہر کے جنوب میں شاہراہ عام کے پاس ایک پہاڑی کے دامن میں حاصل کرلی ہے۔ یکم مئی کو ۹ بجے صبح اسی سرزمین پر نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ جس میں شہر اور گرد و پیش کے افراد نے جوش و خروش کے ساتھ شرکت کی۔ متعدد اہل خیر نے مجموعی طور پر پانچ کمروں کی تعمیر کی ذمہ داری قبول کی۔ اور اس کے علاوہ خاصی نقدی بھی جمع ہوگئی۔ اس موقع پر راقم الحروف اور مولانا عبد القیوم رحمانی نے حاضرین سے مختصر خطاب بھی کیا۔

سیونی پریس کانفرنس عصر بعد ہمارے کچھ دوستوں نے یہاں کے چند سر برآوردہ اور نوجوان ہندوؤں کے ساتھ ملاقات اور پریس کانفرنس کا پروگرام بنا رکھا تھا یہ کانفرنس بڑی مفصل اور گرما گرم رہی۔ موضوع بحث خاص طور سے ہندو مسلم فسادات تھا۔ ایک صاحب نے

بڑے جوش کے ساتھ کہا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ مراد آباد اور میرٹھ جیسی دور دراز جگہوں میں فسادات ہوتے ہیں تو ہمارے شہر کے مسلمانوں میں جوش اور کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے؟ میں نے جواباً ان سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے پاکستان پنجاب کی سرحد پر حملہ کرتا ہے تو آپ یہاں نعرے لگانے لگتے ہیں۔ اس پر پہلے تو وہ ہکا بکا ہو گئے، پھر سنبھل کر بولے کہ صاحب یہ تو ہوگا ہی۔ میں نے کہا میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن اسی طرح یہ عین فطری بات ہے کہ مسلمان مراد آباد میں، میرٹھ یا آسام میں کاٹے جائیں تو یہاں کے مسلمانوں میں تڑپ پیدا ہو جس طرح ملک ایک اکائی ہے، اس لیے ملک کے کسی گوشے پر حملے سے سارا ملک خطرے میں پڑا ہوا محسوس کیا جاتا ہے، اسی طرح مسلمان ایک مذہبی اکائی ہیں۔ اور ان کے کسی فرد پر حملے سے سارے مسلمان خطرہ محسوس کریں گے۔ اس پر دریافت کیا گیا کہ پھر علاج کیا ہو۔؟ میں نے کہا آپ ہمارے ساتھ مل کر حکومت انتظامیہ، پولیس اور تمام ظالموں کے خلاف آواز بلند کریں، ہم یقیناً آپ کو اپنا ساتھی تصور کریں گے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ بیروت کے قتل عام پر اسرائیل کے خلاف تو نعرے بلند کرنے اور احتجاجی مظاہرے کے لیے نکلتے ہیں لیکن آسام کے قتل عام کو دم سادھے دیکھتے رہتے ہیں۔ اس انداز سے جب میں نے بہت کھل کر انھیں آڑے ہاتھوں لیا تو انھوں نے اپنی غلطی محسوس کی۔ اور واضح لفظوں میں اس کا اعتراف کیا۔

گفتگو کا ایک موضوع اسلام میں تعدد ازدواج کا مسئلہ بھی تھا۔ جب میں نے تفصیل سے یہ وضاحت کی کہ اسلام نے متعدد شادیاں کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ بلکہ خاص شرائط کے تحت اس کی اجازت دی ہے تو سب کو حیرت ہوئی۔ اس کے بعد میں نے بتایا کہ دوسری جنگ عالمگیر کے خاتمے پر جرمنی میں مردوں کی تعداد عورتوں کے مقابل میں بمشکل ۳۰ فی صد رہ گئی تھی۔ اور برلن کا حال تو یہ تھا کہ یہاں عورتوں کے علاوہ صرف بوڑھے ناکارہ مرد یا بچے رہ گئے تھے۔ جوان تو خال خال ہی نظر آسکتے تھے۔ ان حالات میں تعدد ازدواج کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا نیز ابھی جب ویٹ نام کی جنگ کا خاتمہ ہوا تو دنیا کے مختلف علاقوں کے مرد بلائے جا رہے تھے۔ حکومت کی یہ پیشکش تھی کہ باہر سے آنے والے ہر مرد کو پانچ عورتوں سے شادی کرنی ہوگی۔ اور اسے اس کے اخراجات جھیلنے جائیں گے۔ جنگ کے علاوہ آجکل پیدائش کے تناسب میں بھی لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ نیز مردوں کے مقابل میں عموماً عورتیں جنسی مجبوریوں کا زیادہ شکار ہوتی ہیں۔ اس لیے کسی معذور و مجبور عورت کو طلاق دے کر ہمیشہ کے لیے اسے مشکلات کا شکار بنانے کے مقابل میں یہ بات کہیں آسان اور مفید ہے کہ ایسی عورت کا شوہر مزید

کسی عورت سے شادی کرے اور دونوں کی کفالت کرے ۔ آخری بات یہ ہے کہ بعض مردوں میں جنسی خواہش صد درجہ فراواں ہوتی ہے ، اور وہ ایک بیوی پر اکتفا نہیں کر سکتے ۔ اس کے بعد میں نے یہ بھی واضح کیا کہ تعدد ازدواج کا رواج صرف مسلمانوں میں نہیں ہندوؤں میں بھی ہے ۔ اور ہندوؤں میں اس کا تناسب مسلمانوں کے اعتبار سے زیادہ ہے ۔ مسلمانوں میں تو صورتحال یہ ہے کہ لاکھوں میں شاید دو چار افراد ہوں گے جنھوں نے ایک سے زیادہ شادی کی ہے

ایک صاحب نے ایک اور موضوع اٹھایا ۔ کہنے لگے اسلام سارے مذاہب کی قدر کرتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے کہ ہر مذہب دوسرے مذہب کی قدر کرے ۔ مگر مسلمان ایسا نہیں کرتے ۔ وضاحت طلب کرنے پر انھوں نے بتایا کہ مسلمان گائے کا گوشت کھاتے ہیں ۔ میں نے کہا کہ ہر مذہب کی قدر کا مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لیے آزاد ہو ، اس کے خلاف چلنے کے لیے اسے مجبور نہ کیا جائے ۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں کوئی مسلمان کسی ہندو کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ گائے کا گوشت کھائے ۔ البتہ ہندو حضرات مسلمانوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ گائے کا گوشت نہ کھائیں ۔ یعنی مسلمان آپ کے مذہب میں اڑنگا نہیں ڈالتے ، مگر آپ مسلمانوں کے مذہب میں اڑنگا ڈالتے ہیں ۔ پھر آپ ہی بتائیے کہ دوسرے مذہب کی ناقدری آپ کرتے ہیں یا ہم ؟ اس پر وہ بیچارے سراپا حیرت اور ہکا بکا رہ گئے ۔

غرض اس طرح کے متعدد موضوعات پر بہت کھل کر گفتگو ہوئی ۔ اخیر میں ایک صاحب نے فرمایا کہ موجودہ دور میرے خیال سے اسلامی تاریخ کا سب سے سنہرا دور ہے ۔ آجکل اسلام کو جو ترقی حاصل ہوئی ہے ، تاریخ کے کسی دور میں حاصل نہیں ہوئی ۔ میں نے انھیں بتایا کہ یہ خیال امر واقعہ کے بالکل برعکس ہے ۔ اسلام کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ دور اس کی پہلی صدی کا دور ہے ۔ آپ اسلام کو صحیح طور پر سمجھنا چاہیں تو ہمیں نہ دیکھیے ، کتابیں دیکھیے ۔ آج ہمارے اندر اسلام کا آئیڈیل نمونہ مشکل ہی سے ملے گا ۔ میری یہ گزارش ان کے لیے ایک جدید "انکشاف" سے کم نہ تھی ۔

اس کانفرنس سے فرصت پاکر فوراً ہی دوسرے دن کے اجلاس میں حاضر ہوا جس کا ذکر گزر چکا ہے ۔

سینڈور جنا گھاٹ میں دو روزہ اجلاس عام

۲۰ مئی کی صبح سیونی سے روانہ ہوکر کوئی ایک بجے مقام مذکور پہنچے

یہ ضلع امراوتی کا ایک دور افتادہ مقام ہے اور یہاں جماعت اہلحدیث کی ایک معتدبہ تعداد رہتی ہے ۔ اس مقام پر جماعت سلفیہ کا پہلا اجلاس عام تھا ۔ پہلے دن ۲ مئی کو مولانا مقصود الحسن فیضی ، مولانا محمد صادق ندوی ، راقم الحروف

اور مولانا دیدار خان نے جلسے کو خطاب کیا۔ دوسرے دن مولانا محمد اسمٰعیل کھاروی، قاری عبدالرشید خان جہانپوری راقم الحروف اور مولانا دیدار خان نے تقریریں کیں۔ رات کے علاوہ پہلے دن نماز عصر کے بعد اور دوسرے دن نماز فجر اور عصر کے بعد اور تیسرے دن نماز فجر کے بعد بھی تقریریں ہوئیں۔ گردوپیش کے مسلمان خاصی تعداد میں شریک ہوئے ہندوؤں نے بھی اجلاس میں دلچسپی کے ساتھ شرکت کی اور ان کی موجودگی کی مناسبت سے مولانا محمد اسمٰعیل کھاروی اور قاری عبدالرشید خان جہانپوری نے وید، پران اور گیتا وغیرہ میں آخری پیغمبر کے متعلق آئی ہوئی پیشگوئیوں کا نہایت عمدہ اور دلنشین انداز سے تذکرہ کیا اور بتلایا کہ یہ ساری باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتی ہیں۔

بیتول کی المناک صورتحال

بیتول وسط ہند کا ایک معروف شہر ہے، سیندورجنا گھاٹ اور شاید بعض اور مقامات سے پھیلوں کے اہلحدیث تاجروں کی ایک مختصری تعداد یہاں آباد ہوگئی ہے۔ یہاں کے متعدد افراد میرے شاگرد ہیں اور کوئی بارہ برس پہلے میں یہاں جا چکا ہوں۔ اس سفر میں یہ معلوم کر کے سخت دھچکا لگا کہ یہاں بعض حاسد اور خود غرض اہلحدیث افراد نے مسجد کی تعمیر میں بھی روڑے اٹکا دیے ہیں، اور متعدد مصلیان کی آمد پر بھی پابندی لگا دی جس سے جماعت میں سخت انتشار اور بددلی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ اللہ مشکلیں آسان کرے، گمراہوں کو ہدایت دے اور شرفا کو ظالموں اور بدکاروں کی زیادتیوں سے نجات دے۔ آمین۔

بنارس کے اجلاس عام میں شرکت

۴ مئی کی صبح سیندورجنا گھاٹ سے واپس ہوکر شدید مشکلات سے گزرتے ہوئے ۵ مئی کو عین نماز عصر کے وقت بنارس پہنچے۔ یہاں جمعیۃ اہلحدیث بنارس کی طرف سے ۵/۶/ اور ۷/ مئی کو آزاد پارک میں اجلاس عام ہوا۔ مقررین کی کثرت رہی، سامعین کی حاضری اور جماؤ بھی خوب تھا۔ میں نے صرف آخری دن شرکت کی۔

ضلع چھپرہ میں اجتماع

۸/ مئی کو ضلع چھپرہ کے ایک دور افتادہ گاؤں بیرد میں ایک مختصر سا اجتماع ہوا، اور میں نے اپنی تمام تر مشکلات کے باوجود شرکت کی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری ابن شیخ الحدیث مدظلہ مولانا عبدالرب بلیاوی، مولوی یار محمد سلفی اور مولوی اقبال احمد سلفی نے شریک ہوکر تقریریں کیں۔ یہاں کے گردوپیش کے دس مواضعات میں اہلحدیث آبادی ہے اور ان میں سے

دو ایک گاؤں کو چھوڑ کر باقی ہر گاؤں کی پوری آبادی اہلحدیث ہے۔ مگر حاضرین کی تعداد بہت ہی کم تھی یعنی خود موضع کے لوگ وہاں سے بھی شاید ہی دو چار آدمیوں نے شرکت کی ہو۔ جلسہ ایک مدرسہ کے سنگ بنیاد کی تقریب کے طور پر ہوا۔ میرے کرید نے پر معلوم ہوا کہ ذمہ داران مدرسہ کے من مانی کرنے پر گاؤں والے خفا ہیں۔ اس لیے شریک جلسہ نہیں ہوئے۔ خدا ہمارے حال پر رحم کرے۔ اور سربرآوردہ حضرات کو عقل و توفیق سے نوازے۔

صوبائی جمعیۃ کی مجلس

۵ رمئی کو صبح دس بجے صوبائی جمعیۃ اہلحدیث کی میٹنگ ہوئی، جس میں جمعیۃ کی پچھلی کارروائیوں کا جائزہ لیتے ہوئے جامعہ کا کو آگے بڑھانے اور اس کے لیے بجٹ فراہم کرنے جیسے مسائل پر غور ہوا۔

جامعہ میں مہمانوں کی آمد

اپریل کے دوسرے عشرے کے شروع میں پاکستان سے جناب عبداللہ صاحب کھوکھر (گجرانوالہ) اور جناب محمد اقبال صاحب (کراچی) تشریف لائے۔ ضیاء اللہ صاحب مولانا محمد اسماعیل صاحب آف گجرانوالہ مرحوم اور مولانا عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ جیسے کبار علماء کے صحبت یافتہ ایک قلندر صفت نوجوان اور گرمجوش اہلحدیث ہیں۔ موصوف اہلحدیث کی خاص خاص اور اہم تصانیف کو اپنی جیب خاص سے نہایت عمدہ معیار پر شائع کر کے مفت تقسیم کرتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انھیں اس کار خیر میں کسی کی شرکت بھی منظور نہیں ہے۔ یہاں انھوں نے متعدد افراد کو اپنی مطبوعات عطا کیں۔ اور لائبریری کو بعض دوسری قیمتی کتابیں بھی عنایت کیں۔ جزاہ اللہ خیرا وبارک فی عملہ

۲۶ اپریل کو جناب ڈاکٹر عبدالحلیم عویس صاحب جامعہ میں تشریف لائے۔ موصوف ایک اعلیٰ درجے کے مصری محقق اور اجتماعیات کے عالم ہیں اور جامعۃ الامام محمد بن سعود (ریاض، سعودی عرب) میں مدرس ہیں آپ پچھلے دو تین برسوں سے یہاں تشریف لاتے اور اپنی تحقیقات و تجربات سے طلبہ و مدرسین کو نوازتے ہیں۔

اوائل مئی میں ایک شامی نوجوان خالد الرفاعی جامعہ میں داخلے کی غرض سے تشریف لائے۔ موصوف شام کے ایک صوفی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ لیکن دینیات اور اہلحدیث تصانیف کے مطالعے کے بعد بڑے پرجوش اہلحدیث ہو گئے ہیں۔ ریاض (سعودی عرب) میں ان کا قیام ہے۔

۸ رمئی کو دہلی واپس تشریف لے گئے۔

•••

دبئی میں جلسۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از قلم نیر سیالکوٹی

(۱) یکم رجب ۱۴۰۳ھ الموافق ۱۴ اپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعرات مرکزی جماعت اہلحدیث متحدہ عرب امارات کے زیر اہتمام دبئی کی معروف کویتی مسجد میں دوسرا سالانہ جلسۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد ہوا جسکی مختصر رپورٹ یہ ہے۔

(۲) نماز مغرب کے فوراً بعد عربی سیکشن شروع ہوا پاکستانی سکول (دبئی)، کے مدرس جناب قاری محمد طیب صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت کی سب سے پہلے مقرر امارت عجمان میں سعودی محکمہ شرعیہ (ISLAMIC COURT) کے قاضی فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن عبداللہ العجلان تھے انھوں نے سورۃ العصر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فوز و فلاح کے اسباب بیان کئے۔

ان کے بعد سعودی اسلامک مشن برائے متحدہ عرب امارات (الفجیرہ) کے ڈائرکٹر فضیلۃ الشیخ عبداللہ شبانہ نے خطاب فرمایا۔ اس خطاب کے بعد نماز عشاء کے بعد سعودی اسلامک مشن (دبئی) کے ڈائرکٹر فضیلۃ الشیخ عمر عبدالعزیز العثمان نے خطاب کیا اس عربی سیکشن کے آخر میں یو۔ اے۔ ای نیشنل اسمبلی کے ممبر اور وزارت مذہبی امور و اوقاف (دبئی) کے ڈائرکٹر جنرل فضیلۃ الشیخ عبدالجبار ماجد نے خطاب فرمایا۔ اس حصہ کے اسٹیج سیکرٹری مولانا محمد اقبال مدنی تھے اُردو سیکشن کا آغاز قاری عبداللہ سلیمان جوناگڑھی (اوقاف خورفکان)، کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا جنکے بعد شاعر جماعت جناب اللہ رکھا صاحب مضروب (الیکٹرسٹی شارجہ) نے اپنی دو نظمیں پڑھیں انکے بعد مولانا حافظ محمد انس مدنی (مبعوث سعودی) نے "توحید" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ دوسرا خطاب شروع ہونے سے قبل ایک کمسن قاری اعجاز احمد (عجمان) نے تلاوت کی جس کے بعد یو۔ اے۔ ای نیشنل الشیخ مساعدی عبداللہ شجیل المنہالی (ڈپٹی ولیم کمپنی ابوظبی) نے "اتباع سنت" کو موضوع سخن بنایا۔ ان دو اردو خطابات کے بعد ملیبار زبان میں مولوی ابراہیم حیدر فاروقی نے خطاب کیا اسکے بعد ایک ننھے منھے بچے عمران اشرف (عجمان) نے نقد ہو کر تلاوت کی۔ آخر میں مولانا کرم الدین السلفی مدظلہ نے (اوقاف کلبا) تقریباً ایک گھنٹہ تک اردو میں علم و عرفان کے موتی بکھیرے۔

آخری خطاب مدراسی زبان (تامل)، میں مولانا محمد اقبال مدنی (مبعوث سعودی)، کا تھا۔ انکے بعد اللہ رکھا صاحب مضروب نے ایک اور نظم سنائی پھر قاری عبداللہ سلیمان جوناگڑھی نے بڑے خوش الحانی کے ساتھ درود و سلام والی نظم پڑھی۔ آخر میں مولانا حافظ مقبول احمد صاحب (مبعوث سعودی و امیر المرکزیہ)، کی طرف سے شکریے اور دعائے خیر پر جلسہ رات ایک بجے کے قریب

(بقیہ صفحہ ۹۸ پر)

نتیجۂ فکر ڈاکٹر عزیز الرحمٰن اعظمی عمری

مرکزی دارالعلوم

مطلعِ انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم
نور کا مینا رہے تو مرکزی دارالعلوم

دینِ مصطفوی کی تبلیغ و اشاعت کا امین　　دین و ملت کا یقیناً تو ہے اک حصنِ حصین
شرک و بدعت کے مقابل جھک کبھی سکتا نہیں　　آہنی دیوار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلعِ انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

با عمل اسلاف کے خوابوں کی تو تعبیر ہے　　شرک کے ظلمت کدے میں حق کی اک تعمیر ہے
دین و دنیا ہوں منور جس سے وہ تنویر ہے　　مصلحِ کردار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلعِ انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

کر کے تو نے دین میں توحید کا روشن دیا　　بخش دی ہے عقل کے تاریک پردوں کو ضیا
دل جو زنگ آلود تھے ان پر بھی کر دی ہے جلا　　کاشفِ اسرار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلعِ انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

معرکہ آرا ہے تو الحاد کی ظلمت کے ساتھ　　ہے کبھی مدِ مقابل کفر کی طاقت کے ساتھ
اور کبھی تو ٹھن رہی ہے شرک اور بدعت کے ساتھ　　بر سرِ پیکار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلعِ انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

دین کی بنیاد کے ہیں دو ہی بس محکم اصول　　اک کتاب اللہ ہے اور دوسرا قال الرسول
ہر مسلماں پر یقیناً فرض ہے اس کا اصول　　اس کا ہی پرچار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلعِ انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

قصرِ علم دین حق اور حکمت و عرفان ہے — کائناتِ فکر و دانش کا بلند ایوان ہے
حق و باطل کے پرکھنے کے لئے میزان ہے — کیا کھرا معیار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلع انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

عقل کا محمل ہے تو اور پاسبان دل ہے تو — راہ گم کردوں کے حق میں امن کی منزل ہے تو
اور گردابِ جہاں میں صلح کا ساحل ہے تو — قافلہ سالار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلع انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

علم کی خوشبو سے کتنے دل معطّر ہو گئے — نور ایمانی سے ذرّے بھی منوّر ہو گئے
درس توحید و شریعت سب کو ازبر ہو گئے — حاصل افکار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلع انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

بانیوں کی کاوشوں کا بے بہا ثمرہ ہے تو — علم کی میراث سے حاصل شدہ ترکہ ہے تو
اور جلیل القدر علماء کا حسیں ورثہ ہے تو — دین کا معمار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلع انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

تیری قدر و منزلت کوئی گھٹا سکتا نہیں — تیرے انمٹ نقش کو کوئی مٹا سکتا نہیں
حق کے آگے جیسے باطل سر اٹھا سکتا نہیں — حق کی اک تلوار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلع انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

رہتی دنیا تک رہے سب کے دلوں میں تیری یاد — بانی و خدّام کو رکھے خدا آباد و شاد
ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد — مرکزِ اخیار ہے تو مرکزی دارالعلوم
مطلع انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم

تو ہے بیشک صدیوں کی بیش قیمت یادگار — کیوں نہ ہو رونق کو بھی تجھ سے عقیدت اور پیار
تا قیامت باحفاظت تجھ کو رکھے کردگار — قوم کا سردار ہے تو مرکزی دارالعلوم

مطلع انوار ہے تو مرکزی دارالعلوم
نور کا مینار ہے تو مرکزی دارالعلوم

•••

یہ اسلام؟

مرسلہ: جناب عبدالرحمٰن صاحب

مرقع دہلی ۸۳ء از حکیم مظفر حسین حیدرآباد۔ اصل مصنف دکن کے نواب درگاہ علی خان فارسی ہمعصر آزاد بلگرامی مرزا مظہر جانِ جاناں اور سرسید تھے۔

صرف ایک جھلک، کتاب میں ذکر کچھ معاصر بزرگوں اور چند عرسوں کا ہے۔ محفل عرس کے نمونے کے طور پر صرف ایک مجلس کا منظر خلاصہ ملاحظہ ہو۔

عرس خلد منزل محرم کی ۱۳ کو ہوتا ہے، ایک مہینہ قبل سے تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، وہ دھوم دھام اور روشنی میں وہ صنعت و اہتمام ہوتا ہے کہ سرو شمشاد رشک کرنے لگتے ہیں اور آفتاب ماند پڑنے لگتا ہے۔ فسق و فجور کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اور خباثت کا اسباب اتنا اکٹھا ہوتا ہے کہ بدکاری کی پوری دنیا اپنی مرادیں پوری کر سکتی ہے۔ گویئوں اور قوالوں کی تعداد دیکھیوں سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔

زندہ بزرگوں میں ایک صاحب مقدمۃ الجیش معرکۂ وجد و حال یعنی شاہ کمال ہیں۔ ان کے کمالات یہ ہیں کہ کپڑے ایسے نفیس پہنتے ہیں کہ ان کا جواب نہیں، کھانا اس تکلف کا کھاتے ہیں کہ اپنی نظیر آپ ہوتا ہے۔ وجد و حال اور سماع کے شوقین حد سے زائد ہیں۔ ایک اور بزرگ مجنوں نانک شاہی بھی ہیں جو سرے سے مسلمان ہی نہیں اور پھر بھی بزرگ ہیں۔ دریا کے کنارے ایک وقت معین پر ایک تفریح گاہ میں نکل کر بیٹھتے ہیں ...... یہ حال بزرگوں کا ہے، ان کے علاوہ ایک سے ایک باکمال آرٹسٹ شہر بھر میں بھرے پڑے ہیں۔ آرٹسٹ صیغہ مذکر ہی نہیں، ایک سے ایک پریزاد بیسوائیں بھی۔ ایک صاحب رئیس زادوں اور شرفا میں مرزا منو تھے ان کا فن خصوصی مطرب نوازی امرد پرستی! اور اس محفل میں ڈوم ڈھاریاں سازندوں، بھانڈوں کے علاوہ امرد زنانے اور بیسوائیں بھی بے تکلف مع اپنے کمالاتِ فن کے نظر آرہے ہیں۔

نادر شاہ کا حملہ سنہ ۱۷۳۷ء تھا، یہ تذکرہ سنہ ۱۷۳۹ء کا لکھا ہے یعنی اس یادگار تاخت و تاراج اور شہر دہلی کے قتل عام کے کل چند ہی روز بعد۔ بحوالہ صدق لکھنؤ سنہ ۴۵ء

اعلان موجودہ شمارے کو رمضان کی تعطیل کے سبب جون و جولائی ۸۳ء کا مشترکہ شمارہ کر دیا گیا ہے اگلے پرچے کا انتظار نہ کریں (ادارہ)

تبصرۂ کتب

ہماری نظر میں

کتاب: رشوت شریعت اسلامیہ میں ایک عظیم جرم

مصنف: عبداللہ عبدالمحسن الطریقی

مترجم: مولانا نصیر احمد ملی

ناشر: الدار السلفیہ ۱۳۔ محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار، بمبئی ۳

الدار السلفیہ کا شمار ہندوستان کے چند اہم اور عظیم علمی اور دینی اداروں میں ہے۔ اس ادارے نے کم وقت میں اتنا کام کیا ہے جتنا ہندوستان کے کسی ادارہ سے آج تک نہ ہو سکا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ سلفی نقطۂ نظر کی ترجمانی کے لیے ایک فعال شخصیت پیہم کوشش کر رہی ہے، اور وقت کی اہم ترین علمی ضرورتیں پوری کرنے میں ہمہ تن مصروف ہے چند سال کے اندر الدار السلفیہ ۴۵ کتابیں شائع کر چکا ہے اور متعدد کتابوں کے ہزاروں نسخے دعوت و تبلیغ کے لیے مفت تقسیم کر چکا ہے۔ اللہ اس ادارہ کو استقرار و دوام بخشے اور ترقی و سرفرازی سے نوازے۔ آمین۔

زیر تبصرہ کتاب "رشوت شریعت اسلامیہ میں ایک عظیم جرم" الدار السلفیہ کی ۴۵ ویں پیشکش ہے جو "جریمۃ الرشوۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ" کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے اردو داں طبقہ کے لیے بہترین تحفہ ہے۔ رشوت کے موضوع پر ہر پہلو سے بڑی جامعیت اور تحقیق کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب و سنت، فقہ و اجتماعیات کے سارے علوم و قوانین سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے اردو میں رشوت پر ایسی جامع کتاب دیکھنے میں نہیں آئی۔ کتابت، طباعت کاغذ اعلیٰ قسم کے ہیں۔ اور ان پہلوؤں سے تو اب الدار السلفیہ کا نام ہی عمدگی کی علامت بلکہ ضمانت بن چکا ہے۔

البتہ ترجمہ سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ سخت افسوس ہے کہ کتاب کو جیسی انفرادیت حاصل ہے ترجمہ اس کے بالکل برعکس ہے، چند ہی صفحات پڑھ کر باذوق قاری اکتا جائے گا۔ بیشمار مقامات ایسے ہیں کہ وہ سمجھ نہیں سکتا کہ مصنف کیا کہنا چاہتا ہے۔ ترجمہ میں تکلف اور آورد اتنا زیادہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کسی نو آموز طالب علم نے

نے ترجمہ کیا ہے ۔ کوئی صفحہ ایسا نہیں جس کے اندر تعبیری نقص نہ ہو، علمی معیار سے ترجمہ نہایت فروتر اور گھٹیا ہے، جگہ جگہ فاش غلطیاں موجود ہیں ۔ تعبیری جھول کے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے ۔ :

" نہ یہاں کی طرح کوئی کھلم کھلا ثبوت کارآمد ہوگا ص۱۸ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کا تصور بھی نہیں کر سکتا ص۱۸ اور جب تجرد اختیار کرنے والا دینی جذبہ ابھرتا ہے ص۱۹ ، روزی کا دینے والا ص۱۹ ، آخر کوئی تو بات تھی ص۱۹ ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر خدمت ہوا ص۲۰ ، یہاں تک کہ چار مرتبہ اس نے دہرا دہرا کر عرض کیا ص۲۰ ۔ تمھارے بیٹے کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلا وطن ہونا لازمی ہے ص۲۲ اور یقین میں جلا پیدا ہوتی ہے، دل آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں ص۲۴ ۔

اسی طرح کے نمونے تقریباً ہر صفحہ میں مل جائیں گے ۔ اب رہا عربی کتاب کی ترجمانی کی صحت کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ، کیوں کہ عربی کتاب ہمارے سامنے نہیں ، البتہ چند عربی نصوص جو کتاب میں موجود ہیں ، ان کا ترجمہ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم کی عربی عبارت فہمی کی قوت بہت کمزور ہے ۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں ۔

ص ۲۴ پر ایک حدیث منقول ہے ۔ ان السارق ان تاب سبقته یده الی الجنة وان لم یتب سبقته الی النار ۔ اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ۔ چور اگر توبہ کرے تو اس کے ہاتھ اس کو جنت کی طرف لے جاتے ہیں اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہی اس کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں

یہاں مترجم نے دونوں مقام پر سبقته کا ترجمہ غلط کیا ہے اور ایک کٹے ہوئے ہاتھ کو جمع سے تعبیر کیا ہے ۔

ص ۲۶ پر الراشی کا ترجمہ رشوت لینے والا اور المرتشی کا ترجمہ رشوت دینے والا کیا گیا ہے ۔

— اهجروهن فی المضاجع کا ترجمہ کیا ہے ، ان کو بستروں سے بھگا دو ص۴۸

— انصار کے بارے میں حدیث ہے ۔ اقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسیئهم ۔ اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ۔ ان کے محاسن اور خوبیوں کو قبول کرو اور ان کی خرابیوں کو درگزر کرو ص۶۹ ۔ محسن (نیکوکار) اور مسیٔ (بدکار) کو کہتے ہیں ۔

ص ۲۸ پر ایک شعر ہے ۔ تعد علی الذنب إن ظفرت به ؛ وان لا تجد ذنبا علی تجن

اس کا ترجمہ کیا گیا ہے : جب تمھیں موقع مل جاتا ہے تو گن گن کر مجھے قصوروار ثابت کرتے ہو اور جب کامیابی نہیں ہوتی تو مجھ پر گناہ کی تہمت لگاتے ہو ۔ — یہاں مترجم نے تعد کو خطاب کا صیغہ سمجھ لیا ہے اور ظفرت کو بھی وہ خطاب کا

صیغہ بنا کر شعر کا وزن ہی توڑ ڈالا ہے۔ اسی طرح تجد اور تجرم کو بھی خطاب کا صیغہ سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ سب واحد مونث کے صیغے ہیں۔ پھر شعر کا جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی نمونۂ کمالات ہی ہے۔

اس شعر سے اوپر ایک جملہ تجرم علی فلان ہے، جس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔ اس نے مجھ پر ایسے گناہ کی تہمت لگائی ہے جس کو میں نے نہیں کیا۔ ترجمے کا طول اور فلاں کے معنی میں۔ دونوں دلچسپ ہیں۔

ص ۲۰۳ پر فتاوی شیخ الاسلام ۲۸/۳۲۹ سے اقتباس لیا گیا ہے۔ اصل عربی عبارت کا اردو ترجمہ سے موازنہ کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ عبارت کے اخیر میں کئی مسلسل جملوں کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ نیز جتنے جملوں اور الفاظ سے اصل عبارت کی ترجمانی ہو سکتی تھی، ان سے بڑھ الفاظ زیادہ استعمال کیے گئے ہیں۔ سب سے بڑا ظلم مترجم نے یہ ڈھایا ہے کہ وہ اصطلاحیں جو اردو عربی دونوں میں یکساں مستعمل ہیں ان کا غلط سلط اردو ترجمہ کر کے انھیں بیستان بنا دیا ہے۔ قتل خطاء، قتل عمد اور قتل شبہ عمد معروف اصطلاحیں ہیں۔ جن کا صحیح ترجمہ کرنے میں بھی ان کے مقررہ اصطلاحی مفہوم بدل جانے کا خطرہ ہے۔ مگر مترجم صاحب نے تو کمال ہی کر دیا ہے۔ وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں " قصاص یا دیت کی سزائیں جو جان بوجھ کر قتل کرنے، شبہ میں قتل کرنے اور غلطی سے مار ڈالنے پر عائد ہوتی ہیں ص ۲۰۴ " ۔ جو لوگ ان اصطلاحات کے معانی جانتے ہیں، ان سے عرض ہے کہ ؎

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

یہ صرف چند نمونے ہیں۔ پوری کتاب اس طرح کی غلطیوں سے بھری پڑی ہے۔ یعنی ترجمہ نہایت ناقص ہے تعبیرات بھونڈی ہیں۔ الفاظ ضرورت سے زیادہ استعمال کیے گئے ہیں۔ عبارت سمجھی نہیں گئی ہے۔ ترجمے غلط کیے گئے ہیں اور یہ ساری باتیں ایسی ہیں جنھوں نے کتاب کی وقعت ختم کر دی ہے۔ غیر عربی داں اس سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ اور علمی حلقہ اس کی پذیرائی نہیں کر سکتا۔ مولانا کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ کسی مستند مترجم سے ہی کتابوں کا ترجمہ کرائیں۔ ایسے ترجمے علمی اداروں کی بدنامی کا باعث اور علمی دنیا پر بہت بڑا ظلم ہیں۔ الدار السلفیہ کا ظاہری میک اپ جتنا علمی، پرکشش اور جاذب نظر ہے، ترجمہ اور تحقیق وغیرہ بھی اسی معیار کی ہونی چاہیے۔ ع

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔

ص ۱۹ کا بقیہ:
من حلف بغیر اللہ فقد اشرک۔ یعنی جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا، بعض لوگ علم کی قسم بعض لوگ کسی کے سر کی قسم بعض دادا اور باپ کی قسم کھاتے ہیں یہ سب شرک فی العادت میں داخل ہے۔ اللہ ہمیں اور سارے مسلمانوں کو ہر طرح کے شرک جلی وخفی کی گمراہیوں اور تاریکیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین ●●●

ماہنامہ آثار : مدیر: مولانا عبداللطیف اثری

پتہ: جامعہ اثریہ دارالحدیث مئوناتھ بھنجن (یو پی)

مولانا عبداللہ شائق مرحوم جماعت اہلحدیث میں اپنی نوعیت کے ایک باکمال عالم تھے۔ اب سے کوئی تیس سال قبل انھوں نے اتنے نامساعد حالات میں دارالحدیث کے نام سے ایک عربی مدرسہ جاری کیا کہ کہنے والوں نے کہا کہ اس ادارے کو قائم رکھ لینا خشکی پر کشتی چلانے کے مترادف ہے۔ مگر یہ کشتی بالآخر چل ہی پڑی اور آج یہ ادارہ اپنے برگ و بار لا رہا ہے۔

چار ماہ قبل اسی ادارہ سے ماہنامہ آثار کا اجراء ہوا ہے، جو اسلامی صحافت کی دنیا میں ایک خوش آئند اضافہ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مئوناتھ بھنجن جو علمی صلاحیتوں سے بھرپور اور مالا مال ہے وہاں کے دینی حلقے کی طرف سے اب پہلی بار ایک ماہنامے کی اشاعت کے لیے قدم اٹھایا گیا ہے۔ جبکہ یہ قدم بہت پہلے اٹھنا چاہیے تھا۔ ہم اس اقدام کا تہِ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور دارالحدیث کے ذمہ داران کو اس پیش قدمی پر مبارکباد دیتے ہیں

مزید خوشی یہ ہے کہ اسے پریشاں افکار کا ذریعہ بنانے کے بجائے کتاب و سنت کا ترجمان بنانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنا پڑتا ہے کہ اسلام پسندوں کے اندر اور باہر بیسیوں ایسے حلقے ہیں جو اسلام کے صحیح اور واقعی ترجمان نہیں ہیں۔ کم از کم کتاب و سنت کے بجائے انھیں اپنی شخصی حلقہ بندیوں سے زیادہ دلچسپی ہے اور ہمارے بہت سے رسائل و جرائد کی ایسے حلقوں کی مختلف شخصیتوں کے پیچھے محض اس لیے دوڑتے رہتے ہیں کہ ان کے حلقے میں پذیرائی حاصل کر سکیں۔ اس کے نتیجے میں صحیح سمت سے قدم ہٹ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ مصلحت اندیشی مقصد پر غالب آجاتی ہے۔ حالانکہ ؎

در فکر آشنائی اہلِ سخن مباش — باید کہ خویش را بہ سخن آشنا کنی

ہمیں امید ہے کہ آثار اپنے متعینہ مقصد پر پامردی کے ساتھ گامزن رہے گا۔ الحمدللہ کہ جدید و قدیم مضامین کے انتخاب میں سلیقہ مندی سے کام لیا جا رہا ہے اور کتابت و طباعت کو بھی مطلوبہ معیار پر لایا جا رہا ہے۔ خدا کرے یہ ہماری ملت کے لیے ایک مفید سرمایہ ثابت ہو۔

(صفحہ ۸۱ کا بقیہ) اختتام پذیر ہوا۔ اسٹیج سکریٹری کے فرائض راقم کے ذمے تھے جس مسجد میں جلسہ تھا وہاں اور اس کے گرد و نواح میں اہل بدعت وافر مقدار میں موجود ہیں جنھوں نے ہر طرح سے جلسہ کو ناکام بنانے کے تمام اوچھے ہتھکنڈے آزمائے مگر الحمدللہ ہمارا جلسہ انکی تمام تر ناکام کوششوں کے باوجود کامیاب ہوگیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

ہماری مطبوعات

(عربی)

۱ - مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح (۱ - ۷)
۲ - بین الامامین مسلم والدارقطنی (رح)
۳ - شرح ثلاثیات البخاری
٤ - اتحاف الکرام شرح بلوغ المرام
۵ - رفع الالتباس عن بعض الناس
٦ - نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر
۷ - البیان المکمل فی تحقیق الشاذ والمعلل
۸ - تقویة الایمان
۹ - الحسام الماحق
۱۰ - معدل الصلاة
۱۱ - حصول المامول من علم الاصول
۱۲ - حرکة الانطلاق الفکری
۱۳ - جهود أهل الحدیث فی خدمة القرآن الکریم
۱٤ - جهود مخلصة فی خدمة السنة المطهرة
۱۵ - اخبار الکرام باخبار المسجد الحرام
۱٦ - المحدث شمس الحق العظیم آبادی : حیاته وآثاره
۱۷ - عروة بن اذینه : حیاته وشعره
۱۸ - مجموعة النظم والنثر
۱۹ - شذا العرف فی فن الصرف

(اردو)

۲۰ - اہلحدیث اور سیاست
۲۱ - فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری (رح)
۲۲ - قادیانیت اپنے آئینہ میں
۲۳ - تاریخ ادب عربی (ج ۱، ۲)
۲٤ - وسیلة النجاة
۲۵ - اللمحات إلی ما فی انوار الباری من الظلمات ۔
۲٦ - رمضان المبارک کے فضائل واحکام
۲۷ - رکعات تراویح کی صحیح تعداد اور علماء احناف
۲۸ - سلفی دعوت کے علمی أصول
۲۹ - سلفی دعوت اور ائمۂ أربعہ رحمہم اللہ
۳۰ - جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات
۳۱ - جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات
۳۲ - قبروں پر مساجد اور اسلام

(زیر طبع)

۱ - کتاب الأباطیل للعلامة الجوزقانی . تحقیق الأستاذ عبد الرحمن الفریوائی
۲ - کتاب فی ظلال الرسول کا اردو ترجمہ
۳ - الجمع والتعلیل فی الجرح والتعدیل للدکتور محمد ضیاء الرحمان الأعظمی

JUNE & JULY 1983

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
... Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

مرکزی دار العلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

★

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیۃ

بنارس - الہند

★

عدد مسلسل ۱۹ — شوال ۱۴۰۳ھ — اگست ۱۹۸۳ء

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث

بنارس

جلد ۲ • شوال المکرم ۱۴۰۳ھ اگست ۱۹۸۳ء • شمارہ ۸

ایڈیٹر

صفی الرحمن مبارکپوری

بدل اشتراک	پتہ
• سالانہ ۲۵ روپیے • ششماہی ۱۳ روپیے	خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
• فی پرچہ ۲/۵۰ روپیے • بیرون ملک ۱۵ ڈالر	بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA „ SALAFIA „ REORITALAB VARANASI - 221001

ٹیلی گرام: دارالعلوم، وارانسی ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

تزئین و کتابت

انور جمال

ناشر	طابع	مطبع
جامعہ سلفیہ بنارس	عبدالوحید	سلفیہ پریس وارانسی

نعتِ مقدس

حسن منظور حسنؔ

ہے محمد کی اطاعت سے دِل کو سکوں، اس سے بڑھکر کوئی کیا تمنا کریں
ان کا نقشِ قدم ہم کو محبوب ہے دوسرا نقش کیوں کوئی ڈھونڈا کریں

آپ نورالہدیٰ آپ خیرالوریٰ رحمتِ ہر جہاں آپ کی ہے ضیا،
رہبری آپ کی جب ہے حاصل ہمیں کیوں نہ قسمت اپنی سنوارا کریں،

آپ کے حکم پر جان و تن ہو فدا اپنے خالق سے مانگیں یہی حوصلہ
راہِ سنت پہ چلنے کی توفیق ہو لغزشیں میری مجھ کو نہ رسوا کریں،

جھوٹے عاشق کہیں سمجھے جائیں نہ ہم، جھوٹا دعویٰ نہ توڑے ہمارا بھرم
آزمائش کے لمحے میں ایسا نہ ہو راہِ سنت سے ہم جی چرایا کریں،

آپ کے ماسوا جو خزانہ ملے ہے مناسب کہ اس سے نظر پھیر لیں
منحرف آپ سے ہو یہ دنیا اگر ہم کو لازم ہے ہم ترکِ دنیا کریں،

خاتم الانبیاء، احمد مجتبیٰ شاہِ ہر دوسرا مصطفیٰ مرتضیٰ
یہ تو اچھا نہیں صرف ہم آپ پر جاں نثاری کا مجہول دعویٰ کریں

آخری سانس تک چاہتا ہے حسنؔ آپ کی پیروی میں رہے وہ مگن
روزِ محشر جو اس پر ہو نظرِ کرم تو شفاعت کا پُر لطف سایہ کریں۔

نقش راہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گرو ہے کہ نہیں

دور نبوت کے اخیر میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ جزیرۃ العرب کے دور دراز گوشوں تک وسیع ہو چلا تھا ایک بار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحرین سے محاصل وصول کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اس موقع پر مدینہ منورہ میں ان کی موجودگی اس بات کی علامت تھی کہ مال آچکا ہے چنانچہ نماز فجر کے بعد کچھ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشاروں کنایوں میں کچھ گفتگو کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مقصود سمجھ رہے تھے چنانچہ آپ نے حسب معمول مسکراتے ہوئے بشارت دی کہ کوئی مال صحابہ کرام سے روک کر ذخیرہ نہیں کیا جائے گا پھر آپ نے وہ مال تقسیم کر دیا۔ اس موقع پر آپ نے امت کے حق میں ایک مژدۂ بشارت کا اعلان فرماتے ہوئے ایک گہری تشویش کا بھی اظہار فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا فو اللہ لا الفقر اخشی علیکم، ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتلهیکم کما الهتهم ... یا ... فتهلککم کما اهلکتهم (مسلم اور دیگر کتب حدیث میں الفاظ کے معمولی سے فرق کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ) قسم بخدا مجھے تمہارے فقر و فاقہ کا خوف نہیں ہے۔ لیکن خطرہ یہ ہے کہ تم پر دنیا اسی طرح پھیلا دی جائے۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا دی گئی تھی اور پھر وہ تمہیں اسی طرح غفلت اور لہو و لعب میں ڈال دے جس طرح انہیں ڈال دیا تھا۔ یا تمہیں یہ دنیا اسی طرح ہلاک و برباد کر دے جس طرح انہیں ہلاک و برباد کر دیا تھا۔

اس ارشاد کا منشا یہ نہیں ہے کہ امت مسلمہ کبھی فقر و فاقے سے دوچار نہ ہوگی۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اہل ایمان کے ایمان و دیانت اور خدا ترسی و خدا پرستی کے لئے فقر و فاقہ اتنا خطرناک نہیں ہے جتنی خطرناک دنیا

کی وسعت وخوشحالی ہے۔ فقر کی حالت میں ایمان ودیانت کی راہ سے پھسلنے کا خطرہ کم اور خوشحالی وفارغ البالی کی حالت میں زیادہ ہے۔

امت کی چودہ سو سالہ تاریخ کی کسوٹی پر اس روایت کو پرکھئے تو اسے ایک تاریخی حقیقت کی حیثیت سے تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ امت کا جزوی یا مجموعی زوال عموماً خوشحالی اور دولت وثروت کی فراوانی کے بعد ہوا ہے اور امت کی ترقی اور قوت وسربلندی نے عموماً فقر وفاقے کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ تشویش ایک واقعاتی حقیقت ہے۔

راقم الحروف کوئی آٹھ دس ماہ کے عرصے اور مسلسل مشغولیات کے بعد جامعہ کی تعطیل کا کچھ عرصہ جامعہ سے الگ تھلگ دیہات کی پرسکون فضا میں گذارنے کی نیت سے اپنے وطن گیا۔ ظاہر ہے وطن انسان کے لئے کوئی نئی اور اجنبی جگہ نہیں بلکہ مسلسل مشاہدے میں آئی ہوئی معروف ومانوس جگہ ہوتی ہے۔ انسان وہاں کی آب وہوا سے لے کر لوگوں کے مزاج وخیالات تک ہر چیز سے متعارف اور مانوس ہوتا ہے مگر اب انسانی اقدار میں جس تیز رفتاری سے تبدیلی آرہی ہے اس کے نتیجے میں صرف سال بھر کے عرصے کے بعد یہاں آیا تو کایا پلٹ نظر آئی۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ تبدیلی کوئی خوش آئند اور قابل قدر نہیں بلکہ ہر درجہ کریہہ اور ناپسندیدہ ہے۔

انسان فطری طور پر فرج وبطن اور جسم وجان کی بہت سی ضروریات اور تقاضوں کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ اور اپنی ساخت کے نتیجے میں ان تقاضوں کی تکمیل کے لئے مسلسل جد وجہد اور تگ ودو کے لئے مجبور ہے۔ فطری تقاضے اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تگ ودو دونوں ہی چیزیں انسانی زندگی میں بڑی نازک حیثیت رکھتی ہیں بسا اوقات انسان اپنے مقصد تک رسائی کے لئے غلط راہ پر قدم رکھ دیتا ہے لیکن اس کا وجدان وضمیر ملامت کرکے اسے پھر صحیح راہ پر لگا دیتا ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو غلط راہ پر چلنے کا چسکا پڑ جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے جائز حدود پر قناعت کرنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔

اکا دکا انسان جب اس طرح کی راہ اپناتے ہیں تو حساس اور باضمیر معاشرہ اس پر سخت نکیر کرتا ہے اور بسا اوقات معاشرے کی طرف سے کی جانے والی یہ نکیر ہی اسے سلامت روی پر مجبور کر دیتی ہے لیکن اب جو صورت حال برپا ہے اسے دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ ہی احساس وزندہ ضمیری کی دولت سے محروم

ہو چکا ہے۔ ہوس کی ایک ایسی تند لہر چلی ہوئی ہے جس کی لپیٹ سے اگر خدانخواستہ کوئی شخص محروم رہ گیا ہے تو وہ معاشرے کا معزز فرد قرار پانے کے بجائے مجرم کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ نماز و روزہ و قربانی و حج کا سلسلہ یقیناً جاری ہے مگر ان عبادات کے پہلو بہ پہلو حرام خوری، خیانت اور لوٹ گھسوٹ کا سلسلہ بھی شباب پر ہے۔ سرکاری اور نجی زمینوں پر مختلف حیلوں اور بہانوں سے قبضہ کرنے کے لئے ہر شخص بے چین نظر آتا ہے اور جس کے پنجے جہاں گڑ سکتے ہیں بے تامل گاڑ دیتا ہے دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کے لئے زور زبردستی، جبر و قہر، رشوت، مقدمے بازی اور ہیرا پھیری کا کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس کا دروازہ کھٹکھٹایا نہ جاتا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ باہمی عداوت، دشمنی، حسد، کشاکش، پارٹی بندی، رہزنی، چھینا جھپٹی، مارپیٹ اور ایذا رسانی کی ایسی فضا بنی ہوئی ہے جس سے پورا معاشرہ جہنم کدہ بن گیا ہے۔ اگر صبح کا وقت نماز و تلاوت میں گذر رہا ہے تو شام اپنے بھائی کا گلا کاٹنے کی تدبیروں میں بسر ہو رہی ہے۔ اگر شام دعا و مناجات میں کٹ رہی ہے تو صبح کسی نئے ہنگامۂ ناخدا ترسی کا ظہور و نمود ہے۔ غرض یصبح الرجل فیھا مؤمنا ویمسی کافرا ویمسی مؤمنا ویصبح کافرا کا ہیبت ناک منظر ہے۔

ہوس زرگری اور آرزوئے دنیا پرستی کے اس طوفان کی زد میں کوئی ایک ہی طبقہ و فرقہ یا ایک ہی مذہب و دین کے ماننے والے نہیں ہیں بلکہ یہ بحر بے پایاں کی نہایت بے رحم اور بے قابو موجیں ہیں جنہوں نے ہر طبقہ خیال کے ایمان و دیانت کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ غیر مسلم ہو یا مسلمان، شیعہ ہو یا سنی، وہابی ہو یا بدعتی آج کوئی طبقہ ایسا نظر نہیں آتا جو مجموعی طور پر یا کم از کم بڑے پیمانے پر اس بلائے بے درماں سے محفوظ ہو۔

ہوس و خیانت کے مناظر پہلے بھی دیکھنے میں آتے تھے مگر محسوس ہوتا تھا کہ معاشرے پر خیر کا غلبہ ہے شر مغلوب ہے اور اس کی مقدار قلیل ہے۔ اہل شر دبے ہوئے ہیں۔ اور معاشرے میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے مگر اب معاملہ اسکے برعکس نظر آتا ہے۔

حالات کی یہ نوعیت کسی ایک مقام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ملک کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی زبانی جو تفصیلات ملتی رہتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ معمولی سے فرق کے ساتھ ملک بھر کے عام حالات یہی ہیں۔

ان حالات کو قلمبند کرنے کا مقصود یہ نہیں ہے کہ ہم معاشرتی برائیوں یا معاشرے کے زوال کا رونا رونے بیٹھ جائیں۔ یا شرعی نقطۂ نظر سے ان پر تبصرہ کرکے قرآن و حدیث سے ان کی حرمت کا ثبوت مہیا کریں۔ پھر اس حرمت کے اسباب و علل کی فلسفیانہ توجیہات پیش کرکے داد علم دینے کی کوشش کریں۔ بلکہ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آج ہر دینی جماعت و تنظیم، اسلامی

دعوت اور اصلاح معاشرہ کی نہ صرف مدعی ہے بلکہ اس میدان میں اپنی کامیابیوں اور تکمیلات کی بڑی بڑی فہرستیں آویزاں کئے ہوئے ہے اور بقلم خود نہایت سرگرمی کے ساتھ میدان عمل میں مصروف تگ و تاز ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان تنظیمات کو یہ حالات نظر آرہے ہیں یا نہیں ؟ اور اگر نظر آرہے ہیں تو کیا وہ اس کے لئے بھی کچھ کرنے پر آمادہ ہے یا نہیں ؟ اور مسلمانوں کے اندر در آنے والے اس خوفناک فساد ایمان و دیانت کا کوئی علاج اس کے پاس ہے بھی یا نہیں ؟

تعجب اور حیرت ہے کہ کام کا جو اصل میدان اور اصلاح کی جو اصل جولانگاہ ہے وہاں کسی داعیٔ اسلام کا رُخ زیبا دکھائی نہیں پڑتا۔ اگر دکھائی پڑتا ہے تو ایسے لیسے کاموں میں جن کی حیثیت لایسمن ولا یغنی من جوع کی ہے۔ معلوم نہیں اصل نشانہ چھوڑ کر خلا میں اس تیر اندازی کا کیا حاصل ہے۔ اللہ ہمیں صحیح عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

گل سوگوار

عبدالمعید اسلم

اب کے بھی راس آنہ سکا موسم بہار
کلنے ہنسے تو خوب، رہا گل ہی سوگوار

چاہا تھا ان کے دامنِ الفت میں جا چھپوں
لیکن غم حیات سے دامن تھا تار تار

ہم نے بنا لیا ہے نشیمن تو کیا ہوا
کل بجلیاں گریں گی، پھر شعلوں کا کاروبار

منزل کے ساتھیوں سے بچھڑ اور بڑھ گئی
اے گردشِ حیات ٹھہر! دیکھ سوئے دار

داغِ جگر کو دیکھ سکے کیا کوئی بھلا،
ہر داغ اک کتاب الم دردِ صد ہزار

نور سحر کے دستِ مسیحا سے تھم گئی
گرتی تھی میری لاش زمانے سے بار بار

اہلِ ہوس سے کہدو ذرا کچھ تو چپ رہیں
بیمار سہ کے سو گیا آلام روزگار

اسلم ترے جنوں کو ملیں کچھ تو وسعتیں،
اُن کی خرد سے ہوگئے کتنوں کے دل فگار!

●

موضوع احادیث کی روایت ایک عظیم جرم

مولانا عبدالمعید سلفی

دعوت دین اور تبلیغ کے بہت سے اسالیب ہیں تبلیغ کا ایک اہم اسلوب ترغیب ہے۔ ترغیب کا مطلب یہ ہے کہ اچھے نتائج سے لوگوں کو آگاہ کرکے دین پر عمل پیرائی کی دعوت دی جائے۔ انبیاء اور رسولوں کی تبلیغ میں حقائق واشگاف ہوتے تھے، ان حقائق کو قبول کرنے کا حوصلہ ہے، اس کی وضاحت ہوتی تھی۔ ان کے اسلوب میں توازن اور اعتدال کی کارفرمائی ہوتی تھی۔ یہی قرآن وسنت کا اسلوب ہے، سلف صالحین اسی پر جادہ پیما تھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ان کی فکری و عملی زندگی میں کجی اور گمراہی کو باریابی نہیں مل سکی۔

قرون اولیٰ میں جب مفاد پرستوں، فتنہ پردازوں اور باطل پسندوں نے حدیثیں وضع کرنی شروع کیں اور ان پر اپنے عقائد و افکار کی تعمیر شروع کی تو سلف صالحین نے شدت سے ان پر نکیر کی اور ان کے فتنوں کو حق کی کسوٹی پر پرکھ کر واشگاف کیا۔

ان موضوع اور ضعیف احادیث کا سہارا لینے والوں میں ایک گروہ سادہ لوح، کم فہم زاہدوں اور دینداروں اور قصہ گویوں کا بھی تھا۔ یہ تقویٰ و زہد کی ترویج واشاعت کی خاطر بے بنیاد حدیثیں سناتے اور مختلف اعمال کے بڑے بڑے اجر وثواب بتلاتے۔ اپنی نیک نیتی کے باوجود انھوں نے بے شمار بدعات وخرافات کو رواج دیا۔ جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

ان صالحین اور زاہدوں کا ارادہ ترغیب وترہیب ہی کا تھا۔ وہ لوگ اس اسلوب سے لوگوں کو دین کی طرف مائل کرنا چاہتے تھے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ائمہ فن کی آراء ملاحظہ کرنا مناسب ہے۔

" لا تاخذ العلم من اربعة .... ولا من شيخ له فضل وعبادة اذا كان لا يعرف ما يحدث "
امام مالک۔ (الکفایۃ: ۱۸۹، ۲۴۹)۔ " ما رأيت الصالحين في شيئ اكذب منهم في الحديث يكتبون عن كل احد " ۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ (میزان الاعتدال ۱/۵۸)۔ " لم نر الصالحين في شيئ اكذب منهم في الحديث يجري الكذب على لسانهم ولا يتعمدون الكذب " امام مسلم۔ (مقدمہ الجامع الصحیح لمسلم ۱/۱۳)

"قوم وضعوا الاحادیث فی الترغیب والترهیب لیحثوا الناس فی زعمهم علی الخیر ویزجروهم عن الشر، وهذا تعاط علی الشریعة ومضمون فعلهم ان الشریعة ناقصة تحتاج الی تتمة فقد اتممناها۔ ابن الجوزی ۔ (الموضوعات: ۱/۳۹) ۔

"قوم ینسبون الی الزهد حملهم التدین الناشی عن الجهل علی وضع احادیث فی الترغیب والترهیب لیحثوا الناس بزعمهم علی الخیر ویزجروهم عن الشر" ۔ الکنانی ۔ (تنزیه الشریعه: ۱۲)

"والواضعون اقسام اعظمهم ضرراً قوم ینسبون الی الزهد وضعوا حسبة فی زعمهم فقبلت موضوعاتهم ثقة بهم ۔ امام نووی ۔ (تدریب الراوی: ۲۸۱)

"ومنهم متعبدون یحسبون انهم یحسنون صنعاً یضعون احادیث فیها ترغیب وترهیب وفی فضائل الاعمال لیعمل بها" (الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث ۔ ۷۸)

"وقد اولع کثیر من العلماء بالافراط فی الوعظ ترغیباً وترهیباً وحملوا عامة الناس علی طرف یقصرهم فی فهم الدین فاکثروا من حمل الحدیث وروایته دون التفهم له والعلم بمقاصده ووضع کل شئ فی محله والتفریق بین صحیحه وموضوعه حتی اغری العامة الاباحیة لکثرة ما یروون لهم من احادیث الترغیب ولو موضوعة" القاسمی ۔ (قواعد التحدیث: ۱۶۷)

"والوجه الثانی القصاص فانهم یمیلون وجه العوام الیهم ویشیدون ما عندهم بالمناکیر والاکاذیب ۔ ابن قتیبه ۔ (احادیث القصاص: ۷) (ترجمہ مضمون کے آخر میں ملاحظہ کریں۔)

قصہ گویوں اور ڈھونگیوں کی اشاعت دین کی خواہش نے ان سے بے شمار بدعات کا رواج دلوایا۔ ان کی کوششوں کے اس تاریک پہلو پر علماء کے آراء کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ کوششیں ان کے نزدیک ناقابل قبول ہیں۔ یہ اپنی اسلام فہمی میں اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ بے دین باتیں بتاکر عوام کو اباحیت کی ڈگر پر ڈال دیتے ہیں۔

ایسی کوششوں کی حرمت پر علماء کا اتفاق ہے، اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید وعید آئی ہے۔ رسول اکرم نے فرمایا: "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار" (جس نے عمداً مجھ سے جھوٹ کا انتساب کیا پھر جہنم اپنا ٹھکانا بنالے۔)

یہ حدیث صحاح ستہ کے علاوہ تقریباً دو درجن مسانید میں نقل کی گئی ہے، اسفرائنی کا قول ہے دنیا میں اس

حدیث کے سوا کوئی دوسری حدیث نہیں ہے جس کی روایت میں عشرہ بشرہ شامل ہوں ابن الجوزی کا خیال ہے عشرہ بشرہ میں عبدالرحمٰن بن عوف سے یہ روایت مروی نہیں ہے۔ سیوطی نے تحذیر میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ تقریباً ۹۱ صحابیوں کی روایت کا استقصا کیا ہے۔ المقاصد الحسنہ میں تقریباً پورے دوسو صحابیوں سے اس روایت کا ذکر ہے۔

تمام علماء کی رائے ہے کہ وضع حدیث کبیرہ گناہ ہے۔ صحابہ، تابعین، سلف صالحین اس وعید کی بنا پر روایت احادیث میں بے حد احتیاط برتتے تھے۔

وہ علماء کرام جو موضوع احادیث بیان کرتے ہیں اور بے بنیاد قصوں کہانیوں سے رونق محفل بنتے ہیں، عوام کو لذت گوشی سے نوازتے ہیں، ان کے بارے میں ائمہ فن کا کیا خیال ہے۔

امام مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے مغیرہ بن شعبہ کی روایت نقل کی ہے، رسول اکرم نے فرمایا: من حدث عنی حدیثا وهو یری انه کذب فهو احد الکاذبین۔ (جس نے میری نسبت سے کوئی حدیث بیان کی اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جھوٹ بات ہے تو وہ بھی جھوٹا ہے۔ مسلم کی روایت ہے۔ کفی بالمرء اثما ان یحدث بکل ما سمع۔ (ہر سنی سنائی بات کا بیان کرنا انسان کے گناہ کے لیے کافی ہے۔) — امام نووی نے فرمایا جسے کسی روایت کے متعلق معلوم ہو کہ وہ موضوع ہے یا اس پر وضع کا گمان ہو اسے ایسی موضوع حدیث کا بیان کرنا حرام ہے اور ایسا شخص اگر راوی کی حالت معلوم کیے بغیر روایت حدیث کرتا ہے تو وہ بھی وعید نبوی میں داخل ہے۔ اور ایسی روایت کا تعلق چاہے احکام سے ہو چاہے ترغیب و ترہیب اور رقائق سے ہو، یکساں طور پر اس کا بیان کرنا حرام ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔ (نووی ۱/۷۰، ۷۱)

قاضی عیاض نے مذکورہ حدیث کی تشریح میں فرمایا موضوع روایت کا راوی کاذب کی تعریف میں داخل ہے اسی لیے اس کی روایت بھی کذب ہے۔

امام شافعی امام حاکم امام طحاوی نے موضوعات کے بیان کرنے والے کو وعید نبوی میں داخل بتلایا ہے۔ ابن الصلاح نے علوم الحدیث میں، نووی نے تقریب اور ارشاد میں ابن جماعہ نے المنهل الراوی میں، طیبی نے الخلاصہ میں، سراج الدین بلقینی نے الخلاصہ میں عراقی نے الفیتہ میں زرکشی نے نکت میں، ابن حجر نے شرح النخبہ میں۔ ابن جوزی نے موضوعات میں، دار قطنی نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں، موضوع حدیث کے بیان کرنے کو

حرام بتلایا ہے، دارقطنی نے فرمایا رسول اکرم نے تبلیغ کا حکم دیا ہے لیکن آپ کی طرف جھوٹ کا انتساب کرنے پر
یہ وعید کی ہے۔ یہ وعید اس بات کی دلیل ہے کہ صحیح حدیث کی تبلیغ کا حکم ہے موضوع کی نہیں، حق کی تبلیغ کا حکم ہے
باطل کی تبلیغ کا نہیں۔

قصہ گوئی بھی شروع سے ایک عظیم فتنہ بنی رہی لوگ عوام سے خراج عقیدت وصول کرنے اپنی علمیت کا
رعب جمانے یا جیب اور پیٹ بھرنے کے لیے طرح طرح کی بے سروپا باتیں اور اسرائیلیات بیان کرتے تھے، ان کی عیاری
اتنی کامیاب رہتی تھی کہ ائمہ عظام بھی ان سے اپنا دامن بچاتے تھے۔ انھوں نے عوام کو ابھار کر بڑے بڑے علماء و محدثین کو تکلیفیں
دی ہیں۔

ان کی حقیقت کی وضاحت علامہ ابن جوزی نے کتاب القصاص والمذکرین میں، عراقی نے الباعث علی الخلاص
من احادیث القصاص میں اور سیوطی نے تحذیر الخواص من احادیث القصاص میں بیان کی ہے۔ ابن جوزی نے
قصے کہانیوں پر اپنی ناپسندیدگی کے اسباب بیان کیے ہیں۔

۱۔ نبوت سے قریبی عہد میں لوگ اتباع نبوی میں کوشاں رہتے تھے، جو چیز انھیں عصر نبوت میں نظر نہیں آتی اور بعد
میں ظاہر ہوتی ۔ ۔ ۔ ان پر وہ نکیر کرتے۔

۲۔ متقدمین کے متعلق عام طور پر قصے کہانیاں شاذونادر ہی صحیح ہوتی ہیں۔

۳۔ قصے کہانی میں لگ جانے سے لوگ قرآن و حدیث پڑھنے، دین میں بصیرت حاصل کرنے سے لاپروا ہو جاتے ہیں۔

۴۔ قرآن و سنت میں جو قصے ہیں وہ نصیحت و موعظت کے لیے کافی ہیں۔

۵۔ قصہ بیان کرنے والوں نے غیر دین کو دین میں داخل کر دیا ہے، جس سے عوام کے اندر فساد پیدا ہو گیا ہے اور ان
کے اصولوں میں کمی آگئی۔

۶۔ اکثر قصہ کہانی بیان کرنے والے صحیح و غلط کی تمیز نہیں کرتے۔

علامہ ابن جوزی کا کہنا ہے۔ انھیں چند وجوہ کی بنا پر قصے کہانیاں بیان کرنا علماء نے ہمیشہ معیوب سمجھا ہے۔

علماء کرام تبلیغ و دعوت کا فریضہ ادا کرتے ہیں، اس ذمہ داری کو نبھانا بڑا کٹھن کام ہے اور بڑی ذمہ داری
ہے، اگر کتاب و سنت کو چھوڑ کر قصے کہانیوں اور غیر ثابت حدیثوں کا سہارا لیں گے تو بدعات و خرافات کو دین میں راہ
ملے گی، اس وقت مقررین جس انداز سے اسٹیج کو زینت بخشتے ہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تقاریر کی احادیث کتنی ہے

وہ عوام کی دینی مزدوریوں کو کتنا ملحوظ رکھتے ہیں اور کتنا اپنی شہرت و ناموری اور جیب و پیٹ کو ملحوظ رکھتے ہیں کس قدر ان کی تقریری بنیاد کتاب و سنت ہوتے ہیں اور کس قدر راگ راگنی قصے کہانیاں وفضائل و رغائب کی واہی حدیثیں معلوم نہیں انھیں تبلیغ کا ثواب ملتا ہے یا تبلیغی اصول کی رعایت نہ کرنے کی بنا پر گناہِ عظیم۔ اللہ مسلمانوں کو اصلاحِ حال کی توفیق دے۔

عربی عبارت کا ترجمہ

علم چار قسم کے لوگوں سے نہ سیکھو ...... ایسے صاحب، عبادت شیخ سے بھی علم نہ سیکھو جو حدیث بیان کرتا ہے لیکن اسے جانتا نہیں۔

میں نے صالحین کو سب سے زیادہ حدیث میں جھوٹا پایا، وہ ہر ایک سے حدیث لکھ لیتے ہیں۔

ہم نے صالحین کو سب سے زیادہ حدیث میں جھوٹا پایا، بلا قصد جھوٹ ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

ایک قوم نے ترغیب و ترہیب میں حدیث وضع کی ہے تاکہ بزعم خود لوگوں کو خیر پر ابھاریں اور برائی سے باز رکھیں یہ شریعت پر دست درازی ہے، ان کے اس کام کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت ناقص ہے، اس کے اتمام کی ضرورت ہے سو ہم نے اس کو پورا کر دیا ہے۔

ایک قوم زہد سے نسبت رکھتی ہے، جہالت کی پیداوار سمجھتی نے انھیں ترغیب و ترہیب میں احادیث وضع کرنے پر آمادہ کیا تاکہ بزعم خویش لوگوں کو بھلائی پر آمادہ کریں اور برائی سے روکیں۔

حدیث گھڑنے والوں کی کئی قسم ہے، سب سے ضرر رساں وہ قوم جس کا زہد سے نسبت ہے، انھوں نے بزعم خویش کار خیر سمجھ کر حدیث گھڑی، ان پر اعتماد کرتے ہوئے، ان کی گھڑی ہوئی حدیثیں قبول کر لی گئیں۔

واضعین حدیث میں تقویٰ شعار لوگ بھی ہیں، یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کرتے ہیں، ترغیب و ترہیب اور فضائل اعمال میں احادیث گھڑتے ہیں تاکہ ان پر عمل کیا جائے۔

بہت سے علماء ترغیب و ترہیب اور وعظ میں افراط کے شیدا ہو گئے، انھوں نے عوام الناس کو اپنے فہم دین کی راہ پر لگا دیا، انھوں نے بے سمجھے کثرت سے حدیث و روایت کو یاد کیا، ان کے مقاصد اور موضوع و محل کو نہیں سمجھا، نہ صحیح اور موضوع کی انھیں تفریق آتی تھی، یوں انھوں نے عوام کو اباحیت کے خرخشے میں ڈال دیا کیوں کہ انھوں نے ترغیب میں موضوع احادیث تک کو بکثرت بیان کیا۔

دوسرے قصہ گو ہیں، وہ عوام کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں، اپنی منکر اور جھوٹی باتوں کی تحسین و آفریں وصول کرتے ہیں۔

مولانا ابوالمکارم محمد علی مئوی اور ان کی تصنیفی خدمات

مولانا محمد مستقیم سلفی

حضرت مولانا ابوالمکارم محمد علی مئوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہندوستان کے ان یادگار زمانہ علمائے اہلحدیث میں ہے جو اپنے علمی کمالات وحسن صورت وسیرت و مجاہدانہ کارناموں سے زمانہ پر چھا گئے۔ آپ کا مولد و منشا مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ ہے۔ سنہ ولادت ۱۲۷۵ھ ہے[1]، والد کا نام مولانا محمد فیض اللہ صاحب متوفی ۱۳۰۶ھ [ ] اساتذہ میں سے ملا حسام الدین صاحب مئوی متوفی ۱۳۰۶ھ/۱۸۹۳ء، مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب غازیپوری متوفی ۱۳۳۷ھ، شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی متوفی ۱۳۲۰ھ وغیرہ ہیں۔

علوم عقلیہ ونقلیہ کے بعد علم طب کی طرف آپ کی توجہ ہوئی جسے مولانا حکیم سید عبدالعزیز صاحب و حکیم سید محمد حفیظ صاحب لکھنوی سے پڑھا اور اس فن میں مہارت تامہ حاصل کی۔ آپ صاحب جائداد تھے، اس لیے زیادہ اپنا وقت دینی خدمات میں گزارتے، قدرت نے آپ کو تصنیف و تالیف کا بڑا پاکیزہ ذوق عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ [ ] حنفی عالم نے نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے پر ایک کتاب لکھی، جس کا جواب آپ نے رجم المحمدیہ سے دیا۔ یہ زمانہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کا تھا۔ نواب صاحب کے ملاحظہ سے جب یہ رسالہ گزرا تو اتنا خوش ہوئے کہ مبلغ ۳۰ روپے ماہانہ آپ کا وظیفہ مقرر فرمادیا۔

آپ ۷ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اپنے آبائی وطن مئو ناتھ بھنجن میں انتقال فرما گئے [انا] للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا ابوالنعمان عبدالرحمن مئوی نے آپ کی وفات کی یہ تاریخ نکالی ہے۔

"صاحب فضل ابوالمکارم"
۱۳۵۲ھ

---

[1] میاں صاحب کے سن ولادت کے سلسلہ میں کئی اقوال ہیں سنہ ۱۲۱۱ھ، سنہ ۱۲۱۳ھ، سنہ ۱۲۲۰ھ، سنہ ۱۲۲۵ھ (الحیاۃ بعد الممات ص ۲۶، عون المعبود ج ۱ [ ]) تراجم علمائے حدیث ہند میں سن ولادت سنہ ۱۳۰ھ ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔

مولانا نے جو گرانقدر تحریری خدمات انجام دیں، ان کا مختصر تعارف ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، ان
ں حدیث و تفسیر کے علاوہ دوسرے مختلف موضوعات سے متعلق صرف انھی کتابوں کا تذکرہ ہے جو میری نظر سے گزر چکی ہیں۔

ب صفحات ۱۰ طبع اول سنہ ۱۳۰۶ھ

۱) **دقائق الاسرار فی رد حقائق الاخبار** مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

اس رسالہ کا پورا نام " القول الماثور فی اثبات احادیث الصدور ملقب بدقائق الاسرار فی رد حقائق الاخبار "
ہے، یہ رسالہ " حقائق الاخبار " مصنفہ مولوی محمد یعقوب الہ آبادی کے جواب میں ہے، مولانا مئوی نے مخالف کے
و اعتراضات کا مدلل جواب دیتے ہوئے حدیث " تحت السرہ " کو ہر اعتبار سے ضعیف الاصل قرار دیا ہے۔ کتاب
نہائی لاجواب ہے۔

صفحات ۳۸ طبع اول سنہ ۱۳۰۶ھ

۲) **لوامع الانوار فی تائید دقائق الاسرار** مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

اس کتاب کو مولانا مئوی نے اپنی کتاب " دقائق الاسرار فی رد حقائق الاخبار " کی تائید میں لکھا ہے
دقائق الاسرار " میں تین احادیث، یعنی حدیث طاؤس، حدیث وائل بن حجر، حدیث ہلب سے یہ ثابت کیا گیا تھا
رنبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہاتھ سینے پر باندھتے تھے، جس کا جواب ایک نامعلوم شخص نے ایک مختصر سی تحریر سے
یا۔ جس کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی۔

صفحات ۱۲ طبع اول سنہ ۱۳۰۶ھ

۳) **مجن المحمدیہ لرد فئوس الحنفیہ** مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

یہ رسالہ مولوی محمد عمر بلند شہری کے رسالہ " فئوس الحنفیہ علی رؤس الوہابیہ " کے جواب میں ہے " فئوس الحنفیہ "
ضع الیدین تحت السرہ کے ثبوت میں لکھی گئی ہے، " مجن المحمدیہ " میں مخالف کے ۱۲ اقوال درج کرنے کے بعد ہر
ے کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔
اس کتاب کا پورا نام " عقد الدرۃ فی تزئیف آثار تحت السرہ ملقب بہ مجن المحمدیہ لرد فئوس الحنفیہ " ہے۔

صفحات ۶۰ طبع اول سنہ ۱۳۰۶ھ

۴) **فراسۃ المومنین فی رد ہدایۃ المنکرین** مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

ایک کتاب بنام "رسالۃ ہدایۃ المنکرین فی مولد ختم المرسلین" ہے جس میں مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ جیسے خدا اول و آخر، ظاہر و باطن وغیرہ ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ اس کتاب میں ان سب کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عمدہ پیرایہ میں دیا گیا ہے۔

(۵) الاجوبۃ الفاخرۃ الفاضلۃ فی رد الرسائل العشرۃ الکاملۃ

صفحات ۸۸ طبع اول ۱۳۰۶ھ مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

مولوی شیخ احمد بن شیخ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے بعض مریدوں نے تصوف کے سلسلے میں دس چھوٹے چھوٹے رسالے (۱) شہرۂ آفاق (۲) میخانۂ عشق (۳) گنجینۂ رفعت (۴) فیض رحمانی (۵) نشۂ عرفان (۶) نسخۂ حکمت (۷) حسن معاملہ (۸) نور احمدی (۹) اسرار محبت (۱۰) نظر مرشد لکھے، جن میں اکثر باتیں کتاب و سنت اور اقوال سلف کے خلاف تھیں جیسے استعانت بغیر اللہ، شرائع سابقہ میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا، علم باطن، استعانت بالرسول، بوقت مشکل یا رسول اللہ کہنا، فاتحہ خوانی، تصور شیخ، موضوع احادیث سے استدلال، کرامات صوفیاء متصوفین کی حقیقت وغیرہ۔

یہ کتاب انھیں رسائل کے جواب پر مشتمل ہے، اس میں ان تمام خرافات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، کتاب انتہائی لاجواب اور قابل دید ہے۔

(۶) تدقیق الاصفیاء فی جواب تحقیق الاذکیاء

صفحات ۲۲ طبع اول ۱۳۰۸ھ مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

اس رسالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ قربانی کا چمڑا مالداروں کو دینا یا بیچ کر خود استعمال میں لانا یا مساجد میں صرف کرنا درست نہیں۔

(۷) الرسالۃ العادلۃ فی رد المقالۃ الکاملۃ

موجودہ صفحات ۳۲ (ناقص) تصنیف جمادی الاخریٰ ۱۳۰۹ھ قلمی زبان اردو

یہ کتاب شوق نیموی کے رسالہ "المقالۃ الکاملہ" کے جواب میں ہے جس کو شوق نیموی نے "الاجوبۃ الفاخرۃ الفاضلۃ" کے جواب میں لکھا تھا۔ یہ کتاب بہت ہی اچھی ہے، شوق نیموی کے تمام اعتراضات کا دندان شکن جواب

دیا گیا ہے۔

صفحات ۱۶ طبع اول ۱۳۱۰ھ

(۸) عمدۃ التحقیق فی اثبات الضحایا الی آخر ایام التشریق مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

یہ رسالہ مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی کے اس اشتہار کی تردید میں ہے جس میں مولانا نے قربانی کرنا آخر ذی الحجہ تک جائز بتایا ہے اور حدیث "فی کل ایام التشریق ذبح" کو غیر محفوظ و منقطع و مضطرب ثابت کیا ہے، اس رسالہ کے اخیر میں ان کا اشتہار بھی منضم ہے۔

(۹) شاہ امانت اللہ فصیحی غازیپوری کے خط غیر مطبوع پر بحث

صفحات ۸ طبع اول ۱۳۱۳ھ مطبع نول کشور لکھنؤ زبان اردو

باہمی اتحاد و اتفاق کے لیے ندوۃ العلماء لکھنؤ کا قیام عمل میں آیا، اس کے اراکین مختلف مکتبۂ فکر کے لوگ تھے، ان میں ایک اہل حدیث عالم مولانا ابو محمد ابراہیم آروی بھی تھے۔ اس ندوۃ العلماء کا دوسرا اجلاس عام شوال ۱۳۱۲ھ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے مابعد آپ کے بارے میں ایک غلط خط چھاپ کر امانت اللہ فصیحی نے یہ مشہور کر دیا کہ ابو محمد ابراہیم آروی نے اہلحدیثیت سے تائب ہو کر حنفیت قبول کر لی ہے۔ یہ رسالہ اسی کے جواب پر مشتمل ہے۔

صفحات ۵۰ طبع اول ۱۳۱۳ھ

(۱۰) القول المحلی بکل زین فی تائید مسئلہ رفع الیدین مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

یہ کتاب مولانا ظہیر احسن شوق نیموی کے رسالہ "جلاء العین فی رفع الیدین" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ شوق نیموی صاحب نے اس رسالہ میں رفع الیدین کی تمام احادیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نسخ کی سب سے بڑی دلیل یہ بتائی ہے کہ خلفاء اربعہ سے رفع الیدین کرنا ثابت نہیں ہے۔ مولانا مئوی نے اپنی اس کتاب میں منسوخیت کے تمام دلائل کو باطل کرتے ہوئے حضرت ابوبکر و عمر اور علی سے رفع الیدین کرنا ثابت کر دیا ہے۔

صفحات ۲۸ طبع اول ۱۳۱۴ھ

(۱۱) التعقب الحسن علی المولوی ظہیر احسن مطبع مجتبائی لکھنؤ زبان عربی۔

یہ کتاب مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے رسالہ "تبیان التحقیق فیما یتعلق بالتعلیق" (جو آثار السنن کی کتاب التعلیق ہے)

کے جواب پر مشتمل ہے، شوق نیموی صاحب نے پانچ قسم کی احادیث پر بحث کی ہے۔ (۱) وضع الایدی علی الصدور (۲،۳) قرأۃ خلف الامام کی دو روایتیں۔ (۴) آمین بالجہر (۵) رفع الیدین۔
مولانا ابوالمکارم صاحب نے اپنی اس کتاب میں شوق نیموی کے استدلال وتاویلات کا ایسا قلع قمع کیا ہے جو قابل دید ہے۔

(۱۲) الکوکب الدری فی رد الصلوۃ المشہورۃ بالقضاء العمری

صفحات ۳۲ طبع اول ۱۳۱۴ھ مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

یہ رسالہ اس تحریر کا جواب ہے جسے ایک نامعلوم شخص نے "نماز قضاء عمری" کے ثبوت میں لکھا تھا۔ اس رسالہ (الکوکب الدری) میں "نماز قضاء عمری" کا باطل وبے اصل ہونا بطریق احادیث رسول ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے اخیر میں ایک ورق ضمیمہ بھی ہے، جس میں علمائے احناف سے پانچ سوالات کے جواب طلب کیے گئے ہیں، اس کی طبع تاریخ میں یہ اشعار کہے گئے ہیں۔

منھ توڑ دیا عدو کا کیسا واللہ لکھا جواب کیا خوب
یوسف کو ہوئی جو فکر جاں سے تاریخ لکھی "جواب مرغوب"
۱۳ ۱۴ھ

(۱۳) الجواب الاحسن عن الکلام المستحسن

صفحات ۱۸ طبع اول ۱۳۱۵ھ مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

مولوی ظہیر احسن شوق نیموی نے "التعقب الحسن" کے جواب میں "الکلام المستحسن" لکھا، اس کے جواب "الجواب" میں مولانا ابوالمکارم نے یہ کتاب لکھی اور بعنوان قال، اقول ایسا مدلل جواب دیا کہ شوق نیموی کو دوبارہ قلم اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

(۱۴) مطلع القمرین فی تائید مسئلہ رفع الیدین

صفحات ۶۶ طبع اول ۱۳۱۵ھ مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

یہ کتاب مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے رسالہ "المجلی" (بالجیم) کے جواب میں ہے شوق نیموی نے اس کو "القول المحلی" کے جواب میں لکھا ہے۔ مولانا ابوالمکارم صاحب نے اس کتاب میں شوق نیموی کے ان تمام جوابات کا

جواب دیا ہے جو رفع یدین کے سلسلہ میں انھوں نے لکھا تھا، یہ کتاب معلومات سے پُر ہے اور قابلِ دید ہے۔

صفحات ۴۰　طبع اول ۱۳۱۵ھ

(۱۵) **المذہب المختار فی الرد علی جامع الآثار** مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

مولوی ظہیر احسن شوق نیموی نے دیہات میں جمعہ نہ پڑھنے کی بابت ایک رسالہ مسمی "جامع الآثار فی اختصاص الجمعۃ بالامصار" تالیف کیا اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ "قریہ محل اقامت جمعہ نہیں ہے" اور اس کے ثبوت میں آٹھ دلیلیں پیش کیں، ان تمام کا جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے

صفحات ۲۰　طبع اول ۱۳۱۸ھ

(۱۶) **ہدایۃ الوری الی اقامۃ الجمعۃ فی القری** مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو۔

یہ کتاب مولانا رشید احمد گنگوہی کے رسالہ "اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القری" کے جواب میں ہے، اس رسالہ کے اکثر مباحث کا جواب مولانا مئوی کی کتاب "المذہب المختار" میں ہو چکا تھا۔ اس لیے ہدایۃ الوری میں صرف انھیں مباحث کے جواب پر اکتفا کیا گیا ہے جن کا جواب نہیں ہوا تھا۔ اور گزرے ہوئے مباحث کا صرف حوالہ سے کام لیا گیا ہے۔

صفحات ۲۰　طبع اول ۱۳۱۹ھ

(۱۷) **الجواب السدید عن مقالات اہل التقلید** مطبع سعید المطابع بنارس زبان اردو

یہ رسالہ مقلدین کی ان تحریروں کا جواب ہے جن میں اہلحدیثوں کو فرقہ ضالہ قرار دیا گیا ہے اور میاں جی بھولن وغیرہ کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔

صفحات ۶　تصنیف شعبان ۱۳۲۰ھ

(۱۸) **الرد المجیر علی المولوی عبد البر**　قلمی　زبان عربی۔

یہ رسالہ مولانا عبد اللہ صاحب پٹنوی کے ایک رسالہ کے جواب میں ہے جس میں مولانا پٹنوی نے بذریعہ احادیث "رفع الیدین" اور "آمین بالجہر" کی فرضیت و وجوب کو ثابت کیا ہے۔ مولانا مئوی نے اپنے اس رسالہ میں ان کے تمام استدلال کا جواب دیتے ہوئے یہ ثابت کر دیا ہے کہ "رفع الیدین" اور "آمین بالجہر" صرف سنت ہے۔

صفحات ۱۶، طبع اول سنہ ۱۹۰۶ء

(۱۹) عمدۃ القانون فی الرد علی خیر الماعون مطبع کنول لال لکھنؤ زبان اردو۔

یہ رسالہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری کی کتاب "خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون" کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اس میں مولانا مئوی نے یہ ثابت کیا ہے کہ "اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه" میں "ارض" سے مراد بستی نہیں بلکہ ملک ہے۔ لہذا طاعون والے ملک میں جانے سے ممانعت ہے نہ کہ بستی میں۔

صفحات ۱۶ طبع اول سنہ ۱۹۲۰ء

(۲۰) التحقیق الحسن فی اثبات القمیص فی الکفن مطبع شمس المطابع لکھنؤ زبان اردو

یہ رسالہ کفن میں کرتا دینے اور سلا ہوا آستین دار کلی دار کپڑا دینے کے اثبات میں ہے اور جو لوگ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں ان کا مفصل جواب بھی ہے۔

صفحات ۸ طبع اول اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء

(۲۱) زینۃ الجیش بخلافۃ القریش۔ مطبع شمس المطابع لکھنؤ زبان اردو

مسئلہ خلافت کے متعلق ایک تحریر مولانا ابوالحسنات صاحب ندوی کی شائع ہوئی جس میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امامت ائمہ کے لیے خاص نہیں ہے اور حدیث الائمۃ من قریش، الملک فی قریش، وغیرہ صحیح نہیں ہیں اور ان سے کسی طرح بھی استدلال کرنا درست نہیں، یہ کتاب اسی کے جواب میں ہے۔

صفحات ۸ طبع اول سنہ ۱۹۲۵ء مطبع شمس المطابع

(۲۲) البحث القوی عن سیرۃ النبی لکھنؤ، زبان اردو

یہ رسالہ مولانا شبلی نعمانی کی کتاب "سیرۃ النبی جلد اول" کی ان احادیث کے جواب پر مشتمل ہے جن پر انھوں نے رد وکد کی ہے اور بعض موضوع روایت کو حدیث رسول ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے بحیرہ راہب والی حدیث کی تغلیط اور "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی کی تصحیح وغیرہ وغیرہ۔"

صفحات ۱۶ طبع اول سنہ ۱۹۲۵ء

(۲۳) الخیر الکثیر فی انکاح الصغیرۃ والصغیر۔ مطبع شمس المطابع لکھنؤ زبان اردو

یہ رسالہ اس کتاب کے جواب میں ہے جس کو ایک نامعلوم شخص نے نکاح نابالغی کے عدم جواز میں تحریر کیا تھا۔

صفحات ۲۴ طبع اول ۱۹۲۵ء

(۲۴) اظہار[1] الوزر الذی صدر عن مولف کشف الستر مطبع سلیمانی پریس بنارس زبان اردو

اس رسالہ میں مولوی عبدالغفار صاحب عراقی کے رسالہ "کشف الستر عن جلستی الوتر" (جس میں مولف نے اپنے زعم میں احادیث و آثار سے تین رکعت والی وتر میں دو قعدوں کا ثبوت دیا تھا۔) کا خوب خوب جواب دیا گیا ہے اور ان کے استدلال کا تار و پود بکھر دیا گیا ہے اور احادیث سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تین رکعت والی وتر میں صرف ایک ہی پچھلا قعدہ ہے اور بس۔

صفحات ۸ طبع اول نومبر ۱۹۲۶ء

(۲۵) تقریرات محققانہ بجواب سوالات دہ گانہ مطبع ہمدم برقی پریس لکھنؤ زبان اردو

مئو ناتھ بھنجن میں ایک پارٹی "اہل خلافت" کے نام سے قائم ہوئی اور ان کے کچھ افعال شریعت کے خلاف تھے مثلاً ایک عورت مسلمان ہوگئی اس کو کافر بنانے میں بھرپور کوشش کی گئی، بعض افراد کے پاس ولایتی کپڑے تھے اس میں آگ لگا دی گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔ کچھ حق گو حضرات نے ان کے دس غلط کاموں کی نشاندہی کر کے صاحب کتاب سے فتویٰ طلب کیا۔ انہی کے جواب پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

صفحات ۱۶ طبع اول ۱۹۲۹ء

(۲۶) الجواب[2] الاسنی عن مسئلۃ المصافحۃ بالید الیمنی مطبع شمس المطابع لکھنؤ اردو

اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عند الملاقات مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا سنت ہے اور جن احادیث سے

---

[1] اس کتاب کے سرورق پر ابوالبیان مئوی لکھا ہوا ہے، لیکن اس نام کا کوئی عالم مئو میں نہیں پایا جاتا ہے اور مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی کے کتب خانہ والے نسخہ میں ابوالبیان کاٹ کر ابوالمکارم لکھا ہوا ہے، اس لیے اس کتاب کو میں انہیں کی جانب منسوب کرتا ہوں۔ (مؤلف)

[2] اس کتاب کے اخیر میں چار چار صفحات پر مشتمل دو رسالے (۱) المباحث العلیہ المتعلقہ بالابحاث السنیہ (۲) اقامۃ الدلائل علی سماع علقمۃ عن ابیہ وائل ملحق ہیں۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا استدلال کیا جاتا ہے، یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

صفحات ۶ طبع اول ۱۹۲۹ء

(۲۷) المباحث العلیہ المتعلقہ بالابحاث السنیہ مطبع شمس المطابع لکھنؤ، زبان اردو

قربانی کے سلسلے میں بعض مفید مسئلے "الابحاث السنیہ" میں کسی وجہ سے شائع نہیں کیے جا سکے تھے، بعد میں ان کو ایک الگ رسالے کی شکل دے کر "المباحث العلیہ" کے نام سے شائع کر دیا گیا۔

صفحات ۶ طبع اول ۱۹۲۹ء

(۲۸) اقامۃ الدلائل علی سماع علقمۃ عن ابیہ وائل مطبع شمس المطابع لکھنؤ زبان اردو

یہ مختصر رسالہ فن رجال کی ایک مشہور اختلافی بحث کہ "علقمہ کا اپنے باپ سے سماع صحیح ہے یا نہیں؟" پر لکھا گیا ہے اور بالدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ سماع صحیح ہے۔

صفحات ۸ طبع اول ۱۹۳۰ء

(۲۹) الجواب الاصوب عن مسئلۃ الخطبۃ بغیر لسان العرب شمس المطابع اردو

اس رسالہ میں مولف نے اپنی رائے و قیاس و استدلال حنفیہ و کتب فقہ حنفیہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خطبہ جمعہ مثل نماز کے ہے جیسے اردو زبان میں نماز نہیں ہوتی، اسی طرح غیر عربی زبان میں خطبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

(انتہائی بوسیدہ)

(۳۰) بیاض بتائید الجواب الاصوب قلمی۔ زبان اردو

یہ رسالہ "الجواب الاصوب عن مسئلۃ الخطبۃ بغیر لسان العرب" کی تائید میں قلم بند کیا گیا ہے۔

صفحات ۳۲

(۳۱) الابحاث السنیہ عن المقالۃ المرضیۃ مطبع شمس المطابع لکھنؤ زبان اردو

ضلع پٹنہ کے مولوی عبدالرب صاحب نے اپنے رسالہ "المقالۃ المرضیۃ" میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ بکرے کی قربانی میں صاحب خانہ اور اس کے گھر کے تمام لوگ اگرچہ تعداد میں ایک سو ہوں، شریک ہو سکتے ہیں۔ اسی دعویٰ کے رد میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایک بکرے کی قربانی صرف ایک ہی شخص کی طرف

سے درست ہے اور اس کے خلاف صحیح نہیں۔

(۳۲) کشف الخطار عن مسئلۃ البناء — مطبع شمس المطابع لکھنؤ، زبان اردو، صفحات ۱۶

یہ رسالہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کی اس تحریر کے جواب پر مشتمل ہے، جس میں مسئلہ بنا رعائشہ کے متعلق لکھا ہے کہ بنا سے مراد ملاپ وہمبستری نہیں ہے بلکہ اس سے مراد صرف رخصتی ہے۔

(۳۳) طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد — زبان اردو۔ صفحات ۵۵، ۱۲، ۱۲، قلمی

مذکورہ موضوع پر مولانا کے تین بیاض ملے ایک ۵۵، دوسرا ۱۲، اور تیسرا بھی ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے ان بیاضوں میں ان تمام مضامین کو اکٹھا کر دیا گیا ہے جو پرچہ "شحنہ ہند" میرٹھ سنہ ۱۹۱۳ء کے ضمیموں میں علمائے اہلحدیث و بعض علمائے احناف کے مابین بصورت مناظرہ و مناقشہ شائع ہوا تھا، یہ بیاض معلومات سے پُر ہیں اور قابلِ دید ہیں۔

(۳۴) بشارۃ الوری الی اقامۃ الجمعۃ فی القری — قلمی، زبان اردو، موجودہ صفحات ۴۷ (ناقص)

یہ کتاب رسالہ "مقوی الذری لمن تمسک باوثق العری" مصنفہ مولوی عبدالغفار عراقی مدرس نوانگر ضلع بلیہ کے جواب پر مشتمل ہے۔ مولوی عبدالغفار نے اپنی اس کتاب کو "اوثق العری" کی تائید میں لکھا ہے اور نماز جمعہ کی فرضیت کو قبل الہجرہ ثابت کرنے پر پوری قوت صرف کر دی ہے۔ مولانا مئوی نے خوب اچھی طرح ان کا پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ یہ کتاب قابلِ دید ہے۔

(۳۵) بیاض بتائید التحقیق المختار[1] — قلمی، زبان اردو، موجودہ صفحات ۱۴ (ناقص الطرفین)

یہ رسالہ "عمدۃ القانون" کی تائید میں لکھا گیا ہے، اس میں مقام "سرغ" اور حضرت عمرؓ کا مقام پر رُجوع"

---

[1] اس رسالہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر مولانا کی کوئی تالیف "التحقیق المختار" بھی ہے انتہائی تلاش وجستجو کے باوجود بھی یہ رسالہ مجھے دستیاب نہ ہو سکا۔

سے لشکر واپس کرنے کے سبب پر اچھی خاصی روشنی ڈالی گئی ہے۔

موجودہ صفحات ۵۰ (ناقص)

(۳۶) الرد المجتبیٰ علیٰ من احل فی الہند مسئلۃ الربیٰ

زبان اردو

یہ کتاب مولوی محمد حسن پنجابی کے رسالہ "روض الربیٰ فی حقیقۃ الربوا" کے جواب پر مشتمل ہے اس رسالہ میں پنجابی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ "ہندوستان میں مسلمانوں کو غیر مسلموں سے سود لینا جائز ہے کیونکہ ہندوستان دار الحرب ہے" مولانا مئوی نے اس کتاب میں قرآن وحدیث و اقوال سلف صالحین سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پنجابی صاحب کا یہ دعویٰ غلط اور باطل ہے۔

موجودہ صفحات ۵۶ (ناقص)

(۳۷) الجواب السدید عما اور د فی اوشحۃ الجید

قلمی زبان اردو

مولوی ظہیر احسن شوق نیموی نے ایک رسالہ المسمیٰ "اوشحۃ الجید" لکھا جس میں تقلید ائمہ کو فرض وواجب ثابت کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ کی سوانح عمری لکھا۔ یہ کتاب (الجواب السدید) اسی کا جواب ہے اس میں تقلید کی تردید اور حرمت تقلید پر اچھی خاصی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ناقص، قلمی، زبان اردو

(۳۸) سفینۃ ابوالمکارم

اس کتاب میں مولانا نے اپنے اساتذہ کرام اور چند دیگر علماء جیسے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی (۱۲۲۰ھ - ۱۳۲۰ھ) حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری (۱۲۶۰ - ۱۳۳۷ھ) مولانا شمس الحق محدث عظیم آبادی (۱۲۷۳ - ۱۳۲۹ھ) مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ - ۱۳۰۴ھ) کے فتاوے جمع کیے ہیں۔ یہ بہت کار آمد ذخیرہ ہے

کل صفحات ۱۶ طبع اول ۱۹۱۲ء

(۳۸) الروض الازہر فی منافع الدہن الاحمر

مطبع دلگداز پریس لکھنؤ۔ زبان اردو

اس رسالہ میں صاحب کتاب نے اپنی سوانح عمری پر روشنی ڈالتے ہوئے روغن احمر تیل کے فوائد کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔۔ (نوٹ) مولانا کی چند اور کتابیں ہیں جو مجھے دستیاب نہ ہو سکیں، جیسے (۱) احسن المرام فی رد فوائد الکلام افادات الخلفاء فی الکذابین والضعفاء (۳) نظم اللآلی فی احیاء الیالی وغیرہ (حوالہ نجمن الحمدیہ وغیرہ) ●●●

افادات وتحقیقات : مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ مرحوم
ترتیب وگذارشات : عبدالوہاب حجازی ۔ ادارۃ البحوث جامعہ سلفیہ

مسلک حق کی حمایت وحمیّت اور اس کے وسائل وذرائع

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری مکمل دین ہے ۔ جسے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی جلی وخفی نازل فرمایا ۔ جسے ہم کتاب وسنت سے تعبیر کرتے ہیں ۔ گذشتہ ادوار میں بہت سے انبیاء پر جیسے حضرت اسمٰعیل ۔ اسحٰق ۔ یونس ۔ ہود ۔ صالح اور لوط وغیرہ علیہم السلام صرف حدیث وسنت ہی نازل ہوتی تھی یہی ان کی شریعت اور یہی ان کا دین تھا ۔ لیکن خاتم النبیین پر کتاب اور سنت دونوں نازل ہوئیں ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح و النبیین من بعدہ واوحینا الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلیمان واٰتینا داؤد زبورا

ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے نوحؑ اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کی طرف کی اور ہم نے حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاق، یعقوب ان کی اولاد اور حضرت عیسیٰؑ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور مرحمت فرمائی ۔

اس آیت میں دونوں طرح کے انبیاء ہیں یعنی جن پر کتاب وسنت دونوں نازل ہوئیں یا صرف سنت نازل ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وحی کو دونوں طرح کے انبیاء کے مثل بنایا ۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پر کتاب اور سنت دونوں بذریعہ وحی نازل کی گئیں ۔

اسلام کتاب و سنت کے مجموعہ کا نام ہے، دونوں ایک ماخذ ہیں بحث و استدلال اور عمل میں ان دونوں میں تفریق ناجائز اور حرام ہے۔ عبادات، اخلاق، عقائد، معاملات، معاشیات، سیاسیات اور بین اقوامی مسائل میں اکثر و بیشتر سنت نبی کے ذریعہ نوع انسانی کی قیامت تک وضعی قوانین کے مقابلہ میں سچی رہنمائی کی ضمانت اسلام دیتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وحی و نبوت کی زبان میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ترکت فیکما امرین لن تضلوا ما ان تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (مالک۔ حاکم بلاغا وموصولا بسند حسن) میں نے تم میں دو اساس چھوڑے ہیں جن کے تمسک سے تم گمراہ نہیں ہوسکتے یعنی کتاب اللہ اور میری سنت اور یہ دونوں قیامت تک جدا نہیں ہوسکتے۔

تحریک اہلحدیث نے دور نبوت سے کر آج تک ہر مقام اور ہر موڑ پر اسلام کے اس مجموعہ پر عمل کی دعوت دی ہے اور بے شمار داخلی اور خارجی گمراہ نظریات کے مقابلہ میں اسلام کی ٹھیٹھ اور سادہ تعلیمات اور اصول وضوابط کو اسلامی ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ اس بنیاد پر بجا طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عقل و تفلسف کے گورکھ دھندوں میں دین اسلام کی سادگی جس حد تک محفوظ ہے وہ اللہ کی ضمانت کے بعد تحریک اہلحدیث کی صداقت وخلوص کا ثمرہ ہے زبان نبوت نے اس کی ضمانت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خذلهم حتی یأتی امر الله وهم کذالك ۔	میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہے گا۔ ان کے بدخواہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہونچا سکیں گے، قیامت تک یہ گروہ اسی حال پہ باقی رہے گا۔
قال احمد ان لم یکونوا اهل الحدیث فلا ادری من هم ــ حاکم معرفة علوم الحدیث	امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا اگر یہ اہل حدیث کا گروہ نہیں ہے تو میں نہیں جانتا کہ پھر کون سا گروہ ہوسکتا ہے۔ حاکم معرفۃ علوم الحدیث۔
قال الترمذی سمعت البخاری یقول سمعت علی ابن المدینی یقول: هم اصحاب الحدیث۔ فتح ۱۳ / ۲۹۲ ۔	امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے کہتے ہوئے سنا کہ: علی بن مدینی کہتے تھے کہ وہ گروہ اہلحدیث کا ہے۔

نیز ارشاد ہے۔

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين وتاويل الجاهلين -	خلف میں ثقہ لوگ علم دین کے وارث ہوں گے جو غدر لپسندوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور ناوانوں کی تاویل سے علم دین کو پاک وصاف رکھیں گے ۔

- مشکوٰۃ بحوالہ المدخل للبیہقی ---

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے ہر دور میں تحریک اہلحدیث نے اسلام کے مجموعۂ کتاب وسنت کی دعوت جس سادگی اور اعتدال کے ساتھ دی ہے وہ " اسلام کا سچا نمائندہ " کا تاریخی مقام عطا کرتا ہے، اعتقاد وعمل اور محبت وبغض میں افراط وتفریط کے موقعہ پر اعتدال کی روش اپنانا تحریک اہلحدیث کا تاریخی موقف ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ۔

انزل الكتاب بالحق والميزان ۔ اس نے کتاب نازل کی حق اور میزان کے ساتھ ۔

کے مطابق میزان عدل واعتدال بجا طور پر تحریک اہلحدیث کے ہاتھ میں رہا ہے ۔

یہاں اسلامی تاریخ کے ان معروف فرقوں سے متعلق ایک جائزہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جنہوں نے کتاب وسنت کے مجموعی اسلام کی دعوت اور عمل سے کسی نہ کسی پہلو سے انحراف کیا جس کے نتیجے میں امت محمدیہ نے انہیں گمراہ قرار دیا اور وہ اپنی افادی حیثیت کھو کر پردۂ عدم میں غائب ہو گئے ۔

۱ ۔ خوارج نے ۴۰ھ میں فضائل اہل بیت سے متعلق احادیث کا انکار کیا ۔

۲ ۔ شیعہ نے " فضائل صحابہ " " " "

۳ ۔ معتزلہ اور جہمیہ نے احادیث صفات الٰہی " "

۴ ۔ قاضی عیسیٰ بن ابان اور ان کے اتباع نے ۲۲۱ھ غیر فقیہ صحابہ سے مروی احادیث "

۵ ۔ معتزلہ اور متکلمین کے ساتھ متاخرین فقہاء کی ایک مختصر سی جماعت نے ۴۰۰ھ کے بعد } اصول وفروع دونوں میں خبر واحد سے اختلاف کیا ۔

۶ ۔ متاخرین فقہاء سے قاضی ابوزید دبوسی وغیرہ ۔ غیر فقیہ صحابہ سے مروی احادیث کا انکار کرتے ہیں ۔

۷ ۔ یورپین تہذیب سے مرعوب گروہ مولوی چراغ علی سرسید احمد خاں وغیرہ } ۱۳۰۰ھ کے قریب یہ حضرات فن سے ناواقف تھے ان کی تحقیق میں احادیث تاریخ کا ذخیرہ ہیں جو ان کی نیچر کے موافق ہو قبول کرلیا اور جو مخالف ہو ترک کر دیا ۔

۸ ۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی ماسٹر محمد رمضان گوجرانوالہ } احادیث کا بالکلیہ انکار

مولوی حشمت علی لاہوری مولوی رفیع الدین ملتانی)	۱۳۰۰ھ کے بعد
۹۔ مولوی احمد دین صاحب امرتسری، مسٹر غلام احمد پرویز، یہ حضرات سرسید سے متاثر ہیں لیکن جاہل اور غیر محتاط	ان کے نزدیک قرآن وحدیث اور پورا دین ایک کھیل ہے یا زیادہ سے زیادہ ایک سیاسی نظریہ جسے ہر وقت ہمیں بدلنے کا حق حاصل ہے ۱۴۰۰ھ مولوی احمد دین بعض متواتر اعمال کو مستثنیٰ سمجھتے تھے ۔
۱۰۔ مولانا شبلی مرحوم، مولانا حمید الدین فراہی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی اور عام فرزندان ندوہ باستثنائے حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ ۔	یہ حضرات حدیث کے منکر نہیں لیکن ان کے انداز فکر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار معلوم ہوتا ہے اور طریقہ گفتگو ۱۴۰۰ھ سے انکار کے لئے چور دروازے کھل سکتے ہیں ۔

یہ جدول میرے ذاتی مطالعہ کا نتیجہ ہے ۔ مجھے اس کے کسی حصہ پر اصرار نہیں ہے ۔ ممنون ہوں گا اگر مجھے میری لغزش سے آگاہ کیا جائے ۔ میرے خیال میں تحریک انکار حدیث تدریجی ارتقاء سے اس مقام تک پہونچی ہے ۔ (حجیت حدیث از شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ صـ ۱۱۴)

تحریک اہلحدیث چونکہ پورے اسلام کی خدمت پورے اسلام کے ذریعہ یعنی مجموعۂ کتاب وسنت سے کرتی ہے اس لئے مذکورہ فرقوں، فتنوں اور دیگر غلط نظریات کا کامیاب مقابلہ کر کے ہر دور میں زندہ رہی اور آئندہ ضمانت خداوندی کے ساتھ زندہ رہے گی ۔

تحریک اہلحدیث ہندوستان میں

ہندوستان کے جنوبی خطہ میں تاجرانہ اور مغربی خطہ میں فاتحانہ داخل ہونے والے اولین مسلمانوں کے گروہ اہلحدیث تھے ۔ فتح سندھ ۹۳ھ سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے اخیر تک سندھ اور اس کے اہم مراکز منصورہ ۔ دیبل ۔ قصدار وغیرہ تحریک اہلحدیث کے مراکز تھے ۔ عرب سیاح ابوالقاسم مقدسی نے ۳۷۵ھ میں سندھ کی سیاحت کی تھی وہاں کی دینی حالت یوں بیان کرتا ہے — ان مذاهبهم : اکثرهم اصحاب الحديث ۔ باشندگان سندھ میں اکثریت کا مسلک عمل بالحدیث ہے ۔ (احسن التقاسیم)

چوتھی صدی ہجری کے اخیر میں باطنی اسماعیلی فرقہ کا فتنہ رونما ہوا جس سے خطۂ سندھ میں تحریک کو شدید نقصان پہونچا ۴۱۶ھ تک محمود غزنوی کے حملہ سے اس فرقہ کا استیصال ہوا، لیکن محمود کے ساتھ آیا ہوا لشکر زیادہ

تر احناف پر مشتمل تھا۔ تقلید اور عقلی علوم کا رواج اتنا عام ہو چکا تھا کہ علماء علوم کتاب و سنت کو چھوڑ کر علوم فقہ اور علوم یونان کے رسیا ہو چکے تھے محمود سے لیکر غوری اور دیگر شاہان دہلی کے دور تک ان علوم کا سحر بادشاہ، علماء اور رعیت پر چھایا ہوا تھا۔ ۶۵۶ھ میں زوال خلافت بغداد کے بعد عراق، شام، ماوراء النہر اور خراسان کے علماء نے ہندوستان کا رخ کیا تو وہ بھی اپنے ساتھ تقلید و جمود اور یونانی علوم کی بیماری لے کر آئے جو نویں صدی ہجری تک ہندوستانی مسلمانوں کے اعصاب پر مسلط رہی۔ اس دور میں سنت رسول سے لگاؤ کی حد یہ تھی کہ صنعانی لاہوری کی مشارق الانوار اور ربع مشکوٰۃ بطور تبرک اسلامی مدارس کے نصاب میں شامل کرکے پڑھائی جاتی تھیں پھر بھی تاریخ کا یہ طویل وقفہ تحریک اہلحدیث کے علمبرداروں سے یکسر خالی نہ تھا۔ شیخ اسماعیل لاہوری (۴۴۸ھ) شیخ رضی الدین حسن بن محمد صنعانی (۶۵۰ھ) شیخ نظام الدین بدایونی (۷۲۵ھ) وغیرہ جمود کی اس تاریکی میں بھی سنت کا چراغ جلائے ہوئے تھے۔

دولت مظفریہ گجرات اور دولت بہمنیہ دکن کے زیر سایہ نویں صدی ہجری سے تحریک اہلحدیث کی تجدید ہوئی اس دور میں مصر و حجاز میں ابن حجر عسقلانی، محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی، زین الدین زکریا انصاری اور ابن حجر ہیثمی کے سبب تحریک اہلحدیث بہت مضبوط تھی۔ ان دونوں سلطنتوں کی سنت نوازی کے سبب مصر و حجاز اور ایران کے علماء نے کثرت سے گجرات دکن کا رخ کیا۔ مذکورہ بالا محدثین کے تلامذہ نے گجرات اور دکن کے مختلف مرکزی مقامات پر سنت کی شمع جلائی۔ سخاوی کے تلامذہ میں سید رفیع الدین شیرازی اکبرآبادی (۹۵۴ھ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے پہلے دہلی اور اس کے مضافات میں سنت کی شمع روشن کی۔ شیخ علی متقی صاحب کنز العمال اور ان کے تلامذہ علامہ محمد بن طاہر فتنی گجراتی (۹۸۱ھ) صاحب مجمع بحار الانوار وغیرہ اسی دور کے اساطین تحریک اہلحدیث ہیں۔

آخری دور میں مذکورہ بالا دونوں سلطنتوں کے زوال اور سلطنت دہلی سے ان کے انضمام کے بعد تحریک اہلحدیث دہلی منتقل ہوگئی۔ جہاں سے سنت کی شعاعیں سارے ہندوستان میں پھیلنا شروع ہوئیں لیکن بدقسمتی سے ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں یہ سب سے تاریک اور ضلالت کبریٰ کا دور تھا مغل فرمانروا جلال الدین اکبر نے دین اسلام کے مقابلہ میں علماء سوء کے تعاون سے دین الٰہی ایجاد کیا جس سے اسلامی شعائر و تعلیمات کو بجبر ختم کیا جانے لگا پہلے ہی سے علماء کے سنت سے اعراض اور علوم یونان سے شغف اور تقلید و جمود کے سبب بدعت و خرافات تشیع

وتصوف نے مسلمانوں میں رواج عام حاصل کر لیا تھا، اس لئے اکبری فتنہ کے جواب کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کے معاشرہ میں کوئی جان بھی باقی نہ تھی۔ اللہ نے اپنے خاص کرم سے اس دور میں شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو پیدا فرما کر کتاب وسنت کے مجموعی اسلام سے تمسک کے دور کا افتتاح نئے سرے سے فرمایا، ان دونوں اساطین کی اولاد واحفاد اور تلامذہ نے گیارہویں صدی ہجری کے نصف تک اکبری فتنہ اور مسلمانوں میں صدیوں سے راسخ خرابیوں کا مقابلہ اور اصلاح کی۔

بارہویں صدی ہجری میں مغل سلطنت آخری سانس لے رہی تھی، شاہی خاندان رفض وتشیع کے ساتھ ہندوانہ رسم ورواج کا خوگر تھا۔ عام مسلمان زندقت اور الحاد پرست تصوف اور بدعات وخرافات کے رسیا تھے۔ مجدد سرہندی اور شیخ عبدالحق کے دعوتی آثار محو ہو رہے تھے۔ عالمگیر جیسا شریعت پسند بادشاہ فتاوی عالمگیری سے زیادہ بڑا کوئی دینی کارنامہ انجام نہ دے سکا۔ ایسے دور میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ (۱۱۷۶ھ) نے کتاب وسنت کے حقیقی منہاج پر دعوت واصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

بعد دراسة فاحصة لكتب المذاهب الاربعة وكتب اصول الفقه والاحاديث التي يتمسكون بها استقر في القلب بتوفيق من الله وهداية طريقة الفقهاء المحدثين (التفهيمات ۱/۲۱۱)

چاروں مذاہب اور اصول فقہ کی کتابوں نیز ان احادیث کی جن سے یہ مذاہب اپنے حق میں استدلال کرتے ہیں غایت درجہ تحقیق کے بعد میرے دل میں اللہ کی توفیق اور ہدایت کے ساتھ فقہاء محدثین کا طریقہ جاگزیں ہو گیا۔

آپ نے کتاب وسنت سے متعلق بے شمار شہرہ آفاق کتابیں تصنیف کیں، اس نہج پر کام کرنے والے بے شمار تلامذہ تیار کئے خود آپ کا خانوادہ "ایں خانہ تمام آفتاب است" کا صحیح مصداق تھا۔ ان ذرائع سے آپ نے تصوف بدعات وخرافات، فقہی جمود کی اصلاح کی اور ملت اسلامیہ ہند کی عقیدہ وعمل میں کتاب وسنت کے طریقہ کی رہنمائی کی، شاہ ولی اللہ کا دور تحریک اہل حدیث کے انقلابی دور کی تمہید کی حیثیت رکھتا ہے، آپ نے کتاب وسنت کی بنیاد پر اسلامیان ہند میں دینی انقلاب کا پورا علمی واصلاحی مواد فراہم کر دیا۔

تیرھویں صدی ہجری کی ابتداء یعنی ۱۲۳۳ھ میں آپ کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ نے ملک گیر دعوت واصلاح کا بیڑہ اٹھایا، کتاب وسنت کی بنیاد پر بنگال سے لے کر درۂ خیبر اور صوبہ سرحد تک منظم دینی انقلاب کی باد بہاری چلنے لگی شہیدین کی دعوت کبری نے اسلامی جہاد کیا۔ اور منہاج نبوت کے مطابق ایک حکومت

کی بنیاد بھی ڈالی، اور بالآخر اسی راہ میں ۱۲۴۶ھ میں شہید بھی ہو گئے۔ تحریک کے ردعمل میں غیر ملکی حکمرانوں نے فرزندان تحریک اہلحدیث پر بے پناہ مظالم ڈھائے، تشدد، قید و بند، دار و رسن اور ضبطی مال و دولت کے ضمن میں خود برٹش گورنمنٹ کا ریکارڈ ہے کہ دو لاکھ وہابیوں کو سزائے موت دی گئی۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے   لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ شہیدین کی تحریک جہاد و اصلاح میں ایسے لوگوں کا ایک بڑا گروہ تھا جو اپنی نسبت حنفیت سے کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اصلاح جہاد کا کام انہوں نے پورے خلوص سے کتاب و سنت ہی کے حقیقی منہاج پر کیا لیکن بعد میں علماء احناف مجاہدین کی صف سے الگ ہونا شروع ہو گئے، اور ساری جدوجہد حنفیت کی تعمیر میں صرف کرنے لگے، اور اسی غرض سے دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی تاسیس ہوئی تحریک اہلحدیث کی گذشتہ مساعی سے یہ اثر ضرور رہا کہ مشارق الانوار اور ربع مشکوٰۃ بطور تبرک پڑھانے کے بجائے اب ان اداروں میں صحاح ستہ کا دور ہونے لگا لیکن یہ بات واضح ہے کہ حدیث کی یہ امہات کتب اسلامی احکام وعقائد کی واقعی تحقیق کے بجائے حنفی مذہب کی تائید کے نقطۂ نظر سے ہی پڑھائی جاتی رہیں۔ بیعت و ارادت اور تصوف و طریقت سے خاص شغل رکھا گیا غیر مسنون اوراد و وظائف، بدعی عقائد جیسے انبیاء و اولیاء کا توسل اور انبیاء کی دنیوی حیات کا عقیدہ احناف میں عام ہو گیا اور ایک بار پھر یہ محسوس ہونے لگا کہ دعوت کبریٰ کے اثرات مسلمانوں کے اس طبقہ سے محو ہونے لگے ہیں اور ہندوستانی ماحول پر صدیوں سے چھائے ہوئے صوفیانہ بدعات و خرافات کی تاریکیوں میں یہ طبقہ دوبارہ لوٹ جائے گا۔

البتہ تحریک اہلحدیث اپنے منصب پر باقی رہی۔ امامین کی شہادت کے بعد بھی تحریک جہاد و اصلاح جاری رہی۔ فرزندان تحریک کے ہاتھوں دوبارہ اسلامی حکومت بھی قائم ہوئی۔

تیرہویں صدی ہجری کے نصف سے لے کر چودھویں صدی ہجری کے آغاز تک جہاد کے داخلی نظم کی دیکھ بھال کے ساتھ ولی اللہی علمی منہج اور شہیدین کے طریقۂ دعوت و اصلاح کے مطابق کتاب و سنت کی تدریس، تالیف اور نشر و اشاعت کا سارے ہندوستان اور بیرون ہند میں بازار گرم رہا۔ اس دور میں تحریک کا یہ مثالی کارنامہ انجام دینے والی شخصیات سید نذیر حسین محدث دہلوی اور نواب صدیق حسن حسینی بھوپالی کی تھیں ان دونوں شخصیات نے ہندوستان اور بیرون ہند میں اتنے رفقاء اور اتنے بے شمار تلامذہ پیدا کر لئے تھے اور بیشتر تلامذہ

اور رفتار اتنی قدآور شخصیات کے مالک تھے کہ وہ ہر مقام پر تحریک کے منارے اور چشم وچراغ کی حیثیت رکھتے تھے تاریخی عمل سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ تحریک شہیدین کی اس نئی نسل کے جواب میں حنفی مدرسۂ فکر اب محدثین کے پیدا کرنے پر مجبور تھا۔ کتاب وسنت کا آفتاب طلوع ہونے کے بعد تقلید وجمود کے تالاب میں حرکت پیدا ہونا قدرتی امر ہے۔ یہ بھی تحریک اہلحدیث کی کامیابی کا ایک پہلو ہے۔

شہادت بالاکوٹ کے بعد تحریک شہیدین سیاسی حیثیت سے گو بظاہر پس منظر میں چلی گئی لیکن تحریک اہلحدیث کا ایک حصہ اب بھی سرحد پار مصروف جہاد تھا اور شہیدین کی تحریک کا چراغ اپنے گرم لہو سے جلائے ہوئے تھا جس کے سرخیل مولانا ولایت علیؒ اور مولانا عنایت علیؒ تھے۔ انگریزوں کے جبر وتشدد کے سبب تحریک کا دوسرا حصہ احیائے اسلام کے لئے خفیہ طور پر کوشاں رہا اور کتاب وسنت کی حقیقی اور سادہ تعلیمات کی اشاعت اور مسلمانوں میں صدیوں سے راسخ اعتقادی اور عملی بدعات وخرافات کو ختم کرنے کے لئے پورے ہندوستان میں درسگاہوں اور مدارس کا جال بچھایا گیا۔ اقامت نظام اسلامی کے لئے حریت پرور تحریکات میں تحریک اہلحدیث برابر حصہ لیتی رہی اخلافت کانگریس، لیگ۔ احرار میں تحریک کی اکثریت اسی غرض سے کام کرتی رہی اسی دور میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے نام سے دعوت وتبلیغ کا نئے سرے سے ایک نظم قائم کیا گیا جس سے ہندوستانی مسلمانوں میں پائی جانے والی موروثی بدعات وخرافات کی اصلاح کتاب وسنت کے ذریعہ کی جاتی رہی، امت کے خلاف اٹھنے والے منظم فتنوں جیسے قادیانیت بریلویت۔ انکار حدیث۔ بہائیت۔ شارھی تحریک۔ عیسائی مشن کا بھرپور مقابلہ کیا جاتا رہا شیر پنجاب۔ میر سیالکوٹی غزنوی۔ لکھوی اور روپڑی خانوادے اسی مقصد عظیم کے لئے وقف تھے۔ تقسیم ملک کے ہنگاموں نے کانفرنس کے نشاط عمل کو ایک محدود مدت کے لئے متاثر کیا تاہم اس عرصہ میں تحریک اہلحدیث کی شیرازہ بندی کی مساعی تعلیمی اور تبلیغی پہلوؤں سے جاری رہیں اور اب پندرھویں صدی ہجری سے کانفرنس مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے نام سے نئے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ اور سلفیت کی دیگر عالمی تحریکات کے ساتھ مل کر چلنے کے لئے پر تول رہی ہے۔

۱۔ تحریک اہلحدیث ہند کے اس اجمالی تاریخی جائزہ سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے۔ اللہ کی ضمانت کے بعد اسلام یعنی مجموعہ کتاب وسنت کی تحریک کس طرح پہلے ہندوستان کے مغربی حصہ سندھ پھر جنوبی حصہ دکن پھر شمالی حصہ دہلی اور پھر دہلی سے سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔

۲۔ تقریبا چوتھی صدی تک اسلام اپنی خالص شکل میں کتاب وسنت کی اساس پر باقی رہا۔

۳۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ مسلم حکمرانوں کے دینی جذبہ کی کمزوری اور ایرانی وہندوستانی تہذیب وتمدن سے متاثر ہونے نیز علماء وصوفیاء کے یونانی علوم اور ملحدانہ تصوف کو سب کچھ سمجھ لینے کی بناپر عام مسلمانوں میں بدعات وخرافات اور غیر اسلامی رسم ورواج راسخ ہوتا گیا، اور اکبر کے دور تک یہ تاریکی اس قدر عام ہوگئی کہ اسلام کے بالمقابل ایک نیا دین ایجاد کرنے میں اسے کوئی جھجھک محسوس نہیں ہوئی۔

۴۔ گیارھویں صدی ہجری تک کتاب وسنت کی بنیاد پر جو اصلاحی کوششیں ہوتی رہیں ان کا ایک عمومی فائدہ یہ تھا کہ حق کی صدا لوگوں کے کانوں میں پہونچتی رہی لیکن بدعات وخرافات کے طوفان کا رخ نہیں موڑا جاسکا۔

۵۔ بارھویں صدی ہجری میں ہمہ گیر اصلاحی واسلامی انقلاب کے لئے شاہ ولی اللہ کی مساعی تحریک اہلحدیث ہند کے انقلابی دور کی ایک تمہید ہیں۔

۶۔ تیرھویں صدی ہجری میں کتاب وسنت کے دو تاجداروں امامین شہیدین نے اس راہ میں شہادت کا نذرانہ پیش کیا اور دو لاکھ سے زائد اہلحدیث دار ورسن کی منزل سے گذرے۔

۷۔ ہندوستان کا سب سے بڑا فرقہ حنفیت جو اپنے آپ کو شہیدین کا وارث کہتا ہے۔ ان کی تحریک سے کنارہ کش ہوگیا اور شہیدین نے جس مقصد کے لئے اپنا لہو بہایا اسے فراموش کرکے قدیم بدعات وخرافات اور گم کردہ راہ تصوف کے دامن میں پھر سے گر گیا۔

۸۔ شہیدین کی شہادت اور لاکھوں اہلحدیثوں کے لہو سے تحریک اہلحدیث میں جو عام فکری وعملی انقلاب آیا اور تحریک کے قافلہ میں ایک کروڑ تک پہونچتی ہوئی تعداد شامل ہوگئی تو حنفی حلقوں میں کتب حدیث تبرک کے طور پر نہیں بلکہ ضرورت کے تحت پڑھائی جانے لگیں لیکن شاہ ولی اللہ اور شہیدین کے یہ وارث ان کے منہج سے کتراکر ہی انہیں پڑھتے پڑھاتے رہے، اور کتاب وسنت کے حق میں تقلید وجمود اور فقہی ظاہریت وحرفیت کا نظام توڑنے کے لئے تیار نہیں۔

۹۔ ہندوستان میں حنفیت کو اللہ کی طرف سے پہلی بار یہ توفیق ملی کہ وہ شہیدین کی قیادت میں تحریک اہلحدیث کی اساس، کتاب وسنت سے تمسک، کی بنیاد پر اکٹھا اور متحد ہوسکے۔ افسوس شہیدین کے بعد حنفیت نے یہ سبق فراموش کرنے کی سعی کی ہے۔

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

۱۰۔ شہادت بالاکوٹ کے بعد حالات وظروف کے لحاظ سے تحریک اہلحدیث دو حصوں میں بٹ گئی ایک حصہ نے سرحد پار جہاد جاری رکھا، دوسرے نے کتاب وسنت کی بنیاد پر پورے ہندوستان میں مدارس کا جال بچھایا۔

۱۱۔ چودھویں صدی ہجری کے دوسرے ربع کے آغاز سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے نام سے دعوت واصلاح کا نیا انتظام کیا گیا جس کے تحت اسلام کے خلاف اٹھنے والے مختلف داخلی وخارجی فتنوں اور طوفانوں کا مقابلہ کیا گیا۔

۱۲۔ پندرھویں صدی ہجری سے مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے نام سے کانفرنس کی تجدید ہوئی ہے توقع ہے کہ انشاء اللہ تحریک اہلحدیث ہند کی تاریخ میں یہ نئے دور کا آغاز ہوگا۔

ہندوستانی تحریک اہلحدیث اپنے چودہ سو سالہ دور ہیں تعارف، تمہید انقلاب اور انقلاب کے دور سے گذر کر ایک کروڑ افراد پر مشتمل ایک جماعت بن چکی ہے۔ جس کی ایک مستقل مرکزی جمعیۃ ہے اور جس کے پاس مکاتب سے لے کر کلیات اور جامعات کے معیار کے تعلیمی اداروں کی تعداد ہزاروں میں ہیں اور مساجد کی تعداد ان سے بھی دوچند ہے۔

تحریک کے افراد کے متعلق یہ بات تو بالیقین کہی جاسکتی ہے کہ عام اسلامیان ہند کی بنسبت (جن میں صدیوں کی بدعات وخرافات اور ملحدانہ تصوف کے اثرات اب بھی متوارث طور پر چلے آرہے ہیں) شیدائیان کتاب وسنت ان باتوں سے دور ہیں۔ یہ حق کے لئے اللہ کی ضمانت اور تحریک کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس خوبی کے ہوتے ہوئے عام مسلمانوں بلکہ ساری ملت اسلامیہ کی طرح افراد جماعت میں بھی جماعتی ومسلکی سرگرمی بلفظ دیگر جذبۂ اعلائے کلمۃ اللہ سرد پڑ چکا ہے۔ جس کے کچھ تاریخی، سیاسی اور اقتصادی اسباب ہیں۔

۱۔ ملت اسلامیہ کا زوال اور اس کی غایت درجہ ذلت ونکبت۔

۲۔ مادہ پرستانہ مغربی تہذیب وتمدن کی عالمی مقبولیت، معاشرت وسیاست سے دین کی بے دخلی اور سیکولر نظامہائے سیاست کا تسلط۔

۳۔ ملک کی تقسیم۔

۴۔ منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کی معاشی بدحالی اور اس کے نتیجہ میں تعلیم وتبلیغ کی پریشان حالی اور کس مپرسی۔

لیکن تمام مسلمانوں خاص طور سے داعیان کتاب وسنت کے نزدیک یہ اسباب دینی عذر کا درجہ نہیں پاسکتے۔

افرادِ جماعت کو بس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مٹھی بھر صحابہ کی نامساعد حالات سے گھری ہوئی مکی اور فتح مکہ سے پہلے کی مدنی زندگی کا آئینہ سامنے رکھنا چاہئے کیونکہ اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا ہمیں کتاب وسنت کے اس شجرۂ طیبہ کی آبیاری کرنی ہے، جسے چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے سرزمین ہند پر اپنے نیک بندوں کے ہاتھوں لگوایا ہے اور جسے تحریک اہلحدیث بے شمار طوفانی بگولوں کی زد سے بچاتی آئی ہے اور ان شاء اللہ۔ اللہ کی ضمانت کے ساتھ اس کا آئندہ بھی تحفظ کرتی رہے گی۔ کیونکہ یہ تحریک وقتی اسباب کی پیداوار نہیں جو حالات کے بدلنے کے ساتھ ختم ہو جائے بلکہ یہ پورے اسلام کی خدمت مکمل اسلام یعنی کتاب اور سنت کے مجموعہ سے ٹھیٹھ اسلامی ڈھنگ سے انجام دیتی ہے اس لئے زبان نبوت کے مطابق یہ ایک لازوال تحریک ہے۔

افرادِ جماعت اہلحدیث میں جماعتی اور مسلکی حمیت یعنی جذبۂ احیائے کتاب وسنت بیدار کرنے کے وسائل کو ہم دو کلیدی ذرائع میں تقسیم کرتے ہیں۔ (۱) تعلیمی اور (۲) تبلیغی۔ ہر دور میں تحریک کی مضبوطی کا دار ومدار بنیادی طور پر انہیں دونوں ذرائع پر رہا ہے بلکہ باطل فرقے اور نظریات اور غیر اسلامی تہذیب وتمدن بھی انہیں ذرائع سے عالمگیر حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ تحریک اہلحدیث تو اس بارے میں ہمیشہ ممتاز رہی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، وارثین نبوت جملہ محدثین برگزیدہ صفات رحمہم اللہ خصوصیت سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جن کے موقف کو ان کے ہم عصر ائمہ نے فاذا احمد وخسرنا کہہ کر سراہا۔ امام بخاری رحمہ اللہ جن کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی صاحب رد المختار کہتے ہیں۔ الامام البخاری معجزة للرسول البشير النذير۔ ۔ ۔ من كان وجوده من النعم الكبرى على العالم، امير المؤمنين في الحديث، احد سلاطين الاسلام، الامام، المجتهد ... وقد اجمع الثقات على حفظه واتقانه وجلالة قدره (سيرة البخاری بحواله عقود اللآلی فی مسند العوالی) علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ جن کے متعلق ہم عصر علماء نے کہا۔ وقد خلت عن وجود مثله السبع الاقاليم (مجموع فتاوی ج ۱) شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ، امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ امامین شہیدین رحمہما اللہ، امام سید نذیر حسین و نواب مستطاب امام صدیق حسن رحمہما اللہ اور شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ان دونوں پہلوؤں سے قیامت تک کے لئے نشان راہ ہیں موجودہ حالات وظروف میں اس مقصد کے لئے درج ذیل وسائل بنیادی طور سے افادیت کے حامل ہیں۔

تعلیمی ذرائع

۱۔ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے تحت نظامت تعلیمات کا ایک مرکزی شعبہ کھولا جائے جو ہندوستان کے جملہ عربی مدارس اہلحدیث میں یکسانیت اور تعاون کی راہ ہموار کرے اور اس سے متعلق بین اقوامی موتمرات اور آل انڈیا تعلیمی کانفرنس منعقد کرے جن میں تمام مسلم تحریکوں اور فرقوں کی نمائندگی ہو۔

۲۔ شعبۂ تعلیمات کتاب وسنت پر مبنی محوری نظام تعلیم وضع کرے۔ صدیوں کے غارت گر علوم یونانی کو نصاب تعلیم سے خارج کرکے فقہاء محدثین کے طرز پر تعلیم وتعلم کا نظم قائم کیا جائے۔

۳۔ عالمیت اور فضیلت کے مرحلہ میں مقررہ کتابوں کا متن پڑھانے کے بجائے محاضرات کے ذریعہ فن اور موضوع پڑھایا جائے، علم کو تطبیقی اور عملی بنایا جائے تاکہ ایسے علماء تیار ہو سکیں جنہیں مسالک کا حقیقی اور بھرپور علم وشعور حاصل ہو اور وہ نئی نسل کی صحیح رہنمائی کر سکیں۔

۴۔ نصاب تعلیم میں سیرت نبوی۔ اور "مقارنۂ مذاہب" کے موضوعات لازماً شامل کئے جائیں۔

۵۔ ہر ادارے میں تربیتی نگراں رکھے جائیں جو طلباء کی بھرپور ایمانی۔ اخلاقی، جسمانی عقلی اور اجتماعی تربیت کریں۔

۶۔ "تحریک اہلحدیث کی تاریخ" مرتب کی جائے، اسے داخل نصاب کیا جائے، یا ہر ماہ ہر ادارہ میں اس موضوع پر اساتذہ کے محاضرے ہوں اور محاضراتی درجات کے طلباء کو اس موضوع پر بولنے اور تحقیق کرنے پر لازماً تیار کیا جائے۔

۷۔ صوبائی اور ضلعی پیمانہ پر تعلیمی کانفرنسیں منعقد کی جائیں جن میں صرف تعلیمی مسائل زیر بحث لائے جائیں اور یہ غور کیا جائے کہ ہمارے ادارے کہاں تک ہمارے جماعتی اور مسلکی مقاصد کو پورا کر رہے ہیں۔

۸۔ نظامت تعلیمات آل انڈیا سروے کرے اور اہلحدیث کے ہر فرد کو تعلیم یافتہ بنانے کے لئے بقدر ضرورت تعلیمی سہولتوں سے خالی ہر بستی میں بڑے مکاتب کو ترقی دے اور جدید مکاتب کھولنے کی ہمت افزائی کرے۔

کہنہ پیکر میں نئی روح کو آباد کرے — یا کہن روح کو تقلید سے آزاد کرے

دعوتی ذرائع

۔ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث مبلغین کی تربیت کے لئے "مرکزی تربیتی ادارہ" قائم کرے۔ جو فضلاء مدارس کو

تحریک اہلحدیث اور مسلک کے اغراض و مقاصد کی بنیاد پر حالات اور ماحول کی روشنی میں کام کرنے پر تیار کرے۔

۲۔ مرکزی جمعیۃ ایک ایسا جامع لٹریچر تیار کرے جو عصری اسلوب میں تحریک اہلحدیث کی فکری اساس، اغراض و مقاصد امتیازی خصوصیات، تاریخی۔ کارناموں اور کتاب و سنت پر مبنی مسائل حیاتِ انسانی سے متعلق تعلیمات کا نمائندہ ہو، اور جسے نہ صرف جماعت کے ہر فرد تک پہونچایا جائے۔ بلکہ انہیں لٹریچر کا فکری اور عملی نمونہ بنایا جائے۔

۳۔ مرکزی جمعیۃ کے شعبۂ دعوت کے وہی افراد ذمہ دار ہوں جو صرف دعوتی امور سے متعلق ہوں تاکہ دعوتی کام زیادہ سرعت اور نظم و ضبط سے انجام دیا جاسکے۔

۴۔ صوبائی اور ضلعی جمعیتوں کو فعال بنانے کے ساتھ شہیدین کے طرز پر گاؤں میں سرداری کا نظام قائم کیا جائے یا جمعیۃ سازی کی جائے۔

۵۔ مساجد میں درس قرآن و سنت کا لازمی اہتمام کیا جائے۔

۶۔ جمعہ کے خطبات اور عام تقریروں میں جماعت اور مسلک کی دینی او تاریخی اہمیت و عظمت اور امتیاز کو اجاگر کیا جائے۔

۷۔ شعبۂ دعوت اور جمعیۃ کے ذمہ داران خصوصاً اور علماء جماعت عموماً انسانی تاریخ کے سب سے بےنفس اور پاکباز گروہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تحریک کے ماضی قریب کے فرزندان یعنی شہیدین کی جماعت کی پرخلوص اور بےلوث سیرت اپنائیں۔

۸۔ مضبوط اجتماعی سیرت، بےسروسامانی میں بھی ہزاروں وسائل و ذرائع پہ بھاری ہوتی ہے۔ مدینہ منورہ کے یہود اور منافقین کی بدعہدیوں، قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے سب سے مقدس گھرانے یعنی حرم نبیؐ اور خاندان صدیق اکبرؓ پہ سب سے بدترین تہمت کا فتنہ اور بدر و احد اور احزاب کے معرکے نسبتاً بےسروسامانی کی حالت میں مضبوط اجتماعی سیرت ہی کے ذریعہ سر کئے گئے۔

۹۔ تحریک کے دعاۃ اور علماء بےنفس جماعت اور مسلک کے چلتے پھرتے پیکر بنیں اور افراد جماعت سے ربط رکھیں جن سے مل کر کسی شخصیت سے ملنے کا احساس نہیں بلکہ ایک تحریک، ایک جماعت اور ایک مسلک سے ملنے کا احساس پیدا ہو۔

ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم

ابو عمار عمری

یہودیت اور کمیونزم

کمیونزم ایک ملحدانہ مذہب ہے جسے کارل مارکس نے انیسویں صدی میں ڈارون کے اصول کی روشنی میں مدلل کرکے پیش کیا اگرچہ یہ نظریہ زمانہ جاہلیت میں ایران کے اندر سب سے پہلے نوشیرواں کے باپ قباد کے دور میں مزدک ایرانی نے پیش کیا تھا لیکن اس کو مدلل نہیں کیا تھا اور نوشیرواں نے اپنے زمانہ میں مزدک کے پیروؤں کا صفایا کردیا تھا اس لئے اس کا نام محض تاریخوں میں رہ گیا۔

انیسویں صدی میں اس اباحیت کے نظریہ کو کمیونزم یا مارکس ازم کے نام سے یہودیوں کے مفاد اور اسرائیل کے قیام کے لئے کارل مارکس یہودی نے جو (بون) جرمنی میں پیدا ہوا تھا زندہ کیا۔ کارل مارکس کا استاذ موسی ہس جو جرمنی میں پیدا ہوا اور کارل مارکس کا ہم عصر اور یہودی سیاست کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ صہیونیت کا سب سے بڑا علمبردار اور قائد تھا جس نے تمام یہودیوں کو حکم دیا کہ ہر یہودی پر دوبارہ اسرائیل کے قیام کی ذمہ داری ہے تاکہ یہودیوں کے لئے بیت المقدس کو وہی حیثیت حاصل ہوجائے جو عیسائیوں کے لئے روما کو حاصل ہے۔ صہیونیت جو ایک خفیہ تعلیم تھی اور جس کا مقصد بیت المقدس پر قبضہ اور اسرائیل کا قیام تھا۔ ھادریان کے زمانہ ۱۱۷ تا ۱۳۸ میں وجود میں آئی اور انیسویں صدی میں اسے دوبارہ زندہ و فعال بنایا گیا اور ۱۸۹۷ء میں اس کی پہلی کانفرنس (بال) سوئزرلینڈ میں ہوئی جس میں لینن شریک اور اس کا منصوبہ ساز تھا۔

یہود چونکہ ایک غدار اور ذلیل قوم ہے اس لئے یہودیت کے نام پر براہ راست اسرائیل کا قیام ناممکن تھا لہذا یہود کو فلسطین پر اقتدار دلانے کے لئے کمیونزم کو پیدا کیا گیا تاکہ سرمایہ داری اور کمیونزم دو نظریوں کی کشمکش سے انتشار پیدا کرکے اس اہم مقصد کو حاصل کیا جائے کمیونزم کے اقتدار میں آنے سے پہلے ۱۸۸۴ء میں روس میں صہیونیت کو زندہ کیا گیا اور

پہلی صہیونی کانفرنس ۱۸۹۷ء کے فوراً بعد یہودی اور مارکسی کارکنوں نے لیتھوانیا، پولینڈ اور روس میں متحد ہو کر کام کرنے کا معاہدہ کیا اور غمان سرکین نے اس کانفرنس کے ایک سال کے بعد صہیونی مقاصد کے لئے کمیونسٹ یہودی حکومت بنانے کی دعوت دی اس نے اپنی کتاب "یہودیت اور کمیونسٹ یہودی سلطنت میں مصالحت" کے اندر لکھا ہے کہ کمیونزم مکمل طور پر یہود کی امیدوں کا ساتھ دے رہا ہے ۱۹۱۶ء میں لینن نے ایزمان ہرٹزل کے نائب سے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ بالشویکی انقلاب میں یہود ساتھ دیں گے اور اسکے بدلے میں لینن یہودیوں کو انصاف دلائے گا اور اکتوبر ۱۹۱۷ء میں انقلاب روس کے ایک ہفتہ بعد ایک قرارداد پیش ہوئی کہ یہود پر زیادتی کرنا ناقابل معافی جرم ہے اور فلسطین میں یہود کا وطن بنانے کے لئے یہودی انقلاب کو تسلیم کیا گیا اور ۱۵ ر اکتوبر ۱۹۱۷ء کو روس کے پہلے یہودی صدر باکوف سفرلوف نے ایک حکم نافذ کر کے یہود پر عائد تمام پابندیوں کو رد کر دیا اور اس نے کہا کہ یہودیوں کی مخالفت محنت کش اور کسانوں کی بھلائیوں کو تباہ کر دے گی۔

روس کے اندر اکتوبر ۱۹۱۷ء میں سب سے پہلے کمیونسٹ اقتدار وجود میں آیا جس کا سبب یہ تھا کہ یہود جو کمیونزم کے پشت پناہ تھے ان کی تعداد روس میں ۷ ملین تھی اور پطرس ثانی ۱۸۸۲ء کے بعد بڑی ذلت کے ساتھ رہتے تھے اس لئے انہوں نے کمیونسٹ اقتدار کے لئے جو قربانیاں ممکن تھیں دیں چنانچہ بورلیس براز ول نے اپنی کتاب "دنیا مختلف راستے پر" میں لکھا ہے کہ کمیونسٹ انقلاب یہود کی مالی امداد سے برپا ہوا۔ سوکولوف نے روسی انقلاب کے فوائد کے سلسلے میں لکھا ہے کہ روس میں قیصریت کا زوال ایک اہم واقعہ ہے جس سے روس انقلابی دور میں داخل ہو گیا ہے اور اس سے خیر و حریت پیدا ہو گی اور نئی آزادی صہیونیت کو نئی قوت بخشے گی۔

چونکہ روس کا انقلاب یہودیوں کی سازش سے برپا ہوا تھا اور اس کے ذریعہ اصل مقصد فلسطین میں اسرائیل کے قیام کا راستہ ہموار کرنا تھا اس لئے انقلاب روس کے بعد یہودیوں نے عرب ممالک میں کمیونسٹ پارٹی بنانے کے لئے سب سے پہلے دوڑ دھوپ کی اور ۱۹۲۱ء میں ایک روسی یہودی جوزف روزنبرگ نے اسکندریہ میں کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۴۷ء میں روس سے بھیجے ہوئے تین نمائندوں نے اور ایک مصری یہودی ہنری کاریل نے آزادی وطن کے لئے ایک پارٹی حدتو اور ایک پارٹی اسکرا نام سے بنائی اسکرا کا معنی شعلہ ہوتا ہے جو لینن کے اخبار کا نام تھا اور بعد میں اس کا نام نجشم اور پھر دال شین رکھا گیا۔ عراق میں کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد ساسون دلال اور ناجی شمعون، صدیقی یہوداوغیرہ نے رکھی جو سبھی یہودی تھے شام اور لبنان کی کمیونسٹ پارٹی پولینڈ کے ایک یہودی جوزف برگر کا کارنامہ ہے۔

روس کے انقلاب کے بعد اگرچہ اسکو سیاسی یا کمیونسٹ انقلاب کا نام دیا گیا لیکن اصل اقتدار یہودیوں کے ہاتھ میں آیا چنانچہ پہلی کمیونسٹ حکومت کے زیادہ تر عہدیدار یہودی تھے اسی طرح پارٹی کے عام ممبران ۵۴۵ تھے جن میں ۴۸۴ یہودی تھے اور خصوصی کمیٹی کے ۳۸۸ ممبران میں سے ۳۷۱ یہودی تھے اس کے علاوہ لینن خود یہودی تھا اور صدر مملکت باکوف سفرولوف یہودی تھا پہلی انقلابی کمیٹی جو سات افراد پر مشتمل تھی اس میں لینن اسٹالن کی بیوی رونا، ٹروٹسکی، کامنیف، سوکولوف، زینولوف یہودی تھے اور روس کا حال ہی میں فوت ہونے والا صدر، صدر برزنیف خود یہودی تھا۔

یہ سارے واقعات یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ کمیونزم محض ایک فریب ہے ورنہ اندر سے دیکھا جائے تو اس کے اندر یہودیت کا دل دھڑک رہا ہے اور اس کی آڑ میں یہودیت اپنے فوائد حاصل کر رہی ہے۔ اور انقلاب روس سے اسرائیل کے قیام تک بے شمار ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کمیونزم یہودیت کی حفاظت اور اسرائیل کو طاقتور بنانے کا ایک ذریعہ ہے۔

انقلاب روس سے قیام اسرائیل تک

چونکہ کمیونزم کو یہودیوں نے بیت المقدس پر قبضہ اور اسرائیل کی تائید کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے انقلاب روس کے بعد اسرائیل کے قیام تک روس اور دوسرے کمیونسٹ ممالک نے اسرائیل کے قیام میں کیا کردار ادا کیا اور یہود کی تائید میں ان کا کیا کارنامہ رہا اس کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے

اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ روس نے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے ایک ہفتہ کے اندر ہی فلسطین کو اسرائیل کا وطن تسلیم کر لیا تھا جبکہ اسرائیل کا قیام ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو ہوا جس سے اسرائیل کے قیام کے سلسلے میں کمیونسٹ روس کی دلچسپی کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

فلسطین جب تک عثمانی ترکوں کے ہاتھ میں تھا یہودی اور عیسائی اسے بری نظروں سے نہیں دیکھ سکتے تھے چنانچہ سلطان عبدالحمید کے زمانہ میں یہود نے ایک وفد کے ذریعہ یہ کوشش کی کہ یہود کو فلسطین میں آباد ہونے کا موقعہ دیا جائے جس کے صلے میں ہم سلطنت ترکی کے قرض ادا کر دیں گے اور اس کے علاوہ دوسرے وعدے بھی کئے لیکن سلطان عبدالحمید کی غیور طبیعت نے اس درخواست کو رد کر دیا اور یہود کے خلاف سخت رویئے کی وجہ سے انہیں صیہونیت کا شکار ہونا پڑا لیکن بعد کے زمانہ میں جب فلسطین برطانیہ کے انتداب میں آیا جس کی داستان دردناک ہے تو منصوبہ بند طریقے پر فلسطین میں یہود آباد ہونے لگے اور کمیونسٹ حکومتوں نے فلسطین میں یہودیوں کو بھیجا اور اس سلسلے میں پہل پولینڈ نے کی اور روس نے اس کی

پیروی کی تاکہ صہیونی کانفرنس ۱۸۹۷ء کے منصوبوں کی روشنی میں جو تھیوڈر ہرٹزل کی قیادت میں ہوئی ترتیب وار یہود کی فلسطین میں آبادی اور پھر اسرائیل کے قیام کا منصوبہ پورا ہوا

چونکہ یہود فلسطین میں جارحانہ انداز پر اور زور و زبردستی سے فلسطین پر قبضہ کرنے کے مقصد سے داخل ہو رہے تھے اور تمام کمیونسٹ ممالک ان کی پشت پناہی کر رہے تھے اس لئے فلسطین کے اصل باشندوں سے ٹکراؤ ہونا ضروری تھا لیکن اہل عرب روس اور دوسرے کمیونسٹ ممالک کے جدید ہتھیاروں سے لیس کر کے بھیجے ہوئے تربیت یافتہ یہودی فوجیوں کے سامنے پیش نہ پاسکے اور انہوں نے ۲۹ راپریل ۱۹۴۸ء کو بین الاقوام سے مسلم فلسطین کی آزادی کی درخواست کی جن کی مغربی ممالک کے ساتھ مل کر روس نے سخت مخالفت کی روس کے نمائندے گرومیکو نے کہا کہ بین الاقوام کو کوئی شخص ایسی قرارداد پیش کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا جو عرب کاز کی تائید کرتی ہو چیکوسلواکیہ کے نمائندے جان بابانک نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ فلسطین کا مسئلہ ایک نازک مسئلہ ہے اور ہم نے اس کے بارے میں عربوں کا موقف جان لیا ہے اب یہودیوں کا موقف جاننا ضروری ہے ۔

چیکوسلواکیہ کے نمائندے کے اس قول کے سلسلے میں یہ جان لینا چاہئے کہ اس وقت عرب ہائر کمیٹی ہی کو فلسطین کی نمائندہ جماعت مانا جاتا تھا لیکن سب سے پہلے جان بابانک نے یہودیوں کو فلسطین کا نمائندہ بنانے کی اپنے اس قول کے ذریعے درپردہ کوشش کی ۔

پولینڈ نے یہ قرارداد پیش کی کہ بین الاقوام فلسطین کے بارے میں یہود کے موقف کی تائید کرے اور یہودی نمائندے کو دعوت دے تاکہ اس سے مشورہ لیا جائے اور کچھ ترمیم کے ساتھ چیکوسلواکیہ نے اس کی تائید کی ۔

گرومیکو کا جہاں تک معاملہ ہے وہ ہمیشہ سے فلسطین کے مسلمانوں کا دشمن رہا ہے چنانچہ ۱۹۴۸ء میں جب امریکہ نے اپنے کچھ مفاد کے لئے عربوں کے ساتھ لچکدار رویہ اپنانا چاہا اور تقسیم فلسطین کی قرارداد کو ماننے میں کچھ نرم پالیسی دکھائی تو گرومیکو نے کہا کہ امریکہ اقوام متحدہ کی قرارداد کو نہیں روک سکتا اور یہ چیز امن کمیٹی کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے ۔

۱۶ راپریل ۱۹۴۸ء کو گرومیکو نے امریکہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ عرب کی ہتھیار بند جماعتوں کو فلسطین سے نکالنا ضروری ہے اور اقوام متحدہ کا فرض ہے کہ عربوں کو اتنی سخت سزا دے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں اور تقسیم کی قرارداد کی رو سے اگر یہودی ایک انچ زمین پر قبضہ کرتے ہیں تو انہیں خصوصی رعایت ملنی چاہئے اور بعض ملکوں نے جب ان مقصودہ علاقوں سے یہودیوں کو نکالنے کی درخواست کی تو گرومیکو نے کہا کہ " یہ فتح کا حق ہے " یوگوسلاویہ کے نمائندے نے کہا کہ یہودیوں اور عربوں میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کو اشتراکی جمہوریت کی ضرورت ہے جس کا علم یہودیوں کو ہے اور عربوں کو اس سے فائدہ ہوگا تقسیم کی قرارداد

نے یہودیوں کو پورا حصہ نہیں دیا ہے اور عربوں کے لئے ضروری ہے کہ تقسیم کو قبول کرکے یہود کی قربانیوں کی قدر کریں۔

۲ر جون ۱۹۴۸ء کو گرومیکو نے کہا کہ یہودیوں کی مصلحتوں کی رعایت کے بغیر مسئلہ فلسطین پر بحث بیکار ہے اور مجھے اطمینان ہے کہ اقوام متحدہ کے منشور میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو یہودیوں کو بین الاقوام میں بلانے کے خلاف ہو اور چاہئے منشور میں یہودیوں کو وکالت کے لئے دعوت دینے کا کوئی قانون ہو یا نہ ہو فلسطین کی مصالحت کی طبیعت مقتضی ہے کہ ہم یہود کو اصل رول دیں اور جمعیت عام کے کاموں میں حصہ لینے کے لئے یہودیوں کے نمائندہ کو دعوت دینا میرے خیال میں ایک بہترین عمل ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہودیوں کی حالتری سیاسی پارٹی تک محدود نہ ہو بلکہ اس کی سبھی تنظیمیں اس میں شامل ہوں۔ فلسطین کا مسئلہ یہودیوں کا مسئلہ ہے اس لئے انہیں پورا موقعہ دیا جانا چاہیئے۔

۱۵ رمئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کا اعلان ہوا اور روس تیسرا ملک تھا جس نے اسے تسلیم کیا۔ اعلان اسرائیل کے بعد مسلمانوں نے اسرائیل کے خلاف صف آرائی کر دی جس سے اسرائیل کے وجود کو خطرہ پیدا ہو گیا اس لئے روس، امریکہ اور برطانیہ نے ۱۱ر جون ۱۹۴۸ء کو چار ہفتے کے لئے امن کی ایک قرارداد پاس کرکے لڑائی بند کرادی جس کا مقصد اسرائیل کے وجود کی حفاظت تھا اور ۱۱ر جون ۱۹۴۸ء کو ماسکو کے مصری سفارت خانہ سے خبر ملی کہ روس نے فلسطین کے یہودیوں کو موثر مادی امداد پیش کی ہے اور کچھ یہودی نمائندوں نے چیکوسلواکیہ سے ہتھیار حاصل کرنے کا معاہدہ کیا ہے اور البانیہ و یوگوسلاویہ یہودیوں کی مدد کے لئے بحر اسود کے راستے سے کام کریں گے۔ اس کے کچھ روز بعد یہ پتہ لگا کہ یہودی لیڈر حاییم مائزنے ماسکو سے چھوٹے بڑے کئی ہتھیاروں کا سودا کیا ہے اور بہت سے روسی افسران ترک وطن کرکے فلسطین جا رہے ہیں۔ بن گورین نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ جس واحد ملک نے سب سے پہلے اسرائیل کی مدد کی وہ روس ہے۔

امن کی قرارداد کی میعاد ۹ رجولائی ۱۹۴۸ء کو پوری ہوتے ہی پھر لڑائی کا آغاز ہو گیا لیکن اس وقت اسرائیل اتنا مضبوط ہو چکا تھا اور دشمن کی تعداد اور اسلحے اتنے زیادہ ہو چکے تھے کہ عربوں کو فلسطین کی سرزمین سے دست بردار ہونا پڑا اور جلیل و نقب وغیرہ کے علاقے عربوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

۱۵ رجولائی ۱۹۴۸ء کو پھر ایک امن کی قرارداد پاس ہوئی اور اس کے بعد عرب و اسرائیل کی لڑائی کا میدان بین الاقوام ہو گیا۔ کمیونسٹ ممالک نے یہودیوں کی پھر پوری جانبداری کی۔ سوویت روس کے نمائندے چیکیب مالک نے کہا کہ مجلس امن کا فرض ہے کہ یہودیوں نے نقب کے جن علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے ان سے یہودیوں کے نکالنے کی درخواست رد کر دے کیونکہ یہودی سلطنت ان مصری فوجوں سے اپنے وجود کی حفاظت کر رہی جو مصری فوجیں اسرائیل پر زیادتی کر رہی ہیں؛ ایسے ہی ایک

دوسرے موقعہ پر سوویت روس نے اپنا یہ موقف پیش کیا کہ "اسرائیلی فوجوں نے اپنی مدافعت کے تقاضوں کی وجہ سے جلیل پر قبضہ کیا ہے، جب کہ نقب اور جلیل یہودیوں کے بٹوارے کے علاقوں میں داخل بھی نہیں تھے۔

۲ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو جیکیب مالک نے کہا کہ اسرائیل کا وجود اس لئے ہوا ہے کہ اپنے اسلاف کے وطن میں برقرار رہے مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کا وجود خیر و امن کا عنصر ہوگا اور رجعت پرستی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے عرب جمہوریتوں کے لئے ایک مثال بنے گا۔

اگر امریکہ کھلے عام اسرائیل کی مدد کر رہا ہے تو روس بھی منافقانہ انداز میں اسرائیل کو طاقتور بنانے اور اس کے وجود کی حفاظت کے لئے عربوں کی دوستی کے پردے میں یہی کرتا آرہا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں دونوں برابر ہیں۔ اور دونوں ہی اسرائیل کے وجود کے خواہاں ہیں کیونکہ اگر اسرائیل نہ رہے تو پھر عربوں کو نہ روس کی ضرورت ہوگی اور نہ امریکہ کی۔ اسرائیل کے وجود ہی کی وجہ سے دونوں کو عرب ممالک پر سیاسی خدائی کا موقعہ حاصل ہے اسرائیل کے وجود میں بھی دونوں کا برابر حصہ ہے کیونکہ یہودیوں نے جرمنی کے خلاف جاسوسی کرکے اتحادیوں کی مدد کی تھی اور اسی وعدے پر کہ اتحادی ممالک فلسطین کو اسرائیل کا وطن بنائیں گے چنانچہ روس کے نمائندے نے ایک بار اقوام متحدہ میں کہا تھا کہ فلسطین کے مسئلہ کا حل یہودیوں سے کئے گئے وعدے کے سوا کچھ نہیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ کمیونسٹ پارٹی بہت سے مسلم ممالک کو آزادیٔ وطن کے سلسلے میں امداد دے رہی ہے لیکن یہ محض ایک فریب ہے اور اس کی اصل شکل ایک روسی فوجی لیڈر کے بیان سے ظاہر ہوجاتی ہے۔ مذکورہ روسی نمائندے نے ۲۲ر جون ۱۹۶۸ء کو اسرائیل کے اخبار معاریف کے اڈیٹر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہم عرب رجعت پرستی اور استعماریت کی مدافعت کے لئے عرب ممالک کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں اور متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) کو جو کچھ بھی دیتے ہیں دفاعی مقصد کے لئے ہے ہم اسے اسرائیل کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے اس لئے عرب علاقوں میں روس کی پالیسی پر کوئی اضطراب نہیں ہونا چاہئے یہ سیاست اسرائیل کی تکمیل بلکہ اس کی سلامتی کے لئے ضروری ہے اور سوویت روس اسرائیل کی ویسے ہی مدد کرتا رہے گا جیسے کل کرچکا ہے تم اعتماد رکھو کہ ہم عرب اشتراکیت کا ساتھ اسرائیل کی مصلحت کے لئے دیتے ہیں اور اس میں خود سوویت روس کی بھی مصلحت شامل ہے۔ اس بیان سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ روس اور دوسرے کمیونسٹ ممالک کی بعض مسلم ملکوں کے ساتھ زبانی ہمدردیاں دو مقصد کے لئے ہوتی ہیں۔ ایک اسرائیل کی حفاظت اور دوسرے عرب رجعت پرستی یعنی اسلام کی مخالفت۔ یہ بات محض ایک بیان تک محدود نہیں بلکہ روس اور دوسرے کمیونسٹ ممالک برابر یہودیوں کی پشت پناہی کرتے

رہے ہیں اور خصوصیت سے انہوں نے چند باتوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ (۱) یہودیوں کے وجود کی حفاظت (۲)
یہودیوں کے مقاصد کی تکمیل۔ (۳) مشرق اوسط میں اضطراب و انتشار پیدا کرکے عرب ممالک اور اسلام کو بدنام
کرنا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مصر کو ایک زمانہ تک روس نے فریب میں رکھ کر خلیج عقبہ و شرم الشیخ پر اسرائیل کا قبضہ کرا کے
اسرائیل کے افریقہ سے کاروبار کا راستہ کھول دیا۔ روس نے اسرائیل کے مفاد کیلئے ناصر سے خلیج عقبہ کی ناکہ بندی کرائی
اور اسرائیل کے خلاف مصر کی مدد کرنے کا وعدہ کیا لیکن اسی کے ساتھ ناصر کو مجبور کیا کہ وہ حملہ کرنے میں پہل نہ کرے۔

روس فلسطینی پناہ گزینوں کی واپسی کی بات برابر دہرایا کرتا ہے لیکن روسی نمائندے جیکب مالک کے اس بیان کو نظر انداز
نہیں کیا جاسکتا جو اس نے جون ۱۹۶۷ء میں اقوام متحدہ میں دیا تھا کہ جو اسرائیل پر عربوں کو نکالنے کا الزام لگاتے ہیں وہ استعمار
اور رجعت پرستی کی زبان سے بات کر رہے ہیں پناہ گزینوں کی ذمہ داری ان عرب فوجوں پر ہے جس نے فلسطین اور مشرق وسطیٰ میں
برطانوی استعمار اور عرب رجعت پرستی کے خلاف یہودیوں کی آزادی وطن کی لڑائی کی سمت تبدیل کردی ہے۔

روس محض ہتھیاروں سے یا سیاسی طور پر ہی یہودیوں کی مدد نہیں کر رہا ہے بلکہ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اس نے اسرائیل
کے قیام کے لئے اپنے یہاں سے یہودیوں کو تربیت دے کر فلسطین بھیجا اور اس کا سلسلہ اب تک برابر جاری ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۷ء کی
عرب اسرائیل محاذ آرائی کے بعد سے روس اسرائیل کی سالانہ تیس ہزار یہودیوں سے مدد کی اور ۱۹۷۹ء میں اس نے پچاس
ہزار یہودیوں کو اسرائیل بھیجا۔

روس اپنی اس امداد کو کچھ اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ لوگ یہ جانیں کہ روس یہودیوں کا دشمن ہے اور روس
سے یہودیوں کو جلاوطن کیا جاتا ہے حالانکہ روس اسرائیل کو طاقتور بنانے کے لئے اپنی تربیت یافتہ یہودی فوجوں کو بھیجتا ہے
سب سے آخری بات جو اسرائیل اور ماسکو کے بارے میں بیان کرنی ہے یہ ہے کہ اسرائیل کے سفیر نے ۲۲ دسمبر ۱۹۶۵ء کو
ماسکو میں اپنی سند سفارت پیش کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل کبھی اس گہری پالیسی کو فراموش نہیں کرسکتا جو سوویت
روس نے اسرائیل کے وجود کے سلسلے میں پیش کی ہے۔ ● ● ●

علالت

شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب سلفی حفظہ اللہ فالج کے عارضے میں علیل ہیں اور
دربھنگہ میں زیر علاج ہیں۔ قارئین مولانا کی صحت عاجلہ وکاملہ کے لیے دعا کریں۔

(ادارہ)

برطانیہ میں لیبیا کے زیرِ اہتمام

مسجد و امام کانفرنس

لیبیا کی اسلامی خدمات کا حقیقی چہرہ

ایم ۔ احمد

لیبیا کے فوجی سربراہ کرنل قذافی جب برسرِ اقتدار آئے تھے تو انھوں نے اچھی باتیں کیں اور کچھ اچھے کام بھی کیے مگر جلد ہی انھوں نے ایسی حرکات شروع کر دیں کہ وہ عالمِ اسلام اور خصوصاً مشرقِ وسطیٰ میں اپنا مقام کھو بیٹھے ۔ قذافی صاحب نے بعض ایسی بچکانہ حرکتیں بھی کیں جو ایک سربراہِ مملکت کے شایانِ شان نہ تھیں وہ اب تک ایسے کام کر رہے ہیں جس سے عالمِ اسلام کو خفت اٹھانی پڑ رہی ہے ، حال ہی میں انھوں نے طبی امداد کے نام پر جہاز نکاراگوا بھیجے ، مگر برازیل میں جب ان کی تلاشی لی گئی تو ان سے اسلحہ برآمد ہوا ، اب مغربی پریس اس خبر کو خوب اچھال رہا ہے ۔

اس سے پہلے ۱۷ اپریل کے سنڈے ٹائمز میں خبر شائع ہوئی کہ بین الاقوامی دہشت گرد ادر قائل لیبیا میں مقیم ہے اور بن غازی کے قریب ایک کیمپ میں دہشت گردی کی ٹریننگ دے رہا ہے ، جن میں ۲۰ لیبی ، ۲۱ مصری ، ۶ تونسی ، ۱۲ ایتھوپی ، اور ۳۰ سوڈانی ہیں ۔ یہ لوگ تربیت پانے کے بعد دنیا بھر میں کرنل قذافی کے مخالفوں کی خبر لیں گے اور خاص طور پر ان لوگوں کا پیچھا کریں گے جو قذافی کے ظلم و جبر سے بھاگ کر دنیا کے مختلف ملکوں میں پناہ لے چکے ہیں ۔

قذافی صاحب سیاسی معاملات میں اس دہشت گردی پر اکتفا کرتے تو بات اور تھی ، مگر ان کے دماغ میں صرف عرب و افریقی ممالک کا لیڈر بننے کا جنون ہی نہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو مسلم راہنما بھی تسلیم کرانا چاہتے ہیں ، اس کے لیے انھوں نے دینی امور میں صریح مداخلت شروع کر دی ، حدیثِ نبوی کا برملا انکار کیا ۔ اس کے بعد مسلمانوں کے متفقہ کیلنڈر جسے ہجری کیلنڈر کہا جاتا ہے ، اس کا انکار کر کے اس کی جگہ اپنی طرف سے یہ اعلان کیا کہ

اسلامی کیلنڈر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ہونا چاہیے نہ کہ ہجرت سے ۔ اور لیبیا میں یہ لکھنا شروع کر دیا کہ ۱۶ ر رجب ۱۳۹۲ من وفات الرسول ۔ یعنی کہ قذافی کے اسلام میں اسلامی کیلنڈر کا سال ۱۳۹۲ ہے جبکہ باقی مسلمانوں کے نزدیک اب ۱۴۰۳ھ ہے

مسلم ممالک سے قذافی صاحب کے تعلقات کی جو کیفیت ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے .... پاکستان ان دنوں وہ جو خاص عنایت کر رہے ہیں وہ سب کے سامنے ہے ۔ ملک میں دہشت گردی پھیلانے والے گروہ کے نمائندے مرتضی بھٹو اور شاہنواز بھٹو کو وہ نہ صرف پناہ دیے ہوئے ہیں بلکہ ان کی پوری مدد کر رہے ہیں ، اور وہ دونوں ، اسلام اور پاکستان کی جو خدمت کر رہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ..... لیبیا میں اسلامی تحریکی لٹریچر پر بھی سخت پابندی عائد ہے اور کرنل قذافی بین الاقوامی اسلامی تحریک کے بارے میں کئی بار اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں ۔

ایسے حالات میں جب قذافی صاحب کو دنیا بھر میں تنقید کا نشانہ بننا پڑا اور خاص طور پر اسلام کے متفقہ امور میں مداخلت کی وجہ سے انھیں جس مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس کے اثر کو زائل کرنے کے لیے انھوں نے مذہبی لوگوں کے تعاون سے گزشتہ چند سالوں سے اسلام کے نام پر کانفرنسیں منعقد کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے اور لیبیا میں جمعیۃ دعوۃ اسلامیہ جو انھوں نے لیبیا کے مسلمانوں کے لیے قائم کی تھی اسے بین الاقوامی ذمہ داریاں سونپنے کا فیصلہ کیا اور ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دی جو قذافی صاحب کی خلاف اسلام حرکات کو نظر انداز کرتے ہوئے انھیں مجاہد اسلام اور ترجمان اسلام کی سند عطا کر دیں ، چنانچہ انھوں نے جمعیۃ دعوۃ اسلامیہ کے ذریعہ افریقہ و ایشیا میں خاص طور سے ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دی جو ان کے کام آسکیں ، اور بعض ملکوں میں انھوں نے کانفرنسیں بھی منعقد کیں ۔

اس کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ بین الاقوامی طور پر رابطہ عالم اسلامی مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے سلسلے میں ایک خاص مقام پیدا کر چکا ہے ۔ اور رابطے میں دنیا بھر کے مسلم علماء اور زعماء اپنے ملکوں یا تنظیموں کے نمائندوں کی حیثیت سے شریک ہیں ، اور افریقہ ، ایشیا ، یورپ اور امریکہ میں اس کے ذیلی دفاتر قائم ہو چکے ہیں اور مسلم اداروں مساجد اور مراکز کے لیے رابطہ عالم اسلامی نے انتہائی منظم اور مربوط طریقے سے تعاون بھی کیا ۔ لیبیا سعودی دشمنی کی وجہ سے اس پر بھی پریشان تھا ۔ اس لیے وہ کچھ لوگوں کو ہاتھ میں لے کر بیک وقت آئے

دو کام لینا چاہتا تھا، ایک یہ کہ وہ قذافی صاحب کو مجاہد اسلام ہونے کی سند عطا کریں اور دوسرا رابطۂ عالم اسلامی کے مقابلہ میں کوئی ادارہ قائم کر کے اس کے اثر و رسوخ کو کم کیا جا سکے۔

اس کا آغاز اس کانفرنس سے کر دیا گیا تھا جو گزشتہ سال طرابلس میں منعقد ہوئی تھی اور اس کانفرنس میں ایک بین الاقوامی دعوتِ اسلامی کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ یورپ میں چونکہ آزادی ہے اور یہاں دولت کے بل بوتے پر پروپیگنڈہ کافی آسان ہے، اس لیے یہاں کام کے لیے انھیں کسی مناسب آدمی کی ضرورت تھی جسے وہ اپنے مذکورہ مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں، چنانچہ طرابلس کانفرنس کے تجربے کی روشنی میں ڈاکٹر زکی بداوی سے زیادہ مفید اور مطلب کا آدمی انھیں نہیں مل سکتا تھا لہٰذا اس کانفرنس میں ڈاکٹر زکی بداوی کو خصوصی اہمیت دے کر نمایاں کیا گیا اس کی دو تین وجوہ ہو سکتی تھیں۔

اول یہ کہ زکی بداوی مصری ہیں اور لیبیا و مصر کی موجودہ سیاسی چپقلش کے پس منظر میں ایک مصری آدمی کو قابو میں کر لینا لیبیا کے لیے ہر لحاظ سے مفید اور کارآمد تھا۔

دوم یہ کہ زکی بداوی اسلامک کلچرل سینٹر لندن سے جن حالات میں سبکدوش ہوئے، ان کی وجہ سے انھیں بھی کسی پناہ گاہ کی تلاش تھی اور اسلامک سنٹر لندن کے موجودہ حالات کے پیش نظر لیبیا سے بہتر ان کے لیے اور کوئی جگہ نہ تھی۔

سوم زکی بداوی انگریزی زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں، جوڑ توڑ کے خوب ماہر ہیں اور خاص طور پر پاکستانیوں کی گروہی اور فرقہ وارانہ سیاست سے پوری طرح واقف ہیں، اس لیے یورپ اور خاص طور سے برطانیہ جہاں پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہاں بداوی صاحب سے بہتر کوئی اور شخص لیبیا کے حق میں مفید ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

اب لیبیا اور کرنل قذافی کا اسلام پسندی کا چرچا عام کرنے اور پروپیگنڈہ مہم کا آغاز کرنے کے لیے لندن سے بہتر کوئی اور جگہ نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ آغاز کار یہاں سے کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اب ظاہر ہے کہ مساجد اور مراکز کے قیام کے سلسلے میں غیر سے ہمارے پاکستانی بھائی پیش پیش ہیں اور ان کا حصہ دوسروں سے بہر حال زیادہ ہے اس لیے ایسے کسی منصوبے کی کامیابی کے لیے انھیں کچھ پاکستانی جماعتوں یا گروپوں کا تعاون درکار تھا اور اس کے لیے بداوی صاحب سے بہتر پلاننگ بھی اور کون کر سکتا تھا، اور اس کے لیے ان لوگوں کو بیوقوف بنانا یا استعمال کرنا قدرے آسان تھا جو گاہے گاہے کسی نہ کسی انداز سے سعودی دشمنی یا بغض کا اظہار کرتے رہتے تھے اور وہ بریلوی حضرات تھے جو خود بھی ایسے

مواقع کی تلاش میں تھے اور انھیں بھی کسی ایسی قوت کی ضرورت تھی جو ان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر ان سے کوئی کام لے سکے، یعنی دونوں طرف آرزو بھی تھی اور احتیاج بھی اور دونوں ایک دوسرے کو استعمال کرنے کی نیت رکھتے تھے۔ اخلاص طرفین سے غائب تھا، کیوں کہ بریلوی علماء سے بھی قذافی کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی، لیکن ان کی ضروریات و حاجات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ ڈاکٹر بداوی کی آواز پر غیر مشروط طور پر لبیک کہتے۔

دوسری طرف بداوی نے کام یہ کیا انھوں نے برطانیہ کے بریلوی رہنماؤں پر پوری طرح اعتماد نہ کیا بلکہ پاکستان کے دو بریلوی رہنما مولانا احمد شاہ نورانی اور مولانا عبدالستار نیازی کے ذریعے ان لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا اور برطانیہ میں جو بریلوی علماء نورانی صاحب کے گروپ کے ہیں ان کا بھرپور تعاون حاصل کیا کیوں کہ وہ لوگ یا تو کانفرنس میں شریک ہی نہیں کیے گئے یا انھیں نمایاں نہیں کیا گیا جو نورانی صاحب کے علاوہ کسی دوسرے بریلوی گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔

بظاہر یہ کانفرنس برطانیہ کی مساجد و اماموں کی تھی لیکن نورانی و نیازی صاحبان کی نمایاں شرکت سے اس کا پس منظر پوری طرح معلوم کیا جا سکتا تھا۔ برطانیہ میں جن بریلوی علماء کو بظاہر اس کانفرنس میں نمایاں طور پر شریک کیا گیا تھا، ان میں بھی زیادہ تر ورکر یا رضاکار کی حیثیت سے نظر آتے تھے۔ انتظامی طور پر غیر علماء زیادہ موثر اور فعال تھے۔ خاص طور پر بداوی صاحب کے دست راست اور نورانی میاں کے یار خاص مسٹر غلام السیدین بظاہر سب کچھ تھے وہ علماء یا مولویوں میں شمار نہیں ہوتے۔ ان کے ذاتی کردار کے بارے میں بھی کئی قصے اور کہانیاں مشہور ہیں جنھیں ہم یہاں زیر بحث لانا مناسب نہیں سمجھتے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ اس وقت بریلوی گروہ کی ایک بڑی اکثریت کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہے۔ مقامی طور پر ان کی حیثیت کچھ بھی ہو مگر کانفرنس کے انتظام و انصرام میں وہ اور ان کے دوسرے اہل خانہ بااختیار تھے، اور بداوی صاحب نے انھیں یہ سارے کام سونپ دیے تھے۔

دوران کانفرنس غلام السیدین صاحب کے بارے میں کئی آوازیں ہال کے اندر باہر اٹھتی رہیں بعض لوگ لیبیا کے منتظمین سے غلام صاحب کی شکایات کرتے بھی سنے گئے اور خاص طور پر کانفرنس کے پہلے دن کے ناقص انتظام کے بارے میں ان لوگوں کو خوب موقع ہاتھ آیا اور وہ یہ کامیاب تاثر دیتے رہے ہیں کہ سیدین نے رہائش اور کھانوں کے لیے جو اتنی رقم لی ہے وہ مہمانوں کی راحت کے لیے کیوں خرچ نہیں کی جا رہی۔ جب کہ سیدین صاحب نے پہلے دن کے ناقص انتظام کے بارے میں معذرت کی اور اس کا سبب شرکاء کی صحیح تعداد کا علم نہ ہونا قرار دیا۔

بہرحال بریلوی گروپ جناب سیدین کی قیادت میں اس کانفرنس میں نمایاں اور بھرپور طریقے سے شریک تھا۔

جیسا کہ استقبالیہ کمیٹی کے ارکان کی فہرست سے ظاہر تھا کہ اس کانفرنس کے انعقاد و انتظام کے سلسلے میں کچھ دوسری تنظیموں یا گروہوں کو بھی شریک کیا گیا ہے، ان میں ہمارے تبلیغی دیوبندی بھائی بھی شامل تھے، بلکہ بریلوی حضرات کے بعد اکثریت انہی کی تھی۔ مگر بدا وی صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جو کام بریلوی حضرات سے لیا جا سکتا ہے، شاید وہ کام دوسرے نہ کر سکیں۔ اس لیے انھوں نے ان حضرات کو زیادہ اہمیت نہ دی، حالانکہ کچھ عرصہ قبل لندن میں جو ایک تعلیمی کانفرنس ہوئی تھی، جس کے منتظمین میں افتخار ملک صاحب اور مولانا عیسیٰ منصوری صاحب نمایاں تھے۔ اس کانفرنس کو لیبیا کی مدد حاصل تھی، اس کے بعد اس گروپ کے کچھ لوگوں نے طرابلس یا ترا بھی کی تھی، مگر امام و مسجد کانفرنس میں بریلوی حضرات کو نمایاں دیکھ کر یہ حضرات کچھ مایوس نظر آتے تھے۔

تیسرے جو لوگ کانفرنس میں حاضر یا شریک ہوئے ان میں یو کے اسلامک مشن سے تعلق رکھنے والے علماء یا افراد تھے، ان حضرات کی اس اجتماع میں (اور اس سے پہلے طرابلس یاترا میں) شرکت ہمارے لیے باعثِ تعجب بھی تھی اور باعثِ افسوس بھی۔ ایک تو اس لیے کہ یو کے اسلامک مشن (برطانیہ) اپنی نسبت اس بین الاقوامی تحریکِ اسلامی (Islamic movements) کی طرف کرتا ہے جو دنیا بھر میں مختلف ناموں سے غیر اسلامی نظام ہائے زندگی کو تبدیل کرنے کی سعی کر رہی ہیں، اور ان میں جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون کی خدمات بہرحال کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، جنھوں نے طاغوتی قوتوں کے خلاف جدوجہد میں بھاری قیمت ادا کی اور اب تک کر رہی ہیں اور پھر یو کے اسلامک مشن سے منسلک لوگوں میں سے بیشتر نے کسی نہ کسی انداز سے تحریک میں کام بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے بین الاقوامی اسلامی تحریک سے کڑیاں ملانے والوں کے لیے ہرگز شایانِ شان نہیں کہ وہ ایسے نظام سے کسی بھی نوع کا کوئی تعلق رکھیں جس نے تحریکِ اسلامی کو اپنے ملک میں بری طرح کچلا ہو اور جو بین الاقوامی سطح پر ان طاقتوں کی حمایت بلکہ سرپرستی کر رہا ہو جو تحریکِ اسلامی کی اصل دشمن اور حریف ہیں، اور کرنل قذافی نے تو طرابلس کانفرنس میں اخوان المسلمون کا نام لے کر جو ریمارکس دیے ہیں اس سے اس کے بغض و عداوت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایسی حکومتیں جو خود اپنے ملکوں میں اسلامی نظام یا اسلامی تحریک کا نام تک بھی سننا گوارا نہیں کرتیں اور اسلامی قوانین کے عملی نفاذ کے امکان کا کھلے عام رد کر رہی ہیں۔ ان کے اہتمام سے منعقد ہونے والی کانفرنسوں یا اجتماعات میں شرکت یا ان سے تعاون کے سلسلے میں کچھ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ وہاں جلسے میں حق سنانے کا موقع ملتا ہے اور اچھے ذہن کے لوگوں کی شرکت سے شاید وہاں کوئی غلط قرار داد پاس نہ ہو سکے اور غلط ذہن کے لوگوں کو اپنی من مانی

کرنے کا موقع نہ ملے ۔ ۔ ۔ ۔ میرے خیال میں اس دلیل میں کوئی وزن نہیں ۔ اول تو اس لیے کہ سیاسی اغراض کے لیے منعقد کیے جانے والے ایسے اجتماعات کے فیصلے اور قرارداد یں پہلے سے طے شدہ ہوتی ہیں اور اس میں کسی کا بولنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور دوم یہ کہ وہ لوگ مختلف تنظیموں خصوصاً معروف تنظیموں کی شرکت کو اپنے حق میں استعمال کرتے ہیں اور یہ تاثر دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ اسلام کے بڑے بڑے ترجمان بھی ہماری اسلام پسندی پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں اور عوام میں بھی اس خیال کو بہر حال تقویت ملتی ہے کہ جس شخص یا حکومت سے اتنے بڑے ادارے تعاون کر رہے ہیں وہ بھلا اسلامی تحریک کا دشمن کیسے ہو سکتا ہے؟ اور یہ دیکھیے کانفرنس خود اس بات کا ثبوت ہے کہ لیبیا کی توریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور قذافی صاحب کو مجاہد اسلام ثابت کرنے کے لیے کرائے کی ایک بھیڑ ان لوگوں نے جمع کر رکھی تھی اور وہ لوگ جو وہاں حق سنانے تشریف لے گئے تھے، ان کا کلمۂ حق ہمیں کہیں سنائی نہیں دیا۔

بہر حال ہر تنظیم یا ادارہ کسی بھی کانفرنس یا اجتماع میں شرکت کرنے یا نہ کرنے میں آزاد و خود مختار رہے۔ اور کوئی بھی پالیسی بنانے میں انھیں اپنے مفادات یا مصلحتوں کا بہر حال خیال رکھنا پڑتا ہے بین الاقوامی اسلامی تحریک سے جو نسبت یا تعلق ہے، اس کی وجہ سے یہ چند الفاظ زبان پر آگئے ہیں ۔ ورنہ اس کی بھی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی اس انداز سے اظہار شکایت اپنی عادت ہے ۔

شكوت وما الشكوى لمثلي عادة ولكن يفيض الكأس عند امتلاءها

کارروائی کا آغاز

کانفرنس کا افتتاح ۲۲ راپریل کو لیبیا کی جمعیت دعوۃ الاسلامیہ کے صدر ڈاکٹر احمد شریف نے کیا۔ کئی ہفتے پہلے ذرائع ابلاغ کے ذریعے زبردست تشہیر کی گئی اور اس پر بہت زیادہ سرمایہ بھی صرف کیا گیا تھا، اس لیے حاضرین کی تعداد چار پانچ سو کے قریب تھی، جس میں مساجد کے ائمہ اور خطباء کے علاوہ بڑی تعداد عام لوگوں کی بھی تھی۔ اور ان میں دو تہائی اکثریت پاکستانیوں کی تھی۔ اسٹیج پر جو لوگ براجمان تھے ان میں مولانا نورانی و نیازی صاحبان بھی تھے ۔ ہمیں معلوم ہوا کہ بعض مولوی صاحبان نے اسٹیج پر کرسی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر انھیں کامیابی نہ ہوئی ۔ کونٹری کے ایک مولوی صاحب تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گئے مگر بعد میں انھیں اٹھا دیا گیا ۔ افتتاحی اجلاس میں مولانا نورانی صاحب کی تقریر بھی تھی ۔ ان کی یہ انگریزی تقریر متوازن تھی اور اس میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں تھی، کچھ لوگوں نے ان کی انگریزی کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی اور بعض لوگوں نے ان کی تقریر کے اس پہلو کا خاص طور پر نوٹس لیا کہ بریلوی حضرات اپنے اجتماعات میں اپنی

خود ساختہ چیزوں پر بہت زور دیتے ہیں اور بعض غیر ثابت اعمال کو دین کے واجبات کی شکل میں اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ جو شخص یہ کام نہ کرے یا ان کا ہمنوا نہ ہو اسے گستاخ و بے ادب ہونے کا الزام دیتے ہیں اور بعض مساجد میں تو ان باتوں کی وجہ سے فساد تک نوبت پہنچتی ہے، انگوٹھے چومنا، یا رسول اللہ کے نعرے لگانا اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنا جیسے کام ان لوگوں کے نزدیک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

لیکن اس کانفرنس میں کچھ لوگوں کو یہ دیکھ کر تعجب ہے کہ اس گروہ کے قائد مولانا نورانی نے اپنی تقریر کے دوران متعدد بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا مگر انھوں نے ایک بار بھی انگوٹھے نہیں چومے۔ ہال میں موجود بریلوی اکثریت کو ان کی تقریر کے دوران یا رسول اللہ کے نعرے لگانے کا خیال بھی نہ آیا، اور اس سیشن کے اختتام پر نورانی صاحب یا کسی اور نے کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کی رسم بھی ادا نہ کی۔ شاید اس لیے کہ لیبیا والوں کے نزدیک بھی یہ کام بدعت میں شریک ہوتے ہیں، اور ان کے خوف سے نورانی صاحب یہ کام کرنے سے باز رہے۔ اور پھر خود نورانی صاحب کے نزدیک ان کاموں کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی اسی لیے انھوں نے ترک کرنا مناسب سمجھا۔

لیکن ہم اپنے بریلوی بھائیوں سے یہ ضرور عرض کریں گے کہ متعدد ایسی رسومات اور بدعات جو ان کے یہاں رائج ہیں ضد میں آ کر انھیں اس انداز سے پیش نہ کریں کہ بے چارے عوام انھیں ارکانِ اسلام سمجھ لیں اور ان رسموں کو کرنے یا نہ کرنے کو حبِ رسول کا معیار قرار دیدیں۔ اور جو نہ کرے وہ ان کے نزدیک معتوب ہو جائے۔ یہ عجیب روش ہے کہ جب علماء کسی کام کو غیر ثابت یا بدعت قرار دیتے ہیں تو ہمارے یہ بھائی دوسرے مسالک کی ضد میں آ کر پھر ان رسموں کو زیادہ اہتمام اور جوش سے کرتے ہیں تاکہ مخالف کی بات کا رد ہو جائے اور کسی حال میں بھی اس سے موافقت نہ پیدا ہونے پائے۔ اور جب ان کے اپنے لوگ ان کاموں کو غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں تو پھر نہ ان کے عشقِ رسول میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ جذبۂ عقیدت میں کوئی کمی آتی ہے۔ نورانی صاحب نے یہ کام ترک کیے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خود ان کے نزدیک بھی ایسے کاموں کی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ ان کو کرنے یا نہ کرنے کو بنیاد بنا کر فتنہ و فساد برپا کیا جائے۔ حالانکہ عام بریلوی حضرات کا طرزِ عمل اس سے بالکل مختلف ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دوسرے دن کی کارروائی میں کچھ حضرات نے شاید اس کوتاہی کی تلافی کرنے کی کوشش کی اور نیازی صاحب کی تقریر کے دوران خوب گلے پھاڑ پھاڑ کر یا رسول اللہ کے نعرے لگائے گئے لیکن انگوٹھے چومنے اور سلام پڑھنے کی سعادت سے دوسرے دن بھی یہ لوگ محروم رہے۔

اب ذرا نیازی صاحب کی تقریر کا حال سنیے۔ ان کی نصف تقریر انگریزی میں اور نصف اردو میں تھی اور موضوع دونوں کا جدا جدا۔ نیازی صاحب کی تقریر میں منفی پہلو غائب تھا اور انگریزی تقریر کا انداز بھی جارحانہ تھا۔ اور اس میں انھوں نے لیبیا کی رضا جوئی کے لیے سعودی عرب کو تنقید کا نشانہ بنایا، اپنی جرأت و بہادری کی داستان اپنے منہ سے بیان کی اور اس کے بعد پہلے سے لکھی اردو تقریر پڑھنی شروع کر دی، اردو میں ٹھہراؤ تھا اور مثبت پہلو غالب تھا نہ معلوم انھوں نے ایک ہی اجتماع میں دو مختلف تقریریں کیوں کیں۔ اور انگریزی تقریر کو اردو میں کیوں نہیں دہرایا۔ بہر حال اردو تقریر میں انھوں نے داعیٔ اتحاد کا روپ دھار لیا اور خاص طور پر دیوبندی۔ بریلوی اختلاف کو موضوع سخن بنایا اور مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام سے اپنے تعلقات و روابط کے شواہد پیش کیے

نیازی صاحب کی طرف سے اتحاد کے فارمولے کا آنا ایک خوش گوار تبدیلی ہے اور اس لحاظ سے خوش آئند ہے کہ فرقہ وارانہ کشیدگی اکثر و بیشتر انہی کے گروپ کے طرز عمل سے پیدا ہوتی ہے اور فرقہ وارانہ تقریروں کی وجہ سے بریلوی اسٹیج کافی بدنام بھی ہے۔ برطانیہ میں مختلف فرقوں کے درمیان کشیدگی اور لڑائی و فسادمیں نیازی صاحب کا اپنا بھی کافی حصہ ہے۔ یہاں کے لوگ گواہ ہیں اور بعض لوگ وہ کیسٹ بھی محفوظ رکھے ہیں جب نورانی و نیازی صاحبان شروع شروع میں یہاں تشریف لائے تھے تو کس قدر اشتعال انگیز تقریریں کیں اور دوسرے مکاتب فکر کے خلاف کس قدر زہر اگلا تھا۔ جس کے نتیجے میں مساجد پر قبضہ کرنے کی مہم چلی جو اب تک جاری ہے اور متعدد مساجد میں لڑائیاں ہوئیں اور کئی مساجد کی تالا بندی بھی ہوئی۔

تقریباً ایک سال پہلے جب یہ تینوں بزرگ یعنی نورانی صاحب، نیازی صاحب اور شاہ فرید الحق صاحب یہاں تشریف لائے تو اس دوران بھی ان کی تقریریں جارحانہ اور فرقہ وارانہ تھیں جن میں شر انگیزی کا پہلو غالب تھا، اور لندن کے بعض مقامات پر کچھ لوگوں نے اس انداز پر اعتراض بھی کیا تھا اور ان کی ان سے جھڑپیں بھی ہوئی تھیں۔ بہر حال ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ آگ ان بزرگوں کی اپنی لگائی ہوئی ہے اور اس کے بجھانے کی ذمہ داری دوسروں سے زیادہ ان پر عائد ہوتی ہے۔

یوں بدگمانی تو نہیں کرنی چاہیے لیکن سابقہ تجربات کی روشنی میں ہمیں یہ دعوت اتحاد خلوص سے خالی نظر آتی ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ نیازی صاحب کے گروپ اور پارٹی کے قیام اور بقا کا دارومدار ہی منافرت پر ہے۔ نفرت پھیلانے اور اپنے پیروکاروں کو دوسروں سے متنفر کرنے میں ان لوگوں نے کافی محنت کی ہے اور

چند رسومات کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ جو ان کی پابندی نہیں کرتا اسے یہ لوگ مشکل ہی سے مسلمان سمجھتے ہیں۔
جس گروپ کی سیاست کی بنیاد ہی نفرت پر ہو وہ اتحاد کو کیسے قبول کر سکتا ہے، کیونکہ اتحاد سے نفرت ختم ہوتی ہے اور
ایک دوسرے کے قریب آنے سے بے شمار غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے اور ایسی صورت میں نفرت کی بنیاد پر قائم ہونے
والے فرقوں اور پارٹیوں کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

پاکستان میں قومی اتحاد وجود میں آیا جس میں نورانی صاحب کی پارٹی بھی شامل ہوئی، چنانچہ عوام کو ایک ہی
اسٹیج سے مختلف علماء کرام اور رہنماؤں کے خیالات سننے کا موقع ملا، نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں تعصب اور ہٹ دھرمی
کم ہونے لگی اور بے شمار لوگ یہ کہتے سنے گئے کہ فرق تو کچھ بھی نہیں تھا، یوں ہی مولوی ہمیں لڑا رہے تھے، جب
اس گروپ نے یہ محسوس کیا تو وہ قومی اتحاد سے باہر آیا اور نفرت کی ایک نئی مہم چلائی گئی اور پاکستان خصوصاً کراچی کے
اخبارات گواہ ہیں کہ نورانی و نیازی صاحبان کے گروہ نے پھر کیسی مہم چلائی اور تھوڑے عرصے میں ملک پھر گروہی و
فرقہ وارانہ سیاست کی لپیٹ میں آ گیا۔ اور یہ صورتحال اب تک قائم ہے۔

بہر حال نفرت کی ایک حد ہوتی ہے، جب ان لوگوں نے حد سے تجاوز کرنے کی کوشش کی تو عوام اور پریس نے
یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ کچھ لوگ اختلافات کو ہوا دے کر نہ صرف مذہبی کشیدگی پیدا کرنا چاہتے ہیں بلکہ مذہب
اور فرقے کے نام پر اپنی سیاست کی دوکان بھی چمکانا چاہتے ہیں۔ اور اشارات واضح تھے۔ چنانچہ اس موقع پر یہ
لوگ خطرات کو بھانپ گئے اور داعئ اتحاد کے روپ میں سامنے آنے کی کوشش کی اور ایک فارمولا بھی پیش کر دیا،
جسے بنیاد بنا کر دیوبندی، بریلوی اختلافات ختم کرنے کے دعوے کیے جا رہے ہیں۔

اسی فارمولے کو نیازی صاحب نے اس کانفرنس میں پیش کیا۔ اس فارمولے کا اصل حصہ حاجی امداد اللہ مکی رح
کے افکار ہیں۔ کہ انھیں سامنے رکھ کر اختلافات مٹا دیے جائیں، حاجی صاحب کے وہ افکار کیا ہیں اور ہمارے
نزدیک وہ کسی فکری یا اعتقادی اتحاد کی بنیاد بن سکتے ہیں یا نہیں، اس پر تو ہم کسی دوسری فرصت میں گفتگو کریں گے
لیکن یہاں اتنا ضرور عرض کریں گے کہ اختلافات کا وجود کلی طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اصل موضوع تو یہ ہے
کہ بعض باتوں یا مسائل میں اختلاف آراء کے باوجود اتحاد قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ کون سے مشترکہ
یا متحدہ مقاصد ہیں جن پر برطانیہ یا پاکستان کے مختلف مکاتب فکر کا اتحاد ہو سکتا ہے۔

خود نیازی صاحب نے اپنے فارمولے میں یہ کہا ہے کہ دوسروں کے خلاف زہر نہ اگلا جائے اور زندہ

رہو اور زندہ رہنے دو کے اصل پہ عمل کیا جائے، سوال یہ ہے کہ اس اصول کو توڑتا کون ہے؟ مساجد میں فسادات کون کراتا ہے؟ معمولی رسموں کو بنیاد بنا کر دوسروں پر کفر کے فتوے کون لگاتا ہے؟ اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا نہ پڑھنے کی تلقین کون کرتا ہے؟ یہ باتیں جب تک سامنے نہ آجائیں گی، کوئی بھی فارمولا آگے نہیں بڑھ سکتا۔ انگریزی تقریر میں خود نیازی صاحب اپنے فارمولے کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور بزعم خویش مخالفین کے بارے میں ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جن پر ان کے حواری ہی نعرے لگا سکتے ہیں، کوئی دوسرا ہرگز ایسا پسند نہیں کر سکتا۔ اور اس کے بعد اردو میں اتحاد کا فارمولا پیش کر دیتے ہیں، اس سے خلوص کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نیازی صاحب کی اس تقریر کے دوران فضا کافی جذباتی سی ہو گئی تھی، کیونکہ ان کی تقریر کے دوران، ان کے مداحوں نے جس انداز سے نعرے بازی کی اس سے یہ گمان ہونے لگا کہ یہ مسجد و امام کانفرنس کا اجلاس نہیں بلکہ میلاد یا گیارہویں کی کوئی مجلس ہے۔

ان کے بعد سٹیج سے دیوبندی عالم علامہ خالد محمود صاحب کو دعوتِ خطاب دی گئی، علامہ صاحب ذہنی طور پر شاید اس فارمولے کے بارے میں کچھ کہنے کے لیے پہلے سے تیار نہ تھے، اس لیے انھوں نے اپنی تقریر کے آخر میں صرف یہ اعلان کر دیا کہ ہم نیازی صاحب کے اس فارمولے سے متفق ہیں، اس موقع پر ہال نے تحسین کے نعرے بلند ہوئے۔

ہمارے نزدیک علامہ صاحب کو اس اعلان سے قبل نیازی کے اپنے طرزِ عمل اور ان کی انگریزی تقریر کا تجزیہ کرنا چاہیے تھا، اور پھر برطانیہ میں خاص طور پر اختلافات کے اسباب کا ذکر بھی کرنا چاہیے تھا، اور پھر اس فارمولے کو قابلِ عمل بنانے کے لیے کچھ حدود و قیود کا تعین بھی کرنا چاہیے تھا۔ لیکن انھوں نے شاید مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس جذباتی فضا میں اسے اسی انداز سے قبول کرنے کا اعلان کر دیا جائے اور عوام بیچارے یہ سمجھ کر خوش ہو گئے کہ دیوبندی، بریلوی کی صلح ہو گئی ہے۔ لیکن جذباتی اور وقتی مصلحتوں کی بنیاد پر کیے جانے والا کوئی بھی کام مثبت نتائج کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فارمولا ایک جانب سے پیش کیا گیا، دوسری طرف سے قبول کر لیا گیا۔ اور اس اعلانِ صلح کو کئی مہینے گزر چکے ہیں مگر ابھی تک نہ کوئی پیش رفت ہوئی ہے اور نہ فضا میں کوئی تبدیلی محسوس ہوتی ہے، اس سے طرفین کی اس فارمولے کے بارے میں سنجیدگی کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

اس ساری بحث و تجزیے کے باوجود ہماری یہ دیانت دارانہ رائے ہے کہ اگر نیازی صاحب اور ان کے ساتھی یہ فارمولا پیش کرنے میں مخلص ہیں تو پھر انھیں اس کام کو آگے بڑھانا چاہیے، اتحاد کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں کیا فارمولا ہونا چاہیے، اس بارے میں ہمارا نقطہ نظر ان سے مختلف ہے، لیکن اس کے باوجود اتحاد کے لیے کی جانے والی (خصوصاً برطانیہ میں) کسی بھی کوشش کی کامیابی کے لیے ہم بھرپور تعاون کرنے کے لیے تیار رہیں۔

اس کانفرنس کے کچھ مثبت پہلو بھی ہیں، جن کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ کوئی بھی اجتماع جس میں مختلف الخیال اور مختلف علاقوں کے لوگ شریک ہوتے ہیں تو ان کی ملاقاتوں سے بعض مفید اور مثبت نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہ کانفرنس جو منعقد کرنے والوں نے مخصوص اغراض اور کچھ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔ مگر بہرحال ایک اجتماع تھا جس میں متعدد لوگوں کو ایک ساتھ مل بیٹھنے کا موقع ملا جس سے قربت کے کچھ راستے بنائے جا سکتے تھے اور باہمی ملاقاتوں سے کم از کم اتحاد و اشتراک کا احساس ضرور اجاگر ہوتا ہے، جس کے کچھ مظاہر اس کانفرنس میں بھی نظر آئے۔ دوسرا مثبت پہلو یہ تھا کہ جو لوگ سیاسی اور گروہی اغراض سے بالا ہوتے ہیں ایسے اجتماعات میں وہ مقصد کی چیزیں پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں جن لوگوں نے اس مسجد و امام کانفرنس میں مسلمانوں کے تعلیمی یا معاشرتی مسائل سے متعلق یا ائمہ مساجد کے بارے میں عمدہ تجزیے پیش کیے۔ مسائل کے حل کے لیے قابل عمل تجاویز سامنے لائے اور مسلمانوں کو ان کی اصل ذمہ داریوں کا احساس دلایا، ان میں شیخ عبد المنعم خطاب (امریکہ) جناب احمد دیوات (جنوبی افریقہ) مولانا شاہد رضا (لسٹر) اور ڈاکٹر بشیر احمد (مانچسٹر) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ استنبول یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کا مقالہ بھی پر مغز اور اثر انگیز تھا۔

کانفرنس کا آخری سیشن قراردادوں اور کونسل کی تشکیل کے لیے مخصوص تھا، قراردادیں زیادہ تر روٹین کے مطابق تھیں اور کوئی منفی قرارداد نہ تھی۔ مساجد کو مالی امداد دینے اور جن پر بینک کے قرضوں کا بوجھ ہے انھیں اولیت دینے سے متعلق قرارداد پر حاضرین نے زیادہ دلچسپی اور جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔

آخر میں ایک کونسل آف مساجد تشکیل دی گئی جس کے پہلے سے طے شدہ نام سٹیج سے پڑھ کر سنائے گئے، جن میں اکثریت بریلوی حضرات کی تھی، اور کچھ دیوبندی اور یو کے مشن سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی شامل ہیں۔ کونسل کے لیے ۲۵ ارکان کے ناموں کا اعلان کیا گیا اور مزید ۲۵ کی گنجائش رکھی ہے۔ اس کونسل کی کارکردگی کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی یہ معلوم ہوا ہے کہ لیبیا اتنا بھاری سرمایہ خرچ کرنے کے بعد کانفرنس کے نتائج سے مطمئن ہے یا نہیں؟ لیکن ایک بات بہرحال طے ہے کہ زکی بداوی کے سابقہ کردار کی روشنی میں اس کانفرنس سے بڑی توقعات

جوارِ رحمت میں

شیخ محمد علی الحرکانؒ

حیف کہ عالم اسلام کی ایک نہایت اہم حساس اور متحرک علمی شخصیت یعنی شیخ محمد علی الحرکان (سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ) رہگرائے عالم جاودانی ہوگئے۔ انا للہ
آپ کی وفات ۲ ارجون ۱۹۸۳ء یعنی رمضان المبارک کے پہلے جمعہ کی صبح ہوئی۔ اس دن سعودی عرب میں رمضان کی ۷، اور ہندوستان میں ۵ تاریخ تھی۔ اسی روز شام کو آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ مکہ کے گورنر امیر ماجد بن عبد العزیز کی قیادت میں مسلمانوں کے ایک جم غفیر نے آپ کے جنازے کو مکہ کے قدیم اور تاریخی قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن کیا۔ آپ کی وفات کی خبر آناً فاناً پورے عالم اسلام میں پھیل گئی۔ اور جگہ جگہ نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ مسجد نبوی میں نماز عشاء کے بعد جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ اور امام مسجد نبوی شیخ عبد العزیز بن صالح نے آپ کے کارناموں کی تعریف بھی کی۔

شیخ حرکان صرف سعودی عرب ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے ایک منتخب اور حد درجہ گہری بصیرت اور قوت عمل رکھنے والے چوٹی کے عالم دین تھے۔ ۱۳۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ کوئی دس سال کی عمر میں پورا قرآن مجید حفظ کرکے علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسجد نبوی کی درسگاہ میں وقت کے کبار علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر چکے تھے۔ یہ ۱۳۴۳ھ کی بات ہے۔

علوم وفنون کی تکمیل کے بعد محکمہ قضاء کے مختلف شعبوں میں کام کرتے اور بتدریج ترقی کرتے ہوئے جدہ کی چیف شرعی عدالت کے صدر مقرر ہوئے۔ اور جب ۱۳۹۱ھ میں مرحوم شاہ فیصل نے مملکت سعودیہ میں پہلی بار وزارت انصاف کی تشکیل کی تو اس منصب کے لئے شاہ فیصل کی نگاہ انتخاب آپ ہی پر پڑی۔ اس طرح آپ سعودی عرب کے پہلے وزیر عدل نامزد ہوئے۔ آپ ہی کی وزارت کے دور میں اسلامی مسیحی گفتگو ہوئی۔ جو تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی گفتگو تھی اس کے لئے موصوف کی قیادت میں کبار علماء کے ایک وفد نے یورپ کا سفر کیا تھا۔ اور عیسائیوں کے دونوں عالمی مراکز واٹیکان اور مرکز اتحاد کنائس عالم میں دانشوران یورپ کے سامنے اسلامی قوانین وضوابط کی تفصیلات اس انداز سے پیش کی گئیں کہ انہیں اظہار تعجب کے ساتھ اسلام کی اہمیت وبرتری تسلیم کرنی پڑی۔ اس کی تفصیلات راقم الحروف نے جامعہ سلفیہ کے سابق اردو ترجمان صوت الجامعہ کے فیصل شہید نمبر میں "مکہ نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام"

کے عنوان سے انہیں ایام میں درج کردی تھیں۔

۱۳۹۲ھ میں رابطہ نے اسلامی تنظیمات کی جو عالمی کانفرنس منعقد کی تھی اس کی صدارت کے لئے بھی آپ ہی کو مدعو کیا تھا جس کے کوئی سال بھر بعد ۱۳۹۵ھ میں رابطہ کو زیادہ فعال اور متحرک بنانے کے لئے آپ کو اس کا سکریٹری جنرل منتخب کر لیا گیا۔ اس منصب پر فائز ہوتے ہی آپ نے جس طرح دوڑ دھوپ شروع کی اور پوری دنیا کی اسلامی تنظیمات کو ایک لڑی میں پرونے، انہیں متحرک کرنے اور ان کے ذریعہ اسلامی دعوت وتحریک کے عمل کو پوری دنیا میں منظم اور بار آور کرنے کے لیے جو انتھک جد وجہد کی وہ رابطہ کی تاریخ میں ایک نمونہ اور مثال ہے۔

پوری دنیا کی مساجد کو منظم اور متحرک کرنے اور ان کے منبروں سے اسلام کی دعوت عام کرنے کے لئے رابطہ نے آپ کے دور میں مساجد کی ایک عالمی مجلس اعلیٰ تشکیل کی۔ اور آپ ہی کو اس کا سکریٹری جنرل مقرر کیا۔ آپ نے اس تنظیم کے تحت مختلف ممالک کے اندر ملکی مجلسیں بھی قائم کیں اور مختلف ممالک کے مجموعے کی براعظمی مجلسیں بھی قائم کیں۔ اسی سلسلے میں سال رواں کے ماہ صفر میں آپ نے علالت کے باوجود انڈونیشیا اور جاپان وغیرہ کا سفر بھی کیا اور ملائشیا میں مساجد کی ملکی مجلس کا، انڈونیشیا کے دار الحکومت جکارتا میں براعظمی مجلس کا اور اس کے بعد جاپان کے دار الحکومت ٹوکیو میں جدید اسلامی مرکز کا افتتاح کیا۔ اور پھر عارضۂ قلب میں مبتلا ہو کر وہیں صاحب فراش ہو گئے۔ بالآخر خدا نے شفا عطا فرمائی اور آپ مراجعت فرما کے مکہ مکرمہ ہوئے۔

ان مساعی ومناصب کے علاوہ آپ سعودی عرب کی مجلس کبار علماء کے رکن رکین اور مجمع فقہی کے نائب صدر بھی تھے آپ کی وفات سے سعودی عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں زبردست خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت بے پایاں سے نعم البدل عطاء فرمائے۔ اور آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین

قاری محمد طیب صاحب

موصوف ملک کی نہایت مشہور علمی شخصیت اور حلقۂ دیوبند کے حکیم الاسلام تھے۔ آپ کے انتقال کی خبر ہند وپاکستان کے ریڈیو اور اخبارات میں بڑی تفصیل سے شائع ہو چکی ہے انتقال کے وقت آپ کی عمر کوئی ۸۸ برس تھی اور اس میں سے تقریباً نصف مدت دار العلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے گذری تھی۔ چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر دار العلوم دیوبند نے ایک نہایت وسیع پیمانے کا اجلاس عام کیا تھا مگر اس اجلاس کے بطن سے ایسے تنازعات نے جنم لیا جس کے نتیجے میں دار العلوم دیوبند نہایت افسوسناک داخلی خلفشار کا شکار ہو گیا۔ کوئی سال بھر تعلیم بند رہی اور بالآخر یہی تنازعات آپ کی نظامت کو بھی لے ڈوبے۔

موصوف سے راقم الحروف کی ملاقات ۱۶ یا ۱۷ اگست ۱۹۶۷ء کو ایک وفد کے ہمراہ نظام الدین دہلی کے باجپالی ہال میں فلسطین کانفرنس کے دوران ہوئی تھی۔ مگر شاید آداب تصوف کے سبب موصوف پوری ملاقات کے دوران خاموش رہے۔ اور نہایت اہم قومی موضوعات پر تبادلۂ خیال کی آرزو آرزو ہی رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ سے رحمت و مغفرت کا معاملہ کرے۔ (تاریخ وفات ـ ۱۷ جولائی ۱۹۸۳ء)

قاری عبدالسبحان صاحب ۱۰ جون ۱۹۸۳ء ۲۷ شعبان ۱۴۰۳ھ کو مولانا قاری عبدالسبحان صاحب مئوی انتقال فرما گئے۔ اناللہ۔ موصوف مئوناتھ بھنجن کی ایک معروف اور بلند پایہ علمی شخصیت تھے۔ وہاں کے دو اداروں مدرسہ فیض عام اور مدرسہ دارالحدیث میں درس و تدریس کے مشغلے کے اندر اپنی پوری زندگی گزار دی۔ پورا ہندوستان آپ کی جولان گاہ تھا اور لوگ آپ کی تقریر اور پند و نصائح بڑی دلجمعی سے سنتے تھے۔ اخیر عمر میں ضعف پیری کے علاوہ مختلف امراض کی بھی آمد و رفت رہی۔ آخر رمضان مبارک سے تین دن قبل یوم جمعہ کو وقت موعود آپہنچا۔ اللہ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

خلیل احمد سیٹھ (مالیگاؤں) موصوف ۱۷ اور ۱۸ شوال (جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب) کو دورۂ قلب کے نتیجہ میں انتقال کر گئے۔ اناللہ۔ آپ مالیگاؤں کی ایک معروف اور بلند پایہ شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ دینی حمیت و غیرت اور ذوق و شوق کا بھی حصۂ فراواں عطا کیا تھا۔ مالیگاؤں کی مشہور عربی درسگاہ جامعہ محمدیہ کی تاسیس و تعمیر میں روز اول سے ماضی قریب تک پوری دلجمعی کے ساتھ شریک رہے۔ ابھی پچھلے دنوں جمعیۃ اہلحدیث صوبہ مہاراشٹر کی صدارت بھی آپ کے ذمہ کردی گئی تھی۔ آپ مرنجاں مرنج طبیعت اور گوناگوں خصوصیات کی بنا پر مختلف حلقوں پر گہرے اثرات رکھتے تھے۔ اور ہر دلعزیزی و قبول عام حاصل تھا۔ اللہ مغفرت کرے اور بلند درجات سے نوازے۔ آمین۔

ہماری مطبوعات

(عربی)

١ ۔ مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح (١ ۔ ٧)
٢ ۔ بین الامامین مسلم والدارقطنی (رح)
٣ ۔ شرح ثلاثیات البخاری
٤ ۔ اتحاف الکرام شرح بلوغ المرام
٥ ۔ رفع الالتباس عن بعض الناس
٦ ۔ نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر
٧ ۔ البیان المکمل فی تحقیق الشاذ والمعلل
٨ ۔ تقویة الایمان
٩ ۔ الحسام الماحق
١٠ ۔ معدل الصلاة
١١ ۔ حصول المامول من علم الأصول
١٢ ۔ حرکة الانطلاق الفکری
١٣ ۔ جهود أهل الحدیث فی خدمة القرآن الکریم
١٤ ۔ جهود مخلصة فی خدمة السنة المطهرة
١٥ ۔ اخبار الکرام باخبار المسجد الحرام
١٦ ۔ المحدث شمس الحق العظیم آبادی : حیاته وآثاره
١٧ ۔ عروة بن اذینه : حیاته وشعره
١٨ ۔ مجموعة النظم والنثر
١٩ ۔ شذا العرف فی فن الصرف

(اردو)

٢٠ ۔ اهلحدیث اور سیاست
٢١ ۔ فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء الله امرتسری (رح)
٢٢ ۔ قادیانیت اپنے آئینہ میں
٢٣ ۔ تاریخ ادب عربی (ج ١ ، ٢)
٢٤ ۔ وسیلة النجاة
٢٥ ۔ اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات ۔
٢٦ ۔ رمضان المبارک کے فضائل واحکام
٢٧ ۔ رکعات تراویح کی صحیح تعداد اور علماء احناف
٢٨ ۔ سلفی دعوت کے علمی أصول
٢٩ ۔ سلفی دعوت اورائمۂ أربعہ رحمہم الله
٣٠ ۔ جماعت اهل حدیث کی تصنیفی خدمات
٣١ ۔ جماعت اهل حدیث کی تدریسی خدمات
٣٢ ۔ قبروں پر مساجد اور اسلام

(زیر طبع)

١ ۔ کتاب الأباطیل للعلامة الجوزقانی ۔ تحقیق : الأستاذ عبد الرحمن الفریوائی
٢ ۔ کتاب فی ظلال الرسول کا اردو ترجمہ
٣ ۔ الجمع والتعلیل فی الجرح والتعدیل للدکتور محمد ضیاء الرحمان الأعظمی

AUGUST **MOHADDIS** 1983

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

★

ادارة البحوث الاسلامیة والدعوة والافتاء بالجامعة السلفیة
بنارس ۔ الهند

★

عدد مسلسل ۲۰ — ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ — ستمبر ۱۹۸۳ء

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

جلد ۲ ● ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ ستمبر ۱۹۸۳ء ● شمارہ ۹

ایڈیٹر

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

● سالانہ ۲۵ روپیے ● ششماہی ۱۳ روپیے

● فی پرچہ ۲/۵۰ روپیے ● بیرون ملک ۱۵ ڈالر

پتہ

خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA „ SALAFIA „ REORITALAB VARANASI-221001

ٹیلی گرام: دارالعلوم، وارانسی ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

تزئین و کتابت

انور جمال

مطبع	طابع	ناشر
سلفیہ پریس وارانسی	عبدالوحید	جامعہ سلفیہ بنارس

محدث بنارس ستمبر ۱۹۹۳ء۔

(بچوں کیلیے)
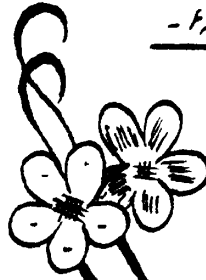
نعت

از

شوق اعظمی

سرورِ انبیا احمد مجتبیٰ
آپ کے نام پر جان و دل ہے فدا
آپ خیر الوریٰ
آپ شمعِ ھدیٰ

آپ ہی کا لقب ہے حبیبِ خدا
ہم کو محبوب ہے آپ کی ہر ادا
آپ خیر الوریٰ
آپ شمعِ ھدیٰ

آپ کا حکم ہے حکم اللہ کا
جان و ایمان ہے آپ کا فیصلہ
آپ خیر الوریٰ
آپ شمعِ ھدیٰ

آپ ہی کو ملا حکم معراج کا
آپ ہی تو گئے سدرۃ المنتہیٰ،
آپ خیر الوریٰ
آپ شمعِ ھدیٰ

آپ نے ڈھا دیا سیکڑوں بتکدہ
توڑ کر رکھ دیا کفر کا سلسلہ،
آپ خیر الوریٰ
آپ شمعِ ھدیٰ

نورِ علم و ہنر آپ ہی نے دیا
آپ ہی سے ملا نسخۂ کیمیا
آپ خیر الوریٰ
آپ شمعِ ھدیٰ

ہندوستانی حاجیوں کی میقات یلملم یا جدہ؟

جدہ جو آج دنیا کی عظیم ترین اور شہرہ آفاق بندرگاہوں میں سے ایک ہے چند صدی پہلے وہ بالکل معمولی حیثیت کی ایک بندرگاہ تھی۔ ہندوستان سے جانے والے حجاج عموماً یمن کی کسی بندرگاہ پر اتر جاتے تھے، اور وہاں سے خشکی کے راستے مکہ تشریف لے جاتے تھے۔ جو راستہ انھیں مکہ پہنچاتا تھا وہ یلملم سے ہوکر گزرتا تھا یلملم حجون کران پانچ مقامات میں سے ایک ہے جنھیں میقات کہا جاتا ہے اور جہاں سے احرام باندھے بغیر حج وعمرہ کرنے والوں کو آگے بڑھنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ اس لیے ہندوستانی حجاج یلملم سے احرام باندھتے تھے اور یہیں سے اہلِ ہند میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ ان کی میقات یلملم ہے۔

زمانہ بدلتا گیا، رفتہ رفتہ جدہ کی اہمیت بڑھتی گئی۔ اور ہندوستان کے جہاز یہیں لنگرانداز ہونے لگے۔ جدہ جانے والوں کے راستے میں کہیں یلملم نہیں پڑتا۔ اس لیے سمندر سے گزرتے ہوئے یہ تخمینہ لگاکر کہ اب یلملم کے سیدھ سے گزر رہے ہیں احرام باندھ لیا جانے لگا۔ اور اب تک یہی طریقہ جاری ہے۔ لیکن اگر گہرائی اور دقت پسندی سے مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ ایک غیر ضروری تکلف ہے۔ بحری راستے ہندوستان سے جانے والے حاجی جدہ اتر کر اطمینان سے احرام باندھ سکتے ہیں۔ ذیل میں اسی مسئلے پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و پیش چند میل کا علاقہ حرم کہلاتا ہے۔ حرم میں کئی ایسے کاموں کی ممانعت ہے جنھیں حرم سے باہر کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً حرم کی گھاس اور درخت کاٹے نہیں جاسکتے اور یہاں کے جانوروں کا شکار نہیں کیا جاسکتا۔ مکہ کے اطراف میں حدیبیہ، جعرانہ، عرفات، تنعیم، یمن اور طائف کے راستوں پر حدِ حرم کی علامت کے طور پر کھمبے لگے ہوئے ہیں، اگر ان کھمبوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لیے لکیر کھینچیں تو مکہ مکرمہ کے گرداگرد مخمس شکل کا ایک گھیرا تیار ہوجائے

گا جس کی مقدار کوئی ۳۰۷ میل ہوگی ۔ درحقیقت اسی گھیرے کے اندر واقع علاقہ حرم ہے اور اس سے باہر حِل ہے حِل میں شکار وغیرہ کی ممانعت نہیں ہے ۔ لیکن حِل کے سارے حصوں یا بلفظِ دیگر حرم کے باہر کی ساری دنیا اور تمام علاقوں کا حکم یکساں نہیں ہے ۔ بلکہ حرم سے پچاسوں اور سینکڑوں میل کے فاصلے پر پانچ مقامات (جنھیں میقات کہا جاتا ہے) ایسے ہیں جہاں سے احرام باندھے بغیر حج یا عمرہ کرنے والا آدمی آگے نہیں بڑھ سکتا اور احرام باندھ لینے کے بعد احرام سے تعلق رکھنے والی ساری پابندیاں شروع ہو جاتی ہیں، گویا بعض حالات میں میقات اور حرم کے درمیانی حصے میں بھی لازماً ویسی ہی پابندیاں عاید ہو جاتی ہیں جیسی حرم کے اندر ہیں ۔ اس لیے ان میقاتوں سے لے کر حرم تک کے علاقے کو حِلِ صغیر کہتے ہیں اور اس سے باہر کی دنیا کو حِلِ کبیر یا آفاق سے تعبیر کرتے ہیں ۔ پانچوں میقاتوں کی مختصر سی توضیح یہ ہے ۔

(۱) اہلِ مدینہ اور ان کی راہ سے آنے والوں کی میقات ذوالحلیفہ ہے ، جو مدینہ سے صرف دس یا بارہ کیلومیٹر اور مکہ سے ۴۳۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے ۔ مکہ سے اس میقات کا فاصلہ سب سے زیادہ ہے ۔

(۲) اہلِ شام اور ان کی راہ سے آنے والوں کی میقات جحفہ ہے جو مکہ کے شمال میں کوئی ۲۰۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور ساحلِ بحرِ احمر سے کوئی دس کیلومیٹر اندر ہے ، اب یہ ویران ہے اور اسی کے قریب رابغ ہے جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے ۔

(۳) اہلِ نجد و طائف اور ان کی راہ سے آنے والوں کی میقات قرنِ منازل ہے جو مکہ کے مشرق میں ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے ۔

(۴) ایران و عراق اور ان کی راہ سے آنے والوں کی میقات ذات عرق ہے ، یہ بھی مکہ کے مشرق میں ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے ۔ یعنی قرنِ منازل اور ذات عرق دونوں مکہ کے مشرق میں یکساں فاصلے پر واقع ہیں ۔ قرنِ منازل جنوب کی طرف اور ذات عرق شمال کی طرف ۔

(۵) یمن اور ان کی راہ سے گزرنے والوں کی میقات یلملم ہے جو مکہ سے ۵۶ کیلومیٹر کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع ہے ۔ مکہ سے اس میقات کا فاصلہ سب سے کم ہے ۔

ان پانچوں میقاتوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لیے اگر لکیر کھینچیں تو ایک ایسی لمبوتری پنی کی شکل وجود میں آئے گی جس کے بعض بعض کنارے قینچی سے چھانٹ دیے گئے ہوں ، درحقیقت اس پتی نما گھیرے کی شکل کا جو نقشہ تیار ہوا ہے یہی حِلِ صغیر ہے اور اس سے باہر کی دنیا آفاق کہلاتی ہے ۔

اس پر سارے علماء کا اتفاق ہے کہ حج و عمرہ کے لیے آنے والے جب تک آفاق میں ہیں اور میقات تک نہیں پہنچے ہیں

اس وقت تک انھیں احرام باندھنے کا حکم نہیں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص کسی ایسے راستے سے گزر رہا ہو جس راستے میں سرے سے کوئی میقات پڑتی ہی نہیں ہے تو اس پر احرام باندھنے کا حکم کہاں سے لاگو ہو گا؟ اس بارے میں بھی علماء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ جب وہ کسی میقات کی محاذاۃ (یعنی سیدھ) میں پہنچے تو اسے لازماً احرام باندھنا ہوگا۔

اس توضیح کے بعد صرف ایک نکتہ باقی رہ جاتا ہے کہ محاذات کسے کہتے ہیں؟ یعنی عازم حج آفاق میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جا رہا ہو، تب بھی بعض اوقات میقات کی سیدھ سے اس کا گزر ہوگا، اور آفاق سے مکہ کی طرف جا رہا ہو تب بھی حل صغیر کی سرحد پر پہنچ کر (یعنی اس لکیر پر پہنچ کر جو ایک میقات کو دوسری میقات سے ملاتی ہے) اس کا گزر میقات کی سیدھ سے ہوگا؟ —— اب سوال یہ ہے کہ کیا احرام کے سلسلے میں ان دونوں قسم کے تقابل اور محاذات کا اعتبار ہوگا، یا صرف دوسری قسم کا؟ ہمیں ایک حدیث نبوی اور عہد خلافت راشدہ کا ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے متعین ہو جاتا ہے کہ صرف دوسری ہی قسم کا اعتبار ہوگا۔ پھر امت کے تعامل سے بھی اسی کی تعیین ہوتی ہے۔

حدیث نبوی کی توضیح کے لیے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دور قدیم سے مدینہ سے مکہ جانے کے دو راستے ہیں، ایک راستہ ذوالحلیفہ سے ہو کر گزرتا ہے اور دوسرا راستہ ذوالحلیفہ کو چند میل کے فاصلے پر بائیں ہاتھ چھوڑتا ہوا ساحل بحر احمر (ینبوع) کی طرف نکل جاتا ہے۔ مدینہ سے ساحل بحر احمر کی طرف جانے کے لیے جو بھی راستہ اختیار کیا جائے گا بہر حال ذوالحلیفہ بائیں ہاتھ کی سیدھ پر چند میل دور لازماً پڑے گا۔ یہ تو واضح ہے کہ جو شخص مدینہ سے ذوالحلیفہ ہوتا ہوا حج یا عمرے کے لیے جائے گا اسے ذوالحلیفہ میں احرام باندھنا ہوگا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جو شخص دوسرے راستے سے جائے کیا اسے ذوالحلیفہ کی سیدھ میں پہنچ کر احرام باندھنے کا حکم ہے؟ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ کن ارشاد موجود ہے۔ مهل اهل المدينة من ذى الحليفة ومن الطريق الآخر الجحفه ... (صحیح مسلم)

یعنی اہل مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ ہے اور دوسرے راستے سے جحفہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ سے ساحل کی طرف نکلتے وقت ذوالحلیفہ کی جو محاذات حاصل ہوتی ہیں اسی طرح ساحل پر پہنچ کر جنوب کی طرف جاتے ہوئے جو محاذات حاصل ہوتی ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ کیوں کہ یہ پورا علاقہ حل صغیر سے باہر یعنی آفاق میں واقع ہے۔

خلافت راشدہ کا واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لیے اگرچہ ذات عرق کو میقات مقرر

کر دیا تھا لیکن عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ کوفہ بصرہ وغیرہ کے مقامات فتح ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ مسئلہ درپیش آیا کہ اگر اہل عراق کی میقات قرن منازل قرار دی جائے تو انھیں مکہ آنے کے لیے خواہ مخواہ اپنا مختصر راستہ چھوڑ کر لمبا چکر کاٹنا پڑے گا، اور اگر اپنے مختصر راستے ہی سے مکہ آئیں تو ان کے راستے میں کوئی میقات نہیں پڑتی، پھر وہ احرام کہاں سے باندھیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ذات عرق کی تعیین کا علم نہیں تھا۔ انھوں نے فرمایا۔ فانظروا حذوها من طريقكم فحد لهم ذات عرق۔ (صحیح بخاری) دیکھو تمھارے راستے میں قرن منازل کے سیدھ میں کون سی جگہ پڑتی ہے، چنانچہ آپ نے ان کے لیے ذات عرق کی تعیین کر دی۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، مکہ سے ذات عرق اور قرن منازل کا فاصلہ یکساں ہے، یعنی کوئی شخص مکہ جاتے ہوئے قرن منازل پہنچے تو ٹھیک اس کے داہنے ہاتھ کے سیدھ کوئی چالیس پچاس میل کے فاصلے پر ذات عرق کا مقام پڑے گا۔ ایسے ہی کوئی شخص مکہ جاتے ہوئے ذات عرق پہنچے تو ٹھیک اس کے بائیں ہاتھ قرن منازل پڑے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے اور مذکورہ بالا حدیث دونوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حج وعمرہ کے احرام کے سلسلے میں محاذات کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی مکہ کی طرف جاتے ہوئے کسی ایسے مقام پر پہنچے کہ وہاں سے ٹھیک اس کے داہنے یا بائیں ہاتھ کے سیدھ پر کوئی میقات واقع ہو تو اس میقات سے اس کی محاذات ہو گئی، اور اب اسے احرام باندھنا ہوگا، لیکن اگر اس کا رخ مکہ کی طرف نہیں ہے بلکہ وہ مواقیت کے گھیرے سے باہر کہیں سے کہیں جا رہا ہے تو دائیں یا بائیں ہاتھ میقات پڑنے پر احرام کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔

اس توضیح کے بعد اب ہم یلملم اور جدہ کے معاملے کو لیتے ہیں، یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی پانچوں میقاتیں خشکی پر ہیں، کوئی بھی سمندر میں نہیں ہے۔ ان پانچوں میقاتوں کو اگر لکیر کے ذریعہ ملایا جائے تو یہ پوری لکیر خشکی سے گزرے گی۔ اس کا کوئی حصہ سمندر سے نہیں گزرے گا۔ اس لیے حاجی جب تک سمندر میں سفر کر رہا ہے حل صغیر سے باہر آفاقی علاقے میں ہے۔ لہذا سمندر میں رہتے ہوئے اگر کوئی میقات دائیں یا بائیں پڑ رہی ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، جس طرح مدینہ سے ینبوع کے راستے مکہ جانے والے کے بائیں ہاتھ ذوالحلیفہ کی میقات واقع ہے، مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اب جدہ کے مسئلے کی توضیح یہ ہے کہ سمندر کے راستے شمال سے جدہ آنے والے جحفہ کی سیدھ سے گزر کر جدہ

پہنچیں گے اور جنوب سے آنے والے یلملم کی سیدھ سے ہو کر۔ یلملم ساحلِ سمندر سے کوئی چالیس کلومیٹر اندر ہے اور محض دس کلومیٹر۔ جدہ عین ساحلِ سمندر پر واقع ہے۔ اس طرح جو لکیر یلملم کو جحفہ سے ملاتی ہے جدہ اس لکیر سے باہر پڑتا ہے یعنی جدہ کا وقوع حل منیغ کے اندر نہیں، بلکہ اس سے باہر آفاق میں ہے۔ پس بحر احمر میں شمال یا جنوب سے آنے والا جب تک جدہ اتر نہیں جاتا اس کا سفر آفاق میں ایک طرف سے دوسری طرف ہو رہا ہے۔ البتہ جب جدہ اتر کر مکہ کی طرف روانہ ہو تو جدہ سے کچھ ہی آگے جا کر وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے ٹھیک اس کے داہنے ہاتھ پر کم و بیش پچاس کلومیٹر دور یلملم واقع ہے۔ اسی مقام پر پہنچ کر اس کی محاذات میقات سے ہوتی ہے اور یہیں سے وہ حل منیغ کے حدود میں قدم رکھتا ہے، اس لیے یہیں پہنچ کر احرام باندھنا واجب ہوگا۔ مگر چونکہ یہ جگہ جدہ کے بہت قریب ہے اور یہاں نہ کوئی نشان ہے نہ گاڑیاں رکتی ہیں۔ اس لیے جدہ سے احرام باندھ لینا چاہئے۔ البتہ جدہ سے پہلے احرام باندھنا محض تکلف ہے۔

سمندر میں احرام باندھنے کا معاملہ بعض اور پہلوؤں سے بھی قابلِ غور ہے۔ میں نے ۱۴۰۰ھ میں بحری سفر کے دوران جہاز رانوں سے دریافت کیا تھا کہ آپ لوگ جس وقت یلملم کے سیدھ میں پہنچنے کا اعلان کرتے ہیں جہاز ساحلِ سمندر سے کتنی دور ہوتا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ کوئی سوا سو ڈیڑھ سو میل۔ ان کی اس بات کی صحت کی علامت یہ بھی ہے۔ یلملم کے سیدھ میں واقع ساحل سے جدہ کا فاصلہ صرف کوئی تیس پینتیس میل ہے لیکن ہم لوگ اس اعلان کے کوئی چودہ پندرہ گھنٹے بعد جدہ کے حدود میں پہنچے تھے۔ جبکہ جہاز روزانہ چوبیس گھنٹے میں تین سو سے ساڑھے تین سو میل کا راستہ طے کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ٹائم جہاز کو بیچ سمندر سے موڑ کر ساحل کی طرف لانے میں لگتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یلملم کی محاذات کے نام پر جس جگہ سمندر میں احرام باندھا جاتا ہے وہ یلملم سے باہر مغرب کی طرف کوئی ڈھائی سو کیلومیٹر دور واقع ہے۔ (یاد رہے کہ مکہ یلملم سے مشرق میں تھوڑا شمالی رخ لیے ہوئے واقع ہے۔) اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میقات کے باہر (یعنی مکہ کے برعکس سمت میں) دو چار میل بھی دور ہو تو اسے احرام باندھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، جب تک کہ وہ میقات پر نہ پہنچ جائے پھر یہاں میقات سے سیکڑوں میل دور رہتے ہوئے احرام کا پابند کیوں بنایا جا رہا ہے۔

اسے مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ سمندر میں جس جگہ احرام باندھا جاتا ہے اگر وہیں سے جہاز کا رخ مشرق کی طرف یعنی مکہ کی جہت میں موڑ دیا جائے اور یلملم کے سامنے ساحلِ سمندر پر اترا جائے تو کوئی بھی شخص اس کا قائل نہیں کہ اس صورت میں جہاز کے اندر یا ساحل پر اتر کر احرام باندھنا ہوگا۔ بلکہ ساحل

سے مزید تیس چالیس کلومیٹر اندر جاکر جب یلملم پر پہنچیں گے تب احرام باندھنا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ جس جگہ سے مکہ کے رخ پر چلنے کے باوجود دو ڈھائی سو کلومیٹر تک احرام باندھنے کی جگہ نہیں آتی اس جگہ سے مکہ کے بجائے دوسری سمت میں جانا ہو تو اس جگہ کیوں کر احرام باندھنا ہوگا۔ اس صورت میں تو بدرجہ اولیٰ احرام کا حکم بلا گو نہیں ہونا چاہیے۔

توقع ہے کہ ہماری یہ گزارشات اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے کافی ہونگی۔ اہل علم کو اس موضوع پر اظہار خیال کی دعوتِ عام ہے۔

●●●
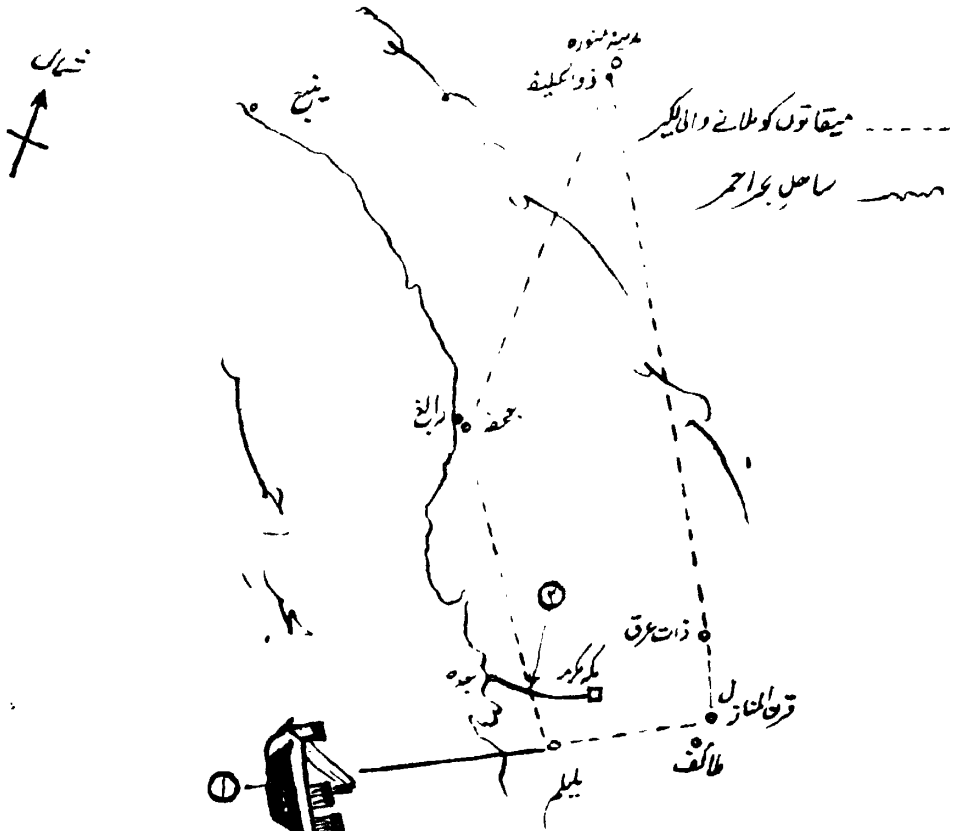
① بحر احمر میں وہ جگہ جہاں پہونچ کر ہندوستانی حجاج جہاز کے اندر احرام باندھتے ہیں۔

② جدہ سے آگے وہ جگہ جہاں پہنچ کر یلملم سے محاذات ہوتی ہے۔

حضرت الشیخ مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی سے ایک ملاقات

محمد فاروق اعظمی جلگاؤں

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب میں سالانہ تعطیلات میں گھر آتا تو دوسرے روز یقینی طور پر مولانائے محترم کی خدمت میں حاضر ہوتا، ان سے مل کر جو خوشی و مسرت ہوتی وہ ضبط تحریر سے باہر ہے۔ کبھی میرے اس معمول میں فرق آگیا اور میں دوسرے روز کسی مجبوری سے حاضر خدمت نہ ہوسکا تو حضرت الشیخ دوسرے روز سویرے ہی غریب خانے پر تشریف لائے، خیر و عافیت دریافت کرتے، چھوٹوں بڑوں کو خوش دیکھ کر خوش ہوتے۔ دعائیں دیتے اور کوئی قابل اصلاح بات دیکھتے تو بڑے ہی مشفقانہ انداز میں سمجھاتے اور رخصت ہوجاتے۔ میں آپ کے اس حسن اخلاق سے پانی پانی ہوجاتا اور سوچتا، کاش میں خود ہی حاضر خدمت ہوجاتا تو آپ کو زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔ پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ساڑھے تین سال وطن جانے کا موقع نہ مل سکا اور پھر ایک روز گھر سے کچھ ایسی افسوسناک خبر موصول ہوئی کہ اچانک بغیر اطلاع کے گھر جانے کا پروگرام بن گیا، وہاں پہنچا تو میری آمد کی خبر کسی طرح حضرت الشیخ کو لگ گئی۔ تحقیق حال کے لیے اپنے چھوٹے صاحبزادے حافظ مولانا عبد العزیز صاحب کو میرے گھر بھیجا، میں نے ان سے وعدہ کیا کہ کل انشاء اللہ شام تک ضرور حاضر ہوں گا۔

یہ ۴ اگست ۱۹۷۶ء کی ایک ابرآلود شام تھی، آسمان پر گاڑھے بادل چھائے ہوئے تھے، ماحول انتہائی خوشگوار تھا، حسن اتفاق سے حضرت الشیخ کا علمی حرم کسی مقامی یا غیر مقامی مہمان سے خالی تھا۔ اکثر اوقات مولانا کے یہاں مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے ان کے تصنیفی مشاغل میں بڑا خلل واقع ہوتا ہے، اطمینان و سکون کے لمحات میسر تھے وہ ملتے ہی فرط مسرت سے کھل اٹھے، بال بچوں کی خیریت اور حالات دریافت کرتے رہے۔ رسمی گفتگو کا موضوع تھوڑا بدلا تو آپ کے موڈ کو بھانپتے ہوئے میں نے ایک سوال کیا " اگر بچہ مرا پیدا ہو تو اس کے جنازہ کی نماز کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ " آپ نے بتایا کہ ایسے مرے ہوئے بچے کی نماز جنازہ

پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، یونہی دفن کر دینا چاہیے۔ لیکن بعض فقہاء کا قول ہے کہ ماں کے رحم میں چار مہینے کے اندر چونکہ بچہ کے جسم میں روح پھونک دی جاتی ہے اور وہ جاندار بن جاتا ہے، لہٰذا اگر وہ مردہ بھی پیدا ہو (بشرطیکہ ماں کے بطن میں اس کی زندگی کی علامات محسوس ہوئی ہوں) تو بھی جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

ابھی میں جناب شیخ کے حسن تکلم سے محظوظ ہو ہی رہا تھا کہ وہ اپنا جواب پورا کر کے خاموش ہو گئے، فوراً ہی ذہن کے پردے پر ایک نیا سوال ابھر چکا تھا اور جس کے پوچھنے میں مجھے کچھ تامل بھی ہو رہا تھا، تاہم میں نے ہمت کر کے سوال کر ہی دیا۔ میں نے عرض کیا۔ ٹونے ٹوٹکے کے متعلق شریعت میں کیا وضاحت ملتی ہے؟"

میرے اس سوال پر حضرت شیخ کے لبوں پر ہلکا سا تبسم پھیل گیا، ایک ثانیے کے توقف کے بعد انھوں نے قدرے وضاحت سے اس سوال کا جواب عنایت فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ ٹونا ٹوٹکا ایک قسم کا سحر ہے اور سحر کے وجود کا قرآن میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ اسی تعلق سے انھوں نے کئی آیتیں پڑھ کر سنائیں اور ان کے مفاہیم اور مطالب بڑے ہی دلکش اور دلنشین انداز میں سمجھائے اور پھر بتایا کہ سحر کے علاوہ ایک چیز نظر بد بھی ہوتی ہے، بعض لوگوں کی نگاہوں سے ایسی شعاعوں کا اخراج ہوتا ہے (جس کا بہتر علم اللہ ہی کو ہے۔) کہ کسی شے یا کسی شخص کی طرف پسندیدگی یا دلچسپی کی نظر سے دیکھ لیں تو سامنے والا شخص اس کی نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتا اور وہ فوراً نگاہ بد کا شکار ہو جاتا ہے۔

سحر یا ٹونا انسانی عملیات میں سے ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ خود آنحضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک شخص نے جادو کیا تھا جس کا اثر آپ پر نہ ہو سکا، پھر بھی اتنا سہو ضرور ہو جاتا تھا، جیسے آپ اپنی ازواج کے پاس سے ہو کر آ رہے ہیں اور غسل کی حاجت ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا کچھ نہ تھا۔ آپ نے آگے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا کہ فلاں شخص نے آپ پر جادو کیا ہے۔ آپ فلاں کنواں صاف کرائیں، اس کی تہ میں آپ کا بال اور سوئی کسی چیز میں چبھو کر ڈالی گئی ہے، چنانچہ آپ نے وہ کنواں صاف کرایا تو مذکورہ چیزیں برآمد ہوئیں، پھر معوذتین نازل ہوئی۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر معوذتین اور آیۃ الکرسی پڑھ کر والدین اپنے بچوں پر دم کر دیا کریں تو وہ انشاء اللہ اس قسم کے ٹونے ٹوٹکے سے محفوظ رہیں گے۔ آپ نے تاکیداً فرمایا کہ لوگوں کو بہت زیادہ ٹونے ٹوٹکے کے وسوسوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ بعض لوگ شیطانی عملیات کے ذریعہ ٹونے ٹوٹکے کا آتار کرتے ہیں جو بالکل شرع کے خلاف ہے، ہاں قرآنی آیات سے دفع بلیات یا دفع سحر کا کام لینا شرع کے خلاف نہیں ہے، مگر قرآن پاک کو محض جھاڑ پھونک کا ذریعہ بنا لینا بڑا غلط ہے، کیوں کہ قرآن پاک کے نزول کا مقصد کا بڑا اعلیٰ و ارفع ہے،۔

یہ ایک نسخۂ ہدایت ہے جو ہماری رہ نمائی اور دین و دنیا کی بھلائی کے لیے ایک مکمل دستور حیات بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ انسان اس کے پاک اور واضح احکامات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالے۔ تخلیق کائنات کے بارے میں غور کرے خالق کائنات کی کبریائی اور صناعی کے سامنے اپنے عجز و انکسار اور عبدیت کا اظہار کرے، حشر و نشر اور آخرت کے تصور سے لرزاں و ترساں رہے اور خدائے واحد کی بندگی اور اطاعت کو اپنا وظیفۂ حیات بنالے۔ — جناب شیخ پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ انتہائی متوازن لب و لہجہ میں پند و نصائح کے موتی بکھیر رہے تھے۔ ایک ایک لفظ اعتماد و یقین کے آہنگ سے پھوٹ رہا تھا اور جسم و جان کے رگ و پے میں پیوست ہوتا جا رہا تھا۔ باہر موسلا دھار بارش جم کر ہو رہی تھی۔ تار باراں کا تسلسل اپنے شباب پر تھا۔ لیکن جناب شیخ کا تسلسل بیان اس سے کہیں سوا تھا باہر کا ماحول مثنوی سحر البیان کا سحر آگیں منظر پیش کر رہا تھا۔ اور حضرت شیخ سحر کی حقیقت کو بے نقاب کر رہے تھے۔ خارجی اور داخلی ماحول کی اس لطیف مطابقت پر جی چاہتا تھا کہ ؎

وہ کہا کریں اور سنا کرے کوئی

یہ سلسلۂ بیان جاری ہی تھا کہ آپ نے فرمایا "میں سوچتا ہوں کہ خود قرآن و حدیث سے ثابت دعاؤں کو پڑھ کر ضرورتمندوں کو فیض پہنچاؤں۔" میں اس بیان پر چونک پڑا، عرض کیا، "کیا آپ جھاڑ پھونک کا سلسلہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔؟"

"نہیں! اب ہرگز نہیں!" انھوں نے فوراً جواب دیا گویا وہ میرے سوال کی وضاحت کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ انھوں نے کہا کہ "میں نے بعض اچھے خاصے مسلمانوں کو اس "دوپہر کے اثر" کے چکر میں پھنس کر اپنی متاع ایمان کو گنواتے ہوئے دیکھا ہے۔ بہت سے مسلمان ہندو اوجھا یا سوکھا یا نام نہاد مسلمانوں کے پاس جا کر گمراہی اور بدعقیدگی کا شکار ہوتے ہیں۔ اور شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ بندگان خدا کو گمراہی سے بچانے کے لیے یہ سلسلہ قائم کروں۔" آپ نے فرمایا کہ "اس کے پیچھے میرے تین مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ یہ لوگ غلط قسم کے لوگوں کے یہاں جانے سے بچ جائیں۔ دوسرے عوام الناس کو میری ذات سے کچھ فائدہ پہنچے، تیسرے یہ کہ اسی بہانے لوگوں کے اذہان و قلوب کی اصلاح کا مجھے موقع مل جائے۔" یہ تینوں وجہیں ایسی تھیں جو انتہائی معقول تھیں اور ان سے کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا، مگر محض اس خیال سے مولانا اس سلسلۂ فیض کے لیے تیار نہ ہوئے کہ ان کا گھر صبح سے شام تک آسیب زدوں

کی آماجگاہ بن جاتا اور دیگر علمی کام پیچھے رہ جاتا اور لوگ اس عمل کا نہ جانے کیا کیا مفہوم اور مطلب نکالتے۔

مغرب کا وقت ہو چکا تھا، سلسلہ کلام منقطع ہو گیا، موذن نے صدا دی، ہم لوگ مسجد پہنچے، نماز سے لوٹے تو ہلکا سا ترشح ہو رہا تھا۔ موسم کی خوشگواری اور ماحول کی سازگاری نے مجھے برانگیختہ کیا کہ میں آپ کی کتاب زندگی کا ایک نیا ورق الٹوں، اس مرتبہ میں نے بالکل الگ نوعیت کا موضوع چھیڑنا چاہا۔ لہذا حضرت الشیخ کے شعور اور تحت الشعور کے نہاں خانوں میں سوئی ہوئی یادوں کو چھیڑتے ہوئے میں نے عرض کیا ـــــ "آپ ایک بار کوئی وفد لے کر والی حجاز سے ملنے سعودی عرب تشریف لے گئے تھے۔ اس وفد کا مقصد کیا تھا؟ اور اس میں آپ کو کس حد تک کامیابی ہوئی؟" میرے اس سوال پر مولانا نے بے ساختہ مومن خاں مومن دہلوی کا یہ مصرعہ پڑھا:

"مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔"

میں اس مصرعہ پر چونک پڑا، زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا جب میں آپ کی زبان سے ایک مصرعہ سن رہا تھا اور وہ بھی حسن و عشق کے شاعر مومن کی معرکہ آرا غزل کا۔ ممکن ہے مومن کے کلام سے مناسبت اس لیے رہی ہو کہ مومن خود سلفیت کے زبردست داعی اور تحریک اہلحدیث کے فعال رکن تھے، جبھی تو انھوں نے کہا تھا کہ ع

مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم۔

بہرکیف مومن نے چاہے جس جذبہ کے تحت اس مصرعہ کی تخلیق کی ہو، مگر مولانا نے جس قدر برمحل اور برجستہ یہ مصرعہ ادا کیا یہ ان کی حدیث گذراں کی ایک مکمل تعبیر تھا۔ جس کا تعلق دار الحدیث رحمانیہ دہلی (مرحوم) کے تعلیمی اور تدریسی سرگرمیوں سے تھا۔ مولانا نے اٹھارہ سال کی عمر میں دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے سند فراغت حاصل کی تھی، پھر یہیں اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا تھا، اور یہیں کی گلیوں میں اپنے والد محترم مولانا عبدالسلام صاحب صاحب سیرت البخاری کی شہادت کا صدمہ جھیلا تھا۔ تعلیم سے تدریس تک کے پچیس سالہ ایام دلی کے شب و روز کا جز تھے۔ یاد کی سرمئی وادیوں میں جب پلٹ کر جھانکا ہوگا تو ذہن کے پردے پر نہ جانے کتنے واضح اور غیر واضح نقوش ابھر آئے ہوں گے اور کیسی کیسی تلخ و شیریں یادوں نے اپنی طرف متوجہ کیا ہوگا، پھر ان حالات میں دلی جذبات کی جو مختصر تعبیر ہو سکتی ہے وہ اس مصرعہ سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے۔

بہرکیف میرے استفسار پر مولانا نے بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اپنی داستان حیات کا ایک ایک ورق الٹتے جا رہے تھے اور ماضی حال کے آئینہ میں ڈھلتا جا رہا تھا۔ میں ہمہ تن گوش ایک ایک جملہ اور فقرہ کو

اپنے ذہن کی گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ مولانا نے اس واقعہ کا آغاز اس طرح کیا "ٹھیک ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جس روز یونین جیک سرنگوں ہوا تھا اور ہندوستان اور پاکستان کا ترنگا اور ہلالی پرچم لہرایا گیا تھا۔ ہم لوگ ریڈیو پر پنڈت جواہر لال نہرو، ماؤنٹ بیٹن، محمد علی جناح اور بلدیو سنگھ کی تقریریں سننے کے بعد دلی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر پہنچے۔ قریب ۹ بجے صبح، ہمارے جہاز نے کراچی کے لیے پرواز کیا۔ مگر پاکستان چونکہ ایک نئی مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا۔ لہٰذا وہاں (کراچی) سے سعودی عرب کا ویزا حاصل کرنے میں کچھ سیاسی اور قانونی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ اسی پریشانی میں کئی دن گزر گئے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ خیال یہ پیدا ہوا کہ کراچی سے بحرین کا ویزا حاصل کر لیا جائے۔ ایک مخلص کی کوشش سے یہ ویزا تیار بھی ہو گیا۔ اسی دوران چند عرب تاجروں نے مشورہ دیا کہ سلطان ابن سعود کو تار کر کے وفد کی آمد اور اس کے مقصد سے مطلع کر دیا جائے کیونکہ اسی زمانے میں مسلم لیگ کا ایک وفد سلطان ابن سعود سے ملنے گیا تھا مگر شاہ نے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ مشورہ معقول تھا لہٰذا شاہ کو تار کیا گیا، سلطان کا برقیہ عربی میں آیا جس کا ترجمہ یہ تھا کہ "اہلحدیث کے وفد کو ملاقات کی کوئی ممانعت نہیں ہے" میرے ہمراہ خلیل عرب بھی تھے، آخر یہ طے پایا کہ کراچی سے بمبئی چلا جائے اور وہاں سے براہ راست ریاض پہنچا جائے۔ چنانچہ ہم لوگ بمبئی آ گئے، اور وہاں سے ریاض پہنچے۔ ہماری آمد کی خبر سلطان کو پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا ان کے آدمی دو گاڑیوں کے ساتھ مع باڈی گارڈ کے ہوائی اڈے پر ہمیں لینے کو آ گئے تھے، ان دنوں ریاض کا ہوائی اڈہ محض ایک چھاؤنی معلوم ہوتا تھا۔ وہاں سے شاہی مہمان بن کر ہم لوگ شاہی محل پہنچے نہا دھو کر فارغ ہوئے تھے کہ سلطان کا آدمی آ گیا اور کہا کہ آپ لوگوں کو سلطان نے طلب کیا ہے۔ شاہی محل کی شان و شوکت اور فرش پر پڑی ہوئی بیش قیمت ایرانی قالینیں عجیب پر شکوہ منظر پیش کر رہی تھیں ایک طرف مخملی گدوں پر گاؤ تکیہ کے سہارے شاہ جلوہ افروز تھے، انھوں نے ہم کو اپنے دائیں بائیں بٹھایا اور خلیل عرب سے مخاطب ہو کر پوچھا "کہیے کیسے آنا ہوا؟" انھوں نے پورا مقصد بیان کیا۔ معاملہ دراصل یہ تھا کہ مولوی احمد صاحب دہلوی نے مسجد نبوی سے متصل ایک مدرسہ دارالحدیث قائم کیا تھا اور وہاں درس و تدریس کے علاوہ وعظ و نصائح کی مجلسیں بھی گرم کر رکھی تھیں، جس میں موصوف نے کچھ ایسی دھواں دھار اور غیر محتاط تقریریں بھی کی تھیں جن سے نقض امن کا خدشہ تھا اور خود حکومت کے بہت سے حکام اس کی زد میں آئے تھے، لہٰذا ان کے اور ان کے مدرسہ کے خلاف شکایات کا ایک دفتر تیار ہوا اور سلطان کے پاس پہنچا۔

شاہی فرمان کے مطابق مدرسہ بند کر دیا گیا اور سیل مہر لگا دی گئی۔ مولوی احمد صاحب نے نزاکتِ حال کو محسوس کرتے ہوئے دار الحدیث رحمانیہ دہلی کو مطلع کیا، لہٰذا اسی مسئلہ کے تصفیہ کے لیے یہ وفد سلطان سے ملنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ سلطان نے کہا کہ مدرسہ کے خلاف تو بڑی شکایتیں ہیں اور انھوں نے فوراً اپنے لڑکے امیر فیصل کو جو ان دنوں طائف کے گورنر تھے فون کیا کہ مدرسہ کو رکی شکایات کی تمام تفصیلات جلد روانہ کی جائیں۔ وہاں سے تفصیلات موصول ہونے میں کچھ تاخیر ہوئی لہٰذا ہماری خواہش ہوئی کہ ہم خود طائف جائیں۔ اور امیر فیصل سے ملاقات کریں، لہٰذا شاہی مہمان کی حیثیت سے ہم لوگ بذریعہ طیارہ طائف پہنچے، وہاں پہلے ہی سے ہم لوگوں کو لینے کے لیے حکومت کی گاڑی موجود تھی، بعد احترام ایک شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ جلد ہی امیر فیصل کا آدمی بلانے کے لیے آ گیا۔ عید کا موقع تھا، لوگ سلام پیش کر رہے تھے اور مبارکباد دے رہے تھے، انتہائے عقیدت میں خلیل عرب نے شاہ فیصل کے ہاتھ کا بوسہ دینا چاہا تو انھوں نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا اور "استغفر اللہ" پڑھا۔ بہرکیف وفد جس مقصد کے لیے روانہ ہوا تھا، اس میں کامیاب و کامران لوٹا اور فریقین کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا۔ قدم قدم پہ جو شاہی نوازشیں ہوئیں وہ اس وفد کے عز و شرف کے خواب و خیال سے بھی باہر تھیں۔"

مولانا اپنے سفر کی روداد سنا رہے تھے اور میں لب بہ مہر اس داستان کو سن رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمان و مکان کی طنابیں کھنچ گئی ہیں، سارے واقعات جیسے فلمی تصویروں کی طرح آنکھوں کے سامنے سے گزر رہے تھے، اس سفر کی تمام جزئیات بڑی دلچسپ تھیں، خود مولانا کہہ رہے تھے کہ "میں نے ارادہ کیا تھا کہ دہلی پہنچنے کے بعد "رسالہ محدث" (جس کے وہ خود مدیر و نگراں تھے۔) میں پوری روداد سفر تفصیل سے لکھوں گا، مگر افسوس کہ جب ہندوستان لوٹے تو ہند و پاک کے درمیان خونی لکیر کھنچ چکی تھی۔ دونوں طرف بھیانک فسادات کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ دار الحدیث رحمانیہ دہلی مرحوم ہو چکا تھا۔ "محدث" کے صفحات پر اپنے احساسات و جذبات کے موتی بکھیرنے کی حسرت و آرزو دل ہی میں رہ گئی۔ اور آج تک یادوں کا یہ خزانہ ان کے نہاں خانۂ دل میں پوشیدہ تھا۔ میں نے جسارت کر کے ان کی یادوں کو چھیڑا تو عہدِ گم گشتہ کے مٹتے ہوئے دھندلے سائے ایک بار پھر تازہ و تابندہ ہو گئے، جنھیں ضبطِ تحریر میں لا کر قارئین کی نذر کر دیا ہے۔

●●●

قسط (۱)

امام ابن خزیمہ صاحب الصحیح

۲۲۳ - ۳۱۱ھ ● ۸۳۸ - ۹۲۳ء

مولانا محمد حنیف فیضی متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

نام کنیت اور لقب وغیرہ: آپ کا نام محمد، کنیت ابوبکر اور القاب امام الائمہ، فقیہ الآفاق اور شیخ الاسلام ہیں، سلمی اور نیشاپوری آپ کی نسبتیں ہیں۔

نسب: آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن اسحٰق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکر[1]

ولادت: ماہ صفر ۲۲۳ھ میں بمقام نیشاپور آپ کی ولادت ہوئی[2]

نشو ونما: آپ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں وہ علمی نشو ونما کے لیے بیحد ساز گار تھا یہ وہ دور تھا جسے تاریخ حدیث میں عصر ذہبی (سنہرا دور) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، ہر طرف علم حدیث کا غلغلہ بلند تھا محدثین کرام اور مجتہدین عظام کی ذات بابرکات نے علم حدیث کی روشنی دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا رکھی تھی۔ زہے قسمت آپ کی ولادت بھی ایسے دور میں خاص کر نیشاپور جیسے شہر میں ہوئی جو علوم وفنون کا گہوارہ اور محدثین کرام کا پایۂ تخت بنا ہوا تھا، امام ذہلی، امام اسحٰق بن راہویہ اور امام مسلم جیسے جلیل القدر محدثین کرام کے پاک نفوس نے نیشاپور کو مرجع خلائق بنا رکھا تھا۔ اور ان حالات کے لازمی نتیجہ کے طور پر آپ بھی اس مقدس فن کی جانب متوجہ ہوئے۔

ایام طفولیت اور طلب وتعلم: صغر سنی ہی میں آپ فن حدیث کی تحصیل وطلب میں مشغول ہو گئے[3] اور

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۲۰، طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۰، المنتظم ج ۶ ص ۱۸۴، [2] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۰، الاعلام ج ۶ ص ۲۵۳
[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۱،

وطن مالوف نیشاپور ہی کے اندر مختلف شیوخ سے اخذ و استفادہ کیا [1] اسحاق بن راہویہ اور محمد بن حمید رازی متوفی ۲۳۰ھ سے بھی صغر سنی ہی میں سماع کا شرف حاصل کیا۔ [2]

آغاز طلب : کتب تراجم کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام کمسنی ہی میں آپ طلب حدیث میں منہمک ہو گئے تھے۔ لیکن اس طلب و تعلم کا آغاز کس عمر میں ہوا؟ اس کی تصریح سے کتب تراجم خاموش ہیں، مگر ایک بات ملحوظ رکھنے سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ابتدائے طلب کے وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ سات برس کی تھی۔ وہ یہ کہ آپ کی پیدائش ۲۲۳ھ میں ہے اور صغر سنی میں جن شیوخ سے آپ نے طلب حدیث کی ان میں محمد بن حمید رازی کا بھی نام آتا ہے جن کی وفات ۲۳۰ھ میں ہوئی اور اس لحاظ سے ابتدائے طلب کے وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ سات برس کی ہوتی ہے۔

رحلتِ علمیہ : آپ کی علمی رحلت کا آغاز کس عمر سے ہوا، اس کی بھی صراحت پیش کرنے سے کتب تراجم خاموش ہیں البتہ حافظ ذہبی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے ضمناً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی علمی رحلت کی ابتدا سترہ سال کی عمر سے ہوئی اس واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ ابن خزیمہ نے اپنے والد سے امام قتیبہ کی خدمت میں (طلب حدیث کے لیے) جانے کی اجازت مانگی والد نے کہا پہلے قرآن یاد کرو پھر اجازت دوں گا۔ ابن خزیمہ نے قرآن زبانی یاد کر لیا۔ بعدہ باپ سے اجازت لے کر مرو کی جانب نکلے۔ مرو روذ میں محمد بن ہشام سے حدیث کا سماع کیا اور ابھی وہیں تھے کہ امام قتیبہ کی موت کی خبر ملی [3]۔ امام قتیبہ کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی ہے [4] اور امام ابن خزیمہ کا سنہ پیدائش ۲۲۳ھ ہے۔ اس لحاظ سے رحلت کے وقت آپ کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔

بہر حال دستور زمانہ کے مطابق سرزمین نیشاپور میں علمی تشنگی بجھانے کے بعد آپ نے ترک وطن کیا۔ اور مختلف مقامات مرو، رے، بغداد، بصرہ، کوفہ، شام، حجاز، عراق، مصر، واسط اور جزیرہ کا سفر کر کے متعدد حفاظ حدیث اور اصحاب فن سے کسب فیض کیا۔ [5]

آپ کے بعض اساتذہ و شیوخ کے نام حسب ذیل ہیں۔

اساتذہ و شیوخ : محمود بن غیلان، عتبہ بن عبداللہ یحمدی مروزی، محمد بن ابان مستملی، اسحاق بن موسیٰ خطمی، علی بن حجر، احمد بن منیع، ابو قدامہ سرخسی، بشر بن معاذ عقدی، ابو کریب، عبدالجبار بن علاء، یونس بن عبدالاعلیٰ، محمد بن اسلم زاہد، نصر بن علی جہضمی، علی بن خشرم، محمد بن [illegible]، موسیٰ بن اسمٰعیل رملی، محمد بن حرب، امام بخاری، امام مسلم،

---

[1] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۱ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۲۰ و طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۰ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۲۲۔
[4] تہذیب ج ۸ ص ۳۶۱ و تقریب ج ۲ ص ۱۲۳ [5] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۱، منتظم ج ۶ ص ۱۸۴، عبر ج ۲ ص ۱۴۹۔

بن عبداللہ بن عبدالحکم ، اسحٰق بن راہویہ ، محمد بن حمید رازی [۱]

اسحٰق بن راہویہ اور محمد بن حمید رازی سے سماع حدیث کا شرف ضرور حاصل ہوا لیکن چوں کہ اس وقت کمسن
، اس لیے احتیاط کی بنا پر ان سے کوئی روایت نہیں کی ۔ [۲]

تلامذہ : جن حضرات نے آپ کے دریائے علم سے اکتساب فیض کیا ، ان کی تعداد ان گنت ہے ، حافظ ذہبی
نام ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں ، وخلق لا یحصون [۳] یعنی آپ سے ان گنت اور بے شمار لوگوں نے حدیث کی
ایت کی ہے ، آپ کے تلامذہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بڑے بلند پایہ اور باعظمت تھے ۔ علامہ ابن سبکی رقم فرماتے ہیں
ی عنہ خلق من الکبار [۴] آپ کے تلامذہ کی صف میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جن کے سامنے آپ نے
زانوئے تلمذ تہ کیا تھا ۔ علامہ ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں روی عنہ جماعۃ من مشائخہ منھم
البخاری ومسلم ۔ [۵] ۔ آپ کے بعض فیض یافتگان کے نام مندرجہ ذیل ہیں ۔

امام بخاری ، امام مسلم ، ان دونوں بزرگوں نے صحیحین کے ماسوا اپنی دوسری کتابوں میں ان سے روایت کی ہے ۔
د بن عبداللہ بن عبدالحکم ، ابوعمرو احمد بن مبارک مستملی ، ابراہیم بن ابی طالب ، یحییٰ بن محمد بن صاعد ، ابوعلی نیشاپوری
حاق بن سعد نسوی ، ابوعمرو بن حمدان ، ابوحامد احمد بن محمد بن بالویہ ۔ ابوبکر احمد بن مہران مقری ۔ محمد بن احمد بن علی بن نصر
مدل ، آپ کے پوتے محمد بن فضل ، امام ابن حبان ۔ [۶]

تین اول الذکر آپ کے شیوخ بھی ہیں [۷] اور پانچ اول الذکر آپ سے عمر میں بڑے تھے ۔ [۸]

حفظ و اتقان : آپ بے حد قوی الحافظہ تھے ، چنانچہ امام ذہبی آپ کا تعارف ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔ الحافظ
کبیر امام الائمہ شیخ الاسلام ۔ نیز رقمطراز ہیں ۔ حتی صار یضرب بہ المثل فی سعۃ العلم و
الاتقان ۔ یعنی وسعت علم اور اتقان میں آپ ضرب المثل بن گئے تھے ۔ [۹] امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ روئے
زمین پر فن حدیث کی مہارت رکھنے والا نیز احادیث و سنن کے صحیح الفاظ اور ان کی زیادات کی یادداشت رکھنے
والا سوائے محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کے کسی اور کو میں نے نہیں دیکھا ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام سنن و احادیث ان کی نظروں
کے سامنے ہیں ۔ [۱۰]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۷ ، طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، منتظم ج ۶ ص ۱۸۴ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۷ [۳] ایضاً [۴]
طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۱ [۵] منتظم ج ۶ ص ۱۸۴ [۶] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۰ ، ۱۳۱ [۷] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۷ [۸] تذکرۃ الحفاظ
ص ۵۵۵ ، ۵۸۸ ، ۷۲۱ [۹] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۱ [۱۰] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۷ ، ۲۱۰ ، وسیر اعلام النبلاء ج ۹ ق ۲۳۵

نیز فرماتے ہیں: لم ار مثل ابن خزیمة فی حفظ الاسناد والمتن[۱] یعنی احادیث کے اسناد و متون کا ابن خزیمہ جیسا کوئی حافظ نہیں دیکھا۔ ابو احمد دارمی نے ابن خزیمہ سے سوال کیا۔ کم یحفظ الشیخ[۲] یعنی آپ کو کتنی حدیثیں حفظ ہیں۔ آپ نے فرمایا: یا بنی ما کتبت سوادا فی بیاض الا وانا اعرفه[۳] بیٹے! جو کچھ بھی میں نے لکھا ہے، ان سب کو میں جانتا ہوں۔ حافظ ابو علی نیشاپوری فرماتے ہیں: کان ابن خزیمة یحفظ الفقہیات من حدیثه کما یحفظ القاری السورة[۴] یعنی جس طرح قاری سورتوں کا حافظ ہوتا ہے، اسی طرح ابن خزیمہ فقہیات حدیث کے حافظ تھے۔ ایک مرتبہ امیر اسماعیل بن احمد نے امام ابن خزیمہ سے فئ اور غنیمت کا فرق دریافت کیا تو امام صاحب نے غنیمت والی آیتیں پڑھیں پھر اس سے متعلق کچھ حدیثیں بیان کیں اور پھر فئ والی آیتیں پڑھ کر اس سے متعلق کچھ حدیثیں بیان کیں۔ اسی طرح ایک سو ستر سے زیادہ حدیثیں فئ و غنیمت کے سلسلے میں اس مجلس میں اپنی یاد داشت سے بیان فرمادیں[۵]

علم حدیث میں آپ کا پایہ: آپ کی ذات فن حدیث میں امتیازی حیثیت کی حامل تھی۔ فن حدیث میں آپ کے پایہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا شمار جلیل القدر اور چوٹی کے محدثین میں ہوتا ہے۔ حافظ ذہبی نے آپ کا تعارف "الحافظ الکبیر امام الائمة شیخ الاسلام" کے ساتھ کرایا ہے۔ علامہ ابن جوزی علم حدیث وغیرہ میں آپ کی امتیازی پوزیشن کو ظاہر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: کان مبرزا فی علم الحدیث وغیرہ[۶] یعنی آپ علم حدیث وغیرہ میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے، آپ کی اس امتیازی پوزیشن کو مزنی جیسے امام وقت نے تسلیم کیا ہے اور علم حدیث میں اپنے آپ پر فوقیت دی ہے۔ چنانچہ آپ کا بیان ہے کہ ایک روز امام مزنی کی مجلس میں میں حاضر تھا۔ ایک عراقی سائل نے امام مزنی سے شبہ عمد کے سلسلے میں سوال کرتے ہوئے کہا کہ قرآن میں تو اللہ نے قتل کی دو ہی قسمیں بیان کی ہیں۔ عمداً و خطأً پھر آپ لوگ تیسری قسم (شبہ عمد) کا اضافہ کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب میں ایک حدیث پیش کی۔ سائل نے کہا کہ آپ علی بن زید بن جدعان سے احتجاج کرتے ہیں؟ اس پر مزنی خاموش ہو گئے۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں۔ اس پر میں نے سائل سے کہا کہ اس حدیث کو علی بن زید کے علاوہ اور لوگوں نے بھی تو روایت کیا ہے۔ سائل نے کہا: وہ کون ہیں؟ میں نے کہا وہ ایوب سختیانی اور خالد حذاء ہیں۔ پھر سائل نے مجھ سے کہا کہ عقبہ بن اوس کون ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ وہ ایک بصری شخص ہیں، جن سے محمد بن سیرین جیسے جلیل القدر صاحب فن نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اس کے بعد سائل

۱۔ تذکرة الحفاظ ج۲ ص ۲۳، وطبقات شافعیہ ج۲ ص ۱۳۳ ۲۔ مرآة الجنان ج۲ ص ۲۶۴ ۳۔ تذکرة الحفاظ ج۲ ص ۲۳، وطبقات شافعیہ ج۲ ص ۱۳۱ ۴۔ ایضاً و ایضاً ص ۱۳۲ ۵۔ طبقات شافعیہ ج۲ ص ۱۳۲ ۶۔ المنتظم ج۶ ص ۱۸۴۔

مزنی سے مخاطب ہوا کہ آپ مناظرہ کرلیتے ہیں یا یہ ؟ انھوں نے کہا کہ حدیث کے معاملہ میں یہ مجھ سے زیادہ واقف کار ہیں اس لیے جب حدیث کا معاملہ آتا ہے تو یہی بحث و مناظرہ میں حصہ لیتے ہیں (اور اس وقت میں خاموش رہتا ہوں) پھر اس کے بعد میں کلام کرتا ہوں [1]۔ اوپر گزر چکا ہے کہ امیر اسماعیل بن احمد نے جب فیٔ اور غنیمت کا فرق دریافت کیا تو آپ نے اسی مجلس میں ایک سو ستر سے زیادہ حدیثیں فیٔ اور غنیمت کے سلسلے میں بیان کیں، آپ کو حدیثی نکات کے استخراج میں یدطولیٰ اور مہارتِ تامہ حاصل تھی، چنانچہ ابن سُریج کا بیان ہے۔ ابن خزیمۃ یخرج النکت من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمنقاش [2]، یعنی ابن خزیمہ حدیثی نکات و معانی موچنے سے نکالا کرتے تھے۔

فقہ و اجتہاد میں آپ کا پایہ : آپ حدیث و فقہ دونوں کے جامع تھے، علم حدیث کی طرح علم فقہ کی جانب بھی کم عمری ہی میں متوجہ ہوئے [3] ربیع اور مزنی جیسے اساتذۂ فن سے اس صناعت کی تحصیل کی تھی اور اجتہادی حیثیت سے آپ کی شان نہایت بلند تھی، آپ کو استنباط و استخراج مسائل میں بڑا ملکہ حاصل تھا، جیسا کہ ابن سُریج کا بیان مذکور ہوا کہ ابن خزیمہ حدیثی نکات و معانی موچنے سے نکالا کرتے تھے، اسی طرح حافظ ابو علی نیشاپوری کا قول گزر چکا ہے کہ جس طرح قاری سورتوں کا حافظ ہوتا ہے، اسی طرح ابن خزیمہ فقہیات حدیث کے حافظ تھے۔ حدیث بریرہ کے فقہ میں تین اجزاء تالیف کرنا آپ کے عظیم الشان فقیہ ہونے کی بین دلیل ہے۔
آپ کے فقہی مقام کا اندازہ لگانے کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ آپ "فقیہ الآفاق" سے ملقب ہیں اور آپ کا شمار بلند پایہ فقہاء میں ہوتا ہے۔ جو شخص آپ کی کتاب "صحیح ابن خزیمہ" کا جائزہ لے گا اس پر آپ کی فقاہت کی بلند پایگی بحسن و خوبی عیاں ہوجائے گی۔

فقہی مسلک : فقہی مسلک کے اعتبار سے کسی بھی صاحب مذہب کے تابع نہیں تھے بلکہ خود صاحب مذہب، مجتہد مطلق، اور مستقل امام فقہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ علامہ ابن سبکی نے آپ کو المجتہد المطلق اور حافظ ابن کثیر نے، ھو من المجتھدین فی دین الاسلام لکھا ہے [4] حافظ ابن قیم رقمطراز ہیں کان امام الائمۃ ابن خزیمۃ لہ اصحاب ینتحلون مذھبہ ولم یکن مقلداً بل اماماً مستقلاً ______
یعنی امام الائمہ ابن خزیمہ کے اصحاب (متبعین) تھے، جو ان کے مذہب کی طرف منسوب ہوتے تھے اور ابن خزیمہ مقلد نہیں تھے۔

---

[1] طبقات شافعیہ ج۲ ص ۱۳۲، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۳۲، (مختصراً) [2] ایضاً، ایضاً ص ۲۶۶ [3] سیر اعلام النبلاء ج۹ ق ۲۳۵ [4] طبقات الاسنوی ج۱ ص ۴۱۶۔ [5] طبقات شافعیہ ج۲ ص ۱۳۰، البدایہ والنہایہ ج۱۱ ص ۱۴۹

بلکہ مستقل امام کی حیثیت رکھتے تھے، نیز رقم فرماتے ہیں کہ بیہقیؒ نے یحییٰ بن محمد عنبری کے حوالے سے لکھا ہے، طبقات اهل الحديث خمسة المالكية، والشافعية والحنبلية والراهويه والخزيمية طبقات اہل حدیث پانچ ہیں: مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، راہویہ، اور خزیمیہ۔ یعنی ابن خزیمہ کے اصحاب [۱] خود امام ابن خزیمہ کا بیان ہے۔ ماقلدت أحدا منذ بلغت ستة عشر سنة [۲] سولہ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد سے میں نے کسی کی تقلید نہیں کی ابوزکریا یحییٰ بن محمد عنبری فرماتے ہیں سمعت ابن خزيمة يقول ليس لاحد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قول اذا صح الخبر [۳] میں نے ابن خزیمہ سے یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کے بالمقابل کسی کے قول کا اعتبار نہیں۔

طریقۂ افتاء آپ کے فتویٰ دینے کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی سائل سوال کرتا تو جواب کے لیے سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اس کے بعد احادیث کی جانب۔ اگر جواب کتاب اللہ اور حدیث دونوں میں ہوتا تو کتاب اللہ کو اصل کی حیثیت سے پیش کرتے پھر حدیث کو تائید کے طور پر۔ چنانچہ امیر اسماعیل بن احمد نے جب آپ سے فیٔ اور غنیمت کا فرق دریافت کیا تو پہلے آپ نے غنیمت سے متعلق سورۂ انفال کی آیت واعلموا انما غنمتم من شیئ فان لله خمسه وللرسول ولذی القربیٰ پیش کی، پھر چند حدیثیں بیان کیں۔ اس کے بعد فیٔ سے متعلق سورہ حشر کی آیت ما افاء الله على رسوله من اهل القرىٰ فلله وللرسول ولذی القربیٰ۔ (الآية) پڑھی اور بعدہ چند حدیثیں بیان کیں [۴]

اعتقادی مسلک اعتقادیات کے باب میں آپ کا موقف وہی تھا جو سلف صالحین کا تھا، یعنی آپ سلفی العقیدہ تھے، محدثین کے طریقے پر گامزن تھے، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین جن امور کے قائل تھے، ان ہی امور کے آپ بھی قائل تھے۔ صفات باری تعالیٰ کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو تشبیہ، تنظیر اور تمثیل سے منزہ گردانتے تھے، آپ نے اپنی کتاب التوحید میں اہل السنت والجماعہ کے نظریے کی ترجمانی کی ہے اور دیگر فرقہ ہائے ضالہ کی تردید کی ہے۔

جامعیت وعلمی جلالت شان امام ابن خزیمہ کی ذات گوناگوں اور نوع بہ نوع کمالات کی جامع تھی۔ ماہرین فن نے ان کے کمالات وفضائل کا اعتراف کیا ہے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ كان بحرا من بحور

---

[۱] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۵۵ [۲] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۹ [۳] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۷ [۴] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۲

العلم [۱] آپ علم کے سمندروں میں سے ایک سمندر تھے ۔ ذہبی رقمطراز ہیں هذا الامام کان فرید عصره۔ آپ یکتائے زمانہ تھے، نیز رقم فرماتے ہیں، انتهت الیه الامامة و الحفظ فی عصره بخراسان سرزمین خراسان میں آپ کے عہد میں حفظ اور امامت کا مقام آپ ہی پر ختم تھا ۔ نیز لکھتے ہیں: صار یضرب به المثل فی سعة العلم و الاتقان یعنی علمی وسعت اور اتقان میں آپ ضرب المثل تھے، نیز فرماتے ہیں ۔ لابن خزیمة عظمة فی النفوس وجلالة فی القلوب لعلمه و دینه واتباعه السنة ۔ ابن خزیمہ کے علم، ان کے دین اور ان کے متبع سنت ہونے کی وجہ سے نفوس میں انکی عظمت اور قلوب میں بلند مقام ہے [۲]۔ دارقطنی کا بیان ہے ۔ کان اماما معدوم النظیر [۳]۔ یعنی بے نظیر امام تھے ۔ حافظ ابو علی نیشاپوری فرماتے ہیں: لم ار مثل محمد بن اسحٰق [۴]۔ میں نے ابن خزیمہ جیسا نہیں دیکھا ۔ ابو عبداللہ بوشنجی کا بیان ہے محمد بن اسحٰق کیس وانا الا اقول هذا الابی ثور [۵] یعنی ابن خزیمہ ذکی و فطین ہیں اور میں یہ بات ابوثور کے متعلق نہیں کہتا ۔ عبدالرحمان بن ابی حاتم سے ابن خزیمہ کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا: ویحکم هو یسأل عنا ولا نسأل عنه هو امام یقتدی به [۶] یعنی تم پر تعجب ہے کہ ہم سے ان کی بابت دریافت کرتے ہو) ابن خزیمہ سے ہمارے متعلق دریافت کیا جاسکتا ہے، اور ہم سے ابن خزیمہ کے متعلق نہیں دریافت کیا جاسکتا ۔ ابن خزیمہ تو امام مقتدیٰ ہیں ۔

اس جامعیت نے آپ کو مرجع خلائق اور مقبول خاص وعام بنادیا تھا اور علمی شان کو اس قدر بلند وبالا کردیا تھا کہ آپ کے شیوخ میں سے امام بخاری و امام مسلم جیسے یکتائے زمانہ نے آپ سے اخذ واستفادہ کیا اور بڑے بڑے ارباب فضل و کمال نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، پس یہ عظمت شان ہی تھی کہ الحافظ الکبیر، امام الائمہ، فقیہ الآفاق امام زمانہ اور شیخ الاسلام جیسے القاب سے نوازے گئے [۷]۔ آپ کے استاذ فقیہ ربیع بن سلیمان کا بیان ہے ۔ استفدنا من ابن خزیمة اکثر مما استفادمنا [۸] جتنا ہم سے ابن خزیمہ نے استفادہ کیا ہے اس سے زیادہ ہم نے ابن خزیمہ سے استفادہ کیا ہے ۔ مرجعیت ومقبولیت کا یہ عالم تھا کہ تشنگان علوم وفنون ہر چہار جانب سے بہ ہزار مشقت آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور علمی پیاس بجھاتے، علامہ اسنوی فرماتے ہیں ۔ صار ابن خزیمة امام زمانه بخراسان رحلت الیه الطلبة من الآفاق [۹]۔ یعنی ابن خزیمہ خراسان میں اپنے زمانہ کے امام تھے، طلبہ دنیا کے گوشے

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۹ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۷۱ و ۷۲۳ وسیر اعلام النبلاء ج ۹ ق ۲۳۵، ۲۳۷ [۳] العبر ج ۲ ص ۱۵۰ [۴] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۴، [۵] ایضاً [۶] ایضاً ص ۱۳۵ [۷] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۲۹، [۸] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۲، [۹] طبقات الاسنوی ج ۱ ص ۴۶۷

گوشے سے ان کے پاس آتے تھے، محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں کان ابن خزیمة قبلة العلم والعلماء واماما یقصده الناس من کل ناحیة [۱] ابن خزیمہ علم اور علماء کے قبلہ تھے اور ایسے امام تھے جن کا لوگ ہر جہت سے قصد کرتے تھے علامہ ابن سبکی نے بڑے ہی پرجلال اور پرشکوہ الفاظ میں آپ کا تعارف کرایا ہے جس سے آپ کی جامعیت، علمی جلالت شان اور مقبولیت و مرجعیت پر بڑی اچھی طرح روشنی پڑتی ہے چنانچہ رقمطراز ہیں۔ امام الائمة ابوبکر السلمی النیشاپوری المجتهد المطلق والحبر الذی لا یخابر فی الحجی، ولا یناظر فی الحجاج، جمع اشتات العلوم، وارتفع مقداره فتقاصرت عنه طوالع النجوم، واقام بمدینة نیسابور اماما حیث الضراغم مزدحمة وفردها الذی رفع العلم بین الافراد علمه، والوفود تقصد علی ربعه لا یتجنبه منهم الا الاشقی والفتاوی تحمل عنه برا وبحرا وتشق الارض شقا، وعلومه تسیر فتهدی فی کل سواد مد لهمة وتقضی علی تاتم الهداة به وکیف لا وهو امام الائمة کالبحر یقذف للقریب جواهرا کرما ویبعث للغریب سحائبا۔ [۲] یعنی ابن خزیمہ امام الائمہ، مجتہد مطلق اور بحر ذخار تھے۔ عقل و فطانت میں بے نظیر تھے، مناظرہ و مباحثہ میں مغلوب نہیں ہوتے تھے۔ مختلف علوم کے جامع تھے اور نہایت ہی بلند مقام پر فائز تھے، جہاں بلند سے بلند کو آپ کی رسائی ممکن نہیں۔ سرزمین نیشاپور میں امام فن کی حیثیت رکھتے تھے جو علوم و فنون کا مرکز تھا، جہاں شیران علم و فن کا ہجوم رہتا تھا وہ سرزمین نیشاپور کے ایسے فرد تھے جن کے علم نے افراد نیشاپور کے درمیان انکا علم بلند کر رکھا تھا، وفود ان کے دولت کدے پر حاضر ہوتے تھے، ان سے بدنصیب ہی الگ رہ سکتا تھا، اُن کے فتاوے پوری دنیا میں نقل کیے جاتے تھے، ان کے علوم سخت تاریکیوں میں ہدایت کا کام دیتے اور ایسے عَلَم و نشان بن کر چلتے جس کی رہ نما پیروی کرتے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ آپ امام الائمہ تھے۔ ابن خزیمہ کی مثال سمندر کی ہے جو اپنے قریب والوں پر موتی جواہرات کی سخاوت کرتا ہے اور دور والوں کے لیے بادلوں کو بھیج کر بارش کا فیضان کرتا ہے۔

آپ کے اس علمی جاہ و جلال کے پیش نظر امراء اور ارباب حشمت بھی آپ کی از حد تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ امیر ابو ابراہیم اسماعیل بن احمد سے جب آپ کی پہلی ملاقات ہوئی تو چوں کہ وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا، اس لیے اس نے شایان شان التفات نہیں کیا، لیکن بعد میں جب اس نے آپ کو پہچانا تو بڑی قدر منزلت کی اور از حد تکریم بجالایا۔

---

[۱] الحدیث والمحدثون ص ۳۲۸ ، [۲] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۰

نیز اپنی سابقہ تقصیر پر معذرت کی۔[1]

عملی اوصاف :

کتب تراجم و طبقات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کے اندر متعدد قسم کے عملی اوصاف نمایاں تھے۔ ہم انھیں الگ الگ درج کرتے ہیں۔

عفت و پاکدامنی : عفت و پاکدامنی ایسا وصف ہے جو انسان کو انسانیت کے سانچے میں ڈھالتا ہے اور اسے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچاتا ہے۔ امام ابن خزیمہ کی ذات میں یہ وصف کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ چنانچہ ابو احمد دارمی بیان کرتے ہیں: سمعت ابن خزیمہ یقول: ما حللت سراویلی علی حرام قط۔[2] میں نے اپنا پاجامہ کبھی بھی کسی حرام فعل پر نہیں کھولا۔

اتباع سنت کا اہتمام : امام صاحب اپنی عملی زندگی میں اتباع سنت کا بڑا اہتمام کرتے تھے، معمولی سے معمولی کام میں بھی سنت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا تھا۔ ابن سبکی اور ذہبی رقمطراز ہیں کہ امام ابن خزیمہ سے سوال کیا گیا: من این اوتیت ھذا العلم فقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماء زمزم لما شرب لہ وانی لما شربت ماء زمزم سألت اللہ علما نافعا۔ ـــ آپ کو علم و فن کہاں سے حاصل ہوا؟ تو فرمایا کہ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ آب زمزم جس مقصد کے لیے پیا جائے اللہ اس مقصد کو پورا کرتا ہے۔ میں نے جب آب زمزم پیا تو اللہ پاک سے علم نافع کی دعا کی۔ (بس یہ اسی کا نتیجہ ہے) نیز رقمطراز ہیں کہ ابن خزیمہ سے کہا گیا۔ لو حلقت شعرک فی الحمام فقال لم یثبت عندی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل حماما قط ولا حلق شعرہ انما تاخذ شعری جاریۃ لی بالمقراض[3] کاش آپ اپنے بالوں کو حمام میں منڈواتے۔ اس پر امام موصوف نے فرمایا میرے نزدیک حضورؐ کا نہ تو حمام میں داخل ہونا ہی ثابت ہے اور نہ ہی اپنے بالوں کا حلق کرانا۔ بلکہ میرے بالوں کو میری لونڈی قینچی سے کتر ڈالتی ہے۔ ابو عمرو بن اسماعیل کا بیان ہے کہ میں ابن خزیمہ کی مجلس میں موجود تھا، انھوں نے مجھ سے قلم دوات میں ڈبو کر مانگا، میں نے ان کو بائیں ہاتھ سے دیا۔ کیوں کہ میرے دایاں ہاتھ لکھنے سے سیاہ ہو گیا تھا، تو انھوں نے قلم نہیں لیا، اس پر ان کے بعض اصحاب نے مجھ سے کہا، "کاش آپ شیخ کو دائیں

---

[1] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۲ [2] ایضاً ص ۱۳۱ [3] ایضاً ص ۱۳۱ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۱۷ [4] ایضاً ص ۰ و الفائق

ہاتھ سے دیے ہوتے، پس میں نے دائیں ہاتھ سے دیا تو انھوں نے لے لیا۔[1]

اس اتباعِ سنت کی بنا پر نفوس اور قلوب میں آپ کی عظمت و جلالت قائم تھی جیسا کہ ذہبی کا بیان گزر چکا۔

حق گوئی اور ادبی شجاعت ؛ امام موصوف حق گوئی کے سلسلے میں بڑے ہی دلیر اور بہادر واقع ہوئے تھے۔ امراء اور ارباب دولت سے بھی اس معاملے میں خائف نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ ابوبکر بن بالویہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن خزیمہ سے سنا کہ "میں امیر اسماعیل بن احمد کے پاس موجود تھا، اس نے اپنے باپ کے واسطے سے ایک حدیث بیان کی جس کی سند میں اس سے وہم ہو گیا۔ میں نے اس کی تردید کی، جب میں اس کے پاس سے نکلا تو قاضی ابوبکر نے کہا کہ ہم لوگ بیس برس سے اس غلطی کو جانتے تھے مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ میں نے کہا کہ میرے لیے حلال نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں خطا یا تحریف سن کر خاموش رہوں اور اس کی تردید نہ کروں[2]

جود وسخا - امام ابن خزیمہ بڑے ہی فیاض، مہمان نواز اور سخی الطبع تھے، سخاوت کا یہ حال تھا کہ ایک کرتا دو مرتبہ بھی نہیں پہن پاتے تھے۔ چنانچہ ابو احمد دارمی کا بیان ہے۔ کان لہ قمیص یلبسہ وقمیص عند الخیاط فاذا نزع الذی یلبسہ وھبہ وعدا الی الخیاط وجاء بالقمیص الآخر[3] ابن خزیمہ کے پاس ایک کرتا (پہننے کا) ہوتا جس کو وہ پہنے ہوتے اور (سلنے کے لیے) ایک کرتا درزی کے پاس ہوتا۔ جب پہنے ہوئے کرتے کو اتارتے تو اسے ہبہ کر ڈالتے اور لوگ درزی کے پاس جا کر دوسرا کرتا لاتے تو اسے زیب تن فرماتے۔ ان کے پوتے محمد بن فضل بیان کرتے ہیں کان جدی ابوبکر لا یدخر شیئا جھدہ بل ینفقہ علی اھل العلم ولا یعرف سنجۃ الوزن ولا یعرف الشیخ ولا یمیز بین العشرۃ والعشرین کنا ربما اخذنا منہ العشرۃ فیتوھم انھا خمسۃ[4] یعنی میرے دادا ابوبکر (ابن خزیمہ) حتی الوسع مال جمع نہیں کرتے تھے بلکہ اسے اہل علم پر خرچ کر ڈالتے تھے اور وہ وزن کا باٹ اور نکل کو نہیں جانتے تھے اور نہ دس بیس کے درمیان فرق کرتے تھے۔ بسا اوقات ہم ان سے دس لیتے اور وہ اسے پانچ تصور کرتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک بے نظیر دعوت کی جس میں انواع و اقسام کے عمدہ کھانے پینے اور حلوے و میوے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مدعوئین کی تعداد بے شمار تھی، اور ایسی شاندار قسم کی دعوت تھی جس کا اہتمام ایک بڑا بادشاہ ہی کر سکتا ہے[5] یہ دعوت جمادی الاولیٰ ۳۰۹ھ میں ہوئی تھی[6]

---

[1] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۱ [2] ایضاً ص ؟ [3] ایضاً ص ؟ [4] ایضاً ص ۱۳۵ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۴۷ [5] سیر اعلام النبلاء ج ۹ ق ۲۳۶ [6] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۲۵ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۴۹ [7] سیر اعلام النبلاء ج ۹ ق ۲۳۶

ناعت وکفایت شعاری امام صاحب بڑے ہی قانع اور کفایت شعار تھے۔ آپ کی ذات
ات اور آرائشات سے بالکل پاک وصاف تھی۔ کفایت شعاری کا یہ عالم تھا کہ دو کرتا تک استعمال میں نہیں رکھتے تھے
ہمیشہ ایک ہی کرتا ہوتا۔ جب نیا کرتا استعمال کرنا ہوتا تو پہلا صدقہ کر دیتے جیسا کہ جود وسخا کے عنوان کے تحت گزرا۔ علامہ
ی رقم فرماتے ہیں۔ کان متقللا له قمیص واحد دائما فاذا جدد اخرو هب ما کان علیه [1]
ابن خزیمہ کفایت شعار تھے۔ ان کے لیے ہمیشہ ایک ہی کرتا ہوتا، جب نیا کرتا بنوالتے تو پہلا کرتا صدقہ کر دیتے۔ علامہ
سبکی رقمطراز ہیں۔ قیل له لو قطعت لنفسك ثیابا تتجمل بها فقال ما اذکر نفسی قط ولی اکثر
قمیصین۔ [2] امام صاحب سے کہا گیا، کاش آپ زیب وزینت کے لیے کچھ زیادہ کپڑے بنوا لیتے تو فرمایا
اپنے بارے میں کبھی کبھی یاد نہیں کہ میرے پاس دو سے زیادہ کرتے ہوں۔

رگی و کرامت : امام موصوف بڑے زاہد اور بزرگ تھے، لوگ ان کی ذات کو بابرکت گردانتے تھے۔
جزری رقمطراز ہیں۔ احد اعلام الائمة حفظا وفقها وزهدا [3] — ابو عثمان زاہد کا بیان ہے۔
الله لیدفع البلاء عن اهل نیسابور بابن خزیمة [4] اللہ تعالیٰ ابن خزیمہ کی بدولت اہل نیشاپور سے
ں دور کرتا ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ هو احد المحمدین الذین ارملوا بمصر ثم
تهم الله ببركة صلاته [5] آپ ان محمد نامی لوگوں میں سے ایک ہیں جن کے توشے مصر میں ختم ہو گئے تھے
لیٰ نے آپ کی نماز کی برکت سے انھیں رزق عطا کیا۔ مصر میں توشہ ختم ہونے والے واقعہ کو علامہ ابن جوزی نے
یل کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ محمد بن ہارون طبری روایت کرتے ہیں کہ میں، محمد بن نصر مروزی، محمد نا
بر وزان اور ابن خزیمہ چاروں آدمی مصر میں ربیع بن سلیمان کی خدمت میں رہ کر ان سے کتب شافعی کا علم حاصل
تھے، وہاں ہم لوگوں کا توشہ ختم ہو گیا اور تین دن ہم لوگوں کو بھوکے رہ جانا پڑا، جب یہ نوبت آگئی تو میں نے کہا
ہمارے لیے سوال کرنا حلال ہو گیا، لیکن ہم میں سے ہر شخص سوال کرنے سے عار محسوس کرتا تھا، اس لیے ہم نے آپس
رعہ اندازی کی، جس کے نام قرعہ نکلے گا وہی سوال کرے گا، اتفاق سے قرعہ ابن خزیمہ کے نام نکلا، انھوں نے کہا،
مجھے استخارہ کی دوگانہ ادا کر لینے دو، ابھی وہ سجدے کی حالت میں دعائے استخارہ میں مشغول ہی تھے کہ ایک شخص نے

---

[1] طبقات الاسنوی ج ۱ ص ۴۱۶ [2] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۱ [3] طبقات القراء ج ۲ ص ۹۸ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۱۰ [5] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۹۔

دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کھولا گیا تو وہ امیر مصر احمد بن طولون کا خادم تھا، وہ اجازت لے کر داخل ہوا پھر سلام کیا اور بیٹھ گیا، بعدہ ایک رقعہ نکال کر پوچھا محمد بن نصر مروزی کون ہیں؟ ہم نے ان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ ہیں، اس نے انھیں پچاس ہزار دینار کی تھیلی پیش کی، اور کہا کہ امیر احمد بن طولون نے آپ کو سلام عرض کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ آپ اسے خرچ کریں، ختم ہونے پر اتنی ہی پھر ہم آپ کی خدمت میں بھیجیں گے۔ اسی طرح بقیہ تینوں آدمیوں کا نام بھی فرداً فرداً پوچھتا گیا "انھیں" اتنی اتنی رقم دیتا گیا۔ جب سب کو دے کر فارغ ہو چکا تو ہم لوگوں نے کہا کہ بتاؤ واقعہ کیا ہے ورنہ ہم اس عطیے کو قبول کرنے سے باز رہے۔ تو اس نے بتایا کہ امیر احمد بن طولون دوپہر میں قیلولہ کر رہے تھے کہ ایک شخص نے ان سے خواب میں کہا۔ اے احمد! کل (قیامت میں) جب اللہ کے روبرو تمھاری پیشی ہوگی اور وہ تم سے ان چار علماء کے بارے میں سوال کرے گا جو تین دن سے بھوکے تھے تو تمھارے پاس چھٹکارے کے لیے کیا حجت ہوگی؟ اس کے بعد امیر خواب سے گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے، پھر آپ لوگوں کے نام لکھ کر یہ تھیلیاں مجھے دیں اور آپ حضرات کی خدمت میں مجھے روانہ کیا، میں آپ حضرات کی تلاش و جستجو میں تھا۔ اب آپ لوگ ملے ہیں۔ [1]

وفات : ۸ ذیقعدہ ۳۱۱ھ کو سنیچر کی رات میں بمقام نیشاپور آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے گھر کے ایک حجرے میں دفن کیے گئے۔ پھر پورا گھر ہی مقبرہ بنا دیا گیا۔ [2] اس طرح علم و فن کا یہ چمکتا دمکتا آفتاب ہمیشہ کے لیے سرزمین نیشاپور میں غروب ہوگیا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ بعض تذکرہ نگار مثلاً ذہبی، اسنوی وغیرہ نے تاریخ وفات ۲ ذیقعدہ تحریر کی ہے لیکن دن کا ذکر نہیں کیا ہے [3]، اسی طرح سن وفات کے سلسلے میں بھی دو اقوال منقول ہیں، عام طور پر کتب تراجم میں ۳۱۱ھ ملتا ہے لیکن ایک دوسرا قول ۳۱۲ھ کا بھی ہے۔ ابو اسحاق شیرازی نے دوسرا ہی قول تحریر کیا ہے [4]

مرثیہ کے اشعار : بعض اہل علم نے آپ کے مرثیہ میں یہ دو اشعار کہے ہیں۔

یا ابن اسحٰق قد مضیت حمیداً ۔ فسقی قبرك السحاب الهتون

ما تولیت لا بل العلم و لكن ۔ ما دفناك بل هو المدفون [5]

ترجمہ:- اے ابن اسحاق! آپ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ لائق تعریف تھے، لگاتار برسنے والا

---

[1] المنتظم ج ۶ ص ۱۸۵ [2] ایضاً ص ۱۸۶ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۳۰، طبقات الشافعیہ للاسنوی ج ۱ ص ۴۱۶ معجم المولفین ج ۹ ص ۳۹، [4] طبقات الفقہاء لابی اسحٰق، طبقات الشافعیہ للاسنوی ج ۱ ص ۴۱۶، التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البہیہ ص ۱۹۱ [5] طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۱۳۲۔

بادل آپ کی قبر کو سیراب کرے ۔ آپ نے (دنیا سے) پیٹھ نہیں پھیری بلکہ علم نے پیٹھ پھیرلی ، ہم نے آپ کو دفن نہیں کیا بلکہ علم ہی مدفون ہو گیا ۔

امام صاحب کے متعلق لوگوں کے خواب : بہت سے بزرگان دین کے متعلق کچھ معزز ہستیوں نے خواب دیکھے جن کی تعبیر ان کی عملی زندگی میں صادق آئی ، امام ابن خزیمہؒ کے متعلق خوابوں کی بھی یہی حیثیت ہے ۔

پہلا خواب : ابو بشر قطان کا بیان ہے کہ امام ابن خزیمہ کے ایک ذی علم پڑوسی نے خواب دیکھا کہ ایک تختہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صورت ہے اور اس تختہ کو ابن خزیمہ صیقل کر رہے ہیں ۔ معبر نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ ابن خزیمہ سنت نبوی کا احیاء کریں گے ۔ [1]

دوسرا خواب : ابو اسحاق ابراہیم بن محمد مضارب کا بیان ہے کہ میں نے امام ابن خزیمہ کو خواب میں دیکھ کر کہا ۔ جزاك الله عن الاسلام خيرا (اللہ آپ کو اسلام کی طرف سے جزائے خیر دے) تو انھوں نے کہا : كذا قال لي جبرئيل في السماء (ایسے ہی جبرئیل نے بھی مجھ سے آسمان میں کہا یعنی جزاك الله عن الاسلام خيرا کے دعائیہ کلمات کہے ۔ [2]

●●●

---

[1] طبقات شافعیہ ص ۱۳۴ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۷ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۹۷

علامہ البانی ——— اور ——— مجاہدین افغانستان

"علامہ محمد ناصر الدین البانی عالم اسلام کی نہایت معروف اور بلند پایہ علمی شخصیت ہیں۔ احادیث سے متعلق مخطوطات کی چھان بین اور صحت وضعف وغیرہ کے اعتبار سے احادیث کی نئی تحقیقات کے سلسلے میں انھوں نے اتنا بلند مقام حاصل کرلیا ہے کہ وہ دور سلف کے کبار محدثین کی صف میں شمار کیے جانے لگے ہیں۔ اور وہ اپنی بے لاگ علمی اور فنی تحقیقات کی بنا پر ایک علمی اور اسلامی تحریک بن گئے ہیں، جس کے اثرات کو عالم عرب کے اندر اور باہر اچھی طرح محسوس کیا جانے لگا ہے۔

بدقسمتی سے جن تحریکات نے اپنے آپ کو اسلام اور اسلامیات کا اجارہ دار سمجھ رکھا ہے انھوں نے علامہ موصوف کی قدر دانی وپذیرائی اور ان کے علمی درجہ ومقام کے اقرار واعتراف کے بجائے موصوف کے کارناموں کے مقاطعے اور بائی کاٹ کی راہ اپنا رکھی ہے۔ اور لوگوں کی نگاہ میں ان کا مرتبہ ومقام گھٹانے کے لیے ان تحریکات سے وابستہ حضرات رہ رہ کر اوچھی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں آپ پر یہ ناروا تہمت تراشی گئی تھی کہ آپ نے مجاہدین افغانستان کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے منع کیا ہے۔ ذیل کے سوال وجواب کا تعلق اسی معاملے سے ہے۔ ہم یہ سوال وجواب دارالافتاء کے مبعوث شیخ ابراہیم عبداللہ قریوتی اردنی (لاہور، پاکستان) کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین کر رہے ہیں۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیار شام کے محدث علامہ شیخ محمد ناصر الدین البانی سے مجاہدین افغانستان کی امداد کی بابت حسب ذیل سوال کیا گیا۔

الحمد للہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین ، بعد
یہاں پاکستان میں جو ملک افغانستان کا ہمسایہ ہے ، بہت سے بھائیوں میں یہ شہرت ہے کہ آپ نے کویت کے ایک رسالے میں یہ صراحت کی ہے کہ مجاہدین افغانستان کو زکوۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا یھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبإ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین ۔ اے اہل ایمان ، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لو (ایسا نہ ہو کہ) تم ناواقفیت میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو ، پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے ۔)
اس لیے ہم اللہ کے ارشاد کے مطابق آپ سے توقع رکھتے ہیں کہ آپ اس خبر کی صحت و عدم صحت سے آگاہ فرمائیں گے ۔
اسی طرح ہمیں یہ بھی توقع ہے کہ مجاہدین افغان کے نام کوئی کلمہ نصیحت فرمائیں گے ۔ اللہ آپ کو بہترین جزا دے ۔"

علامہ البانی کا جواب یہ ہے ۔

ان الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ہادی لہ ۔ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ

اما بعد ۔

ایک پرانی کہاوت ہے وما آفۃ الاخبار الا رواتھا ۔ (خبروں کی آفت ان کے ناقلین ہیں)
پس معاملہ یہی ہے ۔ ہر مسلمان کے لیے یہ افسوسناک بات ہے کہ آج کل بہت سے مسلمانوں پر اسلام کے بہت سے احکامات کے سلسلے میں اسلام کی مخالفت کا غلبہ ہے ، جن میں سے ایک بات یہ ہے کہ لوگ خبروں کی نقل و روایت میں احتیاط سے کام نہیں لیتے ، جیسا کہ اس آیت میں حکم ہے جسے محترم سائل نے ذکر کیا ہے ۔ اور جس کا تقاضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کر رہا ہے ۔ کفیٰ بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع ۔ آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جو کچھ سنے اسے بیان کر ڈالے ۔
لیکن اس آیت اور اس حدیث کے علی الرغم ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ خبروں کی نقل و روایت میں بلا تحقیق اور بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں ۔ مذکورہ بالا خبر کے متعلق ــــ جیسا کہ ہم نے علماء سابقین سے سیکھا ہے ۔ میں یہ عرض کروں گا ۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم ۔ ، خدایا ! تو پاک ہے ، یہ زبردست بہتان ہے ، کیونکہ جہاں تک مجھے علم ہے میں سمجھتا ہوں کہ

کہ ہمارے افغان بھائیوں کے علاوہ آج سرزمین اسلام پر کوئی بھی نہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کر رہا ہو، اس لیے جس آیت میں زکوٰۃ کے مصارف گنائے گئے ہیں اور جو اس طرح ہے۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین .... الی قولہ تعالیٰ .... وفی سبیل اللہ۔ اس میں فی سبیل اللہ کا لفظ جس سے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف بیان کیا گیا ہے، اس کے بارے میں علماء کرام کا اجماع ہے کہ اس کا اولین مقصود اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں جہاد اور کفار سے قتال ہے، حالانکہ یہاں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک دوسرا قول بھی ہے جس میں اس نص قرآنی یعنی فی سبیل اللہ کے معنی میں توسع کر کے اس میں حجاج کی راہ میں اس شخص کے لیے مال خرچ کرنے کو بھی داخل کر لیا گیا ہے جو بیت اللہ شریف تک حج کے لیے جانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اس حد تک تو اس آیت کریمہ کو سمجھنا ممکن ہے، لیکن بعض متاخرین نے اس میں توسع اختیار کر کے، فی سبیل اللہ کے عموم میں جو رفاہ عام کے ہر کام کو داخل کر دیا ہے میرے خیال میں یہ ناپسندیدہ توسع ہے۔ اور آیت مذکورہ میں جو حصر ہے اور جو مخصوص گنتی ہے اس توسع سے اس کا خاتمہ اور ابطال ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں اس توسع کی تردید کے لیے یہ بات کافی ہے علماء سلف، صحابہ وتابعین اور مشہور ائمہ تفسیر میں سے یہ توسع کسی نے بھی اختیار نہیں کیا ہے، اور یہ بات ہمیں ہمیشہ ترغیب دیتی ہے کہ ہم اللہ کے دین یعنی کتاب وسنت کو سمجھنے میں سلف صالح کے طریقے اور ان کے منہج سے چمٹے رہیں۔

مقصود یہ ہے کہ یہ آیت ہمارے موجودہ دور میں ہمارے افغان مجاہد بھائیوں پر مکمل طور پر چسپاں ہو رہی ہے، کیوں کہ روسی ملحدین کی جانب سے ان پر ظلم وزبردستی کرتے ہوئے انھیں ان کے گھروں سے بے دخل کیا گیا ہے لہٰذا صرف انہی پر نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام کے سارے مسلمانوں پر فرض ہے کہ کفار سے جہاد کریں، لیکن سخت افسوس ہے کہ سارے مسلمان اپنے اپنے ممالک میں مصائب ومشکلات کے اندر اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے افغان مجاہد بھائیوں کی اعانت کا فرض ادا کرنے کے لیے اٹھ نہیں پا رہے ہیں۔ لیکن کم از کم مالی تعاون تو اس طرح کرنا ہی چاہیے ہیں کہ اس سے مجاہدین اپنے دشمنوں کی مقاومت میں مدد لے سکیں یہاں تک کہ اللہ عزوجل انھیں اپنے دشمنوں پر فتح وکامرانی سے سرفراز فرمادے۔

خلاصہ یہ ہے کہ میرے بارے میں جو بات آپ نے بتائی ہے وہ محض جھوٹ اور گھڑنت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ سارے مسلمانوں کو ان کے رب کی کتاب اور ان کے نبی کی سنت کے اندر جو کچھ آیا ہے، اس کے مطابق

(باقی صفحہ ۵۶ پر)

برہمن ازم، یہودیت اور شیعہ مذہب کے یکساں دعاوی اور ان کے نتائج

صوفی نذیر احمد کاشمیری

(۱) تقریباً تین ہزار برس سے برہمنوں کا دعویٰ ہے کہ اللہ پاک نے انھیں اپنے سر سے جنم دیا ہے اور عالم انسانی کا فرض ہے کہ وہ انھیں اپنا سردار مان لے، انکار کرنے کی صورت میں عالم انسانی اللہ پاک کے منشا کا مخالف ہوگا۔

(۲) یہودیوں کا دعویٰ بھی تقریباً تین ہزار برسوں سے یہ ہے کہ "ہم اللہ کی اولاد اور اس کے چہیتے ہیں۔" "نحن ابناء اللہ واحباءہ"۔ لہٰذا عالم انسانی کا فرض ہے کہ وہ انھیں اپنا سردار مان لے، انکار کی صورت میں وہ منشاءِ خداوندی کا مخالف ہوگا۔

(۳) شیعہ مذہب کا دعویٰ ہے کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے دنیا میں صرف اس لیے بھیجا تھا کہ بنو فاطمہ کو ساری دنیا کا سردار تسلیم کرائیں، لہٰذا عالم انسانی کا فرض ہے کہ وہ بنو فاطمہ کو اپنا سردار تسلیم کرے، انکار کی صورت میں وہ منشاءِ خداوندی کا مخالف ہوگا۔

یہ تینوں کے تینوں دعوے جہاں بالکل یکسانیت رکھتے ہیں وہاں وہ قطعی طور پر اخلاقی اقدار کے بجائے خون ونسل پر مبنی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ "جو بات تیرے رب نے تیری طرف اتاری اسے کھول کر پہنچا، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو اپنی رسالت میں ناکام رہا۔ اور اللہ پاک لوگوں کے مقابلے تیری حفاظت کرے گا۔" یہ قرآن کے الفاظ ہیں اور شیعہ مذہب میں اس کا مفہوم قطعاً یہ ہے کہ اس حکم کا کل مقصود یہ ہے کہ محمد رسول اللہ کو اللہ کا حکم قطعی تھا کہ وہ علی کو اپنا جانشین اعلان کریں، اس لیے کہ فاطمہ کے شوہر تھے

اور فاطمہ کے بطن سے آئندہ کے لیے انسانیت کے سردار ولی کا سلسلہ قائم ہونے والا تھا۔

مگر آخری وقت یہ ہو گیا کہ جب رسول اللہ نے وفات پائی تو ابوبکر و عمر نے خلافت علی منہاج النبوت کے نام سے ایک ایسا نظام قائم کر دیا جو بنی فاطمہ کی فوقیت کے بجائے تمام افراد انسانی کے مساوی فرائض حیات و مساوی حقوق پر مبنی تھا۔ برہمن ازم، یہودیت، اور شیعہ مذہب کے نسلی و خونی برتری کے مقابل قرآن مجید حسب ذیل دعوی پیش کرتا ہے۔ " ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون " اور تمہاری یہ کائنات انسانی ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں، لہذا میری پوجا کرو " ۔ (۲) ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ و انا ربکم فاتقون " ۔ یہ تمہاری کائنات انسانی ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہذا مجھ سے ڈرو۔

(۳) یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ۔ " اے کائنات انسانی ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور چھوٹے بڑے قبیلوں میں صرف تعارف باہمی کے لیے تقسیم کر دیا۔ (رہا شرافت کا سوال تو) اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ افضل ہے جو زیادہ خوف خدا رکھنے والا ہے۔

یہ ہے خاتم الانبیاء کا وہ پیغام جو قرآن مجید سے، سنت نبوی سے اور دور صحابہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جو تاریخ عالم کا مصدقہ مصدر بن چکا ہے اور جو خون و نسل کے سارے حیوانی امتیاز کی جڑ کاٹتا ہوا نوع انسانی کو خالص انسانی بھائی چارہ بنا دیتا ہے، اور یہی ہے وہ تعلیم انسانی جسے ختم کرنے کے لیے اسلام کے متوازی اسلام کی پہلی صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہی ایک انڈرگراؤنڈ تحریک چل کھڑی ہوئی تھی۔ روایات حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا بانی عبداللہ بن سبا نام کا کوئی یہودی تھا، جسے حضرت علی نے اپنے زمانۂ خلافت میں جلاوطن کرا دیا تھا۔ لہذا خود حضرت علی اسلامی روایات کی رو سے قطعاً کنبہ پروری کے بانی محسوس نہیں ہوتے، خدا نہ کردہ اگر ان کا سارا جنگ و جہاد صرف بنو فاطمہ کی سرداری کے لیے تھا تو ظاہر ہے کہ عالمگیر انسانیت کو ان سے کوئی بھی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ نہ ہونی چاہیے، اس لیے کہ یہ ہمدردی انسانیت عامہ کے لیے خودکشی کے مساوی ہوگی۔

اللہ پاک خمینی اور اس کے متبعین کو ان کے مسلک کے بالوں سے پکڑ کر کنبہ پرستی کے تاریک غار سے اخوت و مساوات انسانی کے لوز زار میں لے آئے۔ " اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور "۔

اللہ اہلِ ایمان کا دوست ہے جو انھیں رنگ رنگ کی تاریکیوں سے ہدایت کے نورِ زار میں لے آتا ہے۔ القرآن

مسز گاندھی

موجودہ وزیرِ اعظم ہند مسز اندرا گاندھی برہمن نسلی فوقیت کی آخری نمائندہ ہیں، ان کے والد نے جمہوریت، سوشلزم، انسانیت پرستی (Humanism) قسم کے سارے خوشنما سلوگن اختیار کیے، اور اس سنہری پردے کے پیچھے صرف ایک مقصد کو بڑھاتے رہے اور وہ یہ تھا کہ وہ اپنی بیٹی مسز اندرا گاندھی کو برصغیر ہند کا مختار و مالک بنا کر دنیا سے جائیں اور وہ اس میں کامیاب رہے۔ یہ برہمن نسلی فوقیت کی آخری کوشش ہے۔

کشمیر کا بین الاقوامی جھگڑا نہرو خاندان کا ذاتی و کنبہ وارانہ سوال ہے، جہاں ہر تدبیر سے مسلم اکثریت کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ وشنو دیوی نام کے ایک تیرتھ کو صوبہ جموں کے لیے اور شیخ عبداللہ کی قبر کو صوبۂ کشمیر کے لیے مرکزی عبادت گاہ بنایا جا رہا ہے تاکہ اسلام کا توحیدِ خدا و اخوتِ انسانی کا نظام رحمت ریاست سے برہمن ازم کو ختم نہ کر دے، دعا ہے کہ اللہ پاک مسز گاندھی کو بھی اس سازشی فلسفے سے نجات دے کر توحیدِ خدا اور اخوتِ انسانی کے نورِ زاروں میں لے آئے۔ آج نسل پرستی کے سارے فلسفوں کو ختم کر کے دنیا کو انسانیت عامہ کے لیے دار الامن بنانے کا وقت ہے۔

مسٹر ریگن

یہودیوں نے ساری دنیا سے سمٹ کر فلسطین کو جس طرح کنبہ پرست مذہب کا اڈا بنایا ہے اور جس پر خونِ انسانی کی بے دریغ قربانی کا سلسلہ سالوں سے جاری ہے، وہ بھی ساری انسانیت کے سامنے ہے۔ اور ان سب غیر انسانی و غیر اخلاقی فساد کا صرف ایک علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ اپنی نسلی و خونی فوقیت کے حیوانی دھرم سے توبہ کرتے ہوئے محمد رسول اللہ اور ان کے غیر مشکوک جانشینوں مثلاً ابوبکر و عمر کے دین و دھرم اور نظم و نسق کو قبول کرتے ہوئے دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا سرِ نو آغاز کریں۔ اس کے سوا فسادِ انسانی کو دنیا سے ختم کرنے اور دنیا کو دار الامن بنانے کی اور کوئی تدبیر نہیں ہے۔

خمینی، مسز گاندھی اور مسٹر ریگن سے بحیثیت انسان کے درخواست ہے کہ وہ نسل پرستی و خونریزی کے باب کو ختم کرتے ہوئے تاریخ انسانی کے اس عظیم شکن اور سلوٹ کی استری کرتے ہوئے کائناتِ انسانی کو چند دنوں کے لیے دنیا کو دار الامن اور دار الاسلام بنانے کا موقع دیں تاکہ انسانی حیوانات کے مار دھاڑ، چیر پھاڑ کے دھرم کے مقابل اپنی اخلاقی فطرت کا کائنات میں مظاہرہ کر سکے۔ اے اللہ تو انسانیت کے ان سب جلادوں کو ان کے مستک کے بالوں سے پکڑ کر ایمان و یقین کے نورِ زار میں لے آ۔

●●●

شاہ فہد کے خلاف بیجا واویلا

عبد المعید سلفی

فکری اور تہذیبی معرکہ آرائیوں کی رزم گاہ میں صحافت ایک زود اثر اور اہم ترین ہتھیار ہے ، آج خود غرض موقع پرست صحافت کی یہ تکنیک ہے کہ کسی حقیقت کے خلاف اتنا پروپیگنڈا کرو کہ جھوٹ سچ کا پیراہن زیب تن کر لے ۔ اسلام دشمن اور مسلم بیزار صحافت کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی ، جس سے فائدہ اٹھا کر اسلامی کاز کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہو

حال ہی کا ایک اہم ترین واقعہ ہے کہ اسلامک ورلڈ آرگنائزیشن نے اپنے مختلف اہم علمی دینی اور ثقافتی پروگراموں میں ایک پروگرام یہ رکھا ہے کہ وقت کے نو پید مسائل اور مشکلات کا دین کی روشنی میں مناسب حل تلاش کیا جائے اور اس مقصد کی خاطر ایک اسلامی فقہی اکیڈمی قائم کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اس اکیڈمی کی تاسیسی کانفرنس مکہ مکرمہ میں منعقد کی گئی ۔ اس کانفرنس کا افتتاح سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد نے اسلامک ورلڈ آرگنائزیشن کے صدر کی حیثیت سے ۲۸ رجون ۱۹۸۳ء منگل کی شام کو کیا ۔ اس میں آرگنائزیشن کے رکن ممالک کے ۳۳ وزراء قانون و امور اسلامی شریک ہوئے

شاہ فہد نے اس کانفرنس میں ایک تقریر کی ، شاہ فہد کے اس خطاب کو عالمی صحافت نے خوب اچھالا اور شہ سرخیوں کے ساتھ اسے شائع کیا ۔ یہ خطاب ہندوستان کے بھی اکثر و بیشتر اخباروں میں بڑے آب و تاب کے ساتھ شائع کیا گیا ۔ اور اس میں خوب خوب رنگ آمیزیاں کی گئیں ۔

اسلام دشمن اور مسلم بیزار صحافت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جن اسباب کی بنا پر غلط پروپیگنڈا کرتی ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے صحافتی بددیانتی کرتی ہے وہ اپنی جگہ پر معروف ہیں ۔ انھیں سب جانتے ہیں ، لیکن یہاں کچھ خاص وجوہ بھی ہیں ۔

یہاں مسئلہ کی نزاکت یوں بڑھ گئی ہے کہ عالم اسلام کی اپنی تنظیم دینی اساس پر اپنے مسائل کے حل کے لیے ایک ٹھوس قدم اٹھانا چاہتی ہے اور انفرادی و مقامی کوششوں کو اجتماعی صورت میں تبدیل کرنا چاہتی ہے تاکہ پورے عالم اسلام

میں مسئلہ کی یکسانیت کا شعور بیدار ہو اور حل مسائل کی کوششوں کو اجتماعی قوت فراہم کی جائے۔ ظاہر ہے، اگر دین کے حوالہ سے ایک سنجیدہ کوشش کی ابتدا ہونے والی ہو تو ایسی کوششوں اور عزائم کو اسلام دشمن کیسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرسکتے ہیں۔ ان کے لیے تو المیہ ہوگا کہ عالم اسلام ایسی کروٹ لے کہ اسلام کی آغوش میں پہنچ جائے۔ یہی کوشش اگر سیکولرزم کے عنوان سے ہوتی تو کوشش کرنے والوں کو ان کی طرف سے شاباشی ملتی۔ لیکن جب اسلام کی بات آجائے تو وہ کیسے اسے سننا گوارا کرسکتے ہیں۔

پھر یہ کہ اس کوشش کی ابتدا مہبط وحی و جوار حرم سے ہوئی ہے اور اس کی سربراہی ایسی حکومت کررہی ہے جو اپنی اسلام شیفتگی کی دعویدار ہے اور بڑی حد تک اس دعوے کو نبھانے کی کوشش کررہی ہے

جہاں اتنے سارے عوامل اکٹھے ہوجائیں کہ مشکلات کے حل کے لیے کوشش اسلامی اساس پر شروع ہونے والی ہو اور عالم اسلام کی اپنی انجمن اس کی نگراں ہو اور بابرکت و مقدس زمین پر ہو اور اس کی سربراہی ایسی حکومت اور ایسا سربراہ کررہا ہو جو اپنی اسلام پسندی اور اسلام پیرائی میں مشہور ہو۔ ایسی کوشش کو اسلام دشمن کیوں نہ سبوتاژ کرنے کی سعی فرمائیں اور کیوں نہ ابتدا ہی میں ایسے دینی عزائم و پروگرام کو بدنام کریں اور اس کی ایسی تصویر کھینچیں کہ ہر حلقے میں ان کی بدنامی و رسوائی ہو۔ یہی وہ مقاصد تھے جن کے پیش نظر عالمی صحافت نے اپنی رنگ آمیزی اور مکروفریب سے شاہ فہد کے خطاب کو خوب اچھالا اور اپنے اغراض میں کامیاب رہے۔ اور علما ان کی عیاری کے جال میں پھنس گئے۔

عام ہندوستانی مسلمان جو اپنے قبر پرستانہ جمود اور خانقاہی مزاج کے سبب ہر مصلحانہ اقدام کو جو سعودی حکومت کی طرف سے ہو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے بہترین موقع پاجاتا ہے اسے غور و فکر جستجو و تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ غیروں کے استہزا، مذاق اور زخموں پر نمک پاشی سے اسے خوشی ہوتی ہے، وہ طرح طرح کے اتہامات اور افترا پردازیوں کا طومار باندھتے نہیں تھکتا، اور جن کے جبہ و دستار جتنے زیادہ دلکش ہوں وہ اس میں اسی قدر بےباکی کا ثبوت دیتے ہیں۔

خیر سے اس بار اباحیت پسندوں کے دل کی بات عالمی صحافت نے مرکز اسلام مکہ مکرمہ سے سنادی۔ پھر کیا تھا اس کی کچھ ادائیوں میں اضافہ ہوگیا اور وہ بات ان کی محفلوں کا موضوع سخن بن گئی، سمیناروں میں اس کا حوالہ دیا جانے لگا کہ اسلامی قوانین ازکار رفتہ ہوچکے ہیں اور وہ مسلمانوں کی ترقی میں رکاوٹ ہیں، ان کی ترمیم و تنسیخ ہونی چاہیے، یہی نہیں بلکہ دروغ گوؤں نے ان موضوعات کی تعیین بھی کردی جن کی شاہ فہد کے نزدیک ترمیم و تنسیخ ہونی چاہیے۔ وہ ہیں۔

تجارتی، تعزیری اور عائلی قوانین اسلام ۔

حقیقت واقعہ کیا ہے اسے معلوم کرنے کی ضرورت کسی کو محسوس نہیں ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ شاہ فہد کی تقریر میں کہیں وہ بات نہیں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ بلکہ اس تقریر میں دینی نقطۂ نظر سے ایک بات بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔ سعودی فرمانروا کی پوری تقریر سعودی عرب کے اکثر جریدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کے ماہنامہ میگزین کا تازہ شمارہ (اشاعت اول رمضان، جولائی ۱۹۸۳ء) ہمارے سامنے ہے۔ یہ تقریر [illegible] کالموں پر مشتمل ہے اور صفحہ [illegible] تک پھیلی ہوئی ہے۔ ہم اس کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں تاکہ دیکھا جا سکے کہ شاہ فہد نے کیا کہا ہے اور ان کے ناقدین انہیں کیا بتلا رہے ہیں۔

سعودی فرمانروا نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا

"آپ کا یہ اجتماع امت اسلامیہ کی تاریخ کے اہم تاریخی مرحلے کی حقیقی ابتدا ہے۔ یہ ایسا مرحلہ ہوگا جس میں شریعت اسلامیہ کی خدمت کا اعزاز انفرادی اور مقامی کوششوں کی حدود سے آگے ہوگا۔ اور سیاسی حدود سے گزر کر اس میدان میں پہلی عالمی تنظیم کی صورت میں امت اسلامیہ کی وحدت کی خواب کی تعبیر ہوگی۔"

شاہ فہد نے فرمایا "اجتماعی عمل کی روح ہی امت اسلامیہ کی کامیابی کی امتیازی صفت ہے۔ اسی سے وہ تمام چیلنجوں کا سامنا کر سکتی ہے۔ علامتیں بتلا رہی ہیں کہ امت اسلامیہ نے راہ راست پالی ہے۔ اور اپنے افراد کی وحدت کے سائے میں عقیدہ کی وسعت کی طرف بڑھنے کے لیے قدم اٹھایا ہے۔ صحن حرم میں تیسری اسلامی چوٹی کانفرنس کا انعقاد اور اس سے ظہور پذیر مسائل اور قراردادیں اور اسلامی فقہی اکیڈمی جس کی تاسیسی کانفرنس کے افتتاح کے لیے ہم حاضر ہوئے ہیں، قائم کرنے کے لیے عالم اسلام کے لیڈروں کی پاس کردہ تاریخی قراردادیں امت اسلامیہ کی عزت و قوت کی بازیابی کے لیے بہترین موقع اور باشعور اور ٹھوس قدم تھا۔ تاکہ اسلامی تہذیب کی تعمیر انصاف کے حصول اور انسان کو انسان کے ظلم سے بچانے کے لیے اپنا قائدانہ اور مؤثر کردار ادا کرے۔

بھائیو! ہم سب کا ایمان ہے کہ اسلام ایسا دین ہے جو عقل کو خطاب کرتا ہے اور پسماندگی کی تمام صورتوں کا مخالف ہے وہ آزادیٔ فکر کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور تمام عصری تکمیلات کو حاوی ہے اور ان کی پیہم جستجو پر آمادہ کرتا ہے اس طرح اسلام انسانی رویہ کے لیے ضابطہ بناتا ہے اور اجتماعی اور بین الاقوامی تعلقات کو رحمت کی اساس پر استوار کرتا ہے۔ فرمان الٰہی میں اللہ نے فرمایا "وما ارسلناك الا رحمة للعالمين" "ہم نے آپ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر

بھیجا ہے۔)

انسانی تعلقات میں یقیناً ارتقا ہوا، لیکن انسانی فکر انسان کے آلام کے خاتمے اور اس کی خوشحالی و سلامتی کی آرزوؤں کی تکمیل کرنے سے قاصر رہی، اس لیے انسانی فکر کو ضرورت ہوئی رحمت کے ایک ضابطہ کی۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف اس وقت کوچ کیا جب آپ کے ذریعہ اللہ نے ہم پر اپنی نعمت کی تکمیل کردی۔ اور ہمارے لیے مکمل دین کو چن لیا، اور شریعت اسلامیہ ہی تمام اسلام میں ہمارے لیے وہ عظیم حقیقی سرمایہ بن گئی جس نے عالم اسلام کے تشخص کی ایسے تاریک ادوار میں حفاظت کی جب اس کی میراث تہذیب اور انسانیت پر بے رحم حملے ہو رہے تھے۔"

برادران و معزز ارکان کانفرنس! ہم اس وقت دیکھتے ہیں کہ ہماری امت اسلامیہ کے جسم کا ایک ٹکڑا مقبوضہ فلسطین و افغانستان میں ظلم و جور اور جبر و زیادتی کے پاؤں تلے کچلا جا رہا ہے۔ غاصب، خونخوار قبضہ گیر جس نے حرمتیں پامال کر ڈالی ہیں اور ہمارے ان مسلمان بھائیوں کو در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا ہے، ہمارے قدس کے مقامات مقدسہ کو بھی ناپاک کر رہا ہے ..... درحقیقت اگر امت اسلامیہ اپنی کتاب کریم کی ہدایت اور اپنے ہادی امین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر کاربند ہوتی تو آج وہ جس کمزوری اور بے بسی سے دوچار ہے اسے یقیناً اس سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ لیکن اسلامی پلیٹ فارم سے دوری ہی وہ پہلا عامل ہے اور یہی وہ موثر سبب ہے جس کے نتیجہ میں ہمیں دشمنان اسلام کے ان خطرناک چیلنجوں کا سامنا ہے جو امت اسلامیہ کو اس کے عقیدے کی آغوش سے چھیننے پر پورے تسلسل کے ساتھ تلے بیٹھے ہیں۔ لیکن دشمنوں کو یقین ہے اگر مسلمان اپنے عقیدے کی زمین کو چھوڑ بیٹھے تو وہ بے جان ہو کر رہ جائیں گے۔ درحقیقت عقیدے سے بے گانگی اس خطرے کی جڑ ہے جو آج عالم اسلام پر منڈلا رہا ہے اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے ہوئے ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ہماری وحدت کی تعمیر کے لیے صحیح آغاز اس میں مضمر ہے کہ ہم اپنے باہمی اختلافات دور کر ڈالیں اور ان کا تصفیہ اسلامی بھائی چارے کی روح کے تحت اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی روشنی میں کر لیں کہ: "تم سب مل کر اللہ کی رسی تھام لو۔ اور تفرقہ نہ کرو۔ باہم جھگڑا نہ کرو، ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔" ___ اسی طرح ہماری قوت کا حقیقی آغاز اس پر ہے کہ ہم اقتصادی و اجتماعی اور عالمی انسانی مسائل و مشکلات کا مقابلہ کرنے کی قدرت رکھتے ہوں اور شریعت پاک کی روشنی میں ان کا ایسا اسلامی حل تلاش کر سکتے ہوں جو دور حاضر کے تقاضے پورا کر سکے۔"

شاہ فہد نے اس سلسلے میں اپنے والد محترم شاہ عبدالعزیز کی کوششوں کا تذکرہ کیا۔ پھر عالم اسلام کے اتحاد و شورائیت کے لیے سعودی عرب کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات اور ان سے عالم اسلام اور مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل میں اسلام پر قناعت کا ابھرنے والا جذبہ اور اس کے ثمرات و نتائج کو بیان کیا پھر فرمایا: ۔۔ "بعض دوسرے نظام بھی کبھی کچھ مشکلات کا تھوڑا سا حل بتلا سکتے ہیں لیکن ہمارے اسلامی عقیدہ کی قدر و قیمت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ ہمہ گیر حل کے ذریعے رہنمائی کرتا ہے بلکہ اس کی قدر و قیمت اس لیے بھی ہے کہ اسلامی عقیدہ ان حلوں کے ساتھ ہمیں ایسی صلاحیت بھی عطا کرتا ہے جو ان حلوں کو زیر عمل لائے اور ان کی حفاظت کرنے کی بھی کفیل ہوتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اسلامی فکر مسلمانوں کی موجودہ بیداری کے ہم رکاب رکھی جائے گی تاکہ تمام میدانوں میں حکم الٰہی کے مطابق اس کی حرکت کی نگرانی کر سکے۔"

"ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے باہمی اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ علماء زندگی کے نو پیدا شدہ مسائل کا سامنا کسی متفقہ اجتماعی رائے کی صورت میں کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ دوستو! آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ بے شمار مسائل ہیں، بے شمار سوالات ہیں۔ ہر دور اور ہر مقام پر فقہاء اور مجتہدین کی کثرت کے باوجود مشکلات کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ مسئلہ اتنا سنگین ہے۔ اور اللہ کے حضور ذمہ داری اتنی عظیم ہے کہ کسی کی انفرادی کوشش اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی کیونکہ حادثات نو بہ نو رونما ہوتے ہیں۔ اس ذمہ داری سے اسی وقت عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جب اس اجتہاد کو جدید و قدیم فقہ میں بحث و نظر کے استعمال کے ذریعہ علماء کی تائید حاصل ہو جائے۔

اس سلسلے میں عالمی اسلامی فقہ اکیڈمی کے قیام کی دعوت امت اسلامیہ کے اس ترقی پذیر مرحلے میں ایک حتمی ضرورت ہے۔ اس کے اندر امت اسلامیہ موجودہ زندگی کے چیلنجوں کے پیش کردہ اپنے تمام سوالات کا خالص اسلامی جواب پا سکتی ہے تاکہ انسانیت عام طور پر اور مسلمان خاص طور پر باسعادت زندگی گذار سکیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ عالم اسلام کے دانشوروں علماء اور فقہاء کی کاوشوں کو اجتماعی شکل ملے تاکہ اپنی آسمانی شریعت کے تناظر میں عصر حاضر کے چیلنجوں کے اٹھائے ہوئے سوالات کا جواب دے سکیں۔ کیوں کہ ہمارے لیے کامیابی صرف شریعت پر جم جانے اور اس کے حکم کا التزام کرنے ہی میں ہے "ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون" یقین رکھنے والی قوم کے لیے اللہ سے بہتر حاکم کون ہو سکتا ہے۔"

اسلام میں تعصب اور باہمی بغض و عداوت پر سخت نکیر کی گئی ہے اور اسے حرام قرار دیا گیا ہے، مسلمانوں کے باہمی اختلافات تعصب کی دین ہیں۔ مسلمانوں کو بغیر کسی تعصب کے علماء و فقہاء کے معروف اصول و ضوابط کے مطابق کتاب و سنت کے دلائل سے کسی مسئلہ کو منقح کرنا چاہیے۔ بغض و عداوت کوئی معنی نہیں رکھتے، شاہ فہد نے اس حقیقت کو واشگاف کرنے

(باقی صفحہ ۵۵ پر)

مالیگاؤں اہلحدیث کانفرنس

معترضین سے چند باتیں

اجلاس مالیگاؤں کے مشتملات

قارئین محدث کو یاد ہوگا کہ اپریل ۱۹۸۳ء کے اواخر میں مالیگاؤں (مہاراشٹر) میں جمعیۃ اہلحدیث نے دو روزہ اجلاس عام منعقد کیا۔ اس اجلاس میں مختلف موضوعات کے علاوہ اتحادِ امت پر بھی خاصا زور دیا گیا تھا اور صرف دعوتِ اتحاد کے بجائے نکتۂ اتحاد کی بھی وضاحت کی گئی تھی کہ یہ نقطۂ اتحاد قرآن کے الفاظ میں اعتصام بحبل اللہ اور عام لفظوں میں خالص اتباعِ کتاب و سنت ہے۔ اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ بفحوائے حدیث اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے سوا انھیں کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور اگر لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کر لیتے تو گمراہ ہو جاتے۔ حالانکہ ظاہر ہے موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ تھا وحی الٰہی اور حکم و مرضیاتِ خداوندی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس لیے نصوص کتاب و سنت کے خلاف اگر مجتہد کا کوئی فتویٰ اور فیصلہ ملتا ہو تو اس کی پیروی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مجتہد کے لیے کوئی عذر و تاویل کر دی جائے گی مگر کتاب و سنت کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ لوگ ائمہ کے اجتہادات کو کتاب و سنت کے گرد طواف کرانے کے بجائے کتاب و سنت کو ائمہ کے اجتہادات کے گرد طواف کراتے ہیں۔ اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مختلف شخصیات مرکزِ اطاعت بن گئی ہیں۔ یہی امت میں تفرقے کی جڑ ہے، اور جب تک شخصیات مرکزِ اطاعت رہیں گی، تفرقہ ختم نہیں ہو سکتا۔ ضمناً بعض ایسے اجتہادات کی مثالیں بھی دی گئی تھیں جو صراحۃً نصوصِ کتاب و سنت کے مخالف ہیں۔

اس اجلاس میں امت کی عام عملی اور اخلاقی حالت کے پیشِ نظر اور بھی متعدد موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا۔ بہرحال مالیگاؤں کے عام حلقوں میں اس کا پُرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ ہمارے پاس وہاں کے اخبارات نہیں آتے مگر ایک ہفت روزہ اخبار "وسیلہ" کے دو شمارے (بابت ۲۰ اپریل و یکم مئی ۱۹۸۳ء) کسی صاحب نے بھیج دیے ہیں، جو شروع سے آخر تک

اس اجلاس کی تقریروں کے اقتباسات بلکہ "اختصارات" سے پر ہیں، اوپر کی سرخیاں قارئین بھی ملاحظہ فرمالیں۔

● "علمائے حق نے ہر دور میں اسلام کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی ہے، جمعیۃ اہلحدیث نے ہمیشہ ملت کو متحد رکھنے کی کوشش کی۔" (مولانا عبداللطیف آکمی کی تعارفی تقریر) ● "اللہ کی کتاب اور نبیؐ کی ہدایت کو چھوڑ کر کوئی تباہی سے نہیں بچ سکتا۔ جمعیۃ اہلحدیث وہی دعوت پیش کرتی ہے جس کی وصیت رسول کریمؐ نے کی تھی۔" (مولانا انعام اللہ فاروقی)

● "ہمدردی اور بھائی چارہ کا تقاضہ ہے کہ پُرامن جگہ پر جمع ہوں، فساد کی جگہ اپنے بھائیوں کو جمع کرلینا، بھائی چارہ نہیں، بہترین بھائی چارہ دینی بھائی چارہ ہے۔" (مولانا عبدالمتین جونا گڑھی) ● "اسلام ہر ایک کو خود ہی برادرانہ رشتہ میں پرو دیتا ہے، امت کو مختلف فرقوں اور طبقوں میں بانٹنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن (صرف) برکت حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ ہدایت کے لیے ہے۔" (صدارتی تقریر) — (ڈسپلن ۲۷ راپریل ۱۹۸۳ء)

● "ایمان والے کو ایمان والے سے دشمنی نہیں رکھنی چاہیے۔ غریبوں اور کمزوروں سے تعلق توڑنا اللہ کو پسند نہیں، آپس کی ہمدردی اور بھائی چارہ سب کا خلاصہ ہے۔" (مولانا عبدالمتین جونا گڑھی) ● "بولنے کی طرح سننے نہ سننے، ماننے نہ ماننے کا حق سب کو حاصل ہے، حساب کتاب کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ ہم نے اس بات کو سمجھ لیا کہ جنگ سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ ہم ایک مقام پر بیٹھ کر حق کو سمجھ سکتے ہیں۔" (مولانا عبدالمعبود رحمانی) ● "رسولؐ نے جن پر لعنت فرمائی ہے ہم ان کے راستے پر چل پڑے۔ نام بدل گئے ہیں لیکن حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں۔" (حبیب الرحمٰن) ● "ہندوستان کی تاریخ کا المیہ ہے کہ یہاں خالص اسلام نہیں پہنچا، مسلمانوں کو ان کے جمود اور تعطل نے ناکارہ بنا دیا ہے۔" (مولانا عبدالمعید) ● "اسلام نے عورت کو جو مقام دیا وہ کوئی نہ دے سکا، سب سے بڑا جہاد ماں کی خدمت ہے۔" (مولانا فاروقی) — (ڈسپلن یکم مئی ۱۹۸۳ء)

ردِ عمل

ان عنوانات سے آپ اس دو روزہ اجلاس کی نوعیت کا ہلکا سا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ افسوس ہے اتحاد و صالحیت کی یہ دعوت بعض طبائع پر انتہائی گراں گزری، اعصاب بے قابو ہو گئے، اور وہ لنگر لنگوٹ کس کر بوک قلم سے تیغ و سنان کا کام لینے کے لیے میدان صحافت میں اتر پڑے۔ راقم کو ابھی تک علم ہی تھا کہ ان حضرات سے تخاطب نتیجہ خیز ہو سکتا ہے یا نہیں کہ بالکل ناز میں مسلمانوں کے خلاف لرزہ خیز مظالم کا المیہ پیش آگیا، اس کے بعد اس موضوع پر کچھ کہنے کا سوال ہی باقی نہ رہا۔ مگر یہ سن کر بعد درجہ تعجب ہوا کہ ایک صاحب ان سانحات سے ہنگامہ ہائے کشت و خون کے باوجود، راقم اور عام اہلحدیثوں کے خلاف اپنے "جہادِ مقدس" کا مشغلہ برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

اس لیے چند باتیں قلمبند کردی گئی ہیں ۔ (ان کانو یعقلون)

اس وقت ہمارے سامنے یکم مئی ۱۹۸۳ء کا پندرہ روزہ گلشن (مالیگاؤں) اور ۱۳ر مئی ۱۹۸۳ء کا ہفت روزہ البیان (مالیگاؤں) ہے ۔ گلشن کا اداریہ ہے "جمعیۃ اہلحدیث اور وحدیث" (بقلم مولانا عبدالاحد ازہری) ۔ البیان ص ۳ پر ایک مضمون ہے "اتحاد کے پردے میں انتشار کی دعوت" (بقلم شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف ملی) اور صدا پر ایک شذرہ ہے بعنوان "اہلحدیث کے فتنہ سے بچو" ۔ شذرے کی تلخی و فتنہ خیزی تو عنوان ہی سے ظاہر ہے ۔ لیکن شیخ الحدیث کے دماغی بخارات نے جو غلاظت اگلی ہے اس کا تو تصور بھی کسی شریف آدمی سے نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ جائے کہ وہ اپنے دائرے میں "شیخ الحدیث" ہو ۔ علمائے اہلحدیث کے حق میں ان کے چند میٹھے بول سن لیجیے ۔

"غیر مقلدین کی جماعت .... ناپاک کوششوں میں مصروف ہے ۔ عصبیت کم علمی ، دسیسہ کاری کی بڑی بھونڈی مثال ۔ رضاخانیوں کی طرح ۔ ان کم ظرفوں کو ۔ جاہل غیر مقلد تو کیا ہمہ دانی کا دعویٰ کرنے والے بھی ۔ یہ طفلِ مکتب ۔ پرسکون ماحول کو مکدر اور آلودہ کرنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں ، شیطان اخرس کا شیوہ ہے ۔ مقدس ترین سفلہ پردازوں کی عقل پر ہنسی آتی ہے ۔ ابجد سے واقفیت تو کیا اپنی شکل بھی غیر اسلامی بنا کر ۔ گروہ اور بدانڈیش علماء کو ..... اپنے درمیان پھیلی ہوئی گمراہی نظر نہیں آتی ۔ یہ علماء اپنی سطح سے گرتے ہیں تو اسفل سافلین میں پناہ لیتے ہیں ، کم سواد ، نہ مانہ ساز غیر مقلد علماء ۔ یہ دریدہ دہنی ..... زبان درازی ۔ سطحی نظر رکھنے والے ، در بدر آزاد ، نامراد تشنہ کام علم و عمل میں دیوالیہ اور ہمہ دانی کا دعویٰ کرنے والے ۔ اس قسم کی فتنہ انگیزی سے باز آؤ ۔

یہ ہیں بحر العلوم "شیخ الحدیث" دامت برکاتہم کی شیریں گفتاری جو وہ "اسفل السافلین" میں گر کے بغیر اپنی "سطح" پر رہ کر کر رہے ہیں ۔ ہم نے اسے صرف اس لیے نقل کر دیا ہے کہ قارئین ہماری "دریدہ دہنی و سفلہ پردازی" کے بجائے ذرا "ایک حنفی شیخ الحدیث" کی پاک گفتاری اور بلندی طبع بھی دیکھ لیں جسے دیکھ کر مرزا قادیانی بھی عش عش کیے بغیر نہ رہتا ۔ ہمارا جواب صرف یہ ہے ؎

ولقد امر علی الحنیف یسبنی　　فمضیت ثمۃ قلت لا یعنینی

"شیخ الحدیث" نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ علماء ہی فتنوں کو ہوا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اسے سرد کر

کردیتے ہیں ۔ "روئے زمین پر ان لوگوں میں بدترین گروہ علماء ہی ہیں" ہمارا ایمان تو اس حدیث پر روز اول ہی سے ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ "شیخ الحدیث" کا مضمون پڑھ کر منکرین حدیث بھی (کم از کم اس حدیث کی حد تک) آمنا وصدقنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ چلیئے یہ بھی حدیث کی ایک خدمت ہوئی ۔ شاید ایسی ہی "خدمات حدیث" کی بنا پر آپ "شیخ الحدیث" کہلاتے ہیں ۔

تینوں مضامین میں دوروزہ اہلحدیث کانفرنس کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں صرف ایک کام ہوا جو بقول "شیخ الحدیث" یہ تھا ۔

> ..... سربرآوردہ غیر مقلد علماء نے اپنی دوروزہ کانفرنس میں مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے فروعی اور جزوی مسائل کے اختلافی پہلوؤں کو پیش کرکے دسیسہ کاری کی ، بڑی بھونڈی مثال قائم کی اور مقلدین کے ساتھ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو خاص طور پر لعنت نہ بنایا ۔ جس کی مثال فکر ونظر کے فانوں میں نہیں ملتی + + + اس کانفرنس میں شریک کوردہ اور بداندیش علماء کو تقلید کے سوا کچھ کی نہیں خود اپنے درمیان پھیلی ہوئی گمراہی نظر نہیں آتی ++ کیا آج کا سب سے اہم مسئلہ تقلید ہی ہے ؟ ۔" (البیان مذکور ص ۳ کالم ۱ و ۳)

یہ تو جانے دیجئے کہ مسلمانوں کے اتنی دیر تہذیب و متانت کا درس دینے والے ان "شیخ الحدیث" صاحب کی اس "شرافت گفتار" کا کیا اثر پڑے گا ۔ البتہ کانفرنس کی تقریروں کے عنوان پر ایک نظر ڈال کر اندازہ کر لیجیے کہ حضرت "شیخ الحدیث" کتنے سچے ہیں ۔ اور اسی سے سمجھ لیجیے کہ "فتنہ انگیزی" کون کر رہا ہے ۔ باشندگان مالیگاؤں کے درمیان مولانا کا یہ وصف خاص شہرہ رکھتا ہے ۔ ان کے مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کئی صدی پیچھے کے "شیخ الحدیث" ہیں ۔ جب حنفی حکمراں ڈنڈے کے زور سے اہلحدیثوں اور شافعیوں وغیرہ کو حنفی بنایا کرتے تھے ۔ اور ماوراء النہر کے حنفی فقہاء اپنے مخالفین سے جنگ کی قوت باقی رکھنے کے لیے رمضان کے فرض روزے چھوڑ دیا کرتے تھے ۔

(دیکھیے میزان شعرانی طبع مصر ج ۱ ص ۴۳)

چنانچہ جناب محترم نے بھی "مالیگاؤں کے تمام دینی مدارس ، علماء کرام اور زبان وقلم کے ساتھ فکر ونظر رکھنے والوں کو غیر مقلدیت کے خلاف میدان عمل — بلکہ میدان جہاد" میں آکر اپنی ترکش کا آخری تیر چھوڑ دینے کی دعوت دی ہے اور اہلحدیثوں کے خلاف امام اعظم کی تذلیل سے لے کر جملہ بزرگان دین ، حضرت خواجہ اجمیری ، خواجہ بندہ غریب نواز

بختیار کاکی، حضرت نظام الدین اولیا رجیسے بے شمار اہل اللہ کی قربانیوں اور دینی دعوت کا مذاق اڑائے جانے کا الزام لگا کر اپنے بریلوی بھائیوں کو بھی جھنڈی دکھلائی ہے کہ ان امشوا و اصبروا علی الھتکم ان ھذا لشیء یراد۔ (چلو اپنے خداؤں کی حفاظت پر ڈٹ جاؤ۔ یہ بنی بنائی اسکیم ہے۔)

مالیگاؤں کے مسلمانوں کو بھڑکانے کے لیے مولانا کی فتنہ انگیزی کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجیے۔ لکھتے ہیں۔

"مالیگاؤں کے مسلمان جان چکے ہیں، آسام کے خون آشام واقعات پر تمام غیر مقلدین کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔" کالم ۳

حالانکہ جس تقریر پر مولانا نے ادھم مچا رکھی ہے خود اسی تقریر میں آسام کے واقعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ بلکہ یہ پوری تقریر ہی اسی پس منظر میں کی گئی ہے کہ آسام اور مرادآباد، میرٹھ جیسے واقعات کیوں پیش آتے ہیں اور ان کا علاج اور حل کیا ہے۔ فقہ کے بعض خلافِ کتاب و سنت مسائل کا حوالہ تو محض ضمناً بطور مثال آگیا ہے۔ لیکن بھلا وہ "شیخ الحدیث" ہی کیا جو تقلید کر کے بھی دروغ سے محفوظ اور بصیرت سے سرفراز ہو۔ موصوف کو جاننا چاہیے کہ کلکتہ میں اہلحدیث آسام ریلیف فنڈ قائم ہے۔ الحمد للہ اہل حدیث اس کارِ خیر میں کسی سے پیچھے نہیں۔ البتہ آپ حضرات کی طرح "ملت بچاؤ" کا ڈھول پیٹ کر رقم اینٹھنے کے فن سے ناواقف ہیں۔

خیر مولانا تو کنوئیں کی تہ میں رہنے والے "شیخ الحدیث" ہیں اس لیے اہلحدیثوں پر افترا باندھنا، بدزبانی کرنا اور اپنے اولیائے نعمت کا چہرہ دیکھے بغیر صدر جمعیۃ اہلحدیث کے چہرہ سے سنت رسول سے نفرت کا مفہوم کشید کرنا مولانا کا فقیہانہ بلکہ مجتہدانہ حق ہے۔ لیکن افسوس ہے مدیر گلشن پر کہ دنیا دیکھنے کے باوجود لوہار کی صحبت کے سبب ان کا دامن بھی چنگاریوں سے محفوظ نہ رہا۔ تلخ نوائی میں وہ اپنے "شیخ الحدیث" کی ہمسری تو نہ کر سکے، لیکن افترا پردازی سے وہ بھی نہ چوکے، چنانچہ راقم نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ یہود باہم جنگ و جدال سے باز نہ آتے تھے۔ (جو توریت کے خلاف تھا) اور جب دوسروں کی مار پڑتی تو اپنے قیدیوں اور مظلوموں کے لیے چندے کرتے اور دیتے تھے (جس کا توریت میں حکم تھا۔) قرآن نے اس دو عملی، یعنی ایک حکم ماننے اور ایک کو نہ ماننے — پر انہیں دنیا کی ذلت اور آخرت کے سخت عذاب کی دھمکی دی ہے۔ آج ہم بھی اسی دو عملی کا شکار ہیں، پھر ہم عزت سے کیوں کر سرفراز ہو سکتے ہیں۔ کھلی بات ہے کہ اس میں مظلومین کے لیے چندہ کرنے پر نہیں بلکہ باہم لڑنے بھڑنے پر ٹوکا گیا ہے۔ لیکن مدیر گلشن فرماتے ہیں کہ اس اجلاس میں ان مخلص رہنماؤں اور ملی قائدین پر کیچڑ اچھالنے کی ناروا جسارت کی گئی ہے جو فسادزدگان اور مصیبت زدگان کے لیے ریلیف قائم کرتے ہیں۔

+++ ایسے لوگ اس اجلاس میں تقریر وخطابت کے جوہر دکھانے والوں کی نگاہوں میں یہود ونصاریٰ کے مشابہ ہیں۔" (گلشن ص ۳ کالم ۱۲ و ۱۳) ۔ کاش مولانا ازہری دوسروں کی تقریر کا جوہر دیکھنے کے بجائے اپنی سخن فہمی کا جوہر دیکھتے اور اس افتراء کے بطن سے جنم لینے والے ممکنہ فتنوں پر غور کرتے۔ مجھے حیرت ہے کہ "شیخ الحدیث" اور مدیر گلشن دونوں ہی تبلیغی جماعت کی اصلاحی کوششوں کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ مگر اس جماعت کے شرف صحبت سے ان دونوں حضرات نے یہی فیض حاصل کیا کہ دوسروں پر افترا سے نہ چوکو۔ جیسے تیسے ہوسکے تفریق وانتشار برپا کرو۔ مگر الزام اس پر تھوپو جو خالص کتاب وسنت کے ساتھ تمسک کی دعوت دیتا ہے۔

خیر ہم جانتے ہیں کہ حق کو اختیار کرنے کے بعد بفحوائے حدیث لتتبعن سنن من كان قبلكم ہمیں بھی اذیٰ کثیرا سننا ہی پڑے گا۔ اسی لیے اس سے ہٹ کر ہم ان مضامین کے مرکزی موضوع پر آتے ہیں۔ ان مضامین میں سب سے زیادہ اودھم اہلحدیثوں کی غیر مقلدیت پر مچائی گئی ہے۔ جوش غلو میں شذرہ نگار صاحب نے تو یہاں تک لکھ مارا کہ "جن مفسرین اور محدثین کی کتابیں مستند معروف اور مدون ہیں وہ بھی مقلدین وتقلید کرنے والے ہی تو تھے۔ (البیان ص ۱ کالم ۱) حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ان میں سے ایک بھی مقلد نہ تھا۔ حضرت! جنھیں آپ مقلد سمجھے بیٹھے ہیں وہ تقلید کے اتنے سخت مخالف تھے کہ کسی نے تقلید کو اندھے کا وظیفہ کہا، کسی نے جاہل کا وظیفہ کہا، اور کسی نے فرمایا کہ مقلد اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ کمال یہ ہے کہ آپ نے خود اپنے شذرے میں ان کے اس تبصرے کی تصدیق کردی ہے۔ آپنے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا، تراویح بیس رکعت مقرر کی اور دونوں باتوں پر تمام صحابہ نے ان سے اتفاق کیا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، نہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا نہ تراویح بیس رکعت مقرر کی۔ آپ کو مشکوٰۃ کا ایک طالب علم بھی اس کا حوالہ دکھلا سکتا ہے کہ حضرت عمر نے مع وتر گیارہ رکعت تراویح کا حکم دیا تھا، اور حضرت ابی بن کعب وتمیم داری صحابہ کرام کو گیارہ رکعت تراویح (مع وتر) پڑھاتے تھے۔ اب اگر واقعی تقلید اندھے کا وظیفہ نہ ہوتا جس کا وظیفہ ان بزرگوں نے بتایا ہے، تو کیا آپ کو یہ حوالہ نظر نہ آتا۔

تقلید ۔ چند غور طلب سوالات

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان تینوں مضمون نگار حضرات نے نہ تقلید و اتباع اور تحقیق واجتہاد کے معانی وحدود پر نظر ڈالنے کی زحمت گوارا کی ہے اور نہ ان کی شرعی حیثیت اور ممکنہ نتائج پر غور کیا ہے۔ ورنہ وہ سمجھ سکتے تھے کہ تقلید شخصی جو دین میں سب سے لغو اضافہ ہے۔ امت کے اندر مہلک ترین تفرقے کی بنیاد رکھی ہے۔ ان بزرگوں کی نظر عنایت کے لیے چند سوالات پیش خدمت

ہیں۔ دوسرے حضرات بھی بغور پڑھیں۔

(۱) قرآن مجید میں اہل کتاب کے متعلق ارشاد ہے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ یعنی انھوں نے اللہ کے بجائے اپنے علماء اور راہبوں کو رب بنالیا۔

حدیث میں اس کی یہ توضیح کی گئی ہے کہ انھوں نے ان علماء اور رہبان کی پوجا نہیں کی، بلکہ ان علماء اور راہبوں نے جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا اسے حرام مان لیا اور جن چیزوں کو حلال ٹھہرایا انھیں حلال مان لیا۔

مسند احمد، سنن اربعہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ "ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام"۔ نسائی دارقطنی اور ابن حبان میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قلیل ما اسکر کثیرہ۔" دونوں کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ لائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام اور ممنوع ہے۔

اس حدیث کے برخلاف فقہ حنفی کا فتویٰ ہے کہ انگور کی شراب کے علاوہ کوئی بھی نشہ آور شراب اگر زیادہ مقدار میں نشہ لائے تو تھوڑی مقدار حرام نہیں۔ مثلاً اگر کم از کم دس گھونٹ میں نشہ لائے تو نو گھونٹ تک حلال ہے۔

حدیث میں حلالہ کرنے اور کرانے والے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لعنت کی گئی ہے۔ اسے عہد رسالت میں زناکاری سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حلالہ کرنے والے کو رجم کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔ یہ سب حلالہ کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن علماء احناف اسے جائز اور حلال قرار دیتے ہیں، بلکہ بعض اہل ذوق نے اسے کار ثواب بھی بتلایا ہے۔

غور فرمائیے کہ ان مسائل میں اور ان جیسے مسائل میں جو شخص ان علماء اور بزرگوں کی تقلید کرتا ہے، اس کی تقلید میں اور یہود و نصاریٰ کے مذکورہ بالا شرک میں کیا فرق ہے۔؟

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دین مکمل ہوا تھا یا نہیں۔؟ اگر ہوا تھا تو آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد ائمہ اربعہ کے ظہور تک یعنی سو برس سے زائد عرصہ تک لوگ تقلید کرتے تھے یا نہیں؟ اگر کرتے تھے تو کس کی؟ اور کس دلیل کی بنا پر؟ اور اب اس کی تقلید کیوں چھوڑ دی گئی۔ اور اگر تقلید نہیں کرتے تھے تو بعد میں تقلید کی گنجائش کہاں سے نکالی گئی؟ کیا دین مکمل ہو جانے کے بعد بھی اضافہ کا محتاج ہے۔؟

(۳) دین میں کسی بات کا حکم دینے کا حق اللہ کا ہے، اور اللہ کے حکم سے یہ منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔

اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے تقلید کا حکم ایجاد کیا۔ تقلید کے طفیل میں امام کی طرف منسوب کتاب وسنت سے زائد جن احکام ومسائل کی پیروی کی جاتی ہے، کیا ان احکام ومسائل کے موجدین کو خدائی کا مذکورہ حق یا رسالت کا مذکورہ منصب حاصل تھا۔ یا انھیں اللہ اور رسول کی طرف سے ایجاد مسائل کی اتھارٹی دی گئی تھی؟

(۴) عوام جس طرح خدا ورسول کی بات نہیں سمجھتے امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ کی بات بھی نہیں سمجھتے، پھر انھیں براہِ راست قرآن وحدیث کی بات کیوں نہیں بتائی جاتی جو خود حجت ہے۔ ائمہ کے فتوے کیوں بتائے جاتے ہیں جبکہ وہ دلیل کے محتاج ہیں؟ کیا ائمہ کا درجہ خدا اور رسول سے بڑھ کر ہے۔؟ یا انھیں اپنی بات خدا اور رسول سے زیادہ اچھی طرح بیان کرنے کی صلاحیت تھی؟ یا خدا اور رسول کی بات میں غلطی کا امکان ہے اور ائمہ کی بات میں غلطی کا امکان نہیں؟ یا خدا اور رسول کے کلام میں ادھورا دین بیان کیا گیا ہے۔ (یعنی خدا ورسول نے بیانِ دین کی ذمہ داری پوری نہیں کی۔) اور فقہاء کے کلام میں پورا دین بیان کر دیا گیا ہے۔ اور انھوں نے بیانِ دین کا وہ کام کر ڈالا جو خدا اور رسول سے نہ ہو سکا۔؟

(۵) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال مطلقاً حجت اور پیروی کے لائق ہیں یا اس شرط کے ساتھ کہ کتاب وسنت کے موافق ہوں؟ اگر مطلقاً ہیں تو اس کی دلیل شرعی کیا ہے؟ اور اگر کتاب وسنت کے موافق ہونے کی شرط کے ساتھ حجت اور پیروی کے لائق ہیں تو جس شخص کو یہ پتہ نہ چل سکے کہ وہ کتاب وسنت کے موافق ہیں یا نہیں وہ تقلید کیسے کرے؟ اور جو شخص یہ معلوم کر سکتا ہو کہ وہ کتاب وسنت کے موافق ہیں یا نہیں، اسے کتاب وسنت کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہوگا، پھر اس کے لیے تقلید کی گنجائش کہاں رہی۔؟

(۶) نیز ترکِ تقلید گناہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ایک امام کا مقلد بقیہ تین اماموں کا بلکہ دیگر بہت سے کبار مجتہدین کی تقلید کا تارک ہے، لہٰذا وہ گنہ گار ہوا۔ (مثلاً آپ حضرات امام ابوحنیفہ کے مقلد اور دیگر تمام ائمہ کی تقلید کے تارک ہیں۔ لہٰذا آپ گنہ گار ہوئے۔) ورنہ اس کی دلیل بتائی جائے کہ فلاں امام کی تقلید چھوڑنی گناہ ہے اور بقیہ کی تقلید چھوڑنی گناہ نہیں۔؟

(۷) کتب فقہ میں مسائل کا بٹوارہ دو حصوں میں کیا گیا ہے۔ ایک مفتی بہ۔ دوسرے غیر مفتی بہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حنفیہ کچھ مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے ہیں اور کچھ مسائل کو دیوار پر مار پھینکتے ہیں، تقلید کے ادعا کے باوجود اپنے امام کے ساتھ یہ سلوک کیوں؟ اور اس کا معیار کیا ہے؟ پھر جس طرح کے معیار کی بنا پر کچھ مسائل میں حنفیہ اپنے امام کی تقلید نہیں کرتے

ویسے ہی یا اس سے پختہ معیار کی بنا پر باقی دوسرے کچھ مسائل میں دوسرے لوگ امام صاحب کی تقلید نہیں کرتے تو اسے بُرا کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اور اس پر گمراہی کے فتوے کیوں جڑے جاتے ہیں۔

ان سوالات پر حقیقت پسندی کے ساتھ ٹھنڈے دل سے غور کیجیے تو تقلید کی کل حقیقت سمجھ میں آجائے گی۔

مدیر گلشن - عام طور پر اہلحدیثوں کے غلو اور تشدد کے شاکی ہیں۔

فقہ حنفی اور اسلامی اسٹیٹ

نگران کی فراخیٔ قلب کا یہ عالم ہے کہ لکھتے ہیں:

> "چاروں فقہوں میں فقہ حنفی ہی مکمل فقہ ہے جس کے بارے میں بڑے بڑے اہلِ فضل و کمال کی شہادت ہے کہ اگر پوری دنیا میں اسلامی اسٹیٹ قائم ہو جائے اور سب ایک امیر اور فرمانروا کے تحت آجائیں تو فقہ حنفی ہی کتاب و سنت کی واضح رہنمائی فراہم کر سکتی ہے۔"

گویا کتاب و سنت براہِ راست کارآمد نہیں۔ آخر یہ کتاب و سنت کے ساتھ شعوری یا غیر شعوری عداوت کے سوا کیا ہے؟ پھر بھلا جو فقہ کتاب و سنت سے ٹکراتی ہو وہ کتاب و سنت تک رہنمائی کیا کر سکتی ہے؟ اور ساری دنیا کی اسلامی اسٹیٹ تو بڑی بات ہے بیچاری فقہ حنفی تو ایک گاؤں کا نظام سنبھالنے کے لیے بھی کارآمد نہیں۔ کیوں؟

(۱) اس لیے کہ فقہ حنفی کا فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو اغوا کر لے اور قاضی کی خدمت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دے کہ یہ میری بیوی ہے۔ قاضی فریب میں آکر ڈگری دیدے تو وہ عورت واقعی اس کی بیوی قرار پائے گی۔ [۱] یعنی اب نہ بندے اس کا کچھ کر سکتے ہیں اور نہ خدا کچھ کر سکتا ہے۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہوتا ہے [۲]

بتلائیے! اگر چند بدمعاش غنڈے اپنے گاؤں پڑوس کی عورتوں کے سلسلے میں اسی مہم پر اتر آئیں تو کیا اس گاؤں کا نظام برقرار رہ سکے گا۔؟

(۲) کوئی طاقتور مالدار کسی غریب کا سامان غصب کر لے اور اس میں بڑی سی ترمیم کر دے۔ آپ کی فقہ کے فتوے کے بموجب قاضی صاحب اس غریب کو سرکاری ریٹ سے قیمت دلا کر ٹھوکر کھانے کے لیے چھوڑ دیں گے۔ سامان غاصب کا ہو جائے گا۔ وہ غریب خدا خدا کر کے کوئی دوسرا انتظام کرے تو پھر تیسرا یا کوئی اور مالدار صاحب غصب کر لیں، پھر تیسرا چوتھا..... اور یہ غریب اپنی عورتوں بچوں کو لیے دیے در در کی ٹھوکریں کھاتا رہے۔ مولانا کیا اسی فقہ کے بل بوتے پر دنیا کا نظام سنبھالنے کا عزم ہے۔ جس سے ایک گاؤں کا نظم بھی نہیں سنبھل سکتا۔ ع

تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو!

---

[۱] شرح وقایہ جلد ۲ کتاب ... ۲۳۶ عینی شرح کنز ۲۵۰ ... ۲۱۶ ... ۴ ... ۱ ... ۱۲۶ ...

گاؤں تو خیر سے کئی گھروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ آپ کی فقہ نے تو وہ ٹکڑے دیے ہیں کہ باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان امن و شرافت اور غیرت پر مبنی تعلق برقرار نہیں رہ سکتا۔ پردہ مت کھلوائیے! اپنی قوالی اپنے مریدوں میں گا بجا لیا کیجیے کہ اقتضائے مصلحت کے لیے اتنا کافی ہے۔

بے ادب کون؟ مولانا اور ان کے رفقاء نے ائمہ کی شان میں بے ادبی کا الزام بھی ہم پر بڑے شد و مد سے لگایا ہے، میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ تقریروں کے اختصار و تلخیص میں اخبارات سے جو تصرف ہوتا ہے اسے آپ نہ بھولیں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ فقہ حنفی میں بہت سے مسائل کی نسبت جو امام صاحب کی طرف کی گئی ہے اس کی صحت پر پورا اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اسی لیے ہمارا روئے سخن شخصیت کے بجائے مسائل ہی کی طرف تھا۔ قرطبی کہتے ہیں: استجاز بعض فقهاء اهل الرای نسبة الحكم الذی دل علیه القیاس الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ..... ولهذا ترى كتبهم مشحونة باحادیث تشهد متونها بانها موضوعة لانها تشبه فتاوی الفقهاء ... ولانهم لا يقيمون لها سندا صحیحا۔ یعنی جس حکم پر قیاس دلالت کرتا ہو بعض فقہائے اہل الرای (حنفیہ) نے اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز قرار دیا ہے۔ اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ ان کی کتابیں ایسی احادیث سے بھری پڑی ہیں، جن کا مضمون گواہی دیتا ہے کہ وہ گھڑی ہوئی (جعلی) ہیں۔ کیونکہ وہ فقہاء کے فتاوے کے مشابہ ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ یہ لوگ اس کے لیے کوئی صحیح سند قائم نہیں کرتے۔ علامہ ابن صلاح نے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں: وكذا المتفقهة الذين استجازوا النسبة ما دل علیه القیاس الی النبی صلی الله علیه وسلم۔ اسی طرح وہ نام نہاد فقہاء بھی جنھوں نے قیاس سے ثابت ہونے والے حکم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز ٹھہرایا ہے۔ (دیکھیے التنکیل ج ۱ ص ۴۴۹)

بتلائیے کہ جن حضرات نے قیاس سے ثابت احکام کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی ہے اگر انھوں نے ایسے احکام کی نسبت اپنے امام کی طرف کر دی ہو تو کیا تعجب؟ پھر اگر ائمہ سے اختلاف ہی ان کی بے ادبی ہے تو آپ حضرات سے بڑھ کر بے ادب کون ہوگا، کیوں کہ آپ حضرات نے بقیہ ائمہ کی مخالفت قدم قدم پر کی ہے۔ خیر ہم اس سے بھی صرف نظر کر لیں تو کیا آنحضرات کی اس جسارت کا کوئی جواب ہو سکتا ہے کہ آپ حضرات امام شافعی کو عند اللہ غیر معذور جاہل کہیں، امام احمد بن حنبل کو فقاہت سے کورا ٹھہرائیں[*] امام بخاری کو متعصب اور نا اہل بتائیں۔ امام مالک پر گندے فتوے کی

تہمت تراشیں، انھیں پٹواکر کندھے اکھڑوانے اور تذلیل کے لیے گدھے پر گھمانے کا سبب بنیں، امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور امام محمد بن عبدالوہاب وغیرہ مصلحین امت کو اشرار، بداطوار، جہلہ، فسقہ کی ملت کے خلفائے کتے جاہل، باغی، خونخوار، گمراہ اور خبیث کہیں اور ان کے ماننے والوں کو خبثار کا گروہ کہیں[2] . . . .

تو آپ حضرات نے نہ کوئی گستاخی کی نہ بے ادبی، نہ ان کے احترام میں کوئی فرق آیا، نہ آپ کی دیانت و ثقاہت میں، لیکن اگر کوئی اہلحدیث یہ کہدے کہ ڈھائی سال مدت رضاعت بتانا قرآن کے خلاف اور عقل کی زور آوری کا نتیجہ ہے تو یہ "سراج الائمہ"[3] کی شان میں اتنی شدید گستاخی ہوگئی کہ زمین میں بھونچال آجانا چاہیے اور آسمان کو پھٹ پڑنا چاہیے۔

مولانا! انصاف کی کچھ تو رمق ہونی چاہیے۔ اپنے شیش محل کی پوزیشن پر نظر رکھیے۔ اور سنیے! ع

ہے ادب شرط منہ نہ کھلواؤ۔

---

[1] بلکہ محدثین و فقہاء کا غلط بٹوارہ کرکے آپ نے گلشن میں بھی یہی گل کھلایا ہے حالانکہ وہاں صرف دو گروہ تھے فقہاء اہل حدیث، فقہاء اہل الرای۔ مزید ظلم یہ کہ آپ کے بقول فقہاء اہل حدیث کے طریق پر امت کبھی چلی ہی نہیں حتی کہ دور تقلید سے پہلے بھی۔ ورنہ اصول و فروع کی یکسانیت کے باوجود موجودہ اہلحدیث نیا فرقہ اور بعد کی پیداوار کیوں؟ حضرت! کچھ تو ہوش کی باتیں کرنی چاہئیں۔

[2] انکار ہو تو حوالے بھی بتا دیے جائیں۔

[3] ایک جعلی حدیث میں امام صاحب کو "سراج امت" کہا گیا ہے۔ "شیخ الحدیث" اور ان کے رفقاء نے مزید جعل سازی کرکے اسے "سراج الائمہ" بنادیا۔

ندوۃ الطلبہ کا افتتاحی اجلاس

۸ راگست کو مولانا عابد حسن رحمانی کی زیر صدارت اساتذۂ جامعہ سلفیہ و جامعہ رحمانیہ کی موجودگی میں ندوۃ الطلبہ کا افتتاحی اجلاس ہوا، جس کے پروگرام میں تلاوت قرآن، نظم اور ندوۃ الطلبہ کے تعارف کے علاوہ تین عربی تقریریں اور دو اردو تقریریں ہوئیں۔

یوگوسلاویہ

مسلمانوں کی گردن پر کمیونزم کی درانتی

یوگوسلاویہ مشرقی یورپ کا ایک مشہور ملک ہے، جو بحیرہ اڈریاٹک کے شمالی ساحل پر واقع ہے، اس کی سرحدیں، اٹلی، آسٹریا، ہنگری، رومانیہ، البانیہ، یونان اور بلغاریہ سے ملتی ہیں۔ رقبہ دو لاکھ چھپن ہزار مربع میل، اور آبادی سوا دو کروڑ ہے، مسلمانوں کی تعداد چالیس لاکھ سے زیادہ ہے جنمیں تقریباً ۱۵ لاکھ مسلمان البانی ہیں۔ باقی ترک اور مقامی باشندے، مقامی مسلمانوں کی بڑی تعداد بوسنہ اور ہرسک کے صوبے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح صوبہ صربیا کے علاقہ صنجق کی بھی خاصی آبادی مسلمان ہے۔

یہاں ڈھائی ہزار سے زیادہ مسجدیں ہیں، ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء کے درمیان چھ سو سے زائد نئی مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں اس سے پہلے دو ہزار مسجدیں موجود تھیں، ان مساجد کے ساتھ مدرسے یا مکتب بھی ہیں، جن میں قرآن کی تعلیم کے علاوہ مقامی (صربی) زبان میں اسلامی مسائل کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

یوگوسلاویہ کی مملکت چھ صوبوں پر مشتمل ہے، جن کے نام یہ ہیں (۱) سلووینیا صوبائی دارالحکومت لوبلیانا (۲) کرواتیا، دارالحکومت زغرب (۳) بوسنہ ہرسک، دارالحکومت سراجیوو (۴) صربیا دارالحکومت بلگراڈ (۵) مونٹی نیگرو۔ دارالحکومت ٹیٹوگراڈ، (۶) مقدونیا (دارالحکومت کا بھی نام یہی ہے۔) یہ صوبے جمہوریہ کہلاتے ہیں۔ دو مزید علاقے ہیں، جنھیں اقلیم کہا جاتا ہے (۱) ووی ووڈینا (۲) کوسوو

پورے یوگوسلاویہ میں دو یونیورسٹیاں ہیں (۱) دارالحکومت بلگراڈ میں (۲) سرائیوو میں۔ ان دونوں میں عربی زبان اور دوسری مشرقی زبانوں کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ بلگراڈ یونیورسٹی ترقی پذیر ممالک اور عرب ممالک میں سے مجموعی طور پر سالانہ ایک ہزار طلبہ کو وظیفہ دیتی ہے۔ اس میں چار عرب اساتذہ کام کرتے ہیں، جن میں

دو مصری ہیں۔ پانچ اساتذہ یوگوسلاوی ہیں جو مصر کی مختلف یونیورسیٹوں کے سند یافتہ ہیں۔
جیسا کہ بتایا گیا یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کا تعلق مختلف نسلوں سے ہے۔ (۱) وہ ترک جو ترکی حملہ کے ساتھ ۱۴۶۳ء میں پہلی بار یوگوسلاویہ کے اندر فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ یا ترکی اقتدار کے دوران وقتاً فوقتاً یہاں آکر آباد ہوتے رہے، ان کی بڑی تعداد البانیہ سے آکر آباد ہوئی۔
(۲) آرتھوڈوکس مسیحی۔ جنھوں نے مختلف اوقات میں اسلام قبول کیا۔ (یاد رہے کہ یوگوسلاوی باشندوں کی غالب اکثریت عیسائیوں کے اسی فرقے (آرتھوڈوکس) سے تعلق رکھتی ہے)۔
(۳) کیتھولک عیسائی۔ جنھوں نے عثمانی دورِ حکومت اور اس کے بعد کے ایام میں اسلام قبول کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ (یہ یوگوسلاوی عیسائیوں کا اقلیتی طبقہ ہے)۔
(۴) یہود، ان کے ساتھ وہی قصہ پیش آیا جو ابتدائے اسلام میں پیش آیا تھا، اگرچہ دونوں دور کے حالات مختلف تھے۔ ان کی بھی ایک خاصی تعداد نے اسلام قبول کیا۔
یوگوسلاویہ میں اسلام کا آغاز کب سے ہوا، اس بارے میں اگرچہ عام طور پر یہی معروف ہے کہ یہاں اسلام عثمانی حملے کے بعد شروع ہوا، لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہت پہلے ہی یوگوسلاویہ کی سرزمین پر اسلام پہنچ چکا تھا۔ یوگوسلاویہ میں اسلام کا تعارف درحقیقت پہلے پہل مسلم تاجروں کے واسطے سے ہوا، یہ لوگ سامانِ تجارت کی خرید و فروخت کے لیے مختلف بندرگاہوں سے یوگوسلاویہ کی سرزمین پر وارد ہوئے، ان کے اندر چونکہ اسلام و ایمان کی حقیقی روح کارفرما تھی، اس لیے یوگوسلاوی باشندے ان کی دیانت داری، صداقت، اخلاقِ حسنہ اور بلند کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور اس طرح وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔
سرائیوو جو بوسنہ اور ہرسک کی جمہوریہ کا دارالحکومت ہے، یہاں پورے یوگوسلاویہ کی سب سے بڑی مسلم آبادی ہے، اس جمہوریہ میں مسلمانوں کی تعداد ۱۵ لاکھ ہے اور اس کے دارالحکومت سرائیوو کو درحقیقت ایک مسلم دارالحکومت کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ شہر مشرقی تہذیب کے رنگ میں پوری طرح رنگا ہوا ہے۔ یہ درحقیقت مسجدوں اور میناروں کا شہر ہے۔ اس کی سب سے قدیم مسجد غازی خسرو بیگ ترکی کی مسجد ہے جو ساڑھے چار سو برس سے زیادہ پرانی ہے۔ غازی خسرو بیگ مشہور ترکی سلطان بایزید دوم کے پوتے تھے۔
۱۸۷۸ء میں یوگوسلاویہ سے ترکی اقتدار غروب ہو گیا۔ (یہ اقتدار ۱۴۶۳ء میں شروع ہوا تھا) ۱۸۷۸ء میں

برلن میں ایک کانفرنس ہوئی، جس کے فیصلوں کی رو سے اس خطہ پر ہنگری کا اقتدار قائم کر دیا گیا، مگر ہنگری اقتدار کے قائم ہوتے ہی حکومت اور عوام کے درمیان دراڑیں پڑنی شروع ہو گئیں، جو رفتہ رفتہ وسیع خلیج کی شکل اختیار کر گئیں۔ ۱۹۰۶ء میں مزدوروں نے حکومت کے خلاف ایک عام ہڑتال کی، جس سے زندگی شل ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں کاشتکاروں اور کسانوں نے ہڑتال کر دی۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران ہنگری نے بوسنہ اور ہرسک کو پورے طور پر اپنے ملک میں ضم کر لیا اور سخت گیری مزید بڑھ گئی۔ عوام بھی تشدد پر اتر آئے۔ ہنگرین گورنر فاربیجانین پر گولی چلائی گئی۔ گورنر تو بچ گیا لیکن تخت ہنگری کا ولیعہد شہزادہ فرانسز فرڈینانگر جو اس کے بازو میں تھا مارا گیا۔ اس کے بعد ہنگری نے صربیا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس جنگ کا نتیجہ ہنگری کی شکست کی صورت میں برآمد ہوا اور اسی کی بدولت یوگوسلاوی قوم کو متحد ہو کر اپنی سلطنت کی تشکیل کی سہولت میسر آسکی۔

یہ تفصیلات پانچ سال قبل کویت کے مشہور ماہنامہ العربی (اپریل ۱۹۷۸ء، ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ، شمارہ ۲۳۳) میں شائع ہوئی تھیں۔ اس وقت بھی یوگوسلاویہ ایک کمیونسٹ ہی ملک تھا اور اس پر روس کی نگرانی کا سرخ سایہ بھی موجود تھا۔ تاہم یوگوسلاویہ وہ واحد کمیونسٹ ملک تھا جس نے اندرون ملک مسلمانوں کو خاصی آزادی فراہم کر رکھی تھی اور بیرونی مسلم ممالک سے بہترین تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ جس کے نتیجے میں مسلم ممالک نے بھی یوگوسلاوی کارندوں اور کمپنیوں کے لیے اپنا سینہ کھول دیا تھا (جو اب تک کھلا ہوا ہے)۔ مگر افسوس ہے کہ یوگوسلاوی مسلمانوں پر روس کے سرخ سایے نے انگارے برسانے شروع کر دیے ہیں۔ یوگوسلاوی کمیونسٹ پارٹی کو مسلمانوں سے اس قدر خوفزدہ کر دیا گیا ہے کہ اب وہ ان مسلمانوں پر بھی اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہے جنھوں نے کمیونزم کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ چنانچہ کمال بیدرح جو صدر ٹیٹو کا ممبر اسمبلی تھا اور کمیونزم کیلئے اپنے اخلاص اور اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کی وجہ سے کم عمری کے باوجود ٹیٹو کا سب سے پہلا جانشین سمجھا جاتا تھا، اسے ایک ہوائی حادثہ میں ہلاک کر دیا گیا۔ پھر حادثے کی تحقیق رکوا دی گئی اور کوئی سرکاری بیان بھی جاری نہیں کیا گیا۔

اس اندیشے کا نتیجہ یہ ہے کہ پچھلے دنوں بہت سی اہم مسلم شخصیتوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ان کے خلاف الزامات کی وہی ذلیل، بیہودہ، رٹی رٹائی اور فرسودہ فہرست ہے، جسے سفاک کمیونسٹ اپنے یوم پیدائش سے انسانیت نوازوں کے خلاف دہراتے آئے ہیں۔ یعنی یہ لوگ، بورژوا ہیں، متعصب ہیں، الگ قومیت کے

دائی ہیں، بھائی چارگی اور اتحاد کے دشمن ہیں، کمیونزم، مساوات اور انصاف کے دشمن ہیں، ایک خود کفیل اور انصاف پر مبنی معاشرے کے دشمن ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ کمیونسٹ اخبارات نے عام مسلمانوں کے خلاف اتہامات اور پروپیگنڈے کی مہم شروع کردی ہے، چنانچہ کمیونسٹ پارٹی کے یوگوسلاوی اخبار پولٹیکا نے اپنی ۲۲/۳/۸۳ کی اشاعت کے صفحہ ۹ پر جمہوریہ بوسنہ وہرسک کے سب سے اونچے سرکاری عہدیدار اور کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری کی ایک تقریر نقل کی ہے، جس میں اس شخص نے کہا ہے کہ موجودہ حکمراں سیاسی نظام کے اقتصاد اور اشتراکیت کے خلاف جنگ کے لیے سارے ہی کمیونسٹ دشمن اٹھ پڑے ہیں۔ ان متعصبین کا خیال ہے کہ بورژوا ئیت کو واپس لانے کے لیے ایک حکمراں سیاسی نظام کی حیثیت سے لیبرل جمہوری نظام کے قیام کا موزوں ترین وقت آگیا ہے۔

اس کے بعد وہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے انداز فکر کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"مسلمان مقدس جنگ یعنی جہاد پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اسلام کی تفسیر ایک ایسے فلسفے اور عقیدے کی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ عیسائیت اور مارکسزم کے بیچ کی راہ پکڑتا ہے۔ عیسائیت نے صرف روحانیت کا اہتمام کیا ہے زندگی کی مادی مصروفیات چھوڑ دی ہیں، مارکسزم زندگی کی مادی ضروریات کا اہتمام کرتا ہے۔ روحانی ضروریات سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن اسلام دونوں کا متوازن اہتمام کرتا ہے۔ مسلمانوں کی کوشش ہے کہ مسجدوں کو عبادت گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے تمام مسائل کے حل کا مرکز بھی بنالیں۔ اور مسجدوں کے امام آنے والی اسلامی حکومت کے قائد و رہنما ہوں۔

وہ کہتا ہے کہ مسلمان کمیونزم دشمن کتابیں اور رسالے منگاتے ہیں اور لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ساری سیاسی طاقت اکٹھا کرلی جائے اور کمیونزم، اشتراکیت، ذاتی خود مختاری، اخوت، اتحاد اور وطن کے دشمنوں کے خلاف کارروائی کی جائے اور یہ فطری بات ہے کہ ان دشمنوں کو ان کے پیشے اور اجتماعی پوزیشن سے قطع نظر ایسی سخت سزا دی جائے کہ ان کی جرأت کا خاتمہ ہو جائے۔"

واضح رہے کہ یہ باتیں محض بیرونی کتب سے حاصل کی گئی ہیں، علمائے یوگوسلاوی مسلمانوں کے اندر ان کا وجود نہیں ہے جبکہ کلیسا کے ماننے والوں نے اپنی علیحدگی کے لیے اپنی وردی تک الگ کرلی ہے، مگر کمیونسٹ پارٹی کی درانتی ان کے بجائے مسلمانوں کی گردن کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ایک عیسائی صاحب قلم نے مسلمانوں کے خدا کے بارے میں بڑی دلآزار

ڈالنگی ۔ کیفسا کے پادریوں نے کھلے عام اسلام اور مسلمانوں کو گالیاں دیں اور برا بھلا کہا مگر اسے اس طرح نظرانداز کر دیا گیا کہ گویا مسلمان یوگوسلاویہ کے باشندے ہی نہیں کہ ان کے بھی کچھ وطنی اور انسانی حقوق ہوں ۔ ان کے برعکس مسلمانوں کے خلاف الزامات گڑھ گڑھ کر ان کی داروگیر کی جا رہی ہے ۔ چنانچہ بوسنہ کے مشرق میں شہر ترابعدہ کی مسجد کے امام محرم حسن بیگ کو اس "جرم" میں پانچ سال کے لیے جیل میں ڈال دیا گیا ہے کہ وہ بچوں کو اسلامی مبادیات کی تعلیم دے رہے تھے ، حالانکہ یوگوسلاوی قانون کے تحت اس کام کی کھلی اجازت ہے ۔

یہ ایک ہی شخص کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اس وقت ہزاروں مسلمان مرد عورتیں یوگوسلاوی جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ہیں جن میں ڈاکٹر بھی ہیں ، وکلا بھی انجینئر بھی ہیں اور عام لوگ بھی ۔

اور اس داروگیر سے کہیں بڑھ کر کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے مسلمانوں کے قتل عام کے رسوا کن حادثات ہیں ۔ چنانچہ عین عید کے روز مشرقی بوسنہ کے شہر فوجا کی مسجد میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا ۔ کئی بار شہر فوجا اور قراعدہ کے پل پر مسلمانوں کو ذبح کر کے دریائے ڈرینا میں ڈال دیا گیا ، جس سے دریا کا پانی سرخ ہو ہو گیا ۔ ذبح کر نکل بھاگنے والوں پر ذبح کی کوشش کی علامات اب بھی موجود ہیں ۔ کتنی ہی مسلمان عورتیں داروگیر سے بچنے کے لیے بھاگتی ہوئی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں ۔ (المجتمع کویت ۲۱ر جون ۱۹۸۳ء)

اسی المجتمع نے اپنی ۱۹ر جولائی کی اشاعت میں جو تفصیلات درج کی ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ یوگوسلاویہ کے بہ جیل خانے زمین کی تہ میں سیکڑوں میٹر نیچے ہیں ، جہاں سے قیدی کو مستقل اپاہج بننے کے بعد ہی نکالا جاتا ہے ، کسی بھی اجتماع میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے ۔ مسلمان طلبا اور فوجیوں کو جبراً سور کا گوشت کھلایا جاتا ہے ۔ جو استاد مسلمان طلبہ کی تذلیل کرتا ، اسلام کا مذاق اڑاتا اور دین کو افیون بتاتا ہے اسے ترقی ملتی ہے ۔ اسی طرح جو کمانڈر فوج کے مسلمان ملازمین کو جتنا زیادہ سور کا گوشت کھانے پر مجبور کرتا اور استنجا کے لیے پانی استعمال کرنے سے روکتا ہے اسے اتنا ہی اونچا منصب ملتا ہے ۔ مسلمان علاقوں اور شہروں میں بڑے بڑے غیر مسلم محلے آباد کر کے ان کی مسلم اکثریت اور اسلامی کردار کا گلا گھونٹا جا رہا ہے ۔ بوسنہ کے واحد اسلامی مدرسہ میں حکومت کی سی آئی ڈی کی تعداد طلبہ سے زیادہ ہے ، وہ جس طالب علم میں اسلامی جذبات محسوس کر لیتے ہیں اسے اپنا ٹارگٹ بنا لیتے ہیں ۔ مسلم اوقاف جو اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کے لیے ایک باقاعدہ بنک قائم تھا ، ان اوقاف کو حکومت نے ضبط کر لیا ہے ۔ جبکہ عیسائی اوقاف آزاد ہیں ۔ جو طالب علم اچھی عربی جانتا ہے اسے مسلمانوں سے کاٹ کر اسلام دشمن کاموں

میں لگایا جاتا ہے اور جو ایسی ملازمت قبول نہ کرے اس پر انقلابی ہونے کا الزام لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ جو حج کے لیے جانا چاہے اس سے واپسی کی ضمانت کے لیے اتنا زیادہ سونا لیا جاتا ہے کہ کم ہی لوگ اسے ادا کر پاتے ہیں۔

اس اخبار نے یہ بھی بتلایا ہے کہ فوجا کی مسجد میں قتل کیے جانے والے مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ ہے قرابوہ کے پل پر قتل کیے جانے والوں کی تعداد چھ ہزار سے زیادہ ہے ۔ توزلا اور اس کے اطراف کے مقتولین کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے اور مقدونیا کے مقتولین چھ ہزار سے زیادہ ہیں ۔ اللھم رحمتك نرجوا و بك نستغيث ۔

●●●

صفحہ ۳۸ کا بقیہ

کے بعد اس سلسلہ میں سعودی حکومت کے طرز عمل کی وضاحت کی ۔

"سعودی حکومت نے ائمہ اسلام اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چل کر اپنے شعبۂ قضا و عدل میں اسی روح کا التزام کیا ہے شاہ عبدالعزیز کی طرف سے اس سلسلے میں متعین تعلیمات دی گئیں، جن کا مفاد یہ تھا کہ معتبر اسلامی مذاہب کے اختلافی مسائل میں متفقہ فیصلہ ایک علمی مجلس کی جاری کردہ قرارداد سے ہوگا ۔ یہ فیصلہ کتاب و سنت سے فراہم کردہ دلیل کی رو سے قوی تر مذہب کے مطابق ہوگا ۔"

"برادران کرام ہم سبھی کی ذمہ داری ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام کے مطابق بلاد اسلامیہ میں زندگی کے تمام شعبوں میں فیصلوں کی وحدت کے لیے جادہ پیما ہو جائیں کیونکہ یہی امت اسلامیہ کی وحدت کے حصول کے لیے واحد دلیل ہے ۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ مہم بڑی پر مشقت ہے اور ذمہ داری کا بوجھ زبردست ہے ۔ لیکن آپ حضرات سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، لہذا اللہ کی برکت سے اس کی امداد کے طالب رہتے ہوئے قدم بڑھائیے ۔"

یہ شاہ فہد کی وہ تقریر ہے جس پر جمود پسند طبیعت چیں بہ جبیں ہیں ۔ اور انھیں کچھ کا کچھ بنا کر تجدد کے پائے چوبیں .. چند چھینٹیں لگا رہے ہیں ۔ لیکن آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی ایسا شوشہ بھی نہیں ہے جس سے دین بیزاری کی بو آتی ہو ، بلکہ جگہ جگہ ایمانی ولولے کی چمک دیکھی جا سکتی ہے ۔ اگر اسی کو بنیاد بنا کر ہر طبقہ اپنی مقصد براری کر رہا ہے تو قلب ونگاہ کا قصور ہے ۔

●●●

سابقہ روایت کے مطابق اس سال بھی ۶؍اگست ۸۳ء

”ندوۃ الطلبہ“ کا انتخاب جدید

کو مربی انجمن مولانا عبدالوحید صاحب شیخ الجامعہ و دیگر اساتذہ کے زیر نگرانی ندوۃ الطلبہ کا جدید انتخاب ہوا۔ فہرست یہ ہے۔

محمد یوسف ف۱ صدر ، مناظر علی ف۱ نائب معتمد صحافت ، اشفاق الرحمٰن ف۱ معتمد خطابت عربی (ب) ، جاوید مصطفٰی ع۲ معتمد دارالکتب
زبیر احمد ف۱ نائب صدر ، امیر محمد افضل ف۲ معتمد خطابت اردو (الف) ، عبداللہ محمد اسماعیل ع۱ نائب " " ، شبیر احمد ع۲ ظفر الدین ع۲ " "
عبدالسلام عبدالسمیع ف۱ ناظم ، شاہد کلیم ع۲ نائب " ، اشتیاق احمد ف۱ معتمد دارالکتب ، عبدالقدیر ع۲ معتمد دارالاخوۃ
عبدالرحیم " نائب ناظم ، ابوالمکرم ف۱ معتمد خطابت عربی (الف) ، اعجاز احمد ع۱ نائب " " ، محمد ہاشم ع۲ معاون " "
سمیع اللہ ف۲ معتمد مالیات ، ذبیح اللہ ع۲ نائب " " ، محمد حسین ع۲ معاون " " ، عبدالحفیظ ع۱ ، محمد احمد عطار ع۲ (معاونین دارالاخوۃ)
حبیب الرحمٰن " محاسب ، ارشد سراج الدین ف۱ معتمد خطابت اردو (ب) ، فضل اللہ " " " "
ارشد فہیم الدین ف۱ معتمد صحافت ، اصغر علی " نائب " " ، محمد امین ع۲ " " " " ۔ عبدالمعلم عبدالسمیع المستوی •

صفحہ ۳۰ کا بقیہ :-

دین کے ساتھ تمسک کرنے کی توفیق دے۔

اور آخر میں اپنے مجاہد بھائیوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے اگر میرے پاس کوئی نصیحت ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ آپس میں متحد رہنے اور تفرقہ سے دور بھاگنے کا فریضہ یاد دلاؤں۔ کیوں کہ ان جیسے لوگوں پر خصوصاً ان کے علماء پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ تفرقہ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے دشمنوں کے سامنے ثابت قدم نہ رہنے اور ناکامی سے دوچار ہونے کے سب سے قوی اسباب میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم۔ (آپس میں نہ جھگڑو، ورنہ ناکام ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔) اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیح مروی ہے۔ ید اللہ علی الجماعۃ۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

یہ ہے وہ بات جسے اس مناسبت سے ذکر کرنے کی مجھے توفیق ہوئی مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ سے یہ سوال ہے کہ بہت جلد ہم یہ خبر سن کر شاداں و فرحاں ہوں کہ افغان مجاہدین اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے۔ اپنے ملک کو لے لئے اور انھوں نے اپنے پروردگار کی شریعت کے مطابق حکومت کی بنیاد رکھی۔ جو آج عالم اسلام میں نایاب ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ ••

ہماری مطبوعات

(عربی)

١ - مرعاۃ شرح مشکاۃ (١ - ٧)
٢ - بين الامامين مسلم والدارقطنی (رح)
٣ - شرح ثلاثيات البخاری
٤ - اتحاف الكرام شرح بلوغ المرام
٥ - رفع الالتباس عن بعض الناس
٦ - نزهة النظر فی توضيح نخبة الفكر
٧ - البيان المكمل فی تحقيق الشاذ والمعلل
٨ - دراسات فی الجرح والتعديل
٩ - تقوية الايمان
١٠ - الحسام الماحق
١١ - معدل الصلاة
١٢ - حصول المامول من علم الأصول
١٣ - حركة الانطلاق الفكری
١٤ - جهود أهل الحديث فی خدمة القرآن
١٥ - جهود مخلصة فی خدمة السنة المطهرة
١٦ - اخبار الكرام باخبار المسجد الحرام
١٧ - المحدث شمس الحق العظيم آبادی
١٨ - مختصر التحفة الاثنی عشرية
١٩ - تاريخ التشريع الاسلامی
٢٠ - عروة بن اذينه : حياته وشعره
٢١ - مجموعة النظم والنثر
٢٢ - شذا العرف فی فن الصرف

(اردو)

٢٠ - اہلحدیث اور سیاست
٢١ - فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری (رح)
٢٢ - قادیانیت اپنے آئینہ میں
٢٣ - تاریخ ادب عربی (ج ١ ، ٢)
٢٤ - وسیلۃ النجاۃ
٢٥ - اللمحات رد انوار الباری
٢٦ - رمضان المبارک کے فضائل واحکام
٢٧ - رکعات تراویح کی صحیح تعداد اور علماء احناف
٢٨ - سلفی دعوت کے علمی أصول
٢٩ - سلفی دعوت اور ائمۂ أربعہ رحمہم اللہ
٣٠ - جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات
٣١ - جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات
٣٢ - قبروں پر مساجد اور اسلام
٣٣ - تقلید اور عمل بالحدیث
٣٤ - خاتون اسلام
٣٥ - مردے سنتے نہیں

(زیر طبع)

١ - کتاب الأباطیل للعلامۃ الجوزقانی . تحقیق الأستاذ عبد الرحمن الفریوائی
٢ - کتاب فی ظلال الرسول کا اردو ترجمہ

مکتبۃ سلفیۃ ، ریوڑی تالاب ، بنارس

SEPT, **MOHADDIS** 1983
THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

مرکزی دار العلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

★

ادارة البحوث الاسلامية والدعوة والافتاء بالجامعة السلفية

بنارس - الهند

عدد مسلسل ۲۱ — ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ — اکتوبر ۱۹۸۳ء

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

جلد ۲ • ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ • اکتوبر ۱۹۸۳ء • شمارہ

ایڈیٹر

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

• سالانہ ۲۵ روپے • ششماہی ۱۳ روپے
• فی پرچہ ۲/۵۰ روپے • بیرون ملک سے ۱۵ ڈالر

پتہ

خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA „ SALAFIA „ REORITALAB VARANASI - 221001

ٹیلی گرام ۔ دارالعلوم ، وارانسی ٹیلی فون : ۶۳۵۷۷

تزئین و کتابت

انور جمال

ناشر
جامعہ سلفیہ بنارس

طابع
عبدالوحید

مطبع
سلفیہ پریس وارانسی

قفس نصیب ہے شاہیں..

مولانا عبدالمعید اسلم

صلیبِ وقت کے سر کا دیے گئے تختے
مچی ہے دھوم کہ انسانیت کو موت آئی
ردائے تیرگی اوڑھے ہوئے ہے بزم جہاں
رُخِ حیات پہ باقی نہیں ہے رعنائی
زمانہ لاکھ بُرا کہہ رہا ہے کہتے دو
رہِ نقیبِ صداقت کے یہ ہیں عِزو نمائی
شبِ امید کو میں اپنی لے کے جاؤں کہاں
کہ سحر تاب نہیں میری راہ پیمائی
وہ عہد جو کبھی سیراب خونِ دل سے ہوا
وفا کی راہ میں کھولے ہے گود رسوائی
ہجوم یاس سے گھبرا کے بارہا سوچا
کہ بزمِ یار سے بہتر ہے اپنی تنہائی
مگر وہ نورِ سحر جس پہ منحصر تھی حیات
زمانہ بیت گیا اک کرن نہیں آئی
دریغ آبرو تولیں ہوس کے پیمانے
یہ میرے عہد کے انساں کی جود فرمائی
طلسمہائے زمانہ نے چھین لی پرواز
قفس نصیب ہے شاہیں، قدلے پہنائی

عجیب سانحہ انساں کا آج ہے اسلم
دل و زباں میں باقی نہیں شناسائی!

نقشِ راہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قربانی تحریف کی زد میں

قربانی دین اسلام کی ایک معروف اور متواتر سنت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے۔ ان کا واقعہ اس قدر معروف ہے کہ محتاجِ بیان نہیں۔ اسی وقت سے ان کے ماننے والے سارے ہی مذاہب کے لوگ اس سنت پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں، خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا مشرکین عرب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے بھی اس سنت کو برقرار رکھا اور امت مسلمہ اس پر کاربند ہوگئی۔

ادھر تقریباً ایک صدی سے ہمارے ملک میں دین اسلام کی تعلیمات کے خلاف بعض مسلمان کہلانے والوں کی طرف سے طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری ہے، جس میں عموماً اسلام کی اصولی اور بنیادی تعلیمات کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن جو اسلامی طور طریقے مسلمانوں میں قطعی طور پر ایک اسلامی حکم کی حیثیت سے معلوم و معروف اور زیر عمل ہیں وہ بھی ان کی زد سے محفوظ نہیں، ان میں بھی شک و شبہ پیدا کرکے اور ان کی اصل شکل کو مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ قربانی جیسا معروف اسلامی حکم بھی عرصے سے اسی تشکیک کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اس کے متعلق بڑے سوز و درد کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی معیشت کمزور ہے اور وہ اس کی متحمل نہیں کہ اتنی بڑی رقم یوں ہی رائیگاں اور فضول خرچ کردی جائے۔ اس کے بجائے اگر یہی رقم غریبوں کو بطور صدقہ دیدی جائے تو ان کی ضروریات کی اچھی خاصی کفالت ہوجائے گی۔ اس شاطرانہ "سوز دروں" کو ایسی چابکدستی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ حق خداوندی اور منصبِ رسالت کی نزاکتوں سے ناآشنا بہت سے سیدھے سادے مسلمان بھی اس کو ایک سنجیدہ حقیقت سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ حکمت و مصلحت جو کچھ ہے وہ

وحی الٰہی اور سنت رسول کی پیروی میں ہے، اس کی خلاف ورزی میں نہیں ہے اور نہ امت کے کسی فرد کو اس میں تبدیلی کا کوئی حق حاصل ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس معاملے کا جائزہ اس پہلو سے بھی لے لینا چاہیے۔ جس پہلو سے شک و شبہ پیدا کیا جاتا ہے۔

ہندوستان کی مسلم آبادی سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۷-۶ کروڑ کو پہونچ رہی ہے۔ عام اندازہ یہ ہے کہ مسلمان دس بارہ کروڑ سے کم نہیں اور بعض مبالغہ آمیز لیڈر پندرہ سے بیس کروڑ بتلاتے ہیں۔ ہم دس کروڑ کی تعداد کو ایک متوازن اندازہ تسلیم کر کے اسی پر حساب کی بنیاد رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک کے مختلف حصوں میں چھوٹے بڑے پیمانے پر جس طرح قربانی کی جاتی ہے، اس سے اندازہ ہے کہ دس کروڑ افراد پر ایک کروڑ جانور قربان کیے جاتے ہیں۔ ان جانوروں کی اوسط قیمت تین سو روپے کے لگ بھگ پڑنی چاہیے۔ اس طرح کوئی تین ارب روپے کے جانور قربان کیے جاتے ہیں۔ ان جانوروں کی بڑی تعداد ایسی ہے جسے قربانی کرنے والے خود نہیں پالتے، بلکہ خریدتے ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ کم از کم تین چوتھائی تعداد خریدی جاتی ہے۔ صرف ایک چوتھائی گھر پر پلتی ہے۔ بیچنے والے عموماً غریب اور حاجتمند لوگ ہوتے ہیں۔ جن کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ان کا جانور اس موقع پر اچھے داموں فروخت ہو کر زیادہ فائدہ دے جائے گا۔ اس طرح غریب افراد اس موقع پر اپنا جانور بیچ کر کوئی سوا دو ارب روپے کما لیتے ہیں۔ قربانی کرنے والے اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھاتے ہیں، دوست و احباب کو بھی کھلاتے ہیں اور غربا و فقرا اور مساکین کو بھی دیدیتے ہیں۔ غریبوں پر ہونے والی یہ نوازش بعض جگہ خاصی مقدار میں ہوتی ہے اور بعض جگہ بخل سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر مجموعی طور پر اسے ہم کل مقدار کا دسواں یا بارہواں حصہ مان لیں تو اس کی رقم پچیس تیس کروڑ ہو جاتی ہے۔ قربانی کی کھال کا مصرف بھی وہی ہے جو صدقے اور خیرات کا ہے۔ کھال کے دام میں بڑا نشیب و فراز آتا رہتا ہے۔ آجکل چھوٹے جانور کی کھال پندرہ روپے کے لگ بھگ ہے، لہٰذا قربانی کے چھوٹے بڑے جانوروں کی کل کھال کی قیمت پندرہ بیس کروڑ روپے ہو جائے گی۔ پندرہ بیس کروڑ روپے کی یہ رقم بھی غریبوں کی مد میں جاتی ہے۔ شہروں میں عموماً قصاب یا مزدور پیشہ حضرات جانور کی کھال اتارتے اور اس کے ٹکڑے کرتے ہیں۔ اور اس کی انھیں علیحدہ سے خاصی مزدوری مل جاتی ہے۔ اس کا حساب بھی کروڑوں تک جا پہنچتا ہے۔

غرض تین ارب روپے کے جانوروں کی قربانی ہوتی ہے تو کم و بیش ڈھائی ارب روپے نقد غریبوں کے ہاتھ لگتے ہیں اور تین چار روز چھوٹے جانور کا عمدہ اور لذیذ گوشت جی بھر کر کھانے کے لیے الگ سے ملتا ہے۔

ادھر قربانی کی کھال گوداموں میں پہنچتے ہی غریبوں کی روزی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ گوداموں میں ان کھالوں کی صفائی غریب اور مزدور پیشہ افراد ہی کرتے ہیں۔ دباغت کے بعد جب وہاں سے ان کھالوں کا "قدم" آگے بڑھ کر صنعتی کارخانوں میں پہنچتا ہے تو پھر اس کی "غریب نوازی" سامنے آتی ہے۔ چمڑے کی مصنوعات کے کاریگر بیچارے بھی تو آخر غریب اور مزدور پیشہ ہی افراد ہیں؟ پھر یہ مصنوعات مارکیٹ میں آکر استعمال کرنے والوں کے ہاتھ تک پہنچتے پہنچتے عموماً تجارت کے دو تین مراحل طے کرتی ہے اور اس تجارت سے تاجروں کے دو تین طبقے اور قلیوں اور بوجھ ڈھونے والوں کے بھی دو تین طبقے فیض یاب ہوتے ہیں۔

اب اگر قربانی یکلخت بند کر کے لوگوں کو اس کی رقم صدقہ کرنے کی ترغیب دی جائے تو اس کے کیا اثرات خود غریبوں پر مرتب ہوں گے اسے بھی ایک بار ملاحظہ کر لینا چاہیے۔

عام انسان اپنی طبیعت اور مزاج کے لحاظ سے کچھ اس قسم کے ہیں کہ صدقات کی ادائیگی میں واجبی حد سے بمشکل ہی آگے جا سکتے ہیں۔ بلکہ واجبی حد کی ادائیگی بھی گراں گزرتی ہے۔ اس لیے انھیں قربانی کی جگہ صدقے کا حکم دیا جائے تو یقیناً سب سے کم قیمت کے جانور کا حساب لگائیں گے۔ بڑے جانوروں کے حصے کے لحاظ سے یہ قیمت آج بھی ایک سو روپے نہیں آتی۔ اس طرح ایک کروڑ جانوروں کے تخمینے پر جو تین ارب روپے کا حساب بنتا تھا وہ ایک ارب بھی نہیں رہ جائے گا۔ پھر جو قربانیاں نفلی طور پر کی جاتی ہیں۔ اسی طرح جو لوگ نصاب کی شرط کے ساتھ قربانی کے وجوب یا مسنونیت کے قائل ہیں لیکن اس شرط کے نہ ہوتے ہوئے بھی بڑی تعداد میں قربانی کرتے ہیں۔ ان دونوں قسم کی قربانیوں کی رقم چھانٹ دیجیے تو یہ رقم آدھے ارب بھی نہیں رہ جائے گی۔

الغرض قربانی کی صورت میں ڈھائی، پونے تین ارب روپے کی جو رقم غریبوں کے ہاتھ لگتی ہے۔ صدقہ کی صورت میں اس کے بجائے بمشکل آدھے ارب روپے انھیں مل سکیں گے اور کئی روز تک گوشت کی وافر مقدار جو کھانے کو ملتی ہے اس سے مکمل محرومی ہوگی۔ بلکہ اس کے لیے انھیں مجموعی طور پر کئی کروڑ روپے خرچ کرنے ہوں گے۔ پھر بھی غریب بیچارہ نہ چھوٹا گوشت خریدنے کی ہمت کر سکے گا نہ بڑا گوشت ہی اتنی وافر مقدار میں خرید سکے گا، جتنا اسے بیٹھے بٹھائے مل جاتا ہے۔ اس طرح سال بھر میں ایک بار اسے جو آسودگی ملتی ہے، اس سے بھی بڑی حد تک محروم ہی رہے گا۔ باقی رہی چمڑے اور اس کی مصنوعات کے تعلق سے مزدوری کاریگری اور تجارت کی شکلوں میں آمدنی تو یہ پورے طور پر غائب ہو جائے گی۔

ایک پہلو یہ بھی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ قربانی کا جانور بیچ کر جو لوگ اپنی اقتصادی حالت سنبھالے ہیں، ان میں ایسے لوگ ضرور ہیں جو صدقات وزکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں لیکن بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اپنی تنگ و ترش حالت کے باوجود یا تو صدقے کے مستحق نہیں یا انھیں صدقہ کھانا بہرصورت گوارا نہیں۔ اگر آپ قربانی کی جگہ خیرات کا سلسلہ شروع کردیں تو یہ رقم مٹھی بھر افراد کے ہاتھوں یا پھر چند مدارس کے خزانے میں چلی جائے گی۔ اور کروڑوں افراد جن کی اقتصادیات کے لیے قربانی کے جانور کی قیمت سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے وہ ہمیشہ کے لیے مستقل طور پر اس سے محروم رہیں گے۔ پھر تہوار کے موقع پر امیر ہو یا غریب وہ اپنی بساط کے مطابق اپنے بال بچوں کی خوشی کا انتظام کرتا ہے۔ تبلایئے اس سہولت سے محرومی کے بعد وہ اپنے معمول کی آمدنی سے جب اس کا انتظام کرے گا تو اس غریب کی معیشت پر کیا گزرے گی؟ اور وہ کتنے عرصے تک اپنی ٹوٹی ہوئی ریڑھ کو سہلاتا رہے گا۔

خلاصہ یہ کہ حکمت ومصلحت جو کچھ بھی ہے اور اقتصادیات ومعاشیات کا کمال جو کچھ بھی ہے وہ قربانی کرنے میں ہے، اس کو صدقہ سے بدلنے میں نہیں۔ دہاں حالیکہ قربانی کرنے کی صورت میں خدا کے حکم کی اطاعت اور اس کی ایک اہم عبادت کی ادائیگی اور اس کے ساتھ پیمانِ وفا کا اعادہ ہے۔ جبکہ اس کی جگہ صدقہ کرنے میں اقتصادی کمزوری کے علاوہ خدا کے حکم کی تبدیلی اور اس کی عبادت کے بجائے اپنی من مانی ہے۔ جو خدا کے نزدیک نہایت کریہ اور مردود ہے۔ اللہ ہمیں صحیح راہ کی توفیق دے۔ ●●●

بقیہ ص ۲۹ کا:

یا کوئی کیفیت مشروع کی جائے مثلاً اجتماعی طور پر بیٹھ کر قرآن خوانی کرکے شیرینی تقسیم کی جائے اور اسی "جشن مرگ" کے دوران کوئی بزرگ سارے حاضرین سے ان کے اعمال صالحہ کا کچھ حصہ وصول کرکے سب کا ثواب اکٹھا کریں اور مردے کو بخش دیں تو یہ سخت خرافات اور واہیات قسم کی بدعت ہے کیوں کہ یہ خدائی شریعت میں بندے کی طرف سے اضافہ ہے۔

گزارشات طویل ہوگئیں۔ مقصود صرف یہ تھا کہ مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر ذرا وضاحت کے ساتھ روشنی پڑجائے۔ اسی لیے اس طول کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ فقط

کتبہ صفی الرحمٰن مبارکپوری
یکم ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ

طلاق ۔ چند نازک حدود کے درمیان

یورپ نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے ایک زمانہ تک اسلام کے قانونِ طلاق کو ایک غیر انسانی قانون کی حیثیت سے اچھالا لیکن بالآخر یورپ کو بھی طلاق کی اہمیت محسوس کرنی پڑی اور اسے قانون کے طور پر تسلیم کرنا پڑا ۔ لیکن جس فطری قانون کو یورپ نے بڑی رد و کد کے بعد قبول کیا ، اس کا اثر یہ ہوا کہ یورپ میں اس کے بعد سے طلاق کا تناسب مسلم ممالک سے ہمیشہ بہت زیادہ رہا اور اس وقت بھی یہی حالت برقرار ہے ، کیا شوہر اپنی عورت کو اس لیے طلاق دینے کے لیے حاضرِ عدالت ہوتا ہے کہ اس کی بیوی اس سے زیادہ اپنے کتے سے پیار کرتی ہے ، ان حالات اور شواہد نے اسلام کے خلاف یورپ کی زبان بند کر دی لیکن اس وقت عورتوں کے جھوٹے ہمدرد دوسرے طریقوں سے اسلام کے قانونِ طلاق کو عورتوں پر زیادتی کا ایک راستہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کے پردے میں اسلام کو بدنام کرنے اور عورتوں کے ساتھ اسلام کی ہمدردیوں کو مشکوک بنانے کی سازش میں لگے رہتے ہیں تاکہ عورتیں اسلام سے بدظن ہو کر حدودِ شریعت سے آزاد ہو جائیں اور اپنے جھوٹے ہمدردوں کی ہوس کا بآسانی شکار ہو جائیں ۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اسلام کے قانونِ طلاق کو برتنے اور اسے عمل میں لانے کے نازک حدود کی وضاحت ہو جائے ۔

اسلام کے اندر شادی کے تین اہم مقاصد ہیں نمبر ۱ عفت و پاکبازی نمبر ۲ تعاون باہم ، نمبر ۳ حصولِ اولاد اور ان کی بہترین پرورش و پرداخت ۔

شادی کے رشتے سے تعاون باہم کی ابتدا عورت اور شوہر سے ہوتی ہے اور ان دونوں کے واسطے سے تعاون باہم کا یہ جذبہ دو خاندانوں کو محیط ہو جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اس نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا ۔

فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا پھر اس کا خاندانی اور شادی کا رشتہ بنایا اور تمہارا رب (ہر چیز پر) قادر ہے۔

یہی تعاون باہم کا جذبہ شوہر کے لیے عورت کو سامانِ سکون و راحت بنا دیتا ہے اور وہ اپنی رفیقہ حیات کو دیکھتے ہی اپنے افکار و ہموم کو فراموش کر دیتا ہے اور اس کے تعاون سے کشاکش زیست کا سامنا کرنے کا اس کے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں کیا گیا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحم پیدا کر دیا بے شک جو غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

ایک عورت اور اس کے شوہر میں یہ سکون و ہمدردی کا رشتہ اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اپنے حدود کے اندر رہیں۔ اور ایک عورت کے لیے جن صفات کا ہونا ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔

ما استفاد مومن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة ان انظر اليها سرته و ان امرها اطاعته و ان اقسم عليها ابرته وان غاب عنها نصحته في نفسها و ماله۔ (ابو ماجہ مشکوٰۃ ج ۲۶۷) مومن نے خوفِ خدا کے بعد کوئی چیز ایسی نہیں حاصل کی جو نیک بیوی سے بڑھ کر ہو اگر اسے دیکھے تو وہ خوش کر دے، حکم دے تو حکم بجا لائے، قسم کھائے تو قسم پوری کر دے اور اگر اس کے پاس سے غائب ہو تو وہ اپنی ذات اور شوہر کے مال میں اس کی خیر خواہ ہو۔

شادی کا دوسرا مقصد حصول اولاد اور ان کی بہترین پرورش و پرداخت ہے، کیوں کہ انسان کی اولاد کا مسئلہ جانوروں سے مختلف ہے۔ انسان کی اولاد کی پرورش میں مادی نشو و نما سے کہیں زیادہ روحانی فکری اور ذہنی پرورش و پرداخت کی اہمیت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

لأن یودب الرجل ولدہ خیر لہ کہ ایک شخص اپنی اولاد کو ادب سکھا دے یہ ڈھائی کلو
من ان یتصدق بصاع۔ صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

اس لیے کہ ادب سے روحانی غذا حاصل ہوتی ہے جو اس کے لیے ابدی راحت کا سامان فراہم کرتی ہے
نفسیاتی طور پر بھی اولاد شعوری اور غیر شعوری طور پر سب سے زیادہ اپنے والدین سے اثر پذیر ہوتی ہے اور
والدین کے عقائد و عادات اور افعال و کردار کی اولاد پر تاثیر کا ثبوت بہت سی آیتوں سے ملتا ہے۔ مثلاً جب
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بتوں کو معبود بنانے کی وجہ دریافت کی تو جواب ملا۔
قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ان کی پرستش کرتے ہوئے
عَابِدِينَ۔ پایا۔

والدین سے اولاد کے تاثر کا معاملہ اس قدر عیاں ہے کہ اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔
لیکن کبھی کبھی میاں بیوی کی ذہنیت اور جذبات میں اتنا اختلاف ہوتا ہے کہ تعاون باہم کا، جو شادی کا ایک
اہم مقصد ہے حاصل ہونا ناممکن ہو جاتا ہے اور شوہر اور بیوی کی باہمی کشمکش اور آویزش کبھی کبھی حدود ادب
و انسانیت سے متجاوز ہو جاتی ہے اور اس کا اثر اس کی اولاد پر بھی ہوتا ہے، اور اس کے ذہن پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے
اس لیے اگر شوہر اور بیوی کو ان سب حالات کے باوجود زبردستی زوجیت کے بندھن میں باندھ رکھا جائے تو ان کی
اولاد روحانی طور پر تباہ ہو جائے گی۔ اور سکون و راحت و محبت و پیار جن کی نمود تعاون باہم کے جذبے سے
ہوتی ہے غارت ہو جائے گا۔ اس لیے اسلام نے ایسے حالات میں طلاق کی اجازت دے رکھی ہے۔ پھر بھی اسلام
میں طلاق آسان چیز نہیں ہے جس قدر عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ اس کے جواز کے لیے بہت سی ایسی بندشیں
ہیں جو بڑی نزاکت کی حامل ہیں۔ اسلام کے اندر طلاق جائز ہونے کے باوجود پسندیدہ فعل نہیں ہے۔
— ابغض الحلال الی اللہ الطلاق — کہ جائز فعل میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل اللہ کے
نزدیک طلاق ہے۔

دو شخصیت کی ذہنیت اور خیال میں بالکلیہ یکسانیت نہیں ہوتی، اس لیے بعض وقت باہمی آویزش
کا عارضی موقع بھی آجاتا ہے مگر صرف اس قدر اختلاف کو طلاق کی بنیاد بنا لینے سے اسلام نے ممانعت فرمائی
ہے اور شوہر کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر آویزش میں نباہ کا راستہ پیدا کرنے کی کوشش کرے اور عورتوں کی کچھ

کمزوریوں کا ذکر کرکے شوہر کو انھیں برداشت کرنے کا خیرخواہانہ مشورہ دیا گیا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

استوصوا بالنساء خیراً فانهن خلقن من ضلع وان اعوج شیٔ فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقیمه کسرته وان ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء ۔ (متفق علیہ)

عورتوں کے بارے میں بھلائی کا حکم قبول کرو اس لیے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اور پسلی کی سب سے ٹیڑھی ہڈی اوپر کی ہڈی ہے اگر تم اسے سیدھی کرنے لگو گے تو توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو برابر ٹیڑھی ہی رہے گی اس لیے عورتوں سے متعلق حکم کو مانو ۔

کبھی کبھی شوہر اور بیوی میں ایسا اختلاف بھی نمودار ہو جاتا ہے جس سے طلاق کی نوبت آجاتی ہے لیکن اس وقت بھی اسلام دونوں کے رشتہ زوجیت کو برقرار رکھنے کے لیے ثالث کے ذریعہ فریقین کے معاملہ کو سدھارنے کا حکم دیتا ہے کہ جن کا اہم مقصد یہ ہونا چاہیے کہ دونوں دلوں کو یکساں پھر جوڑنے کی کوشش کریں ۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا

اور اگر ان (زوجین) کے درمیان ان بن کا خوف محسوس کرو تو ایک منصف اس کے خاندان سے اور ایک منصف شوہر کے خاندان سے تیار کرو اگر وہ دونوں سدھار کرنا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کردے گا ۔ بیشک اللہ بہت کچھ جانتا اور سب سے باخبر ہے ۔

اس کے بعد بھی اگر دونوں میں ان بن برقرار رہ جائے اور طلاق کی نوبت آجائے تب بھی اسلام انھیں دو موقع اور دیتا ہے کہ وہ اپنے حالات پر غور کرکے اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کریں اور اگر جذبۂ موافقت و تعاون ابھرتا ہے تو اس رشتے کی پھر سے تجدید و تعمیر کریں ۔ اور اگر اولاد بھی ہو تو اس کے مستقبل اور تربیت کے معاملہ کو خود سوچیں ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ ؕ

طلاق دو بار ہے پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ آزاد کرنا چاہیے ۔

یعنی اگر کوئی شوہر ایک دفعہ اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا ہے تو پھر عدت کے اندر اسلام اسے رجعت کر لینے اور دوبارہ اپنی زوجیت میں واپس لینے کی اجازت دیتا ہے، پھر اگر اس کے بعد بھی وہ کسی موقع پر طلاق دیدیتا ہے تب بھی اسے یہی موقع حاصل رہتا ہے۔ ہاں اگر سہ بارہ یہی اقدام کر بیٹھے تو اسے یہ رخصت نہیں ہے۔

اسلام نے طلاق تک رسائی کے لیے جو نازک حدود رکھی ہیں۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ طلاق کی اسلام کے اندر کیا حیثیت ہے اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام طلاق کی اجازت اس صورت میں دیتا ہے جب زوجین میں نباہ کے سبھی راستے بند ہو جائیں۔

اگرچہ مسلمانوں میں کچھ ایسے افراد ملتے ہیں جو عورت کو کپڑے کے طور پر استعمال کرتے اور پرانا ہو جانے کے بعد بدل لیتے ہیں اور شریعت کی حدود کا لحاظ نہیں کرتے لیکن ان کی تعداد اتنی کم تر ہے کہ ان کی وجہ سے اس اہم اصول طلاق کو رد نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس شخصی روش کا الزام اسلام پر عاید کیا جا سکتا ہے۔ اس فطری اور ضروری قانون طلاق کو الزام دینے کے بجائے ایسے شخص کو اسلام کے حدود میں لانے کے لیے اس کی ذہنی و فکری تربیت کی ضرورت ہے۔

●●●

مولانا شمس الحق صاحب

دہلی میں زیر علاج ہیں اور بحمد اللہ خاصا افاقہ ہو چکا ہے مکمل صحت یابی کے لیے دعا کریں۔

....

ختم خریداری

جن خریداروں کا چندہ ختم ہے انھیں اطلاع دی جا چکی ہے، رقم بھیجدیں۔ حساب میں غلطی ہو تو مطلع کریں۔ بصورت دیگر پرچہ کی روانگی روک دی جائے گی۔

....

پتے کی تبدیلی

پتے اسی وقت تبدیل کرائیے جب آپ کو مستقل طور پر اپنی جگہ بدلنی ہو۔ اگر عارضی طور پر دو چار مہینے کیلئے کہیں جانا ہو تو آپ یہ لکھیئے کہ صرف دو ماہ کے لیے یا اگلی اطلاع تک کے لیے عارضی طور پر پرچہ فلاں پتے پر روانہ کریں۔ چھپے ہوئے مستقل پتوں کی بار بار تبدیلی دفتر کے لیے سخت الجھن کا سبب ہے۔

قسط (۲)

امام ابن خزیمہ صاحب الصحیح

۲۲۳ - ۳۱۱ھ — ۸۳۸ - ۹۲۴ء

تصنیفی کارنامے

مولانا محمد حنیف فیضی، متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ

تصنیف کا طریقہ :- امام ابن خزیمہ کے تصنیف کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی چیز کی تصنیف کا ارادہ کرتے تو پہلے استخارہ کی نماز ادا کرتے اگر خیر نکل آتا تو تصنیف کی ابتدا کرتے ورنہ ترک کر دیتے۔[1]

تصانیف کی تعداد : امام ابن خزیمہ کثیر التصانیف تھے۔ امام حاکم کا بیان ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو چالیس کتابوں سے متجاوز ہے، اُن کتابوں کے علاوہ ان کے رسائل بھی ایک سو اجزا سے زیادہ ہیں۔[2] حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں فکتب الکثیر و صنف وجمع[3] یعنی ابن خزیمہ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

تصانیف کے نام : جن تصانیف کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- **صحیح ابن خزیمہ :** اس کا ذکر مفصلاً آرہا ہے۔

۲- **کتاب التوحید و اثبات صفات الرب :** یہ فن عقائد کی مشہور و معروف کتاب ہے اس کتاب کے مطالعہ سے باب عقائد خصوصاً صفات باری تعالیٰ کے بارے میں مصنف کے مذہب کا پتہ چلتا ہے۔ مصنف نے باب عقائد میں اپنے مذہب پر دلائل شرعیہ اور براہین عقلیہ قائم کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر فرق ضالہ مثلاً جہمیہ (معطلہ)، مرجیہ، خوارج، معتزلہ وغیرہ کا رد کیا ہے۔ انھوں نے اعتقادیات کے باب میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو سلف صالحین کا ہے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۲۱ - [2] طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۱۸ [3] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۹

جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب کئی اجزاء پر مشتمل ہے [۱] اس کے قلمی نسخے مکتبہ ظاہریہ، اسکوریال، عزیزی، برلین، تیمور، بلدیہ اسکندریہ، کوپریلی اور قاستا مالونی میں موجود ہیں [۲]۔ یہ کتاب قاہرہ (مصر) میں ۱۹۳۷ء میں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے [۳]۔ علامہ ابونعیم اصبہانی نے اس پر مستخرج لکھی ہے [۴]۔
امام رازی نے اس کو "کتاب الشرک" کہا ہے۔ زاہد کوثری حنفی نے امام رازی کے اس قول کا سہارا لے کر امام ابن خزیمہ کے اعتقاد پر نکتہ چینی کی ہے۔ علامہ معلمی یمانی جناب کوثری کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ امام رازی اخیر عمر میں موت سے پہلے طرق کلامی اور فلسفی نظریات سے تائب ہو کر سلف صالحین کے مسلک پر لوٹ آئے تھے اور اپنے اعتقاد کو درست کر لیا تھا۔ اسی سے امام ابن خزیمہ اور ان کی اس کتاب اور ان کے مخالفین کا حال معلوم ہو جاتا ہے یعنی امام رازی کا اس کتاب کو "کتاب الشرک" قرار دینا اس بنیاد پر تھا کہ وہ کلامی طرق اور فلسفیانہ نظریات کے شائق ہو کر خود سوء اعتقاد کا شکار تھے، لیکن جب تائب ہو کر سلف صالحین کے مسلک کو اختیار کیا تو اسی طریقے پر آگئے جس پر امام ابن خزیمہ تھے اور جس کو اس کتاب میں بیان کیا ہے، پس اسی سے امام ابن خزیمہ اور ان کی اس کتاب کی حیثیت اور مخالفین کی نکتہ چینی کی حقیقت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ امام رازی کے تائب ہونے اور رجوع کرنے کا بیان ان کے وصیت نامہ میں مذکور ہے [۵]

۳۔ شان الدعاء وتفسیر الادعیۃ الماثورہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب کا قلمی نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے [۶]

۴۔ حدیث علی بن حجر عن اسماعیل بن جعفر المدنی

اس کتاب میں نامی محدث علی بن حجر کی مرویات کو جو اسماعیل بن جعفر المدنی سے مروی ہیں جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب چار اجزاء پر مشتمل ہے۔ جزء ثانی کا اخیر ورق اور جزء ثالث و رابع مکمل (بشکل مخطوطہ) مکتبہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہیں۔ [۷]

۵ فقہ حدیث بریرہ: یہ کتاب تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ [۸] **۶۔ مسألۃ الحج:** یہ کتاب پانچ اجزاء پر مشتمل ہے۔ [۹]

---

[۱] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۷۰۔ [۲] فہرست مخطوطات دار الکتب الظاہریہ للالبانی ص ۴۹ و تاریخ التراث العربی ج ۲ ص ۳۷۲ [۳] تاریخ التراث العربی ج ۲ ص ۳۷۲، [۴] تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۱۷، [۵] تنکیل ج ۱ ص ۲۷ ج ۲ ص ۲۳۶ [۶] تاریخ التراث العربی ج ۲ ص ۳۷۲ [۷] فہرست مخطوطات دار الکتب الظاہریہ ص ۴۹، ۵۰ [۸] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۹، و طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۳۵ [۹] الحدیث والمحدثون ص ۳۴۸۔

۷۔ **کتاب الفقہ** :۔ دکتور ابو شہبہ نے امام ابن خزیمہ کی تصانیف میں اس کا بھی ذکر کیا ہے [۱]

۸۔ **تفسیر القرآن** :
۹۔ **عوالی** :
صاحب ہدیۃ العارفین نے ان دونوں کتابوں کا ذکر امام ابن خزیمہ کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے کیا ہے نیز موخرالذکر کتاب کے متعلق ذہبی لکھتے ہیں " وقع لی بالاجازۃ عدۃ اجزاء من عوالی ابن خزیمۃ [۲] مجھے ابن خزیمہ کی کتاب "عوالی" کے کچھ اجزاء اجازۃً پہنچے ہیں۔

۱۰۔ **المسند الکبیر** : مصنف نے کتاب التوحید اور "صحیح" میں اس کا حوالہ دیتے ہوئے کبھی کتاب کبیر اور کبھی مسند کبیر کے نام سے ذکر کیا ہے، غالباً صاحب ہدیۃ العارفین نے اسی کو "المسند فی الحدیث" کے نام سے یاد کیا ہے [۳]۔ مصنف کی صحیح اسی کتاب کی مختصر ہے۔

فائدہ :۔ حاکم کا بیان گزر چکا ہے کہ ابن خزیمہ کی تصانیف ۱۴۰ سے زائد ہیں لیکن بہت سے مراجع کھنگالنے کے بعد بھی صرف الخمس مذکورہ بالا کتابوں کا نام مل سکا۔ ان میں سے چار کتابیں دستیاب ہیں، جن میں سے دو (توحید اور صحیح) مطبوع ہیں اور دو (رسالۃ الدعاء وتفسیر الادعیۃ الماثورۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث علی بن حجر عن اسماعیل بن جعفر المدنی) مخطوط ہیں۔ البتہ "التوحید" اور "صحیح" کا مطالعہ کرنے سے مصنف کی ایک عادت کا پتہ چلتا ہے، جس سے انکی تصنیفات کے متعلق مزید معلومات فراہم ہوتی ہیں، وہ یہ کہ ان دونوں کتابوں میں امام ابن خزیمہ نے اپنی متعدد کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ذیل میں ان کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

اسمائے کتب	جس کتاب میں حوالہ دیا گیا ھے
۱۔ کتاب القدر	التوحید : ص ۵، ۵۵، ۵۷، ۸۱
۲۔ کتاب الدعاء	التوحید : ص ۷، ۱۴، ۱۲۱، ۱۶۳
۳۔ کتاب الصیام	التوحید : ص ۱۳
۴۔ کتاب الجہاد [۴]	التوحید : ص ۱۳، ۱۰۴، ۲۳۵، ۲۳۷، ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۸۰
۵۔ کتاب الصلاۃ	التوحید : ص ۱۵، ۳۴، ۱۱۸، ۱۳۱، ۱۸۱، الصحیح ج ۱ ص ۲۰۰

[۱] اعلام المحدثین ص ۳۰، [۲] ہدیۃ العارفین ص ۲۹ ج ۲ وتذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۳۰، [۳] کتاب التوحید ص ۱۵۹ وصحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۰۰، ۲۴۹، ۲۹۰، ۳۱۲، ۳۲۲ وہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۲۹، [۴] انکا ذکر ذہبی نے بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۲۳، وسیر اعلام النبلاء ج ۹ ق ۲۳۶ ب

۶ - کتاب الجنائز	التوحید : ص ۱۷، ۱۱۹، ۲۱۴، ۳۷۵
۷ - کتاب الزکاۃ	التوحید : ص ۱۸
۸ - کتاب الوصایا	التوحید : ص ۱۸
۹ - فضائل علی بن ابی طالب رض	التوحید : ص ۳۲
۱۰ - کتاب الدعوات	التوحید : ص ۳۴
۱۱ - کتاب الفتن	التوحید : ص ۴۴، ۱۷۶، ۱۸۵
۱۲ - کتاب الطہارۃ	التوحید : ص ۵، ۱۲۴
۱۳ - کتاب الایمان	التوحید : ص ۵۳، ۱۷۸، ۲۴۶، ۳۵۱، ۳۸۷، الصحیح ج۱ ص ۲۱، ۱۶۰
۱۴ - کتاب الصدقات	التوحید : ص ۶۲
۱۵ - کتاب التوبۃ والانابۃ	التوحید : ص ۷۵
۱۶ - کتاب ذکر نعیم الجنۃ	التوحید : ص ۱۰۷، ۲۰۰، ۳۷۰
۱۷ - کتاب الامارۃ	التوحید : ص ۱۱۸، الصحیح ج۱ ص ۲۳۱، ۲۶۳، ۲۶۱، ۲۷۶
۱۸ - کتاب التوکل	التوحید : ۱۴۸
۱۹ - کتاب صفۃ نزول القرآن	التوحید : ۱۴۹
۲۰ - کتاب الصدقات من کتاب الکبیر	التوحید : ص ۱۵۸
۲۱ - کتاب الطب والرقی	التوحید : ص ۱۶۵
۲۲ - کتاب التفسیر	التوحید : ص ۲۰۴، الصحیح ج۱ ص ۲۲۶
۲۳ - کتاب المناسک	التوحید : ص ۲۳۷
۲۴ - کتاب الاہوال	التوحید : ص ۲۸۵، ۳۲۳، ۳۲۶
۲۵ - کتاب معانی القرآن	التوحید : ص ۲۸۷، ۳۰۷، ۳۶۸، ۳۷۴، الصحیح ج۱ ص ۲۴۹، ۲۵۱
۲۶ - کتاب ذکر نعیم الآخرۃ	التوحید : ۳۱۹
۲۷ - کتاب المختصر من کتاب الصلاۃ	التوحید : ۳۵۱

۲۸۔ کتاب الورع	التوحید : ص ۳۵۷، ۳۵۸
۲۹۔ کتاب الایات والنذور	التوحید : ص ۳۵۹
۳۰۔ کتاب البر والصلۃ	التوحید ص ۳۶۲
۳۱۔ کتاب الاشربۃ	التوحید : ص ۳۶۳، ۳۶۶
۳۲۔ کتاب البیوع	الصحیح ج ۱ ص ۱۰۵
۳۳۔ کتاب الکبیر	الصحیح ج ۱ ص ۲۴۹، ۲۹۰، ۲۹۶، ۳۰۲، ۳۴۲
۳۴۔ المسند الکبیر	الصحیح ج ۱ ص ۲۰۰
۳۵۔ کتاب اللباس	الصحیح ج ۱: ص ۳۸۳

ان ناموں کے استقصار کے بعد اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اسماء مذکورہ امام ابن خزیمہ کی مستقل کتابوں کے نام ہیں یا دراصل ان کی کچھ بڑی کتابوں کے اجزائے صغیرہ کے نام ہیں کہ چند اجزائے صغیرہ کا مجموعہ ایک مستقل کتاب ہو یا ان میں سے بعض مستقل کتابوں کے نام ہیں اور بعض کچھ بڑی کتابوں کے اجزائے صغیرہ کے نام ہیں۔ یہاں راجح تیسرا احتمال ہے کیوں کہ ان مذکورہ کتابوں میں سے بعض مثلاً کتاب کبیر (مسند کبیر) کا مستقل کتاب ہونا ظاہر ہے اور صحیح ابن خزیمہ کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ بعض کتابیں انہیں سے صحیح ابن خزیمہ میں اجزاء کی حیثیت سے موجود ہیں۔ اسی طرح جہاں جہاں کتاب کبیر کا حوالہ دیا ہے وہاں کی بعض عبارتیں اس پر روشنی ڈالتی ہیں کہ بعض کتابیں ان میں سے کتاب کبیر کی اجزاء ہیں نیز محدثین کرام کی کتابوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا اسلوب اس طرح کا ہے کہ ایک مستقل بڑی کتاب متعدد کتب صغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثلاً صحیح بخاری کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الغسل، کتاب الحیض، کتاب الصلاۃ وغیرہ پر مشتمل ہے اور امام ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں اسی اسلوب کو اختیار کیا ہے پس معلوم ہوا کہ تیسرا احتمال راجح ہے۔

صحیح ابن خزیمہ سے چند مثالیں جزئیت کی تائید میں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ایک حدیث "عن سعید بن یسار ابی الحباب انہ سمع اباھریرۃ موقوفاً الخ" کتاب التوحید ص ۶۲ پر نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "خرجت ھذا الباب فی کتاب الصدقات اول باب من ابواب صدقۃ التطوع۔ حدیث زیر بحث صحیح ابن خزیمہ میں موجود ہے (ملاحظہ ہو صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۹۲) جماع ابواب

صدقۃ التطوع، باب فضل الصدقۃ وقبض الرب عزوجل إیاھا لیربیھا لصاحبھا والبیان انہ لا یقبل إلا الطیب۔)

۲۔ کتاب التوحید میں عصر اور فجر کی نماز میں ملائکہ کے حاضر ہونے والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: خرجت ھذا الباب بتمامہ فی کتاب الصلوۃ وکتاب الامامۃ۔ حدیث مذکور صحیح ابن خزیمہ کتاب الصلاۃ میں موجود ہے اور (کتاب الامامۃ) میں اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: أملیت فی أول کتاب الصلاۃ ذکر اجتماع ملائکۃ اللیل وملائکۃ النھار فی صلاۃ الفجر وصلاۃ العصر (ملاحظہ ہو۔ صحیح ابن خزیمہ ج ۱ کتاب الصلاۃ ص ۱۶۵، حدیث نمبر ۳۲۱ و ۳۲۲ صحیح ابن خزیمہ ج ۲ کتاب الامامۃ ص ۳۶۰)

۳۔ کتاب التوحید ص ۱۳ پر حدیث "من صام یوما فی سبیل اللہ ابتغاء وجہ اللہ باعد اللہ وجھہ عن النار سبعین خریفاً" ذکر کیا ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں، قد أملیت خبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم "من صام یوما الخ" بعضہ فی کتاب الصیام وبعضہ فی کتاب الجھاد"

یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۲۹۷ (کتاب الصیام) میں موجود ہے لیکن لفظ کا تھوڑا سا اختلاف ہے اور معنی ایک ہے۔ ممکن ہے کتاب التوحید میں روایت بالمعنی کے طور پر ذکر کیا ہو، اور صحیح ابن خزیمہ کا جتنا حصہ دستیاب و مطبوع ہے اس میں کتاب الجہاد کا ذکر نہیں ہے شاید اس کا ذکر اس حصہ میں ہو جو نایاب ہے۔

فہرست میں دیے گئے اسماء میں سے بعض کے کتاب کبیر کا جزء ہونے کی مثال

۱۔ کتاب التوحید ص ۱۵۸ میں ایک حدیث کے سلسلے میں فرماتے ہیں: خرجتہ بطولہ فی کتاب الصدقات من کتاب الکبیر۔

۲۔ صحیح ج ۱ ص ۲۲۹ میں ایک حدیث کے سلسلے میں فرماتے ہیں: قد خرجت طرق ھذا الخبر وألفاظھ فی کتاب الصلاۃ کتاب الکبیر۔ نیز کتاب مذکور ص ۳۱۲ میں فرماتے ہیں: قد خرجت ھذا الباب بتمامہ فی کتاب الصلاۃ کتاب الکبیر نیز کتاب مذکور ص ۲۰۰ میں فرماتے ہیں سأبین ھذہ المسئلۃ بتمامھا فی کتاب الصلاۃ المسند الکبیر لا المختصر۔

ان مذکورہ بالا مثالوں میں کتاب الصدقات کتاب الصلاۃ، کتاب الامامہ اور کتاب الصیام الگ الگ مستقل کتابیں نہیں ہیں بلکہ یہ چاروں صحیح کے اور دوسرے دونوں الذکر "کتاب کبیر" (مسند کبیر) کے اجزائے صغیرہ ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ فہرست میں جتنے اسماء مذکور ہیں ان میں سے بعض مصنف کی کچھ بڑی کتابوں مثلاً صحیح اور مسند کبیر کے اجزائے صغیرہ ہیں اور بعض مستقل کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم ●

اسلام بزور شمشیر

الزام اور مقاصد

ابو عمار عمری

اسلام بزور شمشیر کا الزام ، اسلام پر ایک زمانہ سے لگایا جارہا ہے اور ہمارے علماء نے اس کی تردید میں
کچھ لکھا ہے اور اب بھی لکھا جارہا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ مخالفین کو ہمارے جوابات سے اطمینان ہے
نہ خود ہمیں ۔ اس لیے سب سے پہلے غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اس الزام کا مقصد کیا ہے ۔ کیوں کہ کبھی ایک چھوٹا سا
بھی کوئی اہم مقصد حاصل کرنے کے لیے لگا دیا جاتا ہے ۔ اس لیے الزام تراش اس کا کوئی جواب تسلیم نہیں کرتا حالانکہ
اپنے الزام کے جھوٹے ہونے کا یقین ہوتا ہے ۔ اسلام پر اشاعت اسلام بزور شمشیر کا الزام بھی اسی نوعیت کا ہے
کے جھوٹے ہونے کا یقین ہم سے زیادہ ہمارے مخالفین کو ہے ۔ لیکن اس کے پردے میں انھیں جو اہم مقصد حاصل
ہے وہ کچھ اور ہے ۔

مخالفین کا اس الزام سے اصل مقصد کیا ہے ، اس کو جاننے کیلیے اس الزام کے زمانہ

مقصد :- کو متعین کرنا ضروری ہے ۔ عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف الزامات کا سلسلہ
وقت سے جاری ہے جب [illegible]ھ کے بعد یورپ کے طلباء تعلیم کے لیے اسپین آنے لگے ، کیوں کہ اموی اقتدار
زمانہ میں بغداد ہی کے مانند اسپین میں بھی علوم و فنون کے سوتے ابل رہے تھے ، اس زمانہ میں کلیسا کو یہ اندیشہ
کہ یہ طلباء اسلام کی تعلیمات سے اثر پذیر نہ ہو جائیں ۔ اور اس کے لیے کلیسا نے اسپین میں تعلیم حاصل کرنے پر
پابندی عاید کردی ، لیکن یہ پابندی زیادہ روز برقرار نہیں رہی اور یورپ کے روشن خیال لوگوں نے اس کی مخالفت کی ۔

اس لیے کہ اس زمانہ میں سوائے روایتی مذہب عیسائیت کے یورپ علوم و فنون کے لحاظ سے سخت اندھیرے میں تھا۔ بالآخر کلیسا کو اسلام کے اثرات روکنے کے لیے ایک نیا انداز اپنانا پڑا، اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف انھوں نے ماہر مصنفین سے کتابیں لکھوائیں جن میں اسلام کو کبھی مختلف مذاہب کا مجموعہ قرار دیا گیا اور کبھی اسے نسطور راہب کی تعلیم ثابت کیا گیا۔ اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکیک حملے کیے گئے اور یہیں سے استشراق اور مستشرقین کی ابتدا بھی ہوتی ہے۔ لیکن جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے عباسی سلطنت کو نابود کر دیا، اور چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستیں وجود میں آئیں، جن کا آغاز معتصم کے بعد ہی سے ہو چکا تھا تو صلیب پرست عیسائیوں نے مصر و شام وغیرہ کو مسلمانوں سے نکال کر اپنے اقتدار میں لانے کی کوشش کا آغاز کر دیا اور ۴۹۲ھ میں فلسطین پر قبضہ کر کے مسلمانوں سے اپنی دیرینہ دشمنی کا بدترین انتقام لیا جس کا ذکر کرتے ہوئے انصاف پرست عیسائی مورخین کے قلم بھی لرز جاتے ہیں۔ اسی زمانہ میں ایک چھوٹی سی مسلم ریاست کا مجاہد سلطان صلاح الدین پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش ۵۳۲ھ میں تکریت میں ہوئی۔ نجم الدین بن ایوب کا یہ مجاہد فرزند اور اسد الدین شیرکوہ کا شیر دل بھتیجا ۵۷۰ھ میں دمشق کا حاکم تھا اور ۵۸۰ھ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کے ہاتھوں مجبور مسلمانوں کی آہ و فریاد سنتے ہوئے اس نے اپنے زمانہ شباب میں قدم رکھا تھا اور ۵۷۰ھ میں جب وہ دمشق کا حاکم تھا، دمشق پر عیسائیوں کی یلغار کا سامنا کر چکا تھا، اس کا دل مسلمانوں کے بدتر حالات کو دیکھ کر بیتاب تھا۔ اس نے بیت المقدس اور دوسری عیسائی ریاستوں کے مجبور مسلمانوں کی مدد کو اپنا مقصد حیات بنا لیا۔ ۲۹ صفر ۵۸۳ھ کو جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان کر کے اپنی فوجوں کو بیت المقدس کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، خدا کے فضل سے دوسرے ہی روز اس کی فوجوں نے پہلا معرکہ سر کر لیا اور چند برسوں میں اس نے چودہ عیسائی ملکوں کی متحدہ فوجوں کو سرزمین بیت المقدس سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ اس معرکۂ صلیب وہلال نے عیسائیوں کو یہ محسوس کرایا کہ جہاد فی سبیل اللہ مسلمانوں کا ایسا ہتھیار ہے جس کے رہتے ہوئے وہ کبھی اپنا جارحانہ مقصد حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے اس نعرۂ جہاد کو دنیا اور مسلمانوں کی نظروں میں اس قدر معیوب بنا دیا جائے کہ وہ جذبۂ جہاد جو صلیب مقدس کی شکست کا باعث بنا ہے، مسلمانوں کے دلوں سے مفقود ہو جائے۔ اسی مقصد کے لیے انھوں نے اشاعتِ اسلام بزورِ شمشیر کا الزام اسلام پر لگایا اور اسے بار بار دہرا کر بڑی حد تک اپنا مقصد حاصل بھی کر لیا، چنانچہ موجودہ دور کے مسلم ممالک کے سربراہوں کی اکثریت جہاد کے نام سے برگشتہ یا کم از

شرمسار دکھائی دیتا ہے۔

ہمارے بہت سے علماء نے اس الزام کے اصل سبب پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے اس کا جواب کچھ اس انداز سے دیا ہے کہ جہاد محض نفس کشی کا نام رہ گیا اور جہاد بالسیف جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الجہاد ماض الی یوم القیامۃ۔ اس کا تصور بھی نابود ہوگیا ہے۔ کچھ علماء نے ابتدائی اسلام کے حالات اور صداقتوں کو جواب میں پیش کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نفس کشی اور دین کے لیے ہر کوشش جہاد ہے، لیکن اس کا درجہ اس جہاد کا نہیں ہوسکتا جو اسلام کے اندر ایک اہمیت کا حامل عمل قتال فی سبیل اللہ ہے۔ بعض علماء نے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے اسلام کے اندر جہاد کے موقعوں کو بیان کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام میں مدافعانہ جہاد کا حکم ہے۔

اسلام جارحانہ حملے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن جارحیت کا معیار کیا ہے ابتک اس کی حد متعین نہیں ہوئی ہے۔ فلسطین میں یہودیوں کے ناجائز داخلہ کے وقت اہل فلسطین کی مدافعانہ کارروائیوں کو جارحانہ قرار دیا گیا تھا اور اس وقت بھی اہل فلسطین کی مدافعت کو جارحانہ ہی قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس ملعون اسرائیل کی جارحانہ یلغار کی پشت پناہی بڑے بڑے ممالک کر رہے ہیں۔ کبھی ایک ملک اپنے عوام کے ساتھ جارحانہ اور ظالمانہ سلوک کرتا ہے۔ لیکن اگر دوسرا ملک اس کے خلاف منصفانہ آواز بلند کرے تو اسے بیجا مداخلت اور ناجائز عمل قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں کہ طاقتور کا حملہ عادلانہ اور کمزور کی مدافعت جارحانہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے جہاد کو مدافعانہ قرار دینے کے لیے سب سے پہلے جارحیت کی حد متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام میں جہاد

دین اسلام کی دو حیثیت ہے، ایک عقیدہ یعنی اس کے بھیجے احکام و پیغام و تعلیمات کو ماننا اور اس کو اپنا مذہب اور عقیدہ بنالینا جو ایک شخصی معاملہ ہے اور اسلام اس سلسلے میں کسی پر زبردستی نہیں کرتا کہ وہ خواہ مخواہ اسے اپنا مذہب و عقیدہ بنالے۔ چنانچہ قرآن کا صاف اعلان ہے، لا اکراہ فی الدین کہ دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے اندرونی جذبے سے اسلام کو عقیدہ کے طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری حیثیت اسے برتنے کی ہے جس میں عبادت خداوندی کے علاوہ اجتماعی عدل کے ذریعہ دنیا میں امن برپا کرنے کا انتظام بھی شامل ہے، تاکہ دنیا سے وحشت و بربریت کو نابود کرکے ہر شخص کو ایک عادلانہ نظام

کے تحت لایا جائے خواہ عقیدہ کے طور پر وہ اسلام کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو۔ یعنی بندوں کی عبودیت سے نکال کر
اس خدائے واحد کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت لایا جائے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے، اور دنیا
کے کسی بھی دانشور سے زیادہ انسان کے شعور و جذبات اور جبلت و طبیعت اور ان کی ضروریات اور ان کے
حصول کے فطری اور منصفانہ طریقوں کو جانتا ہے اور جس کا علم سمندر کے قطروں اور ریت کے ذروں سے
لے کر موجودات کے ہر گوشے پر محیط ہے۔ اس لیے اسی کا بنایا ہوا نظام دنیا میں امن و عدل برپا کر سکتا ہے، اس
لیے اسے نافذ کرنا دنیائے انسانیت کو ظلم و جبر سے آزاد کرانا ہے۔ اور دنیا کے اندر انسان کے بنائے ہوئے
اصول پر عمل کرنا اور کرانا سب سے بڑی جارحیت ہے اگرچہ کسی پر محض ملک و مال کی ہوس میں حملہ کرنا بھی جارحیت
میں داخل ہے لیکن جارحیت کی مذکورہ صورت ہی وہ جارحیت ہے جس کے روکنے کے لیے اسلام طاقت سے کام
لینے کی اجازت دیتا ہے۔ اور یہ دنیا میں کوئی نئی چیز نہیں ہے کمیونزم اور جمہوریت کے علمبردار بھی اپنے نظام و
نظریات کو نافذ کرنے کے لیے طاقت کے علاوہ بدترین حرکتوں اور چالبازیوں سے کام لیتے ہیں۔ جس کی مثالیں
افغانستان سے افریقہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اور دنیا اس وقت دو طاقتوں کی وجہ سے انتشار و تباہی کا
شکار ہے اور اس کی وجہ محض یہی ہے کہ یہ دونوں طاقتیں اپنے افکار و نظریات کو غیر ممالک خصوصاً مسلم ممالک
میں نافذ کرنے اور اپنی خدائی تسلیم کرانے کے لیے کبھی دوستی کی آڑ میں اور کبھی کھلی دشمنی سے نئی نئی سازشوں
میں مصروف رہتی ہیں۔ لہٰذا جب تک زمین کے ایک چپہ پر بھی غیر اللہ کا قانون نافذ ہے اسلام کو اس جارحیت
سے نبرد آزما ہونا اور اسے نیست و نابود کرنا ہے۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ
الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ۔ اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہ جائے اور سارا دین خدا کا رہ جائے

اسلام کے آغاز میں جب مکہ و مدینہ اور ان کے آس پاس کے علاقے دین اسلام کے سائے میں آ گئے
تو خلفاء راشدین کے دور میں مجاہدین اسلام رفتہ رفتہ دور دراز علاقوں میں اس نظام خداوندی کو پھیلانے کے
لیے بڑھے اور جس قوم نے بھی اسلام کے نظام عدل کا ذائقہ چکھ لیا اس نے اسلام کو اپنے سینے سے لگا لیا اور
اسے اپنا عقیدہ و نصب العین بنا لیا اور ان کے بعد ان کی اولاد نے اس امانت کی حفاظت کی اور مسلم حکومتوں
کے زوال کے باوجود مخالفین اسلام کی زور زبردستی ان کے عقائد کو متزلزل نہ کر سکی۔

●●●

فتویٰ ۱

ایصال ثواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ :

(۱) زید کا کہنا ہے کہ ایصالِ ثواب کا عقیدہ وعمل احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی نے اپنی ماں کے انتقال کے بعد کنواں بنوا کر اس کنواں کا ثواب ان کو ایصال کیا۔

(۲) اور زید کا یہ بھی کہنا ہے کہ مردے کے لیے قربانی بھی احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ ترمذی نے حضرت علی رضی کا قول وعمل نقل کیا ہے۔ مگر بکر اس کو غلط بتاتا ہے وہ کہتا ہے کہ ایصالِ ثواب کا عقیدہ وعمل اگر صحیح ہے تو اس کے ثبوت میں کوئی آیت قرآن یا کوئی حدیث پیش کیجیے۔ یا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ۲۳ سال میں ایک ہی عمل لائیے کہ حضور نے اپنا ثواب کسی اپنی بیوی، لڑکی، لڑکے یا اپنے کسی رشتہ دار یا اپنی امت کے کسی فرد ہی کو دیا ہے۔ اگر حضور نے اپنا ثواب کسی بھی شخص کو دیا ہے تو کیا قرآن پڑھ کر ؟ کھانا دے کر ؟ یا نماز روزہ حج وزکوٰۃ، قربانی صدقات وخیرات کا ثواب دیا ہے۔ ؟

کیا حضرت ابوبکر رضی، حضرت عمر رضی، حضرت عثمان رضی، حضرت علی رضی اور تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب رسول میں سے کسی ایک صحابی نے اپنا ثواب اپنے گھر والوں یا باہر والوں کو دیا ہے۔ ؟ یا تابعین جن کی تعداد کروڑوں تھی، ان میں سے بھی کسی نے اپنا ثواب کسی کو بخشا ہے ؟ حالانکہ حضور کے صحابہ کرام کے تابعین کے بیوی بچے عزیز واقارب کروڑوں کی تعداد میں انتقال کر گئے، حضور نے، صحابہ نے، تابعین نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، ان کی قبروں پر دعاء مغفرت کے لیے گئے اور مغفرت کی دعائیں کیں، مگر انھوں نے نہ قرآن پڑھ کر نہ پڑھوا کر نہ کھانا کھلا کر اور نہ مدرسہ نہ کنواں نہ سرائے نہ فاتحہ کا ثواب کسی کو دیا۔

• ایصالِ ثواب، کے ثبوت میں حضرت سعد بن عبادہ رضی کا کنواں بنوانا پیش کرنا غلط ہے، کیوں کہ انھوں کی

نے نذر (منت) مانی تھی اور پوری کرنے سے پہلے انتقال کرگئی تھیں۔ (حوالہ دیکھیے موطا کتاب النذور) بخاری کتاب الوصایا، مسلم کتاب النذر، ترمذی باب النذور والایمان۔) جب سعد بن عبادہؓ نے اپنی ماں کی منت کے لیے حضورؐ سے فتویٰ پوچھا تو انھوں نے منت پوری کرنے کے لیے ان کو حکم دیا جس کا ایصالِ ثواب سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔
یہی حال مردوں کی قربانی کا بھی ہے کہ نہ حضورؐ نے مردوں کی قربانی کی ہے نہ صحابہؓ نہ تابعین نے۔
ترمذی میں حضرت علیؓ کی طرف منسوب قول وعمل اگر صحیح ہے تو یہ انھیں کے لیے صرف مخصوص تھا۔ کیوں کہ حضورؐ نے صرف حضرت علیؓ کو اس کی وصیت کی تھی کہ میری طرف سے قربانی کر دینا۔ اس مخصوص قربانی سے بھی ایصال ثواب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ قربانی نیابتاً تھی نہ کہ برائے ایصالِ ثواب۔

حضرت مفتی صاحب زید و بکر کی دلیلیں سننے کے بعد بہت سے لوگ تذبذب میں پڑ گئے کہ صحیح بات کیا ہے؟ آپ سے سوال ہے کہ کیا قرآن میں ایصالِ ثواب کی ترغیب دی گئی ہے؟ کیا حضورؐ نے یا صحابہ نے یا تابعین نے اپنا ثواب کسی اپنے گھر والے یا باہر والے کو دیا ہے یا مُردوں کی قربانی کی ہے؟ — ثبوت میں قرآن کی آیت اور حضورؐ کی سنت یا صحابہ کرام کی عملی زندگی پیش کیجیے گا کیونکہ بکر عقیدہ وعمل کے لیے قرآن وسنت اور صحابہ کرام کے اجماعی عمل کو حجت سمجھتا ہے۔ فقط

المستفتی — عبدالدیان، محلہ پورہ صوفی، مبارکپور، اعظم گڈھ، ۹ شوال ۱۴۰۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون اللہ الوہاب

ایصالِ ثواب کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ میت کے فائدے اور ثواب کے لیے کوئی نیک عمل کیا جائے، اس کا ثبوت صحیح احادیث سے موجود ہے اور اس کا انکار صحیح نہیں۔ لیکن ان احادیث کے ذکر سے پہلے ہم سوال کے بعض پہلوؤں پر نظر ثانی ڈال لینا مناسب سمجھتے ہیں۔
بکر کے خیالات الجھاؤ سے اور تضاد کا شکار ہیں، اس کی بات اور انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایصالِ ثواب کی کسی خاص شکل کے بجائے اصولی طور پر سرے سے ایصال ثواب ہی کا منکر ہے۔ درانحالیکہ اسے تسلیم ہے کہ مردوں کے لیے دعائے مغفرت کی جاتی تھی حضرت سعد بن عبادہؓ نے اپنی ماں کی نذر پوری کی تھی اور (بشرط ثبوت) حضرت علیؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔ غالباً وہ اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ عہد رسالت میں اگر میت مقروض ہوتا تو بعض صحابہ اس کا قرض اپنی طرف سے ادا کر دیتے تھے۔ حدیث صحیح میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزہ ہو تو اس کی جانب سے اس کا ولی روزہ رکھ دے۔ اگر بکر حدیث سے مسائل کے ثبوت کا قائل ہے تو یقیناً وہ اس حدیث صحیح کو بھی تسلیم کرے گا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ دعا ایک نیک عمل بلکہ خلاصۂ عبادت ہے۔ یہ نیک عمل زندہ آدمی کرتا ہے، لیکن اس کا فائدہ مرنے کو پہنچتا ہے۔ حضرت سعدؓ نے اپنی ماں کی نذر پوری کی، یہ حضرت سعد کا اپنا عمل تھا، لیکن اس ایفائے نذر کا ثواب یا فائدہ ان کی ماں کو پہنچا۔ قرض کی ادائیگی ایک زندہ آدمی کا عمل ہے جسے اس نے اپنے مال سے کیا ہے، لیکن اس کا فائدہ مرنے کو پہنچا، حضرت علی جو قربانی کرتے تھے وہ ان کا اپنا عمل تھا، اسے وہ اپنے مال سے کرتے تھے۔ (کیوں کہ انبیاء کا مال وراثت میں تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ صدقہ ہو جاتا ہے) لیکن اس عمل قربانی کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا تھا۔ میت کا ولی میت کی طرف سے جو روزہ رکھے گا اس کا فائدہ میت کو پہنچے گا۔ پس یہ ساری باتیں جس کو بکر تسلیم کرتا ہے، ان کے زیر عمل کرنے کا سبب اور نوعیت جو بھی ہو بہر حال یہ سب اصولی طور پر ایصال ثواب کے تحت آتے ہیں یعنی یہ سب ایسے نیک عمل ہیں جنھیں زندہ آدمی کرتا ہے اور اس کا فائدہ یا ثواب مرنے کو پہنچتا ہے۔

ہماری اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ بکر کے خیالات الجھے ہوئے ہیں اور وہ تضاد کا شکار ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ بکر کا یہ خیال صحیح نہیں کہ چوں کہ سعد بن عبادہ کا کنواں ماں کی نذر پوری کرنے کے لیے تھا، اس لیے ایصال ثواب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بکر کا یہ خیال اس لیے غلط ہے کہ ایک ہی کام بیک وقت ایفائے نذر اور ایصال ثواب دونوں کے لیے ہو سکتا ہے، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں، علاوہ ازیں بکر کا یہ دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے کہ سعد بن عبادہؓ کا کنواں ایفائے نذر کے لیے تھا، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایفائے نذر کے لیے نہیں بلکہ خالص ایصال ثواب کے لیے تھا۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

بکر نے حضرت علی کی قربانی کے سلسلے میں جو اظہار خیال کیا ہے وہ بھی سر سے پاؤں تک غلط ہے۔ یہ قربانی نیابتاً نہ تھی۔ نیابتہً تو اس وقت ہوتی جب مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا، اور حضرت علی آپ کے نام سے اسے قربان کر دیتے۔ جیسے جانور کسی آدمی کا ہو اور کوئی حافظ جی یا مولوی صاحب یا میاں جی اسے اس آدمی کے نام سے ذبح کر دیں۔ قربانی کے اس معاملے کو مخصوص قرار دینا بھی غلط ہے، کیوں کہ یہ خلاف اصل ہے۔ اصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

جو کچھ کہنے یا کرنے کے وہ پوری امت کے لیے مشروع ہوتا تھا۔ آپ کی رسالت کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ تمام لوگوں کو اللہ کے احکام و مرضیات سے آگاہ کر دیں۔ اس لیے جب تک آپ کے کسی عمل کے مخصوص ہونے کی دلیل نہ پیش کی جائے تخصیص کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

اگر بکر نے لفظ وصیت سے تخصیص سمجھی ہے تو یہ محض وہم ہے۔ اس طرح کے اعمالِ صالحہ کے حکم کو وصیت کے لفظ سے تعبیر کرنے کا معنیٰ صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا تاکیدی حکم ہے۔ یہ نہیں کہ یہ کام اس شخص کے لیے مخصوص ہے جسے وصیت کی گئی ہے۔ اس کی بہت ساری مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ اگر بکر صاحب کو انکار ہو تو اس کے حوالے بھی بتا دیے جائیں گے۔

بکر کو شاید یہ شبہ بھی ہے کہ اس کا حکم حضرت علی کو دیا گیا اس لیے یہ ان کے ساتھ مخصوص ہونا چاہیے۔ مگر یہ بھی لغو شبہ ہے۔ حضرت علی کو حکم دینے کا سبب یہ تھا کہ آپ جانتے تھے کہ مالی بوجھ صرف اپنے خاندان کے افراد پر ڈالیں۔ آپ اس کی بہت سی مثالیں دیکھ سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم کسی ایک آدمی کو دیا، لیکن وہ کام قطعاً اس کے لیے مخصوص نہیں سمجھا اور مانا گیا۔ ان توضیحات کے بعد اب ہم اصل موضوع یعنی ایصالِ ثواب کے ثبوت میں چند احادیث پیش کر رہے ہیں۔

(۱) عن ابی هریرة ان رجلا قال للنبی صلی الله علیه وسلم ان ابی مات وترک مالا ولم یوص فهل یکفر عنه ان تصدق عنه، قال نعم (مسلم ج۲ ص۴۱)

یعنی ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرے والد انتقال کر گئے ہیں اور مال چھوڑا ہے لیکن وصیت نہیں کی ہے۔ کیا ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو یہ ان کی گنا ہوں کی بخشش کا ذریعہ بنے گا؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔

یہ ملحوظ رہے کہ میت نے کوئی وصیت نہ کی تھی، صاحبزادے نے محض اپنے طور پر صدقہ کیا تھا، نیز میت نے جو مال چھوڑا تھا وفات کے بعد اس کا نہ رہا۔ اس کے ورثہ کا ہو گیا، اس لیے صاحبزادے نے جو صدقہ کیا اب وہ اس کے اپنے مال سے تھا۔

(۲) عن عائشة ان رجلا قال للنبی صلی الله علیه وسلم ان امی افتلتت نفسها و انی لاظنها لو تکلمت تصدقت فهل لها اجر ان تصدقت عنها قال نعم۔

(بخاری ج۱ ص۳۸۶ وفی آخره تصدق عنها۔ مسلم ج۲ ص۴۱ واللفظ له)

(۳) عن ابن عباس ان رجلا قال لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان امی توفیت اینفعہا ان تصدقت عنہا قال نعم۔ قال فان لی مخرفا فانا اشہدک انی قد تصدقت بہ عنہا۔

نمبر۲ کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری والدہ اچانک انتقال کر گئیں میرا خیال ہے کہ اگر وہ بولتیں تو صدقہ کرتیں، تو کیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو انھیں اجر ملے گا۔؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ تم ان کی طرف سے صدقہ کرو۔

نمبر۳ کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری والدہ انتقال کر گئیں، کیا میں ان کی جانب سے صدقہ کروں تو انھیں اس کا فائدہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ انھوں نے کہا کہ میرا ایک باغ ہے، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

ان دونوں حدیثوں کے واقعے کی نوعیت ایک لگ رہی ہے، اس لیے ہم نے دونوں کو یکجا کر دیا ہے۔ البتہ حدیث نمبر۱ کا واقعہ ان دونوں سے مختلف ہے۔ کیوں کہ اس میں والد کی وفات کا تذکرہ ہے اور ان دونوں میں والدہ کی وفات کا۔

(۴) عن عائشۃ ان امرأۃ قالت یا رسول اللّٰہ ان امی افتلتت نفسہا ولولا ذلک لتصدقت واعطت افیجزی ان اتصدق عنہا فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نعم فتصدقی عنہا۔ (ابوداؤد ج۲ ص ۳۹۸)

یعنی ایک عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ کی روح اچانک پرواز کر گئی، اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً وہ صدقہ کرتی اور عطیہ دیتی۔ کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کارآمد ہوگا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ تم ان کی طرف سے صدقہ کر دو۔

اس روایت کا مضمون وہی ہے جو حدیث نمبر۱ کا ہے لیکن وہاں سائل مرد ہے اور یہاں عورت۔

(۵) عن الحسن عن سعد بن عبادہ ان امہ ماتت فقال یا رسول اللّٰہ ان امی ماتت افاتصدق عنہا؟ قال نعم، قال فای الصدقۃ افضل قال سقی الماء، قال الحسن فتلک سقایۃ آل سعد بالمدینۃ۔ (مسند احمد ج۵ ص ۲۸۵ و ج۶ ص ۷، نسائی ج۲ ص ۱۳۲)

یعنی سعد بن عبادہ کی ماں کا انتقال ہو گیا، انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول! میری ماں انتقال کر گئیں۔

کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ انھوں نے کہا تو کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پانی پلانا۔ (یعنی پینے کے پانی کا انتظام کردینا)، حسن کہتے ہیں کہ مدینے میں آلِ سعد کا کنواں یہی ہے۔

(۶) حضرت سعد بن عبادہ کے صاحبزادے سعید کی روایت: قال خرج سعد بن عبادة مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض مغازیہ وحضرت امہ الوفاة بالمدینہ فقیل لھا اوصی فقالت فیم اوصی، لمال مال سعد، فتوفیت قبل ان یقدم سعد فلما قدم سعد ذکر ذلک لہ فقال یا رسول اللہ ھل ینفعھا ان تصدق عنھا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعم فقال سعد حائط کذا وکذا صدقة عنھا لحائط سماہ۔ (نسائی ج۲ ص۱۳۲ وروی البخاری عن ابن عباس بمعناہ ج۱ ص۳۸۶ وج۱ ص۳۸۷)

یعنی حضرت سعد بن عبادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بعض غزوات میں تشریف لے گئے اور مدینہ میں ان کی والدہ کی وفات کا وقت آگیا، ان سے کہا گیا کہ آپ کچھ وصیت کردیں، انھوں نے کہا کہ میں کاہے کی وصیت کردوں، مال تو سعد کا مال ہے، بہر حال وہ حضرت سعد کی آمد سے پہلے انتقال کرگئیں، جب حضرت سعد آئے تو ان سے اس کا ذکر کیا انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول، کیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں تو اس کا فائدہ ان کو پہنچے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، حضرت سعد نے ایک باغ کا نام لے کر کہا کہ فلاں باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔

نوٹ:-

(۱) اس حدیث کا مضمون حدیث ۱-۳ کے مضمون سے ملتا جلتا ہے، ممکن ہے اسی واقعے کو حضرت ابن عباس نے غائب کے صیغے سے مختصر لفظوں میں بیان کردیا ہو۔ البتہ حدیث ۱-۲ کے مضمون سے ایک واضح فرق ہے کیوں کہ وہاں جن کے انتقال کا ذکر ہے ان کا انتقال اچانک ہوا تھا وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی تھیں اس لیے صدقہ نہ کرسکیں۔ لیکن یہاں دوسرا ہی سبب ہے۔

(۲) احادیث میں صدقات کا لفظ خیرات اور رفاہِ عام دونوں طرح کے کارِ خیر پر بولا گیا ہے۔ ان احادیث میں بھی صدقے کا لفظ عام ہے اور کم از کم حضرت سعد کا کنواں تو بہر حال رفاہِ عام ہی کے لیے تھا۔ پھر حضرت سعد کا یہ سوال کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ کوئی سا بھی صدقہ کردیا جائے میت کو اس کا ثواب ملے گا۔ کیوں کہ اگر صدقہ درست نہ ہوتا تو اس میں سے افضل کی تعیین کا سوال ہی بیکار تھا۔ تب تو یہ سوال کیا جاتا کہ کون سا صدقہ

درست ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت کے ایصال ثواب کے لیے خیرات یا رفاہ عام کا جو کام بھی کیا جائے اگر وہ عام اصولِ شریعت کی رو سے درست ہے تو ایصال ثواب کے لیے بھی درست ہے، پس ایصالِ ثواب کے لیے کھانا کھلانا، کنواں کھدوانا، سرائے بنوانا، یا مدرسہ چلانا یہ سارے کام درست ہیں۔

(۳) اوپر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے کنواں اور باغ صدقہ کرنے کے جو دو واقعے مذکور ہیں ان کا تعلق حضرت سعد کی ماں کی نذر سے قطعاً نہیں ہے۔ ان کی ماں کی نذر کا معاملہ ان دونوں واقعے سے جداگانہ ایک تیسرا معاملہ ہے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ سعد بن عبادہ سے مروی کرتے ہیں انہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان امی ماتت وعلیہا نذر افتجزئ عنہا ان اعتق عنہا قال اعتق عن امك۔ (مسند احمد ج ۶ ص ، نسائی ج ۲ ص ۱۳۳)

یعنی حضرت سعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ میری ماں انتقال کر گئیں اور ان پر نذر تھی تو اگر میں ان کی طرف سے (غلام یا لونڈی) آزاد کردوں تو کیا یہ ان کی طرف سے کام دے دیگا؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کی طرف سے آزاد کردو۔

(۴) بکر صاحب نے حضرت سعد کا کنواں ماں کی نذر کے لیے ہونے کے ثبوت میں موطا، بخاری، مسلم اور ترمذی کا جو حوالہ دیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ ان محولہ کتابوں میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حضرت سعد کی ماں نے ایک نذر مانی تھی، حضرت سعد نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے انھیں ماں کی طرف سے نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔ لیکن یہ نذر کیا تھی، اور حضرت سعد نے اسے کس طرح پوری کیا؟ ان کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر بکر صاحب کی جرأت قابلِ داد ہے کہ جوشِ انکار میں آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک ایسی بات کے لیے چار چار کتابوں کا حوالہ دیدیا جس کا دور دور تک ان کتابوں میں کہیں پتہ نہیں۔ (یعنی یہ کہ سعد کے کنواں کا تعلق ماں کی نذر سے تھا۔)

(۵) اوپر ایصال ثواب سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور صحابہ کرام کا عمل پیش کیا گیا امت کا نقطہ نظر امام نووی کے اس ارشاد سے ظاہر ہے جو حدیث ۱۲ و ۱۳ کے تحت الخول نے قلمبند فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں "وفی ھذا الحدیث جواز الصدقۃ عن المیت واستحبابھا وان ثوابھا یصلہ وینفعہ وینفع المتصدق ایضاً" (صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۲ ص ۱۴۱)

یعنی اس حدیث سے یہ مسئلہ ماخوذ ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا درست اور مستحب ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اسے فائدہ پہنچاتا ہے اور صدقہ کرنے والے کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔" اس کے بعد لکھتے ہیں۔ وھذا کلہ اجمع علیہ المسلمون ۔ (ایضاً) یعنی اس ساری بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے

واضح رہے کہ علمائے محققین اجماع کا لفظ بولتے ہیں تو اصلاً اور اولاً وہ صحابہ و تابعین کا اجماع مراد لیتے ہیں، کیوں کہ بعد کے دور کے سارے مجتہدین ہی کا پتہ لگانا مشکل ہے، چہ جائیکہ ان کے نقطۂ نظر کا پتہ لگایا جائے اور صحابہ کا اجماع بلکہ امت کا اجماع بھی حجت شرعیہ ہے، اس کے بعد اس سوال کی کوئی آبرو نہیں رہ جاتی کہ کیا ایصالِ ثواب پر صحابہ و تابعین نے عمل کیا ہے؟ عمل کرنے کے چند ثبوت تو آپ نے ملاحظہ فرما ہی لیے، لیکن اس طرح کے مسائل میں افراد کے عمل کا سوال فضول ہوتا ہے۔ زکوۃ اسلام کا محکم فریضہ ہے۔ آپ فرداً فرداً کتنے صحابہ و تابعین کی ادائیگی زکوٰۃ کا ثبوت فراہم کریں گے۔ ایسے سائل کے لیے اتنی سی مجمل بات کافی ہے کہ اس کا ثبوت کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا اجماعِ صحابہ سے ہے جو اس بات کا یقین کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس پر مسلمانوں کا عمل جاری تھا۔

(۶) ایصالِ ثواب کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ اس لیے اس کا جس حد تک ثبوت ہوگا اسی حد تک زیرِ عمل لایا جاسکتا ہے۔ قیاس و اجتہاد سے کوئی بات اس میں شامل نہیں کی جاسکتی۔ یعنی مثلاً ایصال ثواب کے لیے میت کی طرف سے صدقہ کرے۔ میت کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ میت پر نذر ہو، حج ہو، روزہ ہو، قرض ہو تو اسے ادا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا یہ سب کام بلا شبہ میت کی طرف سے کیے جاسکتے ہیں اور اس کا نفع اور ثواب میت کو پہنچے گا، لیکن قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کے ذریعہ ایصالِ ثواب کے ثبوت میں میری نظر سے کوئی قابلِ اعتبار حدیث نہیں گزری، اس لیے ان کی مشروعیت تسلیم کرنے میں مجھے تأمل ہے۔

(۷) ایصالِ ثواب سے متعلق جو احادیث نقل کی گئی ہیں، ان سے اس عمل کا صاف اور سادہ سا طریقہ یہ نکلتا ہے کہ صدقہ و خیرات کرتے ہوئے یہ نیت کرلی جائے کہ فلاں کی طرف سے ہے بس اتنا کافی ہے۔ اس کے لیے یہ ناپ تول لغو ہے کہ پہلے خود ایک نیک کام کرو، پھر یہ سمجھ کر کہ اب اس کے ثواب کا میں حقدار ہو چکا، اس ثواب کو مردے کے لیے بخشو۔ حدیث میں ثواب حاصل کرکے اسے بخشنے کے بجائے براہِ راست مردے کی طرف سے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پھر اس صدقہ و خیرات کے لیے کوئی وقت اور کوئی کیفیت مشروع نہیں کی گئی ہے۔ بس جس وقت جیسے اتفاق پڑ جائے دے دے۔ اب اگر اس کے لیے کسی وقتِ مخصوص کو مشروع کیا جائے، مثلاً تیسرے یا چالیسویں دن صدقہ ہونا چاہیے

(باقی ص ۶ پر)

قتلِ سرمد

ابوعلی

ابتدا میں مولانا ابوالکلام کے جن مضامین نے شہرت حاصل کی اور بڑے بڑے ارباب کمال کو ان کی طرف متوجہ کر دیا۔ اُن میں ایک مضمون سرمد پر بھی ہے۔ اس میں انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کا قتل خلاف شریعت وضع اختیار کرنے اور کلماتِ کفر کے زبان سے ادا کرنے پر نہیں، جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے، بلکہ پولیٹکل مصالح کے تحت ہوا ہے۔ اس طرح سے مولانا نے اورنگ زیب عالمگیر کے جرائم میں ایک اور جرم کا اضافہ کر دیا جس کی مدافعت میں آج تک ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا ہے۔ مولانا کی تحقیق کس حد تک صحیح ہے اس کا فیصلہ تو عالمگیر کے معاصر مورخین ہی کر سکتے ہیں۔ مولانا شبلی نے عالمگیر پر مضامین کا ایک طویل سلسلہ الندوہ میں لکھا تھا۔ جو بعد میں انھیں کے اہتمام میں "اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر" کے نام سے کتابی صورت میں بھی شائع ہو گیا تھا۔ یہ اتنا زیادہ مقبول ہوا اور اہل علم و تحقیق کے حلقہ میں اتنا وقیع اور مستند سمجھا گیا کہ ایک صاحب نے اس کا انگریزی میں ترجمہ اور اس میں کچھ اور اضافہ کر کے تاریخ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لندن یونیورسٹی سے لے لی۔ اس میں مولانا شبلی نے مستند تاریخی حوالوں سے اورنگ زیب پر عائد کردہ سارے الزامات کی ایک ایک کر کے تردید کی۔ ہم نے اس کتاب کا ایک ایک حرف پڑھ ڈالا۔ لیکن ہم کو اس میں کہیں سرمد کا ذکر نظر نہیں آیا۔ اگر اس کے فرد قرار دادِ جرم میں یہ جرم بھی ہوتا تو یقیناً مولانا اس سے بھی تعرض کرتے۔ اور اس پر دل کھول کر اظہار خیال فرماتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اپنی سنگینی اور اہمیت کے لحاظ سے مولانا ابوالکلام کے نزدیک جہاں بھی رہا ہو۔ لیکن امر واقعہ اس کو کچھ زیادہ اہم نہیں سمجھا گیا۔ اور نہ اورنگ زیب کے دشمنوں نے اس کے جرائم میں شمار کیا۔

مولانا شبلی کی نظر سے ابوالکلام کا یہ مضمون گزرا تو اصل واقعہ کی تردید و تائید میں تو ایک حرف نہیں کہا۔ لیکن مضمون کے متعلق ارشاد ہوا کہ ابوالکلام نے اس کو پھیلا بہت دیا ہے۔ اگر میں لکھتا تو دو صفحہ سے زیادہ

نہ لکھتا۔ اصل مواد تو دو صفحوں میں آگیا ہے، باقی ابوالکلام کی ادبیت ہے۔

مولانا سنجیدہ تاریخی مضامین میں اطناب کو پسند نہیں کرتے تھے اور مولانا ابوالکلام اس کے خوگر تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ایجاز کا بادشاہ ہوں اور مولانا ابوالکلام اطناب کے۔ یہ روایت تو ثقہ راویوں کی ہے خود ان دونوں بزرگوں میں اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال ہوا یا نہیں اس کا پتہ نہیں چل سکا، مولانا ابوالکلام نے یہ مضمون ۱۹۱۰ء میں نظام المشائخ دہلی کی فرمائش پر سرمد کی یادگار میں اس کے شہید نمبر کے لیے لکھا تھا، جس کی مولانا شبلی کو خبر نہیں تھی۔ حیرت ہے کہ خود مولانا ابوالکلام نے جو انھی کے ساتھ دہلی میں ایک ہی کوٹھی میں برابر کے ایک کمرے میں ٹھہرے تھے اور ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس کی شرکت کے لیے آئے تھے، مولانا شبلی سے اپنی اس تخلیق کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ اس کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں اطناب بہت تھا جس کو مولانا شبلی پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسرے اورنگ زیب پر ایک پُر زور اور مدلل مضمون لکھ کر اورنگ زیب کو تمام الزامات سے بری کر دیا تھا۔ اور ان میں ان سب سے الگ ایک نیا الزام اُس پر عائد کر دیا گیا تھا۔ اس لیے مولانا سے براہِ راست اس کا ذکر کرنا نامناسب سمجھا۔

سرمد کی شخصیت، شاعری، فضل و کمال اور اس کے واقعہ قتل کے متعلق خود مولانا شبلی کی کیا رائے تھی، اس کا پتہ ان کی کسی تحریر سے نہیں چلتا۔ اس کی رباعیات ان کو اس کی طرف متوجہ کر سکتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا علم و فضل تو الگ رہا۔ خیام اور سحابی استرابادی کی رباعیات کے مقابلہ میں اُس کی رباعیوں تک کی اُنکی نگاہ میں چنداں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ورنہ فارسی شاعری کی تاریخ کے سلسلہ میں شعر العجم میں یا کسی اور مضمون میں اس کا ذکر وہ ضرور کرتے۔ مگر انھوں نے سرے سے قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ مولانا ابوالکلام غالباً پہلے آدمی ہیں جنھوں نے فارسی کے تذکروں کو کھنگالا، اور جو کچھ مواد ان کے ہاتھ آیا ایک مضمون لکھ کر سرمد کو اردو داں طبقے سے روشناس کرایا۔

اس مضمون کے لکھتے وقت خاص طور سے دو کتابیں اُن کے پیش نظر تھیں۔ ایک تو مرأۃ الخیال، جس کا مصنف شیر خاں لودھی ہے، جس نے بغیر کسی واسطے کے عالمگیری عہد کے واقعات لکھے ہیں۔ دوسری تذکرہ ریاض الشعراء، جس کا مصنف علی قلی خاں داغستانی ہے جو عہد محمد شاہ کے امرا میں سے تھا۔ اُس نے نہایت تفحص و احتیاط کے ساتھ فارسی شعرا کا یہ تذکرہ مرتب کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مصنف کے قلم سے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ

میں اس وقت موجود تھا ۔ مولانا نے زیادہ تر حالات اسی سے لیے ہیں ۔ یہ تذکرہ اگرچہ عہد محمد شاہ میں لکھا گیا ہے لیکن پھر بھی بیچ میں صرف ایک واسطہ ہونے کی وجہ سے سرمد کے حالات کے لیے اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ۔ ان کے علاوہ اور تذکروں نے سرمد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ، وہ سب اس وقت مولانا کے حافظہ میں محفوظ تھا ۔ مولانا نے اس سلسلہ میں اپنے اس ذہنی خزانہ سے بھی کام لیا ۔ اس کتب خانہ میں عہد عالمگیر ثانی کے کسی خوش مذاق شاعر سراج الدین سراج کی جمع کی ہوئی ایک قلمی بیاض بھی مولانا کی نظر سے گذر رہی تھی ، مولانا نے اس سے بھی اک آدھ باتیں لی ہیں ۔ غرض گلدستہ تو بن گیا لیکن مولانا کو حسرت ہی رہ گئی کہ اس کو جیسا بننا چاہیے تھا ویسا نہ بن سکا ۔ مولانا نے لکھا ہے ۔ انھی چند پتیوں اور پنکھڑیوں کو میں نے اپنے دامن میں لے لیا ۔ کہ

مشہد سرمد میں جاؤں تو خالی ہاتھ کیا جاؤں ،

اس مضمون کی پہلی سرخی "سرمد کی قومیت اور مذہب" ہے ، جس کے لیے انھوں نے مذکورہ بالا دونوں کتابوں پر اعتماد کیا ۔ دوسری خاندانی نام ہے ، تیسری "تحصیل علم" ، چوتھی "ابتدائی پیشہ" ، اسی پیشہ کے سلسلہ میں سرمد ہندوستان آیا ۔ اور یہاں کی خاک ایسی دامن گیر ہوئی کہ یہیں رہ پڑا اور یہیں پیوند خاک ہوگیا ، پانچویں بیاباں نوردی اور بادیہ پیمائی ہے ۔ جو عشق کی شورش انگیزیوں کا نتیجہ تھی ۔ وہ ایک تاجر کی حیثیت سے ہندوستان آیا اور سندھ کے شہر ٹھٹھہ میں داخل ہوا تو ایک ہندو زرگر کے حسین و خوبصورت لڑکے کی چشم کافر کی افسوں طرازیوں نے اس کی دنیا بدل دی اور وہ رہ نوردی اور بادیہ پیمائی پر آمادہ ہوگیا ۔ چھٹی سرمد کی شہادت ہے ۔ جس کو مولانا نے سب سے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے اور یہی مضمون کا حاصل بھی ہے اور اسی پر یہ مضمون ختم ہوگیا ہے مضمون تو بظاہر تاریخی ہے ، لیکن بحث کا انداز مولانا شبلی کی طرح مورخانہ نہیں ، محمد حسین آزاد کی طرح انشا پردازانہ اور ادیبانہ ہے ۔ واقعات کا تفحص کم ہے اور انشا پردازی زیادہ ہے ۔ یا یہ کہیے کہ حقائق کم اور فسانویت زیادہ ہے ۔ اسلیے وہ مولانا شبلی کو کچھ زیادہ اپیل نہ کر سکا ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ عربی ہی نہیں عبرانی بھی جانتا تھا ۔ توریت اور دوسرے آسمانی صحائف کا مطالعہ ان کی اصل زبان میں کیا تھا ، بلکہ توریت اور یہودی مذہب کا بڑا زبردست عالم تھا ۔ اس کے ساتھ وہ شاعر بھی تھا ، اور یہ حیثیت اس پر اتنی غالب ہوئی کہ آج دنیا اس کو ایک باکمال رباعی گو شاعر کی حیثیت سے جانتی اور پہچانتی ہے ۔ فارسی زبان میں جو دو چار رباعی گو شاعر گزرے ہیں ان میں اس کا بھی شمار ہے ۔ مولا

نے اس مضمون میں جا بجا اس کی رباعیات کا ذکر تو کیا ہے ، اور کہیں کہیں اُن سے استدلال بھی کیا ہے ، لیکن اس کی شاعری اور خصوصاً اس کی رباعی گوئی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے حالانکہ اسی کو انھیں پھیلا کر لکھنا چاہیے تھا۔

شروع شروع میں جب سرمد ہندوستان آیا تو ایک عالم کی حیثیت سے اس کی شہرت ہوئی اور اسی حیثیت سے وہ دارا شکوہ سے دہلی میں ملا ۔ دارا شکوہ کو سارے مذاہب کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا ۔ یہودی مذہب کا ابتک مطالعہ نہیں کیا تھا ۔ اس کا یہ شوق سرمد سے پورا ہوا ۔ وہ سرمد کے فضل و کمال سے اتنا متاثر ہوا کہ وہ اُس کے دربار کا مقرب ترین آدمی بن گیا ۔ شدہ شدہ اس کی خبر اورنگ زیب تک پہونچی ۔ جب اورنگ زیب اور دارا میں تخت سلطنت کے لیے جنگ ہوئی تو وہ کھلم کھلا دارا کا طرفدار ہی نہیں تھا بلکہ اس کو اپنی دوربینی سے مژدہ سلطنت بھی دیا تھا ۔ جس سے اورنگ زیب کو جیسا کہ مولانا ابوالکلام نے لکھا ہے دارا کے ساتھ سرمد سے بھی چڑ ہو گئی تھی ۔ جب دارا کو اس برادرانہ جنگ میں شکست ہو گئی اور وہ قید ہو گیا ، اور پھر تختہ دار پر چڑھا دیا گیا ۔ تو سرمد پر بھی زوال آ گیا اور علماء سے فتویٰ لے کر اس کے کلمات کفر کی بنا پر اس کو بھی پھانسی دیدی گئی ۔ جس کا بہر حال وہ مستوجب تھا ۔ سرمد کو فقر و درویشی کا بھی ادعا تھا ، سیکڑوں اور ہزاروں خود دلّی میں اس کے عقیدت مند تھے ۔ ان کلمات کفر کے اظہار کا سلسلہ جاری رہتا تو معلوم نہیں اور کتنے غلبۂ حال کا عذر پیش کر کے اس طرح کے کلمات کا اظہار شروع کر دیتے ۔ جس کو اورنگ زیب جیسا متشرع اور حد درجہ غیور بادشاہ ایک لمحہ کے لیے برداشت نہیں کر سکتا تھا ۔ اور اس نے وہی کیا جس کی شریعت نے ان حالات میں اجازت دی ہے اور جس کو جرم قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ مولانا ابوالکلام سے پہلے اس واقعۂ قتل پر کسی نے اورنگ زیب کو مجرم قرار دیا ۔

ولیعہد سلطنت دارا کی جانب سرمد کے جھکاؤ اور اس کی عریانیت کی بنا پر عالمگیر کو اُس کے قتل پر بہت زیادہ برانگیختہ کیا گیا کہ قتل کے لیے یہ دو سبب کافی ہیں ، مگر عالمگیر محض ان اسباب کی بنا پر اُس کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا کہ اس سے شہر میں سخت ہنگامہ اور شورش پیدا ہو جائے گی ، جس پر حکومت کو قابو پانا مشکل ہو جائے گا ۔ اس نے کہا کہ جب تک کوئی مذہبی سبب نہ بتایا جائے ، میں اس کے خلاف اتنا بڑا اقدام اٹھانے کے لیے تیار نہیں ۔ مذہبی سبب کی بنا پر تمام علماء جمع ہو کر اُس کے قتل کا فتویٰ صادر کریں تو اس کی بلا شبہ تعمیل کی جائے گی ۔ چنانچہ عالمگیر کی طلب پر دربار میں تمام علماء جمع ہوئے ۔ سرمد بھی طلب کیے گئے ۔ سرمد کے متعلق جہاں اور بہت سی باتیں مشہور تھیں ، یہ بھی مشہور تھا کہ اس کے عقائد صحیح نہیں ہیں ، وہ کلمہ کا صرف ایک ہی جزو پڑھتے ہیں پورا کلمہ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے

کہ ایمان کا دارومدار تمام تر پورا کلمہ پڑھنے ہی پر ہے، چنانچہ اس بھرے دربار میں کلمہ پڑھنے کے لیے کہا گیا تو انھوں نے حسب معمول صرف لاالہ پڑھا، پورا کلمہ نہیں پڑھا۔ علماء نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ تو جائز نہیں ہے۔ سرمد نے جواب دیا کہ میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں، اثبات تک نہیں پہنچا ہوں۔ علماء نے ستر پوشی اور پورا کلمہ پڑھنے کے لیے اصرار کیا تو انھوں نے پھر وہی ادھورا کلمہ لاالہ پڑھا۔ پورا کلمہ نہیں پڑھا۔ علماء نے کہا، ایسا کہنا تو کفر ہے اگر کہنے والا توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔ اور علماء نے متفقہ طور پر ان کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اگر وہ علماء کے بار بار اصرار پر پورا کلمہ پڑھ دیتے تو کیا عجب تھا کہ وہ قتل سے بچ جاتے۔ مگر وہ اپنے اس عقیدہ پر آخر تک اٹل رہے۔ شاہ اسداللہ علیہ الرحمہ ایک صاحب دل بزرگ تھے اور سرمد کے پرانے رفیق اور ہمدرد تھے وہ قتل کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اُن کے پاس گئے اور کہا آپ کپڑا پہن لیجیے کہ عریانی شرعاً جائز نہیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ تمام و کمال پڑھ لیجیے۔ کہ آپ کی جاں بخشی ہو جائے۔ مگر انھوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور ان پر ایک نظر ڈالی اور یہ شعر پڑھا

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد

من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

یہ پتہ نہیں کہ سرمد کے قتل کے بعد اس کے ٹھٹھ کے ہندو زادہ معشوق ابھے چند کا کیا حشر ہوا جو اس کا بہت لائق شاگرد، اُسی کی طرح یہودی مذہب کا عالم اور واقف کار اور اس کے عقائد و خیالات، نظریات و افکار سے سو فی صدی ہم آہنگ تھا۔ اور سندھ کے شہر ٹھٹھ سے لے کر حیدرآباد اور پھر دہلی تک اس کا ہم سفر اور ہمہ وقت کا رفیق و دمساز تھا۔ صاحب دبستان المذاہب نے توریت کے ابتدائی چھ باب کا فارسی کا جو ترجمہ اپنی کتاب میں شامل کیا ہے وہ اسی کا کیا ہوا ہے۔ دبستان المذاہب کا مصنف حیدرآباد میں سرمد سے ملا تھا اور یہودی مذہب سے متعلق اس کی ساری معلومات اسی سے براہ راست استفادہ کا نتیجہ ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ سرمد کے گناہ کی برأت کے لیے دو تین سو برس کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد پیدا ہو گئے اسی طرح خدائی کا دعویٰ کرنے اور انا الحق کہنے والے منصور کی گناہ کی برأت کے لیے اسی ہندوستان میں مولانا اشرف علی تھانوی جیسے بزرگ پیدا ہوئے اور اس کی برأت کے لیے اپنے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانی سے القول المنصور فی دین المنصور کے نام سے پوری ایک کتاب لکھوائی جس میں انھوں نے اس کے تمام جرائم کا دفع کیا ہے اور اس کو وقت کا بہت بڑا صوفی، اہل دل اور صاحب کشف و کرامات ثابت کیا ہے۔ مگر منصور کے ہم عہد مورخین کی رائے اس سے بہت مختلف ہے۔

•••

بزمِ طلبہ

ماہ ذی الحجہ اور قربانی

محمد امین (متعلم عالمیت سوم جامعہ سلفیہ)

ذی الحجہ عربی کے ان مہینوں میں سے ایک ہے جن کو اشہر حرم (حرام کے مہینے) کہا جاتا ہے۔ حرام کے مہینے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب ہیں۔ ان مہینوں کی حرمت ظہور اسلام سے صدہا برس قبل بھی عرب کے مسلمہ عقائد میں داخل تھی، دور جاہلیت میں ان کی حرمت دلوں کے اندر اس قدر راسخ تھی کہ اس کو پامال کرنا نہایت سنگین مذہبی و اخلاقی جرم سمجھا جاتا تھا۔ ظہور اسلام سے قبل اگر عربوں کے حالات زندگی پر ایک ہلکی سی نظر ڈال لی جائے تو یہ حقیقت بالکل آشکارا ہوجاتی ہے کہ اقتصادی بدحالی کی وجہ سے لوٹ کھسوٹ، کشت و خون ریزی، قتل و غارت گری اور رہزنی ان کی زندگی کا جزء لاینفک بنی ہوئی تھی۔ غرضیکہ باطل طریقے سے لوگوں کے مال کو کھانا، ان کی طبیعت میں پوری طرح نفوذ کر گیا تھا۔ علاوہ ازیں انتقام اور بدلے کا جذبہ ان کے مزاج میں اس طرح پیوست تھا کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو قتل کردیتا تو قبیلے کا قبیلہ جذبۂ انتقام سے مشتعل ہوجاتا، جس کے سبب سالہا سال تک کے لیے لڑائیوں کا دروازہ کھل جاتا۔ ایک کے عوض ہزاروں کی جانیں جاتیں، یہ لوگ اسے اپنی عزت نفس کا لازمہ سمجھتے تھے۔ لیکن ان ناپسندیدہ عادات کے باوجود جب حرام کے مہینے ان پر سایہ فگن ہوتے تو یکایک ان کی زندگیوں میں ایک عجیب انقلاب رونما ہوجاتا رہزنی اور قتل و غارت گری سے بالکل باز آجاتے۔ دشمن قبیلہ اگر ان مہینوں میں حج عمرہ یا دوسری ضروریات زندگی کے لیے آتا تو اسے مطلقاً نہ چھیڑتے۔ حتی کہ آدمی اگر اپنے باپ کے قاتل کو بھی پاجاتا تو اُف تک نہ کہتا۔ اسی حرمت کا پاس و لحاظ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ سنہ ۶ھ میں جب اپنے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے تو قریش علانیہ طور پر نبرد آزما نہ ہوسکے۔ کیوں کہ حرام مہینوں میں ہر کسی کے لیے حج و عمرہ کی عام اجازت تھی البتہ ان کی اسلام دشمنی کسی اور رنگ میں ظہور پذیر ہوئی۔ ابن حضرمی کے قتل پر ان کا جو سب سے بڑا اعتراض ہوا وہ

یہ کہ مدعیان ملت ابراہیم کو دیکھیے یہ تو ہم سے بھی گئے گزرے نکلے کہ انھوں نے حرام مہینے کی مسلمہ حرمت کو پامال کردیا اور ماہِ حرام میں بھی قتل و خونریزی سے باز نہ آئے۔ ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ سمجھنا کچھ دشوار نہیں کہ عربوں کے نزدیک ان مہینوں کی حرمت مسلم تھی۔ اس حرمت کے لحاظ کا ہی یہ اثر تھا کہ جب وہ اپنی جبلت ثانیہ کی بنا پر لڑائی کے لیے بیقرار ہوجاتے تو مہینوں کی ترتیب الٹ پلٹ کر صفر کو پہلے اور محرم کو بعد میں کردیتے تھے تاکہ وہ لڑائی بھی کریں اور حرام مہینے کی حرمت بھی پامال نہ ہو۔ مہینوں کی ترتیب کے اسی الٹ پھیر کو اہل جاہلیت کی اصطلاح میں نسی کہا جاتا تھا جسے قرآن نے گمراہی اور کفر میں اضافہ قرار دیا ہے۔

کفار مشرکین کے نزدیک ماہ ذی الحجہ کی قدر و قیمت

جیسا کہ بیان کیا گیا، ذی الحجہ بھی حرام مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے اس لیے مشرکین کے نزدیک اس کی وہ قدر و قیمت تو تھی ہی جس کا ذکر پچھلے صفحے میں آچکا ہے لیکن قرآن کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس مہینے کو مشرکین کے نزدیک حرام مہینوں میں بھی خاص امتیاز حاصل تھا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ والفجر ولیالٍ عشر والشفع والوتر (سورۂ فجر آیہ ۱، ۲، ۳) (فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت و طاق کی قسم ہے۔)

مفسرین نے لیال عشر (دس راتوں) اور شفع (جفت) اور وتر (طاق) کی مختلف تفسیر کی ہے۔ مسند احمد اور تفسیر ابن کثیر میں لیال عشر (دس رات) سے ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن، شفع (جفت) سے یوم نحر اور وتر (طاق) سے یوم عرفہ کو مراد لیا ہے۔ قسم کا اصول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ انھیں مہتم بالشان چیزوں کی کھائی جاتی ہے جو مخاطب کی نگاہ میں بھی مہتم بالشان ہوں۔ ظاہر ہے کہ سورہ میں روئے سخن کفار کی جانب ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی ذی الحجہ کے دس دن خصوصاً یوم عرفہ و یوم النحر بڑی عظمت کے دن تھے۔ چنانچہ ان کے مفاخر میں سے ان دنوں حاجیوں کی خدمت کرنا تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے، جس کا اظہار وہ بڑے بڑے مجمعوں کے اندر فخریہ طور پر کیا کرتے تھے۔ بلکہ یہی وہ دن ہیں جن میں وہ مناسکِ حج ادا کرتے تھے اور حج ان کے نزدیک ان کی سب سے اہم عبادت تھی۔ اس لیے بھی یہ ایام ان کی نگاہ میں نہایت اہم تھے۔

ماہ ذی الحجہ اسلام میں

اسلام کی اعلیٰ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے اوصاف حمیدہ کو اپنے دامن میں ہمیشہ جگہ دی ہے، بلکہ اس کے دائرے کو وسیع کرنے کی پوری کوشش ہے خواہ وہ وصف کسی بھی مذہب اور کسی بھی فرد کے اندر پایا جائے اسلام بلا تعصب و عداوت اس کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی تعلیم اس نے اپنے متبعین کو دی ہے ۔ ماہ ذی الحجہ کی جو فضیلت کفار کے یہاں تھی اسلام نے اس کی اہمیت بڑھا کر بنی نوع انسان پر کافی احسان کیا ہے ۔ یوں تو ذی الحجہ کے پورے ماہ کی فضیلت حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے لیکن پہلی دہائی کو دیگر دہائیوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے ۔ جیسا کہ لیال عشر کی تفسیر میں گزر چکا ، اور اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان دس دنوں میں سے یوم عرفہ و یوم النحر کو خصوصاً فضیلت حاصل ہے ، ان دنوں کے روزے اور قیام اللیل (تہجد) کی احادیث میں کثرت سے فضیلت مذکور ہے ۔ چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں ۔

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ من ھٰذہٖ الایام العشر فقالوا یا رسول اللہ ولا الجہاد فی سبیل اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا الجہاد فی سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسہ ومالہ فلم یرجع من ذالک بشیء ۔ (ترمذی باب ما جاء فی صیام العشر)

(ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عشرۂ ذو الحجہ میں نیک عمل کرنا اللہ کو جتنا محبوب ہے اتنا دوسرے دنوں میں نہیں ۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں ۔ آپ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں ، ہاں مگر وہ شخص جو جان و مال کے ساتھ راہِ خدا میں نکلے اور ان میں سے کسی کے ساتھ واپس نہ ہو (یعنی جان و مال دونوں راہِ خدا میں قربان کر دے ۔)

(۲) عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبد لہ فیھا من عشر ذی الحجۃ یعدل صیام کل یوم منھا صیام سنۃ وقیام کل لیلۃ منھا بقیام لیلۃ القدر ۔ (ترمذی باب ما جاء فی صیام العشر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے ، آپ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کو ذی الحجہ کے

دس دنوں کی عبادت سب سے زیادہ محبوب ہے، ان دنوں میں سے ہر ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اوران میں سے ہر ایک رات کا قیام شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔

(۳) ما من ایام افضل عند اللہ ولا العمل الصالح فیھن احب الی اللہ عزوجل من ھذہ الایام یعنی من العشر فاکثروا فیھن من التھلیل والتکبیر وذکر اللہ وان صیام یوم منھا یعدل صیام سنۃ والعمل فیھن یضاعف بسبع مائۃ ضعف۔ (ترغیب ج۲ ص۱۹۹)

اللہ رب العزت کے نزدیک ماہ ذی الحجہ کے دس دنوں سے افضل کوئی دن نہیں اور عمل صالح کسی اور دن میں ان دنوں سے بڑھکر پسندیدہ نہیں۔ لہٰذا تم لوگ ان دنوں میں کثرت سے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہو اور اللہ کو یاد کرتے رہو۔ ان دنوں میں سے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزے کے برابر ہے اوران میں ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔

عرفہ کے روزے کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

عن ابی قتادۃ رض ان النبی ﷺ قال صیام یوم عرفۃ انی احسب علی اللہ یکفر السنۃ التی بعدہ والسنۃ التی قبلہ۔ (ترمذی باب ما جاء فی فضل صوم یوم عرفۃ)

ابو قتادہ رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ کے روزے کے بارے میں مجھے اللہ سے توقع ہے کہ وہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہوں کو ختم کردے گا۔

اور حضرت ابن عمر رض کی روایت ہے کہ عرفہ کے دن ہر اس شخص کو جس کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہو بخش دیا جاتا ہے اور فیضان بارش کے اس کرشمہ کو دیکھ کر شیطان ششدر و حیران اور ذلیل و خوار ہو کر منھ پر خاک اڑاتا ہے۔

اس عشرہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ عاشقان الٰہی کا ایک جم غفیر ارض مقدس خانہ کعبہ کے پاس اکٹھا ہوتا ہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کی عبادت، اخوت، تدابیر ستی، انسانیت اور عظیم قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ یگانگت و مواسات کی باد بہاری چلتی ہے اور اللہ کے ساتھ بے لاگ عہد اطاعت کی علامت کے طور پر ہزاروں جانور راہ خدا میں قربان کیے جاتے ہیں۔

قربانی کے مقاصد: ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور ایام تشریق (گیارہویں، بارہویں، تیرہویں

قربانی کے دن ہیں۔ حجاج کرام اور دنیا کے گوشے گوشے میں بسنے والے اربوں مسلمان کروڑوں جانوروں کو راہِ خدا میں قربان کرتے ہیں۔

درحقیقت یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عالم انسانی کے منصب امامت پر سرفراز کرکے انھیں بعد میں آنے والوں کے لیے اسوہ و نمونہ بنایا ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کر دینے کی جو کوشش کی تھی اور اس طرح اللہ کی مرضی پر جان سے بھی زیادہ عزیز تر متاع قربان کرنے کا جو عملی مظاہرہ اور ثبوت پیش فرمایا تھا، اس کی یادگار ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی گئی۔ درحقیقت یہ قربانی اپنے دامن میں بیش بہا اسرار اور حکمتیں سموئے ہوئے ہے۔ جن میں سے بعض بنیادی باتیں بہرحال ہمارے ذہن نشین رہنی چاہئیں۔ جو ہر مسلمان مرد و عورت جوان بوڑھے بچے کے لیے نہایت ہی ناگزیر ہیں۔ ہزارہا خوشیوں اور مسرتوں کے ساتھ ساتھ قربانی ہمیں بعض ناقابلِ فراموش درس بھی دیتی ہے۔

(۱) قربانی ایک عبادت ہے اس لیے یہ اسلام کی سنجیدگی اور تفوق و برتری کی علامت ہے کہ اس کی خوشیاں لہو و لعب اور ہوس پرستی پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ یہ خوشیاں بھی امت مرحومہ کے خدا پرستانہ جذبات و کردار کی عکاس ہوتی ہیں۔

(۲) قربانی جس عظیم واقعہ کی یادگار ہے وہ اس پہلو سے خاص قابل ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریباً پوری زندگی دعاؤں، آرزوؤں کے باوجود بے اولاد گزر چکی تھی۔ اب زندگی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھنے کے قریب ہو چلا کہ آرزوؤں کا چراغ روشن ہو گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر بھی اتنے رقیق القلب اور اواہ و منیب تھے کہ قوم لوط جیسے سرکشوں کی تباہی کے لیے فرشتے آئے تو انھیں بچانے کے لیے مجادلہ شروع کر دیا۔

اس لیے ایسے انسان کو ایسی اولاد سے جیسی گہری اور والہانہ محبت رہی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ مگر جب اللہ کی طرف سے صرف خواب کے ذریعہ اس کے ذبح کا اشارہ پایا تو اسے بجا لانے کے لیے بے تامل اُٹھ پڑے اور جب وہ کر گزرے جس کے بعد آزمائش کا کوئی مرحلہ باقی نہیں رہتا، تب اللہ کی طرف سے فدیہ کی خوشخبری آئی۔ ایک ایسے بے لوث قربانی کی یادگار منانے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم بھی اللہ کی راہ میں اپنی جان بلکہ جان سے

بھی زیادہ عزیز چیز قربان کرنے کی آمادگی کا عہد اور اظہار کرتے ہیں ۔

(۳) قربانی میں جو دعا پڑھی جاتی ہے، اس میں یہ عہد و اقرار ہے کہ ہماری عبادت ہماری قربانی ہماری زندگی ہماری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے اور ہم اس کے سامنے بلا چوں چرا سر اطاعت خم رکھنے کا عہد کرتے ہیں ۔ یعنی اس دعا کے ذریعہ بھی یہی عہد کیا جاتا ہے کہ راہ خدا میں ہم اپنی ہر محبوب و مرغوب چیز فدا اور قربان کر دیں گے ۔ اور مصائب و آلام سے ہرگز نہ گھبرائیں گے ۔ بلکہ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ہم اپنے لخت جگر اور اپنے عزیز نفس کو بھی برضا بخوشی کر دیں گے ۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری قربانی اس وقت باکمال اور مفید ہو سکتی ہے جب ہم اپنے سامنے وہ اعلیٰ مقاصد رکھیں جن کے لیے قربانی مشروع ہوئی ہے ۔ ورنہ اگر ہم نے اس کو ایک سماجی رسم کی حیثیت سے انجام دے لیا تو اس کا حاصل کچھ نہ رہے گا ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

"لن ينال الله لحومها ولا دماءها ولكن يناله التقوى منكم "

اللہ کو قربانی کے جانوروں کا گوشت و خون نہیں پہنچتا، بلکہ تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے ۔ اس لیے ہمیں اپنی قربانی اللہ کی رضا اس کے حکم کی فداکارانہ اطاعت اور اس کے کلمہ کی بلندی کی خاطر کرنی چاہیے اور اس میں ریا و نمود اور فخر و غرور کا شائبہ بھی نہ ہونا چاہیے ۔ اللہ ہمیں خیر کی توفیق دے ۔ آمین ۔

● ● ●

بقیہ ص ۵۵ کا

علیہ وسلم نہیں ، غلو پسندی سلفیت کے مزاج کے خلاف ہے ۔

آیتوں کے ترجمے ترجمان القرآن اور تفہیم القرآن سے لیے گئے ہیں ۔ لیکن مقدمہ میں ان کی صراحت نہیں کی گئی ہے ۔ حالانکہ کتاب میں ترجمے کا حجم سب سے زیادہ ہے ۔

ان چند خامیوں کے بعد جنھیں مصنف اگلے ایڈیشن میں درست کر سکتے ہیں ہم بزم تصنیف میں وارد ہونے والے اپنے دوست کو خوش آمدید کہتے ہیں اور قارئین کرام سے عرض کریں گے کہ کتاب سے مستفید ہوں ۔ بہتر کوشش ہے ۔ قلم میں زور اور شگفتگی بھی ہے اور قوت استنتاج بھی ۔ (ع م)

پاکستان

اسلام، جمہوریت اور الحاد کی سہ رخی کشمکش

ابھی اس صدی کے پہلے ربع کی بات ہے کہ جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں ترکی کی شکست کے بعد پورا عالم اسلام غلامی کے بحر ظلمات میں غرق تھا۔ صرف چند چھوٹے چھوٹے خطے محفوظ رہ گئے تھے، لیکن ان کی حیثیت ان بے مایہ جزیروں کی تھی جن کے کمزور ساحل سے استعمار کے طوفان کی سرکش لہریں زور زور سے ٹکرا رہی تھیں اور لگتا تھا یہ بھی کسی دم غرق ہوا چاہتے ہیں۔ اسلامی اقتدار کا نیر تاباں غروب ہو چکا تھا۔ سیاہی کی دبیز تہ میں صرف چند تارے ڈوبنے اور ڈوب ڈوب کر ابھرنے کا منظر پیش کر رہے تھے۔ مایوسی اور افسردگی عام تھی، لیکن بینا قلب ونظر رکھنے والوں کے لیے ستاروں کی یہ تنک تابی صبح روشن کی دلیل تھی۔ انھیں یقین تھا کہ خون صد ہزار انجم سے سحر پیدا ہو کر رہے گی۔ یہ یقین چند برسوں میں حقیقت کا روپ دھارنے لگا۔ اسلامی بیداری کی نہایت گہری، اور تند و تیز رو اٹھی۔ کہیں قتال کا بازار گرم ہوا کہیں تحریک و احتجاج کا سیلاب امنڈا۔ دار و رسن کی سنتیں ادا ہوئیں اور بالآخر استعمار کے سیلاب کو اپنا رخ بدلنا پڑا کہ ع عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام۔

دیکھتے دیکھتے انڈونیشیا سے مراکش تک آزاد و خود مختار عالم اسلام کی طویل پٹی وجود میں آگئی جس میں کہیں کہیں استعمار کا وجود ڈوبتے جزیرے کے مانند دکھائی پڑ رہا تھا۔ یہ وسط صدی اور کسی قدر اس کے آگے پیچھے کی بات ہے۔

عالم اسلام کی اس طویل پٹی میں ایک نیا ملک پاکستان بھی صفحۂ زمین پر ابھر کر نمایاں ہوا۔ جو اپنی مختلف حیثیتوں میں (باقی) دنیائے اسلام سے ممتاز تھا۔ دنیا کے اور ممالک تو پہلے سے موجود تھے، صرف بیرونی آقاؤں سے انھیں نجات دلانی تھی۔ لیکن یہاں معاملہ الٹا تھا، یہاں باشندے موجود تھے ملک موجود نہ تھا، ملک ہی وجود میں

لانا تھا۔ اور اس کے لیے بیرونی آقاؤں سے نجات حاصل کرنے کے علاوہ اپنے دائمی ہم وطنوں سے بھی علیحدگی ضروری تھی۔ اس علیحدگی کی بنیاد کوئی مادی مفاد نہ تھا محض نظریاتی تضاد تھا۔ سات سال شدید کشمکش برپا رہی لاکھوں جانیں گئیں اور لاکھوں عصمتیں سر بازار نیلام ہوئیں، لیکن بالآخر خون کا دریا عبور کرکے یہ ملک وجود میں آگیا۔

اس کشمکش میں ملت اسلامیہ کا سارا مطمح نظر اس کے اس نعرے میں پوشیدہ تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ" اور اسی کے لیے اس نے سارا طوفان بلا خیز برداشت کیا تھا مگر پاکستان تو وجود میں آگیا، اس کا مطلب "وجود میں نہ آیا جو لوگ حکمرانی کے منصب پر فائز ہوئے وہ زمانہ شناس تو یقیناً تھے لیکن پاکستان کو اس کے مطلب تک پہنچانے کے طریق کار کے شناسا نہ تھے۔ قربانیوں کا سمندر بہانے والا مسلمان اس وقت آتش و آہن تھا اور اس کے حوصلے پوری دنیا سے ٹکر لینے کے لیے جوان تھے۔ ہوشیار لیڈر ایسی جواں بخت قوم کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ وہ اوج ثریا پر پہنچ جاتی ہے لیکن پاکستانی لیڈر اپنی قوم کی اس صلاحیت کو بروقت اور برمحل استعمال نہ کرسکے۔ یہاں جو سیاسی ڈھانچہ وجود میں آیا وہ اسلامی بنیادوں پر استوار نہ تھا۔ وہ محض ایک روایتی قسم کی حکمرانی تھی۔ تاہم تپتے تپائے مسلمانوں نے اس کے سائے میں چین و سکون کی ٹھنڈک محسوس کی اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لیے آزاد رہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ روایتی حکمرانی بھی دیر تک نہ چلی۔ لیاقت علی خاں کے حادثۂ قتل ۱۹۵۱ء کے بعد برسوں اتھل پتھل رہی۔ درجنوں وزارتیں بدلیں اور بالآخر سکندر مرزا جیسے ابن الوقت نے پردۂ اقتدار پر نمودار ہوکر کھل کھیلے۔ اب "جمہوریت" منزل معقود قرار دی جاچکی تھی اور حصول اقتدار و اختیار کے لیے رسہ کشی چل رہی تھی کہ لگتا تھا پاکستان کا بیڑا غرق ہوا۔ بالآخر اکتوبر ۱۹۵۸ء میں دردمند کمانڈر انچیف جنرل ایوب خاں نے انقلاب کے نقارے پر چوب ماری۔ طوفان بدتمیزی تھم گیا۔ اور ڈوبتا ہوا سفینۂ پاکستان بچ گیا۔

ایوب خاں کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی پاکستان کو "اسلامیانے" والے میدان "جہاد" میں کود چکے تھے۔ ایوب خان آئے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب پاکستانی سیاست کی بنیادیں اسلامی نظام پر استوار ہو جائیں گی۔ ایوب خان نے اسلامی سیاست کے اجارہ داروں سے ملاقاتیں کیں۔ مشورے بھی کیے اور ایک مناسب دستور وضع کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کام میں داعیان اسلام کا عالمانہ جلال حائل ہوگیا۔ وہ افہام و تفہیم، حکمت و موعظہ حسنہ کے بجائے خم ٹھونک کر میدان میں آگئے تھے۔ ایوب خاں نہ اسلامی علوم کے بحر بیکراں کے غواص تھے نہ سیاسی مسائل

میں اسلامی اصولوں کی نزاکت سے آشنا دنیا پرست بے دین خوشامدیوں نے انھیں الگ سے گھیر رکھا تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نیم جمہوری دستور بن گیا اور سابقہ قوانین و ضوابط برقرار رہے پھر الحادی اور اسلامی پارٹیاں وجود میں آئیں اور باہم گھل مل کر ایوب خاں کو کرسیٔ اقتدار سے ڈھکیلنا چاہا مگر ناکام رہے ۔ بالآخر بالغ رائے دہی کی بنیاد پر پارلیمانی جمہوریت کے قیام کے لیے تحریک چلائی گئی اور اسی کو اسلامی نظام کے علمبرداروں نے بھی اپنی منزل مقصود قرار دیا ۔ مسلسل تگ و دو کے نتیجے میں فضا کے اندر ارتعاش شروع ہو گیا ۔ ایوب خاں بتدریج پاکستانی مسائل کے ہمہ جہتی حل کی بھاری بھرکم کوشش کر رہے تھے ۔ بہت کچھ کامیابی بھی حاصل کی تھی ۔ وہ پاکستان کے دشمنوں اور بدخواہوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے اور قدم اٹھانے کی جرأت بھی رکھتے تھے ۔ اپنے ملک کو ایک باعزت مقام تک لیجانا بھی چاہتے تھے اس لیے امریکہ جیسی طاقت کی اجارہ داری بھی ختم کرنے کے لیے کوشاں تھے ۔ اور اس سمت میں بعض جرأت مندانہ قدم بھی اٹھا چکے تھے ۔ روس اور اس کے ہواخواہ ایوب خاں کے وجود کو اپنے لیے چیلنج تصور کر رہے تھے ۔ اس لیے سرخ و سفید دونوں استعمار اس "مرد آہن" کو توڑنے کی فکر میں تھے ۔ اس کے لیے پانی کی طرح دولت بہائی گئی ۔ ضمیروں کا سودا کیا گیا ۔ اور پاکستانیوں میں محرومی کا احساس پیدا کرنے کے لیے سارے ہتھکنڈے استعمال کر ڈالے گئے ۔ جمہوریت اور اسلام کے مدعی حالات سے آنکھیں بند کیے بالغ رائے دہی اور پارلیمانی جمہوریت کا ڈھول پیٹتے رہے ۔ فضا کا ارتعاش ہلچل میں تبدیل ہو چکا تھا ۔ مگر ان کی آنکھیں بند رہیں اور جب طوفان کے شور سے کھلیں تو معلوم ہوا کہ ان کی ساری کوششوں کا استحصال بھٹو اور مجیب کر چکے ہیں ۔

ایوب خاں کے انقلاب میں کسی کی نکسیر بھی نہ ٹوٹی تھی اب وہ جانا بھی اسی طرح چاہتے تھے ۔ انھوں نے جمہوری علمی عملی مطالبات تسلیم کر لیے ۔ سال بھر میں انتخاب کرا کے اقتدار منتقل کر دینے اور خود ہمیشہ کے لیے سیاست سے دستکش ہو جانے کا اعلان بھی کر دیا ۔ مگر جوش جنوں میں کمی نہ آئی ۔ توڑ پھوڑ اور شور و ہنگامہ جاری رہا ۔ بالآخر یحییٰ خاں نے حکومت جھپٹی ، ان کی نظر فوجیوں کی صلاحیت سے زیادہ ان کی وردیوں کی صفائی اور چمک پر رہا کرتی تھی ۔ عشرت و راحت کا مجسمہ اور بھٹو اینڈ کمپنی کا کھلونا تھے ۔ الیکشن ہوا اور "اسلامی اجارہ داروں" کی بصیرت کی قلعی کھل گئی ۔ ۲۳ سالہ کوشش کا نتیجہ صرف چار سیٹیں ۔ مگر ان کی نگاہیں اب بھی نہ کھلیں ۔ نتائج کی رو سے وزارت عظمیٰ کے مستحق بھٹو صاحب کے بجائے شیخ مجیب الرحمٰن تھے ۔ مگر بھٹو صاحب نے اس پر فائز ہونے کے لیے ایسے ایسے اڑنگے لگائے کہ بنگلا دیش کی جنگ چھڑ گئی ۔ بے پناہ خون خرابے کے جلو میں ملک دو ٹکڑے ہوا ۔ بنگلا دیش بنا ۔ اور بھٹو صاحب پاکستان کی کرسی اقتدار

برسراقتدار ہوئے۔ ان صاحب نے جمہوریت کے نام پر جمہوریت کا کوئی ایسا اصول نہیں جسے پامال نہ کیا ہو۔ یحییٰ خان نے تو ایک ساتھ جڑی ہوئی دو کشتیوں کا بندھن کاٹ کر دونوں کو الگ کر دیا تھا۔ مگر بھٹو صاحب کشتی کا پیندا چیر رہے تھے۔ اسلام دشمن جذبات ابھارنے، علاقائی عصبیت کو ہوا دینے، قومی دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹی۔ حرام کاری کی کہ وہ گرم بازاری کی کہ شریف عورتوں کا نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔ پورے ملک کو جیلخانے میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ مخالفین کے لیے مقتل بنائے گئے۔ ان کے گھروں میں گھس گھس کر نوجوان لڑکیاں اٹھوائی گئیں۔ سائبیریا کیمپ کے نمونے پر بالائی کشمیر میں اذیت کیمپ قائم کیے گئے۔ قید و بند، اغوا، و تعذیب اور قتل و گمشدگی زبان کھولنے والوں کا مقدر بن گئی۔ غرض ظلم و جبر کا ایک طوفان تھا جس کی قہرمانیت سے پاکستان کے گلی کوچے سسک اور کراہ رہے تھے۔ ان حالات میں بھٹو صاحب کے اقتدار کی ایک منزل پوری ہوئی۔ دوسری منزل کے لیے الیکشن ہوا تو مخالف پارٹیوں نے متحدہ محاذ بنا کر مقابلہ کیا۔ عوام بھی ساتھ تھے۔ مگر جہاں انصاف کا نام بورژوائیت اور رجعت پسندی ہو وہاں انتخابات منصفانہ کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ الیکشن میں دل کھول کر دھاندلی ہوئی اور متحدہ محاذ شکست کھا گیا۔

متحدہ محاذ اس صورت حال کے مقابلے کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ عوام بھی زچ تھے۔ محاذ نے "اسلام بچاؤ" کی آواز لگائی اور عوام سڑکوں پر نکل آئے۔ بھٹو صاحب نے اسے دبانے کے لیے ظلم و غارت گری کا وہ طوفان برپا کیا جو ملک بنانے والوں کے حاشیہ خیال میں بھی نہ رہا ہو رہا ہو گا۔ بے تحاشا قتل عام ہوا اور اجتماعی قبریں بنیں۔ لوگوں کے ہاتھ پیر توڑے گئے۔ ڈاڑھیاں نوچی گئیں۔ قرآن مجید کو پھاڑا اور روندا گیا۔ خدا کا مذاق اڑایا گیا۔ اور بالآخر ایک تہائی سے دو تہائی آبادی کے قتل عام کا پروگرام بنایا گیا۔ مگر عین اسی وقت انقلاب آ گیا۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان کی لگام سنبھالی تو ان کا خیال تھا کہ تین ماہ میں ایک صاف ستھرا الیکشن کرا کر بارک میں واپس چلے جائیں گے۔ وہ دین و اخلاق کے پابند تھے اور اپنے کام سے کام رکھنے والے انسان۔ بھٹو نے انھیں ایک "بدھو ملا" سمجھ کر کمانڈر انچیف بنا دیا تھا۔ تاکہ حکومت کے بیجا تصرفات پر فوج کی طرف سے کسی مداخلت اور طالع آزمائی کا خطرہ نہ رہے۔ جنرل ضیاء بھٹو کی صلاحیت سے بے حد متاثر بھی تھے اور انہیں ایشیا کا قائد منتظر سمجھتے تھے۔ مگر جنرل صاحب نے جب اقتدار کی لگام ہاتھ میں لی اور حقائق سامنے آنا شروع ہوئے تو معلوم ہوا کہ پورے پاکستان کو کھوکھلا کیا جا چکا ہے۔ سفینے کے پیندے میں سوراخ ہو چکا ہے اور پانی گھس رہا ہے۔ الیکشن سے پہلے اس کی حفاظت کا انتظام ضروری ہے۔ انھوں نے ملک کے استحکام و تطہیر کے ساتھ اسلام کے نفاذ کا بھی عزم مصمم ظاہر کیا۔ اور ساری دنیا کے استہزاء و تمسخر کے باوجود اس پر کاربند ہو گئے۔

ادھر بھٹو اینڈ کمپنی کی کارستانیوں کے پردے چاک ہوئے تو فوج کے لیے اپنے آہنی پنجوں کا استعمال ناگزیر ہوگیا بھٹو صاحب تختہ دار کے مستحق ٹھہرے اور حوالہ دار کردیے گئے۔ مشرق و مغرب کے آقا ہائیں ہائیں کرتے رہ گئے۔ مگر ہر فرعونے را موسیٰ کی مثل صادق آگئی۔ بھٹو کمپنی کی زیادتیوں کا محاسبہ شروع ہوا تو کچھ حوالۂ زنداں کیے گئے اور کچھ نے راہِ فرار اپنائی۔

جنرل صاحب نے جن حالات میں پاکستان کی تطہیر اور اسلام کے نفاذ کا بیڑا اٹھایا وہ داخلی طور پر نہایت سنگین اور کانٹوں سے پُر تھا۔ حکومت کی پوری مشینری وہی تھی جسے بھٹو صاحب نے خاصے رد و بدل کے بعد اپنے سانچے میں ڈھالا تھا۔ ظاہر ہے اسلام بیزار مشینری سے اسلام کا نفاذ جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ البتہ اسلام پسند حلقے کے لیے یہ ایسا سنہرا موقع تھا جو صدیوں میں بھی مشکل نصیب ہوتا ہے۔ اور جس کے ایک ایک لمحے برسوں اور صدیوں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ مگر معلوم نہیں اسلام پسندوں کی بے بصیرتی کب تک محفلِ ماتم سجانے کی دعوت دیتی رہے گی۔

چاہیے تو یہ تھا کہ لوگوں کی زندگی اور پاکستانی معاشرے میں اسلامی انقلاب لانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کردی جائیں اور حکومت کو ایسا مواد اور ماحول مہیا کیا جائے جس میں نفاذِ اسلام کی مہم آسان ہوجائے مگر ہوا یہ کہ سارے اسلامی گروہ بکھر کر اپنے اپنے دائرے میں چلے گئے اور دعوتِ اصلاح کے بجائے حصولِ اقتدار کی تدبیریں شروع ہوگئیں۔ جب جمہوریت کا راج تھا تو نعرہ لگایا گیا کہ ہمیں اسلام چاہیے۔ اب اسلام کا راج لایا جارہا ہے تو نعرے لگ رہے ہیں کہ ہمیں جمہوریت چاہیے۔ غرض لیلائے اقتدار سے ہم آغوشی کے لیے جو پینترا مفید اور سود کے ہم رُخ معلوم ہوتا ہے وہ پوری شرگنجگی کے ساتھ چلا جارہا ہے۔ اور ایک بار پھر وہی حماقت دہرائی جارہی ہے جو ایوب خان کے آخری دور میں آزمائی جاچکی ہے۔ عوام اس ہیرا پھیری سے عاجز اور بیزار ہوچکے ہیں۔

پاکستان اور اسلام دشمن طاقتیں ضیا صاحب سے زچ ہیں۔ وہ اسلام کا نفاذ بھی کر رہے ہیں اور عوام میں مقبول بھی ہیں اور ملک میں استحکام بھی لا رہے ہیں۔ انھوں نے کراچی میں ایشیا کا فولاد کا سب سے بڑا کارخانہ قائم کرکے بھاری صنعتوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔ خوراک اور بعض دوسرے معاملات میں ملک کو خود کفیل بنادیا ہے۔ بیرونی زرمبادلہ اتنا حاصل کیا ہے کہ اس سے پہلے سوچا نہ جاسکتا تھا۔ ان کے نامعلوم ایٹمی پلان سے اسلام دشمن طاقتیں سخت گھبراہٹ کا شکار ہیں۔ ان کے حمایت یافتہ افغان مجاہدین نے روسیوں کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ اس لیے وہ ضیا صاحب کو

ہر قیمت پر ہٹا دینا چاہتے ہیں۔

اُدھر سوشلزم کے علمبردار لینن کے چیلوں اور اندرا پوف کے حاشیہ برداروں نے جمہوریت اور اسلام کے علمبرداروں کو جنرل ضیا کے مقابل دیکھ کر یہ سمجھ لیا ہے کہ اب ضیا صاحب میدان میں تنہا رہ گئے ہیں۔ اس لیے ان سے نمٹ لینا چاہیے۔ یہ ہے وہ پس منظر جس میں سندھ کی موجودہ پرتشدد تحریک شروع کروائی گئی ہے۔ تحریک کے لیڈران کا نعرہ تھا کہ ہم روسی ٹینکوں پر ہتھوڑا لہراتے ہوئے پاکستان فتح کر لیں گے۔ اور یہ اسی "فتح" کی مہم ہے جس کا سرا بیرونی ہاتھوں میں ہے اور جسے باہر سے مسلسل ایندھن فراہم کیا جا رہا ہے۔ اس کی خبریں روس کے حاشیہ بردار اور اسلام دشمن انگریز اس طرح نشر کرتے ہیں گویا ان کی اپنی سرحدوں پر جنگ برپا ہے۔ خبریں ہی نہیں، آگ بھڑکانے کی حکمتیں بھی نشر ہوتی ہیں۔ اور تحریک سرد پڑتی دیکھ کر کفِ افسوس ملنے کا عمل بھی جاری ہے۔

درحقیقت پاکستان بین الاقوامی سازش کا اکھاڑہ ہے۔ باطل دنیا پاکستانی قوم کی صلاحیتوں کی منظم اٹھان کو اپنے "روزِ حساب" کی علامت سمجھتی ہے۔ اس لیے ہر قیمت پر اسے "عالمِ کردار" سے بیگانہ رکھنے پر تلی بیٹھی ہے۔ پاکستان میں اس وقت تین سیاسی گروہ ہیں۔ ایک اسلام پسند، مگر یہ مسلکی اور فروعی اختلاف کے سبب تتر بتر ہے۔ سیاسی خود غرضیاں اس پر مستزاد۔ دوسرا جمہوری گروہ۔ جو سیاست کو محض روایتی درجے میں رکھنا چاہتا ہے اور اسلام کے نفاذ کے بجائے اس سے محض دھندلے سے تعلق کا خواہاں ہے، یہ بھی تقسیم اور انتشار کا شکار ہے۔ تیسرا گروہ بھٹو کا ترکہ اور سوشلزم کا علمبردار ہے۔ اس کی بدولت پاکستان پر سرخ سایہ لہراتا رہتا ہے۔ یہی ۴ اگست سے سرگرم فساد ہے، یہ منظم ہے اور اس کی کامیابی پچھلے دو گروہوں کے لیے پیامِ موت ہے۔

ان حالات میں باقی دونوں گروہ خصوصاً اسلام پسند گروہ کا فرض تھا کہ کردار کی پختگی اور بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے پاکستان کو ڈبونے کی موجودہ بین الاقوامی سازش کا پامردی سے مقابلہ کرتے، اقتدار آنی جانی چیز ہے انتخاب اور طریق انتخاب غیر مطلوب وسیلے ہیں۔ ہزار خامیوں کے باوجود اصل مقصود یعنی نفاذِ اسلام کا عمل شروع ہے، اس میں اڑنگے ڈالنے کے بجائے اسے صحیح رُخ پر لانے اور منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے اپنی صلاحیت و بصیرت صرف کر دینی چاہیے۔ سفینہ ڈبونے کی کوشش ہو رہی ہے، تختوں کی پالش پر بحث فضول ہے۔

افغانستان: مجاہدین میں حقیقی اتحاد

روسی جارحیت سے برسرِ پیکار افغان مجاہدین سات تنظیموں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر تنظیم کا اپنا

تنظیمی ڈھانچہ، نظام، سربراہ، دستور، وسائل اور طریقہ کار الگ الگ تھے۔ اور ابتداءً ان میں کوئی تال میل نہ تھا۔ ہر گروہ اپنے طور پر کارروائی کرتا اور کبھی یہ باہم بھی گتھ جاتے۔ لیکن مظلومیت اور وحدت مقصد نے رفتہ رفتہ ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔

چنانچہ پہلی بار ۱۹۸۰ء میں افغانستان کے کونے کونے سے علماء نے متحد ہو کر ایک متفقہ منشور تیار کیا۔ جس پر تمام تنظیموں نے اتفاق کرتے ہوئے دستخط کر دیا۔ اپریل ۱۹۸۰ء میں تمام جماعتوں نے ایک شوریٰ عالی تشکیل دی اور جو ابھی تک اتحاد میں شامل نہ تھے انکیں شامل کرنے کی کوشش کی۔ پھر اتحاد کو مزید متحرک بنانے کے لیے مجلس عاملہ کی تشکیل ہوئی۔ جس نے عبوری طور پر یہ طے کیا کہ تمام تنظیموں کے سربراہ باری باری ایک ایک ماہ کے لیے اتحاد کے پریذیڈنٹ ہوا کریں گے۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ بھی چلا۔ مگر افغان مسلمانوں کی طرف سے واقعی اتحاد کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ چنانچہ اتحاد نے اپنی مجلس شوریٰ میں اتفاق رائے سے یہ ترمیم منظور کی کہ تمام تنظیموں کے رہنما اپنی اپنی تنظیمات توڑ دیں اور اپنے اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں۔ اور اپنا ایک امیر منتخب کر لیں۔ جس کی مدت ایک ماہ کے بجائے دو برس ہوگی۔ تمام تنظیموں کے سارے مادی اور معنوی وسائل اسی ایک متفقہ تنظیم کی تحویل میں دے دیے جائیں۔ پھر مئی ۱۹۸۳ء کی آخری تاریخ کو وہ ساعت نیک آ ہی گئی جب تمام تنظیموں کے قائدین نے اپنے استعفے پیش کر کے اپنے سارے وسائل اتحاد کے حوالے کر دیے اور پروفیسر عبدرب الرسول سیاف کو اتحاد کا امیر و قائد منتخب کر لیا۔ انتخاب کے معاً بعد سب سے پہلے حزب اسلامی کے قائد مولوی محمد یونس خالص نے نئے امیر کی بیعت کی پھر بقیہ قائدین نے بیعت کی۔ اس کے بعد شوریٰ کے ۷۵ حاضر ارکان نے بیعت کی۔ اور سب نے یک زبان یہ عہد کیا کہ اتحاد کے واحد پرچم اور قیادت کے تحت ان شاء اللہ افغانستان کے کونے کونے پر اسلام کا پرچم لہرایا جائے گا۔ ان شاء اللہ ہمارے اتحاد کی برکت سے کامیابی ہمارا مقدر بنے گی اور افغانستان پر آزادی اور اسلامیت کی صبح طلوع ہو کر رہے گی۔

حملوں میں اضافہ

اس اتحاد کی برکت کا ظہور مجاہدین کی کارروائیوں سے ہو رہا ہے اب ان حملوں میں بڑی قوت اور اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اب مجاہدین کی رپورٹوں کی سرخیاں اس طرح ہوتی ہیں۔ "طاقت کا راز ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں نہیں بلکہ ایمان و یقین اور عزم و استقامت میں ہے۔" "اے لینن اور مارکس کے فرزندو! یہ محمد عربی (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی امت کا ملک ہے

یہاں اشتراکیت کی فصل نہیں اگ سکتی ۔" کابل شہر کے اندر روسی ہیڈ کوارٹر پر مجاہدین کے حملے جاری ہیں ۔" "یہ جنگ روس کے آخری کوتے تک لڑی جائے گی ۔" "دشمن کا گولہ بارود بھی دختران اسلام کے لبوں سے مسکراہٹ چھیننے میں کامیاب نہیں ہوسکتا ۔" وغیرہ وغیرہ۔

عام قافلوں اور فوجی ٹکڑیوں کے علاوہ ابھی تھوڑے دن ہوئے مجاہدین نے کابل کے شمال میں ایک پندرہ کلومیٹر لمبے روسی کانوائے (فوجی کاروان) پر کامیاب حملہ کرکے اسے بری طرح تہس نہس کردیا۔ اب مجاہدین چھاپہ مار جنگ کے علاوہ منظم حملے کرکے بعض بعض مراکز سے روسیوں کو بے دخل بھی کررہے ہیں۔ اور زمین کے علاوہ فضا میں بھی ان کی خبر لیتے رہتے ہیں۔ آبادیوں کو تہس نہس کرنے والے مگ بمبار طیارے اور ہیلی کاپٹر گن شپ جنہیں ناقابل تسخیر بتایا جاتا تھا اب مجاہدین کا نشانہ بن کر زمین پر ٹپکتے رہتے ہیں۔

روسیوں کی دہشت گردی اور نسل کشی

دوسری طرف روسی فوج اپنی خون آشام کارروائیوں میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اپنے زیر تصرف علاقوں میں اشیائے ضرورت کی لوٹ کھسوٹ کے علاوہ عام نہتے باشندوں اور بوڑھے مردوں عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کردینا ان کے معمول میں داخل ہے۔ یہ درندے مجاہدین کی بارودی سرنگوں سے بچنے کے لیے راہ چلتے لوگوں کو پکڑ کر متعلقہ جگہ بھیجدیتے ہیں تاکہ بارودی سرنگیں ہوں تو وہ افغانی ہلاک ہوجائے۔ اور یہ روسی بچ جائیں۔ ان کی نسل کشی اور بربریت کا ایک تازہ طریقہ یہ ہے کہ یہ مجاہدین کے زیر تصرف علاقوں میں کھلونا بم برساتے ہیں۔ جسے بچے کھلونا سمجھ کر اٹھاتے ہیں اور وہ پھٹ کر جان لے لیتا ہے۔ قتل عام کے لیے کنوؤں میں زہر ڈال دینا اور آبادیوں پر زہریلی گیس برسانا بھی ان وحشیوں کے معمول میں داخل ہے۔ کاریزوں میں پناہ گزیں غریبوں پر گیس استعمال کرکے انھیں وہیں موت کی نیند سلادیا جاتا ہے۔ مختلف دیہاتوں میں ایسی مہلک کیمیاوی گیسیں استعمال کی گئی ہیں کہ لوگوں کے بدن سے گوشت ادھڑ گیا۔ اور صرف ڈھانچہ باقی رہ گیا۔ افغانوں کے لیے روسیوں کا ایک اور تحفۂ بدبختی یہ ہے کہ ۱۰ سال سے لے کر ۳۰ سال کی عمر تک کے فوجی جوانوں اور دوسرے محکموں کے اندر کام کرنے والوں کو ہیروئن، چرس اور شراب نوشی کا عادی بنایا جارہا ہے۔ اور جن علاقوں پر روسیوں کا کنٹرول ہے وہاں یہ چیزیں کھلے عام مفت تقسیم ہو رہی ہیں۔

ایک افغان انجینئر جو بھاگ کر مجاہدین سے آملا ہے، اس کا بیان ہے کہ دس سے پندرہ سال کے بچوں کو

زبردستی روس بھیج کر انھیں کمیونزم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ناروے پارلیمنٹ کی تمام سیاسی جماعتوں کی ایک نمائندہ کانفرنس نے اپنی ایک خبر میں بتایا کہ افغانستان میں ...... روسی جرائم کی تحقیق کرنے والی بین الاقوامی کانفرنس کے ممبروں کو روسی فوجیوں کے وہ مخصوص حفاظتی لباس دکھلائے گئے جنھیں شہری آبادیوں پر کیمیاوی گیس پھینکنے کے دوران یہ روسی فوجی استعمال کرتے تھے۔ فرانسیسی ماہر قانون ڈاکٹر ریکرڈ پرائل نے کہا ہے مجھے ذاتی طور پر یقین ہے کہ روسی فوجیوں نے افغانستان کو زہریلی گیسوں کے تجربوں کا میدان بنا رکھا ہے۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر پرائل اقوام متحدہ کے اس تحقیقاتی کمیشن کے ممبر ہیں جو افغانستان میں روس کے کیمیاوی اسلحہ کے استعمال کی تحقیق کر رہا ہے۔ اور اب مجاہدین کے حملوں کی کچھ اہم خبریں۔

- ۲۱/۶/۸۳ء کو صوبہ زابل میں ظفر الدین کے زیر کمان ایک پوری کارمل بٹالین نے مجاہدین کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ ان کے پاس ۳۶۰ کلاشنکوف بندوقیں تین توپ خانے، نو سو توپ گولے، تین طیارہ شکن، مشین گنیں ۵۰، ہلکی اور درمیانی درجے کی مشین گنیں، دو گاڑیاں، ایک فوجی جیپ، کئی وائرلیس سیٹ اور مختلف سائز کی دو سو گولیاں اور بم تھے جو سب مجاہدین کے قبضے میں آئے۔

- صوبہ پکتیا میں ماہ مئی میں ایک اور کارمل بٹالین نے مجاہدین کے "خالد بن ولید" دستے کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے پاس غلے اور سامان جنگ سے لدی ہوئی ۵۸ قابل استعمال گاڑیاں۔ ۶ آرمرڈ کاریں۔ مختلف قسم کے چار توپ خانے، ایک طیارہ شکن توپ، ۱۵ ہاون توپ ۷ وائرلیس سیٹ، اور تین ہزار کارتوس تھے۔ یہ سب مجاہدین کے قبضہ میں آئے۔ اس جنگ میں دو روسی جنرل، سرکاری فوج کا ایک کیپٹن اور چالیس کمیونسٹ فوجی مارے گئے۔ ۵۰ قید کیے گئے اور چار سو کارمل فوجی جس میں کیپٹن بھی تھے۔ مجاہدین سے آملے۔

- رمضان کی آخری دہائی میں مجاہدین نے کابل کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر حملے کیے جس کے نتیجے میں، بیس توپ بردار طیارے اور چار سامان بردار طیارے مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔ روسیوں کے تین مستقر جو کئی کئی منزلہ عمارتوں پر مشتمل تھے زمیں بوس ہو گئے۔ کابل میں آٹا پیسنے والی کمپنی کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔ دارالحکومت کے اندر موجود ایک بریگیڈ پر اسی راکٹ برسائے گئے، جنھیں سے بعض صدارتی محل پر بھی گرے۔

- مجاہدین نے کارمل کے گاؤں میں مامور ایک بٹالین کا مکمل طور پر صفایا کر دیا، صرف دو فوجی نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکے۔

- صوبہ غزنی کے قرہ باغ ڈسٹرکٹ میں مجاہدین نے ایک قافلے پر حملہ کر کے، غلے، لکڑیوں اور دیگر سامان ضرورت سے لدی ہوئی چار گاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح کی کارروائیوں کا سلسلہ صرف جاری ہی نہیں بلکہ مزید زور پکڑ رہا ہے۔ • • •

ہماری نظر میں

منتقی الاخبار

مع اردو ترجمہ حدیقۃ الانہار (کامل دو جلد) مجموعی صفحات ۱۹۹۲

تصنیف: امام عبدالسلام ابن تیمیہؒ ترجمہ: مولانا محمد داؤد راغب رحمانی مرحوم

نظر ثانی، تنقیح و تہذیب: مولانا ابوبکر صدیق سلفی حفظہ اللہ،

کاغذ، کتابت، طباعت: نہایت نفیس: قیمت: درج نہیں

پتہ: دارالدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ، لاہور۔ پاکستان

مولانا ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی حفظہ اللہ اپنے علم و فضل اور سادگی و بے نفسی کے لحاظ سے ان نادرۂ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جن کی ضوفشانی سے ہند و پاکستان کے علمی حلقے تاباں اور منور ہیں، بلند پایہ علمی اور تحقیقی کتابیں تیار کرنا کرانا اور تیار شدہ جواہر پاروں کی کھوج، پھر انھیں نفیس ترین زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ کر کے اہلِ ذوق کے سامنے پیش کرنا آپ کا محبوب مشغلہ ہے

پیش نظر کتاب حدیث کی نہایت قیمتی بلند پایہ اور وقیع کتاب ہے جو امت اسلامیہ کے نادرۂ روزگار مجدد و امام علامہ ابن تیمیہؒ کے دادا امام ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام ابن تیمیہ کا شاہکار ہے۔ اس میں پانچ ہزار سے زائد احادیث کو مستند اور باسند کتب احادیث سے منتخب کر کے بڑی دقت پسندی کے ساتھ فقہی ابواب پر مرتب کیا گیا ہے، اور جگہ جگہ احادیث سے مستنبط ہونے والے دقیق فقہی مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے اور وجہ استنباط کو بھی قید تحریر میں لایا گیا ہے۔ امام شوکانی نے اسی کتاب کی شرح نیل الاوطار کے نام سے لکھ کر فقہ السنہ کے طالبین و کاملین اور مفتیانِ شرع متین کو ایک گوہر گرانمایہ فراہم کر دیا ہے۔

گوہر گرانمایہ کا اردو ترجمہ نایاب ۔۔۔۔۔۔ تھا۔ خدا جزائے خیر دے مرحوم مولانا محمد داؤد راغب رحمانی، مولانا ابوبکر صدیق سلفی، مولانا بھوجیانی اور دیگر متعلقین کو کہ ان کی مساعی جمیلہ سے یہ کتاب اردو کا جامہ پہن کر منظرِ عام پر آگئی۔

ترجمہ نظر ثانی اور تصحیح و تہذیب کا کام بھی کتاب کے شایانِ شان کیا گیا ہے۔ ترجمہ میں عموماً ایسی سلاست و وضاحت ہے کہ ترجمے کا گمان نہیں ہوتا۔ ابتداء میں کتاب کی اہمیت و خصوصیت مولف و مترجم کا تعارف اور بعض ائمہ حدیث کی تصنیفات سے حدیثیں لی گئی ہیں، ان کے مجمل حالات کی شکل میں بڑی قیمتی معلومات فراہم کر دی گئی ہیں

متن اور ترجمہ دونوں کی طباعت صفحہ بہ صفحہ اوپر نیچے اس طرح کی گئی ہے کہ متن کے لیے مصری طبع کا نوٹو کر صفحے کے اوپر کے حصے میں لگا دیا گیا ہے اور ترجمہ نیچے دیدیا گیا ہے۔ متن پر حرکت اور اعراب بھی لگا دیا گیا ہے جس میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے اور اس سے غیر عربی داں حضرات کے لیے بھی اصل عبارت کا پڑھنا آسان ہوگیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اردو داں حضرات کے لیے یہ بیش قیمت علمی تحفہ ہے جس سے روزمرہ پیش آنے والے مسائل و احکام (عبادات، معاملات، معاشرت، معاشیات، سیاسیات وغیرہ) میں سنت نبویہ کے مطابق رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے ——————— (ص۔ د)

مکتوبات شاہ ولی اللہ دھلوی (فارسی) صفحات ۸۸

ترتیب، تحقیق و تعلیق: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی   قیمت: ۱۵ روپیے

پتہ: المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور (پاکستان)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی شخصیت میں جو ہمہ گیری، جامعیت اور کمال تھا، اس پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے ہم معنی ہے۔ شاہ صاحب کے مکتوبات کا یہ فارسی مجموعہ اسی جامعیت کا آئینہ دار ہے۔ اس میں امام بخاری کے مناقب اور صحیح بخاری کی خصوصیات بھی ہیں۔ امام ابن تیمیہ کے فضائل اور ان کی طرف سے دفاع بھی ہے۔ فرقہ ناجیہ کا تعارف، علمائے حدیث کی اہمیت۔ مشکل المعنی احادیث کی توضیح بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ تصوف کے نکات و رموز بھی ہیں۔ صوفیاء کے مختلف طرق کا بیان بھی ہے اور ان پر نقد و جرح بھی ہے، بعض خوابوں کی تعبیر بھی ہے اور رباعیات و رباعیات کی توضیح بھی، فقہ و تصوف میں شاہ صاحب کے اپنے مسلک کا بیان بھی ہے اور ان کی اپنی منظومات بھی۔ غرض ۸۸ صفحات کا یہ مجموعہ گنجینۂ معرفت ہے۔

شاہ صاحب نے ابن تیمیہ کا دفاع کرتے ہوئے دو ٹوک فرمایا ہے کہ کشف شریعت کے دلائل میں سے

نہیں ہے۔ ص۲۱

امام بخاری کا دفاع کرتے ہوئے اپنے دور کے اکثر متفقہین کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ امام بخاری سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی طرح کے ایک شخص کی یہ بات نقل کی ہے کہ "امام بخاری صرف حدیث کے حافظ تھے، مگر اس کا علم نہیں رکھتے تھے۔ وہ حفظ حدیث میں قوی تھے، لیکن اس کے معانی کے فہم و فقہ میں کمزور تھے۔" ص۱۱۔ افسوس ہے کہ یہ گستاخانہ جسارت اب بھی جاری ہے۔

شاہ صاحب کی ایک رباعی جو اندرونی ٹائیٹل پر زیب فرما ہے، قابل دید و شنید ہے۔

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃ نبی ست   واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست

جائے کہ نہ بود جلوۂ حق حاکم وقت   تابع شدن حکم خرد بولہبی ست

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی حفظہ اللہ کی توجہ خاطر سے اس مجموعے کی معنوی اور ظاہری خوبیوں میں چار چاند لگ گئے۔ اب فارسی سے تعلق کی کمی تقاضا ہے کہ اردو میں بھی منتقل کر دیا جائے۔ (ص - ر)

تفسیر ثنائی (نصف اول)

تالیف: شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، صفحات ۴۴۳ (بڑا سائز) قیمت درج نہیں

کتابت، طباعت: نہایت نفیس۔ پتہ: ۱۔ ثناء اللہ امرتسری اکیڈمی، ۴۴۲ جی بی روڈ دہلی ۶

۲۔ مکتبہ مولانا ثناء اللہ امرتسری اکیڈمی ۳۴۴۳ نئی سڑک دہلی ۶

مولانا امرتسری کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا دور ہندوستان میں جنگ ادیان کا دور تھا اور آپ اس میدان میں اسلامی دفاع کے سپہ سالار اعظم تھے اور اس پہلو سے آپ کی اس قدر شہرت ہوئی کہ آپ کی دینی خدمات کے دوسرے گوشے دب کر رہ گئے، حالانکہ آپ نے غیر مناظرانہ کتابوں کی بھی ایک خاصی مقدار چھوڑی ہے۔ تفسیر ثنائی آپ کے شعبۂ خدمات دین کا ایک شاہکار ہے۔

مولانا نے پہلی بار جب یہ کتاب طبع کرائی تھی تو یہ کئی جلدوں میں تھی، صفحات دو کالم میں تقسیم تھے، پہلے کالم میں جلی حروف میں قرآن کی آیات اور باریک خط میں ان کا ترجمہ تھا۔ دوسرے کالم میں سامنے ترجمہ اور تفسیر دونوں کو اس طرح ملا دیا گیا تھا کہ رواں اور مسلسل عبارت بن گئی تھی۔ البتہ سطر کے اوپر لکیر کھینچ کھینچ کر ترجمے کو تفسیر سے ممتاز کر دیا تھا۔ تفصیل طلب مباحث نیچے حاشیے میں دیدیے گئے تھے۔

پچھلے برسوں یہ پوری تفسیر پاکستان میں ایک جلد کے اندر شائع کی گئی ۔ قرآن مجید اور اس کا ترجمہ حوض میں دکھایا گیا اور ترجمہ و تفسیر کا مجموعہ بطرز حاشیہ میں دیدیا گیا ۔ علمی مباحث سے متعلق حواشی جہاں تک گنجائش تھی تفسیر کے حاشیے پر حاشیے ہی میں رکھے گئے ۔ لیکن جو مباحث لمبے تھے ان کو متعلقہ مقام کے متصل ہی الگ صفحات پر دیدیا گیا شروع میں مولانا کے مختصر حالات و سوانح اور ایک مقدمہ بھی شامل کیا گیا ۔

اب اسی طباعت کا فوٹو لے کر ثناء اللہ امرتسری اکیڈمی نے اس تفسیر کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے نصف اول یعنی سورہ بنی اسرائیل کے ڈھائی رکوع تک شائع کر دیا ہے ۔ صرف ڈھائی رکوع کو شامل کر کے جلد کی تبدیلی کی حکمت ہمارے فہم سے بالاتر ہے ۔ تفسیر کی خوبی و کمال محتاج تعارف نہیں حواشی میں حالات کے اثرات جگہ جگہ دیکھے جا سکتے ہیں ۔ اسے دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کو نوع بہ نوع علوم و فنون پر زبردست عبور حاصل تھا تفسیر اپنی ظاہری شکل میں بھی خاصی دیدہ زیب ہے ۔ اگر پوری تفسیر ایک ہی جلد میں ہوتی تو شائقین کو بڑی سہولت ہوتی ۔

(ص ۔ ر)

مسلمان نما مشرکین کی اکثریت اور مشرکین عرب : مرتبہ ، محمد عنایت اللہ الندوی سلفی

صفحات ۵۶ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۔ کتابت طباعت کاغذ معیاری

پتہ : ادارۂ تحریک اسلامی 11-3/926/4 نزد تاج محل ٹاکیز بیلی حیدرآباد (اے پی)

دین اسلام میں سب سے بدترین اور ناقابل بخشش گناہ شرک ہے ، لیکن یہ نہایت افسوسناک حقیقت ہے کہ مسلمان کہلانے والوں کی ایک بڑی اکثریت عقیدے اور عمل دونوں میدان میں آج ٹھیک اسی مقام پر کھڑی ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اہل مکہ اور مشرکین عرب تھے ۔ مزید مصیبت یہ ہے کہ یہ "مسلمان نما مشرکین" ہی اپنے آپ کو دین اسلام کا اصل اجارہ دار سمجھتے ہیں ۔ زیر تبصرہ کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ مشرکین عرب کا شرک کیا تھا ؟ اور وہ آج کن کن شکلوں میں وجود پذیر ہے ۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان گمراہیوں کے وجود میں آنے کا سرچشمہ کیا ہے ۔ کتابچہ ہر اس شخص کے مطالعے کے لائق ہے جو اپنے ایمان و عقیدے کو درست کرنے کا خواہش مند ہو ۔ بعض بعض جگہ زبان و بیان نظر ثانی کا محتاج ہے ۔

(ص ۔ ر)

قرآن کریم کے دس اسباق (حصہ اول و دوم) و فرقہ بندی سے نجات

تالیفات: مولانا عبدالمبین منظر کتابت و طباعت متوسط

پتہ: شعبہ نشر و اشاعت ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یو پی بی ۱۹/۱۸ ریوڑی تالاب۔ بنارس

یہ تینوں کتابچے نشر و اشاعت ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی نے تبلیغی مقاصد کے پیش نظر برسوں پہلے شائع کیے ہیں۔ اول الذکر دونوں کتابچوں میں دس دس مقامات سے قرآن مجید کی چند آیات منتخب کرکے ان کا ترجمہ اور تشریح کی گئی ہے، جو انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی اصلاح کا ایک حصہ ہے۔

آخر الذکر کتابچے میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ امت مسلمہ مختلف فرقوں میں کیوں تقسیم ہو گئی ہے، اس کے پیچھے کون کون سے عوامل اور اسباب کارفرما ہیں۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ امت کو اس دلدل سے کیوں کر نجات دلائی جا سکتی ہے یعنی وہ کون سے مسلمہ قرآنی اور پیغمبرانہ اصول و ضوابط ہیں جنہیں پوری امت کے نزدیک نکتہ اتحاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اور جن پر واقعی کاربند ہونے سے امت متحد ہو سکتی ہے۔ مولانا نے مختلف جماعتوں کا نام لے کر یہ بھی بتلایا ہے کہ وہ اصولوں سے کس طرح ہٹ گئی ہیں۔

کتابت و تصحیح کا کام مزید توجہ کا مستحق ہے اور بعض باتیں بھی مزید تحقیق طلب ہیں۔ (ص ۔ ر)

قرآن اور دعا

تصنیف: محمد ثناء اللہ عمری، ایم اے ۔ قیمت ۱۲ روپے ۔ پتہ: ادارۃ تحقیقات اسلامی جامعہ دارالسلام عمر آباد

یہ ایک نوخیز ادارہ کے نوخیز مصنف کی پہلی پیشکش ہے جس پر ہم مصنف کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

کتاب کا موضوع اگرچہ پرانا ہے لیکن اس کی ترتیب میں جدت اختیار کرنے اور اسے قارئین کے لیے مفید بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف نے کتاب کا تعارف بایں الفاظ کرایا ہے:

"قرآنی آیات کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ دعائیں کس نے کیں؟ کن حالات میں کیں، کس چیز کے لیے کیں؟ اور یہ صدائیں دربارِ خداوندی میں کس شکل اور نوعیت اور کس وسعت و گیرائی کے ساتھ قبول ہوئیں؟ پھر دعا اور اس کی قبولیت کے ترجمے میں الفاظ اور اسالیب کی یکسانیت کس حد تک پائی جاتی ہے؟"

اور

"یہ تمام مباحث میں نے پچیس ابواب میں تقسیم کر دیے ہیں اور قرآنی آیات کے اندراج میں منطقی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔۔"

یہ تعارف کہہ رہا ہے کہ "قرآن اور دعا" کتاب کے مندرجات کا ترجمان نہیں بن سکتا اور "مشروع ۔۔ الفاظ" "اسلوب" کی یکسانیت واضح نہیں کی گئی ہے۔ اندراج آیات کی منطقی ترتیب! کہاں؟ اور کیسے، کچھ خبر نہیں۔

کتاب نہ "قرآنی دعاؤں کا مجموعہ" ہے نہ "قرآن اور دعا" ہے۔ مصنف کتاب نے چونکہ یہ ساری باتیں خطبہ اور درسِ قرآن میں کہی ہیں۔ اس لیے کتاب تصنیف بنتے بنتے رہ گئی۔

اکثر احادیث کے اردو ترجمے پیش کیے گئے ہیں۔ حوالہ مذکور نہیں۔ قاری اندھیرے میں رہے گا کہ حدیث کا مرتبہ کیا ہے؟ کہیں کہیں مفسرین کی روایتوں پر اعتبار کرکے اسرائیلیات درج ہو گئی ہیں۔ مثلاً (ص ۱۲۲) (ص ۱۲۵) عفت و عصمت کی دعا ص ۱۴۶ اسلوب شاعرانہ رویہ ابتذال ہے۔ "دعا کے آداب و شرائط" کی وضاحت نہیں ہو سکی۔ مصنف دعا اور استغفار کے درمیان فرق کے قائل نہیں۔ اس لیے وہ غیر مسلم کے لیے دعا کے قائل نہیں۔ میرے خیال میں غیر مسلم کے لیے استغفار ممنوع ہے، عام دعائیں نہیں۔ ان کی ہدایت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے۔ رب پاک نے اس پر تنبیہ بھی نہیں کی ہے۔

جلالین کے حوالوں سے ص ۲۲ "معتدین" سے مقفی مسجع دعا کرنے والے مراد لینا درست نہیں۔ علماء فقہاء قنوت کو خاص مواقع کے لیے بتاتے ہیں ص۔ مصنف کو ان کی باریکیوں پر نہ جانے کیوں اتنا غصہ آ رہا ہے۔ عام دلائل سے مسئلہ کی صحت دریافت کرتا ہے، علماء کی علمی کاوشوں پر گرجتا نہیں۔

بنام آں کہ او نامے نہ دارد ۔ بہر نامے کہ خوانی سر برآرد (دیباچہ)

تعطیل اور ہمہ اوستی سلف کا عقیدہ نہیں۔ ایسے اشعار سے پرہیز لازم ہے۔

کہیں کہیں عبارت میں الجھاؤ اور جھول بھی ہے۔ دعا کی فطریت (ص) جس اصول (ص) انقلابی تبدیلی (ص) "کہ" کے استعمال میں اسراف، ایمان و یقین سمندر کی موجوں کی طرح پوری قوت اور زور کے ساتھ ابلنے لگتے ہیں (ص)۔ اللہ تعالیٰ خشک و تر کا اہتمام کرنے والا ہے (ص)۔ قرآن انسان کو ہنگامی اعتراف اور طبعی انکار پر تنبیہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا پر ایمان بے کسی اور بے بسی کا علاج نہیں (ص) ذرا اس کا مطلب بتائیے۔ ـــــ اس طرح کی کئی چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہیں۔ سرکار دو عالم ص اللہ لکھا ہے نبی اکرم صلی اللہ باقی ص پر

بیٹے کی قربانی (بچوں کیلئے)

شوق اعظمی

سناؤں ایک میں سچی کہانی
کلام پاک کی ہے ترجمانی
خلیل اللہ کے نورِ نظر کا
ابھی تھا صرف آغاز جوانی
مقدر میں لکھی تھی آزمائش
جو آخر سر پہ آئی ناگہانی
کرو قربان بیٹا راہِ حق میں
ہوا نازل یہ حکمِ آسمانی
کمر باندھی خلیلِ حق نے فوراً
کہ دل پر تھی خدا کی حکمرانی
پسر نے بھی رضائے رب کے آگے
جھکایا سر بفرطِ شادمانی
لٹایا منھ کے بل اپنے پسر کو
کہ گردن پر چھری کی ہو روانی
ندا آئی کہ اے ابراہیم رک جا
ہوا پورا یہ خوابِ امتحانی
خلیلِ حق نے اپنا ہاتھ روکا
تو دیکھی رحمتِ حق کی نشانی
بہشتی ایک دنبہ واں پہ پایا،
نبی زادہ کی باقی زندگانی
اطاعت کا سبق دیتی ہے بچو
سراسر باپ بیٹے کی کہانی،

حرفِ دعا

سردار شفیق

پُر آشوب لمحات آسان کر
ذرا میرے حالات آسان کر
بڑے کرب میں کٹ رہی ہے حیات
غریبوں کے دن رات آسان کر
مرا ذہن ہے ریگ زارِ خرد
جنوں خیز برسات آسان کر
جو دیتا ہے وہ بے طلب بخش دے
اصولِ مناجات آسان کر
مرا نفس ہے مائلِ سرکشی
طریقِ فتوحات آسان کر
کسی خوف سے دل میں جو بند ہے
لبوں پر وہ حق بات آسان کر
مجھے چاہیے اپنا عرفانِ ذات
یہ مشکل مقامات آسان کر
عطا کر مغنی کو سوزِ دروں
سکوں بخش نغمات آسان کر
مری ضربِ حق سے درِ دل کھلے
حصارِ طلسمات آسان کر
حریفوں کے نامعتبر ذہن پر
مرے فن کی برکات آسان کر

دراسات فی الجرح والتعدیل

تالیف: ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی

عربی زبان میں اصول جرح وتعدیل کے مباحث پر بڑی مفصل، جامع اور مفید کتاب ہے۔ ائمہ جرح وتعدیل کے احوال بھی جمع کر دیئے گئے ہیں۔

قیمت =/۳۰ .Rs

قبروں پر مساجد اور اسلام

تالیف: محدث کبیر علامہ ناصر الدین البانی

ترجمہ: مولانا محفوظ الرحمن فیضی

قبروں پر مساجد، قبے اور عمارت بنانے کی تردید میں نہایت لاجواب اور فیصلہ کن کتاب۔

قیمت =/۱۵ .Rs

تذکرۂ شیخ الاسلام محمد بن عبد لوھاب رحمہ اللہ

تالیف: علامہ احمد بن حجر قاضی محکمہ شرعیہ قطر

ترجمۃ: مولانا صفی الرحمن ایڈیٹر محدث

شیخ کے حالات زندگی اور اصلاحی دعـــوت کا جامع مرقع، تبلیغی سرگرمیوں کے اثرات کی تفصیل، علماء اسلام اور دانشوران مغرب کے تبصرے اور حکمران آل سعود کی تاریخ۔

قیمت =/۱۰ .Rs

مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس ۔ ۲۲۰۱۰

OCT, **MOHADDIS** 1983
THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

محدث

مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیہ
بنارس - الهند

عدد مسلسل ۲۲ — محرم الحرام ۱۴۰۴ھ — نومبر ۱۹۸۳ء

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

بنارس

محرم الحرام ۱۴۰۴ھ

نومبر ۱۹۸۳ء

جلد ۲ : شمارہ ۱۱

ترتیب

صفی الرحمٰن مبارکپوری

● ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس ● طابع: عبدالوحید ● مطبع: سلفیہ پریس بنارس

بدلِ اشتراک

● سالانہ : ۲۵ روپیے

● ششماہی : ۱۳ روپیے

● فی پرچہ : ۲/۵۰ روپیے

● بیرونِ ملک سے سالانہ : ۱۵ ڈالر

(۵)

تزئین و کتابت

انور جمال

پتہ

خط و کتابت کے لیے : ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدلِ اشتراک کے لیے : مکتبہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب ، بنارس

MAKTABA - SALAFIA . REORI TALAB WARANASI .221010

ٹیلی گرام: "دارالعلوم" وارانسی ● ٹیلی فون : ۶۳۵۷۷

شہیدانِ کربلا

شوقؔ اعظمی

صد آفریں بجانِ شہیدان کربلا
رحمت بخانوادہ سردار انبیا

گشتند اہلِ بیت بہ بیچارگی شہید
از مکرِ اہلِ کوفہ کہ بودند بے وفا

ذاتے کہ بود مردمکِ دیدۂ رسولؐ
شخصے کہ بود جان وجگر بندِ مصطفیٰ

یعنی حسینؓ ابن علیؓ بے خطا و جرم
صد حیف شد شہید بہ میدان کربلا

تاریخ شاہدست کہ درپردۂ عناد
حبِّ حسینؓ بود ہمہ از پئے دغا

بودند قاتلاں ز محبانِ اہل بیت
بدنام می کنند بہ عالم یزید را

مکر وفریب تا کجا ایں نوحہ تا بہ کے
تا چند سینہ کوبی و تا چند ایں بکا

ہر سال نوحہ خوانی نباشد شعارِ دیں
ہر سال تعزیت نہ بود دینِ مصطفےٰ

ہر آنچہ می کنند بہ حب حسین شوقؔ
دانند اہلِ علم فریب است برملا

علومِ دینیہ کی ترقی اور ترفع کے لیے ایک اہم تجویز

شہیدین بالاکوٹ کے ارشاد کی روشنی میں

حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ تعالیٰ۔

ذیل کا فکر انگیز مضمون الاعتصام لاہور (پاکستان) کی ۹ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ کی اشاعت سے شکریے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے اس پر مدیر الاعتصام حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کا نوٹ یہ ہے کہ یہ مضمون: کئی سال قبل حضرت مولانائے محترم دامت برکاتہم نے اس وقت تحریر فرمایا تھا جبکہ وہ بیماری جس کا ذکر اس مضمون میں ہے نئی نئی چلی تھی اور اکثر مدارس اس سے محفوظ تھے۔ لیکن اب وہ بیماری متعدی مرض کی طرح اکثر مدارس دینیہ میں نفوذ کر گئی ہے اس لیے مضمون کی اہمیت و افادیت پہلے کی بہ نسبت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ یہ گراں قدر مضمون وقت کی اس ضرورت کے پیش نظر اصلاح احوال اور علومِ دینیہ کی ترقی کے نقطۂ نظر سے شائع کیا جا رہا ہے۔ کاش متعلقہ حضرات اس پر غور فرما سکیں۔

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیشہ کی طرح اب بھی اپنے دین اور علومِ دین کی حفاظت کے سامان ضرور پیدا کرے گا، جیسا کہ اس کی ایک سنتِ دائمہ کو قرآن حکیم کی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (سورہ محمد)

اور جس کی مثالیں اسلام کی زریں تاریخ میں موجود ہیں۔ لیکن علوم دینیہ کے سلسلے میں ہمارے یہاں کا دن بدن روبہ ترقی علمی انحطاط تشویشناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اس کے اسباب واقعیہ کی طرف بھی توجہ کی ضرورت سے کوئی ہوشمند انکار

نہیں کر سکتا۔ —— اس قابلیتی بحران کے بہت سے اسباب تشخیص کیے گئے ہیں اور کیے جا رہے ہیں، جن کی تفصیل اور ان کے جائزے کی بحث تو اس وقت موجب طوالت ہوگی۔ آج کی صحبت میں ہمیں ارباب فکر و نظر اور ارباب حل و عقد —— "اصحاب حل و عقد" سے فی الوقت ہماری مراد علمائے کرام اور حساس و متدین دولت مند طبقہ سے ہے —— کی خدمات عالیہ میں ایک ایسے اہم سبب کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جس کی طرف موجودہ تحریک احیاء و تجدید توحید و سنت کے بانی حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ) قدس اللہ روحہ نے اشارہ فرمایا تھا۔ مولانا ممدوح اپنے شیخ طریقت حضرت سید احمد شہید کے ملفوظات یعنی کتاب "صراط مستقیم" میں لکھتے ہیں:

"باید دانست کہ در جوہر اولاد کرام استعدادے مکنون بطریق میراث از آبائے کرام ایشاں ودیعت مے نہند، لیکن آں محض استعداد در ہیچ یکے از امور معاشیہ و معادیہ کار آمدنی نیست آرے اگر ہماں استعداد بر روئے کار آید و بہ سبب تعلیم و تعلم و تشرع و تدین جلوہ گر شود، البتہ مظہر امور عظیمہ و مصدر منافع جلیلہ خواہد شد و ایں استعداد مکنونہ را نسبتے بہ استعدادات ازلیہ کہ نصیبہ ہر شخص در ازل الازل استعدادے از استعدادات صالحہ یا فاسدہ گردیدہ باید فہمید اما بنائے مجازاۃ بر محض آں استعدادات نیست" الخ (ص ۶۶ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ)

یعنی واضح رہے کہ شرفاء (غالباً پرانے علمی و منصبی خاندان مراد ہوں گے جو قدیم ایام سے دینی و دنیوی اعلیٰ مناصب پر فائز چلے آ رہے تھے۔) میں اللہ تعالیٰ نے فطانت و ذہانت اور شرافت کا ایک جوہر ودیعت کر رکھا ہے جو آباء و اجداد سے ان میں وراثتاً منتقل ہو کر آتا ہے، مگر صرف یہ فطری استعداد ہرگز ہرگز کارآمد نہیں جب تک کہ علوم دینیہ کی تعلیم و تعلم اور تشرع و تدین کے ذریعے سے ان قابل جوہروں کی تربیت نہ کی جائے، بلاشبہ اس ذہین و فطین طبقے کی علمی و دینی تربیت سے بڑے مفید نتائج ظاہر ہو سکتے ہیں۔ (خلاصہ)

اس ارشاد کی روشنی میں عربی کی پچھلی پون صدی کی تعلیمی رفتار اور معیار قابلیت کی بتدریج پستی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مومنانہ فراست کا مذکورہ بالا تجزیہ کس قدر درست ہے۔

برصغیر پر عیسائیوں کی حکومت مسلط ہونے کے بعد مسلمانوں کے ذہین طبقے نے عربی کے بجائے انگریزی کا رخ کیا اور اسلامی نظام تعلیم کے بجائے ان کا میلان عیسائیوں کے درآمد کردہ عیسائی نظام تعلیم کی طرف ہو گیا —— عیسائی اس لیے کہ بالعموم اس کا فائدہ بلاواسطہ یا بالواسطہ عیسائیت ہی کو پہنچا، اسلام کو نہیں —— جس کے دائرہ کار سے مذہب

اور اسلام کے اعلیٰ اخلاقی اقدار خارج تھے۔ یہ بات سر کی آنکھوں سے صاف نظر آ رہی تھی، مگر ہوا یہ کہ "کبار" کی اکثریت اور قدیم علمی خاندانوں نے اپنے نونہالوں کو جنھیں ورثے میں اعلیٰ استعداد کا جوہر ودیعت ہوا تھا۔ دہلی (مرحوم) لکھنؤ، دیوبند، رام پور، امرتسر (مرحوم) حجاز، مصر، شام کے عربی دار العلوموں اور تفسیر و حدیث کے مدارس کے بجائے علی گڑھ، لندن، کیمبرج اور امریکہ وغیرہ بھیجنا شروع کر دیا۔ جو عیسائی تعلیم کے گڑھ ہیں۔ انتہا یہ کہ یہ وبا بعض علمائے عربیت کے گھروں میں بھی گھس آئی جنھوں نے عربی ہی کی بدولت قوم میں عزت پائی اور شہرت و حیثیت کے مالک ہوئے۔ ان حضرات نے بھی اپنی اولاد کو اسکول و کالج ہی کی طرف ڈھکیل دیا ـــــ تا آنکہ وہ "استعدادی جوہر" سے کام لے کر بہترین دفتریت کے مقام رفیع پر فائز ہو گئے ـــــ اور اس طرح اپنے طرز عمل سے عام مسلمانوں کو بھی عربی پر انگریزی کی ترجیح کا تاثر دیا۔ جس سے قوم لیکچر اور وعظ بے اثر ہو کر رہ گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ کالج کی تعلیم، تمتعات مادیہ کا حصول اور خوشحال زندگی بسر کرنے کا مستقبل نظر آ رہا تھا۔ اور اب؟ اب یہ سیلاب بلا ہے کہ تھمتا نظر نہیں آتا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ علماء تک اس رو میں بہ گئے؟ اکثر ذہین و طباع حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عربی کے مروجہ نظام میں جاذبیت و کشش نہیں، اس میں معاشی مسئلے کا حل نہیں۔ پھر اس مفروضے پر کبھی مشرقی علوم کے کالجی امتحانات تجویز کیے گئے۔ لیکن کیا اس سے علوم عربیہ کے مقصد حصول کو کبھی بھی کوئی معتد بہ فائدہ پہنچا؟ ہماری رائے ہے کہ نہیں۔ اور کبھی یہ سوچا گیا کہ کیوں نہ اسلامی تعلیم کے مخمل میں انگریزی اور کالجی طریقۂ تعلیم کے ٹاٹ کا پیوند لگا دیا جائے تا کہ عربی مدارس میں جاذبیت پیدا ہو سکے۔ اور بد قسمتی سے یہ رو بھی دیکھا دیکھی چل نکلی ہے۔

لیکن اپنے قصور فہم کا اعتراف کرتے ہوئے بھی ہمیں اس میں تامل ہے، اس لیے کہ :-

یہ دو زبانوں کا مسئلہ نہیں کہ تطبیق کے کسی بقراطی نسخے سے مرض کا علاج ہو سکے۔ بلکہ مسئلہ دو مختلف المزاج والّلوازم تعلیمی نظاموں کا ہے، جن کے درمیان اتنا بُعدِ مسافت ہے کہ اسے پاٹنا اتنا آسان نہیں جتنا سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر ایک کا مقصدِ اصلی حکومت کی گاڑی چلانا، دفتری کاموں میں مہارت اور مادیات سے تعلق پیدا کرنا اور دنیوی خوش حالی کو مقصودِ زیست بنانا ہے، تو، دوسرے کا نصب العین حق تعالیٰ کی رضا کے اسباب کا حصول، اُخروی فلاح و بہبود، اعلیٰ اخلاقی اقدار کی نشو و نما، قناعت کی زندگی اور اعتماد علی اللہ کی نعمت سے سرفرازی ہے۔ ایک تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیم سے دوری کا سبب بنتی ہے تو، دوسری آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اتباع سنت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ ایک سے اپنے قابل فخر اسلاف سے رشتہ جڑتا ہے، دوسری سے حال و مستقبل کا فکر ذہن پر ایسا مستولی ہوتا ہے کہ اپنے ماضی تابناک ماضی سے نفرت شروع ہوجاتی ہے۔

ظاہر ہے ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے اسلامی و عربی تعلیم کے یہ مقاصد بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں، اس کے مقابلے میں "جدیدیت" کا طریقہ پست اور سفلی ہے۔

چنانچہ اس جدید نظام تعلیم کی طرف لپکنے کا نتیجہ کیا نکلا، یہی کہ "تشریع و تدین" کے فقدان کے باعث ہماری قوم کے جواہر پاروں میں جو "استعدادات کمونہ" موجود تھیں، وہ دینی شکل میں جلوہ گر نہ ہوسکیں اور جیسا کہ شاہ صاحب نے فرمایا "منافع جلیلہ" سے قوم محروم ہوگئی اور ہوتی جارہی ہے۔ لائق خطیبوں کا قحط ہے۔ قابل مدرسین علوم عربیہ کا کال ہے، اچھے مصنفین نہیں ملتے اور محققین علوم قرآن و حدیث عنقا ہوتے جارہے ہیں۔ چند دن قبل تک چند چراغ ٹمٹما رہے تھے جو ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے گل ہوکر ہمیں داغ مفارقت دیئے چلے جارہے ہیں۔

خوب سوچنے کی بات ہے کیا اس صورت حال کے پیدا ہونے میں حضرت شاہ صاحب کے بیان فرمودہ سبب کو دخل نہیں؟ اس کو موضوع بنا کر غور و فکر فرمایا جائے اور ایسے ذرائع کو بروئے کار لانا چاہیے کہ ملک کے ذہین و فطین افراد اور علمی خاندان دین کا علم عربی کے ذریعہ بحیثیت دینی علم کے حاصل کرنا شروع کردیں۔ پھر دیکھیے کہ یہ طریق کیسا مثمر برکات ہوتا ہے جیسا کہ ہمارا شاندار ماضی اس پر شاہد عدل ہے۔

یہ درست ہے کہ جاذبیت ہونی چاہیے۔ اس کا انکار نہیں لیکن ہونی وہ ایسی چاہیے جو دینی علوم اور مزاج سے مناسبت رکھتی ہو، عربی تعلیم و تعلّم کی عمر تیرہ سو سال سے زیادہ ہے، کیا اس کا دامن جذب انجذاب سے خالی ہے کہ ہم مصنوعی طریقے اختیار کرتے پھریں اور تجربوں میں حیران و پریشان ہوکر وقت و مال کا ضیاع کریں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ[1] - (الزمر)

---

[1] بس میرے ان بندوں کو بشارت دیدو جو بات سنتے ہیں تو اس کے اچھے پہلو کی پیروی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت سے سرفراز کیا ہے، اور یہی لوگ ہیں جو سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

آیات وانوار

صحیح ایمان

مولانا عبدالمعید سلفی

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی بہت سی صفات بیان کی ہیں، یہ صفات اسلام کے وہ بنیادی ارکان اور اساسی صداقتیں ہیں جن کی اہمیت کو ہر مسلمان جانتا ہے، انھیں صداقتوں اور حقائق پر صحیح معنوں میں عمل کرنے سے عمل پیرا مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں، برکتوں، دونوں جہان کی کامیابیوں کی بشارت دی ہے۔ ان صفات میں نہ ہمیں "نوقیات" کا پتہ چلتا ہے، نہ خود ساختہ ان اسلامی پروگراموں" کا جن کی پوجا کرنا سب سے بڑی عبادت اور وقت کی اہم ضرورت سمجھی جاتی ہے۔

قرآن کریم نے بہ تکرار ایمان اور عمل صالح کی اساس پر کامیابی کی بشارت دی ہے اور بکثرت سے ایمان لانے اور عمل صالح کرنے پر مسلمانوں کو آمادہ کیا ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ (البقرة: ۲۵) جنھوں نے تصدیق کی اور اچھے کام کیے انھیں بشارت دے دو کہ ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (المائدہ: ۹) جنھوں نے تصدیق کی اور اچھے کام کیے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا ربانی وعدہ ہے۔

ایمان اور عمل صالح دنیا میں اسلامی زندگی کے ہر تصور اور نشاط و عمل کو شامل ہیں۔ یہ دو الفاظ اتنے وسیع ہیں کہ خندہ جبینی اور راستے سے کانٹا ہٹانے تک کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں

لیکن اس عام دعوتِ ایمان و عمل کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کچھ خاص اعمال و صفات کا ذکر کیا ہے جن سے مسلمان فیض یاب ہوتے ہیں اور شب و روز اپنی زندگی میں ان کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ صفات و اعمال اپنی اساسی حیثیت اور ہمہ گیر اثرات کے سبب زندگی کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو ربانی رنگ میں رنگ دیتے ہیں

ان صفات و اعمال میں جن کا تذکرہ قرآن میں بار بار آتا ہے ایمان بھی ہے۔ لفظ ایمان اپنے عام معنوں میں

اسلام کا مرادف ہے اور زندگی کے تمام ربانی تصور و عمل کو شامل ہے لیکن عمل کے ساتھ ذکر کیے جاتے پر ایمان سے مراد وہ قلبی اعمال ہیں جو ظاہری مشاہدہ میں نہیں آتے لیکن ان کے اثرات مسلمانوں کی پوری زندگی پر پڑتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہاں ایمان سے مراد عقیدہ ہوتا ہے۔

عقیدہ: سادہ معنوں میں تو عقیدہ چند حقائق کو دل کی گہرائی سے مان لینے کا نام ہے لیکن یہ حقائق کوئی بے جو حقائق نہیں ہیں کہ ان کے اثرات زندگی پر مرتب نہ ہوں۔ عقیدہ انسان کی تمام نظری، حیاتی، نفسیاتی اور روحانی آمادگیوں اور فداکاریوں کا نام ہے، جب انسان تمام قلبی قوتوں کے ساتھ اپنی زندگی کو رب دوجہاں کے حضور نذرانے کے طور پر پیش کر دیتا ہے تب وہ مومن اور عقیدے میں پختہ کار شمار ہوتا ہے۔

رب پاک نے جن حقائق و تصورات کو تسلیم کرنے اور ماننے کا حکم دیا ہے، مومن الفیس فوراً تسلیم کر لیتا ہے۔ آن نے چند جملوں میں ان حقائق کی وضاحت کر دی ہے۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ۔ (البقرۃ: ۲۸۵)

رسول کے پاس جو کچھ ان کے رب کی جانب سے بھیجا گیا۔ اس پر وہ ایمان لائے اور مومنین ایمان لائے، ہر ایک نے اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی تصدیق کی، ہم پیغمبران الٰہی میں کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ (آل عمران: ۱۱۴) وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نے ان حقائق میں ایک اضافی حقیقت کی تصریح فرمائی ہے۔ والقدر خیرہ وشرہ (یعنی اس پر ایمان لاؤ کہ) بھلی بری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

ان آیتوں اور حدیث میں چھ حقائق کا بیان ہے۔ الفیس پر بندۂ مومن ایمان لاتا ہے۔ یہ حقائق ہیں۔ اللہ پر ایمان لانا اور رسولوں، فرشتوں، کتابوں، یوم آخرت، قضا و قدر کے خیر و شر پر ایمان لانا۔

ان حقائق کو ماننے کی کئی سطحیں اور معیار ہیں لیکن ایک کامل مسلمان جس سطح پر ان کو تسلیم کرتا اور جن شرائط کے ساتھ ان کی تصدیق کرتا ہے الفیس قرآن ہی کے الفاظ میں پڑھیے یہی معیار یقین و اذعان ہے جو اس معیار سے ہم آہنگ ہو وہ خدا کو رحمت و برکات کا سزاوار ٹھہراتا ہے۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا اس نے

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ (البقرہ: ۲۵۶)

ناقابلِ شکست مضبوط رستے کو تھام لیا، اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ (الزمر ۱۷)

جنھوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف پلٹے، ان کے لیے بشارت ہے، میرے بندوں کو بشارت دیدو۔

۲۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ۔ (الانعام: ۸۳)

جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہیں کی ان کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں۔

۳۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (الحجرات: ۱۵)

مومن وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد شک نہیں کیا اور راہِ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا، وہی سچے لوگ ہیں۔

۴۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ۔ (المجادلۃ: ۲۲)

کسی ایسی قوم کو نہ پاؤ گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے پینگ بڑھائے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی بند ہوں، وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھدیا ہے اور انھیں اپنی روح کی تائید عطا کی ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

تیرے رب کی قسم وہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تجھے اپنے باہمی قضیوں کا فیصل نہ مان لیں اور پھر تیرے فیصلے سے تنگ دل نہ ہوں اور کامل طور پر تسلیم کرلیں۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ

وہی ذات ہے جس نے تم پر کتاب اتاری، کتاب میں محکم آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں دوسرے کچھ متشابہ آیات ہیں، البتہ وہ لوگ جن کے دلوں میں کچھ کھوٹ ہے وہ متشابہ

مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ، رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔ (آل عمران: ۷-۸)

آیتوں کی کرید کرتے ہیں تاکہ فتنہ بھڑکائیں اور ان کی تاویل تلاش کریں، حالانکہ ان کی تاویل صرف اللہ کو معلوم ہے اور علم میں رسوخ رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہمارا متشابہ آیتوں پر ایمان ہے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہیں اور تذکیر صرف اصحاب خرد کے لیے ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل کج نہ کر اور ہمیں اپنی جانب سے رحمت عطا کر، بیشک تو ہی عظیم داتا ہے۔

ان آیتوں میں مسلمانوں کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے، ان کے ایمان کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ رب پاک نے فرمایا کہ ہمارے بندوں کا ایمان "ظلم" "ریب" "عبادت طاغوت" "محادات رب اور رسول" "شرک" اور "زیغ" سے پاک رہتا ہے۔ اُن کا گلدۂ ایمان ان تمام جھاڑ جھنکاڑ سے صاف رہتا ہے۔ اس کے عوض انھیں ناقابل شکست وریخت مضبوط پناہ گاہ بشارتِ امن وہدایت ملتی ہے۔ انھیں صادق کے عظیم اعزاز سے نوازا جاتا ہے، ان کے دلوں میں ایمان پیوست کر دیا جاتا ہے اور انھیں ربانی تائید و نصرت ملتی ہے۔ خلافت ارض اور اقتدار نصیب ہوتا ہے، ان کا شمار اصحاب فہم و فراست میں ہونے لگتا ہے۔ مذکورہ آیتوں میں جس خالص ایمان کی توصیف کی گئی ہے اور اس کے لیے جن امور سے بچنے کی شرط لگائی گئی ہے ان پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس قدر عقیدے کے اندر گمراہیاں پھیلی ہیں اس کا سبب عبادتِ طاغوت، ظلم، ریب، زیغ و محاداۃ ہی ہیں۔

۱۔ عبادتِ طاغوت سے اجتناب صحتِ عقیدہ کی اولین شرط ہے۔ عبادتِ طاغوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عبادتِ رب اور اطاعتِ الٰہی کی راہ میں درپیش ہوس کاریوں کا شکار ہو جانا شیطان کے پھندے میں پھنس جانا اور صراطِ مستقیم سے بھٹک جانا۔ اس طرح نفس کے وسوسے ہوا و ہوس شہوات، دنیاوی دھندے، رسم و رواج، اہل و عیال، ملک و وطن، قوم و قبیلہ، غلط کار پیر و عالم سبھی طاغوت بن سکتے ہیں، اور آج جو دین کو سمجھنے کے لیے شخصیات معیار بن گئے ہیں۔ وہ بھی اگر راہِ راست سے بھٹکنے کا سبب بن جائیں تو اس بھٹکنے والے کے لیے طاغوت ہیں۔ شخصیت پرستی اور تقلید جو دین پر صحیح طور سے عمل پیرائی سے باز رکھے وہ بھی اس شخص کے حق میں طاغوت قرار پائے گی۔

مومن کامل بننے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان طاغوت سے اجتناب کرے اور ان کا انکار کرے خواہ وہ

ایمان کے صلہ کا حق دار نہ ہوگا، اسے مضبوط پناہ گاہ نہ مل سکے گی وہ زندگی کے فتنوں اور آلام و مصائب میں درماندہ و حیران بے کس و لاچار بھٹکتا رہے گا اور ہر نعرے کے پیچھے بھاگتا پھرے گا

۲۔ ظلم سورہ انعام کی آیت ۸۲ میں مسلمانوں کو ہدایت یاب اور امن یافتہ ہونے کے لیے شرط یہ عائد کی گئی ہے کہ ان کا ایمان ظلم سے پاک ہو ۔ ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش کا کیا معنی ہے، اس کی تشریح رب پاک نے لقمان کی زبانی فرمادی ہے 'یا بُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ (میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا، شرک بہت بڑا ظلم ہے ۔) اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہم کو اس آیت میں ظلم کا معنی شرک بتلایا اور سورہ لقمان کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی ۔

وہ ایمان جس میں اس ظلم کی آمیزش نہ ہو اس کا بدلہ امن اور ہدایت ہے ایسے اصحاب ایمان ہدایت اور امن کی دولت بے بہا سے مالا مال ہیں اور جن کا ایمان ظلم کی آمیزش سے پاک نہ ہو وہ ضلالت اور جہالت کے گھیرے میں ہیں انھیں امن نصیب نہیں اُن پر خوف مسلط ہے خوف عذاب خداوندی مسلط ہے ۔ شیطان کی فتنہ سامانیوں کا انھیں اندیشہ ہے، دشمن کے نرغوں کا انھیں ڈر ہے اور خالص ایمان والوں کو امن صفا میسر ہے انھیں عذاب آخرت سے چھٹکارا ملا ہے، شیطان انھیں اپنے جال میں نہیں پھنسا سکتا، دشمن کے فکری یلغار کا انھیں ڈر نہیں ۔

لیکن مسلمانوں میں اس ظلم کا بازار اتنا گرم ہے کہ زندگی کا ہر شعبہ اس سے متاثر ہے ۔ مساجد، خانقاہیں، معتبر مدارس ہر جگہ یہ ظلم ہو رہا ہے ۔ آیت میں آمیزش کا سوال ہے لیکن یہاں توحید ہی سرے سے غائب ہے ۔ پھر بھی لوگ ہدایت یاب بنے بیٹھے ہیں بلکہ اس ظلم پر نکیر امت میں اختلاف پیدا کرنے کا الزام بن گیا ہے اسلامی جمہوریت کے دعویدار تو اسے ووٹوں کے ذریعہ حق قرار دیں گے ۔

۳۔ ارتیاب صحیح اور خالص ایمان کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان کو ان حقائق اور صداقتوں کے متعلق ادنیٰ شک و شبہ نہ ہو جنھیں تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے ۔ اگر کسی مسلمان کا ایمان ریب و شک سے مبرا ہو تو اسے صادق کا اعزاز ملے گا۔ جن لوگوں کو ان حقائق اور صداقتوں کے کسی جزء اور قضیہ پر شک ہوگا وہ اللہ کے نزدیک صادق نہیں ہیں ۔ غیب سے متعلق حقائق جیسے کلام رب رویت باری تعالیٰ، جنت و جہنم اور اس کی نعمتوں کے متعلق جو فرقے شک رکھتے ہیں، ان سے صداقت چھنی ہوئی ہے ۔ کتاب و سنت کے بیان کردہ حقائق کو مان لینا اسلامی صداقت اور ایمان کی صحت کی دلیل ہے ۔

۴۔ محاداۃ اور فیصلۂ رسول پر عدم انقباض: صحتِ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کریں ان سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ ان سے رشتۂ محبت و اخوت استوار نہ کیا جائے خواہ مخالفین اپنے ہی بھائی بند، کنبہ قبیلہ، باپ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر ایسے اللہ اور رسول بیزار لوگوں سے ایک مسلمان قطعِ تعلق کر لیتا ہے تو اس کی عظمت اور قوتِ قلب کی دلیل ہے وہ اپنے عزم و ہمت سے ایمان کو اپنے دل کا نقش جاودان بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نورِ ایمان سے منور کر دیتا ہے اور ایمان اس کے اندر جاگزیں کر دیتا ہے اسے اپنی تائید و نصرت عطا کرتا ہے، اس معیار پر پہنچ کر بندۂ مومن اپنی صحتِ ایمان کی منہ بولتی تصویر بن جاتا ہے۔

نیز مومن فیصلہ رسول پر کامل تسلیم و رضا اختیار کرتا ہے، اسے رسول پاک کے فیصلے پر شرحِ صدر ہوتا ہے۔ جن کے دل فیصلۂ رسول پر مطمئن نہ ہوں، وہ مومن نہیں ہیں ان کا ایمان نہیں ہے۔ فیصلۂ رسول پر کامل تسلیم کا اطلاق ان لوگوں پر بھی نہیں ہو گا جنھوں نے دیدہ و دانستہ آپ کے فرمان کو چھوڑ کر اپنی جبینِ عقیدت دوسروں کے سامنے خم کر دیا ہو، ایسے لوگوں کے ایمان کی صحت میں شبہ ہو گا۔

۵۔ عقیدۂ خالص کے لیے ضروری ہے کہ بندۂ مومن ہر طرح کے شرک سے مجتنب رہے۔ وہ شرک چاہے ریا ہو یا غیر اللہ کی عبادت ہو یا ان کا وسیلہ ہو اسے تمام اقسام شرک سے بچنا پڑے گا۔

۶۔ خالص توحید کے اور کھرے عقیدے کے لیے لازم ہے کہ اللہ نے اپنی محکم و متشابہ آیتوں میں جو کچھ فرمایا ہے انھیں فرمانِ رب سمجھتے ہوئے بغیر کسی چوں چرا کے مان لیا جائے یہی صحتِ ایمان کی دلیل ہے۔ اگر ایک مسلمان متشابہ آیات کے چکر میں پڑ کر اپنی عقل و خرد کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو یہ اس کے دل کی کجی ہے۔ کجی سے مسلمانوں کو پناہ مانگنا چاہیے۔ اس کجی میں مسلمانوں کے اکثر فرقے گرفتار ہو گئے اور متشابہات کے چکر میں فتنوں کا عظیم دروازہ کھول دیا۔ اسماء و صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ ہو یا دیگر غیبیات کا مسئلہ، ان تمام مسائل میں امت کے بہت سے طبقے "زیغ" میں مبتلا ہو گئے۔ آیت نمبر ۷، ۸ آلِ عمران نے وضاحت کر دی ہے کہ اللہ کے بتلائے ہوئے حقائق میں چوں چرا کرنا "زیغ" ہے۔

مذکورہ چھ امور سے اجتناب ایمانِ کامل و عقیدۂ خالص کے لیے ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ چھ امور گمراہی اور ضلالت ہیں اور خالص ایمان کے خلاف ہیں۔ اپنی اصطلاحوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ صحیح العقیدہ ہونے کے لیے قبر پرستی، پیر پرستی (ظلم) معبودان باطل ہوا و ہوس تجرد پسندی (طاغوت) باطنی جماعتیں (ارتیاب) انکارِ حدیث (محاداۃِ رسول) کفر و الحاد (شرک) اعتزال اشعریت ماتریدیت، وحدۃ الوجود وغیرہ (زیغ) سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

بہ سلسلہ امام ابن خزیمہ صاحب الصحیح " قسط نمبر ۳

" صحیح ابن خزیمہ "

مولانا محمد حنیف صاحب فیضی جامعہ اسلامیہ مدینہ

اجمالی تعارف : یہ امام الائمہ فقیہ الآفاق ابن خزیمہ کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق تصنیف ہے اس کا شمار حدیث کی ان مہتم بالشان کتابوں میں ہوتا ہے جن کا محدثین عظام نے اعتبار کیا ہے اور جن کی حدیثوں سے محققین علماء کرام نے احتجاج کیا ہے۔ خالص صحیح احادیث پر مشتمل جو مجموعے لکھے گئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ چونکہ مولف موصوف نے اس کتاب میں صحیح حدیثوں کی تخریج کا التزام کیا ہے اس لیے صحیح کے نام سے مشہور رہے۔ یہ کتاب مصنف کی ایک دوسری کتاب "مسند کبیر" کا اختصار ہے۔

اس کتاب کے چار اجزاء ڈاکٹر محمد مصطفی اعظمی کی تحقیق و تعلیق اور محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی کے مراجعے کے ساتھ مکتب اسلامی بیروت لبنان سے زیور طباعت سے آراستہ ہوکر شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن پوری کتاب ہنوز ناپید ہے، جزء اول کے شروع میں ڈاکٹر موصوف کا ایک مقدمہ بھی ہے جس میں مصنف کی مختصر سوانح کے ساتھ ان کی تصنیفات خصوصاً صحیح ابن خزیمہ کے متعلق مفید معلومات درج ہیں۔

صحیح ابن خزیمہ کا اصل نام : یہ کتاب "صحیح ابن خزیمہ" کے نام سے مشہور ضرور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے اس کا نام "صحیح" نہیں رکھا جس طرح امام بخاری اور امام ابن حبان نے اپنی کتابوں کا نام صحیح نہیں رکھا ہے بلکہ امام بخاری نے اپنی کتاب کا نام "الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ" رکھا ہے اور امام ابن حبان نے اپنی کتاب کا نام "المسند الصحیح علی التقاسیم والانواع" رکھا ہے۔ اسی طرح امام ابن خزیمہ نے اپنی کتاب کا نام "مختصر المختصر من المسند الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" رکھا ہے۔ بعد میں یہ کتابیں صحیح کے نام مشہور ہوئیں۔ [۱]

صحیح ابن خزیمہ کی اہمیت اور کتب احادیث میں اس کا مقام : یہ کتاب بڑی اہم اور کتب

---

[۱] مقدمہ صحیح ابن خزیمہ ص ۱۶

احادیث میں بلند مقام و مرتبہ کی حامل ہے۔ اس کا شمار کی حدیث کی اہم بالشان اور مستند کتابوں میں ہوتا ہے۔ حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں و کتابہ الصحیح من انفع الکتب واجلها [1] انکی کتاب صحیح مفید ترین اور عظیم ترین کتابوں میں سے ہے۔ خالص صحیح احادیث پر مشتمل جو کتابیں تالیف کی گئی ہیں ان میں صحیحین کے بعد اولیت کا درجہ اسی کو حاصل ہے۔

علامہ احمد شاکر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعد صحیح مجرد میں جو کتابیں تالیف کی گئی ہیں، ان میں سب سے اہم یہ تین کتابیں ہیں۔ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم۔ نیز رقمطراز ہیں کہ ناقدین اور علمائے فن نے ان تینوں کے مابین جو ترتیب قائم کی ہے وہ یہ ہے (۱) صحیح ابن خزیمہ (۲) صحیح ابن حبان (۳) مستدرک حاکم۔ اور یہ ترتیب ان میں سے ہر ایک کو اپنے مابعد پر التزام صحیح مجرد میں ترجیح دینے کے لحاظ سے ہے۔ [2]

حافظ عراقی فرماتے ہیں: ویؤخذ الصحیح ایضا من المصنفات المختصۃ بجمع الصحیح فقط کصحیح ابی بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمۃ وصحیح ابی حاتم بن حبان البستی المسمی بالتقاسیم والانواع وکتاب المستدرک علی الصحیحین لابی عبد اللہ الحاکم۔ [3] یعنی صحیح حدیثیں ان کتابوں سے بھی حاصل کی جا سکتی ہیں جو احادیث صحیحہ جمع کیے جانے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسے صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم۔ حافظ ابن صلاح نے صحیحین کے علاوہ حدیث کی جن معتمد کتابوں کو احادیث صحیحہ کا ماخذ قرار دیا ہے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ لا یکفی فی ذلک مجرد کونہ موجوداً فی کتاب ابی داؤد وکتاب الترمذی وکتاب النسائی وسائر من جمع فی کتابہ بین الصحیح وغیرہ ویکفی مجرد کونہ موجوداً فی کتب من اشترط منهم الصحیح فیما جمعہ ککتاب ابن خزیمۃ [4] یعنی کسی حدیث کی صحت کے سلسلے میں فقط اس کا ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں موجود ہونا کافی نہیں ہے جن میں صحیح اور غیر صحیح حدیثوں کا اندراج ہے، البتہ اس کا محض ان کتابوں میں موجود ہونا کافی ہے، جن کے مصنفین نے ان کتابوں میں صحیح روایتوں کے اندراج کی شرط لگائی ہے جیسے صحیح ابن خزیمہ۔ ذکر الخطیب فی معرض ما حقہ التقدیم فی السماع فقال: احقها بالتقدیم کتاب الجامع والمسند الصحیحین لمحمد بن اسماعیل ومسلم بن الحجاج وکتاب محمد بن اسحٰق بن خزیمۃ۔ [5] یعنی خطیب ان کتابوں کے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج۱۱ ص ۱۴۹ [2] مقدمہ صحیح ابن حبان ص ۷، ۱۱ [3] فتح المغیث للعراقی ج۱ ص ۱۹ و توضیح الافکار ج۱ ص ۶۳ [4] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۱ [5] مقدمہ صحیح ابن خزیمہ ص ۱۶۔

محل میں جو سماع میں مقدم کیے جانے کی مستحق ہیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان تمام کتابوں میں تقدیم کی زیادہ مستحق صحیح بخاری صحیح مسلم اور صحیح ابن خزیمہ ہیں۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ کا مقام صحیح مسلم کے بعد ہے [۱] نیز رقمطراز ہیں۔
صحیح ابن خزیمۃ اعلیٰ مرتبۃ من صحیح ابن حبان لشدۃ تحریہ حتی یتوقف فی التصحیح لادنیٰ کلام فی الاسناد فیقول "ان صح الخبر" او "ان ثبت کذا" ونحو ذالک [۲] صحیح ابن خزیمہ مرتبہ میں صحیح ابن حبان پر فائق ہے کیوں کہ ابن خزیمہ شدت تحری سے کام لیتے ہیں حتیٰ کہ تصحیح حدیث کے سلسلے میں سند میں ادنیٰ کلام کی وجہ سے بھی توقف کرتے ہیں چنانچہ ان صح الخبر یا ان ثبت کذا وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، کتانی رقمطراز ہیں ان اصح من صنف فی الصحیح بعد الشیخین ابن خزیمۃ فابن حبان شیخین کے بعد صحیح میں جن لوگوں نے تصنیف کی ان میں سب سے زیادہ صحیح ابن خزیمہ پھر ابن حبان کی ہے صحیح ابن خزیمۃ اعلیٰ مرتبہ من صحیح ابن حبان وصحیح ابن حبان اعلیٰ من الحاکم [۳] صحیح ابن خزیمہ صحیح ابن حبان پر فائق ہے اور صحیح ابن حبان مستدرک حاکم پر۔
علمائے فن کے ان بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کتب احادیث میں عالی حیثیت کی حامل ہے اور خالص صحیح احادیث پر مشتمل صحیحین کے علاوہ جو مجموعے تیار کیے گئے ہیں ان میں اولیت کا مقام اسی کو حاصل ہے۔
علامہ سیوطی کا بیان گزر چکا کہ ابن خزیمہ شدت تحری

امام ابن خزیمۃ کی اپنی صحیح میں شدت تحری: سے کام لیتے تھے۔ علامہ سیوطی کا یہ بیان بجا ہے۔ کیوں کہ صحیح ابن خزیمہ کا جائزہ لینے سے اس میں ایسی واضح مثالیں ملتی ہیں جو علامہ سیوطی کے مذکورہ بیان کی موید ہیں۔ بطور نمونہ چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) امام ابن خزیمہ ایک حدیث کی تخریج کے بعد جس کی سند میں محمد بن اسحٰق پڑتے ہیں، فرماتے ہیں۔ انا استثنیت صحۃ ھذا الخبر لانی خائف ان یکون محمد بن اسحٰق لم یسمع من محمد بن مسلم وانما دلسہ عنہ [۴] میں نے اس حدیث کی صحت کا استثناء اس وجہ سے کیا کہ مجھے خوف ہے کہ محمد بن اسحٰق کا سماع محمد بن مسلم سے نہ ہوا ہو بلکہ انہوں نے اس کی روایت ان سے تدلیساً کی ہو۔

(۲) ایک حدیث جس کی سند میں ابن لہیعہ پڑتے ہیں، نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ابن لھیعہ لیس مما اخرج

---

[۱] الفیۃ السیوطی ص ۱۲ [۲] تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۰۹ [۳] رسالہ مستطرفہ ص ۱۷، ۱۸
[۴] صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۷۱۔

حديثه في هذا الكتاب اذا تفرد بروايته وانما اخرجت هذا الخبر لان جابر بن اسماعيل معه في الاسناد ۔ [۱] ابن لہیعہ جب کسی حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہوں تو ان کی روایت کی تخریج میں اس کتاب میں نہیں کرتا لیکن اس حدیث کی تخریج اس لیے کی کہ اسناد میں ان کے ساتھ جابر بن اسماعیل بھی ہیں ۔

(۳) ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔ كان في القلب من هذا الاسناد شئ فان حبيب بن ابي ثابت مدلس ولم اقف هل سمع حبيب هذا الخبر من محمد بن علي ام لا ؟ ثم نظرت فاذا ابو عوانة رواه عن حصين عن حبيب بن ابي ثابت قال حدثني محمد بن علي [۲] میرے دل میں اس اسناد کے متعلق کچھ کھٹک تھی کیونکہ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں اور مجھے واقفیت نہیں تھی کہ انھوں نے اس روایت کو محمد بن علی سے سنا ہے یا نہیں ؟ پھر غور وخوض کے بعد معلوم ہوا کہ ابو عوانہ نے اس حدیث کو حصین سے روایت کیا ہے ۔ انھوں نے حبیب بن ابی ثابت سے اور حبیب بن ابی ثابت نے محمد بن علی سے لفظ تحدیث کے ساتھ روایت کیا ہے ۔

علامہ ذہبی رقمطراز ہیں کہ امام ابن خزیمہ ناقد اور رجال کے واقف کار تھے ۔ محمد بن جعفر فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ میں شہر بن حوشب سے احتجاج نہیں کرتا اور نہ ہی حریز بن عثمان سے ان کے مذہب کی وجہ سے اور نہ عبداللہ بن عمر سے [۳] ۔ نہ بقیہ سے ، نہ مقاتل بن حبان سے ، نہ اشعث بن سوار سے ، نہ علی بن جدعان سے ان کے سوء حفظ کی بنا پر نہ عاصم بن عبیداللہ سے ، نہ ابن عقیل سے ، نہ یزید بن ابی زیاد سے ، نہ مجالد سے اور نہ حجاج بن ارطاۃ سے ، پھر ایک جماعت کا نام ذکر کیا جو عدالت میں ان حضرات سے کمتر ہیں ۔ حالانکہ مذکورہ حضرات سے متعدد محدثین نے احتجاج کیا ہے [۳] ۔ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۱۱۳ و ۲۲۸

صحیحین اور صحیح ابن خزیمۃ :

در کتاب التوحید واثبات صفات الرب ، مطبوعہ مطبع منیریہ (مصر) کے شروع میں ایک مقدمہ بعنوان "ترجمۃ امام الائمۃ ابن خزیمۃ" ہے اس مقدمے میں امام ابن خزیمہ کی کتاب صحیح ابن خزیمہ کے سلسلے میں مرقوم ہے قد ذهب بعض الائمة الى ترجيحه عليهما ۔ یعنی بعض ائمہ نے صحیح ابن خزیمہ کو صحیحین پر ترجیح دی ہے ، اس مقدمہ میں نہ ان بعض ائمہ کا نام لیا گیا ہے اور نہ حوالہ دیا گیا ہے کہ کہاں سے یہ قول لیا گیا ہے ۔

بہر حال بعض ائمہ کا یہ قول مرجوح ہے ، کیونکہ اگر مصنف پر نظر کی جائے تو تفصیل حسب ذیل ہے ۔

---

[۱] صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۵ ، [۲] صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۲۹ ، ۲۳۰ [۳] سیر اعلام النبلاء ج ۹ ق ۲۷ ، ۲ الف

[۳] یہ عبداللہ بن عمر صحابی نہیں ہیں بلکہ بعد کے زمانے کے دوسرے شخص ہیں ۔

۱۔ شیخین کی جو جلالتِ شان ہے وہ ابن خزیمہ کو حاصل نہیں۔

۲۔ صحیح حدیث کو غیر صحیح سے ممتاز کرنے میں شیخین کا جو مقام ہے وہ ابن خزیمہ کا نہیں۔

اور اگر کتاب کے لحاظ سے دیکھا جائے تو تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ صحیحین کو امت نے تلقی بالقبول کا درجہ دیتے ہوئے ان کی حدیثوں کی صحت پر اجماع کیا ہے اور یہ درجہ صحیح ابن خزیمہ کو حاصل نہیں۔

۲۔ صحیح بخاری "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کے لقب سے ملقب ہے اور یہ لقب صحیح ابن خزیمہ کو حاصل نہیں۔

۳۔ صحیحین کی ساری حدیثیں صحیح ہیں اور صحیح ابن خزیمہ کی ساری حدیثیں صحیح نہیں بلکہ اس میں حسن اور ضعیف حدیثیں بھی ہیں، اگرچہ ضعیف حدیثیں صحیح اور حسن حدیثوں کے بالمقابل بہت کم ہیں۔ نیز اس میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو واہی یا شدید الضعف ہیں لیکن ندرت کے طور پر۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں کم فی کتاب ابن خزیمۃ ایضا من حدیث محکوم منہ بصحتہ وھولا یرتقی عن رتبۃ الحسن [1] یعنی صحیح ابن خزیمہ میں کتنی ہی ایسی حدیثیں ہیں، جن پر صحت کا حکم لگایا گیا ہے حالانکہ وہ حسن کے درجے سے آگے کی نہیں ہیں۔

ان مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوگیا کہ صحیح ابن خزیمہ صحیحین کے ہم پلہ بھی نہیں، چہ جائیکہ ان پر فائق ہو۔

صحیح ابن خزیمۃ کی بعض خصوصیات :

۱۔ ایک خصوصیت اس کی صحت ہے، اس کتاب کے ذریعہ احادیث صحیحہ کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے۔

۲۔ احادیث کے نقل و انتخاب میں شدت تحری سے کام لیا گیا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی کا بیان اور مثالیں مذکور ہوئیں۔

۳۔ اس کتاب میں احادیث کے جمع و ترتیب میں صرف روایت احادیث کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ فقہی فوائد کو بھی ملحوظ رکھ کر اس کی ترتیب فقہی ابواب و مسائل کے مطابق رکھی گئی ہے۔

۴۔ فقہ اور استخراج مسائل و احکام کے لحاظ سے یہ کتاب بڑی بلند پایہ ہے کیونکہ مصنف کا مقام فقہ و اجتہاد میں بہت بلند تھا، یہی وجہ ہے کہ تراجم میں بے شمار اصول فقہی فوائد کو جمع کر دیا ہے۔

۵۔ یہ کتاب جہاں احادیث صحیحہ کی معرفت کراتی ہے، وہیں استنباط و استخراج مسائل کی صلاحیت بھی ودیعت کرتی ہے، قاری نوع بہ نوع اور قسم قسم کے طرق استنباط اور تفقہ کے عجیب و غریب اسالیب سے آشنا ہوتا ہے۔

---

[1] تدریب الراوی ج ۱ ص ۹۱، ۹۲، ۹۳، مقدمہ صحیح ابن خزیمہ ص ۲۲، فتح المغیث ج ۱ ص ۳۷

۶ ۔ چونکہ استنباط مسائل مقصود ہوتا ہے، اس لیے احادیث کے تکرار کی پرواہ نہیں کی گئی ہے بلکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کو بار بار لاکر متعدد مسائل کو ثابت کیا گیا ہے اور استنباط و استخراج کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح کبھی ترجمۃ الباب ذکر کرنے کے بعد اس کے تحت ذکر کی جانے والی حدیث کے صرف حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ چنانچہ "باب الدلیل علی کراہۃ تشبیک الاصابع فی الصلاۃ ... الخ" کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں قد امليت هذه الاخبار[1] (میں نے ان حدیثوں کا املا کرادیا ہے)۔ اسی طرح "باب فضل ترک مسح الحصی فی الصلاۃ" کو ذکر کرکے فرماتے ہیں قد امليت خبر جابر قبل عن النبي صلى الله عليه وسلم[2] جابرؓ کی حدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس کا میں نے اس سے پہلے املا کرادیا ہے۔ اسی طرح "باب النہی عن بزق المصلی عن یمینہ" ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ قد امليت بعض الاخبار التي في هذه اللفظة قبل[3] وہ حدیثیں جو اس لفظ میں وارد ہوئی ہیں، ان میں سے بعض کا میں نے اس سے پہلے املا کرادیا ہے۔

۷ ۔ چونکہ استنباط مسائل مد نظر ہوتا ہے اس لیے ترجمے کو دعویٰ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اگر کوئی آیت اس سلسلے کی ہے تو اسے پیش کرنے کے بعد پھر حدیث پیش کی گئی ہے۔

۸ ۔ مختلف فیہ مسائل میں راجح اور محقق مسلک کو ترجمے میں ذکر کرکے مخالف مسلک کی نفی کی گئی ہے۔ تردید میں اگر کوئی آیت موجود ہے تو اسے بھی پیش کیا گیا ہے پھر حدیث بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح یہ کتاب تحقیقات کا سرچشمہ بن گئی ہے۔

۹ ۔ تراجم کے ذریعے احادیث کے مفہوم کی تعیین کی گئی ہے مثلاً حدیث میں اگر کوئی لفظ عام لیکن مراد خاص، یا لفظ مطلق اور مراد مقید، یا لفظ مذکور کل اور مراد بعض ہے وغیرہ وغیرہ تو اس مرادی معنی کو متعین کیا گیا ہے۔

۱۰ ۔ اگر کسی حدیث یا جملے کے معنی میں کسی قسم کا اشتباہ ہوتا ہے تو مصنف اسے بیان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ حدیث، "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسبح من الليل وعائشة معترضة بينه و بين القبلة"، ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: قوله يسبح من الليل يريد يتطوع بالصلاة[4] یعنی یسبح من اللیل سے مراد رات کی نفلی نماز ہے۔ اسی طرح دعائے افتتاح والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں والشر ليس اليك اى ليس مما يتقرب به اليك[5] یعنی والشر لیس الیک سے مراد مما یتقرب بہ الیک ہے

---

[1] صحیح ابن خزیمہ ج۲ ص ۵۸، ۵۹ باب (۳۰۴) [2] ایضاً ص ۶۰ باب (۳۰۸) [3] ایضاً ص ۶۲ باب ۳۵۳)
[4] صحیح ابن خزیمہ ج۲ ص ۱۸ [5] ایضاً ج۱ ص ۲۳۶

دبرائی ان امور میں سے نہیں ہے جن کے ذریعہ تیری قربت اور نزدیکی حاصل کی جائے ۔)

۱۱ ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک حدیث اگر پہلے مفصلاً ذکر کی گئی ہے تو دوسری مرتبہ اسے مختصراً ذکر کیا گیا ہے یعنی صرف مقصد کی عبارت پر اکتفا کیا گیا ہے، چنانچہ " باب الرخصة فی الالتفات فی الصلوة عند النائبة تنوب المصلی " کے تحت مصنف فرماتے ہیں: فی خبر ابی حازم عن سهل بن سعد، وكان ابو بكر لا يلتفت فی صلاته فلما اكثر الناس التصفيق التفت فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم فی الصف فاشار اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم هكذا، يامره ان يصلی، " قد امليته قبل بطوله[1] " ابو حازم کی روایت جو سہل بن سعد سے مروی ہے، اس میں ہے کہ ابو بکرؓ اپنی نماز میں التفات نہیں کرتے تھے، جب لوگوں نے زیادہ تالیاں بجائیں تو متوجہ ہوئے ۔ ناگہاں کیا دیکھتے ہیں کہ صف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ابو بکر کو اشارے سے نماز پڑھانے کا حکم دیا ۔ میں نے اس سے پہلے اس حدیث کا مطولاً املا کرادیا ہے ۔

اسی طرح " باب ذکر الخبر المفسر للفظة المجملة التی ذکرتها والدلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد اباح مسح الحصا فی الصلاة مرة واحدة " کے بعد فرماتے ہیں ۔ قد امليت فيما قبل خبر معيقيب عن النبی صلی الله عليه وسلم " ان كنت فاعلا فواحدة "[2] یعنی معیقیبؓ کی روایت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس کا میں نے پہلے املا کرادیا ہے جس میں ہے کہ اگر کوئی کنکری چھونا ہی چاہے تو ایک مرتبہ ایسا کرسکتا ہے ۔

۱۲ ۔ بسا اوقات لمبی حدیث سے صرف مقصد کا حصہ ذکر کیا گیا ہے اور باقی حذف کردیا گیا ہے، ملاحظہ ہو " باب التغليظ فی النوم عند الصلاة المكتوبة " کے تحت درج شدہ حدیث[3]

۱۳ ۔ حدیثوں کے متعلق مختلف النوع وضاحتیں کی گئی ہیں ۔

(الف) یہ وضاحتیں کبھی اسناد حدیث سے متعلق ہوتی ہیں، شدت تحریری کی چند مثالیں دی گئی ہیں وہ اسی نوعیت کی ہیں ۔

ب ۔ کبھی الفاظ حدیث کے اختلاف سے متعلق ہوتی ہیں، مثلاً ایک حدیث جو ابو حمید ساعدی سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: قال سمعته فی عشرة من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم احدهم ابو قتادة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كانت الركعة التی تنقضی فيها الصلاة اخر رجله اليسرى وقعد على شقه متوركا ثم سلم " اسے نقل کرنے کے بعد

---

[1] صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۴۲ [2] ایضاً ص ۵۹ [3] ایضاً ص ۶۹ ۔

فرماتے ہیں کہ ابو عاصم کی خبر میں اس طرح ہے " أخر رجله اليسرى وجلس على شقة الايسر متوركا "، اور محمد بن عمرو بن حلحلہ کی خبر میں جو محمد بن عمرو بن عطاء کے واسطے سے مروی ہے اس طرح ہے ۔ " فاذا جلس فى الرابعة أخر رجليه فجلس على وركه "، اسی طرح یحییٰ بن ایوب کی خبر میں ہے جو یزید بن ابی حبیب کے واسطے سے مروی ہے، اور لیث نے اپنی خبر میں خالد عن ابن ابی ہلال عن یزید بن ابی حبیب و یزید بن محمد سے روایت کرتے ہوئے اس طرح کہا ہے:
اذا جلس فى الركعة الاخيرة قدم رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على مقعدته ۔[1]

(ج) کبھی حدیث سے استنباط شدہ مسائل کے بیان سے متعلق ہوتی ہیں ۔ مثلاً ایک حدیث جو حضرت عائشہ سے بایں الفاظ مروی ہے ۔ " ان النبى صلى الله عليه وسلم قال: اذا نعس احدكم فى صلاته فليرقد حتى يذهب عنه النوم فان احدكم اذا صلى وهو ناعس لعله يريد ان يستغفر فيسب نفسه " اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں : وفى الخبر دلالة على ان النعاس لايقطع الصلاة اذ لو كان النعاس يقطع الصلاة لما كان لقوله صلى الله عليه وسلم " فانه لايدرى لعله يذهب يستغفر فيسب نفسه " معنى وقد اعلم بهذا القول انه انما امرنا الانصراف من الصلاة خوف سب النفس عند ارادة الدعاء لها لا انه فى غير صلاة اذا نعس ۔[2] یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اونگھ سے نماز قطع نہیں ہوتی ۔ کیوں کہ اگر اونگھ نماز کو کاٹ دیتی تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کوئی مطلب ہی نہ ہوتا، " کہ مصلی نہیں جانتا، ہوسکتا ہے کہ وہ استغفار کرنے بجائے تو اپنے آپ کو گالی دے بیٹھے "[ع]، آپ کے اس ارشاد سے یہ بھی بتا دیا کہ آپ نے ہمیں نماز سے پلٹنے کا حکم خطرے کی وجہ سے دیا ہے کہ دعا کے ارادہ کے وقت اپنے آپ کو گالی نہ دے بیٹھا جائے، اس لیے نہیں دیا ہے کہ جب آدمی اونگھنے لگے تو نماز میں رہ ہی نہیں جاتا ۔

۱۴ ۔ ترجمۂ باب میں ، حدیث کے اندر بیان کردہ حکم کی نوعیت بھی متعین کردی گئی ہے ، مثلاً یہ کہ یہ حکم وجوبی ہے یا استحبابی وغیرہ وغیرہ چنانچہ ایک جگہ رقمطراز ہیں ۔ باب ذكر الدليل على ان الامر بغسل الفرج ونضحه من المذى امر ندب وارشاد لا امر فريضة وايجاب[3] نیز دوسری جگہ رقمطراز ہیں باب الامر بالسواك عند كل صلاة امر ندب وفضيلة لا امر وجوب وفريضة ۔[4]

۱۵ ۔ ایک بڑی خوبی کی چیز یہ ہے کہ مصنف کا استدلال و استنباط نہایت بین اور واضح ہوتا ہے جو اس کتاب کے

---

[1] صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۳۴۷ ، [2] ایضاً ص ۵۶،۵۵ ، [3] ایضاً ص ۱۶ [4] ایضاً ص ۷۱
[ع] گالی دینے سے مراد یہ ہے کہ زبان سے نیند کے غلبے کے سبب بے خیالی میں بددعا کا لفظ نکل جاتا ، مثلاً اللہم اغفر لی کی جگہ اللہم اعفر لی جس کے معنی ہیں خدایا مجھے خاک آلودہ کردے ۔

مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے ۔

ابن نحوی "بدر منیر" میں فرماتے ہیں: غالب صحیح

صحیح ابن خزیمہ پر تالیف شدہ کتاب: ابن حبان منتزع من صحیح شیخہ امام الائمۃ محمد بن خزیمۃ" [۱] یعنی صحیح ابن حبان کا اکثر حصہ صحیح ابن خزیمہ سے ماخوذ ہے، لیکن علامہ احمد شاکر کا خیال یہ ہے کہ صحیح ابن حبان مستقل کتاب ہے اس کی بنا نہ صحیحین پر ہے اور نہ ان کے علاوہ دیگر کتابوں پر [۲] ڈاکٹر مصطفی قمطراز ہیں کہ احمد شاکر کا نظریہ مبنی بر صواب ہے جیسا کہ دونوں کتابوں (صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان) کے تقابل سے ظاہر ہے [۳]

علامہ کتانی منتقی لابن الجارود کے متعلق رقمطراز ہیں۔ ھو کالمستخرج

صحیح ابن خزیمہ پر مستخرج: علی صحیح ابن خزیمۃ [۴] یعنی منتقی ابن جارود صحیح ابن خزیمہ پر مستخرج کے مانند ہے لیکن ڈاکٹر مصطفی رقمطراز ہیں: "لکن المقارنۃ بین الکتابین المذکورین لا تفید ھذا الاستنتاج [۵] یعنی دونوں کتابوں کا موازنہ اس نظریہ کی نفی کرتا ہے۔

علامہ ابن مُلَقِّن (متوفی ۸۰۴ھ) نے تہذیب الکمال کا مختصر تالیف

صحیح ابن خزیمہ کے رجال: کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا ذیل بھی لکھا ہے جو ان چھ کتب حدیث کے رجال پر مشتمل ہے، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، سنن دارقطنی، سنن بیہقی [۶]

حافظ ابن حجر عسقلانی کی ایک کتاب بنام "اتحاف المہرۃ باطراف

صحیح ابن خزیمہ کے اطراف: العشرۃ" آٹھ اجزاء میں ہے، یہ کتاب ان کتب حدیث کے اطراف پر مشتمل ہے، موطا [۱]، مسند شافعی [۲]، مسند احمد [۳]، مسند دارمی [۴]، صحیح ابن خزیمہ [۵]، منتقی ابن جارود [۶]، صحیح ابن حبان [۷]، مستخرج ابی عوانہ [۸]، مستدرک حاکم [۹]، شرح معانی الآثار [۱۰]، سنن دارقطنی [۱۱]۔ اس میں ایک عدد کا اضافہ اس لیے کیا کہ انھیں صحیح ابن خزیمہ کا ایک ہی ربع دستیاب تھا [۷]

---

۱ توضیح الافکار ج ۱ ص ۶۳ ۲ مقدمہ صحیح ابن خزیمہ ص ۲۲ ۳ ایضاً ۴ الرسالۃ المستطرفۃ ص ۲۰

۵ مقدمہ صحیح ابن خزیمہ ص ۲۳ ۶ ذیل تذکرۃ الحفاظ لابن فہد ص ۲۰۰ ۷ ایضاً ص ۳۳۳

نمونہ صحیح ابن خزیمہ

۱۔ باب ذکر الدلیل علی ان الکعبین اللذین امر المتوضئ بغسل الرجلین الیهما، العظمات الناتئات فی جانبی القدم لا العظم الصغیر الناتی علی ظهر القدم علی ما یتوهمه من یتحذلق ممن لا یفهم العلم ولا لغة العرب ۔

اخبر ابوطاهر نا ابوبکر، نا یونس بن عبد الاعلی الصدفی، نا ابن وهب، اخبرنی یونس عن ابن شهاب عن عطاء بن یزید اخبره ان حمران اخبره: ان عثمان دعا بوضوء فذکر الحدیث فی صفة وضوء النبی صلی الله علیه وسلم وقال: ثم غسل رجله الیمنی الی الکعبین ثلاث مرات والیسری مثل ذلک ۔

قال ابوبکر: فی هذه الخبر دلالة علی ان الکعبین هما العظمات الناتئات فی جانبی القدم اذ لو کان العظم الناتی علی ظهر القدم لکان للرجل الیمنی کعب واحد لا کعبان ۔

اخبرنا ابوطاهر نا ابوبکر نا ابوعمار نا الفضل بن موسی عن یزید بن زیاد هو ابن ابی الجعد عن جامع بن شداد عن طارق المحاربی قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم مرفی سوق ذی المجاز وعلیه حلة حمراء وهو یقول: یا ایها الناس! قولوا: لا اله الا الله تفلحوا ورجل یتبعه یرمیه بالحجارة قد ادمی کعبیه وعرقوبیه وهو یقول: یا ایها الناس لا تطیعوه فانه کذاب فقلت من هذا قالوا: غلام بنی عبد المطلب ۔ فقلت من هذا الذی یتبعه یرمیه بالحجارة قالوا هذا عبد العزی ابولهب

قال ابوبکر وفی هذا الخبر دلالة ایضا علی ان الکعب هو العظم الناتی فی جانبی القدم اذ الرمیة اذا جاءت من وراء الماشی لا تکاد تصیب القدم اذ الساق مانع ان تصیب الرمیة ظهر القدم ۔

اخبرنا ابوطاهر نا ابوبکر نا سلم بن جنادة نا وکیع عن زکریا بن ابی زائدة حدثنا ابوالقاسم الجدلی قال سمعت النعمان بن بشیر و حدثنا هرون بن اسحق حدثنا ابن ابی غنیة عن زکریا عن ابی القاسم الجدلی قال سمعت النعمان بن بشیر یقول: اقبل علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم بوجهه فقال: اقیموا صفوفکم ثلاثا والله لتقیمن صفوفکم اولیخالفن الله بین قلوبکم، قال فرأیت الرجل یلزق کعبه بکعب صاحبه ورکبته برکبة صاحبه ومنکبه بمنکب صاحبه هذا لفظ حدیث وکیع۔

قال ابوبکر: ابوالقاسم الجدلی هذا هو حسین بن الحارث من جدیلة قیس روی عنه زکریا بن ابی زائدة وابومالک الاشجعی وحجاج بن ارطاة وعطاء بن السائب عداده فی الکوفیین۔

وفی هذا الخبر ما نفی الشک والارتیاب ان الکعب هو العظم الناتئ الذی فی جانب القدم، الذی یمکن القائم فی الصلاة ان یلزقه بکعب من هو قائم الی جنبه فی الصلاة والعلم محیط عند من رکب فیه العقل ان المصلین اذا قاموا فی الصف لم یمکن احد منهم الصاق ظهر قدمه بظهر قدم غیره وهذا غیر ممکن وما کونه غیر ممکن لم یتوهم عاقل کونه۔ [1]

۲ ــ باب کراهة معارضة خبر النبی علیه السلام بالقیاس والرای والدلیل علی ان امر النبی صلی الله علیه وسلم یجب قبوله اذا علم المرء به وان لم یدرک ذلک عقله ورایه۔ قال الله عزوجل: وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم۔

اخبرنا ابوطاهر نا ابوبکر... عن سالم بن عبدالله عن ابیه قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم اذا استیقظ احدکم من منامه فلا یدخل یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاث مرات فانه لا یدری این باتت او این طافت یده، فقال له رجل أرأیت ان کان

[1] جلد اول ص ۸۱-۸۳

حوضا قال فحصبه ابن عمرو قال: اخبرك عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وتقول: ارأیت ان کان حوضا۔

- قال ابوبکر: ابن لهیعة لیس ممن اخرج حدیثه فی هذا الکتاب اذا تفرد بروایة وانما اخرجت هذا الخبر لان جابر بن اسماعیل معه فی الاسناد [1]

۳ - باب ذکر الدلیل علی ان الخداج الذی اعلم النبی صلی الله علیه وسلم فی هذا الخبر [ع] هو النقص الذی لا تجزئ الصلاة معه اذ النقص فی الصلاة یکون نقصین احدهما لا تجزئ الصلاة مع ذلك النقص والآخر تکون الصلاة جائزة مع ذلك النقص لا یجب اعادتها ولیس هذا النقص مما یوجب سجدتی السهو مع جواز الصلاة

اخبرنا ابو طاهر نا ابوبکر نا محمد بن یحییٰ، نا وهب بن جریر نا شعبة عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابیه عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تجزئ صلاة لا یقرأ فیها بفاتحة الکتاب قلت: فان کنت خلف الامام؟ فاخذ بیدی وقال إقرأ بها فی نفسك یا فارسی [2]

(ترجمہ) ا۔ باب اس بات کی دلیل ذکر کرنے کا کہ دونوں کعب (ٹخنے) جہاں تک وضوء کرنے والے شخص کو دونوں پاؤں دھونے کا حکم دیا گیا ہے وہ پیر کی دو جانب میں ابھری ہوئی دونوں ہڈیاں ہیں نہ کہ وہ چھوٹی ہڈی جو پیر کے ظاہری حصے پر ابھری ہوئی ہوتی ہے جیسا کہ ان لوگوں کا نظریہ ہے جنھیں علم اور لغت عرب سے واقفیت نہیں۔

.... حمران کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک دن وضو کا پانی طلب کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی صفت میں حدیث ذکر کی اور فرمایا، پھر اپنے داہنے پاؤں کو دونوں کعب تک تین مرتبہ دھویا اور بایاں پاؤں بھی اسی طرح (تین مرتبہ دونوں کعب تک دھویا۔)

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اس خبر میں اس کی دلیل ہے کہ دونوں کعب وہ دونوں ہڈیاں ہیں جو پیر کے دونوں جانب ابھری ہوئی ہیں، اس لیے کہ اگر کعب سے مراد وہ ہڈی ہو جو پیر کے ظاہری حصے میں ابھری ہوئی ہوتی ہے تو لازم آئے گا

---

[1] جلد اول ص ۷۵، [2] ایضاً ص ۲۴۷، ۲۴۸ [ع] اشارة الی الخبر الذی ذکر قبل هذا الباب وهو "من صلی صلاة لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج فهی خداج هی خداج غیر تمام" م ح ف

کر دا ہنے پاؤں کے لیے ایک ہی کعب ہو نہ کہ دو

..... طارق محاربی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ذی المجاز کے بازار سے گزرے اور آپ کے بدن پر سرخ رنگ کا جوڑا تھا اور آپ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! لا إله الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے اور ایک شخص پیچھے سے آپ کو پتھر مارتا تھا آپ کے دونوں کعب اور ایڑیوں کو لہولہان کر دیا تھا اور کہتا تھا کہ اے لوگو! اس شخص کی پیروی مت کرو کیوں کہ یہ بڑا جھوٹا ہے (طارق محاربی کہتے ہیں کہ) میں نے کہا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ بنو عبد المطلب کے ایک فرد ہیں، پھر میں نے کہا ان کو پیچھے سے پتھر مارنے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ عبد العزیٰ ابولہب ہے۔"

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اس خبر میں بھی اس کی دلیل ہے کہ کعب سے مراد وہ ہڈی ہے جو پیر کی دونوں جانب ابھری ہوئی ہے، کیونکہ پھینکی ہوئی چیز جب پیدل چلنے والے کے پیچھے سے لگے گی تو قدم کے ظاہری حصہ پر پہنچنا ناممکن ہے، اس لیے کہ پنڈلی اس سے مانع ہے۔

... نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا، تم لوگ صفوں کو درست کرو، یہ تین بار فرمایا، بخدا صفوں کو درست کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔ نعمان بن بشیر کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص کا پیر دوسرے کے پیر سے اور اس کا گھٹنہ دوسرے کے گھٹنے سے اور اس کا مونڈھا دوسرے کے مونڈھے سے ملا ہوا تھا - یہ وکیع کی حدیث کا لفظ ہے۔

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں، ابو القاسم جدلی کا نام حسین بن حارث ہے، جدیلہ قیس سے ہیں ان سے زکریا بن ابی زائدہ ابو مالک اشجعی، حجاج بن ارطاۃ اور عطاء بن سائب نے روایت کی ہے، ان کا شمار کوفیوں میں ہے

اس خبر میں شک و شبہ کی نفی ہے کہ کعب سے مراد وہ ابھری ہوئی ہڈی ہے جو قدم کی دونوں جانب میں ہوتی ہے جس کا نماز میں کھڑے شخص کے لیے اپنے اس ساتھی کے کعب سے ملانا ممکن ہے جو اس کے پہلو میں ہوتا ہے، عقلمند شخص اسے جانتا ہے کہ نماز میں لوگ جب صف میں کھڑے ہوتے ہیں تو ان میں سے کسی فرد کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اپنے قدم کا اوپری حصہ اپنے ساتھی کے پیر کے اوپری حصے سے ملائے یہ غیر ممکن ہے اور جو چیز غیر ممکن ہے عاقل اس کے وجود کا تصور نہیں کر سکتا۔

۴ — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا رائے و قیاس سے معارضہ کرنے کی کراہت کا باب اور اس چیز کی دلیل

کا باب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قبول کرنا واجب ہے جبکہ آدمی کو اس کا علم ہو جائے اگرچہ اس کی عقل وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: کسی بھی مومن مرد یا عورت کے لیے جائز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہوتے ہوئے اپنے معاملے میں اپنے اختیار سے کوئی کام کرے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اسے تین بار دھوئے کیوں کہ اسے معلوم نہیں کہ ہاتھ کا گزر کہاں کہاں ہوا، اس پر ایک شخص نے ان سے کہا کہ حوض کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، تو عبداللہ بن عمرؓ نے اس شخص کو کنکری ماری اور کہا کہ میں تمھیں حدیث رسول کی خبر دے رہا ہوں اور تم کہہ رہے ہو کہ حوض کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے۔

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ اس لائق نہیں کہ جب کسی روایت میں منفرد ہوں تو ان کی حدیث کی اس کتاب کی تخریج کروں لیکن میں نے اس حدیث کی تخریج اس لیے کی کہ جابر بن اسماعیل ان کے ساتھ اسناد میں واقع ہیں۔

۳ — باب اس بات کی دلیل ذکر کرنے کا جس نے اس حدیث میں جس خداج کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد وہ وہ نقص ہے جس کے ہوتے ہوئے نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں کیوں کہ نماز میں نقص کی دو نوعیت ہے، ایک وہ نقص جس کے ہوتے ہوئے نماز مطلق نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ نقص جس کے ہوتے ہوئے نماز ہو جاتی ہے البتہ اس نماز کا پھر سے پڑھنا واجب نہیں ہوتا لیکن یہ نقص (خداج) اس نوعیت کا نہیں کہ جس کے ہوتے ہوئے نماز جائز ہو جائے اور سجدۂ سہو سے اس کی تلافی ہو جائے۔

.... عبدالرحمٰن ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نماز کفایت نہیں کرتی جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہؓ سے کہا کہ اگر میں امام کے پیچھے نماز پڑھوں تو؟ ابوہریرہؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا، اے فارسی! اسے اپنے نفس میں پڑھ۔

● ● ●

بقیہ صفحہ ۲ کا: جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو قبائل ابھی تک مدینے پر حملے کی تاک میں رہا کرتے تھے اگلے سال وہ مسلمانوں کے حق نہ بنا سکے میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ —— یہ صلح حدیبیہ کے صرف چند مضمرات و نتائج ہیں، جن پر غور کیجیے تو واضح ہوگا کہ صلح درحقیقت فتح مبین تھی کیوں کہ مسلمانوں کو اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے جو حقوق و سہولیات مطلوب تھیں، اس صلح سے مکمل طور پر حاصل ہو گئیں اور یہ ایسے حقوق تھے جن پر اضافہ شاید کسی بڑی سی بڑی فتح کے بعد بھی نہیں کیا جا سکتا

۱۹۸۴ء اسرائیل کی تباہی کا سال؟

اسرائیلی اخبار جیروزالیم پوسٹ نے اعلان کیا ہے کہ آنے والے ماہ دسمبر ۱۹۸۳ء میں اسرائیل کے اندر بین الاقوامی یہودی کانفرنس ہوگی اس میں تین ہزار کی تعداد میں نجومی غیب داں اور یہودی رسم و رواج کی روحانی اور رمزی تفسیر کے ماہرین خصوصی جمع ہوں گے۔ مقصد یہ ہوگا کہ ۱۹۸۴ء میں پیش آنے والے واقعات کی پیشگوئی کریں۔

اس اسرائیلی اخبار نے "یہودی تقویم اور بعض عبری ترتیب کے مطابق بعض گنتیوں کی ایسی رمزی تفسیر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۸۴ء تباہی کا سال ہے۔"

ماہرین کا خیال ہے کہ یہ محض یہودی ڈھکوسلا ہے۔ تاکہ اپنی تباہی کے خطرے کا ڈھونگ رچا کر دنیا بھر کے ممالک کی ہمدردی حاصل کی جائے اور عرب دنیا کو تباہ کیا جائے۔

ہماری رائے۔ ۸۴ء میں کیا ہوگا، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ نجومیوں کا اعتبار نہیں۔ البتہ یہ یقینی ہے کہ اسرائیل ایک نہ ایک دن بُری طرح تباہ ہوگا، اور دنیا سے نیست و نابود ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ مسلمان اور یہود باہم جنگ کریں گے۔ پھر مسلمان یہود کو اس قدر قتل کریں گے کہ یہود درختوں اور پتھروں کی اوٹ میں چھپیں گے، لیکن درخت اور پتھر بھی پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے مسلمان! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا پڑا ہے آ، اسے قتل کر، اور مسلمان اسے قتل کر دے گا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۶)

عبرت ناک

(بریژنیف عذاب کے شکنجے میں)

لندن میں ایک روسی دانشور سہوز میڈ میکروف کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے، اس میں سابق روسی سربراہ مسٹر بریژنیف کے جنازے کی رسومات کے سلسلے کی مختلف تفصیلات کے ضمن میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ بریژنیف کی لاش لکڑی کے جس تابوت میں رکھی گئی تھی وہ بوجھ برداشت نہ کر سکا، جوڑ کھل گیا، لکڑی ٹوٹ گئی اور جنازہ زمین پر گر گیا۔ اس کے بعد لاش دوسرے تابوت میں منتقل کی گئی، جسے لوہے کے اینگل سے خوب مضبوط بنا دیا گیا تھا، مگر پھر بھی وہ لاش کا بوجھ برداشت نہ کر سکا، اور لاش دوبارہ دھماکے کے ساتھ زمین پر گر گئی۔ (المجتمع کویت ۶۳۹)

بزم طلبہ

صلح حدیبیہ - فتح مبین کیوں؟

قیاض احمد اعظمی سلفی

مضمون نگار فارغ ہو چکے ہیں مگر مضمون انھوں نے طالب علمی کے دوران حوالۂ قلم کیا تھا اور ادارے کو دیا تھا۔ اس لیے بزم طلبہ میں درج کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ عالم انسانیت میں ایک عہد آفریں دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر نبی کے زمانے کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اس کی کوئی مثال نہیں۔ آپ نے زندگی کے ہر ہر گوشے پر روشنی ڈالی ہے، اور امت کے لیے عملی طور پر اس کا نمونہ پیش کیا ہے۔ آپ انسانی زندگی کے تمام گوشوں کی طرح میدان جہاد کے بھی صرف ایک عظیم شہسوار ہی نہیں بلکہ صاحب اعجاز کمانڈر تھے۔ آپ بہ نفس نفیس جہاد میں شریک ہوتے اور اسلامی لشکر کی قیادت فرماتے تھے۔ بدر، احد، احزاب، فتح مکہ، حنین وغیرہ مشہور جنگیں آپ ہی کی قیادت میں لڑی گئیں۔

چونکہ محض جنگ برائے جنگ کسی تعمیر کی بنیاد نہیں بن سکتی، بلکہ تعمیر کے لیے پرسکون ماحول مطلوب ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام نے صلح کو جنگ پر ترجیح دی ہے۔ البتہ کوئی ایسی صلح نہ معقول کہی جا سکتی ہے نہ قابل قبول ہو سکتی ہے، جس کے نتیجے میں ان مقاصد کا گلا ہی گھونٹ جائے جو کسی با اصول جماعت کے لیے ریڑھ کی ہڈی بلکہ مادہ وجود ہوا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات صلح کے سلسلے میں صلح حدیبیہ کا واقعہ سب سے زیادہ مشہور ہے اور مختلف زاویوں سے بحث کا موضوع بھی ہے۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے، خانۂ کعبہ کا طواف کیا، بعض اصحاب نے حلق کیا بعض نے قصر۔ صحابہ کے دل بیت اللہ کی عظمت و محبت سے معمور اور عرصہ سے اسے دیکھنے کے مشتاق تھے، اور اس آرزو کی تکمیل کے وقت کا

بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ خواب سن کر مستعد سفر ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کی معیت میں مکہ کا رخ کیا، ۶ھ کے ذیقعدہ کا مہینہ تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اس سفر کا مقصد صرف زیارت بیت اللہ ہے جنگ نہیں۔ کیونکہ ذیقعد فریقین کے نزدیک حرام مہینوں میں سے ہے، لیکن قریش نے راستے ہی میں روکنے اور جنگ برپا کرنے کی مستعد کوششیں کیں۔ مگر آپ کترا کر حدیبیہ نکل آئے۔ جو جدہ۔ مکہ شاہراہ پر مکہ سے کوئی ۱۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر قریش سے نامہ و پیام شروع ہوا۔ کفار کے سامنے مقصد سفر کی وضاحت کے لیے اس ذات کا انتخاب کیا جس کو اسلامی تاریخ میں ذی النورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ نے ان سے کہا کہ وہ کفار کو یہ سمجھائیں کہ ہم محض عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ قتال ہمارا مقصد نہیں ہے۔ جب حضرت عثمانؓ قاصد رسول بن کر مکہ پہنچے تو انھیں وہاں روک لیا گیا۔

حضرت عثمانؓ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ آپ قتل کر دیے گئے ہیں، رسول

بیعت رضوان: اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ان چودہ سو جاں نثاران اسلام سے اس پر بیعت کی کہ کوئی شخص راہ فرار نہیں اختیار کرے گا۔ یعنی تادم واپسیں جنگ کرے گا۔ یہی بیعت رضوان ہے۔ جسے قرآن کریم نے اس طرح سراہا ہے۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحاً قریبا۔ (اللہ مومنین سے راضی ہوا جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے ان کے دل کی بات جان لی پس ان پر سکینت نازل کی اور انھیں قریبی فتح کا بدلہ دیا۔

تکمیل بیعت ہو چکی تو حضرت عثمان رضؓ مکہ سے واپس آگئے اور ان کی آمد سے جنگ یا بیعت کا سبب جاتا رہا۔ لیکن اس بیعت کا حال سن کر قریش انگشت بدنداں ہو گئے، اور صلح کا جو فاصلہ بظاہر پر پیچ اور طویل تھا۔ اب بڑی حد تک مختصر اور آسان ہو گیا۔ کفار کے صلاح و مشورے اور دوڑ دھوپ میں تیزی آگئی۔ سہیل بن عمرو آئے اور شرائط صلح پر گفتگو اور صلح نامے کی کتابت شروع ہو گئی۔ چند دفعات شرائط یہ ہیں۔

(۱) دس سال تک فریقین میں صلح رہے گی اور فریقین کا ہر شخص دوسرے سے آزادانہ مل جل سکتا ہے کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی۔

(۲) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

(۳) مسلمان اس سال واپس جائیں، آئندہ سال عمرہ کریں گے۔

(۴) اگر قریش یا مکہ کا کوئی شخص بھاگ کر مدینہ میں پناہ گیر ہو تو محمدؐ اس کو واپس کردیں گے۔ لیکن اگر مدینہ کا کوئی شخص بھاگ کر مکہ میں پناہ گیر ہو تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

تکمیل صلح ہوجانے کے بعد رسول اللہ حدیبیہ سے واپس ہوئے تو راستے میں سورہ فتح نازل ہوئی جس کا آغاز ان آیات سے ہوتا ہے۔ انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطا مستقيما وينصرك الله نصرا عزيزاً ۝ (سورۂ فتح) یعنی ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی ہے۔ تاکہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں بخش دے، آپ پر اپنی نعمت مکمل کردے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے۔ اور آپ کی بھرپور امداد کرے۔

چونکہ معاہدۂ صلح کی چوتھی دفعہ میں بظاہر کھلے طور پر قریش کا دباؤ قبول کیا گیا تھا، اس لیے صحابہ کرام غم و الم سے نڈھال تھے، انھیں سخت احساس تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکا ہے نہ برابری کی بنیاد پر صلح کی گئی ہے، اس لیے یہ صلح گویا جنگ کے بغیر ہی شکست مان لینے کے ہم معنی ہے۔ حضرت عمرؓ اس بارے میں آنحضرتؐ اور ابوبکرؓ سے دو دو باتیں بھی کر بیٹھے تھے۔ رسول اکرمؐ نے حضرت عمرؓ کو جب یہ سورہ سنائی تو انھوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟

غرض یہی وہ صلح ہے جس کو قرآن نے فتح مبین کہا ہے، اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس صلح میں کون سی ایسی حکمت پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے اسے فتح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ بظاہر اس میں مسلمانوں کی شکست معلوم ہوتی ہے کیوں کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی تھی لیکن اس صلح کے مضمرات و نتائج پر غور کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ درحقیقت یہ صلح مسلمانوں کے لیے فتح مبین تھی۔ کیوں کہ اس صلح کی ہر ہر شق کے اندر فتح و ظفر کا راز سمویا ہوا تھا۔ اور اس صلح کے ذریعہ وہ حقوق و فوائد حاصل کیے گئے جو بسا اوقات کھلی ہوئی فوجی بالادستی کے باوجود حاصل نہیں ہو پاتے۔ چند اشارات درج کیے جارہے ہیں۔

(۱) اس صلح کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ حرم کا دروازہ جو مسلمانوں پر بند رکھا گیا تھا اور جس کا رخ کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی گئی تھی۔ اب کھل گیا۔ یعنی قریش کی عائد کردہ چھ سالہ بندش ٹوٹ گئی۔

(۲) قریش دورِ جاہلیت کے دینی پیشوا تھے، اور دینی معاملے میں وہ اپنے آپ کو سارے عرب قبائل کا اجارہ دار سمجھتے تھے، ان کی سیاسی سیادت بھی کسی نہ کسی درجہ تسلیم کی جاتی تھی، اس صلح کی رو سے وہ اپنی دینی اجارہ داری سے کلیۃً دست بردار ہوگئے اور سیاسی معاملات میں اخلاقی بالادستی کا جو تھوڑا سا اعزاز رکھتے تھے وہ بھی کھو بیٹھے یعنی ہر قبیلے کے لیے انھوں نے یہ حق تسلیم کرلیا کہ چاہے دین جاہلیت پر قائم رہے چاہے مسلمان ہوجائے۔ اسی طرح چاہے اس معاہدہ

کے دوسرے فریق یعنی مسلمانوں کے ساتھ ہو جائے، چاہے قریش کا حلیف بنے، چاہے دونوں فریقوں سے الگ اور غیر جانبدار رہے۔ غرض قبائل کے دینی و سیاسی معاملات میں قریش کو کسی قسم کی مداخلت کا حق نہ ہوگا اور قبائل مکمل طور پر خود مختار ہوں گے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس سے چند ہی سال پہلے جب اہل مدینہ نے اسلام قبول کرکے مسلمانوں کو پناہ دینے کا فیصلہ کیا تھا تو قریش نے پے در پے جنگوں کے ذریعے کس طرح ان کے اس خود مختارانہ اقدام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

(۳) صلح کی جو دفعہ بظاہر سب سے زیادہ قریش کے طاقتور ہونے کی علامت تھی، درحقیقت وہی قریش کی اصل کمزوری کی غماز ہی کرتی ہے۔ یعنی قریش نے مدینہ میں پناہ لینے والوں کی واپسی کی شرط اس لیے عاید کی تھی کہ انھیں اپنی جمعیت اور اپنے افراد پر اعتماد نہیں رہ گیا تھا، انھیں خطرہ تھا کہ اگر مدینے کا دروازہ پناہ گیروں کے لیے بے روک ٹوک کھل گیا تو ان کے دین جاہلیت کے ختم ہونے اور ان کی جمعیت کا شیرازہ منتشر ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ اس کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جمعیت پر کامل اعتماد تھا کہ ہماری جمعیت کا کوئی فرد مکہ جائے گا ہی نہیں اور اگر جائے تو ہمارے کام ہی کا نہیں، اور ایسے آدمی کے وجود سے مسلمانوں کی جمعیت پاک ہی ہو جانی چاہیے۔ باقی رہے مکے کے وہ افراد جو مسلمان ہو کر بھی مدینہ میں پناہ نہیں لے سکتے تو آپ کو معلوم تھا کہ جائے خدا تنگ نہیں ہے، بلکہ ہجرت حبشہ کے واقعے سے آپ کو کھلا ہوا تجربہ حاصل تھا کہ جائے پناہ صرف مدینہ ہی نہیں ہے۔ چنانچہ مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو ایسی جائے پناہ ملی کہ مشرکین کا ناطقہ بند ہو گیا اور انھوں نے خود ہی یہ دفعہ واپس لے لی۔

(۴) دس سال تک جنگ موقوف رکھنے کی شرط کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگ ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے اور اس طرح لوگوں کو اسلام اور اس کی تعلیمات کی حقیقت سمجھنے اور اس کا عملی نمونہ آنکھوں سے دیکھنے کا موقع حاصل ہوا تو صرف دو برسوں میں اتنی بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ فتح مکہ سے قبل کسی جنگ میں مسلمانوں کی جو سب سے بڑی تعداد فراہم ہو سکی تھی وہ تین ہزار کی تعداد تھی جو جنگ احزاب میں فراہم ہوئی تھی۔ لیکن صلح کے دو سال بعد جب فتح مکہ کا موقع آیا تو مسلمان فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔

(۵) اس صلح کے نتیجے میں دشمنان اسلام کا اصل بازو ٹوٹ گیا، اور بقیہ دو بازوؤں یعنی یہود اور بنو غطفان سے مسلمانوں کے لیے نمٹنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپس ہوتے ہی خیبر پر حملہ ہوا، اور وہاں کے یہودیوں کی قسمت کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو گیا، پھر اس مہم سے فارغ ہو کر نجد پر فوج کشی کی گئی۔ غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔ (باقی ص۲۶ پر)

تدوینِ حدیث

اصغر علی بہاری فضیلت اول

اسلام ایک کامل دین ہے، چودہ سو برس گزرنے کے بعد آج بھی وہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ محفوظ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کو دین کا اصل الاصول قرار دیا، اسی طرح اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اس دین کے لیے ایک جزو لاینفک بنا دیا، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں فرزندان اسلام نے جس طرح کلام پاک کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا، اسی طرح حدیث پاک کی حفاظت و صیانت کی کوشش کی، اسی کا ثمرہ ہے کہ آج تک ہمارے پاس نبی برحق کے ارشادات محفوظ ہیں۔

لیکن مستشرقین نے جس طرح اسلام کو مسخ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، حدیث کو بھی انہی شاطرانہ چالوں کے ذریعے غیر معتبر ثابت کرنے کے درپے رہے۔ انکی برخورداری میں منکرین حدیث نے بھی حدیث کو غیر معتبر ثابت کرنے میں ایڑی سے چوٹی کا زور لگایا، اس سلسلے میں ان کا زیادہ زور اس بات پر ہے کہ حدیث کی کتابت عہد نبوی میں نہ ہو سکی۔ پہلی صدی کے اخیر تک حدیث کا کوئی حصہ نہیں لکھا جا سکا۔ لیکن یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے کہ حدیث کی کتابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں ہوئی اور صحابہ کرام نے احادیث کو قلمبند نہیں فرمایا، ایسی روایات بکثرت موجود ہیں کہ آنحضرت کے وقت میں بھی بعض صحابہ حدیث کو لکھ لیا کرتے تھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت کی سہولت کی خاطر حدیث کے لکھنے کا بھی حکم یا اجازت فرمائی تھی، چنانچہ عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کو مقید کر لو۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے عرض کیا مقید کرنے کا کیا مطلب ہے ارشاد ہوا کہ لکھنا۔

اب رہا سوال یہ کہ آخر اس حدیث کا مطلب اور محل کیا ہے جس میں آنحضرت نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے کتابت حدیث سے منع فرمایا اور جو کچھ قلمبند ہو چکا تھا ضائع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے ـــــ

لا تکتبوا عنی شیئاً سوی القرآن فمن کتب عنی شیئاً سوی القرآن فلیمحه ۔ مجھ سے کوئی چیز سوائے قرآن کے نہ لکھو جس نے مجھ سے علاوہ قرآن کے کچھ لکھا ہے اس کو مٹا دے ۔

بعض علماء نے ان دونوں حدیثوں میں تعارض سمجھا اور تطبیق اس طرح دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کتابت حدیث سے منع فرمادیا تھا کیونکہ نزول قرآن کے ابتدائی زمانے میں دونوں کے خلط ملط ہونے کا خوف تھا پھر لکھنے کی اجازت فرمائی ۔

لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا نازل ہو رہا تھا ، کچھ سورتیں اور آیتیں آج نازل ہوئیں کچھ کل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سورت یا آیت کے نزول کا اعلان فرماتے اور پھر اُن کی تشریح یا کسی دوسرے معاملے کے متعلق کچھ ارشاد فرماتے ۔ صحابہ کرام ان تمام چیزوں کو ایک ہی کاغذ پر لکھ لیا کرتے تھے ، جیسا کہ منع کتابت کی دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے ۔ عن ابی سعید الخدری قال کنا قعودا نکتب ما نسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج علینا فقال ما ھذا تکتبون فقلنا ما نسمع منک فقال أکتاب مع کتاب اللہ امحضوا کتاب اللہ واخلصوہ فقال فجمعنا ما کتبناہ فی صعید واحد ثم احرقنا ہ ۔ (مجمع الزوائد ص ۵۹) حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتے تھے اسے بیٹھ کر لکھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کیا لکھ رہے ہو ؟ ہم نے عرض کیا کہ جو کچھ آپ سے سنا ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ ایک اور کتاب لکھی جارہی ہے ؟ اللہ کی کتاب کو علیحدہ کرو اور خالص کرو ۔ پس ہم نے جو کچھ بھی لکھا تھا جمع کرکے جلا دیا ۔

اس حدیث سے ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی کتابت کو مطلقاً منع فرمادیا تھا کہ اب اس کے بعد کسی صحابی کو حدیث لکھنے کی جرأت نہ کرنی چاہیے ، بلکہ اس کے الفاظ صاف طریقہ سے بتلاتے ہیں کہ اس میں کتابت کے اس طریقے سے روکا گیا ہے ، جس سے قرآن وحدیث کا باہمی فرق وامتیاز ختم ہو جاتا ہے ، وہ یوں کہ صحابہ کرام کاغذ وغیرہ کی کمی یا کسی اور وجہ سے دونوں کو ایک ہی چیز پر لکھتے جاتے تھے ۔

یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی میں بہت سے صحابہ نے حدیثیں قلم بند کیں ۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک نے عہد رسالت میں احادیث کو قلم بند کیا اور پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرکے تصدیق حاصل کی ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے احادیث کو لکھا ، ان کے مجموعہ کو ''صادقہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا

ان کی مرویات حضرت ابوہریرہؓ کے بیان کی بنا پر پانچ ہزار تین سو چوہتر سے زیادہ ہونی چاہئیں ۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ مامن احد من اصحاب رسول اللہ کان اکثر حدیثا منی الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو بن العاص فانہ کان یکتب ولا اکتب ۔ (بخاری جلد اول) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ حدیث والا نہ تھا، البتہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے، کیوں کہ وہ حدیث لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا ۔ اور خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی بعد میں اپنی روایات کو قلمبند کرایا تھا اور اس کی نقلیں اسی زمانے میں لوگوں کے پاس پہنچ چکی تھیں ۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے احادیث لکھیں اور ان کے لکھے ہوئے نسخوں کی نقلیں انھیں کے زمانے میں پھیل گئیں ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جن احادیث کو جمع کیا تھا، وہ ان کا مجموعہ "صحیفۂ علی" کے نام سے شہرت یاب ہوا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیا، ابوشاہ نامی ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ مجھے یہ خطبہ لکھوا دیجیے، آنحضرت نے حکم دیا کہ اسے لکھ دیا جائے ۔ اسی طرح حضرت ابوبکر، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صحیفے مشہور و معروف تھے، اس کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام کی مرویات کی کتابت ان کی زندگی میں ہو گئی تھی اور اس کے بعد چند مراحل طے کر کے اس کی تدوین مکمل ہو گئی ۔ جمع حدیث کے پانچ مرحلے ہیں ۔ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جمع حدیث کا کام پانچ مرحلوں سے ہو کر گزرا ہے، سب سے اول مرحلہ زمانۂ نبوی ہے ۔

پہلا مرحلہ عہد نبوی : یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں بہت سے صحابی خاص توجہ اور شوق سے آپ کے اقوال کو لکھتے اور جمع کرتے اور آپ کے ہر قول و فعل کو یاد رکھتے تھے ۔ یہی سب سے پہلے محدثین تھے ۔ ان میں سب سے بڑھ کر شوق رکھنے والے حضرت ابوہریرہ تھے، جن کا شوق جمع حدیث میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ آپ حتی الوسع ہر وقت آنحضرت کے ساتھ رہنے لگے تھے اور جمع حدیث کے سوا آپ کا کوئی شغل نہ تھا ۔ ایسے ہی کئی اور صحابی تھے جو آنحضرت کی زندگی میں حدیثوں کے یاد رکھنے کا بہت شوق رکھتے تھے، (جس کا مختصر خاکہ ابھی گزرا ہے) درحقیقت یہی کام جسے وہ کر رہے تھے جمع حدیث کا اساسی مرحلہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع حدیث نبوی کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے ۔

دوسرا مرحلہ زمانۂ صحابہ : علاوہ ان چند صحابہ کے جو آپ کی زندگی میں ہی جمع حدیث نبوی کا کام کر رہے تھے ۔ ہزارہا اور صحابہ تھے جن کی تحریری کوششوں میں بہت اضافہ ہوا ۔ جن بزرگوں نے عہد رسالت میں اپنی روایتیں کتابی شکل میں مرتب نہیں کی تھیں اب انھوں نے بھی اس جانب توجہ کی، حافظے، کتابت کی

شکل اختیار کرنے لگے اور سینوں کی امانت سفینوں میں منتقل ہونے لگی۔ خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں کچھ دن ارتداد کے ہنگاموں نے اس کا موقع نہ دیا، لیکن جب اس طرف سے اطمینان ہوا تو حدیث کی جمع و ترتیب کی جانب توجہ ہوئی۔ اور آپ کی پیشین گوئی کے مطابق صحابہ دور دراز ملکوں میں پھیل گئے اور ہر جگہ انھوں نے آپ کے حسب حکم "لیبلغ الشاہد الغائب" حدیث کو پھیلا دیا جو احادیث ان کو معلوم تھیں، ان کو جمع کیا اور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود جو کبھی تحریری روایت کے سخت مخالف تھے اب وہ خود اور ان کے شاگرد حدیثوں کے لکھنے لکھانے میں مشغول تھے[۱] حضرت عمر بن الخطاب جو حدیثوں کی روایت میں غایت درجہ محتاط تھے، آپ نے سنن نبویہ کی ترویج و اشاعت کے لیے بڑے بڑے حفاظ حدیث کو مختلف مقامات پر بھیجا۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود کو کوفہ میں، معقل بن یسار اور عمران بن حصین کو بصرہ میں اور عبادہ بن صامت اور ابو درداء کو شام میں روانہ کیا۔ یوں حدیث کا عام رواج ہو گیا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں احادیث کی تدریس کا سلسلہ شام، مصر وغیرہ ممالک میں پھیل گیا۔ صحابہ کے زمانے میں ہی حدیث کی بڑی بڑی درس گاہیں بن گئیں اور باقاعدہ حدیث کی اشاعت ہونے لگی۔ چنانچہ آٹھ سو سے زیادہ آدمی حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد تھے۔ اس طرح ان درسگاہوں کا قائم ہونا جمع حدیث کے دوسرے مرحلے کا اختتام اور تیسرے مرحلے کی ابتدا تھی۔

تیسرا مرحلہ کتابت و روایت حدیث میں اس وقت شروع ہوتا ہے

تیسرا مرحلہ زمانۂ تابعین

جب صحابہ کرام کا زمانہ گزر گیا اور احادیث اکابر تابعین کے ہاتھ آگئیں اور صحابہ کرام کا سارا مرتب کردہ سرمایۂ مرویات ان کے شاگردوں تک پہنچا تو انھوں نے درس حدیث اور اس کے حفظ و ضبط اور کتابت کا مزید اہتمام کیا، ان میں سے عروہ بن زبیر، ابوالعلیٰ، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر اور ابن شہاب زہری وغیرہ معروف و مشہور ہیں۔ اور جب خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انھوں نے حالات و ظروف کے تقاضے کے مطابق کتابت حدیث کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی۔ ہر شہر کے اکابر علماء کو حدیث رسول جمع کرنے کے لیے لکھا۔ چنانچہ امام بخاری بیان فرماتے ہیں: كتب عمر بن عبد العزيز الى ابى بكر بن حزم انظر ما كان من حديث رسول الله فاكتبه فانى خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا تقبل الا حديث النبى صلى الله عليه وسلم وليفشوا العلم وليجلسوا حتى يعلم من لم يعلم فان العلم لا يهلك حتى يكون سرا (بخاری جلد اول ص ۲۰) عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم (عامل مکہ) کو لکھا، دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ بحوالہ مسلمان اور وقت کے تقاضے۔ عبدالسلام قدوائی۔

کی جو حدیثیں تم کو ملیں ان کو لکھ لو، کیوں کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں علم دین مٹ نہ جائے اور علماء چل نہ بسیں اور ہاں دیکھو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی کو لینا اور اہل علم کو چاہیے کہ علم پھیلائیں اور تعلیم دینے کے لیے بیٹھا کریں تاکہ جس کو علم نہیں وہ علم حاصل کرے کیوں کہ جہاں علم راز بنا وہاں مٹ گیا۔

اس حکم کی تعمیل میں ابوبکر بن حزم کے شاگرد ابن شہاب زہری نے حدیثوں کو جمع کیا، آپ کی تالیفات کے متعلق حافظ شمس الدین ذہبی اور حافظ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ احادیث اور سنن کے دفاتر مرتب ہو کر دارالخلافہ دمشق آئے اور عمر بن عبدالعزیز نے ان کی نقلیں مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں بھیجیں۔ سعید بن ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کے دفتر حدیثیں لکھیں۔ پس انھوں نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی ہر جگہ ایک ایک مجموعہ بھیجا۔ بخاری کے مشہور شارح حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب فتح الباری میں ابونعیم کی تاریخ اصبہان کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کا یہ حکم صرف مدینہ اور مدینہ کے عمال کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ انھوں نے اسلامی مملکت کے تمام صوبوں کے عمال کے نام اسی قسم کا فرمان بھیجا تھا۔ غرض اس وقت حدیث کا لکھنا عام طور پر مروج ہو گیا تھا۔ یہ تیسرے مرحلے کا اختتام اور چوتھے مرحلے کی ابتدا تھی۔

علم حدیث کی چوتھا مرحلہ زمانۂ تبع تابعین اور حدیث میں تصنیفات: تدوین کے لیے

یہ دور بہترین دور تھا۔ اس میں رواۃ حدیث نے تصنیف و تدوین کی۔ ان کی تدوین کے یہ معنی تھے کہ معتبر سلسلہ رواۃ سے حدیث کو صحابی تک پہنچایا جائے، اور ان تمام راویوں کے نام درجہ بدرجہ ظاہر کیے جائیں جن کے ذریعے حدیث اس بیان کرنے والے تک پہنچی تھی اور یہ کہ ایک ہی قسم کی حدیثوں کو باہم ایک ہی سلسلے میں جوڑ دیا جائے۔ یہ خیال تمام اسلامی شہروں میں قریب قریب ایک ہی زمانے میں پیدا ہوا تھا کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے تقدم کا شرف کس کو حاصل ہے۔ لیکن اس دور کے طبقہ اول کے مدونین میں امام مالک بن انس مدینہ میں، عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج مکہ میں، سفیان ثوری کوفہ میں حماد بن سلمہ اور سعید بن ابی عروبہ بصرہ میں، ہشیم بن بشیر واسط میں، عبدالرحمان بن عمرو اوزاعی شام میں، معمر بن راشد یمن میں۔ عبداللہ بن مبارک خراسان میں اور جریر بن عبدالحمید رے میں تھے۔ وغیرہ وغیرہ اور یہ ۱۴۳ھ سے کچھ اوپر کا زمانہ تھا۔

حدیث کی یہ کتابیں جیسا کہ موطا امام مالک نظر آتی ہے، حدیث اور صحابہ اور تابعین کے اقوال کے ساتھ مخلوط

تھیں اور ان کتابوں کو باب باب کرکے فقہ کے طریقے پر جمع کیا گیا تھا۔ مثلاً باب الطہارۃ، باب الصلوٰۃ اور باب الصیام وغیرہ، لیکن ان میں تمام ابواب سنۃ جمع نہیں کیے گئے تھے۔ جس طرح امام بخاری اور امام مسلم نے کیا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ دور آیا جسے تدوین حدیث کا سنہرا دور کہا جاتا ہے۔ یعنی پانچواں مرحلہ۔

اس مرحلے میں تصنیف و تالیف کا مذاق عام ہو گیا

پانچواں مرحلہ اور تکمیل تدوین حدیث : اور سینوں میں محفوظ تمام حدیثیں باضابطہ کتابی شکل میں مرتب ہوئیں . . . . شروع میں ایک ایک صحابی کی روایات علیحدہ علیحدہ مرتب ہوئیں اور ان کو کتاب کی شکل میں جمع کیا گیا۔ ان کتابوں کو مسند کہتے ہیں۔ ان کتابوں میں مسند ابوداؤد طیالسی اور مسند احمد بن حنبل زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ لیکن ان مسانید سے مسائل کا نکالنا بہت دشوار ہوتا تھا۔ اس لیے اشخاص کے بجائے عنوان وار روایتیں مرتب کی گئیں اور اس کے لیے بڑے بڑے ائمہ حدیث کمربستہ ہوئے، اس طرز تدوین میں لوگوں نے دو راہ اپنائی ایک طریقہ یہ تھا کہ صرف صحیح حدیث کے جمع و تدوین کا التزام کیا گیا اور اس سلسلے میں سب سے پہلے امام المحدثین امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف صحیح احادیث کو اپنی صحیح میں لکھنے کا خصوصی التزام کیا۔ چنانچہ امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی حدیث اپنی "الجامع الصحیح" میں اس وقت تک داخل نہیں کی، جب تک کہ غسل کرکے دو رکعت نماز نہ ادا کرلی۔ ایک دوسری روایت میں اس قدر اور بھی وارد ہوا کہ مسجد حرام میں میں نے اس کو تالیف کیا۔ دو رکعت پڑھ کر ہر حدیث پر استخارہ کرتا۔ جب مجھے ہر طرح اس کی صحت کا یقین ہو جاتا تو اپنی جامع صحیح میں داخل کرتا۔ اس کو میں نے اپنی نجات کے لیے حجت بنایا ہے اور چھ لاکھ حدیثوں میں سے صحیح صحیح حدیثیں چن کر لکھی ہیں۔ پھر ان کے بعد ان کے شاگرد رشید امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح مسلم مرتب فرمائی اور اپنے استاذ کی طرح صرف صحیح حدیثوں کے لکھنے پر اکتفا کیا۔ امام مسلم خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے۔ اگر تمام لوگ دو سو برس تک حدیثیں لکھیں تب بھی ان کا اعتماد میری ہی کتاب پر رہے گا۔ علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں جتنی حدیثیں ہیں یقیناً وہ سب صحیح ہیں۔ امام الحرمین کہتے ہیں، ان دونوں کتابوں کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور ان کی صحت پر تمام امت کا اجماع ہے۔

تدوین حدیث کا دوسرا طریقہ وہ تھا جس میں صحیح حسن اور ضعیف احادیث کو جمع کیا گیا یہ طریقہ امام ابوداؤد سجستانی، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ نے اپنایا ہے۔

اس طرح مذکورہ بالا کتابوں میں حدیث کا بکھرا ہوا سرمایہ پوری حفاظت و دیانت اور چھان بین کے بعد جمع کر دیا گیا۔

یہ کتابیں حدیث کی اہم اور بنیادی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ انھی پر شریعت کی بنیاد ہے اور استخراج و استنباط مسائل میں عموماً انھی کتابوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

جو روایتیں ان مصنفین نے کسی وجہ سے چھوڑ دیں، حاکم، دارقطنی اور بیہقی وغیرہ مصنفوں نے ان کو بھی اپنی کتابوں میں جمع کردیا تاکہ اول درجہ کی صحیح حدیثوں کے ساتھ دوم اور سوم درجے کی کمزور روایتیں بھی محفوظ ہو جائیں۔ پھر اس کے علاوہ محدثین نے ان کی صحت وسقم پہچاننے کے لیے اصول متعین کیے اور تمام رواۃ حدیث کی زندگی کے حالات کتب رجال میں جمع کردیے۔

اس طرح احادیث کی مکمل حفاظت وصیانت ہوگئی۔ اب اس کے بعد بھی حدیث سے متعلق کسی قسم کا شک کرنا ناعاقبت اندیشی اور حقیقت سے کھلم کھلا بغاوت ہے۔ ●●●

رازِ زندگی

امیر محمد افضل منّوی (تعلمت دوم)

اقوام و ملل کی تاریخ میں زعماء اور رہنماؤں کا کردار بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ کسی قوم کا مزاج بگاڑنے یا اسے سیدھے راستے پر لگانے میں بزرگانِ قوم کو زبردست اہمیت اور کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ فساد بھی آتا ہے تو اسی راستے سے اور اصلاح و ارشاد کی بادِ بہاری بھی چلتی ہے تو اسی روزن سے۔ اقوام کی تاریخ اس بات کی شاہد عادل ہے کہ جب ان کے بڑے" افتراق و انتشار اور تشدد و غفلت کا شکار ہوئے تو پوری قوم کا تعمیری ڈھانچہ بری طرح متاثر ہوگیا اور وہ قوم ذلت و نکبت کے ایسے عمیق غاروں میں چلی گئی جہاں سے اٹھنا بھی اسے کم ہی نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ کوئی مردِ کار پیدا ہوتا ہے اور بیداری کا صور پھونک کر پھر انھیں خوابِ خرگوش سے جگاتا ہے۔

لیکن کیا یہ قائدین کوئی آسمانی مخلوق ہیں جو من و سلویٰ یا بصورت دیگر حجارۃ من سجیل کی شکل میں اترتے ہیں اور عوام کی گردنوں پر سوار ہو جاتے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ کمسن بچوں اور طالبانِ علم کی وہی جماعت ہے جو آج دانشگاہوں اور مدارس میں زیرِ تعلیم و تربیت ہے اور مستقبل کی معمار ہے۔ مجھے اس حقیقت کے اظہار میں ذرہ برابر ہچک نہیں محسوس ہوتی۔ کہ آج کا طالب علم ہی کل آنے والی نسل کا حقیقی رہنما ہے۔ یہ اور بات ہے کہ طالبانِ علومِ دینیہ کو اس بات کا سرے سے احساس ہی نہ ہو۔ میں پورے ایمان و یقین اور قلبی انشراح و اطمینان کے ساتھ یہ کہنے کے لیے تیار ہوں کہ اگر ان طلبہ کی جو دین و ملت کا حقیقی سرمایہ ہیں، صحیح تربیت ہو، یہ خول میں بند نہ رہ کر دنیا کی پہنائیوں کا جائزہ لیں، اپنے منصب اور ذمہ داری کا احساس کریں تو پوری قوم ان کی منتظر ہے۔ ملت کے ایک ایک فرد کی یہ خواہش ہے کہ یہ رہنما آئیں اپنی احساسِ کمتری کو ختم کرکے ذمہ داریوں کو نبھائیں۔ ملت کے باشعور اور سنجیدہ افراد آج بھی ان کی صلاحیتوں سے مایوس نہیں ہیں کیونکہ یہ خدا کی عطا کردہ امانت کے امین اور اللہ کے رسول کے ذریعہ دیے گئے ذخیرۂ سنت کے محافظ ہیں، امت آج بھی

ان کی راہ میں دیدہ و دل نچھاور کیے ہوئے ہے ۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کا انقلاب حقیقی انقلاب ہو ۔ وہ تعمیر کا نقیب ہو تخریب کا نمائندہ نہ ہو ۔ اس سے اصلاح کے کام لیے جا سکیں ، فساد کے راستے بند ہو جائیں ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

ہمارا مذہب وہ اسلام ہے ۔ اسلام نام ہے حقیقت پسندی Realism کا ۔ اسلام ایک انقلاب کا نام ہے جس میں تعمیر ہو تخریب نہ ہو ۔ بناؤ ہو ، بگاڑ نہ ہو ۔ اسلام نے زندگی کے ہر موڑ پر عظیم تغیرات اور بامقصد انقلابی تبدیلیاں پیدا کی ہیں ۔ اس کو ایک تقابلی مثال سے واضح کرنا چاہوں گا ۔

پروفیسر ٹوائن بی (Prof. Toynbee) مشہور انگریز مورخ ہیں ۔ گزشتہ دہائی میں ان کا انتقال ہوا ہے ۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ان کی تاریخی تحقیقات بڑی حد تک منصفانہ اور حقائق پر مبنی ہوتی ہیں ۔ انھوں نے فلسفۂ تاریخ پر اپنا عظیم شاہکار جو ان کی پوری زندگی کا نچوڑ ہے ، متعدد ضخیم جلدوں میں پیش کیا ہے جو مطالعۂ تاریخ (Study The history) کے نام سے طبع ہو کر اہل علم سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے ۔ پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب سویلائزیشن آن ٹرائل (Civilisation on trial) میں اسلام کے انقلابی اور تمدنی اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نسلی تفریق اور اونچ نیچ کا انسداد اور شراب کی حرمت یہ دو ایسے کارنامے ہیں جنھیں عالمگیر تہذیب میں اسلام کا مستقل اضافہ کہا جا سکتا ہے ۔

ہم شراب کے بارے میں پروفیسر صاحب کے اس قول کی وضاحت ایک تقابل کے ذریعہ پیش کر رہے ہیں :
شراب کے مضرات اور ہلاکت آفرینیوں سے کس کو انکار ہو سکتا ہے ۔ شراب نوشی کا انسداد " باپوئے ہند مہاتما گاندھی " کے بنیادی اصولوں میں شامل تھا ۔ ہر ذی عقل و شعور کی نظر میں شراب ایک بری چیز ہے ۔ اور ہر قوم اسے ایک برائی ہی سمجھتی ہے ۔ ۱۹۲۰ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں کانگریس اور سینٹ (Senate) دونوں ایوانوں میں ایک اساسی ترمیم کے ذریعہ شراب کی ممانعت کر دی گئی ۔ لیکن اجازت یافتہ شراب خانوں کے بند ہوتے ہی ملک میں لکھو کھا خفیہ شراب خانے کھل گئے ، جن میں شراب مہنگی تو ہوتی ہی تھی ، خراب اور گھٹیا ہونے کی وجہ سے زیادہ مضر صحت بھی ہوتی تھی ۔ یہ خفیہ دکانیں برائیوں اور فواحش کو بڑھانے میں مددگار ثابت ہوئیں ۔ قانون کی بے دھڑک خلاف ورزی ہوتی تھی اور جرائم کی رفتار میں ساڑھے تین سو فی صد کا اضافہ ہو گیا ۔ شہروں کے علاوہ گاؤں گاؤں شراب کشید کیے

کے خفیہ کارخانے کھل گئے۔ قانونِ شراب بندی کے نفاذ سے پہلے امریکہ میں کل ۴۰۰ اجازت یافتہ شراب کشید کرنے کے کارخانے تھے، بندش کے بعد سات سال کے اندر تقریباً ۸۰ ہزار کارخانے اور نوے ہزار بھٹیاں پکڑی گئیں۔ ایک سابق امریکی کمشنر کے بقول اس کے علاوہ بھی بہت سے کارخانے ہماری نظروں میں نہ آسکے۔

اس طوفانِ بدتمیزی سے تنگ آکر حکومت نے سپر ڈال دی اور ۱۹۳۳ء میں صدر روزویلٹ کی کوشش سے حکومت نے قانونِ شراب بندی واپس لے لیا اور ۱۹۲۰ء کی ترمیم کو منسوخ کرکے اسے مسودہ قانون سے خارج قرار دیا گیا چودہ برس بعد میخانے جاگ اٹھے، رندانِ بلانوش کی قسمت بن آئی اور امریکن قوم نے اطمینان کا سانس لیا۔

امریکا ایک جمہوری ملک ہے، جہاں عوام کی رائے کے خلاف کوئی قانون پاس نہیں ہوتا۔ امریکن قوم نے ۱۹۲۰ء میں اپنے اوپر شراب حرام کرلی تھی مگر ۱۹۳۳ء میں اکثریت نے شراب کی تمامتر خباثتوں کے باوجود اسے پھر اپنی زندگی کا جزو بنالیا۔ ان چودہ برسوں میں اس کے روک کی کوئی ایسی تدبیر نہ تھی جو بروئے کار نہ لائی گئی ہو۔ اربوں ڈالر صرف پروپیگنڈہ پر صرف ہوئے لیکن بے سود!

اس کے ٹھیک برخلاف ذرا چودہ سو سال پہلے کے اس اسلامی معاشرے پر نظر ڈالیے جس میں شراب کی ممانعت کی گئی وہاں نہ تعلیم تھی نہ ذرائع نشر و اشاعت نہ حکومت کا مستقل نظام اور لوگ "لال پری" کے ایسے متوالے تھے کہ اب بھی ان کی زبان میں اس شراب کے ڈیڑھ سو کے قریب نام پائے جاتے ہیں۔ صورت صرف یہ ہوئی کہ الخمس تین مرحلوں میں نشہ بندی کا تدریجی حکم سنایا گیا۔ پہلی بار یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ شراب میں نفع کم، نقصان زیادہ ہے۔ پھر دوسرے مرحلے پر یہ حکم ہوا کہ چونکہ نشہ نماز میں خلل کا باعث ہے اس لیے نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔ لوگوں نے سے مان لیا اور بادہ نوشی کے اوقات متعین کرلیے۔ اس طرح اب بھی شغل مے و مینا پر پابندی نہ تھی، لیکن اب راہ ہموار ہو چکی تھی اور قطعی حکم کے نزول کا وقت قریب آنے کو تھا۔ آیت کریمہ کا نزول ہوا۔ یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر و یصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون۔ (مائدہ) یعنی اے اہلِ ایمان! شراب، جوا بت اور فال گیری کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں، ان سے بچو تاکہ کامیاب ہوجاؤ۔ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت ڈالدے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے

تو کیا تم لوگ باز آرہے ہو۔؟

ممانعت کا یہ طریقہ فطرت سے قریب تر اور انسانی طبیعت کے لیے مناسب تھا، اس لیے دنیا جانتی ہے کہ اس کا کیا اثر ہوا۔ جام و سبو توڑ دیے گئے اور مدینے کی گلیوں میں شراب بہ نکلی اور اس کو رہ علاقے سے بادہ پرستی کا نام ونشان مٹ گیا۔ بعد میں جہاں جہاں اسلام گیا یہ ممانعت بھی ساتھ ساتھ لے گیا۔ آج بھی جبکہ مسلمانوں کا دینی رجحان کمزور پڑ چکا ہے، شراب نوشوں کا جس قدر کم اوسط ان میں ہے دنیا کی کسی قوم میں نہیں۔ پھر اس ملت کے جو بادہ نوش ہیں وہ عموماً یہ کام چھپ کر کرتے ہیں یا کم از کم کرنے کے باوجود اسے برا سمجھتے اور مانتے ہیں۔

کسی چیز کی تحریم کا الہی قانون اور پیغمبرانہ طریق ہے، جہاں متقنن ومصلحین اور سرکاری کارپردازوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ قوموں کی تربیت اور تحریکوں کی رہنمائی کا یہ نرالا اصول اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ حیرت ہوتی ہے اسلامی نظام کے موجودہ دعاۃ ومبلغین اور اقامت دین کے مدعیان کے طریق کار پر کہ یہ بزرگان دین تنگے افراد کے ذہنوں کی تعمیر حکومت کے ایوانوں میں بیٹھ کر کرنا چاہتے ہیں۔ جب کہ یہ کام دلوں میں بیٹھ کر کرنے کا تھا۔ اسلام نے پہلے فرد کی تعمیر کی ہے پھر اس بنیاد پر کسی صالح اور منظم معاشرے کا قیام عمل میں آیا ہے۔ پہلے نفوس کا تزکیہ مطلوب ہے تب ان نفوس کے ذریعہ کوئی معاشرتی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة۔ (الجمعہ) یعنی اللہ تعالی نے امیوں کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں، انہیں پاک وصاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔)

تقریباً انہی الفاظ میں سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۴ بھی دیکھ لیں اور اس مفہوم کی آیات تو قرآن میں متعدد جگہ موجود ہیں۔ ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خشت اول کی درستگی پر عمارت کی درستگی کا دارومدار ہے، ورنہ کبھی باقی رہے گی۔

یہ ہم ہی ہیں اور ہمارے علماء جو ہمارے قائد ورہنما ہیں، کہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس تک نہیں ہو سکا ہے یعنی قوم کو کن خطوط پر استوار کرنا چاہیے، اور کون سا راستہ صحیح ہے جس پر چل کر منزل تک پہنچنے کی ضمانت دی جا سکتی ہے، رہنماؤں کے فکری وذہنی انتشار نے جہاں بہت سی باتوں کو جنم دیا ہے وہیں ہماری اجتماعیت کا بھی جنازہ نکل گیا ہے۔ آج دنیا کا زخمی جگر، دل فگار اور مظلوم مسلمان چاہے دنیا کے کسی خطے میں ہو، اکثریت میں ہو یا اقلیت میں

اغیار کے ظلم وجور کا ہدف بنا ہوا ہے۔ مگر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ سکے، آج نہ کوئی معتصم ہے جو وامعتصماہ! کی دہائی کے ساتھ ہی رومیوں پر چڑھ دوڑے اور نہ کوئی حجاج بن یوسف جو واحجاجاہ! کی فغان شرربار پر سندھ فتح کر ڈالے۔

درحقیقت اختلاف واتفاق کے معیار اور دوستی ودشمنی کے پیمانے بدل گئے ہیں اور یہ مرض مسلم علماء اور ارباب حکومت دونوں کا مشترک سرمایہ ہے، اس تفرقہ کے معیار کو اور اس کی قہرسامانیوں کو سمجھنے کے لیے اسلامی تاریخ کے دو واقعے کافی ہوں گے۔

سلطان مراد کے بعد عثمانی تخت وتاج اس کے لائق بیٹے بایزید یلدرم کے حصے میں آیا وہ بیک وقت عظیم مدبر ومنتظم، لائق سیاستداں اور باصلاحیت سپہ سالار تھا۔ یورپی مقبوضات کے سلسلے میں شروع میں اس کی پالیسی مفاہمت کی تھی اور اس نے بہت سی چیزیں مصالحت کی میز پر حاصل بھی کرلی تھیں۔ مگر جب کام بنتا نظر نہ آیا تو میدان جنگ کا رخ کیا اور قلیل مدت میں بایزید نے سربیا، آسٹریا، اور یونان کے بعض علاقے اور بلغاریہ پر عثمانی عظمت وسطوت کے جھنڈے گاڑ دیے۔ ہنگری کی باری تھی اور بایزید بوڈاپیسٹ کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ ادھر ایک نیا صلیبی اتحاد وجود میں آچکا تھا اور متحدہ عیسائی افواج بوڈاپیسٹ میں جمع تھیں، یلدرم نے شہر کا محاصرہ کرلیا ۲۲ ذیقعدہ ۷۹۸ھ کو مقابلہ ہوا اور اتحادی فوجوں کو شکست فاش ہوئی۔ مگر اس فتح کی خوشیوں کے گجر ابھی خاموش بھی نہیں ہوئے تھے کہ بایزید کو یہ خبر ملی کہ تیمور لنگ نے عثمانی سلطنت کے ایشیائی مقبوضات پر سات لاکھ فوج کے ساتھ دھاوا بول دیا ہے۔ یلدرم تمام مشغولیات چھوڑ کر ایک لاکھ بیس ہزار افواج کے ساتھ فوراً دردانیال عبور کر کے ایشیائے کوچک پہنچا۔ انگورہ کے میدان میں خیمے گاڑے اور مصالحت کی کوششیں شروع کیں مگر لاحاصل۔

واقعہ یوں تھا کہ جس وقت بایزید نے بوڈاپیسٹ کا محاصرہ کیا تھا اس وقت تیمور ہندوستان پر یلغار کیے ہوئے تھا۔ تیمور کے پاس قیصر نے یہ پیغام دے کر اپنا قاصد بھیجا کہ "ہارون ومعتصم نے ہماری سلطنت کو مٹانا نہیں چاہا، بایزیدی افواج داغستان میں مقیم ہیں اور بایزید آذربائیجان پر قبضے کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ آپ ادھر آئیں اور اپنی سرحدوں کو بچائیں نیز ہم کو بھی نجات دیں۔ دوسرے یہ کہ آپ کے فلاں فلاں امرا کو بایزید نے پناہ دی ہے اور ان کے ساتھ عزت وتکریم کا معاملہ کیا ہے" ــــــ ان باتوں سے تیمور بھڑک اٹھا اور ہندوستان کو یونہی تشنہ چھوڑ کر ایران ہوتا ہوا حدود ترکی میں داخل ہوگیا۔ ادھر سے عثمانی فوجیں آئیں، گھمسان کا رن پڑا مگر عثمانی فوجیں

قلت کے سبب شکستِ فاش سے دوچار ہوئیں۔ بایزید اور اس کا بیٹا موسیٰ قید کرلیے گئے۔ بایزید قید ہی میں عالم جاودانی کو سدھار گیا۔ تیمور لنگ نے عثمانی سلطنت کے مشرقی بازو پر قبضہ کرلیا اور وہاں سے عثمانی اقتدار کا خاتمہ کردیا۔

اس واقعہ سے پورے آٹھ سو سال قبل اسلامی تاریخ میں ٹھیک ایسا ہی ایک حادثہ رونما ہوچکا تھا۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کی کش مکش کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کے اتحاد میں دراڑ پڑ جانے کی وجہ سے قیصر روم کی للچائی ہوئی نظریں حضرت علی کے بعض علاقوں پر پڑ رہی تھیں، جب قیصر کے اس ارادہ کا علم حضرت امیر معاویہؓ کو ہوا تو انھوں نے قیصر کے نام خط لکھا ۔" اگر تیرے مقابلہ کے لیے حضرت علی کے لشکر کو حرکت کرنی پڑی تو سب سے پہلا سردار جو حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے تجھ پر حملہ آور ہوگا وہ معاویہ ہوگا۔"

تیمور سے بھی توقع تھی کہ وہ قیصر کو ایسا ہی مایوس کن اور مسکت جواب دیتا لیکن وہ جذبۂ رقابت پر قابو نہ پاسکا۔ درحقیقت قوموں کی تاریخ میں جب ایسے واقعات پیش آتے ہیں تو اختلاف سے پرے ہٹ کر سوچنے کا وقت ہوتا ہے، جہاں شخصی اور ذاتی منفعت یا جوش وجذبات دامن سے نہ الجھیں۔

بایزید کی شکست کا فوری اثر یہ ہوا کہ یورپ میں اسلام کی روز افزوں ترقی اور رفتار کو زبردست دھچکا لگا۔ اگر تیمور گرفتار ہوجاتا یا ہار جاتا تو ایشیا میں اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ لیکن دوسری صورت میں یورپ کے اندر اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، جنگ انگورہ نے یورپ کو اسلام کا محکوم ہونے سے بچالیا ورنہ بایزید کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جاتا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جب جاپان سے لے کر فرانس تک تمام دنیا اسلام کے زیر نگیں ہوگی۔ لیکن افسوس! ایسا نہ ہوسکا۔ خود عثمانی حکومت اب ایک نئے بحران سے دوچار ہوگئی اور یورپ ایک فاتح کشورکشا کی جذباتی ذہنیت کے سبب اسلام سے روشناس نہ ہوسکا۔

اس واقعہ سے پچھلے صفحات میں بیان کی گئی اس حقیقت پر واضح روشنی پڑتی ہے کہ قوموں کے ماحول کے تغیر و تبدل میں اکابر اور رہنما طبقے کا رول بڑا اہم ہوتا ہے۔ قوم کی تاریخ کو بگاڑنے یا بنانے میں ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر ان کی جذباتی رو، فکری رجحان اور کردار و گفتار میں توازن اور ہم آہنگی رہی تو خیر ورنہ اس قوم کا خدا ہی حافظ ہے۔ تاریخ کے صفحات میں اس کا کوئی مقام نہیں۔

آج جس بات کی زبردست کمی محسوس کی جارہی ہے وہ یہی ہے کہ رہنمایانِ قوم قائدین ملت اور بزرگانِ دین کے یہاں دوہرے معیار پائے جاتے ہیں۔ ان کی ظاہری زندگی اور خلوت کی زندگی میں بڑا فرق ہے۔ خانقاہی کردار کچھ اور ہے اور بازار کچھ اور۔ نفلی عبادات و ریاضت کو اصلاح و خدمت خلق پر ترجیح حاصل ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے ●●●

"فتنے اور ان کے تقاضے"

ارشد فہیم الدین
متعلم جامعہ۔ فضیلت اول۔

شریعت اسلامیہ کی پوری باڑی جن امور سے مرکب ہے، ان میں توحید کو روح کی حیثیت حاصل ہے لفظی اعتبار سے "توحید" کا لفظ جتنی سلاست اور روانگی کا حامل ہے معنوی اعتبار سے اتنا ہی مطلب خیز بھی ہے۔ یہ لفظ اپنے اندر پوری کائنات کے وجود و بقا کی معنویت کو سموئے ہوئے ہے۔ یہ طویل و عریض دنیا اور اس کے سارے انتظامات اسی کی بدولت قائم و دائم ہیں۔ یہ چاند یہ ستارے یہ دنیا کی رنگا رنگی یہ فلک بوس عمارتیں سب اسی کی مرہون منت ہیں۔ یہی وہ حد فاصل ہے جو پوری بنی نوع انسان کو دو متمائز حصوں میں منقسم کر دیتی ہے۔ توحید ایک ایسی الہی مہر ہے جو اپنے ماننے والوں کو "مومن" کا ٹھپا دیکر جنت خلد کی راہ بتاتی ہے، اور اس کا انکار یعنی کفر ایک ایسی شیطانی مہر ہے جو اپنے پیروں پر "کافر" کا ٹھپہ لگا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے۔ اس "ایمانی لیبل" کے کچھ تقاضے بھی ہیں جن کو پورا کرنا ایمان ہی کے اندر داخل ہے، قبل ازیں کہ ہم ان تقاضوں سے بحث کریں "توحید" و "کفر" کی تھوڑی سی وضاحت مناسب سمجھتے ہیں۔

توحید کا مفہوم: توحید کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس کائنات عالم کا ذرہ ذرہ کسی ایک ہی ہستی کے تابع ہے، جس کو "اللہ" کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس کو تسلیم کر لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محمد کو اس کا فرستادہ پیغمبر تسلیم کر لیا جائے۔

"اللہ" الہ سے مشتق ہے اور عربی زبان میں "الہ" کا اطلاق ہر اس ذات پر ہوتا ہے جس کے سامنے پیشانیاں ٹیکی جائیں، جس سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کا سوال کیا جائے جس کو کائنات عالم کا مالک اور منتظم کار سمجھا جائے۔ اس معنی کی تائید خود قرآن پاک سے ہوتی ہے مثال کے طور پر بعض مشرکین عرب سورج اور چاند کے سامنے اپنی پیشانیاں خم کرتے تھے، ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان کو ان

حرکتوں سے روکا گیا، قرآن میں ارشاد ہے ۔ « ومن آیاتہ الیل و النہار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون » ۔ اللہ کی نشانیوں میں رات اور دن سورج اور چاند ہیں، سورج کو سجدہ نہ کرو اور چاند کو بھی سجدہ نہ کرو، بلکہ صرف ایک اللہ کے لیے سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا ہے اگر تم لوگ اسی کی عبادت کرتے ہو۔

دوسری جگہ ان کے معبودوں کو صاف لفظوں میں « الٰہ » کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: اجعل الآلھۃ الھا واحدا ان ھذا لشیٔ عجاب » کیا اس نے تمام الٰہوں کے بجائے ایک ہی الٰہ بنا لیا یہ تو عجیب چیز ہے

لیکن شریعت کی نظر میں الٰہ ہونے کی مستحق صرف وہی ذات وحدہ لاشریک ہے جو ارض و سما کا خالق و مالک ہے جو تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا ملجا و ماویٰ ہے۔ جس کی حقیقت و کنہ فکر انسانی سے بالاتر ہے، وہی ایک معبود برحق ہے اس کے علاوہ تمام معبودان باطل اور فانی ہیں ۔

کفر کا مفہوم: کفر توحید کا بالکل متناقض ہے جس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجود یا اس کی خدائی حیثیت کا انکار کر دیا جائے۔ یہی کفر کی بنیادی چیز ہے ۔ لہٰذا اس اصل کے پیش نظر اگر کوئی شخص خدا کے وجود کا انکار کرتا ہے اور اس کے بتلائے ہوئے احکام و قوانین پر پورا پورا عمل کرتا ہے، یا خدا کے وجود کا اقرار کرتا ہے مگر اس کے احکام و فرامین اور قوانین کا انکار کرتا ہے تو دونوں صورتوں میں وہ کافر شمار کیا جائے گا قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہاں یہ معنی موجود ہے ۔

کفر کا نیا روپ: مذکورہ سطور میں جن دو امور کی نشاندہی کی گئی ہے وہ دونوں تو ظاہر و واضح ہیں، لیکن ان دونوں کے مابین ایک تیسری چیز بھی ہے جو نہ تو کھلم کھلا کفر ہے اور نہ صراحۃً توحید ہی ہے، اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے « نام نہاد » مسلمان اسی سے کام لے کر اسلام کے مصفی چہرے کو داغدار بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس قسم کے منافقانہ رویہ رکھنے والے مسلمانوں نے اسلام کو جتنا خسارہ پہنچایا ہے، شاید اتنا خسارہ کسی دوسرے سے نہیں ہوا۔ انسانیت کے یہ « کوڑھ » اور عقیدے کے یہ « کینسر » آئے دن ایک نہ ایک فتنے کو جنم دیتے رہتے ہیں۔ معاشرے کے ان خیر خواہ « حضرات » کا کہنا ہے کہ چوری کے جرم میں چور کا ہاتھ کاٹنا درندگی اور بربریت ہے ۔ جان کے بدلے جان لینا سفاکی اور خونریزی ہے۔ عصر حاضر

کے ان "منکرین" کا کہنا ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر اسلامی احکام "فرسودہ" ہو چکے ہیں، اس ترقی یافتہ دور کے مسائل چودہ سو برس پہلے کے بنائے گئے قوانین حل نہیں کر سکتے۔

اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے ایک طرف تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے نہیں شرماتے اور دوسری طرف اس طرح کے گلچھرے بھی چھوڑا کرتے ہیں، اس حالت میں اگر ہم اس عمل کو صریح طور پر کفر نہیں کہہ سکتے تو کم سے کم کفر کا نیا روپ تو کہہ ہی سکتے ہیں۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ یہ فتنے کوئی نئے

فتنوں کی تشکیل جدید: فتنے نہیں ہیں، اس قسم کے فتنے ہر دور اور ہر زمانے میں سر اٹھاتے رہے ہیں، البتہ وار کرنے کے انداز ضرور نئے ہیں۔ چنانچہ تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسے فتنے پچھلے مختلف ادوار میں بھی وجود پذیر ہو چکے ہیں۔

یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر اس پر بھی غور فرمائیے کہ جس دور میں اس نوعیت کے فتنے سر اٹھا رہے ہوں، اگر ہم ایمان کا لیبل لگا کر خاموش بیٹھے رہیں اور ان کا تماشہ دیکھتے رہیں۔ تو کیا عنداللہ ہم اس کے بارے میں مسئول نہ ہوں گے۔ ہوں گے اور ضرور ہوں گے، اس لیے کہ اس قسم کے فاسد افکار اور باطل خیالات کی تردید صرف یہی نہیں کہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے بلکہ یہ ایمان کا ایک لازمی تقاضہ ہے، اس لیے کہ ایمان کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس قوم کے سارے اعمال اس کے اندر داخل ہیں اور اگر سطحیت سے بالاتر ہو کر دیکھا جائے تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کی حقانیت اور عظمت و بزرگی پر کامل بھروسہ کرنا ایمان ہے اسی طرح موجودہ دور میں ان ملحدانہ شکوک و شبہات کا دندان شکن اور مسکت جواب دینا بھی ایمان کا جزو ہے۔

ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہمارے اسلاف نے اپنے وقت کے فتنوں سے

اسلاف کا طرز عمل: کبھی سمجھوتہ نہیں کیا، بلکہ پوری جواں مردی و پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا ہے۔ اور اس راستے میں جو بھی پریشانیاں لاحق ہوئی ہیں، انھیں ہنسی خوشی برداشت کیا۔ فتنے خواہ کتنے ہی بھیانک رہے ہوں، کبھی بھی ان کے سامنے سپر انداز نہیں ہوئے۔

تاریخ کے اندر ثبت کبھی وہ ایام مٹائے نہیں جا سکتے جب ہندوستانی مسلمان قرآن و حدیث کو ایک معمہ سمجھتے تھے، ان کا یہ خیال تھا کہ قرآن و حدیث کا فہم عقلِ انسانی سے ماورا رہے، لہٰذا اسلام کے نام پر ایک فقہ مرتب کر دی

جاتی تھی اور اسی کے مطابق احکام و رسوم کا نفاذ ہوا کرتا تھا۔ اگر اس کو چھوڑ کر کسی نے کتاب و سنت کی طرف توجہ کی تو اس کو قانوناً مجرم سمجھ کر عبرتناک سزا دی جاتی تھی۔ ایسے عالم میں قرآن و حدیث کے علم کو اجاگر کرنا اپنے آپ کو ہلاکت کے دہانے پر لا کھڑا کرنے کے ہم معنی تھا، لیکن اس کے باوجود ہندوستان کے وہ عظیم محدث جنھیں ہم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے نام سے جانتے ہیں اس کام کے لیے کمربستہ ہوگئے اور بالآخر ان باطل افکار و خیالات کی دھجیاں اڑا دیں۔ آج انھیں کی کدو کاوش کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان قرآن و حدیث کے نام سے واقف ہے۔ آج ہر مکتب خیال کے مدارس میں احادیث کا جو درس دیا جاتا ہے یہ انھی کی قوت عمل کا ثمرہ ہے۔

اسی طرح سے دسویں صدی کے اواخر کا زمانہ بھی فتنوں کے مقابلے کا ایک روشن باب ہے۔ "دین الٰہی" کا فتنہ موجودہ فتنوں سے کچھ کم نہ تھا۔ جبکہ ہندوستان کے تخت پر اکبر بادشاہ پورے جاہ و جلال کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا۔ اس کے حکم سے "دین الٰہی" کو ملک پر مسلط کیا جا رہا تھا۔ "لا الٰہ الا اللہ، اکبر خلیفۃ اللہ" کا کلمہ رائج کیا جا رہا تھا، اس کے خلاف لب کشائی جان سے ہاتھ دھونے کے ہم معنی تھی، لیکن قربان جائیے اس مرد خدا شیخ احمد سرہندی پر جنھوں نے اسلام کی اشاعت اور عقائد کی تصحیح میں جان و مال کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ڈنکے کی چوٹ پر حق کی وضاحت کی۔ جس کی پاداش میں اکبر کے بیٹے جہانگیر کے ہاتھوں اسیر زنداں ہوئے، لیکن قدرت کا تماشا دیکھیے۔ قید کی کال کوٹھری اسلام کے نور سے منور ہوگئی اور بالآخر حاکم وقت جہانگیر کو معافی مانگنی پڑی اور اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے "دین الٰہی" کے ڈھونگ سے روئے زمین پاک ہوگئی۔

یہ اور اس طرح کے بہت سے تاریخی حقائق و شواہد موجود ہیں، جن کو جان لینے کے بعد ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی بھی دور حق و باطل کی کشمکش سے خالی نہیں رہا۔ توحید و کفر کی یہ جنگ ہمیشہ سے ہوتی چلی آرہی ہے اور آخری وقت تک ہوتی رہے گی۔ البتہ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ فتنہ اپنا چولا بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ کسی زمانے میں "مرتدین" و "خوارج" کے نام سے وجود پذیر ہوا، تو کسی زمانے میں "شیعہ و اہل بیت" کے نام سے ظاہر ہوا۔ نہ کسی زمانے میں "فقہ اسلامی" کا روپ دھارا تو کسی زمانے میں "دین الٰہی" کا چولا بدلا۔ اور اب یہی کفر موجودہ زمانے میں "اسلامی مارکسزم" "کمیونزم"، سوشلزم وغیرہ ناموں سے سر اٹھائے ہوئے ہے۔

لیکن اسلام بھی کوئی وقتی اور جزوی تعلیم یا نظام نہیں بلکہ یہ ایک جامع اور ہمہ گیر دین حق ہے جس میں ہر مشکل کے سلجھانے اور ہر فتنے کا مقابلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت ہے۔ لہٰذا ہمیں اس کی صلاحیت سے کام لے کر جدید فتنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ ●●●

عالم اسلام

مرکز اسلام سرزمین حجاز کی چند جھلکیاں

حجاج کی تعداد کے لحاظ سے اس سال اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا حج ہوا۔ ۱۵۰ سے زیادہ ملکوں سے ۲۵ لاکھ سے زیادہ (۲۵۰۱۷۰۲) مسلمانوں نے فریضۂ حج ادا کیا۔ مملکت سعودی عرب نے اپنے تمام وسائل و ذرائع حجاج کی خدمت و سہولت اور ان کی راحت رسانی کے لیے وقف کر دیے، اور اس کامیاب انتظام پر دنیا کے مختلف ممالک کے وفود اور زعماء اسلام نے سعودی عرب کے حکمرانوں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اس سال شاہ فہد نے عام حجاج اور مختلف مرحلوں اور معیار کے متعدد اجتماعات سے بڑے ایمان افروز خطابات فرمائے۔ سب کی تفصیلات پیش کرنے کی گنجائش نہیں البتہ عام حجاج سے موصوف نے حرم پاک میں جو ایمان افروز خطاب کیا تھا، اس کا پورا متن ذیل میں دیا جا رہا ہے۔ یہ خطاب سعودی عرب سے شائع ہونے والے پہلے اردو اخبار سہ روزہ "المدینہ" جدہ نے اپنی ۱۲ ستمبر ۸۴ء کی اشاعت میں شائع کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے بیت اللہ کو انسانوں کا مرکز اور امن کا گہوارہ بنایا

درود و سلام خاتم الانبیاء والمرسلین پر اور آپ کے آل و صحابہ پر

حجاج بیت اللہ الحرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج میں سعودی عرب کی حکومت اور عوام کی جانب سے وادی مکہ میں صحن بیت العتیق سے، گہوارۂ رسالت اسلامیہ اور منبع نور و ہدایت سے آپ کو خطاب کرتا ہوں اور آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں، آپ محبت اور یکجہتی کے جذبات کے ساتھ ہمارے درمیان آئے ہیں اور ہمیں عقیدۂ اخوت نے تاریخ کے عظیم ترین اور سب سے شاندار اجتماع میں کلمۂ توحید پر یکجا کیا ہے، کلمۃ اللہ پر اکٹھا کیا ہے اور "اللہ کا کلمہ ہی بلند و برتر ہے" اور اللہ علیم اور حکیم ہے۔

میرے قابلِ تکریم بھائیو! یہ اللہ کا فضل اور انعام ہے کہ اس نے ہمارے اور آپ کے

رضائے الٰہی: اس وطن مملکت عربیہ سعودیہ میں ہمیں خدمت حرمین شریفین کے شرف کے لیے چنا اور پھر اپنی تائید و توفیق سے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم حجاج کرام کی خدمت اور آرام و آسائش کے تمام انتظامات اور وسائل مہیا کرنے کے لیے حتی الامکان پوری کوشش کریں، تاکہ حجاج سکون و اطمینان اور سہولت کے ساتھ اپنے فرائض اور مناسک ادا کریں۔ ہمارا مطمحِ نظر صرف رضائے الٰہی ہے اور ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ نے اپنے ایک ایک مہمان کے بارے میں جو ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ڈالی ہے، اس کو خوش اسلوبی سے ادا کیا جائے۔ یا اللہ یہ تیرا ہی فضل ہے اور تیری ہی تعریف واجب ہے۔

میرے بھائیو! ضیوف الرحمٰن! جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اسلام کا پیغام یہ ہے کہ ہم

عقیدۂ توحید: خدائے واحد کی پرستش کریں، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اس وحی کا اتباع کریں جو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی شکل میں نازل فرمائی، جس میں باطل کی آمیزش کا کوئی شائبہ نہیں اور یہ کہ ہم سنتِ نبوی کی پیروی کریں، اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام انسانیت کو ضلالت اور گمراہی سے ہٹا کر فلاح کی راہ پر لگانے آیا تھا یہ پیغام مسلمانوں کو باہمی تعاون اور یکجہتی کا درس دیتا ہے، ذاتی مفاد کو ترک کرنے اور اختلاف کو ختم کر دینے کی تعلیم دیتا ہے، انھیں مشترکہ مفاد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق متحد ہونے کی ہدایت کرتا ہے، مومن ایک دوسرے کے ساتھ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ آیئے ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں، ایک دوسرے کو نصیحت کریں اور اپنی دین و دنیا کی بھلائی کی خاطر متحد ہو جائیں۔

ہم مشاعرِ مقدسہ میں جمع ہیں، اس موقع پر اپنے دلوں کو ٹٹولنا ہمارا فرض ہے، ہمیں امروزہ حقائق کی روشنی میں اپنے عمومی حالات کا جائزہ لینا چاہیے، ہمیں سوچنا چاہیے کہ اسلام کی راہ پر اپنا رخ کیسے درست کریں، اس کے لیے ہمیں امت کی موجودہ حالت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا چاہیے، اور آنے والی نسلوں کے لیے واضح اہداف کی نشاندہی کرنی چاہیے، ہم امت کے دشمنوں کی سازشوں، شرانگیزیوں اور ریشہ دوانیوں پر سرسری نظر ڈال کر بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ ہمیں ایک زبردست چیلنج کا سامنا ہے۔

طاقت کا جنون: آج کی دنیا میں حق اور انصاف معدوم ہو چکا ہے، ہر طرف ظلم و عدوان اور

او جارحیت کا دار دورہ ہے، یہ ایک ایسی دنیا ہے جو طاقت اور تشدد کی زبان کے سوا کوئی زبان نہیں سمجھتی یہ اس جنون میں مبتلا ہے کہ طاقتور کمزور پر حاوی آجائے اور سینہ زوری سے دوسروں کی زمین چھین لے اور کمزوروں کے حقوق غصب کرے۔ انسانی تہذیب نے جن چیزوں کی حرمت کو ہمیشہ تسلیم کیا وہ آج حلال کر دی گئی ہیں اور آج تہذیب کے نام پر جانیں ضائع کی جا رہی ہیں، ملکوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔

عزیز بھائیو! ہم اگر دین حق کی تعلیم پر سختی سے کاربند رہتے، اپنے دلوں کو بغض و عداوت سے پاک کرکے ایمان اور محبت کی روشنی سے منور کرتے تو اس ظلم و عداوت کا ظہور نہ ہوتا، اگر ہم قوت و شوکت کی طرف لے جانے والی صراط مستقیم پر گامزن ہوتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دوستوں اور حلیفوں پر اعتماد کرنے کے بجائے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے تو ہم مظالم کا شکار نہ بنتے۔

میرے محترم بھائیو! امت مسلمہ کو جسے اللہ نے نوع انسانی کے لیے مثالی امت بنایا

مثالی امت: تھا، آج سب سے زیادہ اس چیز کی ضرورت ہے کہ اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے کیوں کہ وہی امت کی طاقت کا سرچشمہ اور اس کی ترقی کا زینہ ہے، صرف اسی صورت میں یہ امت اقوام عالم میں ممتاز مقام حاصل کرسکتی ہے، مخالف دھاروں کا رخ موڑ سکتی ہے، صرف اسی صورت میں یہ امت اس بات کے قابل ہوگی کہ جو ذمہ داریاں اس کے سپرد کی گئی ہیں، جو مشن اس کو سونپا گیا ہے اور جو امانت اس کے حوالے کی گئی ہے، اس کا حق ادا کرسکے اسلام، ایمان اور عقل کا مذہب ہے، یہ عقل و منطق کا دین ہے، جب تک ہم اس کے اصول کی پابندی نہ کریں گے، اس کی تعلیم کو نافذ نہ کریں گے، اور اس کے ارکان کو برقرار نہ رکھیں گے، اس وقت تک ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

تو آیئے آج اس مبارک تقریب نے جو موقع فراہم کیا ہے اس سے فائدہ اٹھاکر اپنی روحوں کی بیماریاں دور کریں اور دلوں کے میل کو دھو ڈالیں۔ آیئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے رجوع کریں اور عاجزی کے ساتھ اس سے التجا کریں کہ وہ ہماری بصیرت کو روشنی، ہماری روح کو پاکیزگی، ہمارے دلوں کو طہارت اور ہمارے ضمیر کو آزادی عطا فرمائے۔

بھائیو! اسلام کا ایک ہی راستہ ہے، یہ مختلف راہوں کا دین نہیں ہے، اس کا طریق کار بھی ایک ہی ہے جس سے انحراف کی کہیں گنجائش نہیں کسی انسانی معاشرے نے افراد کے حقوق و فرائض کے درمیان ایسا مکمل توازن پیدا نہیں

نہیں کیا، جیسا اسلام نے کیا ہے اور نہ ہی نوع انسانی اسلام کا سا نظام عدل قائم کرنے میں کبھی کامیاب ہوئی۔ آج ہم بیت اللہ کی آغوش میں ایک ہی مقصد ایک ہی تمنا لیے کھڑے ہیں۔ کل میدان عرفات میں ایک ہی لباس میں ہم ایک ہی کلمہ ادا کر رہے ہوں گے، لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک۔ وہاں رکاوٹیں ہوں گی، نہ مراتب اور نہ خاندانی امتیازات، سب اللہ کے سامنے برابر ہیں، کوئی عرب کسی غیر عرب پر اس صورت میں تفوق رکھتا ہے کہ جب وہ متقی ہے یہ اللہ کے عائد کردہ مناسک ہیں، یہ اسلامی تصورات کی تجسیم ہیں، جو صراط مستقیم پر گامزن ہوگا، ہدایت پائے گا۔ جو گمراہی اختیار کرتا ہے وہ اس کا خود ہی ذمہ دار ہے۔

مسلمان امن کے وکیل ہیں: برادران اسلام! ہم مسلمان نہ جنگجو ہیں اور نہ شر انگیز، ہم تو اتحاد اور امن کے وکیل ہیں۔ ہم تباہی و بربادی کا ذریعہ نہیں۔ ترقی، تعمیر اور زیب و زینت کا وسیلہ ہیں، ہم ایک ایسی امت ہیں جو انسانیت کی فلاح و بہبود کی علمبردار ہے، عظمت و توقیر اس کا راستہ ہے۔ خیر کی داعی ہے اور تمام دنیا میں اشاعت امن کو اپنا فرض سمجھتی ہے، ہم جو کچھ اور جیسا کچھ سمجھتے ہیں کہ امن کا مطلب نہ تو شکست قبول کرتے ہیں اور نہ ہر امر واقعہ کو حق تسلیم کرتے ہیں، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہم ایک ایسی امت ہیں جو بے انصافی کے خلاف خروج کرتی ہے، عدل کی طلب گار رہتی ہے، حق کی علمبرداری اور مظلوم کی حمایت کرتی ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم نے اپنے تئیں سعودی عرب میں ہمیشہ تمام دنیا کے بھائیوں کی مدد فروغ اور تقویت کا کام کیا ہے اور کرتے رہیں گے، ہم امت مسلمہ کو اپنی عظمت رفتہ کی بازیافت میں مدد دینے اور اسے جمعیت اقوام عالم کی صف اول میں لانے اور اس کے غصب شدہ حقوق (جن میں بیت المقدس مقدم ترین ہے) واپس دلانے میں اپنی سی پوری کوشش کریں گے ہماری استقامت اور کوشش بلا ضعف اس وقت تک برقرار رہے گی اور جاری رہے گی جب تک فلسطین کوہستان جولان، لبنان، افغانستان اور سینائی کے مقبوضہ علاقے خالی نہیں ہو جاتے، جو ابتک دشمن کی گرفت میں ہیں۔

برادران اسلام! ہم یہ دیکھ کر ملول ہیں کہ دشمن ایران و عراق میں، شمالی افریقہ میں، وادی بقاع میں، لبنان کے چپے چپے میں ہم بھائیوں کے درمیان اس حد تک نفاق کے بیج بو دینے میں کامیاب رہا ہے کہ ان علاقوں میں بھائی کی گردن بھائی کاٹ رہا ہے، اس کا خون بہا رہا ہے، اس کے ناموس کو مٹا رہا ہے، اور اس کی املاک مال غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر رہا ہے کیا اس صورت حال میں ہمارے لیے یہ تنبیہ موجود نہیں ہے کہ ہم کن باتوں کو ترک کریں اور کن باتوں کو اختیار کریں۔ واللہ! ایسا ہی ہے۔ اللہ نے ہمیں ہی ہمارا دشمن بنا دیا ہے، ہمارے اصل دشمنوں سے بدترین دشمن! چنانچہ دل بھی پتھرا گئے ہیں۔

اور آنکھیں بھی اور ہم صراطِ مستقیم کو پہچاننے کے قابل بھی نہ رہے۔

برادرانِ اسلام! اس ارضِ مقدس سے اور ان مبترک دنوں میں ہم پورے خلوص سے تمام متصادم و متحارب بھائیوں اور ان تمام فرزندانِ ملت سے جو کسی بھی عرب یا مسلم ملک میں باہم جھگڑ رہے ہیں درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہتھیار ڈال دیں، ایک دوسرے کی جانیں بخش دیں، آگ اور آلاتِ تباہی کے بجائے حکمت کو حکم بنائیں، اپنے درمیان ایمان، زبان اور جسم و جان کے تمام مشترک رشتوں کے نام پر ہم ان سے التجا کرتے ہیں کہ وہ اپنے تعلقات کے باب کا نیا ورق پلٹیں اپنے خلاف سازشوں کے جال ادھیڑ پھینکیں اور اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ کو یاد رکھیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینات .. یعنی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور جنھوں نے کھلی نشانیاں آجانے کے باوجود باہم اختلاف کیا۔

اللہ تعالیٰ یہ بھی کہتا ہے کہ: واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا۔ یعنی سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ۔

اللہ نے یہ بھی کہا ہے: وا طیعو اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم و اصبروا ان اللہ مع الصابرین۔ یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تنازعہ میں نہ پڑو کیونکہ اس طرح تم بکھر جاؤگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر و استقامت سے کام لو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد یہ بھی ہے: انما المسلمون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون۔ یعنی سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ہم بڑی طاقتوں اور امن کے لیے کام کرنے والی تمام بین الاقوامی تنظیموں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ خونریزی بند کرائیں، مظلوموں کی حمایت کریں، حقداروں کے غصب شدہ حقوق کی بازیافت میں اعانت کریں اور اقوام وملل کے درمیان فروغ امن کے لیے کوشاں رہیں۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے، ہمیں معقولیت اور حکمت کے راستے کی بصیرت اور اس پر گامزن ہونے کی توفیق اور حق پر اتحاد کی توفیق دے، خدا ہمارے دین کو باقی رکھے اور ہمیں اپنے نفس کی خباثتوں اور بداعمالیوں سے محفوظ فرمائے، خدا ہم سب کا حج قبول فرمائے اور عفو و رحم سے سرفراز فرمائے۔

منیٰ کی قربانیوں کا گوشت عالم اسلام کے پناہ گزینوں کو

سعودی حکومت نے اس سال ایک نہایت مبارک قدم یہ بھی اٹھایا کہ منیٰ کی قربان گاہ میں ذبح کیے جانے والے جانوروں کو ضائع کرنے کے بجائے انھیں صحیح مقامات پر پہنچا دیا۔ چنانچہ پچیس ہزار سے زائد جانوروں کا ۲۵ ہزار گوشت پشاور اور کوئٹہ پہنچا کر فوری طور پر افغان مہاجرین میں تقسیم کر دیا گیا، اسی طرح تیس ہزار ذبیحہ جانور سوڈان بھیج کر وہاں اریٹریا کے پناہ گزینوں میں تقسیم کیے گئے۔ نیز جیبوتی بھیج کر حبشہ کے پناہ گزینوں میں تقسیم کیے گئے، اس مقصد کے لیے ہرکلیس ۱۳۰-سی بوئنگ ۷۰۷ اور جمبو بوئنگ ۷۴۷ کے جہازوں نے پشاور کوئٹہ سوڈان اور جیبوتی کے اڈوں کے لیے ۱۱ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ یوم یکشنبہ (۱۸ ستمبر ۱۹۸۳ء) کی صبح سے ۱۶ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ یوم جمعہ تک کل ۸ پروازیں کیں۔ گوشت کی کل مقدار ۱۰۵۶ ٹن یعنی دس لاکھ چھپن ہزار کلو گرام تھی۔

سوڈان میں اسلامی قانون کا نفاذ

یہ خبر انتہائی خوش کن ہے کہ سوڈان کے صدر جعفر نمیری نے ۸ ستمبر کو سوڈان میں اسلامی قانون کے نفاذ کا اعلان کر کے . . . . سوڈان کے اندر صحیح معنوں میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔ صدر نمیری نے اس موقع پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سوڈان میں ایک مدت سے جرائم کے انسداد کے لیے انگریزوں کے بنائے ہوئے قوانین نافذ تھے لیکن سالہا سال کے تجربے سے ثابت ہو گیا کہ یہ قوانین اپنے مقصد میں ناکام رہے ہیں اور شرعی قوانین کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ انھوں نے کہا کہ معاشرے میں امن و امان اور عدل و انصاف کے قیام کی بہترین صورت یہ ہے کہ تمام فیصلے کتاب و سنت کے مطابق کیے جائیں، اس اعلان کے ساتھ صدر نمیری نے اسلامی قانون کو تیز کرنے کے لیے عدالتی نظام کی از سر نو تشکیل کر دی۔ وزیر اطلاعات نے بتایا کہ سوڈان میں پہلی مرتبہ ملکی قانون کو شریعت کے مطابق بنایا گیا ہے، نئے قانون کے تحت چوری، رہزنی، مسلح ڈکیتی، شراب نوشی، زنا، رشوت اور قمار بازی کے مجرموں پر شریعت کے مطابق حد جاری کی جائے گی۔ قتل اور ضرب کے مقدمات میں قصاص اور دیت کے شرعی احکام پر عمل کیا جائے گا۔

صدر نمیری نے نفاذ اسلام کے اعلان کے ساتھ ہی ۱۳ ہزار قیدیوں کو رہا کر دیا اور انھیں بھاری مقدار میں رقم بھی

تقسیم کی تاکہ وہ نئے سرے سے شریفانہ اور اسلامی زندگی گزار سکیں۔ اب کسی کو اسی وقت گرفتار کیا جائے گا اور سزا دی جائے گی جبکہ وہ اسلامی شریعت کی رو سے مجرم ہو۔ گویا پچھلے دور کے واقعات کو قصہ پارینہ بنا دیا گیا۔

صدر نمیری کے ان اقدامات کا بڑے جوش و خروش کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ انھوں نے شراب خانوں کی بندش کا حکم جاری کیا تو اس شان سے اس پر عمل ہوا کہ دور اول کی یاد تازہ ہوگئی اور کوئی پچاس لاکھ ڈالر کی شراب دریائے نیل میں بہا دی گئی۔

سوڈان میں اسلام کے نفاذ کی تیاری کئی برس سے کی جا رہی تھی۔ نفاذ اسلام کے فوراً بعد ہی سوڈان کے تین وزراء حج کے لیے تشریف لائے۔ یہ تھے وزیر داخلہ جناب احمد عبدالرحمان، وزیر مملکت جناب فیصل محمد عبدالرحمان اور وزیر اطلاعات محمد خوجلی صالحین۔ ان تینوں سوڈانی وزراء نے منیٰ میں ایک پریس کانفرنس کے دوران سوڈان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے میں متعدد سوالات کے جواب دیے اور اس معاملے میں صدر جعفر نمیری کی حکمت عملی کی وضاحت کی۔ وزیر اطلاعات نے کہا کہ صدر نمیری نے ۸ ستمبر کو جن اسلامی اصلاحات کا اعلان کیا ہے ان سے سوڈان کے سواد اعظم کی دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ کوئی ہنگامی اقدام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے کئی برس سے تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ سوڈانی معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور مختلف شعبوں سے متعلق قوانین کو شریعت کے مطابق بنانے کے لیے کمیٹیاں پہلے سے قائم تھیں۔ قومی معیشت کو سود سے پاک کرنے کے لیے اسلامی بنک کاری کی حوصلہ افزائی کی جا رہی تھی اور حکومت نے نہ صرف اسلامی علوم کی اشاعت کے لیے اکادمیاں قائم کیں بلکہ نئی مساجد تعمیر کیں۔ حفظ قرآن کے مدرسے قائم کیے اور طلباء کے لیے وظائف مقرر کیے گئے۔ اب فوجداری قانون کے تحت اسلامی حدود کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا ہے اور عوام نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا ہے۔

جناب صالحین نے بتایا کہ سوڈانی پارلیمنٹ کی آج کل تعطیل ہے چنانچہ نیا اجلاس شروع ہوتے ہی پارلیمنٹ اسلامی قوانین کی توثیق کر دے گی۔ انھوں نے اس خیال کو غلط قرار دیا کہ صدر نمیری نے اپنے اقتدار کے استحکام کی خاطر شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا ہے۔

انھوں نے کہا کہ صدر نمیری کے اقتدار کو کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں اور وہ تین برس سے نفاذ اسلام کی تیاری میں مصروف تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ طائف کی اسلامی سربراہ کانفرنس کے موقع پر صدر نمیری نے "اسلام کا راستہ کیوں؟" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی۔ وزیر داخلہ جناب احمد عبدالرحمان نے نفاذ شریعت پر مکمل داخلی اور

اور بیرونی رد عمل کے بارے میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ جہاں تک سوڈان کے مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کی مدت سے تمنا تھی کہ ملک کا سارا نظام قرآن اور سنت کے مطابق ہو۔ انھوں نے یاد دلایا کہ سوڈان پہلی اسلامی مملکت تھی جس نے مہدی سوڈانی کی قیادت میں اسلام کو اپنی اساس بنایا تھا۔ موجودہ حکومت نے اسی روایت کو زندہ کیا ہے انھوں نے مغربی ممالک اور بین الاقوامی تنظیموں کے رجحانات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی شریعت کی مقرر کردہ سزائیں عالمی انسانی حقوق کے منشور کے منافی نہیں ہیں، اور سنجیدہ مغربی مفکر بھی اس بات کے قائل ہو چکے ہیں کہ ہولناک جرائم کی روک تھام کے لیے سخت سزائیں ضروری ہیں، سعودی مملکت کے حالات خاص طور سے اس معاملے میں مثالی قرار دیے جاتے ہیں، جہاں چوری جیسے جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بعض مغربی حلقے، جو سزائے موت اور قطع ید کے مخالف ہیں، ان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ مجرموں کے ساتھ نرمی برتنے کا خمیازہ یورپ اور امریکہ کے ممالک بھگت رہے ہیں۔ وزیر داخلہ نے اس امر کی بھی صراحت کی کہ اسلامی نظام میں غیر مسلموں کے حقوق اور ان کے شخصی قوانین کا پورا پورا احترام کیا جائے گا۔

وفیات

مولانا عبداللہ سیونی

مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۸۳ء بروز اتوار بوقت صبح ساڑھے آٹھ بجے مولانا عبداللہ کھاروی رحمانی اللہ کو پیارے ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مدرسہ رحمانیہ دہلی سے ۱۹۳۵ء میں فارغ ہوئے اس کے بعد تقریباً پچاس سال تک مسلسل تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کے زیر سایہ دو مدرسے دارالعلوم یوسفیہ ناگپور اور فیض العلوم سیونی (مدھیہ پردیش) قائم ہوئے دونوں بفضل خدا چل رہے ہیں۔ مولانا مرحوم صوبہ مدھیہ پردیش کے وسطی اضلاع سیونی، بیتول وغیرہ اور مہاراشٹر کے مشہور شہر ناگپور اور اس کے مواضعات وغیرہ کے لیے ایک رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ اللہ جنت الفردوس نصیب فرمائے۔

معین الحق منڈل

انتہائی افسوس ہے کہ تحریک شہیدین اور راج محل کیس کی ایک معروف ہستی مرحوم ابراہیم منڈل کے پوتے جناب معین الحق منڈل صاحب جو اس دیار میں اس تحریک کی آخری یادگار تھے، مدرسہ شمس الہدیٰ دلالپور کے سکریٹری تھے مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ ۸ بجے شب ۷۶ سال کی عمر میں اس دار فانی سے دار بقا کو رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین

اعتذار

محدث کا مقام طباعت فساد کے سبب کرفیو کی زد میں تھا ، اس لئے مجبوراً پرچہ قدرے لیٹ جا رہا ہے ۔

NOV. **MOHADDIS** 1983

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi.

ادارة البحوث الاسلامية والدعوة والافتاء بالجامعة السلفية

بنارس — الهند

برگ وبار

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

بنارس

صفر المظفر ۱۴۰۴ھ
دسمبر ۱۹۸۳ء
جلد ۲ : شمارہ ۱۲

ترتیب

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

- سالانہ : ۲۵ روپئے
- ششماہی : ۱۳ روپئے
- فی پرچہ : ۲/۵۰ روپئے
- بیرونِ ملک سے سالانہ : ۱۵ ڈالر

- ناشر : جامعہ سلفیہ بنارس • طابع : عبدالوحید • مطبع : سلفیہ پریس بنارس

پتہ

خط وکتابت کے لیے : ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدلِ اشتراک کے لیے : مکتبہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب ، بنارس
MAKTABA SALAFIA REORITALAB VARANASI.221010
ٹیلی گرام : "دارالعلوم" وارانسی • ٹیلی فون : ۶۳۵۷۷

۵

تزئین وکتابت

النور جمال

آتشِ بے دُود

تابش حجازی مئوناتھ بھنجن

ہے ذرہ ذرہ میں اس حسنِ لم یزل کی نمود
کہ جس کا جلوہ ہے ہر سو غیاب ہو کہ شہود

مئے الست سے معمور ہے سبو میرا
میں تیرا بندہ ہوں یارب تو ہے مرا معبود

جھکی ازل میں تو پھر آج تک وہ اٹھ نہ سکی
یہی ہے در ترا اور یہ مری جبینِ سجود

نشاطِ عیش کی پروا نہ رنجِ محرومی
تری رضا و طلب میری منزلِ مقصود

وہ ذاتِ رحمتِ عالم شفیعِ روزِ جزا
ہزار بار ہو اس پر سلام شوق و درود

وہ جس کے آگے فرشتے بھی سجدہ ریز ہوئے
زہے بلند مقاماتِ آدمِ مسجود

تو اپنے دل میں وہ سوزِ یقیں تو پیدا کر
کہ جس سے ہوتی ہے گلزار آتشِ نمرود

معاشیات و سیاست کے فکر پہ نازاں!
نہیں ہے روحِ محمدؐ تو پھر ہے سب مردود

ہے تیری ہستی یم لا الٰہ میں غرق
اسیرِ گیسوئے باطل ہے تیرا سارا وجود

پڑے وجود پہ تیرے وہ ضربِ الا اللہ
کہ ریزہ ریزہ ہو جس سے یہ ذوقِ بے مسجود

مری نگاہ میں کچھ اور ہی مناظر ہیں
مجھے لبھائے گی کیا یہ بہارِ باغِ وجود

فرازِ طورِ یقیں کا کلیم ہوں تابشؔ
سلگ رہی ہے مرے دل میں آتشِ بے دود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ راہ

سنگین خسارہ

قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب حقیقی کی معرفت دریافت کے لیے اپنے رہوارِ فکر کو مہمیز لگائی تو پہلے پہل ان کی نگاہیں ان عظیم مظاہر فطرت کی طرف گئیں جنھیں ان کی قوم پوج رہی تھی۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے، ستارے، چاند اور سورج پر نگاہ ڈالی۔ ان کی نقل و حرکت دیکھی۔ چمکنے دمکنے پھر چھپنے اور ڈوبنے کا منظر دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ چیزیں الٰہ اور معبود بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، بلکہ اس کا حقدار صرف اور صرف وہی اللہ وحدہ لاشریک ہے، جس نے ان ساری چیزوں کو پیدا کر کے ایک مخصوص تکوینی قانون کا پابند بنا دیا ہے جس کے مطابق یہ ابھرتے اور ڈوبتے رہتے ہیں۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد انھوں نے اپنی قوم کے سامنے جس کلمۂ حق کا اعلان و اظہار فرمایا تھا وہ اتنا جامع اور مکمل تھا کہ قرآن نے اسے بڑی مدح و توصیف کے پیرائے میں بیان کیا اور اسی کلمۂ حق کو امتِ مسلمہ کا اصل الاصول قرار دیدیا۔ ان کا اعلان یہ تھا۔

یٰقوم انی بریٓء مما تشرکون
انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت
والارض حنیفاً وما انا من المشرکین

اے قوم تم اللہ کے ساتھ جو کچھ شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے بری ہوں۔ میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی
للہ رب العالمین، لاشریک لہ وبذٰلک
اُمرت وانا اول المسلمین

یقیناً میری نماز، میری قربانی میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھ کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلم (اطاعت گزار) ہوں۔

اس بیان میں ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ان ساری طاقتوں، قوتوں، جھوٹے خداؤں، معبودوں اور مظاہر فطرت کی عبادت سے اپنی علیحدگی اور کنارہ کشی کا اعلان کر رہے ہیں جن کی عبادت اور پوجا پاٹ اس وقت نوع انسان کے لیے عین سعادت سمجھی جاتی تھی۔

دوسری طرف وہ اپنے مقصد وجود کو دو لفظوں میں بوضاحت بیان کر دیتے ہیں کہ ہر طرح کی عبادت کے سارے مظاہر مثلاً میری نماز اور قربانی (یعنی جسمانی و مالی عبادت) اور میری زندگی اور موت، سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ یعنی اب نہ اللہ کی عبادت و رضا سے ہٹ کر کسی اور راہ پر چلتے ہوئے جینا ہے اور نہ اس کے بجائے کسی اور راہ پر چلتے ہوئے مرنا ہے۔ اب جئیں گے بھی تو اسی کے لیے اور مریں گے بھی تو اسی کے لیے۔ مجھے رب العالمین کی طرف سے اسی کا حکم ہے اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے کا ہی نام مسلمان ہے۔

یہ ہے وہ دو ٹوک اور فیصلہ کن عہد و اقرار جو حضرت ابراہیم نے اپنے پروردگار کے ساتھ باندھا تھا اور جسے مسلمان بار بار دہراتا ہے۔ اس اعلان و اظہار اور عہد و اقرار نے ہماری پوری زندگی کی راہ اور ہماری موت کی منزل بالکل ٹھیک ٹھیک متعین کر دی ہے۔ اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم پوری مستعدی کے ساتھ اس روشن اور جگمگاتی ہوئی راہ پر گامزن رہیں اور کامیابی و کامرانی کے ثمرات سے دامن مراد بھر کر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔

یہ کام یقیناً بڑا کٹھن اور صبر آزما ہے۔ ماحول کی بیرونی کشش اور دباؤ اور نفسانی ہوا و ہوس کی اندرونی جذب و طلب کی وجہ سے قدم قدم پر لغزش کے خطرات ہیں لیکن بہر حال ہمارا راستہ اور منزل یہی ہے۔ لغزشوں کا مداوا ہو سکتا ہے، کوتاہیوں کے گرد بھاڑے جا سکتے ہیں، زخموں پر مرہم رکھے جا سکتے ہیں اور تیز دوڑ لگا کر ضائع شدہ اوقات کی تلافی کی جا سکتی ہے اور اگر ان میں سے کچھ نہ کیا جا سکے تو کم از کم تسکین و تسلی کی اتنی گنجائش تو موجود رہتی ہے جس راستے پر زندگی نے دم توڑا ہے، وہ راستہ غلط نہیں۔ البتہ اگر اس راستے اور منزل سے انحراف اور برگشتگی کی صورت پیش آئی اور ہم نے دانستہ یا نادانستہ ایک ایسا راستہ پکڑ لیا ہو اس کے بالکل الٹے یا داہنے بائیں جاتا ہے تو یہ سخت خسارے کی بات ہوگی۔ اور ایسی راہ پر چلنے والی زندگی اور آنے والی موت دونوں ہی ہمارے لیے مکمل اور حسرتناک تباہی کی علامت ہوگی۔ وذلك هو الخسران المبين۔ (اور یہی کھلا ہوا گھاٹا ہے۔)

ہماری اس گفتگو کا مقصود مسلمانوں کی مجموعی صورتحال کے ایک نہایت کربناک پہلو کی طرف اشارہ کرنا ہے کلمہ کے اقرار کے باوجود اسلام کے احکام سے ہماری دوری و بیگانگی بلکہ برگشتگی کا جو حال ہے، محتاج بیان نہیں۔ نماز ہو

یا زکوٰۃ ، روزہ ہو یا حج ، جنسی حرامکاری ہو یا اخلاقی پامالی ، لین دین میں حلال وحرام سے بے نیازی ہو یا کھانے پینے میں شرعی پابندیوں سے آزادی ۔ ہر معاملے میں ہمارا تعلق اسلام سے جس قدر کمزور ہو چکا ہے وہ تو اپنی جگہ پر ہے ہی، ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہمارے اندر اسلامی حمیت وغیرت کی چنگاری اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جوش و جذبہ کی جو تھوڑی بہت مقدار خال خال لوگوں میں رہ گئی ہے ، اور وقت آنے پر جس سے عام مسلمانوں کے نہاں خانۂ دل میں حمیت وغیرت کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں) ہم اس کا بھی استعمال نہایت غلط اور بے محل کرتے ہیں ۔ ہمارا یہ جوش وجذبہ اسلام کے نام پر بالکل غیر اسلامی چیزوں کی حمایت میں صرف ہو جاتا ہے ۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جوش میں ہم نہایت غلط مواقع پر موت کا استقبال کرتے ہیں ۔ اس طرح عام حالات میں تو ہماری زندگی اور موت غیر اسلامی ڈگر پر چلتے ہوئے آتی ہی ہے ۔ خاص اسلام کی حمایت اور سربلندی کے جذبے کے تحت جو موت آتی ہے وہ بھی اللہ رب العالمین کے لیے نہیں ہوتی ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابھی محرم کے موقع پر ہمارے بعض اطراف میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے اور خاصا اتلافِ جان ہوا ۔ فسادات کا سبب یہ تھا کہ شیعوں کی طرح یہاں کے سنی حضرات بھی بڑی شان وشوکت کے ساتھ تعزیے نکالتے ہیں ۔ بلکہ محرم کی ساری رونق اور چہل پہل انہی کی مرہونِ منت ہوتی ہے ۔ ادھر دسہرے کی مناسبت سے جگہ جگہ مورتیاں بھی بچی ہوئی تھیں ۔ اگرچہ یہ مورتیاں تعزیوں کا راستہ نہیں روکے ہوئے تھیں ، لیکن اسلام کے غیرت مندوں نے محسوس کیا کہ اگر مورتیوں پر پردہ ڈالوائے بغیر تعزیہ گزار دیا گیا تو اس سے اسلام کی سخت توہین ہوگی ، لہٰذا مورتیوں پر پردے ڈلوا دیے گئے ۔ یہ خرافات تین دن تک جاری رہنی تھی ۔ لیکن پہلے یا دوسرے دن فریقین میں پردہ ڈالنے نہ ڈالنے پر اٹھا پٹخی ہو گئی ۔ بالآخر پردہ اگرچہ ڈالا گیا ، لیکن یہی معاملہ فساد کا سبب بن گیا اور فریقین کا خاصا جانی ومالی نقصان ہوا ۔

جو لوگ عقل وہوش رکھتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کس قدر قابلِ قدر تھا یہ جذبۂ غیرت وحمیت اور شوقِ شہادت و جاں سپاری ، لیکن کس قدر غلط اور افسوسناک تھا اس کا محلِ استعمال ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو گمراہی کہا ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ بعض بدعتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا کوئی جز بھی اپنی انفرادی حیثیت میں بذاتِ خود ناجائز اور خلافِ شریعت نہیں ہوتا ۔ تاہم وہ بدعتیں ناجائز اور گمراہی ہوتی ہیں ۔ مثلاً نماز اپنے تمام اجزاء سمیت صرف یہی نہیں کہ جائز ہے بلکہ عبادت ہے ۔ لیکن اگر کوئی شخص فرض نمازوں میں اپنی طرف سے چند رکعات کا اضافہ کر دے ۔ مثلاً فجر کی نماز فرض دو کے بجائے چار رکعت پڑھے تو یہ یقیناً بلا شبہ اور بالاتفاق ناجائز اور گمراہی ہے ۔ باوجودیکہ اس کے اندر کیا جانے والا کوئی بھی عمل بذاتِ خود ناجائز نہیں ہے ۔ اس کے برخلاف بعض بدعتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے مختلف اجزاء

اپنی ذاتی اور انفرادی حیثیت میں بھی ناجائز اور خلافِ شریعت ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی بدعتیں پہلی قسم کی بدعتوں کے مقابل میں کہیں بڑھ چڑھ کر گمراہی و ضلالت ہیں۔ اب جو شریعت کے احکام سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ تعزیہ سر سے پاؤں تک اسی قسم کی بدعت ہے، یہ اولاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کی نقل ہے اور معلوم ہے کہ قبروں پر عمارت کی تعمیر شرعاً قطعی طور پر منع ہے۔ پس یہ ایک ممنوع اور ناجائز چیز کی نقل ہے لہٰذا حکم میں اصل کے مطابق ہے۔ ثانیاً تعزیہ کو متبرک سمجھ کر احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور تبرک کے لیے چھوا اور چوما جاتا ہے۔ یہ حرکت بھی جب اصل قبر کے ساتھ ناجائز ہے تو اس کی نقل کے ساتھ کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ ثالثاً بیشتر افراد کا یہ عقیدہ ہے کہ ان نمائشی قبروں یعنی تعزیوں میں حضرت حسینؓ کی روح حاضر ہوتی ہے، یہ اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً غلط اور گمراہی پر مبنی عقیدہ ہے۔ رابعاً اس عقیدے کی بنا پر بہت سے افراد ان تعزیوں پر حلوہ، مالیدہ وغیرہ بطور نذر چڑھاتے ہیں اور یہ کام صرف یہی نہیں کہ گمراہی ہے بلکہ شرک بھی ہے۔ خامساً یہ سارا ہنگامہ ایک شرعی اور اسلامی تہوار "غم و الم" کی حیثیت سے منایا جاتا ہے۔ اور اپنی طرف سے کسی چیز کو اسلامی شعار بنا دینا سخت مجرمانہ حرکت ہے۔ سادساً عاشورہ محرم کو اسلام نے خوشی اور شکر کا دن قرار دے کر اس میں روزہ رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ مگر تعزیے کی رسم کے سبب اس کی مکمل مخالفت کی جاتی ہے اور اسے بھی اور حسرت کا دن سمجھا جاتا ہے۔ سابعاً اس میں سینہ کوبی، نوحہ خوانی، اور جسم و جان کی ایذا رسانی کے جو مظاہر کیے جاتے ہیں ان کی وفات پر ایسا کرنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ اس سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ غرض یہ رسم اپنے دامن میں جتنے اجزا سمیٹے ہوئے ہے سب کے سب، غلط، ناجائز، حرام، ممنوع، خلافِ شریعت اور عذابِ الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے یہ حد درجہ سنگین گمراہی ہے۔ مگر یہ کتنی افسوسناک حقیقت ہے کہ سیدھے سادے کلمہ گو مسلم عوام کو یہ باور کرا دیا گیا ہے کہ یہی عین اسلام ہے اور اس کی سربلندی عین اسلام کی سربلندی اور اس کی توہین عین اسلام کی توہین ہے۔ اس یقین دہانی کے بعد تحفظِ ناموسِ اسلام کے نام پر ان بیچاروں کے "مومنانہ جذبۂ غیرت و حمیت" کو بھڑکا کر اور مرتبۂ شہادت اور حصولِ جنت کی بشارت سنا کر اس خرافات کے لیے ان کو گولیوں کی باڑھ پر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ بڑی سعادت مندی کے ساتھ جان جان آفریں کے حوالہ کر دیتے ہیں۔

کاش یہی قوت، یہی جذبہ اور یہی غیرت و حمیت اسلامی کاز کو آگے بڑھانے، اسلام پر عمل پیرائی عام کرنے اور مسلمانوں کی واقعی اور حقیقی مشکلات اور آزمائشوں کا دفاع کرنے کے لیے بیدار کیا جاتا، اور مومنانہ بصیرت کے ساتھ اس کو صحیح محل پر استعمال کیا جاتا، تو آج ہماری کتنی ہی مشکلات حل ہو جاتیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری بصیرت خرافات

کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں ۔ ۔ ۔ فقدان بصیرت کا یہ عالم ہے کہ ایک بار میں وسط ہند کے ایک شہر میں غالباً عاشورہ کے روز ایک جامع مسجد میں گیا ۔ ایک شاہ صاحب کالی کفنی پہنے تشریف فرما تھے ۔ مجھے دیکھ کر رنج آلود انداز سے شکوہ کے لہجے میں بولے کہ صاحب ! دیکھیے اب تک تعزیہ نہیں اٹھا ۔ لوگوں نے وقت مقررہ کی پابندی نہیں کی ۔ پھر کسی قدر جوش کے ساتھ بولے کہ صاحب ! اسی لیے تو اسلام ترقی نہیں کر رہا ہے ، بلکہ روبہ تنزل ہے ۔

میں ہکا بکا رہ گیا کہ اس غریب نے جو مسلمانوں کی رہ نمائی کے منصب پر بیٹھا ہے اسلام اور اس کے اسباب عروج و زوال کے بارے میں کیا عجیب و غریب نکتہ دریافت کیا ہے کہ جو چیز عین زوال و بربادی ہے اسی کو اس نے زینۂ عروج و ترقی سمجھا ہے ۔ سچ فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة (مسند احمد) یعنی کسی قوم نے کوئی بدعت ایجاد کی تو لازماً اس کے مثل سنت اٹھالی گئی ۔

اسی سنت الہٰی کا نتیجہ ہے کہ آج ہماری قوم بدعتوں کے اندر جتنی زیادہ غرق ہے اسلام کے حقیقی احکامات سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے طور طریق سے اتنی ہی زیادہ دور اور الگ تھلگ ہے ۔ یہاں تک کہ اسلام کے مسلمہ احکام و فرائض کی جانب نہ کوئی توجہ ہے نہ ترغیب اور ان بدعتوں کا اتنا سخت اور زبردست اہتمام ہے کہ ان کے لیے دل کی تہوں میں جذبۂ جاں نثاری و فداکاری کروٹیں لیتا رہتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس جذبے کے تحت جو زندگی گزر رہی ہے اور اس راہ میں جو موت آرہی ہے نہ وہ زندگی اللہ رب العالمین کے لیے ہے نہ وہ موت ۔ بلکہ دونوں ہی شیطان کے لیے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب سے سنگین خسارہ ہے ۔ پس کیا ہماری ملت کے باشعور و حساس مسلمان اس صورت حال سے عبرت پکڑیں گے ۔ اور اس میں تبدیلی لاکر مسلمانوں کو صحیح راہ پر گامزن کرنے کے لیے اپنی صلاحیتیں استعمال کریں گے ۔ ؟ خدا توفیق دے ۔

آسام پروگرام میں توسیع

ابھی چند ماہ پہلے آسام پر جو قیامت صغریٰ گزری اس کی اصل تفصیلات کا علم اگرچہ دنیا کو نہ ہوسکا تاہم اس واقعے کو شہرت اتنی حاصل ہوئی کہ دنیا کا کوئی خطہ اس طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا ۔ اس کے اصل اور طویل المیعاد اسباب پر نظر رکھتے ہوئے ہمیں اپنے گردو پیش کے حالات کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہیے ۔

یہ غالباً ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ ہمارے ملک کی ایک شدید فرقہ پرست اور کینہ توز جماعت نے پٹنہ میں اپنا ایک ملک گیر پیمانے کا مشاورتی اجلاس کیا اور اس کے بعد مسلمانوں کے ،، بھارتیہ کرن ،، کا نعرہ بلند کیا ۔ اسی وقت لکھنؤ کے ایک سنجیدہ روزنامے نے اس میٹنگ کے پس پردہ حالات و مقاصد کا پردہ چاک کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا تھا کہ ،، بھارتیہ کرن ،، کے نعرے کے تحت اس

جماعت نے ہندوستان سے مسلمانوں کے مکمل صفائے کا ایک جامع پلان طے کیا ہے۔ جسے "اندلس پلان" کا نام دیا گیا ہے۔ اس پلان کا یہ نام اس لیے منتخب کیا گیا کہ اندلس ہی کی طرح ہندوستان کو بھی مسلمانوں سے پاک کرنا مقصود ہے۔ خواہ طریق کار میں فرق ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ اس طرح کے اشارے بھی ملے تھے کہ غالباً آسام اس کا پہلا نشانہ ہوگا۔ اس کے بعد حالات کے ہر موڑ پر "بھارتیہ کرن" اور "قومی دھارے" کی اصطلاحوں کا دھارا رواں دواں رہا تا آنکہ آسام میں غیر ملکی باشندوں کے نام پر مسلمانوں کے اخراج کی مہم چل پڑی۔ پھر نعرہ تو پچھلی ایک دو دہائیوں میں آنے والے غیر ملکیوں کے اخراج کا لگایا جا رہا ہے مگر صورتحال یہ ہے کئی کئی پشتوں سے آباد مسلمانوں کو بیرون ملک ڈھکیلنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

اور ابھی آسام کا قضیہ چل ہی رہا ہے کہ دوسری جگہوں پر بھی اس طرح کے پروگرام شروع کر دیئے گئے ہیں یا شروع کرنے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ بنگال میں ایک ایسی قانونی حکمت عملی اختیار کی جا رہی ہے جس کے ذریعہ کلکتہ شہر کو مسلمانوں سے خالی کرا لینا مقصود ہے۔ پھر یہ اپنی تجارت اور عمارت سے محروم جہاں جی چاہے ٹھوکریں کھاتے پھریں۔

ادھر ضلع پورنیا (بہار) میں بعض مسلمان قبائل کو جو معلوم نہیں کتنی نسلوں سے وہاں آباد ہیں پورنیا بلکہ پورے ہندوستان سے نکالنے کی مہم بڑے منظم طریقے پر اور بڑی سرگرمی کے ساتھ شروع کر دی گئی ہے۔

اور اب اس کے بعد ہمارے صوبہ یوپی میں خود ہمارے شہر بنارس، اور متھرا اور اجودھیا کے بارے میں یہ آواز بلند کی گئی ہے کہ یہ تینوں شہر ہندوؤں کے مقدس مراکز بلکہ قبلہ و کعبہ کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا انھیں مسلمانوں سے خالی کرا لیا جائے۔

غرض اخراج و جلاوطنی کا ایک سلسلۂ مطالبات ہے جو جگہ جگہ پھوٹتا جا رہا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ان مطالبات کو روبہ عمل لانا کھیل نہیں۔ مسلمان اپنے حقوق میں سے جیتے جی ایک انچ سے بھی دست بردار ہونے کو تیار نہیں، بلکہ مرنے کے بعد بھی دو گز زمین لینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ لیکن اگر یہ آوازیں اسی طرح اٹھتی رہیں اور کسی ذمہ دار نے ان کا نوٹس لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تو کیا یہ کوئی تعجب خیز بات ہوگی کہ رفتہ رفتہ یہ مطالبات وہی حجم اور شدت اختیار کر لیں جو صوبہ آسام میں اختیار کر چکے ہیں۔ پھر ایسی صورت میں کیا وہ حالات نہیں پیش آ سکتے جو آسام میں پیش آ چکے اور آ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں اس صورتحال پر غور کرنے اور اس کے خاتمے کی تدبیریں سوچنے کی فرصت اور توفیق نصیب ہوگی یا ہم اس وقت تک بیدار نہ ہوں گے جب تک طوفان ہمارے سروں پر آن کھڑا نہ ہوگا۔ اور جب ندامت اور تدبیر کچھ بھی کام نہ دے گی۔

اور یہ دل آزاریاں

مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو مہم چلائی جا رہی ہے اس کا ایک نہایت مکروہ اور ناقابل برداشت حصہ یہ ہے کہ جناب رسالتمآب فخر کائنات سید ولد آدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حد درجہ دلآزار اور تکلیف دہ لٹریچر اور مواد یکے بعد دیگرے منظر عام پر آتے جا رہے ہیں۔ ابھی بہار کے دریدہ دہن مہابیر پرشاد اکیلا کی جارحانہ اور گستاخانہ کتاب "ہوا پیڑ ببول کا" کی ضبطی عمل میں آئی نہیں تھی کہ دوسری بعض کتابوں اور مواد کا ظہور ہوا۔ چنانچہ انکشاف ہوا ہے کہ بھاگلپور یونیورسٹی کے ایم۔ اے۔ کے کورس میں "مدھیہ کالین عرب" نام کی حد درجہ دلآزار کتاب داخل نصاب ہے۔ ادھر دلی کی ایک نام نہاد تنظیم "آریہ سماج بنام اتہاس" ایسا ہی بیہودہ لٹریچر شائع کر کے مفت تقسیم کر رہی ہے۔ اس کی جرأت ملحدانہ کا عالم یہ ہے کہ اس نے قرآن کو ضبط کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی افراد اس خبیث مہم کے لیے وقف ہیں۔ مسلمان قریہ قریہ اس کے خلاف احتجاج برپا کیے ہوئے ہیں، مگر یہ مجرمین دندناتے پھر رہے ہیں۔

حکومت کے اب تک دو ہی رویے سامنے آئے ہیں۔ یا تو مجرمانہ خاموشی یا سیاسی استحصال پر مبنی کوئی معمولی سا اقدام۔ ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ سیاسیات سے بالکل الگ تھلگ ایک مذہبی اور جذباتی معاملہ ہے اور اہل اسلام کے لیے ہر طرح کے ظلم و ستم سے بڑھ کر ناقابل برداشت۔ لہٰذا اس بارے میں فوری اور جامع کارروائی عمل میں لائی جائے اور اصل مرض کا مداوا کر کے سیلاب پھوٹنے سے پہلے بند باندھ دیا جائے۔ ایک پہلو خصوصیت سے یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ان مواد کی مفت اشاعت بڑے پیمانے پر ایسے فرد یا ادارے کی طرف سے ہو رہی ہے جس کے پاس بظاہر کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ کام بڑے پیمانے پر ایک منظم پلان کا حصہ ہے اور اس سلسلے میں حکومت کے ایک دوست ملک کا نام لیا جا رہا ہے۔ حکومت کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے دوستوں کی یہ تخریب کاری خود اس کے حق میں بڑی مہنگی پڑے گی۔

بقیہ بلغاریہ: چنانچہ گزشتہ 9 ستمبر کو بلغاریہ میں کمیونسٹ انقلاب کی پندرہویں سالگرہ کا سرکاری جشن منایا گیا۔ اس موقع پر اخبارات نے نہایت فخر کے ساتھ قتل و کشت اور تعذیب و دہشت کے واقعات کو شائع کیا کہ یہ وہ اہم کارنامے ہیں جو کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں نے انجام دیے ہیں۔

فحش کاری

مولانا حبیب الرحمٰن بن عبدالعظیم مالدھی

یوں تو اقسام معاصی ہزاروں ہیں۔ لیکن ان میں جنسی فحش کاری و حرام کاری سب سے زیادہ فعل شنیع ہے۔ اور آج کل دنیا میں اس بدکاری کا بہت زیادہ زور و شور ہے۔ کیونکہ موجودہ زمانے میں ٹیلی ویژن اور فلموں کی عریاں تصاویر کا بھرپور رواج ہو گیا ہے۔ ان ٹیلی ویژن اور فلموں کی عریانیت کی دھاچوکڑی میں پھنس کر اکثر پیر و جوان حواس باختہ ہو کر مغربی دنیا اور مغربی تہذیب پر فدا ہو گئے ہیں اور اپنے آپ کو ایک ترقی یافتہ حیوان سمجھنے لگے ہیں۔ ٹیلی ویژن اور فلموں کی بدولت خواہشات نفس کی تسکین اور حیوانی جبلت کی تکمیل کی رہنمائی ہوتی ہے۔ ان کی عریانی سے لذت و سرور حاصل کرنے کی بے لگام خواہشات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان سے ہوس رانی، جنسی انارکی اور ہم جنسی کی لت ایک وبائی شکل اختیار کر لیتی ہے، چنانچہ بدکاری و زنا جو نہایت شنیع اور بدترین جرائم میں سے ہیں، ٹیلی ویژن اور فلموں کی عریانیت کا ایک بنیادی نتیجہ ہیں۔ بلکہ عورتوں کو اغوا کر کے اپنی ہوس کا شکار بنانا ان بدبخت ٹیلی ویژن اور فلموں کی ایک ادنیٰ کرشمہ سازی ہے۔ کسی نے اس موضوع پر کیا خوب کہا ہے۔ ؎

ڈھلکتا جا رہا ہے رفتہ رفتہ چشم کا پانی
ادب کی آڑ میں کی جا رہی ہے نشر عریانی

شرافت سوز افسانوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں
دھڑا دھڑ ہو رہی ہے ان دنوں عصمت کی قربانی

حیا سے پانی پانی آج غیرت سر جھکتی ہے
ڈراموں کی ہوئی ہے کیا رسالوں میں فراوانی

کیا تہذیب انسانی کا خون فلمی رسالوں نے
وہاں تصویر عریاں ہے یہاں ہے فتنہ سامانی

قیامت ڈھائی ہے دنیا میں ان فلمی ستاروں نے
کہ ان کے پیچھے دنیا ہو رہی ہے آج دیوانی

کچھ ایسی آگ بھڑکائی ہے الفت کے فسانوں نے کہ ہے قابو سے باہر نوجوانوں کی کھب تی

خداوند قدوس نے اس فعل شنیع سے بچنے کے لیے قرآن حکیم میں سخت تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ولا تقربوا الزنا ۔ انہ کان فاحشۃ و ساء سبیلا ۔ یعنی تم کبھی زنا کے قریب نہ ہونا اس لیے کہ زنا حد درجہ بے حیائی اور برا طریقہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں خداوند قدوس نے زنا سے اس تاکید کے ساتھ منع فرمایا کہ تم زنا کے قریب بھی نہ ہونا، پوری مصلحت سے تو خدا ہی واقف ہے۔ مگر آیت کریمہ انہ کان فاحشۃ و ساء سبیلا ۔ پر غور کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زنا سے جو خرابیاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ دیگر معاصی و جرائم میں کم ہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ذیل میں کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

نوع بنوع فحش کاریاں اور انکے نتائج

زنا زنا کا مطلب ہے۔ بیگانہ اور پرائی عورت سے جنسی تعلق قائم کرنا، شریعت اور اخلاق کی رو سے یہ حد درجہ برا فعل ہے اور اس کے نتائج اکثر امراض خبیثہ کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے آتشک کا مرض جس کی حالت سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ مرض اسم بامسمیٰ آتش ہی ہے جو جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے امراض خبیثہ ہیں جن کی تفصیلی حالت لکھنے کے لیے تہذیب اجازت نہیں دیتی ہے، جو اسی جرم زنا سے پیدا ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر کسی کی بے بیاہی لڑکی اس فعل شنیع کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کی شادی مشکل ہو جاتی ہے اور اگر اس کو حمل ہو گیا تو اخفائے راز کے لیے لوگ استقاط حمل جیسے ایک اور جرم کے مرتکب ہو جاتے ہیں جو کہ ایک سنگین جرم ہے، بلکہ ایسا بھی دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ استقاط حمل کی دوائیوں کے اثر سے حاملہ کی جان معرض ہلاکت میں پڑ گئی ہے۔ اسی طرح اگر شوہر والی عورت سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے جس کے خورد سال اطفال بھی ہیں تو شوہر عورت کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی فوری اشتعال طبع کی وجہ سے زانیہ اور زانی دونوں کو قتل کر بھی دیتا ہے پھر عورت کو قتل کرنے کے بعد خورد سال بچوں کی پرورش شوہر پر مشکل ہو جاتی ہے اور بنے بنائے گھر یکدم تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف بعض فاحشہ عورتیں جن کو یہ بدعادت پڑ جاتی ہے وہ اپنے شوہروں کی جانی دشمن بن جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسی زانیہ عورت اپنے محبوب زانی کے ساتھ یا تو فرار ہو جاتی ہے یا اپنے شوہر کو

زہر وغیرہ دے کر ہلاک کر دیتی ہے

غرض کہاں تک اس بدترین جرم کے نتائج بیان کیے جائیں، قتل جیسے سخت ترین جرم بھی اس کمبخت زنا کے معمولی نتائج میں سے ہیں۔ رقابت علیحدہ تخم عناد بوتی رہتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر کے گھر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ آئے دن ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور آتے رہیں گے، جب تک ہم مسلمان سب مل کر حکم الٰہی "ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن" کی تعمیل نہ کریں اور ان اعمال شنیعہ سے ایک دم باز نہ آجائیں اور ان فواحش ما ظہر منہا وما بطن کا انسداد نہ کر دیں۔ مگر انسداد فواحش کا کام ہمارے واسطے بہت مشکل ہے سوائے زبان کے اور کچھ نہیں ہے۔ پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے اور ہمارے ہاتھ میں ڈنڈا نہیں کہ ہم ان کے انسداد کے لیے کمربستہ ہو سکیں اور جن کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے وہ بجائے انسداد جرم زنا کے اس کی پرورش کرتے ہیں اور اس کو تہذیب اور شائستگی کہتے ہیں۔ ایسے ممالک میں فحش کاری کے نوع بہ نوع انتظامات ہیں، لاک ہاسپٹل قائم ہیں جہاں بے حیائی کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے۔ بلکہ نہایت بے حیائی کے ساتھ فاحشہ عورتوں کا ماہانہ وسہ ماہی امتحان ہوا کرتا ہے۔ جس سے اور جس میں کثرت اسقاط حمل بھی ہوتے ہیں اور ہزاروں مخلوق خدا کی جانوں کو ناحق قتل کیا جاتا ہے جو کہ حکم الٰہی "ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق" کی رو سے بالکل حرام ہے اور ان کے مرتکب پر سخت سزا کی وعیدیں وارد ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعا۔ یعنی جس نے ایک جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا بغیر زمین میں فساد کے ناحق قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا، غور کیجئے کہ کس قدر خون ناحق محض جرم زنا کی بدولت ملک میں واقع ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ایک بچے کا قتل گویا ایک جماعت کا قتل عام ہے۔ تو بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اسقاط حمل کی وجہ سے جماعتوں کی جماعتیں قتل ہو رہی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بکثرت آیات کریمہ اور احادیث وارد ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند قدوس کے نزدیک یہ جرم زنا بدترین جرم ہے، اس لیے اس پر بہت سخت وعید ہے اور اس کے لیے دنیا میں بھی سخت سزا تجویز کی گئی ہے تاکہ عوام و خواص ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ شادی شدہ مرتکب زنا پر دنیا میں رجم یعنی پتھر مار کر سزائے موت دینا اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے لگانا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن بھی سخت عذاب کی وعید ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ ومن يفعل ذلك يلق أثاما يضاعف له العذاب يوم القيامة ويخلد فيه مهانا۔ یعنی جو شخص زنا و قتل وغیرہ کی بد عملیاں کرے گا

اپنے جرم کا بدلہ پائے گا، قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھا دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا

حرام کاری کی ایک اور صورت لواطت ہے یعنی مردوں کی باہمی حرامکاری

ایک اور حرامکاری لواطت یا عورت کے ساتھ بجائے شرمگاہ کے دبر میں وطی کرنا۔ کلام اللہ میں جا بجا اس فعل شنیع کی مذمت وارد ہے۔ یہ قوم لوط کی عادت تھی، قوم لوط سے پہلے اس کا وجود نہ تھا، چنانچہ قرآن کریم میں صاف وارد ہے۔ "اتاتون الفاحشة ما سبقکم بها من احد من العالمین"، یعنی تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے اہل دنیا میں سے کسی نے نہیں کی۔ قوم لوط کی اس عادت کو حد سے بڑھا ہوا ظلم قرار دیا گیا، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: اتاتون الذکران من العالمین و تذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عادون (الآیہ)، انکم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون۔ یعنی (قوم لوط سے فرمایا گیا) کہ دنیا بھر میں تم ہی ایک ایسی قوم ہو کہ بجائے عورت کے مردوں سے قضائے شہوت کرتے ہو اور تمہارے رب نے تمہارے لیے جو بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے ہوئے ہو۔ بلکہ تم ایک حد سے گزری ہوئی بدمعاش قوم ہو۔

ناظرین کرام اس جرم کے متعلق متعدد آیات قرآنی اور بکثرت حدیثیں وارد ہیں، جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جرم بدترین جرائم میں سے ہے، اس کی سزا بھی دنیا میں سزائے موت ہے اور آخرت میں اس پر لعنت عذاب کی وعید ہے چند روایات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

لوطی خدا کی رحمت سے دور ہے: ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا ینظر الله عزوجل الی رجل اتی رجلا او امراة فی دبرها (مشکوٰۃ شریف) یعنی خدائے تعالیٰ نہ دیکھے گا اس مرد کو جو کسی مرد یا عورت کے دبر میں وطی کرے۔

لوطی ملعون ہے رزین نے حضرت عبداللہ بن عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا ملعون من عمل عمل قوم لوط۔ یعنی وہ شخص ملعون ہے جو قوم لوط کا سا عمل کرے۔ امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ملعون من اتی امراته فی دبرها۔ یعنی وہ ملعون ہے جو اپنی عورت کے دبر میں جماع کرے۔

لوطی کی سزا قتل لوطی شرعاً واجب القتل ہے چنانچہ امام ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن

عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول ۔ یعنی جس کسی کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول ہر دونوں کو قتل کر دو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لواطت کی سزا شرعاً دنیا میں سزائے موت ہے ، قوم لوط بھی اسی جرم کی وجہ سے ہلاک کی گئی اس لیے ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت ڈرتے تھے کہ کہیں آپ کی امت بھی جرم لواطت میں نہ پھنس جائے چنانچہ ترمذی شریف اور ابن ماجہ میں حضرت جابر سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اخوف ما اخاف علی امتی عمل قوم لوط ۔ یعنی مجھے سب سے زیادہ ڈر اپنی امت پر یہ ہے کہ کہیں یہ قوم لوط کا سا عمل نہ کرنے لگے ۔ مگر افسوس کہ امت نے وہ کام کر ہی ڈالا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوف کھاتے تھے ۔ واہ رے نبی کو ماننے والی خوش باش امت کہ آخر کار وہ کام کر ہی دکھایا جس سے نبی نے اپنی امت کو ڈرایا تھا ، آج کل یہ وبا امت مسلمہ کے اندر عام ہے ۔

مساحقت کہتے ہیں عورت سے عورت کی بدکاری کو، لواطت

ایک اور قسم کی حرام کاری مُساحقت کی طرح یہ بھی بدترین جرائم میں سے ہے اور حد درجہ بے حیائی کا کام ہے ۔ قرآن کریم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ والذین هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ماملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون ۔ یعنی عذاب الٰہی سے فلاح پانے والے وہ مسلمان ہیں جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں ، سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں (لونڈیوں) کے جن کے وہ مالک ہیں ان سے قضاء شہوت پر ان کی کوئی پکڑ اور ملامت نہیں ۔ پھر جو کوئی (مرد یا عورت) ان کے سوا اور کوئی راہ ڈھونڈھے تو وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے ۔

معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کی جنسی شہوت کے لیے اس کی بیویاں اور شرعی لونڈیوں کو حلال قرار دیا ہے ، اور باقی سب حرام ہے ۔ کیوں کہ خداوند تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ جو کوئی سوا اپنے جوڑے کے اپنی خواہش نفس اور کسی ذریعہ سے پوری کرے وہ خدائے تعالیٰ کی حدبندی سے تجاوز کرنے والا ہے ۔ لہٰذا مرد کی ہی طرح وہ عورت بھی اسی میں شامل ہے جو اپنے شوہر کے بجائے دوسرے کسی مرد سے یا اپنی ہم جنس کسی عورت سے اپنی شہوت پوری کرے پس یہ عورت بھی مجرم اور حد سے تجاوز کرنے والی ہے ۔

افسوس کہ یہ وبا بھی ہمارے سماج میں پائی جاتی ہے ۔

جانوروں کے ساتھ بدکاری بھی بڑا گندہ جرم ہے اور شریعت میں اس کی

جانور کے ساتھ بدکاری

سزا بھی سزائے موت ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من اتی بھیمۃ فاقتلوہ واقتلوھا معہ (مشکوٰۃ) یعنی جو کوئی کسی جانور کے ساتھ شہوت رانی کرے تو اس کو قتل کردو اور اس کے ساتھ جانور کو بھی قتل کردو۔ چونکہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور کے زیور سے آراستہ کیا ہے اور اپنا خاص بندہ بنایا ہے۔ اس لیے اگرچہ انسان میں صفات حیوانی بھی شامل ہیں، لیکن اسے ہر کام کے لیے حیوانوں سے الگ اور ممتاز صفت عطا ہوئی ہے لہٰذا اس کے حیوانی کاموں میں بھی نری حیوانیت نہیں پائی جانی چاہیے۔ اسی لیے انسانی تقاضائے شہوت کی ایسی صورت مقرر ہوئی کہ جس میں دنیا کا انتظام ہو۔ خانہ داری کی صورت ہو، آگے پاکیزہ نسل چلے۔ بندگان خدا پیدا ہوں۔ پس جن صورتوں میں یہ باتیں نہیں، جیسے زنا، لواطت، مساحقت، وطی بہیمہ، اور جلق وغیرہ یہ سب شرف انسانیت کے خلاف ہیں، اسی لیے کہ صرف قضائے شہوت کا کام حیوانوں کا ہے۔ زنا اگرچہ محل نسل میں ہے، لیکن درحقیقت یہ بھی نری شہوت رانی ہے۔ کیونکہ زانی اور زانیہ کا اصل مقصد شہوت رانی ہے نہ کہ نسل۔ اسی لیے اگر حمل ہو جائے تو اخفائے راز کے لیے گرا دیا جاتا ہے، اگر بچہ پیدا ہو جائے تو باپ اس کی ذمہ داری سے کشمکش اور بیٹا بے نسب رہتا ہے۔ اسی طرح زنا سے خانہ داری کا کوئی تعلق نہیں۔ بخلاف نکاحی عورت اور شرعی لونڈی کے کہ وہاں عورت سے کاروبار خانہ داری بھی مقصود ہے، نری شہوت رانی مقصود نہیں۔ اور ایسی عورت سے اولاد طیب پیدا ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مقتضائے انسانیت یہی دو طریقے ہیں یعنی نکاحی عورت یا شرعی لونڈیاں۔ ان دو طریقوں کے علاوہ ہر وہ طریقہ جس سے فقط شہوت رانی مقصود ہو حد انسانیت سے باہر نکل جانے کے ہم معنی ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا: فاولئک ھم العادون۔ ایسے بدکار لوگ آدمیت کی حد سے باہر نکلے ہوئے ہیں، یعنی وہ انسان نہیں جو انسانی تقاضے سے باہر ہو کر حیوانوں سے شہوت رانی کرے۔

جلق یا مشت زنی

جلق کہتے ہیں ہاتھ سے قضائے شہوت کرنے کو خواہ براہ راست اپنے ہاتھ سے ایسا کرے یا شہوت رانی کے بنے بنائے آلات استعمال کرے۔ آجکل جنسی ہوس کی تکمیل کے لیے بہت سے آلات بشکل شرمگاہ ایجاد کر لیے گئے ہیں، جسے مرد اور عورتیں استعمال کرتی ہیں۔ یہ جرم بھی آیت کریمہ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون میں داخل ہے۔ جلق کرنے والے کو فقہا ناکح الید کہتے ہیں۔ اور ناکح الید ملعون ہے، چنانچہ در مختار میں یوں وارد ہے ناکح الید ملعون۔ یعنی ہاتھ سے منی نکالنے والا ملعون ہے۔

اس کو ناکح الید اس لیے کہتے ہیں کہ جو کام نکاح کے ذریعے سے ہوتا ہے وہ کام یہ شخص اپنے ہاتھ سے کرتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کی نگاہ میں سخت مجرم ہے۔ چنانچہ عینی شرح کنز میں حضرت عطاء سے ایک روایت مذکور ہے کہ انھوں نے فرمایا، میں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے سو میری دانست میں وہ جلق کرنے والے لوگ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر قسم کی بے حیائی سے محفوظ رکھے آمین

پیغمبرانہ گارنٹی

عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يضمن لي ما بين لحييه وما بين رجليه أضمن له الجنة. أخرجه البخاري۔ حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان کی اور اپنی دونوں رانوں کے درمیان کی حفاظت کی مجھے ضمانت دے، یعنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اس شخص کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

مقام غور ہے کہ یہ حدیث کتنی جامع ہے کہ مذکورہ دو چیزوں کی حفاظت سے ہر قسم کے جرائم اور معاصی کا خاتمہ ہو جاتا ہے کیوں اور کیسے جبکہ اقسام معاصی بکثرت ہیں۔ اس لیے کہ فی الواقع ان ہی دو اعضاء کی وجہ سے تمام قسم کے گناہ دنیا میں واقع ہوتے ہیں۔ گناہوں کی جڑ یہی دو چیزیں ہیں۔ کفر جو اکبر الکبائر ہے زبان ہی سے ہوتا ہے، جھوٹ، غیبت، چغلخوری اور گالیاں زبان ہی سے سرزد ہوتی ہیں۔ زنا انہی دونوں میں سے ایک یعنی ما بین رجلیہ سے ہوتا ہے۔

برائی کا صدر دروازہ

آپ جانتے ہیں کہ سینما کا فلمی کردار دیکھنے والوں کو نقالی کا شوق اس قدر دامن گیر ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں اور اپنے اسلامی و مذہبی کردار کو ایک دم بھول جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ بد اخلاقی، بے حیائی، فحاشی اور لادینی کی روح ابھرنے لگتی ہے جس میں ان کے حیوانی جذبات اور وحشیانہ احساسات زیادہ ترویج پاتے ہیں۔ فلمی عریانیت سے مذہب اخلاق اور عصمت کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔ فکر و تصور کا شیشۂ عصمت اتنا نازک ہو جاتا ہے کہ کسی غیر عورت کو محض دیکھ کر بھی چٹخنے لگتا ہے۔ پھر جہاں باہمی اختلاط کی وبا ہو باہمی بوس و کنار اور مرد و زن کی بھیڑ بھاڑ کے ہنگامے، دن میں سیکڑوں بار دعوت بدکاری دے رہے ہوں وہاں شرم و حیا کی پاسبانی اور عزت و پاکیزگی کی نگرانی کیوں کر قائم رہ سکتی ہے وہاں تو ان نازک آبگینوں کو چور چور کرنے کی کوشش ہوگی جن کی حفاظت کی تاکید تقریباً ہر مذہب و فکر کے سعید الفطرت انسانوں نے کی ہے۔ خدا ہر مسلمان کو اس بے حیائی سے پناہ دے۔ آمین۔

اسلامی تہذیب میں لباس کا تصوّر

محمد سعود عالم القاسمی

لباس انسان کی بنیادی ضرورت بھی ہے اور مظاہر تہذیب و تمدن کا اہم ترین عنصر بھی۔ تہذیب جن جن مظاہر میں جلوہ گر ہو کر اپنی شناخت حاصل کرتی ہے، لباس کو ان میں غیر معمولی مقام حاصل ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "الناس باللباس"۔ لوگوں کی پہچان لباس سے ہوتی ہے اور یہ بہت حد تک صحیح ہے۔ لباس کو دیکھ کر لوگوں کے مزاج، ذوق، اور احوال کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ معاشرتی زندگی کے ابتدائی ایام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں لوگوں کے لباس، مزاج اور طبیعتوں، عادات و اطوار کے مختلف ہونے کے باوجود تقریباً یکساں تھے۔ اس زمانہ میں لباس کی یکسانیت کے پیچھے کوئی تہذیبی یا تمدنی عامل نہیں ہوتا تھا بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے کہ وسائل و ذرائع کی کمی اجتماعی شعور کا ابتدائی منزل میں ہونا اور اسرار کائنات سے کم واقف ہونا ہی اس کے عوامل تھے۔ یا یہ کہ سردی گرمی سے جسم کی حفاظت اور شرم و حیا کے فطری جذبات صرف پوشاک کا مطالبہ کرتے تھے، اسی بنا پر عہد رفتہ کے انسانوں کو اس سے کم دلچسپی رہتی تھی کہ ان کا لباس کس قریبے اور کتنے زاویے کا ہو۔ جبکہ یہ بات وہ خوب ملحوظ خاطر رکھتے تھے کہ ان کا پورا جسم یا جسم کا بیشتر حصہ چھپا رہے۔ البتہ اس وقت بھی اتنا اختلاف تھا کہ گرم علاقوں کے باشندے ہلکے اور باریک لباس پہنتے تھے، جبکہ ٹھنڈے علاقوں میں بسنے والوں کو نسبتاً گرم اور موٹے لباس کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس جغرافیائی ضرورت نے لباس میں بہت حد تک تبدیلی کر دی تھی، مگر اس اختلاف سے کوئی تہذیبی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ حالات بدلتے چلے گئے۔ انسان کو تہذیب و تمدن کے میدان میں خاص ترقی حاصل ہوئی، اس کو وسیع ترین ذرائع اور وسائل حاصل ہوئے۔ فکری بلندی کو عملی جامہ پہنانے کے مواقع میسر آئے تو انسان کے طرز زندگی اور معیار حیات میں بھی تبدیلی آنی شروع ہو گئی۔ اس تبدیلی کے لیے نہ کسی ضابطہ اور قانون کی

ضرورت بھی اور نہ منگ اور قرار داد کی، بلکہ لاشعوری اور تدریجی طور پر یہ عمل جاری رہا تا آنکہ لباس انسان کے فکر و ذہن عزم و عمل اور ترقی و پستی کا نمائندہ سمجھا جانے لگا۔

چنانچہ نوبت یہ ہے کہ عہد رفتہ کی طرح لباس اب محض جسم کا ایک خول نہیں کہ جس کے اندر انسان اپنا وجود چھپا لیتا ہے اور بس، بلکہ وہ فرد اور معاشرہ کی نفسیات، معاشی حالات، طرز معاشرت، اخلاقی و مذہبی تصورات، قومی روایات، تہذیب و تمدن، فطری مذاق اور صنعت و حرفت کا نقیب اور اسی کا ترجمان ہے۔ نیز ان تمام چیزوں کا اثر واضح طور پر لباس پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ گویا لباس کا مطالعہ مجرد لباس کا مطالعہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ تہذیب کے اس مظہر کا مطالعہ بن گیا ہے، جس کے اندر انسان معیار حسن و قبول، ذوق طبع اور مندرجہ بالا حقائق کا اظہار کرتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے دیکھیے تو بھی لباس محض پوشاک نہیں جو کپڑے کے علاوہ اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ انسان کے ظاہر و باطن سے گہری مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام کے نزدیک لباس کے سارے عوامل و محرکات بجا ہیں، وہ لباس کی تہذیبی و تمدنی حیثیت کو بھی تسلیم کرتا ہے اور سیرت و کردار کی تشکیل اور شخصیت کی تکمیل میں لباس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک لباس کے بنیادی محرکات تین ہیں۔

(۱) سردی و گرمی کے مضر اثرات سے حفاظت، جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ۔ (النحل - ۸۱) اور تمھیں ایسی پوشاکیں بخشیں جو تمھیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ دوسری پوشاکیں جو جنگ میں حفاظت کرتی ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم تابع فرمان بن جاؤ۔

(۲) شرمگاہ اور دیگر نازک مقامات کی پردہ پوشی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا (الاعراف ۲۷) اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان پھر تمھیں اسی طرح فتنہ میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمھارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے۔

(۳) زینت و زیبائش۔ ارشاد ہے: يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۔ (الاعراف - ۲۶) اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے تاکہ تمھارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمھاری زینت کا ذریعہ ہو۔ اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔

حسب ترتیب مذکورہ آیات میں بتایا گیا ہے کہ لباس انسان کے لیے اللہ کی نعمت ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ موسمی اثرات سے جسم کی حفاظت کرتا ہے اور یہ کہ جنگ کے مواقع پر بھی کام آتا ہے۔ لباس انسان کی شرم و حیا کے فطری جذبات اور اس کے داعیہ کا مقتضا ہے۔ مگر شیطان کی سازش یہ ہے کہ وہ کسی طرح انسان کو لباس سے بے نیاز کر دے۔ تاکہ اس کی شرمگاہیں ایک دوسرے پر وا ہو جائیں۔ اور اس طرح انسان کی عزت و آبرو مجروح ہو۔ لباس انسان کی ستر پوشی کرتا ہے اور سب سے موزوں بات یہ ہے کہ وہ انسان کی زینت ہے۔

اسلام نے لباس کو زینت قرار دے کر در اصل تہذیب انسانی سے لباس کے تعلق کی طرف اشارہ کیا ہے یہ واقعہ ہے کہ جس معاشرہ میں زینت کا جو تصور ہوگا وہاں لباس کی ہیئت و وضع قطع اسی انداز کی ہوگی۔ مثلاً مغربی معاشرہ میں زینت کا تصور نیم برہنگی بلکہ عریانیت ہے کہ انسان اپنے جسم کے انگ انگ اور بدن کے نشیب و فراز کی نمائش کرے۔ تو وہاں لباس کا معیار بھی یہ ہے کہ وہ چست تنگ، مخصوص حصوں پر چپکا ہوا اور نیم عریاں ہوتا ہے۔ مبادا کسی مزاح نگار کے بقول "مردوں کی ٹائی سے عورتوں کی ستر پوشی ہو سکتی ہے"۔ اس کے برخلاف اسلامی معاشرہ میں زینت کا تصور یہ ہے کہ انسان کا وقار اس کی موزونیت، اس کی شرافت اور شائستگی اور قدرت کی نعمت کا اظہار ہو تو مسلمانوں کا لباس بھی اس تصور کا نمائندہ ہے اور اس کا معیار یہ ہے کہ جسم کے بیشتر حصے چھپ جائیں۔ چنانچہ اسلام منشا بھی یہ ہے کہ لوگ لباس کو محض ایک خول تصور نہ کریں، بلکہ اس کی زینت والی حیثیت کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ اپنے بندوں کو نماز کے لیے بلاتا ہے تو اس کو پوری زینت اختیار کر کے آنے کا حکم دیتا ہے۔ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ (ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔) اور یہ تو حقیقت ہے کہ جب تک انسان لباس کو زینت نہ تصور کرے وہ اپنی تہذیب و تمدن سے اس کا رشتہ جوڑ ہی نہیں سکتا۔

سوال یہ ہے کہ اسلام کوئی نسلی، جغرافیائی اور علاقائی مذہب نہیں بلکہ آفاقی اور بین الاقوامی ہے۔ اس لئے اس کی تہذیب بھی جغرافیائی اور نسلی حدود سے ماوراء ہوگی اور آفاقی ہوگی۔ مگر ظاہر ہے کہ مسلمان کسی ایک خطۂ ارضی میں نہیں بستے بلکہ دنیا کے طول و عرض میں بکھرے ہوئے ہیں اور ان میں جغرافیائی، علاقائی، موسمی، معاشرتی ضرورت اور حرفہ اور پیشہ کے بے شمار اختلافات ہیں۔ ان فطری اختلافات کے ہوتے ہوئے کسی ایک لباس کا (جو اسلامی تہذیب کا نمائندہ اور اسلام کے شرائط پورے کرتا ہو) سب کے لیے موزوں ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں لباس کے اندر تصور کو تلاش کرنا ایک کارِ عبث ہوگا۔ کیونکہ کسی بھی نقطۂ نظر کے مطابق لباس کی ایک ہی ہیئت ہو سکتی ہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے اور بقول T.S. Eliot کسی آفاقی مذہب کا کوئی مخصوص کلچر (لباس) نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر کلچر اس کا اپنا کلچر ہے بشرطیکہ وہ اس کے مزاج کے مطابق ہو، یہ بات اسلامی تہذیب کے متعلق سوفی صدی صحیح ہے۔ اسلامی تہذیب کے مطابق لباس کے ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام کسی مخصوص وضع کے لباس اور مخصوص طرز کی پوشاک کو متعین کرنے کے حق میں ہے۔ مبادا اس کے علاوہ دوسرے تمام لباس غیر اسلامی قرار پائیں۔ ہاں البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی حیثیت عرفی کے لحاظ سے بہت سے لباس موزوں اور مناسب نہیں ہیں۔ اگر تحدید و تعیین کا کوئی فارمولہ دیا جائے تو ایسی صورت میں اسلام کی آفاقیت مشتبہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بلکہ اسلام دنیا کے تمام خطوں اور گہواروں کی پوشاکوں کو جو بمقتضائے حالات ہیں، مسلمانوں کا لباس تسلیم کرتا ہے، بشرطیکہ وہ اسلامی تہذیب کے مزاج سے اختلاف نہ رکھتے ہوں۔ دنیا کا کوئی بھی لباس غیر اسلامی نہیں کہا جا سکتا، اگر اس کی اسلام کے اصولوں کے مطابق اصلاح کر دی جائے اور مسلمانوں کے سارے لباس غیر اسلامی ہوں گے اگر وہ اسلامی اصولوں سے انحراف کر جائیں چنانچہ جب اسلام عرب کے جاہلی معاشرہ میں رونما ہوا تو اس نے جہاں دیگر رسوم رواج اور عادات واطوار کو مناسب اصلاح و ترمیم کے ساتھ قائم رکھا اور جو مٹ جانے کے قابل تھے، ان کو مٹا دیا وہیں اسی طرح کا معاملہ لباس کے ساتھ بھی کیا۔ موزوں اور ضروری اصلاح کے بعد جاہلیت کے لباس اسلامی لباس بن گئے۔

رہا یہ سوال کہ وہ اصول و ضوابط کیا ہیں جن سے مزاج تہذیب کا پتہ لگایا جا سکے، تو اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل ہدایتیں ہم کو قرآن و حدیث سے ملتی ہیں۔ اور یہ براہ راست اسلامی تہذیب کے اجزا ہیں۔

(۱) پہلا حکم یہ ہے کہ لباس انسان کا ستر پوش ہو، جس میں کم از کم ناف سے لے کر گھٹنہ تک کا حصہ چھپا رہے، یہ حکم مردوں کے لیے ہے۔ عورتیں ہاتھ پاؤں اور چہرے کے علاوہ جسم کے دوسرے تمام حصوں کو ڈھانکیں۔

(۲) ایسا لباس نہ ہو کہ اس میں انسان کا جسم جھلکے اور کپڑا پہن لینے کے بعد انسان کے بدن کی نمائش ہوتی ہو۔ مشہور حدیث ہے۔

عن عائشۃ ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہا ثیاب رقاق فاعرض عنہا وقال یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لن یصلح ان	حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور وہ باریک کپڑا زیب تن کیے ہوئے تھیں تو آنحضور نے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء جب لڑکی سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اس کے لیے

یری منها الا هٰذا وهٰذا و اشار الی وجهه وکفیه ۔ (ابوداؤد) — چہرہ اور ہتھیلی کے علاوہ جسم کے دیگر حصوں کا ظاہر ہونا جائز نہیں ۔

ایک دوسری حدیث میں ہے ۔

عن علقمة بن ابی علقمة عن امه قالت دخلت حفصة بنت عبدالرحمٰن علی عائشة وعلیها خمار رقیق فشقته عائشة و کستها خمارا کثیفا ۔ (موطا امام مالک) — علقمہ ابن ابی علقمہ اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور وہ باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں تو عائشہؓ نے اس کو پھاڑ دیا اور موٹا دوپٹہ اس کو اوڑھا دیا ۔

(۳) کبر و غرور کا لباس نہ ہو، یعنی جو بھی پوشاک ہو وہ غرور و نخوت، خودنمائی اور تکبر کی علامت نہ ہو۔ جس کو پہن کر انسان کی نفسیات اور شخصیت منفی طور پر متاثر ہوتی ہو ۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔

من لبس ثوب شهرة فی الدنیا البسه الله ثوب مذلة یوم القیمة ۔ (ابن ماجہ) — جو دنیا میں شہرت کا لباس زیب تن کرے گا اللہ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا ۔

تکبر میں یہ بھی داخل ہے کہ آدمی اپنی حیثیت سے زیادہ قیمتی لباس پہنے ۔ اور یہ بھی تکبر میں داخل ہے کہ آدمی اپنا لباس ٹخنوں سے نیچے پہنے کہ زمین پر گھسٹتا جائے۔ آنحضورؐ نے ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکنے پر سخت وعید سنائی ہے ۔

عن ابن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من جر ثوبه خیلاء لم ینظر الله الیه یوم القیمة ۔ (بخاری ومسلم) — ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تکبر سے زمین پر کپڑا گھسیٹ کر چلے گا اس کی طرف قیامت کے دن اللہ نظر نہ کرے گا ۔

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا ینظر الله یوم القیمة الی من جر ازاره بطرا ۔ (بخاری ومسلم) — ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہ کرے گا جو گھمنڈ سے کپڑا گھسیٹ کر چلتا ہے ۔

اگر کسی شخص کا سردی کی وجہ سے یا کسی اور عارضہ کی وجہ سے کپڑا ٹخنہ سے نیچے ہو گیا ہے تو وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ (کما قال ابن حجر)

(۴) ریشم چاندی اور سونا نہ پہنا جائے ۔ لباس یقیناً زینت ہے مگر مردوں کے لیے ریشم اور سونا چاندی کے زیورات زینت نہیں بلکہ علامت نسوانیت ہیں ۔ یہ لباس عورتوں ہی کو زیب دیتے ہیں (چاندی کی انگوٹھی اس حکم میں داخل نہیں ہے)۔ آنحضورؐ کا ارشاد ہے ۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما یلبس الحریر فی الدنیا من لا خلاق له فی الآخرة۔ (بخاری)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں ریشم وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کو اپنے داہنے ہاتھ میں اور سونے کو بائیں ہاتھ میں رکھ کر فرمایا۔ إن هذين حرام على ذكور أمتي۔ (ابو داؤد ونسائی) یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

(۵) مرد عورت کا لباس نہ پہنے اور نہ عورت مرد کا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو الگ فطرت پر بنایا ہے۔ دونوں صنفوں کی ساخت میں بہت حد تک اختلاف ہے۔ اس لیے دونوں میں امتیاز کا ہونا انتہائی ناگزیر ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی فطرت اور مزاج و طبیعت کے مطابق لباس استعمال کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے کا لباس اختیار کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔

عن ابی هریرة لعن النبی صلی الله علیه وسلم الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل۔ (ابو داؤد)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت بھیجی ہے جو عورت کا لباس اختیار کرتا ہے اور اس عورت پر لعنت بھیجی ہے جو مرد کا لباس پہنتی ہے۔

لباس ہی کی طرح وہ شعار اختیار کرنا جو دونوں میں سے کسی ایک کے لیے خاص ہو، دوسرے کے لیے جائز نہیں۔

(۶) ایسے لباس نہ ہوں جو شعائر غیر اللہ کے لیے خاص ہوں اور ایسی چیزیں نہ استعمال کریں جو ان کی علامات ہوں۔ مثلاً وہ کپڑے جن پر صلیب کا نشان ہو یا بت وغیرہ کی تصویریں ہوں۔ زنار ہو یا کوئی بھی شے جو غیر اللہ کے لیے مخصوص ہوں، یہ سب مسلمانوں کے لیے ممنوع ہیں کیونکہ ان چیزوں کے استعمال سے غیر اللہ کی اطاعت اور احکام اللہ سے بغاوت لازم آتی ہے۔ جبکہ اللہ اپنے بندوں کو سب سے ممتاز دیکھنا پسند کرتا ہے۔

(۷) تشبہ کا لباس نہ ہو یعنی ایسی پوشاک نہ پہنیں جو کفار و مشرکین ہی پہنتے ہوں، ایمان اور کفر دو متضاد چیزیں ہیں، اس لیے ان کے اختیار کرنے والوں میں ایک واضح اور نمایاں فرق ہونا چاہیے۔ یہ فرق اور امتیاز نہ صرف مقام عبادت میں اور اظہار عقیدہ میں واضح ہو بلکہ زندگی کے غالب حصہ میں واضح ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسلام اپنے پیروؤں کو خاص ہدایت کرتا ہے کہ وہ ایسے لباس نہ پہنیں جو مشرکوں کے ہوں، اور جن کو پہن کر ان کی اسلامی

انفرادیت مشتبہ ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

من تشبہ بقوم فھو منھم ۔ (ابوداؤد)

جس نے دوسری قوم کی مشابہت اختیار کی اسکا شمار انہی میں ہوگا

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ثوبین معصفرین فقال ان ھذا من ثیاب الکفار فلا تلبسھا (مسلم)

عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دو گیروے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو فرمایا کہ یہ کافروں کے لباس ہیں ان کو مت پہنو۔

یہ حکم جس طرح فرد کے لیے ہے اسی طرح جماعت اور قوم کے لیے بھی یعنی غیر قوموں کے لباس خواہ ایک مسلمان اختیار کرے یا مسلمانوں کی جماعت بہر حال یہ پسندیدہ نہیں۔ ایک شخص یا ایک جماعت دوسری قوم کا لباس اس وقت اختیار کرتے ہیں جب وہ اس کو اعلیٰ تصور کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے اس کو کمتر تصور کرتے ہیں۔ گویا ان کی اپنی وضع قطع اور اپنا تہذیبی سرمایہ قابل فخر نہیں بلکہ قابل ترک ہے اور دوسروں کا قابل احترام۔ اس نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو کر نہ فرد ترقی کرتا ہے اور نہ جماعت کو ترقی نصیب ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے تہذیبی دائرہ میں رہتے ہوئے احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور دوسری تہذیب سے ہم آہنگ ہونے کی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ تو وہ اپنی تہذیب کے حق میں مخلص رہتے ہیں اور نہ اس کے حق میں جس کو وہ اختیار کرنے کو بے قرار ہوتے ہیں۔ یہ چیز اسلام کے حق میں انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دوسری قوم کی ہر چیز قابل ترک ہوتی ہے، اگر ایسا ہو تو تہذیب منجمد ہو کر رہ جائے گی۔ بلکہ ہر مفید اور مثبت چیز کا لینا مفید ہے بشرطیکہ وہ اسلامی مزاج سے اختلاف نہ رکھتی ہو۔

(۸) لباس پاک اور صاف پہنیں۔ اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کا بڑا مقام ہے۔ اسلام کی سب سے بڑی عبادت نماز بغیر طہارت کے مقبول نہیں ہوتی۔ پاکیزگی اور نظافت کو اتنا بڑا مقام حاصل ہے کہ آنحضور نے اس کو بھی ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔ جسم و روح کی پاکیزگی جس قدر مطلوب ہے اسی قدر لباس اور پوشاک کی پاکیزگی مطلوب ہے۔ آنحضور کا ارشاد ہے۔

النظافۃ تدعوا الی الایمان والایمان مع صاحبہ فی الجنۃ۔ (طبرانی)

نظافت ایمان کی داعی ہے اور ایمان اپنے ساتھی کو جنت میں لے جائے گا۔

) گندے اور میلے کچیلے لباس نہ پہنیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت تنبیہ کی ہے ۔

جابر قال اتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرا فرای رجلا شعثا قد تفرق شعرہ فقال ماکان یجد ھذا ما یسکن بہ راسہ ورای رجلا علیہ ثیاب وسخۃ فقال ماکان یجد ھذا ما یغسل بہ ثوبہ ۔ (احمد ونسائی)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ملنے کو تشریف لائے تو آپ کی نظر ایک پراگندہ شخص پر پڑی، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے ۔ آپ نے فرمایا، کیا اس کو سر جھاڑنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی ۔ اسی طرح ایک اور شخص پر نظر پڑی جس کے کپڑے گندے ہو رہے تھے ۔ فرمایا کیا اس کو کپڑا دھونے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی ۔

(۱۰) اللہ کو جس طرح کبر و غرور اور ریا و سمعت پسند نہیں ہے، اسی طرح اس کو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ انسان ذوق جمال اور حسن طبیعت (Aesthetic sense) کو ختم کر دے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو نعمتیں دی ہیں، اُن کو اپنے بھونڈے پن سے غلط رخ دے دے، بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مومن کبر و غرور سے بچنے کے ساتھ ساتھ احساس کمتری اور پریشان حالی سے بھی دور رہے اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا بہترین استعمال اور اظہار کرے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ ۔ (ترمذی)

عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ اپنے بندوں پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے ۔

عن ابی الاحوص عن ابیہ قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ثیاب دون فقال لی الک مال قلت نعم قال من ای المال قلت من کل المال قد اعطانی اللہ من الابل والبقر والغنم والخیل والرقیق قال فاذا اتاک اللہ مالا فلیر اثر نعمۃ اللہ علیک وکرامتہ ۔ (احمد ونسائی)

ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں گھٹیا لباس پہنے ہوئے تھا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا، کیا تمھارے پاس مال ہے ۔ میں نے کہا ہاں فرمایا کون سا مال ہے میں نے جواب دیا، ہر قسم کا مال جو اللہ نے مجھے عطا کیا ہے ۔ اونٹ، گائے، بکری، گھوڑا اور غلام، فرمایا جب اللہ نے تم کو مال دیا ہے تو تم پر اللہ کی نعمت کے اثر کا اظہار ہونا چاہیے ۔

وعن ابی مطر قال ان علیا اشتری ثوبا بثلاثۃ دراھم فلما لبسہ قال الحمد للہ الذی رزقنی من الریاش ما اتجمل بہ فی الناس واواری بہ عورتی ثم قال ھکذا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول (احمد)

ابی مطر روایت کرتے ہیں کہ علی رضی نے تین درہم میں ایک کپڑا خریدا جب اس کو پہنا تو فرمایا، اس اللہ کا شکر جس نے مجھ کو زینت عطا کی، جس کو میں پہن کر لوگوں میں بھلا لگتا ہوں اور جس کے ذریعہ میں اپنی ستر پوشی کرتا ہوں۔ پھر فرمایا اسی طرح میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنا ونعلہ حسنا فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ جمیل یحب الجمال۔ (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے دریافت کیا، آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا عمدہ ہو اس کا جوتا عمدہ ہو (تو کیا یہ بھی کبر ہے) آپ نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال (خوبصورتی) کو پسند کرتا ہے

مختصر یہ کہ کسی قوم کی بقا اور تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تہذیبی تشخص کو برقرار رکھے اور تہذیبی تشخص میں لباس کا جو مقام ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اور حضرت عمر کے بقول لباس وہی پسندیدہ ہے جس کو نادان لوگ گھٹیا نہ سمجھیں اور دانش مند لوگ عیب نہ نکالیں۔

جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے علمی خدمات

ایک مطالعہ

عبد المبین ندوی دار المصنفین اعظم گڈھ

ہزاروں طوق و سلاسل ہوں لاکھ دار و رسن
جنوں کو حوصلۂ کار آ ہی جاتا ہے۔

تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور علم و فن کی خدمت کا ذوق خدا کی ایک لازوال نعمت ہے۔ جن تشنگان علم میں قدرت یہ ذوق و شوق ودیعت کرتی ہے وہ اسی میں ہمہ تن مستغرق رہتے ہیں۔ ایسے ابتلا و آزمائش اور قید و بند ان کے علمی اشتغال سے برگشتہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی افلاس و بے چارگی اور کسی مستبد حکومت کا جبر و استبداد ان کے علمی شغف میں حائل ہو سکتا ہے۔ آج اگر ہم ایسے زندانیوں کی علمی خدمات اور کارناموں پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو ہزاروں علماء اور بے شمار صاحبانِ فضل و کمال کے ایسے واقعات ملیں گے جن کو وقت کے ظالموں نے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا تاکہ دنیا ان کے فیوض و برکات سے محروم ہو جائے اور وہ گمنامی کی موت مر جائیں مگر وہ ان سلاخوں کے پیچھے ایسے کارنامے انجام دے گئے جنھوں نے ان کی ذات کو زندۂ جاوید بنا دیا۔

ہم اس مختصر مقالہ میں چند ایسے ارباب فضل و کمال کی علمی خدمات کا تذکرہ کریں گے جنھوں نے وقت کے ظالم حکمرانوں کے ظلم و جور کا شکار ہو کر جیل کی ان تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بھی اپنا علمی مشغلہ جاری رکھا۔ جو کوٹھریاں در اصل مجرموں اور چوروں، ڈاکوؤں کے لیے بنائی گئی تھیں، اور جہاں ایک شریف اور غیرت مند آدمی کا جانا ہی باعث ننگ و عار ہے۔ اس ماحول کی ہولناکی کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس مقام سے خود بھی گزرے ہوں۔

تاریخ کے زریں اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ ان اصحاب کمال نے جیل کی ان تیرہ و تاریک کوٹھڑیوں میں نہ صرف علم و فن کا چراغ جلایا، بلکہ دین و مذہب اور علم و فن کی ایسی شاندار خدمات انجام دیں کہ تاریخ کے صفحات پر وہ نقشِ دوام بن گئیں۔

ان زندۂ جاوید ہستیوں نے قید خانوں کی آہنی سلاخوں کے پیچھے انتہائی بے کسی و بے سروسامانی کی حالت میں تصنیف و تالیف جیسے اہم اور سکون طلب کام کو جاری رکھ کر اپنی علمی شعاعوں سے نہ صرف ان تاریک حجروں کو روشن کیا بلکہ تمام عالم کو منور کر دیا۔

علم و فن کی شمع روشن کرنے والوں میں جہاں انبیاء علیہم السلام ہیں، وہیں بڑے بڑے اساتذۂ درس بھی ہیں اور مشائخ فن بھی، شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی۔ سیاسی رہنما بھی ہیں اور ملی خدمت گزار بھی۔ حقائق و معارف الہیہ کے راز داں بھی ہیں اور فلسفہ و منطق کے نکتہ شناس بھی، اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی، نامور بھی اور گمنام بھی۔ غرض کہ ہر طبقہ اور ہر مکتب فکر کے ارباب فضل و کمال اس میں شامل ہیں۔

سب سے پہلے ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حسنہ ہے کہ آپ کو شعب ابی طالب میں تقریباً تین سال تک محصور رکھا گیا۔ آپ سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال بھی ایک زندہ مثال ہے۔ جن کو قید خانۂ مصر میں غلط اتہام کی بنا پر داخل کیا جاتا ہے۔ لیکن آپ "السجن احب الیّ" کہکر خندہ پیشانی سے داخل زنداں ہو جاتے ہیں۔ اور آپ پر قید خانہ کا آہنی پھاٹک بند ہو جاتا ہے۔ چند روز بعد دو قیدی دو مختلف خوابوں کی تعبیر معلوم کرنے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ" ہم آپ کو اپنا محسن سمجھتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ ان کے دماغ کی زم مٹی میں توحید کا تخم ڈال دینا چاہیے۔ چنانچہ پر اعتماد لہجہ میں فرماتے ہیں کہ "لا یاتیکما طعام ترزقانہ الا نبأتکما بتاویلہ" (تم دونوں کا کھانا آنے سے پہلے ہی تمہارے خوابوں کی تاویل بتا دوں گا۔) اُن کے خوابوں کی تعبیر آپ بتاتے ہیں۔ جس کا شہرہ پورے قید خانہ میں عام ہو جاتا ہے اور آپ کے نزدیک قیدیوں کا ایک وسیع حلقہ لگ جاتا ہے۔ اس طرح جیل میں آپ کے ذریعہ دعوت توحید کا عظیم کام انجام پاتا ہے اور "یوسف زندانی" کی تاویل احادیث ملکے مسدود دروازے اُن پر کھل جاتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر علامہ سید سلیمان ندوی کے اس پر مغز اور جامع مقدمہ کا اقتباس

پیش کردوں جسے علامہ موصوف نے سیٹھ یعقوب حسن مدراس کی تفسیر "کتاب الہدی" پر رقم فرمایا ہے۔ یہ تفسیر یعقوب حسن صاحب نے جیل کے تنگ کمرہ میں بیٹھ کر لکھی ہے۔ علامہ مرحوم کی جولانی قلم ملاحظہ ہو۔

"اسلام کی تاریخ ایسے زندانیوں اور تنہا نشینوں کے کارناموں سے ناآشنا نہیں ہے۔ اسلام کے کتنے نامور علماء اور مصنفین گزرے ہیں جن کے قلم کی روانی کو ان کے پاؤں کی زنجیر کا سکون ایک لمحہ کے لیے بھی بند نہ کر سکا۔ امام ابو حنیفہؒ نے بغداد کے محبس میں بیٹھ کر، امام محمد (شیبانی) جیسا شاگرد پیدا کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے معتصم کے قید خانہ میں مجلس درس ہی کو گرم نہیں رکھا بلکہ خلق قرآن جیسے زمانہ کے عظیم فتنہ کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ اس کے دبانے میں جان کی بھی بازی لگا دی اور "اتونی شیئاً من الکتاب والسنۃ" کے موقف کی دلیل سے پیچھے نہیں ہٹے۔ قاضی بکار مصری نے ابن طولون کے زندان مصر میں ایک کھڑکی سے منہ نکال کر علم کے شائقین کو تعلیم دی۔ امیہ ابن عبدالعزیز اندلسی ۵۱۰ھ میں اسکندریہ آکر قید ہوئے اور اسی حالت میں ہیئت و ریاضی کی متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں[1]"

ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اور سہ عجب مزہ دیا اس بے پروبالی نے مجھے،

اور اب ذرا ادھر آیئے، یہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ہیں جو اپنی علمی جلالت شان کے ساتھ صدر نشین بزم زندانیاں ہیں، ان کی متعدد تصنیفات مظلومیت و مقہوریت کی حالت میں جیل کی کوٹھریوں میں انجام کو پہنچیں اور جب ان سے وقت کے ظالموں نے قلم و قرطاس بھی چھین لیا تو اپنے وفور علم اور جذبہ شوق سے کوئلہ کی مدد سے جیل کی دیواروں پر لکھنا شروع کیا۔ چنانچہ اسی حالت اسیری اور بے سروسامانی میں تفسیر قرآن، کتاب الرد علی القاضی الاخنائی، کتاب الرد علی بعض القضاۃ الشافعیہ، معارج الاصول، الفرقان...... جیسی عظیم و جلیل متعدد کتابیں لکھیں،۔

یہ شمس الائمہ سرخسیؒ ہیں جو فقہ حنفی کے معلم ثانی کہلاتے ہیں۔ اوزگند واقع ترکستان کے قید خانہ

---

[1] مقدمہ کتاب الہدی ص ۱۱ حصہ اول

ں بیٹھ کر ا مبسوط جیسی عظیم کتاب کی ۱۵ جلدیں تصنیف کیں، جو ان کی شہرت اور سرخروئی کا باعث بنیں۔ بقول
بن عابدین ؎

اخوی شرحہ الذی کالشمس   مبسوط شمس الائمۃ السرخسی

"ہر دم رواں پیہم رواں ہے زندگی" یہ حکیم وقت شیخ بو علی سینا ہیں جن کو ریاست میں حصہ لینے کی
اداش میں قید کر کے قلعہ فردجان میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ زمانۂ قید میں محض اپنی قوت حافظہ کے زور سے "رسالۃ الطیر"
"رسالہ الحی بن یقظان"، نیز "کتاب الہدایات" اور "کتاب القولنج" لکھی۔

شاہ اشبیلیہ معتمد ابن عباد کے نام سے کوئی ذی علم ناواقف نہ ہوگا۔ یوسف بن تاشفین نے جب
انھیں اغمات کی جیل میں پابند سلاسل روانہ کیا تو انھوں نے اپنے جذبات و احساسات اور واقعات و واردات کو نظم میں
ڈھال کر اپنے دل کی آگ بجھاتا رہا۔ اس نے زمانۂ اسیری میں جو نظمیں کہیں۔ ان کا انگریزی میں ترجمہ بھی "وزڈم
آف دی ولیسٹ سیریز Wisdom of the West Series کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

یہ امام ربانی مجدد الف ثانی رح ہیں۔ ان کے تجدیدی کارناموں سے کون ناواقف ہوگا۔ انھیں فتنۂ
اکبری کے مقابلہ میں گوالیار کی جیل کا منہ دیکھنا پڑا۔ جہاں آپ نے پانچسو حضرات کے نام چھ سو اکیاون خطوط
ارسال کیے، جو محض خطوط ہی نہیں تھے بلکہ کتاب وسنت کے شارح و ترجمان تھے۔ انھوں نے امت محمدیہ کے حق
میں میر کارواں کا کام انجام دیا اور کفر و شرک کے سمندر میں گلے گلے تک ڈوبے ہوؤں کے حق میں تنکے کا سہارا
ہی نہیں ہے۔ بلکہ بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی کا کام کیا۔

اور ذرا ادھر نظر اٹھائیے۔ یہ شہدائے حق کی قطار کھڑی ہے۔ سید احمد شہید کی تحریک تجدید دین و
احیائے اسلام اور اقامت جہاد کے داعیوں، منادوں اور نقیبوں کا قافلہ وقت کے سب سے بڑے طاغوتوں اور جلادوں کے
سامنے کھڑا ان کے فیصلہ موت و حیات کا تماشہ دیکھ رہا ہے اور شوق شہادت میں ان کی پیشانی سے نور کے چشمے پھوٹ
رہے ہیں۔ یہ مولانا یحییٰ علی اور مولانا عبدالرحیم ہیں۔ عظیم آباد کے خاندان صادق پور کی عظمت کے دو آبدار۔ یہ
مولوی محمد جعفر ہیں، تھانیسر کے نمبردار اور تحریک کے نامور شہسوار اور ان کے ساتھ بلاکشان محبت کی ایک جماعت
ہے جس نے رضائے الٰہی کی راہ میں سب کچھ تج دیا ہے۔ یہ جب جیل کی تاریک فضا میں قدم رکھتے ہیں تو وہاں
ایمان ویقین کا اجالا پھوٹ پڑتا ہے۔ جرائم کی گندگی میں لت پت انسانوں کے جتھے شب زندہ دار عابدوں اور زاہدوں

میں تبدیل ہو جاتے ہیں ۔ یہ طوق و سلاسل میں لدے پھندے رندانِ خرابات ہندوستان کی مختلف جیلوں میں عظمت کردار و عمل کا اجالا پھیلاتے ہوئے سنگین اور خطرناک جرائم پیشہ قیدیوں کے وطن جلا وطنی جزائر انڈمان پہنچتے ہیں تو وہاں کی دنیا بدل کر رکھ دیتے ہیں ۔ وہاں ان کی قیادت کیلئے عظیم آباد کے مولانا احمد اللہؒ بھی گردش تقدیر سے پہنچ جاتے ہیں ۔ اس قافلہ کی عظمت کے نقوش اپنے دامن میں ہزاروں تصانیف کی وسعت سمیٹے ہوئے ہیں ، جس کا ایک ہلکا سا خاکہ انہی کے ایک فرد فرید مولانا محمد جعفر تھانیسری نے کالا پانی کے نام سے کاغذ کے اوراق پر کھینچ دیا ہے ۔ اس میں اس جزیرہ کی خصوصیات بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں اور تحریک شہیدین کے نوع بہ نوع جلوے بھی ، فرزندانِ توحید کی شان صبر و رضا بھی ۔ اور جذبۂ فداکاری و شوق شہادت کے لازوال نقوش بھی ۔ مستبد اور جلاد انگریزوں کی ظالمانہ سیاہ کاریوں کے مکروہ چہرے بھی اور اپنے بندوں پر قادر مطلق کے الطاف و عنایات بھی ۔

اور یہ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی ہیں ۔ اس سلسلہ طلائے ناب کی آخری کڑی ۔ خداوندانِ جیل نے کڑی نگرانی قائم کر رکھی ہے ۔ مگر ان کے خطوط الخصوص معزوراں ترقت کے آنے جانے والے سامانوں میں اٹک جیل سے باہر نکلتے ہیں ۔ اور متحدہ ہندوستان میں اسلامی انقلاب کے لیے طوفانوں پر طوفان کھڑا کرتے ہیں ۔

یہ ہیں ہندوستان کے مشہور منطقی مولانا فضل حق خیرآبادی ۔ جنھیں استخلاص وطن کے جرم میں جزیرۂ انڈمان کی طرف پابجولاں روانہ کر دیا جاتا ہے اور سامان علم و مطالعہ سے محروم رکھا جاتا ہے ۔ اس کے باوجود کاغذ کے مختلف ٹکڑوں پر کوئلے سے خامہ فرسائی شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح سے "الثورۃ الہندیہ" اور "قصائد فتنہ ہند" مکمل ہو جاتے ہیں ۔

انہی قابلِ صد احترام قیدیوں میں مولانا مفتی کفایت احمد صاحب کاکوروی ہیں جو جزیرہ انڈمان میں چار سال تک قید رہے ۔ اسی زمانۂ اسیری میں آپ کے شاداب و رواں قلم نے "علم الصیغہ" جیسی نامور صرف کی کتاب لکھی جو تمام دینی و عربی مدارس میں متداول اور رائج ہے ۔ اسی طرح اسی مدتِ اسیری میں "تواریخ حبیب اللہ" ، "تجمۂ بہار" ، "مواقع النجوم" ، "احادیث الحبیب المشترکہ" جیسی ادبی ، تاریخی ، صرفی نحوی کتابیں لکھیں اور اسی زمانۂ قید میں "تقویم البلدان" کا ترجمہ بھی کیا ۔

جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے علمی خدمات انجام دینے والے اصحاب دعوت و عزیمت کی کمی نہیں ۔ محدود اوراق ان کے نام گنانے کے لیے بھی ناکافی ہیں ۔ اس لئے ہم ان میں سے چند کی علمی خدمات کا جائزہ اختصار کے ساتھ

لیں گے۔

"یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے"۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی بھاری بھرکم شخصیت کسی کے لیے محتاجِ تعارف نہیں اور ان کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات سے کون واقف نہیں۔ جن کی زندگی کا معتدبہ حصہ (ہر ہفتہ کا ایک دن بقول خود) قید و بند کی مصیبتوں میں گزرا یعنی ان کی زندگی کے ۱۲ برس جیل کی نذر ہو گئے۔ اردو ادب میں خطوط نگاری کا شاہکار اور زندہ نمونہ "غبارِ خاطر" ان کے جیل ہی کی تو یادگار ہے۔ بقول علامہ سید سلیمان ندوی رح حسرت موہانی کی نظمیں، مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریریں، مولانا محمد علی جوہر کی تقریریں۔ سب اسی جلوۂ زنداں ہی میں نکھریں اور سنوریں۔

اور یہ مولانا آزاد کے باعظمت رفیق، اور خاندانِ غزنویہ (امرتسر) کے درخشندہ ستارے حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی ہیں۔ جن کی حق پرستی، عظمتِ کردار اور تقویٰ شعاری و راست بازی نے انھیں مرکزِ عقیدت و احترام بنا رکھا ہے۔ یہ جیل میں بھی سنتِ یوسفی زندہ کرتے ہیں اور ہدایت و رہنمائی کے نقوش سے کتنوں کی زندگیاں بدل دیتے ہیں۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے کون واقف نہیں، جو ۱۹۱۶ء کے ہنگامہ میں "تحریک ریشمی رومال" کے جرم میں قید کیے جاتے ہیں اور مختلف قید خانوں میں رکھے جاتے ہیں اور آخر میں مالٹا منتقل کر دیے جاتے ہیں۔ جہاں تقریباً ساڑھے تین سال آپ رہے۔ اسی زمانۂ محن میں اپنی خداداد ذہانت و بصیرت سے قرآن مجید کے بیس پاروں کا ترجمہ کیا اور اس پر حاشیہ لکھا۔ اس کے علاوہ بخاری سے متعلق "ابواب تراجم" کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی۔

مولانا منور لاہوری پانچ سال گوالیار میں قید ہو کر "الدر النظم فی ترتیب الآی و سور القرآن الکریم" اور "السحر المواج فی تفسیر القرآن" تصنیف کی۔

مولانا سید سلیمان ندوی رح "کتاب الہدیٰ" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ سیٹھ یعقوب حسن صاحب کو جیل کے اندر ہم نے خالی ہاتھ بھیجا تھا۔ مگر مصیبت کے ایام کاٹ کر وہ جیل کے دروازے پر نمودار ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ خالی ہاتھ نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ "کتاب الہدیٰ" کے ضخیم مسودات کی گٹھری تھی۔

"ہے مشقِ سخن جاری، چکی کی مصیبت بھی"۔ یہ مولانا حسرت موہانی ہیں، جب جیل گئے تو چکی چلائی

آتا گیا اور اس قید با مشقت کے ساتھ ساتھ علمی شغل بھی جاری رکھا۔ ان کا دیوان حصہ اول سے لیکر حصہ نہم تک مختلف
جیلوں کی دین ہے وہ قید و بند سے کبھی نہ گھبراتے۔ الٹا اس کا مذاق اڑاتے ہوئے خود ہی فرماتے ہیں۔

بیکار ڈراتے ہو مجھے قید ستم سے
واں روح وفا اور بھی آزاد رہے گی،

گاندھی جی کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے، وہ اپنی "آپ بیتی" جو اصلاً انگریزی میں
ہے اور جس کا نام My Experiment with Truth ہے۔ اور "تلاش حق" کے نام سے اردو
میں بہت پہلے شائع ہو چکی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"اپنے چند رفیقوں کے کہنے سے اپنی زندگی کے حالات لکھنے کا ارادہ کیا۔ ابتدا تو کر دی۔ مگر ابھی پہلا
ورق الٹنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ بمبئی میں بلوے شروع ہو گئے اور ایسے واقعات پیش آئے کہ میں یروڈا کے جیل میں
پہنچ گیا۔ اسی جیل میں اپنے ایک ساتھی جے رام داس کی فرمائش پر اپنی آپ بیتی یعنی "تلاش حق" کا بیشتر حصہ پورا کیا۔"

تحریک الاخوان المسلمون کے بانی مصر کی ڈوبتی کشتی کے ناخدا، داعی کبیر، مجاہد حق، امام حسن البنا شہید رح
کی عبقری شخصیت چنداں محتاج تعارف نہیں۔ آپ متعدد بار خداوندان مصر کی دار و گیر کے شکار ہوئے۔ مگر اندرون
جیل سے بھی اخوان کو مراسلت کے ذریعہ ہدایات بھیجنے کا کام جاری رکھا۔ یہ ہدایات کتاب و سنت کی تعبیر و تشریح کا
موضوع نمونہ ہیں۔ ان کے بعد انہی کے نقش قدم پر چلنے والے مجاہد وقت سید قطب شہید کو دنیائے علم و ادب کیوں کر بھلا سکتی ہے
جنہوں نے حسن البنا شہید کے دیرینہ مقاصد کو جو تشنہ تکمیل رہ گئے تھے، مکمل کرنا چاہا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ مصر
سے مغربی تہذیب کا جنازہ نکال کر صحیح کتاب و سنت کی روشنی میں کلمۂ حق کا دوبارہ علم بلند کریں۔ لیکن مصر کے ارباب حل
و عقد کو یہ کب گوارہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سید قطب شہید کی بڑھتی ہوئی مقبولیت ان آزمائش و ابتلا کا بہانہ بن گئی
اس چراغ کو گل کرنے کے لیے ۱۹۵۴ء میں گرفتار کر کے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا۔ لیکن اس جواں ہمت
داعی و مجاہد نے سخت تکلیف و تعذیب کے لمحات میں بھی تصنیف و تالیف کا کام نہیں چھوڑا، ان کی معرکۃ الآرا
تفسیر "فی ظلال القرآن" کا معتدبہ حصہ اسی قید و بند کی زندگی میں تالیف ہوا

الاخوان المسلمون کے نائب مرشد عام مصری عدالت عالیہ کے سابق جج شہید عبدالقادر عودہ کو اتنا مارا
جاتا کہ ان کا جسم لہولہان ہو جاتا، اور سوج جاتا، صورت پہچانی نہیں جاتی۔ اسلامی قانون تعزیرات پر ان کی کتاب دلیل ہے۔

اسی طرح مرشد عام سن الھضیبی کو ۷۰ سال کی عمر میں روزانہ تقریباً ۱۳ میل دوڑایا جاتا اور انھیں گندگی اور فضلہ اٹھانے پر مجبور کیا جاتا۔ اس کے باوجود دعوتِ اسلامی اور کتاب و سنت کی ترویج کو نہیں چھوڑا۔

فقہ الزکاۃ اور الایمان والحیاۃ کے مصنف اور مشہور داعی وقت ڈاکٹر یوسف القرضاوی کو دین کی دعوت کے سلسلہ میں سخت مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ زدوکوب کیے گئے جس کے نشانات اب بھی جسم پر موجود ہیں۔ ان کی شہرہ آفاق کتاب " فقہ الزکاۃ " کا اردو ترجمہ شمس پیرزادہ نے اس وقت کیا جبکہ وہ جیل میں حکومت کے مہمان تھے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے " تفہیم القرآن " کا زیادہ کام جیل ہی میں کیا۔

مشہور شاعر و صحافی شورش کاشمیری کی مشہور کتاب " پسِ دیوارِ زنداں " ایامِ اسیری کی مکمل دستاویز ہے۔ اس کتاب کا تعارف انہی کی زبان قلم سے سنیے!

" پسِ دیوارِ زنداں " یہ کہانی نہیں کئی کہانیاں ہیں۔ ان کہانیوں میں دار و رسن کے نوحے بھی ہیں اور شعر و سخن کے زمزمے بھی، قیدِ تنہائی کا سناٹا بھی ہے اور زورِ قلم کا ڈرامہ بھی، آنسوؤں کا مالا بھی ہے اور آہوں کا ہالہ بھی پچھلے پہر کی یادیں بھی ہیں، دیدہ و دل کی فریادیں بھی۔ دوستوں کی باتیں بھی ہیں اور دشمنوں کی گھاتیں بھی۔ ہجر کی رات بھی ہے۔ وصل کی بات بھی۔ غرض زلف و زنجیر کے رشتے اور زخم و مرہم کے ملطے اس کہانی کے بین السطور کی آبرو ہیں۔"

اسی طرح " تذکرۂ زنداں " ایک اسلامی کارکن " خورشید احمد صاحب کے ایامِ اسیری کے واردات و تاثرات کا مجموعہ ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ۔

" ہر شخص کی زندگی میں کچھ ناقابلِ فراموش لمحات آتے ہیں۔ میری زندگی میں بھی ۷ جنوری ۱۹۶۴ء کو ایک ایسا لمحہ آیا اور مجھے چشم زدن میں اس دنیا سے نکال کر دوسری دنیا میں پہونچا دیا گیا۔ جیل کی دنیا ۔" آگے لکھتے ہیں۔

" میری یہ ڈائری اس نئے تجربے کی روداد ہے، اس زندگی کی داستان ہے جو آہنی سلاخوں کے پیچھے گزاری گئی"۔ وہ کہتے ہیں کہ شروع شروع میں نہ میرے پاس کوئی کتاب تھی نہ کوئی خاص کام۔ بیگ میں چند سادہ کاغذ تھے اور جیب میں ایک قلم۔ کام شروع ہوگیا تو اب دیکھتا ہوں کہ ان صفحات میں ایامِ اسیری کی پوری داستان موجود ہے۔ واقعات، تاثرات، واردات اور احساسات ـــ "

بقول شاعر ؎

ان سیہ پوش فضاؤں سے تو مایوس نہ ہو
یہ اندھیرے بھی اجالوں میں بدل سکتے ہیں۔

یہ ہیں اندھیروں کو اجالوں میں بدلنے والے ، جیل ، جلاوطنی اور جلاد کے کوڑے اور ان کی شمشیر برہنہ کا استقبال کرنے والے چند اصحاب عزیمت کا سرسری خاکہ جو ظالم و جابر حکمرانوں کے ظلم و زیادتی پر خندہ زن رہے ۔ اور علامہ اقبال کی زبان میں " آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی " کا پورا پورا ثبوت دیتے رہے ۔ یہ صرف ہمارے لیے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے درس عبرت کا پیغام ہے ۔

یہ تو تھا تصویر کا ایک رخ ، جو ہر طرح ہمارے لیے قدر و نمونہ ہے ۔ اور جب خود ہمارے یہاں ہزاروں زندہ مثالیں موجود ہوں تو دوسروں سے مستعار لینے کی کیا ضرورت ۔ تاہم ، اگر ہم تصویر کے دوسرے رخ سے پردہ ہٹائیں اور دیگر اقوام و ملل کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں غیروں میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انھوں نے بھی لبا اوقات ہمت سے کام لے کر اور جیل کی صعوبتیں برداشت کر کے علمی خدمات انجام دی ہیں ۔ گاندھی جی کا ذکر پہلے ہی کر چکا ہوں ۔ ہندوستان کے پہلے وزیراعظم جواہر لال نہرو کو لے لیجیے ۔ جنگ آزادی کے سلسلے میں جیل جاکر اپنے نقطۂ نظر سے ملکی و سیاسی حالات پر کئی اہم تحریری مواد فراہم کیا ۔ اس کے علاوہ ایک مشہور انگریز مفکر وارسو نے بھی جلاوطنی اور قید و بند کے ایام میں اس آئین زندانی کو زندہ کیا ۔ اسی طرح جب سائنس و کلیسا میں مذہب و عقلیت کی کشمکش برپا تھی تو بہت سے مسیحی عالموں نے بھی جلاوطنی اور قید کے ایام محن میں بھی اپنا علمی کام نہیں چھوڑا ۔

یہ ہے وہ تاریخ دار و گیر جس میں مختلف مکاتب فکر کے اصحاب عزم و ہمت نے قید و بند کی پروا کیے بغیر اپنے علم و معرفت کے چراغ کو تاریک اور بند کمروں میں جلا کر روشنی فراہم کی اور عظمت کردار کا نمونہ چھوڑا ۔

کیا ظلم و عدوان کی طوفانی آندھیاں حق کے چراغ کو گل کر سکتی ہیں ؟؟ ..... اس کا مختصر دو ٹوک جواب یہی ہے کہ ان کی زندگیوں کے چراغ کو تو گل کیا جا سکتا ہے لیکن عزیمت کا روشن چراغ کبھی بجھایا نہیں جا سکتا نور خدا کفر کی حرکتوں پر خندہ زن ہی رہے گا ۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ ۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں ، حالانکہ اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا ، اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو ۔ (قرآن)

•••

بلغاریا میں میرے مشاہدات

صوفیہ میں زیر تعلیم ایک عرب طالب علم کے قلم سے

یہ ایک طالب علم کے تجربات و مشاہدات ہیں، جس نے مشرقی یورپ کے مشہور کمیونسٹ ملک بلغاریہ میں طالب علمی کا ایک دور گزارا تھا۔ یہ مضمون درحقیقت کمیونسٹ نظام اور اس کے نتائج کی واقعاتی تصویر ہے اور اسے پڑھ کر کمیونسٹ نظام کی حقیقت بخوبی سمجھی جا سکتی ہے۔ اس کی اشاعت بیس سال قبل (مغربی جرمنی) سے شائع ہونے والے عربی ماہنامہ مجلۃ الشئون السوفیتیہ کے آٹھویں شمارے (۱۹۶۳ء) صفحہ ۳۲ تا ۳۵ میں ہوئی تھی۔

ادارہ

آپ بلغاریہ کے دارالحکومت صوفیا کی سڑکوں پر لوگوں کے چہرے دیکھتے ہوئے چلیں۔ محسوس ہوگا کہ پوری قوم کسی جنازے میں جا رہی ہے۔ سر جھکے ہوئے، طبیعت غمگین، چہرے فق، آنکھوں پر حزن و یاس اور بدحالی کی تہ چڑھی ہوئی، کپڑے گندے اور پھٹے ہوئے۔ بات چیت سائیں سائیں۔ آپ گھروں میں دفاتر میں اور دکانوں میں داخل ہوں گے تو لگے گا کہ آپ کسی ایسے گھرانے میں آ گئے ہیں جس کا سربراہ مر گیا ہے۔ گویا سوگ کی ایک زبردست لہر ہے جو ملک کو اول سے آخر تک اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ آپ جاننا چاہیں کہ کون مر گیا ہے تو چند ہی لمحوں میں معلوم ہو جائے گا کہ آزادی مر گئی ہے۔

یہاں اب تک پچاس ہزار بلغارین باشندے، کمیونسٹوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں، کچھ تھوک کچھ خردہ۔ ملک پر پستول اور بندوق کا راج ہے۔ جس نے زبان کھولی اور حکومت کے خلاف کچھ کہا اسے فوراً گولی مار دی گئی۔ جس نے معمولی سی تنقید کے لیے ہونٹ ہلایا وہ ڈینوب کے کسی جزیرے میں قیدی کیمپ کے اندر بھیج دیا گیا، جہاں صرف جانے کا ٹکٹ ملتا ہے، آنے کا نہیں۔ جو وہاں بھیجا گیا ہمیشہ کے لیے لاپتہ ہو گیا۔ گھر والوں کو کچھ خبر نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔ آدھی رات کو ایک آدمی دروازے پر دستک دے گا، ایک معین نام پکارے گا اور اسے گاڑی میں بٹھا کر نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا۔

بیوی کو صرف اتنا معلوم ہے کہ اسے بلایا گیا ہے، کس نے بلایا ہے؟ کوئی جواب نہیں، کہاں بلایا گیا ہے؟ کوئی جواب نہیں۔ شہر کی حکومت اس کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی کہ "میرا شوہر کہاں ہے؟" وہ واپس آئے گا یا نہیں؟۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا یا نہیں؟ وہ مجرم ثابت ہوا یا بری؟ کوئی شخص ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا

بلغارین قوم کو کمیونسٹ نظام سے اندھی نفرت ہے۔ اسی لاکھ کی بلغارین آبادی میں کمیونسٹ پارٹی کے ممبروں کی تعداد ساری زور زبردستی اور دھونس دھاندلی کے باوجود ساڑھے تین سو سے زیادہ نہیں ہے۔

ایک بلغاری نے ایک دلچسپ لطیفہ سنایا جو آج پورے صوفیا کی زبان پر ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کا سکریٹری ایک گرجا میں گیا، دیکھا تو نمازیوں سے بھرا ہوا تھا۔ سکریٹری سیدھا گرجا کے چیف انچارج کے پاس پہنچا اور بولا یہ کیا معاملہ ہے؟ جو لوگ گرجا میں حاضر ہوتے ہیں، ان میں سے بمشکل دس میں سے ایک آدمی کمیونسٹ پارٹی کے اجتماعات میں حاضر ہوتا ہے؟ چیف نے کہا: وجہ بالکل صاف ہے، لوگ گرجا میں جہنم کے متعلق صرف باتیں کرتے ہیں، لیکن کمیونسٹ پارٹی میں جہنم کو اپنی آنکھوں سے موجود دیکھتے ہیں۔

بلغارین کہتے ہیں کہ بلغاریا میں کمیونسٹ حکومت ہی جہنم ہے اور کمیونسٹ پارٹی کے ممبران جہنم کے داروغے ہیں جو عذاب و سزا کا کام سنبھالے ہوئے ہیں۔

صوفیا میں پچھلے دنوں کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ ایک پادری نے دیکھا کہ گرجا کی عمارت گر رہی ہے، اس نے مرمت کے لیے حکومت سے کچھ رقم طلب کی۔ حکومت نے یہ کہکر کچھ بھی دینے سے انکار کردیا کہ دین "کمالیات" میں سے ہے۔ یعنی حکومت ایک طرف تو کمیونسٹ پارٹی کی رنگ رلیوں پر عیاشانہ مجلسوں پر کروڑوں خرچ کرتی ہے۔ دوسری طرف ایک گرتے ہوئے گرجا کی مرمت کے لیے اس کے پاس چند ٹکے موجود نہیں۔ کیونکہ پارٹی کے ممبروں کی رنگ رلیاں ضرورت میں سے ہیں، لیکن گرجا میں کی جانے والی عبادت کمالیات میں سے ہے۔ بہرحال پادری نے سوچا کہ گرجا میں شمع بنا کر نمازیوں کے ہاتھ فروخت کردیا کرے، جس سے گرجا کی مرمت کے لیے وہ معمولی سی رقم ہاتھ آجائے گی جو چند پاؤنڈ سے زیادہ نہیں، لیکن کمیونسٹ پارٹی کو پادری کی اس حرکت کا پتہ لگ گیا، پولیس کے چند جوان اس کے گھر میں جا گھسے اور اسے اس الزام میں گرفتار کرلیا کہ اس نے حکومت کی املاک پر دست درازی کی ہے۔ کیونکہ شمع بنانا حکومت کا حق ہے اور حکومت نے یہ صنعت اپنے کنٹرول میں رکھی ہے، لہٰذا پادری نے چند شمعیں بنادیں تو اس نے حکومت کی پیداوار خطرے میں ڈال دی، بجٹ ڈانوا ڈول کردیا اور قانون کے خلاف بغاوت کی۔ چنانچہ اسی دن پادری کے خلاف عدالت میں کیس پیش ہوا، عدالت نے سزائے موت

کا فیصلہ سنایا اور اسی دن اُسے گولی مار دی گئی ۔

بلا گوشت کا مہینہ

بلغاریا کے دارالحکومت صوفیہ پر ایک مہینہ گزر گیا اور کہیں ایک پاؤ گوشت بھی نظر نہ آیا ۔ ایک زرعی ملک جو اپنی زرخیزی ، زرعی آمدنی اور معدنیات کے لیے مشہور ہے ، اس کا دارالحکومت مہینہ بھر گوشت سے محروم رہا بلکہ جاڑے بھر بلغاریہ سے انڈے بھی ناپید رہے لوگ تالی پیٹ کر کہتے ہیں کہ ایک زرعی ملک میں گوشت اور انڈے کیوں نہیں ملتے ؟ اور واقف کار اس کا جواب دیتے ہیں کہ بلغاریا میں کمیونسٹ نظام کی ناکامی اور کمیونزم کی انارکی نے یہاں تک نوبت پہنچائی ہے ۔

بے انتہا گرانی

بلغاریا میں ایک ڈاکٹر اور انجینئر کی اوسط آمدنی ۲۵ پونڈ ہے اور ایک جوتے کا دام ۲۰ پاؤنڈ یعنی اگر کوئی ڈاکٹر یا انجینئر کسی مہینے جوتا خریدے تو اسے تقریباً پورا مہینہ فاقے کیے بغیر گزارنا پڑے گا ۔ خیر جوتا بھی اچھی کوالٹی کا ہو تو ایک بات ہے مگر یہ اتنا گھٹیا بنا رہتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی انگلیاں جوتے کے باہر رہیں گی ۔

میں ایک ٹیکسی پر سوار ہوا باتوں باتوں میں ڈرائیور سے اس کے رہائشی مکان کے متعلق پوچھ بیٹھا ۔ ڈرائیور نے بتایا کہ اس کے پاس صرف ایک کمرہ ہے جس میں اس کی بیوی کے علاوہ اس کے پانچ بچے اور اس کی سالی بھی رہتی ہے ۔ میں نے کہا ۔ آٹھ انسان ایک ہی کمرے میں ؟ ، اس نے کہا میں دوسروں سے زیادہ خوش قسمت ہوں ۔ اسی عمارت کے اندر ایک کمرے میں ایک میکانک رہتا ہے ، اس کے ساتھ اس کے ماں باپ بھی ہیں ۔ بچے بھی ہیں اور بیوی کے علاوہ اس کے والدین یعنی اس میکانک کے ساس سسر بھی ہیں ۔

میں نے پوچھا اتنی بڑی تعداد ایک ہی کمرے میں کیسے رہ سکتی ہے ۔ ڈرائیور نے کہا ، یہ ناقابلِ برداشت زندگی ہے اور ہم نے کمیونزم نظام سے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ یہی ہے ۔ ذرا سوچو ہم لوگ تو اس طرح رہ رہے ہیں اور کمیونسٹ پارٹی کا ہر لیڈر تنہا ایک محل میں رہتا ہے ۔

مجھے ڈرائیور نے بتایا کہ کسی مکان میں نل کی ٹونٹی ٹوٹ جائے تو یہ بڑا پیچیدہ اور لاینحل مسئلہ ہے ۔ آپ ٹونٹی ٹھیک کرانے کے لیے کسی کاریگر کو خود نہیں بلا سکتے بلکہ عمارت کے انچارج کو اس کی اطلاع دیجیے ۔ عمارت کا انچارج اس روڈ کے مکانات کے انچارج کو اس کی خبر دے گا روڈ کے مکانات کا انچارج محلے کے مکانات کے انچارج کو اطلاع دے گا ۔ اور محلے کا انچارج شہر کے مکانات کے انچارج کو اطلاع دے گا اور یہ صاحب کاریگروں کی یونین کو خبر دیں گے ۔

پھر یونین اپنے کسی ممبر کو ٹونٹی کا معائنہ کرنے کے لیے بھیجے گی، یہ ممبر ایک رپورٹ لکھے گا۔ رپورٹ ایک کمیٹی میں پیش کی جائے گی۔ کمیٹی اس پر بحث کرے گی، پھر ایک قرارداد پاس کرے گی، یہ قرارداد شہر کے انچارج کو دی جائے گی وہ محلے کے انچارج کو دے گا وہ روڈ کے انچارج کو دے گا اور یہ صاحب اس مکان کے انچارج کو دیں گے جس میں ٹونٹی ٹوٹی ہے اور اب وہ از سر نو پھر یونین سے رابطہ قائم کرے گا تاکہ وہ ٹونٹی ٹھیک کرنے والا کاریگر بھیج دے۔

ان کارروائیوں میں کئی کئی ہفتے لگ جاتے ہیں۔ ٹوٹی ہوئی ٹونٹی ویسے ہی پڑی رہتی ہے، پانی بہتا رہتا ہے اور گھر میں سیلاب بپا رہتا ہے۔

ٹیکسی ڈرائیور مجھے ووشا پہاڑ کے پاس لے گیا جس کے دامن میں شہر صوفیا واقع ہے، اشارے سے کچھ دوری پر واقع چند بھاری بھرکم اور عظیم الشان فلیٹوں کو دکھلا کر بولا: یہ رہی جنت، یہ صرف پارٹی کے لیڈروں کے لیے مخصوص ہے۔ یہاں ان کی ضروریات کے لیے ایک مارکیٹ بھی ہے، جس میں باہر سے درآمد کیے ہوئے اور ملک کے اندر بنے ہوئے ہر طرح کے سامان موجود ہیں، ان کو سب کچھ حاصل ہے۔ الیکٹرک ریفریجریٹر، الیکٹرک باورچی خانہ ریڈیو سیٹ، نفیس کھانے اور زرق برق لباس۔

میں نے ڈرائیور سے کہا: میں ذرا یہاں ٹہلنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: یہاں جانا منع ہے، قوم کے لوگوں پر یہ جگہ حرام ہے۔ قوم کی اکثریت اچھوتوں کا طبقہ ہے۔ صرف کمیونسٹ پارٹی کے ممبران، امیر، شریف اور قائد کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ شاہی نظام اپنی خرابیوں کے سبب جاتا رہا، لیکن اب جو کچھ ہوا وہ یہ کہ کمیونسٹ پارٹی نیا شاہی خاندان بن بیٹھی رہی قوم تو اب وہ پہلے سے بھی زیادہ محرومی، فقر اور بدحالی کی زندگی گزار رہی ہے۔

ہر کمیونسٹ لیڈر کے زیر استعمال ایک اعلیٰ درجے کی نیم مارکر کار ہے جس کے دونوں طرف سیاہ پردے لٹکا کر وہ سوار ہوتا ہے، تاکہ قوم یہ نہ دیکھ سکے کہ کار میں کون ہے؟ رہی قوم تو اسے موٹروں اور بسوں میں مچھلی کے ڈبے کی طرح کس کر بھر دیا جاتا ہے۔

میں روسکی روڈ یعنی روس روڈ گیا یہ دارالحکومت کی اہم ترین سڑک ہے، اس میں تجارتی دوکانیں ہیں لیکن یہ دوکانیں بالکل بدحال فقیر معلوم ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے کیس بکس ہیں جو روشنی اور سرخ و سپید پردوں سے پُر ہیں اور اس کے اندر لینن کی ایک تصویر ہے، اس کے علاوہ کوئی سامان نہیں، ایک دوسرا بڑا سا کیس ہے اس میں بیل بوٹے کڑھا ہوا پردہ ہے، تیز روشنی ہے۔ لیکن سامان کیا ہے؟ دفتی کا ایک ڈبہ جس میں صابن کی ڈبیاں ہیں۔ ایک تیسرا

میں اچھوتا لیکس بکس ہے مگر اس میں صرف ایک جوڑا جوتا ہے اور کچھ نہیں ۔ قاہرہ (مصر) کے موسکی روڈ کا سب سے چھوٹی دکان بھی روسکی روڈ کی کسی بھی بڑی دکان کے مقابل میں بڑی لگے گی ۔

دوکانوں میں پڑے ہوئے سامان لوگوں کے لیے ہیں ، لیکن لوگ دوکانوں کی طرف جاتے ہیں اور ونڈو شاپنگ کرکے چلے آتے ہیں ، وہ سامانوں کو صرف حسرت سے دیکھ لیتے ہیں ، کیونکہ مزدور لے دے کر جو کچھ خرید سکتا ہے وہ ہے کھانا ..... اور وہ بھی بڑی مہنگی قیمت پر ۔

آپ دیکھیں گے لوگ لمبی لائن لگائے گھنٹوں کھڑے ہیں ۔ آپ سمجھیں گے ، یہ کسی کامیاب فلم کا ٹکٹ لینے کے لیے سینما کی کھڑکی پر کھڑے ہیں ۔ لیکن آپ پر اچانک یہ انکشاف ہوگا کہ یہ لائن روٹی کی دکان کے سامنے لگی ہے ، لوگ روٹی خریدنے کے لیے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں ۔

مکانات کے کرائے نامعقول ہیں ۔ ایک بیرونی سفارت خانے کے ایک ملازم نے مجھے بتایا کہ اس نے ایک فلیٹ کرائے پر لینا چاہا ..... کوئی فلیٹ نہ ملا ..... وزارت خارجہ نے مداخلت کی اور وزیر نے خود اسے مل کر خوشخبری دی کہ فلیٹ مل گیا ہے ۔ فلیٹ کیا تھا دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا مکان ، کرایہ اسّی پاؤنڈ ۔ اس وقت بولاق (مصر) میں ایسا فلیٹ تین پاؤنڈ میں مل سکتا تھا ۔

مزدوروں کی جہنم :

میں نے بعض مزدوروں سے بلغاریہ میں کمیونسٹ جہنم کے اندر ان کی زندگی کا حال پوچھا ..... میں ایوان نامی ایک مزدور اور ماڑیا نامی ایک خاتون مزدور کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا ۔

ایوان نے کہا : کارخانے میں صبح سات بجے سے شام ساڑھے چار بجے تک مسلسل کام ہوتا ہے اور جب میں یہ سمجھ کر گھر لوٹنا چاہتا ہوں کہ میرا کام ختم ہو گیا ہے تو دروازے پر نائب ڈائرکٹر روک کر کہتا ہے ، ابھی ٹھہرو ، کارخانے کی پیداوار کا ہدف جو ہم نے مقرر کیا تھا ابھی وہ پورا نہیں ہوا ہے ۔ ابھی تم کسی مزدوری کے بغیر ایک گھنٹہ اور کام کرو ۔ میں تکان سے پاؤں گھسیٹتا ہوا کارخانے کی طرف پھر پلٹتا ہوں اور بیگاری کا ایک گھنٹہ پورا کرکے گھر آنے کے لیے دوبارہ دروازے پر پہنچتا ہوں تو کارخانے کا نائب ڈائرکٹر مجھے پھر روک لیتا ہے اور کارخانے کے اندر پارٹی کے ہونے والے جلسے میں شرکت کے لیے کہتا ہے ۔ یہ جلسہ کوئی دو گھنٹے چلتا ہے ۔ لمبی لمبی تقریریں ، اکتا دینے والے پروپیگنڈے ۔ رٹے رٹائے کمیونسٹ نظریات ، کارل مارکس کی لکھی ہوئی باتیں اور لینن کے کارنامے بیان کیے جاتے ہیں ، جارج ڈیمٹروف کی بہادری

کے قصے اور کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری جنرل ژیکوف کے کارنامے سنائے جاتے ہیں۔

میں ان لکچروں سے تھک کر چور ہو جاتا اور گرنے پڑنے لگتا ہوں، تب واپسی کی اجازت ملتی ہے، لیکن جونہی عمارت کے پاس پہنچتا ہوں، عمارت کا نگراں (جو کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے مقرر ہوتا ہے) مجھے روک لیتا ہے اور کہتا ہے کہ پارٹی کا ایک جلسہ عمارت میں ہو رہا ہے، اس میں شرکت کرو، اب پھر وہی تقریریں، پروپیگنڈے اور کارل مارکس کے اقوال..... الخ شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر جلسے کے دوران سو گئے تو آفت رکھی ہے۔ ضروری ہے کہ میں خاموشی کے ساتھ بغور سننے کا مظاہرہ کروں اور گھنٹے بھر تک اس لغویات کی موافقت میں سر ہلاتا رہوں جیسے لفظ بلفظ کار جائے کے اندر۔ پارٹی کے جلسے میں سن کو جلا آرہا ہوں۔ اس سارے عذاب کے بعد سونے کے لیے اپنے کمرے میں جاتا ہوں اور چند گھنٹے بعد پھر جاتا ہوں تاکہ پھر وہی کام وہی تقریریں اور اسی عذاب کا سلسلہ شروع ہو۔

خاتون مزدور نادیا نے کہا: یہ لوگ جلسوں میں مزدوروں کی آزادی کی باتیں کرتے ہیں۔ ذرا سوچیے، ہمارے یہاں پارٹی کے حکم کے بغیر مزدور اپنی مرضی سے اپنا کام نہیں بدل سکتا۔ پارٹی کے حکم کے بغیر ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل نہیں ہو سکتا اور پارٹی کے حکم کے بغیر ایک محلے سے دوسرے محلے میں نہیں جاسکتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم پارٹی کے اندر غلام ہیں صرف ایک آزادی ہمیں حاصل ہے کہ اندر ہی اندر کمیونسٹ نظام پر لعنت بھیجیں۔

بلغاریا کی سرخ جہنم

ہم نے بلغاریا میں مسلمانوں کے حالات جاننا چاہے۔ کمیونسٹ انقلاب

مسلم تعداد گھٹ رہی ہے: کے بعد بلغاریا میں مسلمانوں کی تعداد گھٹ کر صرف چھ لاکھ رہ گئی ہے۔ یہ لوگ ہزاروں مسلمانوں کے قتل، ذبح اور جلاوطن کیے جانے کے بہت سے واقعات بتاتے ہیں۔ ہم نے مسلمانوں کے مفتی صاحب کے بارے میں پوچھا، معلوم ہوا مفتی صاحب کے لیے کسی سے ملاقات کرنا منع ہے۔ یہ کمیونسٹ پارٹی کے تابع ہیں اور پارٹی کی اجازت کے بغیر کسی سے نہیں مل سکتے۔

ہم نے مسلمانوں سے پوچھا، ان کا کوئی آدمی کسی بڑے عہدے پر بھی فائز ہے؟ انھوں نے بتایا ان کا کوئی آدمی کسی بڑے عہدے پر فائز نہیں ہو سکتا، جو لوگ دین اسلام سے چپکے رہ گئے ہیں، حکومت انھیں شک وشبہے کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اور بالآخر کمیونسٹ حکومت نے اللہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ تمام اخبارات کو حکم ملا ہے کہ لادینیت کی دعوت دینے کے لیے مضامین لکھیں، اسلام اور عیسائیت پر حملے کریں، ریڈیو کو حکم ہے کہ وہ قوم کو مذہب کے خطرات سے آگاہ کرے۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو حکم ہے کہ طلبہ کو یہ لکھ دیا جائے کہ مذہب ایک لغویات ہے

مسجد اور گرجوں کی حاضری سے قوم کی محنت ضائع ہوتی ہے اور اس کی عقل خرافات سے بھر جاتی ہے۔ مذہب کے خلاف جنگ کے پہلو بہ پہلو بدکاری کی کھلی دعوت بھی جاری ہے۔ کمیونسٹ حکومت کے خرچ پر اسقاط حمل کی کارروائیاں کی جاتی ہیں۔ ہر لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ حاملہ ہو اور کسی بھی نرسنگ ہوم میں جاکر حمل گروالے۔ عورت اور شوہر کے تعلقات کا احترام باقی نہیں رہا۔ شراب نوشی عام ہے۔ لوگوں کے پاس شراب کے علاوہ غم غلط کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں۔ آپ رات کو نشے میں مدہوش دائیں بائیں لڑکھڑانے والوں سے سڑکیں بھری پائیں گے۔

بلغارین قوم کمیونسٹ پارٹی کے طغیان سے تنگ ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کے

عصمت دری کی زندگی ممبر جس بدہضمی اور عصمت دری کی زندگی گزار رہے ہیں، اس کے متعلق لوگوں میں بہت سے واقعات اور قصے مشہور ہیں۔ ہر کمیونسٹ لیڈر کا ایک خاص حرم ہے جو کئی معشوقاؤں کا مجموعہ ہے اور بیشتر معشوقائیں سرکاری ملازمین کی بیویاں ہیں۔ صوفیا میں لوگ کہتے ہیں کہ سرکاری ملازم کے لیے کسی بڑے عہدے تک پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اس ملازم کی بیوی کسی بڑے لیڈر کی معشوقہ بن جائے۔ بارہا صوفیا کے باشندے یہ خبر پڑھتے ہیں کہ فلاں ڈائرکٹر کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا، پھر ہنس کر آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے لیڈر صاحب اپنی معشوقہ کو جو اس ڈائرکٹر کی بیوی ہے، بدل کر کوئی نئی معشوقہ لانا چاہتے ہیں۔ اور معشوقاؤں کی تبدیلی کے ساتھ ہمیشہ بڑے عہدوں میں کوئی بڑی تبدیلی آتی ہے

قوم حکومت سے ہم آہنگ نہیں۔ وہ کمیونزم نظام سے اندھی نفرت رکھتی ہے

بدبخت ترین قوم مجھ سے ایک بلغارین سرکاری ملازم نے کہا: ہم لوگ دنیا کی سب سے بدبخت قوم ہیں۔ اس کھڑکی سے دیکھو۔ اس عورت کی عمر اسی سال ہے۔ وہ سڑک پر جھاڑو دے رہی ہے۔ ایسا ہی وقت کھانا پاسکتی ہے جب جاڑے میں برف اور گرمی میں مٹی ڈھوئے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کمیونسٹ نظام بوڑھوں کا ذمہ دار ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ تم سڑک پر نکل کر کسی بھی آدمی کا لباس دیکھ کر اس کی عمر کا فیصلہ کرسکتے ہو۔ جس آدمی کے کپڑے کچھ ٹھیک ٹھاک ہوں، وہ جوان ہے، اور جس کے کپڑے پھٹے پھٹے ہوں وہ بوڑھا ہے، تم سمجھوگے کہ شہر کا ہر بوڑھا بھکاری ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک مزدور یا سرکاری ملازم کو جو روزی دی جاتی ہے اس سے ایک بھکاری سے اچھی زندگی گزارنی ممکن ہی نہیں۔ لوگ صوفیا میں بیان کرتے ہیں کہ کمیونسٹ حضرات قیادت کے منصب پر متکبرین اور بالیاقت افراد کو نہیں رکھتے بلکہ سنگدل قصائیوں کو رکھتے ہیں۔ کمیونسٹ اجتماعی قتل کو جرم نہیں سمجھتے۔

بقیہ ص ۹ پر

بیدار افغان

عبدالوہاب حجازی

پامیر کی عظمت ہے ترے عزم کی تمثیل بازوئے جواں بخت ترا شہپرِ جبریل
ہر نقشِ کفِ پا ہے ترا اک خطِ تقدیر ہے نعرۂ تکبیر ترا صورِ سرافیل

ہو چین کی دیوار کہ ہوں راکٹ و راڈار اک روس ہی کیا سارا جہاں ہو سرِ پیکار
خاطر میں نہ لائے ہیں نہ لائیں گے کسی کو پُر پیچ پہاڑوں کے یہ پالے ہوئے احرار

دریا میں ترے اجنبی موجوں کا گزر ہو صحرا میں ترے ملحدِ روسی کا سفر ہو
یہ بات نہیں تجھ کو کسی شکل گوارا گو خون سے رنگین ہر اک دشت ہو دَر ہو

بمبار جہازوں کے برستے ہوئے گولے آبادیوں، باغوں سے یہ اٹھتے ہوئے شعلے
چنگیز و ہلاکوئے زمانہ کا یہ آشوب افغانی جانباز کے ایماں کو نہ تولے

اے قاتلِ بغداد کے فرزند! خبردار افغان جیالے ہیں، ہنرمند، خبردار
آبِ گرمِ پاک کا اک جرعۂ جاں بخش ہوگا نہ ترے حق میں صحت مند خبردار

تو اُمتِ مرحوم کی سرحد کا ہمالہ — یہ عزم و یقیں تیرا ہے ملت کا سنبھالا
قفقازی و قرغیزی و تورانی و ارمن — آئینہ ہے ان کو ترے ایماں کا اجالا

یہ روس یہ مفتونِ جبیں سائی سرِ طاں — عیار یہودی کے تفلسف سے ہے حیران
بے دین نصاریٰ کی جہالت کا یہ مجنوں — ہے اس کا مداوا فقط افغان کا ایقان

یورپ کو کوئی مرا پیغام سنا دے — بھٹکے ہوئے رہرو کو کوئی راہ دکھا دے
یہ ایشیا نبیوں کی صداقت کی زمیں ہے — اک احمد مرسل کے لیے قلب میں جا دے

بقیہ ہماری نظر میں

میں فردوس پبلی کیشنز دہلی نے آفسیٹ ایڈیشن نکالا ہے جو اپنے معیار اور حسین طباعت کی بنا پر نکھار بن گیا ہے۔

(ع۔م۔) ●●●

خلاصہ مطالب قرآن : جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن

ناشر: فردوس پبلی کیشنز دہلی ۶

زرِ تعاون: ۲۰ روپے ، صفحات : ۲۴۸

یہ کتاب قرآن کی سورتوں کے مضامین کا خلاصہ ہے۔ شروع میں قرآن کریم کی فضیلت اور آداب تلاوت پر ۱۰ صفحات کا ایک مقدمہ ہے اور ۱۲ صفحات میں کتاب کے مضامین کی فہرست ہے۔ کتاب آفسیٹ پر چھپی ہے۔ عام قاری اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ قرآن شریف کی تلاوت اور ترجمہ پڑھتے وقت اس کتاب کو سامنے رکھیں تو مضامینِ قرآن سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

(ع۔م۔) ●●●

عالمِ اسلام

قبرص : (آزاد ترک جمہوریہ کا قیام)
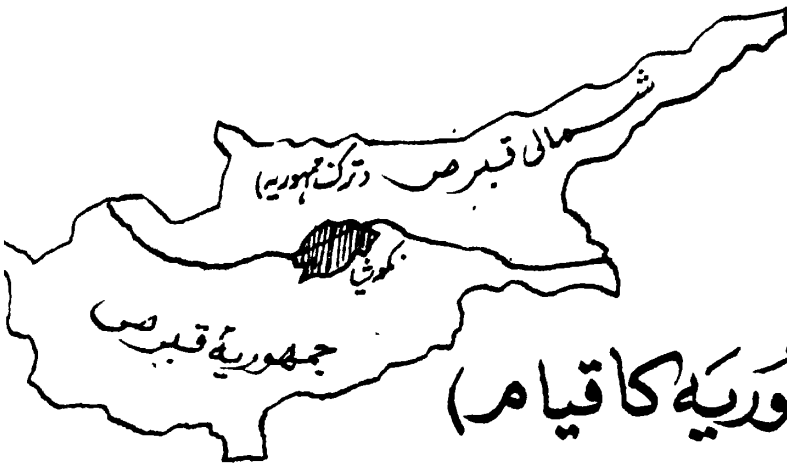
شمالی قبرص (ترک جمہوریہ)
نکوشیا
جمہوریۂ قبرص

۱۵ نومبر ۱۹۸۳ء کو مسلم قبرص کے ترک رہنما مسٹر رؤف ڈنکتاش نے مسلم اکثریت کے شمالی قبرص کی آزادی اور اس کے مستقل اور علیحدہ جمہوریہ ہونے کا اعلان کردیا۔ جس سے مشرق و مغرب کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی اور اس جہان آب و گل پر بی خدائی کا ڈنکا پیٹنے والے برہم اور ششدر رہ گئے۔

قبرص کا جزیرہ بحیرۂ روم میں ساحل ترکی سے ۴۴ میل، شام سے　　۶۴ میل، مصر سے ۲۴۰ میل اور یونان ے چار سو میل دور نہایت نازک فوجی اہمیت کے مقام پر واقع ہے۔ اسے تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ے عہد خلافت میں امیر معاویہ نے ۲۸ھ میں فتح کیا اور باشندگان جزیرہ کی بدعہدی پر ۳۳ھ میں دوبارہ فتح کرکے بارہ ہزار رج بٹھادی۔ تب سے یہ مسلسل اسلامی جزیرہ رہا۔ تا آنکہ صلیبی حملہ آوروں نے ۵۷۷ھ میں اس پر اپنا تسلط قائم کرلیا ر ۸۳۲ھ میں مصر کے مملوک سلطان برسبائی نے، پھر ۹۷۹ھ ۱۵۷۱ء میں ایک صلیبی وقفہ کے بعد ترکوں نے فتح کیا۔ ۱۸۷۸ء میں عیار انگریزوں نے روسی ملہ کے مقابلے کے بہانے اس جزیرہ کو ترک دوستوں سے پٹہ پر حاصل کرلیا۔ مگر اس بدعہد اور ملک خور قوم نے اسے ہڑپ ر کے ۱۹۱۴ء میں برطانوی نوآبادی قرار دیدیا۔ اور یہیں سے اس جزیرے کی بدقسمتی کا آغاز ہوا۔ فلسطین کی طرح اسے سی اسلامی کی بجائے ایک صلیبی جزیرہ بنانے کے لیے یونانیوں کو یہاں لا لا کر آباد کرنا شروع کیا گیا اور دوسری جنگ عظیم کے لتے کے بعد جب برطانیہ کو اپنے مقبوضات یکے بعد دیگرے چھوڑنے پڑے تو اس نے کوشش کی کہ اس جزیرہ کو چھوڑنے سے لے اسے ترک باشندوں سے پاک کردیا جائے چنانچہ ۱۹۵۵ء سے ترکوں کے خلاف یونانی درندوں کے ہاتھوں بڑے پیمانے دہشت گردی کا سلسلہ شروع کردیا گیا۔ ادھر یونانیوں کی مسلسل آبادکاری کے نتیجے میں آبادی کا تناسب اس حد تک بگڑ گیا

کہ ترک باشندے جو ۵۰ فی صد تھے ان کا تناسب گھٹ کر بائیس فی صد رہ گیا اور اٹھہتر فی صد یونانی ہو گئے، جنھوں نے ترکوں کی املاک، مکانات، کھیتوں، کارخانوں اور ذرائع آمدنی پر قبضہ کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز ہتھکنڈے استعمال کیے اور دہشت گردی کا بازار گرم رکھا تاکہ بہرحال ترک ختم ہو جائیں۔ وہ ان نئے "صلیبی مجاہدین" کے لیے لوہے کا چنا ثابت ہوئے۔ جیسا کہ معلوم ہے برطانیہ کا دستور تھا کہ کسی ملک کو چھوڑنا پڑے تو وہاں کے باشندوں میں بدبختی کے بیج بو کر چھوڑو۔ اس نے یہاں بھی یہی کیا۔ چنانچہ اس جزیرے کو دہشت گردی کی لہروں کے حوالے کرنے کے بعد ۱۹۵۹ء میں اس نے اس کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ ترکوں نے اپنی قوت ثابت کر دی تھی۔ اس لیے ۱۹۶۰ء میں آزاد جمہوریہ قبرص کا جو دستور بنا اس میں ترکوں کے حقوق تسلیم کرنے پڑے۔ مگر تنگ دل اور تنگ نظر یونانیوں نے اسے عملاً نافذ کرنا گوارا نہ کیا اور منظم تیاریوں کے بعد ۱۹۶۳ء میں دستور کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتے ہوئے ترک باشندوں کے خلاف "زبردست صلیبی جہاد" شروع کر دیا، جس میں حکومت کے بمباز اور لڑاکا جہازوں نے بھی حصہ لیا۔ اور حالات اس حد تک ناگفتہ بہ ہو گئے کہ ۱۹۶۴ء میں اقوام متحدہ کی فوج کو دخیل ہونا پڑا مگر یونانی "مجاہدین صلیب" اس کے باوجود بھی اپنی "مجاہدانہ" سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ان کی منزل مقصود یہ تھی کہ قبرص کو خالص یونانی جزیرہ بنا کر یونان سے ملحق کر دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے مکمل تیاریوں کے بعد ایک منظم پلان کے تحت ۱۹۶۷ء میں پھر ترکوں کے خلاف وحشت و بربریت کا طوفان کھڑا کیا۔ یونانی فوج کے کوئی بیس ہزار سے زائد درندے بھی اس جزیرے پر ٹوٹ پڑے۔ ترک مسلمانوں نے کوئی آٹھ برس تک یعنی ۱۹۷۴ء تک ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا مگر اس منظم حملے کے سامنے ان کی قوت جواب دینے لگی۔ اور یہ بات واضح ہو گئی کہ اس صورتحال کا اگر اب بھی تدارک نہ کیا گیا تو ترک باشندے چن چن کر ختم کر دیے جائیں گے۔ اور وہ اپنی تمام بہادری کے باوجود یونان کی منظم فوج اور اس کے جدید اور خوفناک ہتھیاروں کا دیر تک مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

آزادی قبرص کے وقت یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ ترکی برطانیہ اور یونان، قبرص کی آزادی و خودمختاری کے ضامن رہیں گے۔ لیکن یونان تو دہی اس کی خودمختاری کے خاتمے پر تلا تھا اور برطانیہ کی مرضی بھی یہی تھی، لہٰذا اب یہ مرحلہ آن پہنچا تھا کہ ترکی ایک جانبدارانہ اقدام کر کے اس جزیرے کی آزادانہ حیثیت برقرار رکھے اور اپنے ہم نسل ترکوں کو یونانی دہشت گردوں کے چنگل سے نجات دلائے۔ چنانچہ ۲۰ جولائی ۱۹۷۴ء کو ترکی کی بحری بری اور فضائی فوج نے اس جزیرے پر یلغار کر دی۔ اور دیکھتے دیکھتے شمالی قبرص کا ۲/۵ حصہ یعنی چالیس فیصد جو ترک آبادی پر مشتمل تھا، ظالموں کے خونین پنجۂ استبداد سے آزاد کرا لیا۔

اس کے بعد سے ابتک اس جزیرے کو متحد رکھنے بلکہ کرنے کے لیے بین الاقوامی پیمانے پر کئی جتن کیے گئے مگر اسلام دشمنی کے جذبے سے چور یونانیوں کے دل میں اتنی جگہ پیدا نہ ہو سکی کہ قبرصی ترکوں کے بنیادی انسانی حقوق تسلیم کریں بالآخر جب مصالحت کے سارے امکانات مسدود ہو گئے تو قبرص کے ترک رہنما رؤف دنکتاش نے جرأت رندانہ سے کام لے کر اس خود دارانہ فیصلہ کا اعلان کر دیا جو قوموں کے حقوق سے کھلواڑ کرنے والے مشرق و مغرب کے بقلم خود ٹھیکیداران عالم پر بجلی بن کر گرا۔ اور ان کے ذرائع ابلاغ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔ ایک مغربی اجارہ دار نے اسے "خود ساختہ" جمہوریہ کہا۔ گویا قوموں کو اپنی قسمت کے فیصلے کا خود کوئی حق نہیں۔

ہمارے ملک میں

اس مسئلہ پر ہمارے ملک کے لیڈروں کی نوحہ حرکات اور قلابازیاں بھی لائق دید ہیں وہ مذکورہ اقدام کو "غیر قانونی" کہہ کر اس ترک جمہوریہ کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، حالانکہ قبرصی ترکوں کے ساتھ اتنا کچھ ظلم ہوا تھا کہ مشرقی بنگال کے باشندوں کے ساتھ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا تھا۔ مگر اتنی سی بات پر مشرقی بنگال کو پاکستان سے علیحدہ کر کے ایک آزاد جمہوریہ بنگلا دیش بنا دینا اتنا "اہم اور مقدس" سیاسی فریضہ ٹھہرا کہ اس مقصد کے لیے لاکھوں جوانوں کی زندگیاں اور اربوں کے گولہ بارود داؤں پر لگا کر بے دھڑک بین الاقوامی سرحد پار کر دی گئی۔ مگر شمالی قبرص کے مظلوم ترکوں نے پچیس سال کے طویل اور صبر آزما مظالم سے تنگ آکر اور مصالحت کی کوششوں سے مایوس ہو کر اپنی آزادی کا اعلان کیا تو یہ ایسا غیر قانونی اقدام ٹھہرا کہ اس کا گلا گھونٹ دینا ضروری ہے بھلا آپ اس دو رخی پالیسی کی کوئی منصفانہ توجیہ کر سکتے ہیں، ؟ ۔ البتہ غالباً اسلام دشمنی اور مسلم کشی وہ مقصدی بنیادی پتھر اور اصل الاصول ہے جس کی بنا پر ہمارے لیڈروں کی نظر میں ایک کام ایک جگہ مقدس فرض اور "انسانی آدرشوں" کا لازمی تقاضا بن جاتا ہے اور دوسری جگہ بعینہٖ وہی کام غیر قانونی اور مجرمانہ۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لیے فوجی اقدام اور قبرصی ترکوں کی علیحدگی پر کہرام و واویلا۔ افغانستان پر روس کے جارحانہ اور انسانیت سوز حملے کے لیے وکیل صفائی کا رول اور گرینا ڈا پر امریکی حملے کے خلاف چیخ و پکار۔ سندھ کے علیحدگی پسند اور دہشت گرد "لونگیوں" کی حمایت میں گرما گرم بیانات اور پنجاب کے مذہبی اور سیاسی حقوق کا مطالبہ کرنے والوں پر ضرب۔ آسام میں مسلمانوں کے قتل عام پر زبان کھولنے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ اور لنکا کے نسلی فساد پر لنکا کے خلاف سیاسی چڑھائی (حالانکہ لنکا کا فساد آسام کے قتل عام کا عشر عشیر بھی نہ تھا) ۔ یہ ساری دو رخی حرکتیں اسی اصل الاصول کی غمازی کرتی ہیں کہ اسلام دشمنی ہمارے سیاسی رہنماؤں کی گھٹی میں پڑی ہے۔ خواہ اس کے اوپر جمہوریت اور سیکولرزم کے کتنے ہی پردے کیوں نہ ڈال دیے جائیں۔ ●●●
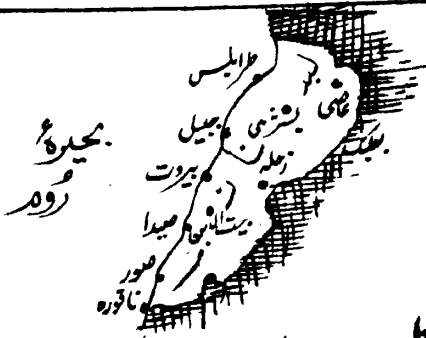
طرابلس لبنان:
سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہِ سوزناک

لبنان اس وقت تریخ دتیغ مصائب و آلام کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اور یہاں دنیا کے جلاد استخواں خوروں کی کئی سازشیں بیک وقت چل رہی ہیں۔ یعنی اب لبنانی مسلمانوں اور فلسطینیوں کی مکمل تباہی کے لیے بین الاقوامی جلادوں نے تلوار سونت لی ہے۔ چنانچہ ایک طرف لبنان کے اصل فریق یعنی سنی مسلمانوں کو نظر انداز کر کے مختلف استخواں خوروں اور ملت فروشوں نے لبنانی لاش سے اپنا اپنا حصہ نوچنے کے لیے جنیوا میں گفتگو کی میز سجائی ہے تو دوسری طرف بین الاقوامی جلادوں کے بھاڑے کے ٹٹو حافظ اسد (صدر شام) اور معمر قذافی (لیبیا کے آمر بے لگام) نے فلسطینیوں کے آخری گڑھ اور سنی مسلمانوں کے مرکزی شہر طرابلس کو حماۃ کی طرح پیوند خاک کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی کا زور لگا رکھا ہے۔

طرابلس میں برپا قیامت صغریٰ کو عالمی خبر رساں ایجنسیاں یا سر عرفات کے حامیوں اور مخالفوں کی باہمی جنگ سے تعبیر کر رہی ہیں۔ مگر یہ سفید جھوٹ ہے۔ یاسر عرفات کے باغی اپنی تعداد سے لے کر ہتھیار اور خوراک کے ذخیروں تک اتنے مختصر اور حقیر ہیں کہ انھیں بین الاقوامی پشت پناہی حاصل نہ ہوتی تو وہ اپنے ٹھکانوں ہی میں دم توڑ دیتے اور بین الاقوامی پشت پناہی کے باوجود اگر تنہا وہ میدان میں آتے تو بھی یاسر عرفات کے حامیوں کے سامنے ٹک نہ سکتے تھے لیکن یہاں جو صورتحال ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائی حملہ جو بعد کے حملوں کے اعتبار سے چھوٹے ہی پیمانے کا تھا اس میں سوا سو سے زیادہ توپ خانوں اور بھاری تعداد میں ٹینکوں اور آرمرڈ کاروں نے حصہ لیا۔ ابتدائی حملہ ہی میں فلسطینی کیمپ پر بیس ہزار سے زیادہ راکٹ برسائے گئے۔ ہر ایک منٹ میں ستر گولے گر رہے تھے۔ اور اسی وقت فلسطینی خبر رساں ایجنسی وفا نے کہا تھا کہ اس حملے میں شام کی ایک ٹینک بٹالین ایک توپ بٹالین اور ایک عام بٹالین، اسی طرح لیبیا کی ایک ٹینک

بٹالین اور ایک انفنٹری بٹالین شریک ہے۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس محاذ آرائی کے دوران کچھ حملہ آور فوجیوں کا جذبۂ اخوت و غیرت ایمانی جاگ اٹھی تو چار فوجی یونٹیں یاسر عرفات سے آملیں۔ اور یہ سب شامی فوجی تھے پھر عرفات حامیوں کا بداوی کیمپ شہر سے باہر اتنے فاصلے پر ہے کہ جنگ کی زد شہر پر نہیں پڑ سکتی۔ نہر بارد کا کیمپ اس سے بھی دس کلومیٹر دور تھا۔ مگر حملہ آوروں کے گولے شہر ہی پر شروع سے اندھا دھند گرتے رہے ہیں۔ ادھر آغاز جنگ ہی سے امریکہ کا بحری بیڑہ ساحل طرابلس کے سامنے لنگر انداز ہے۔ اسرائیلی جنگی کشتیاں ساحل کا مسلسل چکر لگا رہی ہیں اور اسرائیلی لڑاکا طیارے طرابلس پر برابر منڈلاتے رہتے ہیں۔ یہ چند حقائق اس بات کا پتہ دینے کے لیے کافی ہیں کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے ایک بھیانک بین الاقوامی سازش کے تحت ہو رہا ہے۔ یہ محض دو فلسطینی گروپوں کا جھگڑا نہیں بلکہ یہ تنظیم آزادی فلسطین "الفتح" کو ختم کرنے اور مسئلہ فلسطین کو ہمیشہ کے لیے دفن کرنے کا گھناؤنا بین الاقوامی اقدام ہے۔ آئیے نقاب سرکا کر ذرا ان مکروہ چہروں کو دیکھتے چلیں۔

اس مرحلے پر ہمیں اسرائیل کا نام لینے کی ضرورت نہیں کہ فلسطینیوں کا خاتمہ اور مسلمانوں کی تباہی امت صہیون کا سب سے بڑا گوہر مقصود ہے۔ اور وہ سازشوں کی تخلیق اور تباہ کاریوں کی پلاننگ میں دنیا بھر کے جلادوں کے استاد ہیں۔ امریکہ کی اسلام دشمنی جس پر عموماً مفاد پرستی کی کوکھ سے نکلے ہوئے فریب دوستی کا غازہ چڑھا رہتا ہے، اب عالم آشکارا ہے اور اس کے مغربی اتحادی، برطانیہ، فرانس، اٹلی، جرمنی وغیرہ اس کے محرم راز اور نقش پا کے پیروکار ہیں۔ عالم عرب کے اسلام پسند حکمراں دونوں ہمیں سے دوچار اور جناب خمینی کی نگاہ التفات کا شکار ہیں۔ خمینی صاحب میں اس وقت اپنے حملوں میں شدت لاتے ہیں جب دشمنان اسلام کو مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام کرنا ہوتا ہے۔ مصر یہودیوں کو نقد دل دے چکا ہے۔ اردن اپنی مٹھی بھر فوج سے حالات کا رخ بدلنے پر قادر نہیں، اس پر مستزاد یہ کہ ایک طرف امریکی چالوں اور چالبازیوں کا الجھاوا ہے اور دوسری طرف شامی توپوں کے دہانے۔ لیبیا کا معمر قذافی کمیونزم کی عشوہ طرازیوں کا ایسا مسحور ہے کہ اس نے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناصب رسالت اور حدیث کی تشریعی حیثیت کا انکار کر دیا ہے بلکہ قرآن پر بھی ہاتھ صاف کر چکا ہے اور کمیونزم کے سب سے بڑے حلیف یتجہ فکس اور رقیب حوصلہ شکن دین اسلام کو نابید کرنے پر تل گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے کبھی وہ سوڈان پر برستا ہے، کبھی چاڈ پر، کبھی مصر کو آنکھیں دکھاتا ہے اور کبھی مکہ مدینہ فتح کرنے کے ناپاک خواب دیکھتا ہے۔ اسے نہ اندر مقبولیت حاصل ہے نہ باہر، مٹھی بھر ابن الوقت جلادوں کو مسلح کر کے خلق خدا کو کچل رہا ہے۔ اس لیے اسلام دشمن روسیوں کی تائید حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہے۔ شام کا صدر حافظ الاسد یعنی کمیونسٹ ہونے کے علاوہ

نصیری شیعہ بھی ہے۔ یعنی کربلا اور نیم چڑھا۔ اندرونی جوڑ توڑ اور محلاتی سازشوں میں گانٹھ کا پورا اور فریب کا پکا۔ مددرجہ تنگ دل اور سنگ دل۔ اسلام دشمنی میں ڈوبا ہوا۔ اور اہل سنت کے لیے چنگیز زمانہ۔ نہ اندر مقبول نہ باہر۔ مگر فرقہ پرست نصیریوں کی مدد سے شام کی گدی سے چپکا اہل سنت کے قتل میں مصروف ہے۔ اس کے سر پر روس بھی ہے جس نے اسرائیل کے تحفظ کی ضمانت دے رکھی ہے اور امریکہ بھی۔

یہ ہیں چند چہرے جن کے اوپر سے لبنان کی خونیں چادر کا پردہ ہٹائیے تو ان کے خط و خال پر لکھی ہوئی قرارداد مقاصد پڑھنے میں دشواری نہ ہوگی۔ آئیے ذرا ان قراردادوں کو پڑھتے چلیں۔

دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل امریکہ کی ایک فوجی چوکی ہے۔ امریکہ مشرق وسطیٰ پر اپنا پنجۂ استحصال گاڑے رکھنے کے لیے اس چوکی کا تحفظ اور چھوٹے بڑے ہر خطرے کا تدارک اپنا فرض اولین سمجھتا ہے۔ لیکن شاہ فیصل مرحوم نے ۳ ۷ کی جنگ اکتوبر کے موقع پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف مومنانہ پامردی پر مبنی جو اقدام کیا تھا اس سے امریکہ نے یہ حقیقت سمجھ لی ہے کہ اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کی حد سے بڑھی ہوئی تذلیل اور حق تلفی ایسا تند رد عمل پیدا کر سکتی ہے جس کے نتیجے میں اس کا سفینۂ مفادات ہی غرق ہو سکتا ہے۔ اور یہ خطرہ اس وقت بہت قریب نظر آنے لگا تھا جب صبرا اور شاتیلا کے فلسطینی کیمپوں کے اندر قتل عام پر عربوں کی برہمی ریڈیو اسٹیشنوں سے بات کی جگہ شعلے اگل رہی تھی۔ اس لیے امریکہ اسرائیلی عینک لگا کر بیگن منصوبۂ امن کی روشنی میں اس گتھی کو سلجھانے کے لیے مختلف پتے الٹ

پلٹ رہا ہے

پسند

روس کو یاسر عرفات کا پکا حامی اور سرپرست سمجھا جاتا ہے مگر روس کی یہ مستقل تاریخ ہے کہ اس نے جس اسلام ملک یا طبقے سے دوستی کی اس کے شکم میں چھرا گھونپا۔ الفتح تنظیم اصلاً دین پسندوں نے اسلامی جذبات کے تحت قائم کی تھی لیکن فلسطینی عیسائی تنظیموں کے ساتھ اشتراک عمل کے لیے اسے سیکولرزم کا جامہ پہنا دیا گیا تھا۔ جس میں روس دوستی کے سبب کمیونزم کے کھوٹ بھی خاصی مقدار میں آگئے تھے۔ مگر قائدین تنظیم کی اسلام پسندی اس آگ میں مکمل طور پر پگھل نہ سکی چنانچہ لبنان کی خانہ جنگی میں جب فلسطینیوں کو زبردستی ملوث کر دیا گیا تو یہ تنظیم برابر مسلمانوں یعنی اسلام پسند اہلسنت کے شانہ بشانہ رہی۔ اور یہ دونوں مل کر شام کے بعض کمیونسٹوں اور لبنان کے تعدامی کمیونسٹوں کے حملوں کا نشانہ بنتے اور ان کا جواب دیتے رہے۔ اس لیے روس بھی چاہتا ہے کہ اب فلسطینیوں کی اس تنظیم کا وجود ختم کر دیا جائے اسی لیے طرابلس کے حالیہ حملے میں شام کے پہلو بہ پہلو روس کا دوسرا غلام بے دام لیبیا بھی کود پڑا ہے اور خود لیبیا کے اندر سے

ں اس تنظیم کے سارے افراد کو ہٹا کر کے نکال دیا ہے ۔

چونکہ شام اس تنظیم کے خاتمہ کے لیے آلۂ کار کا کردار ادا کر رہا ہے ۔ اس لیے ذرا پیچھے پلٹ کر فلسطینیوں سے اس کے
لقات کی نوعیت پر بھی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے ۔ اور امریکہ شام تعلقات کی حقیقی صورت سے پردہ ہٹانے کے علاوہ الفتح
خاتمے میں مضمر روس، امریکہ اور شام تینوں کے مفادات کا کھوج لگانے کی بھی ضرورت ہے

شام میں فلسطینیوں کی آمد ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی شروع ہوئی ۔ اسلامی اخوت کا رشتہ کافی
ا کبھی دونوں قوموں میں تعلقات کی نوعیت کا سوال ہی نہ اٹھا ۔ حکومت کا رخ بھی اسلامی سیاست کی طرف تھا ۔
انکہ ۸ مارچ ۱۹۶۳ء کو بعث پارٹی نے اقتدار پر قبضہ کر لیا ۔ اور اس کے بعد تعلقات کا لفظ سرکاری ذرائع ابلاغ میں
شروع ہو گیا ۔ شامی حکومت مسئلہ فلسطین کے دستر خوان پر اپنا حصہ لگانے کی فکر میں تھی ۔ اس وقت الفتح کو شامی
زمین پر فوجی ٹریننگ کے کیمپ قائم کرنے کی اجازت تھی ۔ ان کے بیانات بھی شامی ذرائع ابلاغ نشر کرتے تھے ۔ لیکن
مقصد یہ تھا کہ اس تنظیم کے رازہائے سربستہ سے آگاہ رہے اور فلسطین کے پرجوش حامیوں کا منہ بھی بند رکھا جائے ۔

۱۹۶۶ء میں زعین آتاسی برسر اقتدار آیا تو اس نے یہ الزام لگا کر کہ الفتح دائیں بازو کی تنظیم ہے ۱۹۶۸ء میں صاعقہ نام کی
یک الگ فلسطینی تنظیم قائم کی ، اس تنظیم نے شامی حمایت کے سایہ میں بیٹھ کر اردن کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا جس سے
ام اردن تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے ۔ ۲۶ جولائی ۷۰ء کو مصر و اردن نے ولیم روجرس کا پیش کردہ امریکی منصوبۂ امن
ل کر لیا ، جبکہ شام اور فلسطینی تنظیموں نے اسے رد کر دیا ۔ اس پر تعلقات اتنے کشیدہ ہوئے کہ فلسطینیوں نے شاہ حسین کا
تہ الٹنے کے لیے راست اقدام کر دیا ۔ شام نے بھی دو بٹالینیں اردن پر چڑھا دیں مگر اردن نے دونوں کو پیٹ لیا ۔
ں وقت حافظ اسد وزیر دفاع تھا ۔ جنگی منصوبہ بندی میں زعین آتاسی سے اس کا اختلاف ہو گیا اور اس کے نتیجے میں
اسی کا تختہ الٹ کر حافظ اسد نے خود شام کی زمام حکومت تھام لی ۔

حافظ اسد نے برسر اقتدار آنے کے چند ہی ماہ بعد شامی سرزمین سے اسرائیل کے خلاف تمام فدائیانہ کارروائیاں
ند کرا دیں ۔ بعد میں فلسطینیوں کی سیاسی سرگرمیوں پر بھی پابندی عائد کر دی اور سرحد کے قریب کی ساری آبادیوں سے مسلح
سطینیوں کو نکال دیا ۔ فلسطینی کیمپوں اور فوجی ٹریننگ کے مراکز پر پہرے بٹھا دیے ۔ یہ کارروائیاں درحقیقت ۱۹۷۳ء
جنگ کے بعد شامی اسرائیلی فوجوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی خاطر امریکہ کی اطاعت کے ثبوت کے لیے تمہیدی
اقدامات کا درجہ رکھتی تھیں ۔ چنانچہ امریکہ نے اس بات کا مکمل اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب شامی سرزمین سے فلسطینیوں کی چھاپہ مار

کارروائیاں قطعاً نہ ہوں گی، ہنری کسنجر کی وساطت سے جنیوا مذاکرات میں دونوں فوجوں کی علیحدگی کا معاہدہ کرایا۔ اس کے بعد ۶ر نومبر ۱۹۷۳ء کو امریکی صدر رچرڈ نکسن نے بے نظیر استقبال کے جلو میں دمشق کا دورہ کیا جو دونوں ملکوں کے انتہائی خوشگوار تعلقات کی علامت تھا۔ ظاہر ہے در پردہ اس کی کوئی قیمت ضرور مقرر ہوئی تھی۔ چنانچہ اس دورے پر ایک مہینہ بھی نہ گذرا تھا کہ شام میں موجود فلسطینیوں کی بڑے پیمانے پر گرفتاری ہوئی اور ان کے ہتھیار ضبط کر لیے گئے۔ چونکہ اس وقت سادات اور کسنجر میں صحرائے سینا کے مسئلہ پر گفتگو چل رہی تھی اور اس کی وجہ سے مصری آسمان پر صرف مایوسی کے سیاہ بادل دیکھے جا سکتے تھے۔ اس لیے شامیوں کے ان ظلم کے باوجود مجبوراً فلسطینیوں نے شام کے پروگرام سے اتفاق کیا اور ۸ر مارچ ۱۹۷۵ء کو متحدہ شامی فلسطینی کمان کی تشکیل کا اعلان کیا گیا۔ مشترکہ کمیشن بھی بن گیا، جس کے دمشق میں کئی اجتماعات ہوئے، لیکن حاصل اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ یہ سب فلسطینیوں کو اپنا پالتو جانور بلکہ یرغمال بنا کر ان کے نام پر ان کے اجارہ دار کی حیثیت سے مالدار عرب ملکوں سے مال اینٹھنے کے لیے جھوٹے شامی پروپیگنڈے کا ایک ہتھکنڈہ تھا۔ اور ساتھ ہی امریکہ اور اسرائیل سے اپنے خفیہ اور ظاہری تعلقات کی قیمت۔

ابھی یہ ڈرامہ اسٹیج ہو ہی رہا تھا کہ لبنان میں ۱۹۷۵ء کی خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے اور عیسائی فلانجسٹوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ فلسطینی اس خانہ جنگی سے الگ تھلگ بلکہ صورتحال کو سنبھالنے میں کوشاں تھے مگر فلسطینی تنظیم آزادی الفتح کے مکمل خاتمے کے لیے شام امریکہ اور اسرائیل کے سہ رخے پلان کے تحت ہنستے فلسطینی مردوں کی پوری ایک بس پر قاتلانہ حملہ کر کے انھیں بھی اس خانہ جنگی میں جبراً گھسیٹ لیا گیا۔ مگر یہ کام عیسائیوں کے لیے مہنگا ثابت ہوا۔ مسلمان اور فلسطینی مل کر بیروت میں عیسائیوں کے آخری محلے تک جا پہنچے اور فلانجسٹ کوئی دم بھر کے مہمان رہ گئے۔ ٹھیک یہی وقت تھا جب امریکہ کے صدر جمی کارٹر نے شام کو ہری جھنڈی دکھلائی۔ چنانچہ ایک طرف شام کے پروردہ اور خمینی کے مقرر کردہ نقیب شیعہ عالم موسیٰ صدر نے دروزیوں کو مسلمانوں سے الگ کر کے ان کے پہاڑی ٹھکانوں پر واپس کر دیا اور دوسری طرف شامی فوجوں کا غول لبنان میں داخل ہو گیا۔ اور مسلمانوں اور فلسطینیوں کو مار کاٹ کر مغربی بیروت میں ڈھکیل دیا، اور پوری مسلم آبادی اور فلسطینی کیمپوں کو مکمل طور پر نرغے میں لے لیا، اس کام میں شام کی دو پالتو فلسطینی تنظیموں الصاعقہ اور جیش آزادی نے بھی شام کا پورا پورا ہاتھ بٹایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام اور الفتح میں کشیدگی عروج کو پہنچ گئی۔ اور دونوں نے ایک دوسرے پر سنگین الزامات لگائے۔ ٹکراؤ بھی جاری رہا۔ الفتح نے صاعقہ اور جیش آزادی کو اپنی تنظیم سے نکال دیا اور ان کے دفاتر بند کر دئے۔ دوسری طرف شام نے

۱۹۷۶ء کی گرمیوں میں عیسائی علاقے کی طرف واقع فلسطینی کیمپوں جسرالباشا، کرنتینا اور تل الزعتر پر فلانجسٹوں کو چڑھا دیا جہاں ۲۵ سے ۵۰ ہزار تک فلسطینی عورتوں بچوں اور جوانوں، بوڑھوں کا قتل عام ہو گیا۔ مگر بیروت میں الفتح کے دستوں کو شامیوں نے اتنی سختی سے گھیرے رکھا کہ یہ کسی طرح ان کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ تل الزعتر کے حادثے کے بعد بچے کھچے فلسطینیوں کو شامیوں نے جنوب میں ڈھکیل دیا۔ جہاں عیسائی ملیشیا انہیں لقمہ بنانے کی منتظر تھی۔ مگر یہاں یہ کامیاب ثابت ہوئے اس لیے بیروت کے محصور فلسطینیوں کو جنوب میں جنگ بند کروانے پر مجبور کیا گیا۔ فلسطینی وجود کے خاتمے کی اس شامی کوشش نے شام اور الفتح میں نہایت وسیع خلیج حائل کر دی۔

ادھر نومبر ۱۹۷۷ء میں سادات نے اسرائیل کا دورہ کیا جس پر شام و لیبیا نے نہایت شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے جنوبی یمن اور الجزائر سمیت دسمبر ۱۹۷۷ء میں لیبیا کے اندر ایک چھوٹے سائز کی عرب چوٹی کانفرنس منعقد کی اور مصری اسرائیلی مصالحت کے جواب میں ایک "صف آرا اور مد مقابل محاذ" تشکیل کیا۔ اس کے بعد شام اور الفتح نے باہم ایک دوسرے کے گرفتار شدگان کے تبادلے کیے۔ الفتح نے اسے ایک مثبت قدم سمجھ کر شام کے ساتھ اپنی تلخیاں بھلا دینی چاہیں۔ مگر جلد ہی ثابت ہو گیا کہ یہ محض فلسطینیوں کو پھانسنے اور اپنے ناپاک عزائم کو چھپانے کے لیے شام کا ایک گھٹیا ہتھکنڈہ ہے۔ چنانچہ ایک پس پردہ منصوبے کے تحت اس کے بعد ہی ۱۹۷۸ء میں اسرائیل کی طرف سے جنوبی لبنان پر حملہ ہوا۔ جس کے بعد شام و امریکہ میں یہ معاہدہ طے پایا کہ فلسطینیوں کو دریائے لیطانی پار نہیں کرنے دیا جائے گا۔ چونکہ لیطانی پار کیے بغیر سرحد پار اسرائیل پر ضرب نہیں لگائی جا سکتی تھی اس لیے اس معاہدہ کا مطلب یہ تھا کہ فلسطینیوں کی ساری سرگرمیاں ٹھپ کر دی جائیں۔ فلسطینی ایسی کوئی پابندی نہ خود قبول کر سکتے تھے نہ شام یا دنیا کی کسی طاقت کو ایسی پابندی کے معاہدہ کا حق دے سکتے تھے۔ چنانچہ فلسطینیوں نے ان کی پروا نہ کرتے ہوئے اسرائیل پر ضرب لگانے کا سلسلہ جاری رکھا جس کے نتیجے میں اسرائیل نے پھر جنوبی لبنان پر حملہ کیا۔ مگر اب کی بار فلسطینیوں نے ان کی بری طرح پٹائی کر دی۔ جس سے بڑبڑا کر اسرائیل کے سرپرستوں نے فوراً اقوام متحدہ کو دخیل کیا اور فائر بندی کرا کر بیچ میں اقوام متحدہ کی فوج بٹھا دی۔ فلسطینیوں کی اس "خودمختاری" پر حافظ الاسد کو سخت طیش آیا، مگر اندرون ملک حالات اس قدر الجھے تھے کہ وہ ادھر توجہ نہ دے سکا۔
البتہ اندر ہی اندر کھچڑی پکتی رہی اور مناسب وقت کا انتظار ہونے لگا۔ فروری ۱۹۸۲ء میں شامیوں نے حماۃ کے شہر کو بمباری کر کے اس کی باشندوں کے سروں پر الٹ دیا اور ۲۵ ہزار انسانوں کو تہ تیغ کر کے مخالفت کچل دی تو وہ اسرائیلیوں کے استقبال اور فلسطینیوں کے خاتمے کے لیے فارغ ہو گئے۔ ادھر خمینی صاحب نے ایران عراق جنگ بندی کی ہر کوشش ٹھکرا کر جب عراق کو

اپنی دانست میں گھٹنے ٹیکنے کے مرحلے پر پہنچا دیا اور کویت سے لیکر مسقط تک پورے عرب ساحل پر قبضہ کرنے اور مکہ و مدینہ میں انقلاب برپا کرنے کے زبانی گولے داغ داغ کر سارے عرب ملکوں کو اس مشرقی خطے کی طرف متوجہ رہنے پر مجبور کر دیا تو محسوس کیا گیا کہ اب لبنان میں فلسطینیوں اور ان کے حامی مسلمانوں کے خلاف کارروائی کا موزوں ترین وقت آگیا ہے چنانچہ جون ۱۹۸۲ء میں اسرائیلیوں نے یلغار شروع کی۔ شامی فوجیں ان کی راہ میں پڑتے والے اپنے مورچے انکی آمد سے پہلے ہی خالی کر کے مشرق اور شمال میں چلی گئیں۔ شام کے ہمنوا دروزی لیڈر ولید جنبلاط نے مختارہ میں اپنے گھر کے سامنے سے گزرتی ہوئی اسرائیلی فوج اور کمانڈروں کا استقبال کیا۔ چند چھوٹے چھوٹے فلسطینی مورچے دل کھول کر مزاحمت کرنے کے باوجود اپنے ہیڈکوارٹر بیروت تک پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ بیروت کا فلسطینی ہیڈکوارٹر نوے دن تک محصور اور بے یار و مددگار ہونے کے باوجود اسرائیل سے لڑتا رہا اور اس کو اپنی ”سرحد سرخ“ سے باہر رکھنے میں کامیاب رہا پھر فلسطینی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کی حفاظت کی زبردست بین الاقوامی ضمانتوں کے بعد بیروت چھوڑنے پر راضی ہو گیا۔ ان ضمانتوں کی حقیقت صبرا اور شاتیلا کے خاموش کیمپوں سے پوچھی جا سکتی ہے۔ اور ان ضمانتوں کے مضمرات یہ تھے کہ اس کے بعد لبنان کی سرکاری فوج جو چھ سال سے معلوم نہیں اپنا رخ زیبا کہاں چھپائے پڑی تھی مغربی بیروت میں ہتھیاروں کی تلاشی کے لیے داخل ہو گئی اور دنیا نے اس ”مہذب انصاف“ کا نمونہ دیکھا کہ قاتلوں کے بجائے مقتولوں کے یہاں ہتھیاروں کی تلاشی ہو رہی ہے۔ پھر اس تلاشی کے بہانے صدہا فلسطینی اور لبنانی نوجوانوں کو گرفتار یا لاپتہ کر دیا گیا۔ بہانہ یہ کہ شناختی کارڈ نہیں ہے۔ بھلا ایسے میں بھی کوئی شناختی کارڈ رکھتا ہے۔

شام نے یہی نہیں کہ اس لڑائی میں اسرائیل کو راستہ دیا تھا، بلکہ اس نے مختلف ممالک سے فلسطینیوں کو جانے والی تمام فوجی اور غیر فوجی امداد ضبط کر لی تھی۔ جس کا اثر یہ تھا کہ یاسر عرفات بیروت سے نکلے تو ان کا رخ شام کے بجائے یونان کی طرف تھا۔ اور جن فلسطینی زنگر ولوں نے دمشق کا رخ کرنے کی غلطی کی انھیں جنگی قیدی کی طرح کیمپوں میں رکھا گیا، تھوڑے ہی دنوں بعد الفتح کے چیف آف اسٹاف سعد صائل مشرقی اور شمالی لبنان میں الفتح کے مورچوں کا معائنہ کرنے گئے تو ز حلہ کے قریب تیس شامیوں نے ان پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ فلسطینی جانبازوں نے انھیں زخمی حالت میں بچایا مگر اسپتال میں شامیوں نے انھیں ذبح کر دیا۔ الفتح تلخ گھونٹ پی کر رہ گئی۔ اور اس جلاد سے ہٹ کر شاہ حسین سے گفت و شنید کی مگر اس پر شام نے بے پناہ پروپیگنڈے کے شور سے کچھ فلسطینیوں کو یہ یقین دلایا کہ یاسر عرفات اپنے اقتدار کے لیے فلسطین کا سودا کرنے جا رہا ہے، اس طرح کچھ جوشیلے فلسطینی سپاہیوں اور کچھ طالع آزما فلسطینی لیڈروں کو توڑ کر اپنے زیر سایہ ایک الگ فلسطینی تنظیم بنا دی اور اس کے ذریعہ فلسطین نیشنل کونسل کے الجزائری اجتماع کو سبوتاژ کرنا چاہا مگر منہ کی کھائی۔ اس کے بعد شام نے فلسطینی

اختلاف کی خلیج کو اور وسعت دینے کی کوشش کی۔ اور سال رواں کے ماہ مئی سے باغی فلسطینیوں کے پردے میں مشر
شمالی لبنان کے اندر موجود الفتح کے کیمپوں کو تاخت کر کر کے فلسطینیوں کو مارنا اور شمال کی طرف ڈھکیلنا شروع کیا
سب سمٹ سمٹا کر طرابلس کے نزدیک نہر بارد اور بداوی کے کیمپوں میں پہنچ گئے، جہاں اب انھیں کلی طور پر ختم کر کے مسئلہ فلسطین
کو ہمیشہ کے لیے دفن کرنے کی خدمت انجام دی جا رہی ہے۔

یہ سب کیوں کیا جا رہا ہے؟ اس کی کئی وجہیں ہیں ایک تو اسلام دشمنی جو حافظ اسد کے ملحدانہ اور فاجرا
پڑی ہوئی ہے اور جسے نصیریت اور کمیونزم نے دو آتشہ اور سہ آتشہ کر رکھا ہے۔ دوسرے حافظ اسد اندرون ملک
بیرون ملک قطعاً غیر مقبول ہے۔ اور محض اپنے مسلسل جوڑ توڑ اور دہشت گرد نصیری ٹولے کی بدولت لوگوں کی گردن پر سوا
اس لیے اسے داخلی تائید کے بجائے بیرونی حمایت پر تکیہ کرنا پڑتا ہے لہٰذا اس نے اپنے ملک کو روس اور امریکہ کے ہاتھوں گ
رکھ چھوڑا ہے اور یہ دونوں بڑی طاقتیں اسے حسب منشا استعمال کر رہی ہیں۔ روس کی اقتصادی کمر جنگ افغانستان کی
ٹوٹی جا رہی ہے۔ لہٰذا شام میں بیٹھے ہوئے اس کے ہزاروں مشیر ایسے خاکے تیار کرتے رہتے ہیں کہ شام کے ہاتھ میں ہمیشہ کو
ئی ترکپ بنا رہے تاکہ وہاں مسلمانوں کا قتل عام بھی کیا جا سکے۔ اور مالدار عرب ملکوں سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھ کر رو
حوالے بھی کی جائیں۔ فاس کی پہلی چوٹی کانفرنس کو شام نے اسی لیے ناکام بنایا تھا۔ کہ اس کا ۱۶ ارب ڈالر کا مطالبہ پورا
کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

ادھر امریکہ اسد کی اس پوزیشن سے الگ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اسرائیل کا تحفظ اس کا اولین فریضہ ہے
لیے ضروری ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ایک "جامع تصفیہ" کر کے "پائدار امن" قائم کیا جائے۔ ریگن امن منصوبے کا اعلا
مقصد کے لیے کیا گیا تھا، جس میں دریائے اردن کے مغربی ساحل پر حکومت اردن کے ماتحت ایک فلسطینی ریاست کا قیام تج
شرط یہ کہ وہ اسرائیل کی سلامتی کی ضمانت دے۔ چوں کہ الفتح نے یہ منصوبہ رد کر دیا اور وہی سارے عرب ممالک کے نزدیک فلسطینیوں
کی نمائندہ جماعت تسلیم کی گئی ہے۔ اس لیے ریگن نے مطالبہ کیا کہ عرب ممالک اس تنظیم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں
دوسرے عرب ممالک نے تو چپ سادھ لی مگر شام نے فوراً ابو موسیٰ سے اعلان بغاوت کرا کر الفتح میں پھوٹ ڈلوا دی
نئی تنظیم کا اعلان کر دیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ ریگن امن منصوبے، اسرائیلی فوجوں کی واپسی کے لیے لبنانی امر
کی تجاویز اور شاہ حسین یا سر عرفات ملاقات سے اسد نے خطرہ محسوس کیا کہ اگر یہود لبنان سے چلے گئے اور عرب اردن سے
گئے تو صرف جولان ان کے قبضے میں رہ جائے گا، اور اس طرح شام ایسا نکو بن جائے گا کہ کہیں منہ نہ دکھا سکے گا۔ لہٰذا فوراً

عبدالحلیم خدام نے ریگن کو خط لکھا کہ امریکہ کی طرف سے عرب اردن اور غزہ پٹی کی واپسی کے لیے جو اہتمام کیا جا رہا ہے اگر جولان کی واپسی پر بھی ویسی ہی توجہ دی جائے تو شام مشرق وسطیٰ کے جامع تصفیہ میں شرکت کرنے اور فلسطینی تنظیم کو بھی اسی راہ پر موڑنے پر آمادہ ہے۔ اس کا جواب ریگن کی طرف سے حافظ اسد کے نام ۱۷ فروری ۸۲ء کو ٹیلی گرام کی شکل میں آیا کہ انھیں توقع ہے امریکی منصوبہ امن جولان سمیت ۱۹۶۷ء کی ساری مقبوضہ عرب سرزمین کو شامل رہے گا۔ اس لیے شام ریگن منصوبہ امن کی لازمی شرط یعنی الفتح کے خاتمے کے لیے فوراً سرگرم عمل ہو گیا جسے اب آخری شکل دے رہا ہے۔ موجودہ وقت کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ ایسی سفاکانہ کارروائی کے دوران آنکھ میں دھول جھونکنے کے لیے امریکہ اور اسرائیل سے انتہائی کشیدگی کا اظہار ضروری تھا سو اس کشیدگی کے سوانگ رچنے کا بہانہ بیروت میں امریکی و فرانسیسی اور طائریں اسرائیلی فوجی ہیڈکوارٹرز کے اڑا دینے سے بخوبی ہاتھ آگیا۔ سب جانتے ہیں کہ ان کو اڑانے والے فلسطینی یا ان کے حلیف سنی مسلمان ہیں۔ مگر ظاہر یہ کیا جا رہا ہے کہ یہ شام کے اشارے پر کیا گیا ہے تاکہ بیروت کے آس پاس ایک طرف شام اور دوسری طرف امریکہ، فرانس اسرائیل کے درمیان لڑائی کا تو میچ دکھایا جائے۔ اور اس کے پردے میں طرابلس اور اس کے گرد و پیش فلسطینیوں اور مسلمانوں سے امریکی انتقام کی قسم پوری کی جائے۔ بغیر اس کے کہ شام کو فلسطین فروشی کا طعنہ دیا جا سکے۔

یہاں ساری تفصیلات نظرانداز کرتے ہوئے اتنا مزید عرض کر دینا مناسب ہے کہ ۱۹۷۵ء کی خانہ جنگی کے وقت سے فلسطینی اور لبنانی مسلمان ایک جان دو قالب چلے آ رہے ہیں۔ ان کی یہ اسلام پسندی اور جذبۂ خودمختاری ملحدوں کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے۔ اس لیے ان پر شام نے مسلمان کمیونسٹوں سے کئی حملے کرائے بار بار جھڑپیں ہوئیں۔ دھوکے سے بعض اہم مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ حالیہ حملے سے قبل آخری معرکہ ۱۲ اکتوبر کو ہوا۔ بندرگاہ ایریے میں کمیونسٹوں نے حملہ کیا پھر شہر کی مساجد و مدارس اور اسلامی مراکز پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمانوں نے جوابی حملہ کیا اور انھیں پیٹ کر رکھ دیا۔ دوسرے دن شام کی مدد سے پھر کمیونسٹوں نے حملہ کیا مگر مسلمانوں نے پیٹ کر ان کے مراکز پر قبضہ کر لیا۔ اس لیے شام اب ان کے صفائے پر تلا بیٹھا

درحقیقت اسرائیلی حملے کے بعد سنی مسلمان چھاپہ مار کارروائیوں میں شریک ہیں طرابلس ان کا سب سے بڑا گڑھ اور مرکزی شہر ہے۔ اسی شہر نے گرے پڑے فلسطینیوں کے لیے اپنی آغوش شفقت کھول رکھی ہے۔ شامی صدر حافظ اسد اور اس کے دوست روس کو ڈر ہے کہ فلسطینی چلے بھی گئے تو لبنان کے ساحل سے نکلنے کے بعد شمالی لبنان اس کے مخالفین کا ایک محفوظ اڈا ہو گا اور یہاں سے تربیت پا کر اور ہتھیار لے کر وہ شام میں گھسیں گے اور انقلابی کارروائیاں کریں گے لہٰذا وہ اس شہر کو بھی حماۃ کی طرح مٹانے پر تلا ہے اور امریکہ اور اسرائیل کو خطرہ ہے کہ لبنانی مسلمانوں کی کمر نہ توڑی گئی تو اب اسرائیل کے خلاف کارروائی میں یہ عنصر بھی شریک رہے گا اس لیے یہی مرضی ہے خود ساختہ خداوندان عالم امریکہ اور روس کی کہ تباہ کر دیا جائے شہر طرابلس کو۔ واللہ غالب علی امرہ ●●●

ہماری نظر میں

تحفۃ اھل الفکر فی مصطلح اھل الاثر (عربی)

تالیف : مولانا عبدالرحمن صاحب رحمانی ابن شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری

قیمت : روپیے کاغذ اعلیٰ طباعت (حروف) آفسیٹ

پتہ : مکتبہ رحمانیہ رانی پورہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ۔

یہ اصول حدیث کا ایک قیمتی رسالہ ہے، جسے اس فن کی امہات کتب کی مدد سے بڑی کاوش اور جامعیت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ اصول حدیث کی تمام اصطلاحات سے لے کر نہایت باریک فنی مباحث تک کو بڑے سہل اور واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ طلبہ اور مدرسین کی سہولت کے لیے مختلف مباحث کو الگ الگ عنوانات کے تحت تقسیم کر کے ہر قسم کے تحت آنے والے اصطلاحی الفاظ کو کنارے بطور عنوان رکھا گیا ہے پھر سامنے تعریف درج کی گئی ہے۔ جس سے سارے مباحث نہایت سہل الوصول ہوگئے ہیں۔ بہت سی ایسی نفیس فنی بحثیں بھی آگئی ہیں جن سے اصول حدیث کے عام متداول رسالے خالی ہیں طلبہ مدرسین اور فن حدیث سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے خاصے کی چیز ہے۔ (ص ر)

●●●

اصول تفسیر : شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح

ترجمہ : مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی

تعلیق وتقریب : علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

ناشر : فردوس پبلی کیشنز دہلی ۱۱۰۰۰۶

صفحات : ۹۵ ، قیمت ۵ روپے

مولف کا نام کتاب کی عظمت کی دلیل، مترجم مستند، محشی اپنے دور کے عظیم محقق۔

شاید قرآن مجید سے زیادہ مظلوم اس دنیا میں کوئی چیز نہ ہوگی یا رو لیے اسے وہ وہ مشق ستم بنایا ہے کہ اللہ کی پناہ۔ ہر فرقہ اور ہر تحریک نے اپنی مقصد برآری کے لیے اسے خوب خوب استعمال کیا ہے۔ اس دور کا ایک نادر طریقہ "تفسیر نظام القرآن" ہے، جس میں اس کی بھی تحقیق ہوتی ہے کہ صبح کے بعد صلوۃ کیوں ہے اور سورہ نصر کے بعد سورہ صمد کیوں ہے۔ اس مختصر کتاب میں انہی عجوبہ روزگار تفسیری طریقوں کی فتنہ سامانی پر تنقید و تبصرہ ہے اور جمہور امت سلف صالحین کے طریقہ تفسیر کی وضاحت کی گئی ہے۔ — یہ رسالہ مکتبہ سلفیہ لاہور سے مولانا بھوجیانی کی تعلیق کے ساتھ شائع ہوا تھا، ہندوستان

باقی ص ۳۴ پر

وفیات

بریلی سے جناب ڈاکٹر اسلم حسین صاحب ناظم جمعیۃ اهلحدیث مغربی یو پی نے اطلاع دی هے کہ منشی عزیز الرحمن صاحب سابق پردهان موضع گردهرپور ۲۹ ستمبر ۸۳ ء کو صبح ۷ بجکر ۱۰ منٹ پر ایک بس حادثہ کا شکار هوکر تهوڑی دیر بعد انتقال کرگئے انا لله، اس جوانمرگی پر پورا علاقہ سوگوار هے، الله صبر جمیل عطا فرمائے، اور مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

مولانا دیندار خاں شکراوی نے اطلاع دی هے کہ موصوف کا سب سے چهوٹا اور آخری بچہ محمد خالد سیف الله (عمر چهہ سال) ۹ اکتوبر ۸۳ ء کو ایک ناگهانی حادثے کا شکار هوکر عین موقع پر وفات پاگیا، انا لله، بچہ نہایت هونهار، خوش اطوار اور دینیات کا شوقین تها۔ الله والدین واقرباء کو صبر جمیل دے اور باعث اجر و ثواب بنائے۔ آمین۔

موضع شگونہ پوسٹ دانا پور ضلع پٹنہ سے محترم اکبر حسین صاحب نے اطلاع دی هے کہ ان کے والد صاحب ۹ اکتوبر ۸۳ ء کو رات ایک بجے دورۂ دل کے عارضے میں انتقال کرگئے، انا لله۔ الله رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمائے، آمین۔

رسم اجرائے تفسیر ثنائی

دهلی سے مولوی حبیب الرحمان صاحب سلفی نے اطلاع دی هے کہ ۲۲ نومبر ۸۳ ء کو دار الکتاب ۱۳۲/۴ بٹلہ هاوس نئی دهلی کی طرف سے مولانا عبد الجبار صاحب شکراوی شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ شکراوہ میوات کے بدست تفسیر ثنائی کامل کی رسم اجراء عمل میں آئی، مولانا موصوف نے اپنی تقریر میں تفسیر ثنائی کی خصوصیات پر ایک جامع روشنی ڈالی۔

DEC. MOHADDIS 1983
THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom
Printed by Abdul Waheed
At Salafiah Press, Reori Talab. Varanasi.